اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَأدِلَّتُہٗ

دورِ حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آرا،
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق و تخریج بھی شامل ہے

مؤلف
الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی
رکن مجمع الفقہ الاسلامی

دارُالاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَأدِلّتُہٗ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہائ کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دورِ جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

جلد سوم

حصہ پنجم وششم

بابُ العقود

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مُترجم

مولانا محمد یوسف تنولی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس
ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلّہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد پنجم

فہرست مضامین ...... جلد ششم

عنوان	صفحہ

اصطلاحات

بیع......باہمی رضامندی سے مال کالین دین۔ بیع خریدنے کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اکثر فروخت کرنے میں مستعمل ہے۔

شراء......مال کے بدلہ میں مال خریدنا۔

بائع......فروخت کنندہ۔

مشتری......خریدار۔

عاقدین......بائع ومشتری۔

متبایعین......بائع ومشتری۔

معقود علیہ......وہ مال جسے خریدا یا فروخت کیا جارہا ہو۔

صفقہ......سودا۔

فضولی......دوسرے شخص کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے عقد طے کرنے والا۔

صیغہ......ایجاب وقبول۔

ثمن......وہ قیمت جو خریدار اور فروخت کنندہ آپس میں طے کرلیں۔

قیمت......مارکیٹ ریٹ۔

مثمن......جس چیز کے ثمن متعین کیے جارہے ہوں، خرید کردہ مال۔

مبیع......فروخت کردہ چیز۔

مشتریٰ......خرید کردہ مال۔

دین......ذمہ میں واجب الاداء قرضہ خواہ از قسم نقد ہو یا از قسم جنس۔

قبضہ......چیز پر اس طرح کنٹرول حاصل کرلینا کہ اس میں آزادی سے تصرف کیا جاسکتا ہو۔

حبس مبیع......فروخت کنندہ کا فروخت کردہ چیز کو اپنے پاس روک لینا۔

تسلیم......کسی چیز کو دوسرے کے سپرد کرنا۔

غرر......دھوکا، جس کا پایا جانا اور نہ پایا جانا دونوں کا امکان ہو، مبیع یا اس کی قیمت میں ابہام کو بھی غرر کہا جاتا ہے۔

مال متقوم......ایسی چیز جس کی تاجروں کے عرف میں قیمت لگائی جاتی ہو۔

فاسد......جو معاملہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہو اور کسی خارجی وصف کی وجہ سے نادرست ہو۔

باطل......جو فعل اصل کے اعتبار سے ہی مشروع نہ ہو اور کسی حکم کا فائدہ نہ دے، صلبِ عقد میں خرابی کا آجانا بطلان کا باعث

ہوتا ہے۔

مقدور التسلیم......ایسی چیز جسے سپرد کرنا انسانی قدرت میں ہو اور بالفعل اسے سپرد بھی کیا جاسکے۔

تعجوز التسلیم......ایسی چیز جسے سپرد کرنے سے بائع قاصر ہو۔

شرکہ......کمپنی، دو یا دو سے زائد آدمیوں کا مشترکہ کاروبار۔

صحت......معاملہ کا صحیح ہونا۔

بیع معدوم......جو چیز فی الحال موجود نہ ہو اسے فروخت کرنا جیسے حمل کی بیع۔

تامین......بیمہ، انشورنس۔

عربون......بیعانہ، کوئی چیز خرید نا یا کرایہ پر لینا اس کی قیمت یا کرایہ کا کچھ حصہ ادا کر دینا کہ اگر معاملہ طے ہو گیا تو ادا شدہ رقم قیمت میں سے شمار ہوگی ورنہ سوخت ہو جائے گی۔

بیع سلم......نقد قیمت کے بدلہ ادھار سامان خرید کرنا۔

بیع سنین......پھل اور درخت کی کئی سالوں کے لئے خرید وفروخت اسے بیع معاومہ بھی کہتے ہیں۔

بیع صحیح......جو اصل اور وصف ہر لحاظ سے درست ہو۔

بیع صرف......سونے چاندی کا اسی جنس سے یا کرنسی کا تبادلہ۔

بیع مکروہ......جو خرید وفروخت اصل اور شرط کے اعتبار سے درست ہو لیکن کسی خارجی وصف کے اعتبار سے درست نہ ہو جیسے جمعہ کی اذان کے وقت کی بیع۔

بیع محاقلہ......پودے میں لگے ہوئے اناج کو اس جنس کے کٹے ہوئے اناج کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

بیع مرابحہ......قیمت خرید سے کچھ زائد قیمت کے ساتھ سامان فروخت کرنا۔

بیع تولیہ......اصل قیمت پر مال فروخت کرنا۔

بیع وضعیہ......نقصان پر مال فروخت کرنا۔

بیع مزابنہ......درخت پر لگے پھلوں کو اسی کی جنس کے ٹوٹے ہوئے پھلوں کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

بیع مساومہ......پہلی قیمت کے ذکر کے بغیر سامان فروخت کرنا۔

بیع مضامین......زیر حمل جنین کو فروخت کرنا۔

بیع منابذہ......مبیع اور ثمن پر گفتگو کرنے کی بجائے ثمن اور مبیع کو ایک دوسرے کی طرف پھینکنے پر اکتفا کر لینا۔

نَجَش......محض قیمت بڑھانے کے لئے بڑھ کر بولی لگانا۔

بدو صلاح......پھل میں اتنی صلاحیت کا پیدا ہو جانا کہ اسے استعمال کیا جاسکتا ہو۔

خیار......فروخت کنندہ یا خریدار کو معاملہ کے نفاذ یا عدم نفاذ کا اختیار حاصل ہونا۔

خیارِ شرط......دوران عقد یہ شرط رکھ لینا کہ مجھے تین دن تک یہ چیز خریدنے یا فروخت کرنے کا آپشن حاصل رہے گا۔

خیارِ رؤیت.....بن دیکھے جو چیز خرید لی جائے اس پر حاصل شدہ اختیار کہ چاہے خریدے یا نہ خریدے۔

خیارِ عیب.....مبیع میں ایسا عیب پیدا ہونا جس کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں نقص آ جائے اس پر خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مسلم الیہ.....فروخت کنندہ۔

رب السلم.....پیشگی قیمت دے کر اُدھار مال خریدنے والا

مسلم فیہ.....وہ چیز (جیسے گندم) جس میں بیع سلم کرنا مقصود ہو۔

رأس المال.....وہ قیمت جو بیع سلم کی صورت میں فروخت کنندہ کو ایڈوانس دی جاتی ہے۔

استصناع.....کاریگری کا ایسا معاملہ جس میں عمل فی الحال موجود نہ ہو بلکہ کاریگر کے ذمہ میں ہو۔یعنی آرڈر پر مال تیار کروانا جیسے جوتے کی سائی دینا۔

استصحاب.....جو حکم ماضی میں موجود ہو اسے باقی رکھنا۔

بیع جزاف.....اندازے کے ساتھ خرید وفروخت کرنا۔

اقالہ.....خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے اُسے ختم کر دینا۔

اجارہ.....کرایہ پر کسی چیز کو دینا۔

استجارہ.....کرایہ پر کوئی چیز لینا۔

موجر.....کرایہ پر کوئی چیز دینے والا۔

مستاجر.....کرایہ پر کوئی چیز لینے والا۔

شئے مستاجر.....کرایہ پر لی گئی چیز۔

مضاربت.....ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کا کام بایں طور کہ منافع دونوں میں طے شدہ تناسب سے تقسیم ہو۔

مضارب.....عمل کار۔

رب المال.....مضاربت میں لگائے گئے مال کا مالک۔

ربح.....حاصل ہونے والا نفع۔

ہبہ.....کسی شخص کو اپنے مال کا بلاعوض مالک بنا دینا۔

واہب.....ہبہ کرنے والا۔

موہوب لہ.....جسے مال ہبہ کیا جا رہا ہو۔

شئے موہوبہ.....ہبہ کی گئی چیز۔

ودیعت.....کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھنا۔

مستودع.....ودیعت رکھنے والا۔

مودع.....جس کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی جائے۔

اعارہ یا عاریت.....دوسرے شخص کو کسی مادی چیز کے بلا معاوضہ منفعت کا مالک بنانا۔

مستعیر.....چیز کو عاریۃً لینے والا۔

مستعار.....عاریۃً لی گئی چیز۔

معیر.....عاریۃً دینے والا۔

وکالت.....متعین تصرف میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا دینا۔

وکیل.....تصرف کرنے والا قائم مقام۔

تیسری قسم......عقود

یاسول مالی تصرفات (معاملات)

عقود کی بحث اٹھارہ (۱۸) فصلوں میں آئے گی۔

۱......بیع اور اس کی مختلف انواع (یعنی بیع سلم، استصناع، بیع صرف، بیع جزاف (تخمینہ سے بیع) سود، مرابحہ، تولیہ، وضیعہ اور اقالہ

۲......قرض ۳......اجارہ ۴......جعالہ (گمشدہ آدمی کو پہنچانے کی اجرت)

۵......شرکت ۶......ہبہ ۷......ودیعت ۸......عاریت

۹......وکالت ۱۰......کفالت ۱۱......حوالہ ۱۲......رہن ۱۳......صلح

ان تیرہ فصلوں کے ساتھ مزید پانچ فصلیں اور ملحق ہیں، جو کہ ابراء، استحقاق، مقاصہ، اکراہ اور حجر (پابندی) کے متعلق ہیں۔ بقیہ عقود (معاملات) کے متعلق گفتگو ملکیت اور احوال شخصی کی مباحث میں ہوگی، گویا شریعت اسلامیہ میں اکیس (۲۱) عقود مشروع ہیں۔

پہلی فصل......عقد بیع ❶

خاکہ موضوع......چونکہ بیع کی مختلف انواع واقسام ہیں اور فقہ میں یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس لئے فقہاء عقد بیع کو ”کتاب البیوع“ کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیوع، بیع کی جمع ہے، جبکہ میں نے اس عنوان کو ”عقد بیع“ سے تعبیر کیا ہے چونکہ سول قانون کے شارحین کی یہی روش ہے اور میں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ چونکہ کلمہ ”عقد“ مضاف ہے اور بیع مضاف الیہ ہے یوں یہ اضافت عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ نحوبین کہتے ہیں کہ مفرد مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے، عقد بیع کے ذیل میں چھ مباحث شامل ہیں۔

پہلی بحث......عقد بیع کو وجود میں لانے کا بیان۔

دوسری بحث......بیع کی شرائط۔

تیسری بحث......بیع کا حکم مبیع (خرید کردہ سامان) اور ثمن (قیمت، رقم) پر کلام۔

چوتھی بحث......بیع باطل اور بیع فاسد کے بیان میں۔

پانچویں بحث......جملہ خیارات کے بیان میں۔

چھٹی بحث......بیع کے مختلف انواع جو درج ذیل ہیں۔

۱......بیع سلم جسے بیع سلف بھی کہتے ہیں۔ ۲......استصناع ۳......بیع صرف ۴......بیع جزاف

۵......ربا (سود) ۶......بیوع، امانت (مرابحہ، تولیہ، وضیعہ) ۷......اقالہ

---

❶......خرید وفروخت کو عربی میں عقد بیع کہا جاتا ہے، یعنی اس فصل میں خرید وفروخت کے مسائل زیر بحث آئیں گے۔

پہلی بحث: عقد بیع کو وجود میں لانے کا بیان.....اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد.....بیع کی تعریف، مشروعیت اور بیع کے آداب۔

دوسرا مقصد.....بیع کا رکن، بیع کے انعقاد کی کیفیت۔

پہلا مقصد.....بیع کی تعریف، مشروعیت اور آداب:

بیع کی تعریف.....بیع کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں۔

لغوی تعریف....."مقابلة شيء بشيء" ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ کرنا۔ لفظ بیع دو متضاد معنوں کا حامل ہے یعنی خریدنا اور بیچنا۔ ایسے الفاظ کو اصطلاح میں "اسماء ذات الا ضداد" کہا جاتا ہے، جن کا اطلاق ایک چیز پر بھی ہوتا ہے اور اس کی ضد پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے لفظ "شراء" بھی اضداد میں سے ہے۔ ❶

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ .....یوسف ۱۲/ ۲۰

یہاں "شروا" "باعوا" کے معنی میں ہے یعنی بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو محدود دراہم میں فروخت کیا۔ (یعنی یہاں شراء فروخت کی معنی میں ہے) ایک اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ .....البقرة ۲/ ۱۰۲

"وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا"

چنانچہ متعاقدین یعنی خریدنے والے اور فروخت کنندہ دونوں کو "بائع، بیع، مشری اور شاری" کہا جاتا ہے۔ ❷

اصطلاحی تعریف.....حنفیہ کے نزدیک، بیع کی تعریف یہ ہے:

مبادلة مال بمال علىٰ وجه مخصوص

مخصوص طریقہ سے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنا بیع ہے۔

بیع کی ایک تعریف یہ بھی ہے۔ "مخصوص ومفید طریقہ سے مرغوب شئے کا اس کی ہم مثل شئے سے تبادلہ کرنا ہے یعنی ایجاب وقبول یا تعاطی سے چیز کا تبادلہ کرنا۔ اس تعریف میں "مفید" کی قید لگائی گئی ہے اس قید سے وہ بیع نکل گئی جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، جیسے درہم کے بدلہ میں درہم (روپے کے بدلہ میں روپے) کی بیع۔ اور مرغوب کی قید سے غیر مرغوب یعنی مردار، خون اور مٹی نکل گئی۔ ❸

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں لکھا ہے "بیع" بطور تملیک مال کے مقابلہ میں مال کا ہونا ہے۔ ❹ جبکہ ابن قدامہ نے یوں تعریف کی ہے۔ "بطور تملیک اور تملک مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔ ❺

---

❶.....نیل الاوطار میں تعلیقاً لکھا گیا ہے کہ بیع کی لغوی اور شرعی تفسیر ہے لغت میں مطلق تبادلہ کو کہا جاتا ہے چنانچہ بیع اور شراء دونوں الفاظ اضداد میں سے ہیں، بیع کا اطلاق بیچنے پر بھی ہوتا ہے خریدنے پر بھی اسی طرح شراء بھی چنانچہ یہ دونوں الفاظ متضاد معانی میں مشترک ہیں۔ شریعت میں "باہمی رضا مندی سے مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع ہے۔ (نیل الاوطار ۵/ ۱۴۲) ❷ بیع کی جملہ مباحث میں ہم بائع فروخت کنندہ بیچنے والا ایک معنی میں استعمال کریں گے اور مشتری خریدار کا بک ایک معنی میں استعمال کریں گے۔ لہٰذا جہاں بائع کا لفظ آئے گا اس سے مراد فروخت کنندہ اور جہاں مشتری کا لفظ آئے گا اس سے مراد خریدار ہوگا۔ ❸ دیکھئے البدائع ۵/ ۱۳۳، فتح القدير ۵/ ۷۳ حاشية ابن عابدين ۴/ ۳۔ ❹ مغنی المحتاج ۲/ ۲۔ ❺ المغنی ۳/ ۵۵۹۔

لفظ بیع 'الباع'' سے مشتق ہے۔ باع بازو اور ہاتھ کو کہا جاتا ہے، چونکہ خرید وفروخت کے وقت معاملہ کاروں میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اور بازو آگے بڑھاتا ہے اس لئے خرید وفروخت کو ''بیع'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک معاملہ کے وقت دوسرے سے ہاتھ ملاتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے اس لئے بیع کو ''صفقہ'' (سودا) بھی کہا جاتا ہے۔ ❶

مال..... حنفیہ کے نزدیک مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور بوقت ضرورت اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو جبکہ مالیت کا ثبوت سبھی لوگوں یا بعض لوگوں کے مالدار ہونے سے ہوتا ہے، استاذ زرقاء نے اس تعریف پر نقد وارد کیا ہے اور مال کی دوسری تعریف کی ہے۔ ''ہر وہ چیز جو مادی ہو اور لوگوں کے درمیان قیمتی متصور ہوتی ہو۔ ❷ اس تعریف کے مطابق حنفیہ کے نزدیک منافع جات اور حقوق محضہ کا مالی اعتبار نہیں ہوا۔ جبکہ جمہور فقہاء نے انہیں مال متقوم کا درجہ دیا ہے۔ چونکہ اعیان واشیاء سے مقصد نفع اٹھانا ہوتا ہے۔

یہاں بیع سے مراد وہ عقد ہے جو ایجاب وقبول سے مرکب ہو۔

بیع کی مشروعیت..... بیع جائز ہے اور اس کے جواز پر کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل شاہد ہیں۔ ❸

قرآن کے دلائل..... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ......البقرۃ ۲/ ۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ......البقرۃ ۲/ ۲۸۲

جب تم آپس میں خرید وفروخت (اور لین دین) کرو تو گواہ بنالیا کرو۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ......النساء ۴/ ۲۹

ہاں البتہ اگر تمہارے درمیان باہمی رضامندی کی تجارت ہو۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ......البقرۃ ۲/ ۱۹۸

اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضل (مال) کی تلاش میں رہو۔

سنت سے دلائل..... بہت ساری احادیث سے بیع کا جواز ثابت ہوتا ہے منجملہ ایک یہ حدیث بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جسے آدمی اپنے ہاتھ سے کمائے۔ اور ہر وہ بیع جو مبرور ہو۔ ❹ بیع مبرور وہ ہوتی ہے جس میں دھوکا اور خیانت نہ ہو۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے درآں حالیکہ لوگ آپس میں خرید وفروخت کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس پر تقریر فرمائی۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''سچا اور امانتدار تاجر نبیین، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

قال الترمذی ھذا حدیث حسن

---

❶ ..... بحوالہ سابق۔ ❷ المدخل الی نظریۃ الالتزام العامۃ فی الفقہ الاسلامی للزرقاء ص ۱۱۴۔۱۱۸۔ ❸ المبسوط ۲/ ۱۰۸ المھذب ۱/ ۲۵۷۔ ❹ ھذا حدیث طویل رواہ البیہقی وابن ماجہ وصححہ ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ورواہ عبدالرزاق فی الجامع عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ، وانظر کنز الدقائق ۲/ ۲۱۲ شرح المجموع للنووی ۹/ ۱۵۸، وروی الترمذی وابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ بمعناہ۔

اجماع..... بیع (خرید وفروخت) کے جائز ہونے پر اجماع ہے نیز حکمت بھی جواز بیع کا تقاضا کرتی ہے۔

چونکہ انسان دوسرے کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس کا محتاج ہوتا ہے۔ اور وہ دوسرا بغیر عوض کے اپنا مال دینے پر راضی نہیں ہوتا، گویا خرید وفروخت کے طریقہ میں ہر شخص کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے جبکہ انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے مدنی واقع ہوا ہے چنانچہ ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی گزارنا ناممکن ہے۔

بیوع میں اصل اباحت ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیوع میں اصل یہ ہے کہ سبھی اقسام کی بیوع مباح ہیں بشرطیکہ جب فروخت کنندہ اور خریدار کی باہم رضامندی سے ہوں اور وہ معاملہ اپنی حقیقت میں جائز ہو اور ایسا معاملہ نہ ہو جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور جو بیع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ بیع کے معنی میں ہو وہ حرام ہے اور منہی عنہ کے معنی میں داخل ہے، جو بیع اس سے جدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" میں داخل ہو تو ہم اسے مباح کہیں گے۔

خرید وفروخت کے آداب..... بیع کے بہت سارے آداب ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱: منافع میں غلو کا نہ ہونا..... دنیا میں غبن فاحش ممنوع ہے اور اس پر سبھی شرائط کا اجماع ہے۔ چونکہ غبن فاحش دھوکا دہی کے معنی میں ہوتا ہے البتہ غبن یسیر (تھوڑا سا دھوکا) ایسی چیز ہے کہ اس سے احتراز ناممکن ہے گویا غبن یسیر جائز ہے، چنانچہ غبن یسیر کی وجہ سے اگر ہم بیع کے رد کا حکم لگائیں گے تو پھر کبھی بھی بیع کا نفاذ نہیں ہوسکتا، چونکہ کوئی بیع ایسی نہیں جو غبن فاحش سے خالی ہو اور اگر غبن زیادہ ہو اور اس سے احتراز بھی ممکن ہو تو بیع کا رد کرنا واجب ہے، علماء مالکیہ نے غبن فاحش کا اندازہ ایک تہائی اور اس سے زیادہ کیا ہے، چونکہ تہائی کی مقدار وصیت وغیرہ میں مشروع ہے۔ [1] گویا برکت والا اور پاکیزہ منافع وہ ہے جو تہائی اور اس سے زیادہ کے بقدر ہو۔

۲: معاملہ میں سچائی کا ہونا..... یعنی سرمائے کی حقیقی صفت بیان کی جائے، معاملہ کی نوع جنس اور دیگر متعلقات کے متعلق دروغ گوئی سے کام نہ لیا جائے چنانچہ ترمذی نے رفاعہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ "کہ تُجار قیامت کے دن فاجر لوگوں کی صورت میں اُٹھائے جائیں گے البتہ وہ تاجر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، احسان کرتا ہو اور سچ بولتا ہو وہ یوں نہیں اٹھایا جائے گا۔" ترمذی کی ایک اور روایت سابق میں گزر چکی ہے کہ سچا تاجر جو امانتدار ہو..... (الحدیث)

۳: معاملہ میں فراخدلی کا مظاہرہ کرنا..... چنانچہ بائع کو ثمن (قیمت) میں چشم پوشی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور قدرے کمی کر دینی چاہئے، اور مشتری کو بھی چاہئے کہ مبیع (سامان) میں بے جا قسم کی شرائط عائد نہیں کرے بلکہ بڑھ چڑھ کر قیمت دینی چاہئے، بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ فیاضی کرنے والے شخص پر رحم فرمائے جو فروخت کرتے وقت اور خریدتے وقت فیاضی کرتا ہو۔ اور قرضہ کا مطالبہ کرتے وقت فیاضی کرتا ہو"۔

۴: قسمیں اٹھانے سے اجتناب کرنا گو تاجر سچا ہی کیوں نہ ہو..... بیع میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی قسم سے مطلقاً اجتناب کرنا مستحب ہے چونکہ خرید وفروخت میں قسم اٹھانا اللہ تعالیٰ کے نام کا امتحان ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ

اپنی قسموں کو نشانہ مت بناؤ تا کہ تم احسان کرو اور اللہ سے ڈرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو۔" بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ "قسم سے سامان کی جلت ہوجاتی ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔

[1] ..... احکام القرآن لابن العربی ۴/۱۸۰۴۔

۵: کثرت سے صدقہ کرنا.....کثرت سے صدقہ کرنا تاجر کے لئے مستحب ہے تاکہ قسمیں اٹھانے، دھوکا دینے، عیب چھپانے، نرخوں میں گرانی کرنے اور بدخلقی وغیرہ سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے قیس بن ابی غرزہ سے حدیث نقل کی ہے: ''اے تاجروں کی جماعت! شیطان اور گناہگاری خرید وفروخت میں آ جاتے ہیں لہٰذا اپنی بیع کو صدقہ کے ساتھ ملاتے رہو۔

۶: قرضہ وغیرہ کو لکھنا اور اس پر گواہ بنانا...... جو معاملہ طے پائے اسے لکھنا مستحب ہے اور دین مؤجل کی مقدار کا لکھنا بھی مستحب ہے ادھار بیع اور قرضہ کے لکھنے پر بھی گواہ بنانا مستحب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ......وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں لین دین کا معاملہ کرو جو کہ ایک مدت تک ہو تو اسے لکھ لو اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو۔ البقرۃ ۲/ ۲۸۲

دوسرا مقصد: بیع کا رکن یا انعقاد بیع کی کیفیت...... حنفیہ کے نزدیک بیع کا رکن (۱) ایجاب وقبول ہے جو تبادلہ یا اس کے قائم مقام تعاطی پر دلالت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر رکن کو یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ ایسا فعل جو رضامندی سے دونوں ملکوں کے تبادلہ پر دلالت کرے خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ (۲) جمہور کے نزدیک بیع کے چار ارکان ہیں۔ بائع، مشتری، صیغہ (ایجاب وقبول) اور معقود علیہ (خرید کردہ سامان) جمہور کی یہ رائے سبھی عقود کے بارے میں ہے

حنفیہ کے نزدیک ایجاب......خاص فعل کا اثبات ہے جو کلام متعاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے پہلے واقع ہونے والی رضامندی پر دلالت کرتا ہے، برابر ہے یہ کلام بائع کی طرف سے واقع ہو جیسے یوں کہے میں نے یہ چیز بیچ دی یا فروخت کر دی یا مشتری کی طرف سے واقع ہو گویا مشتری کی طرف سے کلام کی ابتداء ہو اور یوں کہے: میں نے اتنے روپے میں یہ چیز خرید لی۔

قبول......وہ کلام جو متعاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے بعد میں ذکر کیا جائے گویا ایجاب وقبول میں اعتبار اولیت اور ثانویت کا ہے خواہ بائع کی طرف سے ہو یا مشتری کی طرف سے۔

جمہور...... کے نزدیک ایجاب وہ ہوتا ہے جو ایسے شخص سے صادر ہو جس سے تملیک کا قیام ہو اگرچہ وہ اپنا کلام بعد میں لائے، اور قبول وہ ہوتا ہے جو ایسے شخص سے صادر ہو جس کے پاس ملک آتی ہو اگرچہ کلام اس سے پہلے صادر ہو۔ (۳)

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک بیع کے ارکان تین یا چار ہیں۔ (۴) عاقد (فروخت کنندہ اور خریدار) معقود علیہ (ثمن اور سامان) اور صیغہ (ایجاب وقبول)

ایجاب وقبول کے متعلق دو پہلوؤں سے گفتگو ہوگی۔

۱......ایجاب وقبول کے صیغہ میں۔

۲......ایجاب وقبول کی صفت (طریقہ) میں۔

---

(۱)......حنفیہ کے نزدیک رکن وہ ہوتا ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کا جزو ہو جمہور کے نزدیک رکن وہ ہوتا ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو خواہ وہ اس چیز کا جزو ہو یا نہ ہو جبکہ شرط وہ ہوتی ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس کا جزو نہ ہو۔ (۲) دیکھئے فتح القدیر ۵/ ۷۴، البدائع ۵/ ۱۳۳، حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۵۔ (۳) شرح المنهج للشيخ زكريا انصاری ۲/ ۱۸۰، كشاف القناع ۲/ ۳ (۴) الشرح الكبير ۲/ ۳ مغنی المحتاج ۲/ ۳، كشاف ۳/ ۱۳۵۔

۱: ایجاب وقبول کا صیغہ..... صیغۂ عقد سے مراد ایجاب وقبول کی وہ صورت اور ہیئت ہے جس سے ایجاب وقبول کا قیام ہوتا ہے اگر عقد طرفین کے درمیان التزام کے طور پر ہو یا فقط ایجاب ہو اگر جانب واحد کی طرف سے التزام ہو۔

سبھی شرائع کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد کے وجود اور تحقق کا دارومدار ایسی چیز کے صادر ہونے پر ہے جو جانبین کی طرف سے التزام کی باہمی رضامندی پر دلالت کرتی ہو، علماء کے نزدیک یہ صیغہ عقد سے معروف ہے۔ جبکہ ماہرین قانون کے ہاں اسے ارادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، صیغۂ عقد (ایجاب وقبول) میں یہ شرط ہے کہ متعاقدین کی طرف سے ایسے طریقہ سے اس کا صدور ہو جس کا اعتبار شارع نے کیا ہو، حنفیہ کے نزدیک شارع کا اعتبار یہ ہے کہ بیع ہر ایسے لفظ سے منعقد ہو جاتی ہے جو اموال کے تبادلہ میں باہمی رضامندی پر دلالت کرتا ہو۔

چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: بیع ماضی کے صیغہ کے ساتھ منعقد ہوتی ہے مثلاً یوں کہے (عربی میں) **بعت واشتریت**۔ (اردو میں) میں نے یہ چیز خرید لی، میں نے یہ چیز فروخت کردی۔ حال کے صیغہ کے ساتھ بیع تب منعقد ہوگی جبکہ نیت ہو مثلاً یوں کہے: **أبیع واشتری**۔ میں بیچ رہا ہوں اور میں خرید رہا ہوں۔

اگر انعقاد بیع کے لئے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک بیع منعقد نہیں ہوگی مثلاً کوئی یوں کہے۔ ''مجھے فروخت کردو، یا مجھ سے خرید لو۔'' چنانچہ جب تک مشتری دوسری بار پہلی مثال کے جواب میں ''میں نے خرید لی'' اور دوسری مثال کے جواب میں بائع ''میں نے فروخت کردی'' نہ کہے۔

چونکہ یہ محض وعدہ ہے جو دھوکا دہی اور ملاوٹ سے منسوب ہو سکتا ہے۔ بسا اوقات اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بیع میں کوئی عیب نہ ہوتا تو وہ کسی دوسرے سے سوال نہ کرتا جبکہ دوسرا اس کا طالب ہو سکتا ہے جیسا کہ مارکیٹوں میں یہ معروف ومشہور ہے۔ پھر اگر قبول میں تاخیر ہوئی تو بیع صحیح نہیں ہوگی، چونکہ یہ عقد اس صورت میں قبول سے خالی ہوگا لہٰذا بیع منعقد نہیں ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے خرید وفروخت کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو۔

بیع اور عقد نکاح میں فرق..... بیع عقد نکاح کے برخلاف ہے چنانچہ نکاح استدعاء (مستقبل) کے لفظ کے ساتھ صحیح ہوتا ہے مثلاً یوں کہا جائے ''**زوجنی**'' ''میرا نکاح کرادو۔ چنانچہ اس حالت میں یہ لفظ توکیل نکاح ہوگا، اگر قائل کی شادی کرادی تو گویا اس کا حکم پورا کردیا گیا اور اس کی طلب حل ہو چکی یوں شادی (نکاح) کرانے والا ایک طرف سے ولی ہوگا اور دوسری طرف سے وکیل ہوگا جبکہ شخص واحد عقد نکاح میں طرفین کا متولی بن سکتا ہے جبکہ یہ نکتہ عقد بیع کے برخلاف ہے چنانچہ عقد بیع میں شخص واحد طرفین کا متولی نہیں بن سکتا، الا یہ کہ باپ ہو جو بیٹے کا مال اپنے لئے خرید رہا ہو یا اپنا مال بیٹے کے ہاتھ فروخت کر رہا ہو، حنفیہ کے نزدیک یتیم کا وصی بھی طرفین سے متولی ہو سکتا ہے، مثلاً یتیم سے اپنے لئے خرید رہا ہو یا اپنا مال یتیم کے ہاتھ فروخت کر رہا ہو۔

دوسرا فرق..... عقد بیع اور عقد نکاح میں یہاں ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ امر کا لفظ حقیقت میں بھاؤ تاؤ کے لئے ہوتا ہے اور حقیقت میں ایجاب وقبول کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ صیغہ امر تو ایجاب وقبول کا مطالبہ ہوتا ہے، لہٰذا ایجاب وقبول کے لئے ایک دوسرا لفظ لانا ضروری ہے جو ایجاب وقبول پر دلالت کرتا ہو، جبکہ صیغۂ امر کو عقد نکاح کی صورت میں بھاؤ تاؤ پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ چونکہ عقد نکاح میں عادتاً بھاؤ تاؤ نہیں لگایا جاتا چونکہ عقد نکاح پیغام نکاح پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے عقد نکاح میں صیغۂ امر کو ایجاب وقبول پر محمول کیا جائے گا۔ رہی بات عقد بیع کی سو اس میں ایسی مثال نہیں ملتی، لہٰذا عقد بیع میں صیغۂ امر بھاؤ تاؤ پر محمول ہوگا چونکہ صیغۂ امر کی یہی حقیقت ہے اور حقیقت سے کسی دوسری چیز کی طرف بغیر دلیل کے عدول نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ عقد بیع میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بخلاف نکاح کے۔

خلاصہ..... حنفیہ کے نزدیک صیغہ بیع یا تو بغیر نیت کے دو لفظوں میں ہوگا اور یہ ماضی کے صیغہ سے ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کہے ''**بِعْتُ واشْتَرَیْتُ**'' (میں نے فروخت کی، میں نے خریدی) یہ صیغہ اگرچہ زمانہ ماضی کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن اہل لغت اور اہل شرع کے عرف

میں فی الحال ایجاب کے لئے مقرر کیا گیا ہے چنانچہ عرف لغت پر قاضی مانا گیا ہے۔

یا نیت کے ساتھ دو لفظوں میں ہوگا اور نیت مال کی ہوگی، یہ مضارع کے صیغہ سے ہوتا ہے چونکہ مضارع میں حال واستقبال دونوں کا احتمال ہوتا ہے، گویا نیت سے احتمال کا دفعیہ ہوگا، گویا مستقبل میں بیع کے وعدہ کا ارادہ ہوتا ہے، یوں زمانہ حال کی نیت کر لینا ارادۂ مستقبل کے مانع ہوگی۔

یا صیغہ بیع تین الفاظ میں ہوگا اور یہ استفہام کے لفظ میں ہوتا ہے جیسے مثلاً مشتری کہے: کیا تم یہ چیز مجھے فروخت کرتے ہو؟ یا امر کے لفظ میں ہو جیسے مثلاً بائع کہے "مجھ سے یہ کپڑا خرید لو۔ یا مثلاً مشتری کہے: مجھے یہ کپڑا فروخت کردو۔" ان مثالوں میں بیع کا انعقاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ تیسرا لفظ نہ ملایا جائے۔ چنانچہ پہلی مثال میں مشتری کہے گا: میں نے یہ چیز خرید لی۔" چونکہ استفہام حقیقت میں حال کے لئے مستعمل نہیں ہوتا۔ دوسری مثال میں بائع کہے گا: میں نے بیچ دی۔ اور تیسری مثال میں مشتری کہے گا: میں نے خرید لی۔

مذکورہ بالا تفصیل کی رو سے لفظ امر کے ساتھ سرے سے بیع صحیح نہیں ہوگی برابر ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، ہاں البتہ جب حلال پر دلالت ہو جیسے۔ "خذہ بکذا" یعنی اتنے روپے میں یہ چیز لے لو۔" یہ ایسا ہی ہے جیسے سین یا سوف کے ساتھ ملا ہو مضارع کے صیغہ کے ساتھ بیع سرے سے صحیح نہیں ہوتی جیسے "سأبیعك" یہ چیز میں تمہیں فروخت کروں گا۔" چونکہ جب **سین** اور **سوف** مضارع کے ساتھ ملا ہو تو حال کا ارادہ ختم ہو جاتا ہے۔●

مالکیہ، شافعیہ ظاہری مذہب کے مطابق اور حنابلہ کہتے ہیں۔ عقد بیع اور عقد نکاح لفظ استدعاء یعنی صیغہ امر وغیرہ سے منعقد ہو جاتے ہیں مثلاً یوں کہا "بعنی" مجھے فروخت کرو۔ "اشترمنی" مجھ سے خرید و دوسرا کہے گا۔ "بعتُ" میں نے فروخت کر دی، یا کہے گا۔ "اشتریت" میں نے خرید لی۔ چونکہ عقد کی اساس باہمی رضامندی ہے۔ اور جب ایجاب وقبول متعاقدین کی طرف سے صادر ہوگا اس طور پر کہ اس سے ان کی باہمی رضامندی پر دلالت مل جاتی ہو تو عقد صحیح ہو جائے گا اور اس سے غرض حاصل ہو جائے گی، خواہ استدعاء کرنے والا بائع ہو یا مشتری۔●

بیع بالتعاطی..... بیع تعاطی، معاطاۃ یا بیع مراوضہ ایک معنی میں ہے۔ بیع تعاطی یہ ہے کہ خریدار اور تاجر عملاً کسی چیز کی خرید وفروخت پر اتفاق کر لیں اور ایجاب وقبول کے لئے زبان کا استعمال نہ کریں، تاہم کبھی کبھار کسی ایک کی طرف سے لفظ بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مشتری سامان اٹھا لے اور بائع کو اس کی قیمت تھما دے، یا بائع سامان اٹھا کر دے دے اور دوسرا شخص اس کی قیمت دے دے اور اس لینے دینے میں گفتگو نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کا اشارہ ہو برابر ہے خرید کردہ سامان کوئی گھٹیا چیز ہو یا بڑھیا ہو۔ بیع تعاطی کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے۔

حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ اصح قول کے مطابق کہتے ہیں کہ بیع تعاطی صحیح ہے بشرط یہ کہ جب یہ معتاد ہو یعنی اس کا رواج ہو اور رضامندی پر دلالت بھی ہوتا کہ متعاقدین کا ارادہ مکمل ہو جائے، بیع ہر ایسے طریقہ سے صحیح ہوتی ہے جس سے رضامندی پر دلالت ہو۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ بازاروں میں تعاطی سے لین دین کرتے چلے آئے ہیں، اس کا انکار منقول نہیں، لہٰذا بیع تعاطی کے جواز پر اجماع ہے، لہٰذا یہاں قرینہ رضامندی کی دلالت پر کافی سمجھا جائے گا۔●

شافعیہ کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ عقد کا وقوع صریح الفاظ یا کنایہ سے ہو جو ایجاب وقبول کو متضمن ہو، لہٰذا بیع تعاطی صحیح نہیں ہے۔ برابر ہے

●..... البدائع ۵/۱۳۳، فتح القدیر مع العنایۃ ۵/۷۵، حاشیۃ ابن عابدین ۴/۹۔ ●..... بدایۃ المجتہد ۲/۱۶۸ حاشیۃ الدسوقی ۳/۳، المیزان ۲/۶۳، مغنی المحتاج ۲/۴ کشاف القناع ۳/۱۳۶۔ ●البدائع ۵/۱۳۴، فتح القدیر ۵/۷۷ بدایۃ المجتہد ۲/۱۶۱، المغنی ۳/۵۶۱

خرید کردہ سامان حقیر چیز ہو یا نفیس، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''بیع (خرید وفروخت) تو باہمی رضا مندی سے ہوتی ہے۔'' ❶ جبکہ رضامندی امر خفی ہوتا ہے، لہٰذا رضامندی پر دلالت کرنے والے لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے، خصوصاً تنازع کی حالت میں عقد کے اثبات کے وقت تلفظ کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ حاکم کے پاس گواہوں کی گواہی صرف لفظ کی صورت میں قابل سماعت ہوتی ہے۔

شافعیہ کی ایک جماعت جن میں امام نووی، امام بغوی اور متولی بھی شامل ہیں نے بیع تعاطی کے صحیح ہونے کو اختیار کیا ہے۔ چونکہ لفظ کا شرط ہونا ثابت نہیں۔ لہٰذا عرف عام کو ترجیح حاصل ہوگی۔

چنانچہ امام نووی کہتے ہیں: فتویٰ کے لئے یہی قول مختار ہے۔ جبکہ بعض شافعیہ جیسے ابن سریج اور رویانی وغیرھما نے بیع تعاطی کے جواز کو اشیاء حقیرہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور وہ اشیاء جو عمدہ اور نفیس ہوں ان میں بیع تعاطی جائز نہیں۔ اشیائے حقیرہ جیسے: کلو بھر آٹا، سبزی کی گٹھڑی وغیرھا۔ ❷

ملاحظہ..... فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عقد نکاح فعل کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے خواہش مند کے لئے تلفظ ضروری ہے بشرطیکہ وہ تکلم پر قدرت رکھتا ہو (یعنی گونگا نہ ہو) لہٰذا اس احتیاط کا ہونا لابدی ہے۔

۲: ایجاب وقبول کی کیفیت اور طریقہ، خیار مجلس کے متعلق کلام..... ایجاب وقبول میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرے کے وجود سے قبل وہ لازم نہیں ہوتا، چنانچہ جب ایجاب ہو تو قبول سے پہلے ہر ایک کو (یعنی تاجر اور خریدار کو) رد کا اختیار ہوتا ہے اور رجوع کر سکتا ہے، آیا کہ جب ایجاب وقبول مکمل ہو جائیں تو تاجر اور خریدار میں سے کسی ایک کو مجلس عقد میں رجوع کا خیار حاصل ہوگا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مجلس عقد میں رجوع کا خیار حاصل ہوگا؟..... چنانچہ حنفیہ مالکیہ مدینہ کے فقہاء سبعہ ❸ کہتے ہیں: عقد ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے چونکہ بیع عقد معاوضہ ہے، بیع وشراء کے لفظ سے عقد لازم ہو جاتا ہے خیار مجلس کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ بیع طے شدہ صفقہ (سودا اور معاوضہ) ہے یا خیار ہے۔

رہی حدیث ''فروخت کنندہ اور خریدار کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں۔'' سو یہ حضرات اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ متبایعان (خریدار اور تاجر) سے مراد یہ ہے کہ جب وہ بھاؤ تاؤ لگا رہے ہوں اور معاملہ طے کرنے میں مشغول ہوں۔ اور جدا ہونے سے مراد اقوال میں جدا ہونا ہے، یعنی دوسرا شخص ایجاب کے بعد کہہ سکتا ہے کہ میں نہیں خریدتا یا ایجاب کرنے والا قبول سے قبل رجوع کر سکتا ہے، چنانچہ قبول سے پہلے خیار کا ثبوت ہے۔ ان فقہاء میں سے بعض نے حدیث بالا کو اس آیت سے رد کیا ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ..... النساء ۴/۲۹

ہاں البتہ تمہاری طرف سے باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

دوسری آیت ہے:

أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ..... (المائدۃ ۵/۱)

عقود کو پورا کرو۔

---

❶ ..... صحیح ابن حبان۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۲، المهذب ۷/۲۵۶ الا شباه والنظائر للسيوطى ص ۸۹ ط التجارية۔ ❸ مدینہ کے فقہائے سبعہ یہ ہیں: سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۴ھ، عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۴ھ، قاسم بن محمد المتوفی ۱۰۶ھ، ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام المتوفی ۹۴ھ، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود المتوفی ۹۸ھ، سلیمان بن یسار المتوفی ۱۰۷ھ اور خارجہ زید بن ثابت المتوفی ۹۹ھ۔

بعض کہتے ہیں: یہ حدیث منسوخ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل، سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خیار مجلس ان فقہاء کے نزدیک عقد تمام ہونے سے پہلے پہلے معتبر ہے چنانچہ جب متعاقدین میں سے کوئی ایک ایجاب کر دے تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے تو مجلس میں عقد قبول کر لے چاہے رد کر دے۔ یہ وہی خیار ہے جسے خیار قبول ❶ اور خیار رجوع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شافعیہ، حنابلہ، سفیان ثوری اور اسحاق رحمہم اللہ کہتے ہیں: جب ایجاب وقبول کی باہمیت سے بیع منعقد ہو جائے تو عقد ہو جاتا ہے لیکن لازمی نہیں ہوتا۔ جب تک متعاقدین مجلس میں رہیں تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار حاصل ہوتا ہے چاہے بیع فسخ کر دے یا نافذ العمل قرار دے، مجلس سے جدا جدا ہونے میں عرف حکم ہوگا اور دونوں متعاقدین اس جگہ سے جدا جدا ہو جائیں جس جگہ دونوں نے معاملہ طے کیا ہے۔ ❷ ان فقہاء کے نزدیک تفرق (جدائی) سے مراد تفرق بالابدان ہے اور حقیقت میں تفرق یہی ہے۔ حدیث میں اسی تفرق کا فائدہ ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک کے لئے یہی معلوم ہے۔

یہی خیار در حقیقت خیار مجلس ہے جو مختلف انواع بیع میں ثابت ہے، چنانچہ شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

متعاقدین کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ متفرق نہ ہو جائیں یا ان میں سے ایک کہہ دے کہ لزوم کو اختیار کرلو'' ابن رشد کہتے ہیں: جمیع محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند معتبر ترین سند ہے، اور صحیح ترین سند ہے۔ ابن حزم نے محلی میں اس کا تواتر ثابت کیا ہے۔

ان فقہاء نے مالکیہ اور حنفیہ پر یوں ردّ کیا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ ان کی بیان کردہ توجیہ کا احتمال نہیں رکھتے۔ یعنی ''تفرق بالابدان'' مراد نہیں لیا جا سکتا، چونکہ متعاقدین کے درمیان لفظ کا تفرق نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کا اعتقاد ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے درمیان تو ثمن اور مبیع پر اتفاق رائے ہوتا ہے، جبکہ وہ قبل ازیں ان چیزوں میں اختلاف کر چکے ہوتے ہیں۔ یوں، مالکیہ اور حنفیہ کی بیان کردہ تاویل سے حدیث کا فائدہ باطل ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ طے شدہ ہے کہ متعاقدین کو عقد سے پہلے عقد کو وجود دینے، مکمل کرنے یا عقد کو ترک کرنے میں اختیار حاصل ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول اوپر پیش کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بیع کی دو اقسام ہیں ایک وہ بیع جس میں خیار کی شرط ہو اور ایک وہ بیع جس میں خیار کی شرط نہ ہو، آپ رضی اللہ عنہ نے خیار کی مدت کو تاہ ہونے کی وجہ سے بیع کو صفقہ کا نام دیا ہے۔

البتہ اس رائے کے مطابق اس خدشہ کو ہوا ملتی ہے کہ عقد کی قوت ملزمہ ڈگمگا جاتی ہے جبکہ اہم قانونی اصولوں کی رو سے یہ پر خطر معما ہے، لیکن میں نے نظریہ فسخ کے تحت اس وہم پر بھرپور رد کیا ہے۔

دوسری بحث: بیع کی شرائط..... عقد بیع میں چار انواع کی شرائط کا مہیا ہونا واجب ہے اور وہ یہ ہیں: شرائط انعقاد، شرائط صحت، شرائط نفاذ، شرائط لزوم۔

عقد بیع میں ان شرائط کا اس لئے اعتبار کیا جاتا ہے تا کہ لوگوں کے درمیان تمام تر منازعات کا قلع قمع ہو جائے، متعاقدین کے مصالح کی

---

❶ ..... البدائع: ۱۳۴/۵، فتح القدیر ۷۸/۵، بدایۃ المجتہد ۱۶۹/۲، حاشیۃ الدسوقی ۸۱/۳، المنتقی علی المؤطا ۵۵/۵ القوانین الفقہیۃ ص: ۲۷۴ کشاف القناع ۱۸۷/۲ ❷ مغنی المحتاج ۴۳/۲، المغنی ۵۶۳/۳، المہذب ۲۵۷/۱ بعض حنابلہ کہتے ہیں جگہ کے بدلنے سے عرف بدل جاتا ہے چنانچہ کھلی فضاء میں متعاقدین کے تفرق کا اعتبار یوں ہوگا کہ ان میں سے ایک پیٹھ پھیر کر چلا جائے اور اتنے قدم آگے نکل جائے کہ دوسرے کو آواز نہ سنائی دے تو یہ تفرق سمجھا جائے گا۔ اسی طرح دوکان سے نکل جانا تفرق ہے، بڑے گھر میں چھت پر چڑھ جانا اور باہر نکل جانا تفرق ہوگا۔ (دیکھئے غایۃ المنتھی ۳۰/۲)

حمایت کی جائے، دھوکا دہی کے احتمال کو دور رکھا جائے اور جہالت کی وجہ سے جملہ خطرات سے چھٹکارہ حاصل کیا جائے، جب انعقاد کی کوئی شرط نہ پائی جائے تو عقد باطل ہو جائے گا، جب شرط صحت نہ پائی جائے یا اس میں خلل ہو تو حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوگا۔ اور جب شرط نفاذ نہ پائی جائے تو عقد اجازت پر موقوف ہوگا، پھر ملکیت بغیر اجازت کے منتقل نہیں ہوتی، جب شرط لزوم معدوم ہو تو عقد خیار پر مشتمل ہوگا کہ عقد کو نافذ العمل قرار دیا جائے یا باطل۔

پہلی قسم کی شرائط: شرائط انعقاد...... یہ وہ شرائط ہوتی ہیں جن کا اعتبار اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ عقد شرعاً منعقد ہو جائے ورنہ عقد باطل ہوگا۔ حنفیہ نے انعقاد بیع کے لئے چار انواع کی شرائط لگائی ہیں:

۱...... عاقد میں شرط پائی جائے۔ ۲...... نفس عقد میں شرط پائی جائے۔

۳...... مکان میں شرط پائی جائے۔ ۴...... معقود علیہ میں شرط پائی جائے۔

عاقد میں پائی جانے والی شرط...... وہ دو شرائط ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

۱...... یہ کہ عاقد عاقل ہو یعنی تمیز کر سکتا ہو۔ چنانچہ مجنون اور غیر عاقل بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی۔

بلوغ حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں بلکہ ممیز بچہ جو سات سال کی عمر کو پہنچا ہو اس کا تصرف صحیح ہے، فی الجملہ عاقل بچہ جو تمیز کر سکتا ہو حنفیہ کے نزدیک اس کے تصرفات کی تین اقسام ہیں۔

الف...... وہ تصرفات جو نفع محض ہوں۔ جیسے لکڑیاں اکٹھی کرنا، گھاس کاٹ کر لانا، شکار کرنا، ہبہ، صدقہ اور وصیت قبول کرنا یہ تصرفات ممیز بچے کی طرف سے بھی صحیح ہوتے ہیں، ولی کی اجازت ضروری نہیں چونکہ ان تصرفات میں بچے کے لئے نفع ہی نفع ہے۔

ب...... وہ تصرفات جو ضرر محض ہوں جیسے طلاق، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا، دوسروں کو قرضہ دینا، دوسرے شخص کی کفالت بالدین کو قبول کرنا یا کفالت بالنفس کو قبول کرنا، یہ تصرفات عاقل بچے کے صحیح نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ نافذ ہوتے ہیں اگر چہ ولی ان کی اجازت بھی دے دے، چونکہ ان تصرفات میں ضرر ہونے کی وجہ سے ولی اجازت کا مالک نہیں ہوتا۔

ج...... ایسے تصرفات جو نفع اور ضرر میں دائر ہوں جیسے بیع و شراء (خرید و فروخت) اجارہ، اجرت پر لینا، عقد نکاح، مزارعت، مساقات، شرکت وغیرھا، ممیز بچے کے یہ تصرفات صحیح ہیں لیکن ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، یا مابعد البلوغ تک موقوف رہیں گے، چونکہ ممیز بچے کا ادراک قلیل نہیں ہوتا۔

۲...... یہ کہ عاقدین متعدد ہوں، چنانچہ ایک ہی شخص جانبین کا وکیل ہو تو عقد بیع منعقد نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر باپ، وصی، قاضی اور جانبین کا قاصد عقد کا انعقاد کر سکتا ہے، بخلاف عقد نکاح کے، چنانچہ جانبین کے وکیل کا انعقاد نکاح صحیح ہے۔

عقد بیع اور عقد نکاح میں فرق...... فرق یہ ہے کہ بیع کے متضاد حقوق ہوتے ہیں جیسے ثمن اور مبیع کی سپردگی اور سامان کی سپردگی کا مطالبہ، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب اور خیار کی وجہ سے عقد بیع کا رد کرنا، چنانچہ ایسا ہونا محال ہے کہ آن واحد میں ایک شخص خرید کردہ سامان کی سپردگی بھی کر رہا ہو اور اس پر قبضہ بھی کر رہا ہو، نیز عقد کے حقوق عاقد پر اکتفا کردہ ہوتے ہیں چنانچہ ایک عاقد کا کلام دو شخصوں کا کلام نہیں ہو سکتا، رہی بات عقد نکاح میں وکیل کی سو عقد کے حقوق وکیل بالنکاح کی طرف راجع نہیں ہوتے بلکہ عقد نکاح کے حقوق تو مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں، وکیل تو عقد نکاح میں محض سفیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

استثنائی صورت...... اگر باپ اپنا مال اپنے ہی چھوٹے بیٹے کو فروخت کرے اور قیمت مثلی یا غبن یسیر جو عادۃً ہو جاتا ہے کے ساتھ فروخت کرے، یا باپ اپنے چھوٹے بیٹے کا مال اپنے لئے خرید ے تو ان صورتوں میں باپ دو طرفہ وکیل سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ صورت یتیم

کے مال کے مشابہ ہے جس میں حسن انتظام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ بیٹے پر بھرپور شفقت کی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصی باپ کی مانند ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچے کے مال کا جو شخص وصی ہو تو اس کا مثلِ قیمت کے ساتھ اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، چونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ باپ اور وصی کی طرف سے سرے سے تصرف جائز ہی نہ ہو، رہی بات یہ کہ باپ کے معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے چونکہ باپ میں شفقت کا پہلو بھرپور ہوتا ہے۔

اگر قاضی عقد طے کرے تو عقد کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے قاضی تو قاصد کی طرح ہے جبکہ قاصد کو حقوقِ عقد لازم نہیں ہوتے، چونکہ قاصد تو محض معبر اور سفیر ہوتا ہے، اس لئے قاضی اور قاصد جانبین کی طرف سے عقد کا متولی بن سکتا ہے۔

بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے جمہور حنفیہ شخص واحد کے لئے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ عقد نکاح میں جانبین کی طرف سے ایجاب وقبول کا متولی ہو، اس کی پانچ صورتیں ہیں، جو یہ ہیں۔

۱...... جب شخص واحد جانبین کا ولی ہو یا جانبین سے وکیل ہو مثلاً ایک شخص کہے: میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کرادی یا کہے میں نے اپنے فلاں مؤکل کی شادی فلانی مؤکلہ عورت سے کرادی۔

۲...... یا شخص واحد ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو جیسے کوئی عورت کسی شخص کو وکیل بنائے کہ اپنے ساتھ اس کی شادی کرلے۔

۳...... یا ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے ولی ہو جیسے کوئی شخص اپنے چچا کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ شادی کرلے۔

۴...... یا ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو جیسے کوئی کہے میں نے اپنی بیٹی اپنے مؤکل کے نکاح میں دے دی۔ رہی یہ صورت کہ شخص واحد جانبین سے اصیل ہو تو یہ صورت عقلاً محال ہے۔ ❶

نفسِ عقد میں لگائی جانے والی شرط...... یہ صرف ایک ہی شرط ہے وہ یہ کہ قبول ایجاب کے موافق ہو۔ ❷ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آیا چاہتی ہے۔

مکانِ عقد میں لگائی جانے والی شرط...... یہ بھی صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ ایجاب وقبول کی مجلس میں اتحاد ہو، اس کی تفصیل بھی آیا چاہتی ہے۔ مجلس بیع سے مراد انعقاد بیع کے لئے اجتماع واقعی ہے۔ (م ۱۸۱ مجلہ)

معقود علیہ میں پائی جانے والی شرائط...... یعنی خرید کردہ سامان میں پائی جانے والی چار شرائط ہیں۔ ❸

۱: **یہ کہ مبیع موجود ہو......** چنانچہ جو چیز معدوم ہو یا اسے وجود ملا ہی نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اس کی مثالیں یہ ہیں۔ ''مثلاً اونٹنی کے بچے کے بچے کی بیع، درخت پر پھل آنے سے پہلے ہی پھل کی بیع، یہ دونوں مثالیں معدوم چیز کی ہیں۔ اور جس چیز کو وجود نہ ملا ہو اس کی مثالیں یہ ہیں حمل کی بیع، تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کی بیع، چنانچہ حمل اور دودھ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں اور عدم کے خطرہ سے دوچار ہیں۔

(**دلیل**)...... فی الجملہ اس شرط کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل تیار ہونے سے قبل ان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ ❹ اسی کے ساتھ یہ صورت بھی ملحق ہے کہ جب یاقوت کی بیع کی جائے اور وہ بلور نکلے چونکہ اس صورت میں بھی مبیع معدوم

---

❶...... دیکھئے البدائع ۵/۱۳۶، مجمع الضمانات ص ۴۱۰، الفوائد البھیۃ ص ۱۳۹۔ ❷ البدائع ۵/۱۳۶۔ ❸ البدائع حوالہ سابقہ۔ ❹ رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

ہے۔لیکن بعض حنفیہ کی رائے میں بیع سلم،استصناع اور درختوں پر پھلوں کی بیع جبکہ کچھ پھل تیار ہو چکا ہو اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

۲: یہ کہ مبیع (خرید کردہ سامان) مال متقوم ہو ❶ ..... حنفیہ کے نزدیک مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہو اور بوقت حاجت اس کو ذخیرہ رکھنا ممکن ہو، بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ ہر وہ چیز جس کا انسان مالک بن سکتا ہو اور معتاد طریقہ سے اس سے نفع اٹھا سکتا ہو۔مال کی زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قیمتی ہو لوگوں کے درمیان مادی سمجھی جاتی ہو۔

متقوم...... وہ ہے کہ جس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو اور شرعی طور پر مباح ہو، بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو چیز فعلی طور پر محفوظ ہو اور حالت اختیار میں اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہو۔❷

چنانچہ جو چیز مال نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوتی جیسے آزاد انسان، مردار اور خون کی بیع، اور جو مال متقوم نہ ہو اس کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی جیسے مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر مال غیر متقوم ہے۔جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لہو ولعب کے آلات کی بیع منعقد ہو جاتی ہے چونکہ ان ادوات کے مختلف اجزاء سے نفع اٹھانا ممکن ہے، جبکہ صاحبین اور بقیہ آئمہ کے نزدیک ان اشیاء کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ یہ اشیاء فساد کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

۳: یہ کہ مبیع فی نفسہ مملوک ہو...... یعنی خرید کردہ سامان کسی کی ملک ہو اور کسی کی ملکیت میں داخل ہو لہٰذا وہ چیز جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی جیسے گھاس پھونس کی بیع اگرچہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہی کیوں نہ ہو ❸ غیر محفوظ پانی، لکڑیاں، جھاڑ جھنکاڑ، جنگل کے شکاری جانور، صحراء کی مٹی، صحراء کی معدنیات، سورج کی شعاعیں اور ہوا، سمندری شکار اور خشکی کے شکار۔

رہی یہ بات کہ مبیع بائع کی مملوکہ ہو سو یہ شرط شرط انعقاد نہیں بلکہ یہ تو شرط نفاذ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۴: یہ کہ مبیع مقدور التسلیم ہو...... یعنی عقد کے وقت مبیع کو مشتری کے ہاتھ سپرد کرنے پر قدرت ہو، اگر مبیع کو سپرد کرنے پر عجز ہو تو وہ بیع منعقد نہیں ہوگی، اگرچہ وہ چیز فروخت کنندہ کی ملکیت ہو، جیسے بھاگا ہوا جانور، ہوا میں اڑنے والا پرندہ، سمندر میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی بیع۔

ایجاب وقبول کی شرائط...... شرائط انعقاد سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول میں تین شرائط ہیں۔

ا۔اہلیت...... یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، یہ کہ ایجاب کرنے والا اور قبول کرنے والا دونوں عاقل ہوں ممیز ہوں، جو کہتے ہوں سمجھتے بھی ہوں، ❹ دراصل یہ شرط عاقد میں ہونی چاہئے نہ کہ صیغہ میں، ہاں البتہ اس شرط کا صدور عاقدین کی طرف سے ہوتا ہے، تمییز کو حنفیہ کے نزدیک سات سالوں سے مانا گیا ہے جبکہ دوسرے آئمہ کے نزدیک سات سالوں تک پہنچنے سے، چنانچہ مجنون اور غیر ممیّز بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی، چونکہ عقد طرفین کے دونوں ارادوں کے درمیان ارتباط کا نام ہے۔

کلام، کتابت اور اشارہ ان دونوں ارادوں پر دلیل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ دلیل ممیز عاقل سے صادر ہو، بلوغ اور اختیار حنفیہ کے نزدیک شرائط انعقاد میں سے نہیں ہے۔

بچے اور مکرہ (مجبور) کی بیع میں فقہائے مذاہب کے نزدیک کلام ہے جو یہ ہے۔

---

❶ ..... متقوم سے مراد ایسی چیز جو قیمتی ہو اور تاجروں کے ہاں قیمتاً فروخت ہوتی ہو۔ ❷ حاشیة ابن عابدین ۴/۳، الاموال ونظرية العقد للدكتور محمد يوسف موسى ص ۱۶۲ ❸ کشمیر وشمالی علاقہ جات میں گھاس کی خرید وفروخت عام ہے چونکہ گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اسے سیراب کیا جاتا ہے اس لئے یہاں گھاس سے مراد عام مباح گھاس ہے۔ ❹ البدائع ۱۳۵/۵، الاموال ونظرية العقد للدكتور محمد يوسف موسى ص ۲۵۵

ممیز بچے کی بیع......حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ممیز (سمجھدار، نفع ونقصان میں تمیز کر لینے والا) بچے کا خرید وفروخت کے متعلق جو تصرف ہو وہ منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ولی کی اجازت بھی شامل حال ہو۔ ورنہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تصرف کا دارومدار ولی کی اجازت پر ہے، نہ کے بچے پر، لہٰذا بیع صحیح ہوگی، چونکہ بیع میں بچے کی حیثیت تو محض دلال کی سی ہوتی ہے۔ جبکہ عاقد کوئی اور ہوتا ہے۔ نیز بچے کے سمجھدار ہونے کے بعد بچے کو مال دے دینا بچے کی بیع وشراء کی جانچ پڑتال پر موقوف ہوتا ہے، آیا کہ اس نے دھوکا تو نہیں کھالیا، لہٰذا تصرفات وعقود کے صحیح ہونے کے لئے قول کا ہونا لابدی ہے، لیکن ولی کی اجازت کا ہونا ضروری ہے تاکہ مال کی مصلحت اور حفاظت کا مقصد حاصل ہو۔ ❶

شافعیہ کہتے ہیں کہ بچے کی بیع اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوتی، ❷ جبکہ عاقد کی شرط بائع یا مشتری ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو، یعنی اسے بائع سمجھا جاتا ہو، مال ودین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو ان کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ......النساء ۴/ ۵

اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے۔

بیع وشراء (خرید وفروخت) کے تصرف میں سفہاء (ناسمجھوں) کو مال دینے کا معنی پایا جاتا ہے چونکہ خرید وفروخت مال دینے دلوانے سے ہوتی ہے۔ ان دونوں میں جامع وجہ یہ ہے کہ غیر شرعی طریقہ سے مال کا ضائع ہونا لازمی آتا ہے۔ ❸

مکرہ اور مجبور کی خرید وفروخت

مکرہ کی بیع......جمہور حنفیہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت اور اجارہ کے جملہ عقود جو مکرہ کی طرف سے صادر ہوں خواہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی عقود فاسد ہیں۔ چونکہ عقد میں رضا شرط ہوتی ہے جبکہ اکراہ سے رضا زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ......النساء ۴/ ۲۹

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو وہ حلال ہے۔

ایسی صورت میں مستکرہ کو حق حاصل ہے کہ چاہے عقد فسخ کر دے یا عقد نافذ کرے اور بوقت قبضہ مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جائے گی جیسے بقیہ فاسد عقود میں مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ مستکرہ کے قبضہ سے عقد ثمن کو لازم کر دیتا ہے، یا پھر خوشی اور رضامندی سے بیع کو سپرد کرنا ہے، ہاں البتہ چند صورتوں میں مکرہ کی بیع بیوع فاسدہ سے مختلف ہے۔

چنانچہ قولی یا فعلی اجازت سے مکرہ کی بیع جائز ہو جاتی ہے اور اس کا فساد ختم ہو سکتا ہے بخلاف دوسری بیوع فاسدہ کے چنانچہ وہ جائز نہیں ہوتیں اگرچہ اجازت دی جائے، چونکہ بیوع فاسدہ میں فساد حق شرع کی وجہ سے ہوتا ہے، جبکہ مکرہ کی بیع کی صورت میں فساد حق شرع کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ خاص مصلحت کی وجہ سے ہوتا ہے، ہاں البتہ اس معنی میں مکرہ کی بیع، بیع موقوف کے مشابہ ہے، اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مکرہ کی بیع، بیع فاسد وموقوف ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف......اسی لئے امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں اکراہ عقد کو غیر نافذ بنا دیتا ہے۔ اور یہ عقد فضولی کی مانند ہوتا ہے جو انعقاد کے اعتبار سے صحیح اور مستکرہ کے اعتبار سے موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اکراہ زائل ہونے کے بعد مستکرہ (مجبور) کی اجازت پر موقوف

---

❶......دیکھئے البدائع ۵/ ۱۳۵ بدایۃ المجتھد ۲/ ۱۶۸، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵، المغنی ۴/ ۲۴۶۔ ❷مغنی المحتاج ۲/ ۷۔ ❸شافعیہ کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کی بیع منعقد نہیں ہوتی، بچہ خواہ ممیز ہو یا غیر ممیز ہو، مجنون، غلام اگرچہ مکلف ہو، اور نابینا شخص۔ ان کی بیع باطل ہوتی ہے۔

ہوگا چونکہ اکراہ مستکرہ کے حق اور اس کی مصلحت میں خلل ڈال دیتا ہے، یوں مستکرہ کی حمایت کی خاطر عقد کو موقوف قرار دینا کافی ہے، یعنی اکراہ کے زائل ہونے کے بعد مستکرہ کی رضامندی پر موقوف ہوگا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے دلیل کے اعتبار سے قوی تر ہے۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: عقد میں یہ شرط بھی ہے کہ عاقد مختار ہو اور سامان کی فروختگی میں دلی طور پر رضامند ہو چنانچہ مکرہ کے مال میں بغیر کسی حق کے بیع منعقد نہیں ہوگی۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ......النساء ۴/ ۲۹

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطا، نسیان اور اکراہ کو اٹھا لیا گیا ہے۔

اگر اکراہ کسی حق کی وجہ سے ہو تو انعقاد عقد کے مانع نہیں ہوگا، چونکہ اس صورت میں رضائے شریعت کو مستکرہ کی رضا کے قائم مقام بنا دیا ہے۔ جیسے مسجد کی توسیع، راستہ یا قبرستان کی توسیع کے لئے کسی کو گھر فروخت کرنے پر مجبور کرنا، یا ادائے قرض کے لئے یا بیوی کے نفقہ کے لئے یا اولاد اور والدین کے نفقہ کے لئے کسی کو سامان فروخت کرنے پر مجبور کرنا، یا کسی برحق ٹیکس کی ادائیگی کے لئے سامان فروخت کرنے پر مجبور کرنا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی، چنانچہ مستکرہ کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع کو نافذ قرار دے یا فسخ کر دے، میں نے مالکیہ کا یہی مذہب مختصر خلیل اور اس کی شروحات میں پایا ہے، لیکن ابن جزی کہتے ہیں: بائع اور مشتری کے لئے شرط ہے کہ وہ خوشی اور رضامندی سے عقد طے کریں جبکہ مکرہ کی خرید وفروخت باطل ہے۔ ❷

مضطر (بے چین) کی بیع...... یہ کہ کوئی شخص اپنے مال میں سے کسی چیز کو فروخت کرنے پر مجبور ہو جبکہ مشتری اس کی مثلی قیمت سے کم تر قیمت کے ساتھ خریدنے پر راضی ہو جو کہ غبن فاحش کے زمرے میں داخل ہو۔ اس کی مثال یہ ہے، جیسے قاضی کسی شخص کے لئے لازمی کر دے کہ وہ ادائے قرض کے لئے اپنا مال فروخت کرے یا قاضی ذمی کے پیچھے کسی شخص کو مصحف کی فروختگی کے لئے لگا دے، چنانچہ اس بیع کے حکم کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں: مضطر یعنی بے چین کی خرید وفروخت فاسد ہے ❸ جبکہ دوسرے فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا ہے۔

بیع تلجیہ (فرضی بیع)...... تلجیہ عقد وغیرہ پر کسی کو مجبور کرنے کو کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم سے خوفزدہ ہو اور وہ اپنی کسی ملکیت کے بارے میں ظاہر کر رہا ہو کہ اس نے وہ چیز کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دی ہے، چونکہ وہ اس طرح کے حیلے بہانے کے ذریعہ ظالم سے بھاگنا چاہتا ہے تاہم اس عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہوتی ہیں، البتہ اس بیع کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: یہ عقد باطل اور غیر صحیح ہے، چونکہ اس عقد میں عاقدین بیع کا قصد نہیں کرتے، لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں ہوگی یہ ایسی ہی بیع ہے جیسے دو شخص ہنسی مزاح کر رہے ہوں۔ ❹

---

❶...... دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۴ ص ۴، الاموال ونظریۃ العقد للدکتور یوسف موسیٰ ص ۳۹۸، مختصر الطحاوی ص ۴۰۸ المدخل الفقهی للأستاذ الزرقاء: ۱۸۵ فی الحاشیۃ الفوائد البهیۃ فی القواعد الفقهیۃ للشیخ محمود حمزہ ص ۳۲۴۔ ۲ اخرجه الطبرانی عن ثوبان، قال النووی: حدیث حسن۔ "علامہ ہیثمی کہتے ہیں اس حدیث میں یزید ربیعہ رجبی ضعیف ورواہ ابن ماجۃ وابن حبان والدارقطنی والطبرانی والبیهقی والحاکم فی المستدرک من حدیث الاوزاعی۔ مجمع الزوائد ۶/ ۲۵۰۔ ❷ دیکھئے المیزان ۲/ ۶۲، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶ مغنی المحتاج ۲/ ۱۰۷ القوانین الفقهیۃ ص ۲۴۶ غایۃ المنتهیٰ ۴/ ۵۔ ❸ حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۱۱، المغنی ۴/ ۲۱۴۔ ❹ دیکھئے المغنی ۴/ ۲۱۴۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے، چونکہ بیع ارکان اور شرائط سے مکمل ہو جاتی ہے اور قصد واختیار سے لفظ بھی ہو چکا، عقد کسی بھی قسم کے فساد سے پاک ہے لہٰذا عقد صحیح ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے عاقدین کسی شرط فاسد پر اتفاق کر لیں، پھر عقد بغیر شرط کے طے پا جائے، رہی یہ بات کہ وقوع عقد کے متعلق عاقد کی رضامندی معدوم ہوتی ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے عقد کے عدم وقوع کے متعلق عاقد کا گمان ہو چنانچہ گمان میں خطا بھی ہو سکتی ہے اس لئے موثر نہیں ہو سکتا۔●

دلالی کی بیع.....عربی مین اس بیع کو ''بیع السمسر ۃ'' کہا جاتا ہے، دراصل دلال فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے، دلالی جائز ہے اور دلال کی لی ہوئی اجرت حلال ہے، چونکہ یہ عمل ومحنت اور کوشش کی معقول اجرت ہے، البتہ شافعیہ کہتے ہیں کہ کسی بیع کرنے والے کو اجرت پر لینا صحیح نہیں جو ایسا کلمہ بولے جس میں کوئی محنت نہ ہو، اگرچہ اس بات سے سامان کی پبلسٹی ہوتی ہو، چونکہ کلمہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔●

البتہ ایک شخص دوسرے کو کہہ سکتا ہے کہ یہ چیز اتنے روپے میں فروخت کر دو، اور ان روپوں سے زیادہ تمہارے ہوں گے، یا کہے وہ میرے اور تمہارے درمیان نصف نصف ہوں گے، چنانچہ احمد، ابوداؤد اور حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''مسلمان اپنی شرائط پر کاربند رہتے ہیں۔''

دوسری شرط.....صیغہ بیع (ایجاب وقبول) کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو، یعنی بائع نے جس چیز کا ایجاب کیا ہو قبول بھی اسی پر وارد ہو، چنانچہ جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں یہ کپڑا ایک ہزار روپے میں فروخت کر دیا تو خریدار کہے میں نے یہ کپڑا قبول کر لیا، اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا میں نے یہ گھر بمعہ قالینوں کے دو ہزار روپے میں تمہیں فروخت کر دیا اور خریدار کہے میں نے قالینوں کے علاوہ یہ گھر ایک ہزار میں خرید لیا تو عقد منعقد نہیں ہوگا چونکہ قبول ایجاب کے موافق نہیں اور اس میں تفریق صفقہ ہے چونکہ تاجروں کے عرف میں عموماً ردی چیز کو عمدہ چیز کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے تا کہ عمدہ چیز کی وساطت سے ردی چیز بھی نکل جائے۔

اور اگر خریدار نے طلب سے زیادہ چیز کو قبول کیا تو عقد منعقد ہو جائے گا چونکہ اکثر کو قبول کرنے والا قلیل کو طبعاً قبول کرتا ہے، البتہ اسے وہی ثمن لازم ہوں گے جن کا بائع نے مطالبہ کیا ہو۔ اور اگر بائع کے ذکر کردہ سے کم کو قبول کیا تو عقد طے نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر ثمن کے وصف میں خریدار نے مخالفت کر دی مثلاً بائع نے نقدی ثمن لینے پر ایجاب کیا ہو اور مشتری ادھار پر قبول کرے یا ایک مہینہ کی مدت پر بائع نے ایجاب کیا ہو اور مشتری ایک مہینہ سے زائد مدت پر قبول کرے تو تب بھی بیع منعقد نہیں ہوگی چونکہ ایجاب وقبول میں موافقت نہیں۔

۳۔ مجلس عقد کا متحد ہونا.....یعنی ایجاب وقبول ایک مجلس میں ہوں، یعنی فروخت کنندہ اور خریدار دونوں موجود ہوں۔❸ اس شرط کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں۔ اگر عاقدین میں سے کسی نے بیع کا ایجاب کیا لیکن دوسرا شخص قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ کر چل دیا یا کسی کام میں مشغول ہو گیا جس سے اختلاف مجلس ثابت ہو جاتا ہو اور پھر وہ عقد قبول کرے تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔ لیکن فی الفور قبول شرط نہیں، چونکہ قبول کرنے والے کو سوچ و بچار کی ضرورت پڑتی ہے، اور اگر فی الفور قبول پر اقتصار کیا جائے تو سوچ و بچار ممکن نہیں رہے گی۔

●.....دیکھئے المغنی ۴/ ۱۶ گویا، بیع تلجیہ منعقد تو ہو جائے گی لیکن لازم نہیں ہوگی، دیکھئے قاموس الفقہ ۲/ ۵۲۸۔ ❷ دیکھئے المغنی المحتاج ۲/ ۳۳۵، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں لکھا ہے کہ طبیب علاج کے لئے جو بات کہے اس پر اس کا اجرت لینا جائز نہیں چونکہ تلفظ میں کوئی مشقت نہیں ہوئی۔

❸ البدائع ۵/ ۱۳۷، فتح القدیر ۵/ ۸۰، الاموال للدکتور یوسف موسیٰ ۲۵۷۔

مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول میں فصل کرنے سے بیع میں کچھ نقصان نہیں پڑتا ہاں البتہ ایسا کرنے سے غیر کے اعتبار سے بیع سے عرفاً نکل جائے گا۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ ایجاب وقبول میں کوئی بڑا فصل نہ ہو، بڑا فصل یہ ہے کہ جس سے قبول سے اعراض کرنا لازم آتا ہو البتہ تھوڑا بہت فصل بیع کے لئے نقصان دہ نہیں چونکہ ایسے فصل کو بیع سے اعراض نہیں سمجھا جاتا، ہاں البتہ اگر ایجاب وقبول کے درمیان کوئی اجنبی کلام کردے اگر چہ کلام تھوڑا ہی ہو تو وہ بیع کے لئے باعث ضرر ہے۔

چلتے ہوئے اور سواری کی حالت میں عقد کرنا...... جب عاقدین چلتے جارہے ہوں یا سواری پر سوار ہوں اور ایجاب وقبول میں بلا فصل اتصال ہو جائے تو عقد طے ہو جائے گا، حتیٰ کہ اگر ایک دو قدم چل بھی پڑے تب بھی عقد صحیح اور جائز ہے، اور اگر قبول اور ایجاب میں فصل ہو جائے یا سکوت ہو اگر چہ قلیل ہی ہو تو عقد طے نہیں ہوگا، چونکہ مجلس چلنے سے بدل جاتی ہے اسی پر فقہاء نے آیت سجدہ کی قرأت کو بھی قیاس کیا ہے، اگر آیت سجدہ تلاوت کی اس حال میں کہ وہ چل رہا ہو یا جانور پر سوار ہو جس پر وہ نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو ہر قرأت پر سجدہ لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا اس حال میں کہ وہ زمین پر چل رہی ہو یا ایسے جانور پر سوار ہو جس پر نماز نہیں پڑھی جاسکتی، وہ عورت چل پڑی اور آگے بڑھ گئی تو طلاق دینے کا اختیار ختم ہو جائے گا چونکہ مجلس بدل چکی اس کی وجہ یہ ہے کہ تفویض کا دارومدار مجلس پر ہے بخلاف وکالت کے چونکہ وکالت مجلس پر موقوف نہیں ہوتی، خیار اگر خاوند نے اپنی بیوی کو خود اپنے ہی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل مجلس کی حد تک ہوگی۔

اگر دو شخص چلتے جارہے تھے پھر انہوں نے کھڑے ہو کر عقد کیا تو عقد طے ہو جائے گا چونکہ مجلس متحد ہے۔

اگر عاقدین چلتے چلتے رک گئے اور ان میں۔ سے ایک نے ایجاب کیا جبکہ دوسرا قبول سے پہلے چل دیا یا دونوں چل دیئے یا بائع قبول سے پہلے چل دیا پھر اس کے بعد مشتری کے عقد قبول کیا تو عقد طے نہیں ہوگا، چونکہ جب ایک یا دونوں چل دیئے تو قبول سے پہلے مجلس تبدیل ہوگئی، یوں چلنا دلیل اعراض ہے۔

اگر شوہر نے کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو اختیار دیا پھر چل دیا جبکہ عورت رکی ہوئی تھی تو عورت کو خیار حاصل ہوگا اور اگر عورت چل پڑی جبکہ خاوند رکا ہوا تھا تو خیار باطل ہو جائے گا، چونکہ اعتبار اس صورت میں عورت کی مجلس کا ہے نہ کہ خاوند کی مجلس کا۔ چنانچہ جب تک عورت اپنی مجلس میں برقرار رہے گی اور اس کی طرف سے اعراض کی کوئی دلیل سامنے نہیں آئے گی تو اس کے لئے اختیار باقی رہے گا۔ رہی بات خاوند کی سو اس کا کلام اعراض سے باطل نہیں ہوتا، چونکہ اختیار دہندگی کا پہلو اس کی طرف سے لازم ہو چکا ہے، رہی بات بیع کی سو اس میں دونوں عاقدین کی مجلس کا اعتبار ہوتا ہے۔ ❷

کشتی یا جہاز میں عقد طے کرنا...... اگر عاقدین کشتی میں یا جہاز میں یا ریل گاڑی میں بیٹھے بیٹھے عقد طے کریں تو عقد طے ہو جائے گا برابر ہے یہ ذرائع کسی اسٹیشن پر رکے ہوں یا رواں دواں ہوں بخلاف زمین پر چلنے اور جانور پر سوار ہونے کے چونکہ ان ذرائع کو روکنے کی طاقت مسافر نہیں رکھتا لہٰذا ان میں مجلس واحد کا اعتبار ہے، اگر چہ مجلس طویل ہو جائے، رہی بات چوپائے کی، سو اُسے روکا جاسکتا ہے۔

کسی غائب شخص کے ساتھ عقد کرنا...... جب متعاقدین میں سے کوئی شخص خرید وفروخت کے متعلق ایجاب کرے جبکہ دوسرا شخص مجلس سے غائب ہو پھر اسے ایجاب کی خبر پہنچے اس۔ نے عقد قبول کر لیا تو اس طرح بیع منعقد نہیں ہوگی، مثلاً کوئی شخص کہے میں نے یہ

❶ ..... حاشية الصاوی علی الشرح الصغیر ۳/۱۷۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۵، کشاف القناع ۲/۱۶۳۔

سامان فلاں غائب کو فروخت کر دیا، پھر اس غائب کو خبر پہنچی اور اس نے قبول کیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ اس میں اصلی قاعدہ یہ ہے کہ جب عقد کا ایک حصہ کسی عاقد کی طرف سے بیع میں صادر ہو تو عقد کا دوسرا حصہ مجلس میں موقوف رہتا ہے، عقد کسی دوسرے شخص کی طرف سے صادر ہونے والے دوسرے حصہ پر ماورائے مجلس موقوف نہیں ہوتا، اور یہ بالاتفاق ہے، ہاں البتہ اگر کوئی اور عقد کو قبول کرنے والا ہو مثلاً وکیل یا خط وغیرہ کے ذریعہ اطلاع ہو تو اس صورت میں عقد موقوف رہے گا۔❶

بواسطہ قاصد عقد طے کرنا..... یعنی قاصد کے ذریعہ عقد طے کرنا، اس کی صورت یہ ہے: مثلاً ایک عاقد قاصد کو کسی شخص کے پاس بھیجے دوسرا عاقد کہے کہ میں نے یہ کپڑا فلاں غائب کو اتنے روپے میں فروخت کیا اور اسے جا کر اطلاع کرو کہ فلاں شخص نے یہ کپڑا تمہیں اتنے روپے میں فروخت کیا ہے، چنانچہ قاصد آ کر اسے اطلاع دے اور خریدار اطلاع ملنے کی مجلس میں کہے "میں نے یہ کپڑا خرید لیا۔" یا کہے۔ "میں نے قبول کیا" یوں بیع طے ہو جائے گی، چونکہ قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے گویا مرسل نے خود حاضر ہو کر ایجاب کیا جو قبول ہوا یوں عقد طے ہو جائے گا۔

مراسلت کے ذریعہ عقد طے کرنا..... خط لکھ کر بیع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو خط لکھے اور کہے: اما بعد! "میں نے اپنا گھوڑا تمہیں اتنے روپے میں فروخت کر دیا۔" دوسرے شخص کو خط پہنچے اور خط پڑھنے کی مجلس ہی میں کہے: میں نے خرید لیا، یا کہے: میں نے قبول کیا: عقد طے ہو جائے گا چونکہ غائب کو خط میں مخاطب بنایا جاتا ہے گویا لکھنے والا خود حاضر ہو، مکتوب الیہ کو گویا ایجاب سے مخاطب کیا جاتا ہے اور وہ مجلس میں قبول کرتا ہے، اگر قبول کسی دوسری مجلس تک مؤخر کر دیا گیا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

خط بھیجنے والے کو اختیار ہے کہ اپنے ایجاب سے رجوع بھی کر سکتا ہے لیکن گواہوں کے سامنے رجوع کرے گا اور اس میں شرط یہ ہے کہ خط پہنچنے سے پہلے اور مرسل الیہ کے قبول کرنے سے پہلے پہلے گواہوں کے سامنے رجوع کرے۔

جمہور مالکیہ کی رائے ہے کہ ایجاب کرنے والا قبول کرنے والے کو اتنی فرصت دے گا جو عرف عام میں معتبر ہو پھر اس کے بعد رجوع کر سکتا ہے۔

اجارہ اور ہبہ میں بھی اتحاد مجلس شرط ہے، اور گزشتہ ساری تفصیل کی رعایت ضروری ہوگی۔ رہی بات خلع کی سو اس میں عقد کا ایک حصہ شوہر کی طرف سے صادر ہوتا ہے جو کہ دوسرے فریق پر ماورائے مجلس بالاتفاق موقوف ہوتا ہے، مثلاً خاوند کہے: میں نے اپنی بیوی جو کہ غائب ہے اتنے روپوں پر خلع کر لیا، بیوی کو خبر پہنچے اور وہ کہے میں نے قبول کر لیا، یوں خلع جائز ہے۔

جبکہ نکاح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع کی مانند ہے۔ نکاح میں عقد کا جز موقوف نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر کسی غائب کی جانب سے کوئی قبول کرنے والا ہو تو جزء عقد موقوف ہوگا۔ ہاں البتہ عاقد غائب کی جانب سے کوئی قبول کرنے والا ہو، چنانچہ جب کوئی شخص گواہوں سے کہے: تم گواہ رہو میں نے فلانی عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس عورت کو خبر پہنچی عورت نے نکاح کی اجازت دے دی یا عورت نے کہا: تم لوگ گواہ رہو میں نے فلاں شخص کے ساتھ اتنے مہر میں نکاح کر لیا، مرد کو یہ خبر ملی اس نے اجازت دی تو ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد منعقد نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر عاقد غائب کی طرف سے کوئی اور شخص قبول کرنے والا ہو تو عقد منعقد ہو جائے گا۔ یعنی نکاح ہو جائے گا۔

جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: نکاح میں جزو عقد ماورائے مجلس دوسرے شخص کے قبول پر موقوف ہوگا چنانچہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں غائب کے قبول کرنے سے عقد منعقد ہو جائے گا اگرچہ مجلس عقد میں کوئی شخص عقد کو قبول نہ بھی کرے۔

وحدت صفقہ اور تفریق صفقہ کا اصول..... خرید و فروخت اور امام کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا صفقہ ہے، پھر

❶..... البدائع ۵/ ۷۳۱، فتح القدير ۵/ ۷۹

صفقہ کا استعمال نفس عقد کے لئے ہونے لگا۔ ❶ امام نووی کہتے ہیں: عقد بیع کو صفقہ کہا جاتا ہے چونکہ تاجروں کی عادت ہے کہ عقد طے کرتے وقت متعاقدین ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ ❷

عقد وجود میں آنے اور طے ہونے میں مبیع، ثمن (قیمت) فروخت کنندہ، خریدار اور خرید وفروخت کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ چیزیں جب ایک دوسرے سے مل کر متحد ہو جائیں تو اتحاد صفقہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر ایک دوسرے سے متفرق ہوں تو تفریق صفقہ حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصولاً اتحاد صفقہ ضروری ہے۔ چونکہ انعقاد بیع کی شرائط میں سے ایک شرط وہ بھی ہے جو اوپر قریب ہی مذکور ہوئی ہے وہ یہ کہ قبول ایجاب کے موافق ہو۔ ہاں البتہ اس اصول یعنی تحقیق صفقہ اور تفریق صفقہ میں کچھ جزوی اختلافات ہیں۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: ان امور کا جاننا لابدی (ضروری) ہے جو اتحاد صفقہ اور تفریق صفقہ کو واجب کرتے ہیں، اور یہ عاقدین کے سبب یا مبیع کے سبب ہوتا ہے۔

الف: باعتبار عاقدین کے..... یعنی باعتبار عاقدین کے اتحاد صفقہ یا تفریق صفقہ ہو، چنانچہ اگر ایجاب کرنے والے شخص کی طرف سے اتحاد ہو وہ شخص خواہ فروخت کنندہ ہو یا خریدار ہو۔ اور قبول کرنے والے کی طرف سے تعدد ہو یعنی قبول کرنے والے متعدد ہوں تو ان کے لیے تفریق صفقہ جائز نہیں ہے۔ یعنی کہ قبول کرنے والے دو اشخاص ہوں ان میں سے ایک بیع کو قبول کر لے اور دوسرا قبول نہ کرے۔ اگر صورت اس کے برعکس ہو تو ایجاب کرنے والے متعدد ہوں گے اور قبول کرنے والے متحد ہوں گے، قبول کرنے والوں کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی ایجاب کرنے والوں میں سے کسی ایک کے حصہ میں عقد کو قبول کرے اور دوسرے کے حصہ کو قبول نہ کرے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے: مثلاً فروخت کنندہ ایک ہو اور خریدار دو ہوں، فروخت کنندہ خریداروں سے کہے: میں نے یہ سامان تم دونوں کو ایک ہزار روپے میں فروخت کیا خریداروں میں سے ایک کہے: میں نے یہ سامان خرید لیا جبکہ دوسرا خریدار قبول نہ کرے، صفقہ متعدد ہوگا اور عقد منعقد نہیں ہوگا ہاں البتہ از سرنو اتفاق ہو جائے تو عقد ہو جائے گا۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے: مثلاً ایک شخص کسی سامان کے دو مالکوں سے کہے: میں نے یہ سامان تم دونوں سے ایک ہزار روپے چنانچہ ان دونوں میں سے ایک تو سامان کو فروخت کر دے اور دوسرا فروخت نہ کرے، اس صورت میں بھی صفقہ متعدد ہوگا لہٰذا عقد نہیں ہوگا۔

ب: باعتبار مبیع کے..... چنانچہ اگر دو عاقدوں میں اتحاد ہو، ان میں سے ایک کچھ مبیع کو قبول کر لے اور کچھ مبیع کو قبول نہ کرے عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ صفقہ متفرق ہے۔ اگر عاقدین میں اتحاد ہو اور مبیع متعدد ہو چنانچہ مبیع کی دونوں چیزیں مثلی ہوں یا ایک مثلی ہو اور ایک قیمتی ہو۔ ❸ تو ان دونوں صورتوں میں مشتری کے لئے جائز نہیں کہ وہ دونوں سامانوں میں سے کسی ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے، اگر ایسا کیا تو صفقہ متعدد ہوگا، اس وقت بیع مکمل نہیں ہوگی ہاں البتہ اگر بائع کی طرف سے از سرنو رضامندی ظاہر ہو اور یوں قبول ایجاب ہو جائے گا اور پہلا ایجاب باطل ہوگا۔

یہاں مذکور بالا دونوں حالتوں میں ایک فرق بھی ہے۔ اس فرق کا دارومدار اجزائے مبیع پر تقسیم ثمن پر اور وحدت صفقہ اور تعدد صفقہ پر ہے۔ چنانچہ جب خرید کردہ سامان (مبیع) دو مثلی اشیاء کی صورت میں ہو مثلاً چاول کے دو قفیز ہوں یا گندم کے دو مد ہوں، خریدار ان میں سے ایک میں عقد کو قبول کرے تو اجزائے مبیع کے اعتبار سے ثمن تقسیم ہوں گے۔ چنانچہ اس جزو کے ثمن جس میں مبیع مکمل ہوئی ہو (مذکور بالا مثال میں) مبیع کے ثمن اصلی کے نصف ہوں گے چونکہ مثلی اشیاء کی صورت میں ثمن مبیع پر اجزاء کے اعتبار سے تقسیم ہوتے ہیں، گویا ثمن کے ہر جزو کا

---

❶ العناية بهامش فتح القدير ٥/ ٨٠۔ ❷ المجموع للنووی ٩/ ٢٥٤ (٣)..... جس چیز کا مماثل دستیاب ہو وہ مثلی ہوتی ہے اور جس کا مماثل دستیاب نہ ہو یا دشوار ہو تو وہ قیمتی ہے۔

حصہ معلوم اور مقرر ہوگا۔ اس وقت صفقہ واحد (متحد) ہوگا۔

اور اگر مبیع غیر مثلی یعنی قیمتی ہو۔ جیسے دو کپڑے یا دو جانور ہوں تو ثمن مبیع پر باعتبار اجزاء کے تقسیم نہیں ہوں گے، جب اس حالت میں ثمن تقسیم نہیں ہوں گے تو مبیع کے دونوں اجزاء کے ثمن کا حصہ مجہول ہوگا جبکہ ثمن کی جہالت صحت بیع سے مانع ہے۔

اگر صفقہ کو صحیح کرنا ہو تو دو امور میں سے ایک کو بجالانا ضروری ہوگا۔ غرض

یا تو بائع فروختگی کا لفظ پھر سے دہرائے اور یوں کہے: میں نے یہ دو کپڑے تمہیں فروخت کر دیئے اور تمہیں ایک ہزار روپے میں یہ کپڑا فروخت کیا اور ایک ہزار میں یہ یا یوں کہے: میں نے تم سے یہ دونوں کپڑے خرید لئے ایک ہزار میں یہ خرید لیا اور ایک ہزار میں یہ، یوں عقد صحیح ہو جائے گا اور یہاں دو صفقے ہوں گے۔

یا اجزائے مبیع پر ثمن کو تقسیم کردے مثلاً بائع یوں کہے: میں نے تمہیں یہ دو کتابیں فروخت کر دیں، یہ کتاب سو روپے میں اور یہ پچاس روپے میں اور مشتری ان میں سے ایک میں بیع کو قبول کر لے، یوں تفریق صفقہ معلوم ہو جائے گا اور بیع جائز ہوگی۔ چونکہ بائع نے دونوں چیزوں کے ثمن الگ الگ بیان کر دیئے ہیں۔ یوں اس حالت میں معنیً مختلف صفقات ہوں گے، اور اگر بائع کی غرض یہ ہو کہ وہ دونوں چیزوں کو اکٹھی ملا کر یکبارگی بیچنا چاہتا ہو تو پھر تعیین ثمن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

جب ایجاب وقبول میں مطابقت ہو تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور عاقدین میں سے کسی کے لئے بیع ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہاں البتہ عیب اور عدم رؤیت کی وجہ سے اختیار حاصل ہوگا۔ چنانچہ مجلّہ کے آرٹیکل ۳۵۱ میں ہے۔" جب صفقہ واحدہ کے کچھ حصہ میں عیب ظاہر ہو جائے تو اگر عیب قبضہ سے پہلے ظاہر ہو تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو پورے مجموعہ کو رد کر دے چاہے تو پوری قیمت کے بدلہ میں اسے قبول کر لے، وہ یوں نہیں کر سکتا کہ محض عیب دار حصہ کو واپس کر دے اور بے عیب حصہ کو رکھ لے، اور اگر عیب قبضہ کے بعد ظاہر ہو تو جب تفریق صفقہ سے ضرر لاحق نہ ہوتا ہو عیب دار حصہ واپس کر دے اور اسی کے حصہ کے ثمن بھی منہا کر لے، مشتری پوری مبیع واپس نہیں کر سکتا جب تک کہ بائع رضامند نہ ہو اور اگر تفریق صفقہ میں ضرر ہو تو پوری مبیع واپس کی جائے گی یا پوری مبیع کل ثمن کے بدلہ میں قبول کی جائے گی، مثلاً: دو ٹوپیاں چالیس روپے میں خریدیں ان میں سے ایک میں عیب ظاہر ہو قبضہ سے پہلے، تو ان دونوں کو معاً واپس کرے گا، اور اگر قبضہ کے بعد عیب ظاہر ہو تو صرف عیب دار کو واپس کرے گا اور اس کے حصہ کے ثمن پورے ادا کرے گا اور دوسری ٹوپی بقیہ ثمن کے بدلہ میں رکھ لے گا، اور اگر موزے خریدے پھر ان میں سے ایک میں عیب ظاہر ہوا قبضہ کے بعد تو بائع کو دونوں واپس کرے گا اور اس سے دونوں موزوں کے ثمن (قیمت) واپس لے گا۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکیہؒ...... کہتے ہیں: جب صفقہ حلال اور حرام پر مشتمل ہو جیسے متقوم سامان اور شراب یا خنزیر کا عقد تو یہ پورا صفقہ باطل ہوگا۔ ❶

صاحبینؒ...... کہتے ہیں: صحیح سامان میں عقد صحیح ہوگا اور فاسد سامان میں عقد فاسد ہوگا۔

منشاء اختلاف یہ ہے کہ جب صفقہ سامان صحیح اور سامان فاسد پر مشتمل ہو یہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فساد کل صفقہ میں سرایت کر جائے گا جبکہ صاحبین کے نزدیک فساد سامان صحیح کی طرف سرایت نہیں کرے گا، بلکہ فساد صرف فاسد پر مقصور رہے گا۔

اگر ایک شخص نے ایک ہی صفقہ (سودا) کے تحت اپنی ملک اور کسی دوسرے کی ملک کو فروخت کیا، بیع دونوں ملکیتوں میں صحیح ہوگی اور اپنی ملکیت میں بیع لازم ہو جائے گی جبکہ غیر کی ملک میں بیع موقوف ہوگی۔

---

❶ ..... القوانين الفقهية ص ٢٦٠ البدائع ٥/٢١٧۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ❶ تفریق صفقہ کا معنی ہے کہ وہ چیز فروخت کی جائے جس کی فروخت جائز ہو، اور وہ چیزیں جن کو ایک صفقہ کے تحت ثمن واحد کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں وہ تین اقسام پر ہیں۔

پہلی قسم...... یہ کہ معدوم ومجہول چیزوں کو ثمن واحد (ایک قیمت) کے ساتھ فروخت کرے مثلاً یوں کہے میں نے تمہیں یہ کتاب اور ایک دوسری کتاب سو روپے میں فروخت کی، ان دونوں کتابوں میں بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ مجہول کتاب میں جہالت کی وجہ سے بیع صحیح نہیں ہے، جبکہ جو کتاب معین اور معلوم ہے اس کے ثمن (قیمت) مجہول یعنی غیر معلوم ہے۔

نیز اس کی قیمت معلوم کرنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں، چونکہ مجہول کو معلوم کرنے کے لئے دونوں کتابوں کی الگ الگ قیمت معلوم کرنی ہوگی جبکہ مجہول کی قیمت مقرر کرنا ممکن نہیں لہٰذا الگ الگ قیمت کو طے کرنا دشوار ہے۔

دوسری قسم...... یہ کہ دونوں سامان ان چیزوں میں سے ہوں جن پر اجزاء تقسیم ہوتے ہوں جیسے دو آدمیوں کے درمیان مشترک چیز، چنانچہ اس مشترک سامان کو ایک شخص دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کردے، جیسے دو مثلی چیزیں ہو مثلاً غلے کے ایک ہی ڈھیر کے دو قفیز، انہیں وہ شخص فروخت کردے جو ان کا مالک نہ ہو ہاں البتہ ان کے کچھ حصے کا مالک ہو، زیادہ صحیح یہ ہے کہ جتنے حصہ کا بائع مالک ہوگا اس حصہ کے بقدر ثمن کے ساتھ بیع ہوجائے گی اور جتنے حصہ کا وہ مالک نہیں اس میں بیع فاسد ہوجائے گی۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر مستقلاً حق حاصل ہے۔ چنانچہ جب اپنی ملکیت غیر کی ملکیت کے ساتھ جمع ہوجاتی ہے تو دونوں اشخاص کے لئے حکم خاص ثابت ہوجاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زمین کا ٹکڑا اور تلوار فروخت کرے تو بلا اخلاف زمین کے ٹکڑے میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔ جیسے مالک تنہا زمین کو فروخت کرے تو حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تیسری قسم...... یہ کہ دو قسم کے فروخت کردہ سامان معین ہوں اور ان چیزوں میں سے ہوں جن پر اجزاء کے اعتبار سے ثمن تقسیم نہ ہوتے ہوں، یعنی صفقہ (سودا) حلال اور حرام چیزوں پر مشتمل ہو جیسے ایک چیز سرکہ ہو اور دوسری شراب یا ایک چیز بکری ہو اور دوسری خنزیر یا ایک مردار بکری ہو اور دوسری ذبح شدہ حلال بکری ہو، تو اس صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصح قول اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ حلال چیز میں بیع صحیح ہوگی اور حرام میں باطل ہوگی، اور باعتبار اجزاء کے دونوں طرح کی فروخت کردہ چیزوں پر ثمن تقسیم کرنے کی صورت میں شراب کو سرکہ اور خنزیر کو بکری اور مردار بکری کو مذبوح سمجھا جائے گا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

ابن قدامہ حنبلی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دوسری روایت کو راجح قرار دیا ہے وہ یہ کہ عقد بیع دونوں چیزوں میں معاً فاسد ہوگا۔

اگر صفقہ بائع کے مال اور غیر کے مال پر مشتمل ہو تو اجزاء کے اعتبار سے ثمن ان اموال پر منقسم نہیں ہوں گے، شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ ملکیت میں بیع صحیح ہوگی اور جو ملکیت نہیں اس میں باطل ہوجائے گی اور حساب کے مطابق ثمن کی تقسیم ہوگی جبکہ حنابلہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ دونوں مبیعوں میں بیع باطل ہوگی۔

حنابلہ اور شافعیہ تفریق صفقہ کے خیار کے متعلق کہتے ہیں کہ بعض صفقہ میں بیع کب صحیح ہوتی ہے؟ چنانچہ اگر مشتری صورت حال سے واقف ہو مثلاً وہ جانتا ہو کہ مبیع ان چیزوں میں سے ہے جس پر اجزاء کے اعتبار سے ثمن منقسم ہوئے ہیں۔ تو اس صورت میں مشتری کو خیار نہیں حاصل ہوگا چونکہ اس نے بصیرت کے ساتھ خریداری کی ہے، اور اگر صورت حال سے واقف نہ ہو مثلاً ایک شخص نے کچھ سامان خریدا اور وہ سمجھا یہ سارا بائع کا ہے لیکن بعد میں حقیقت کھلی کہ کہ بائع تو صرف نصف کا مالک ہے یا دو دو چیزیں خریدیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ بائع تو صرف

❶......المجموع ۹/۴۲۵، المهذب ۱/۲۶۹، المغنی ۴/۲۳۶، القواعد لابن رجب ص ۴۲۱ الاشباه والنظائر للسيوطی ص ۹۸ غاية المنتهی ۲/۱۶

ایک چیز کا مالک ہے لہٰذا مشتری کو فسخ اور نفاذ عقد میں اختیار حاصل ہوگا چونکہ صفقہ میں بعضیت پیدا ہوگئی ہے، رہی بات بائع کی سو جب مشتری جز مبیع کو رکھ لے تو اصح قول کے مطابق اس کے لئے اختیار نہیں ہوتا چونکہ وہ اپنے حصہ کی ملک کو ختم کرنے سے راضی ہے۔

اگر ایک صفقہ (سودا) میں خریدی گئی دو چیزوں میں سے ایک چیز تلف ہو جائے تو بلا اختلاف تلف شدہ حصہ میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ رہی بات بقیہ حصہ کی سو اس میں مشتری کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو اس حصہ کے ثمن کے بدلہ میں اسے رکھ لے چاہے فسخ کر دے، چونکہ صفقہ میں بعضیت پیدا ہو چکی ہے۔

ظاہریہ..... کہتے ہیں ❶ ہر وہ صفقہ جس میں حرام اور حلال جمع ہو تو وہ باطل ہوتا ہے اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہوتا، اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً خرید کردہ سامان کا کچھ حصہ مغصوب ہو یا بائع کی ملکیت نہ ہو یا اس تک عقد فاسد کے ذریعے پہنچا ہو۔

خلاصہ..... جمہور فقہاء ایسے صفقہ (سودے) کو باطل قرار دیتے ہیں جو حلال وحرام یا ملکیت وغیر ملکیت پر مشتمل ہو۔ امام نووی کی ترجیح کے مطابق شافعیہ کہتے ہیں کہ جائز چیز میں عقد صحیح ہے اور ناجائز میں باطل ہے۔

دوسری چیز: نفاذ کی شرائط..... نفاذ عقد کی دو شرطیں ہیں۔

ا۔ ملک یا ولایت..... یعنی جو چیز فروخت کی جارہی ہے وہ اپنی دسترس میں ہوتا کہ جب کوئی شرعی مانع نہ ہو تو مالک اس چیز میں تصرف کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ چنانچہ مجنون اور بے وقوف کا سرپرست اور عاجز کا وصی ملک میں تصرف کرنے کی وجہ سے مالک نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ مجنون، بے وقوف اور عاجز مالک ہوں گے، چونکہ شرعی مانع نہ ہونے کی صورت میں مستقلاً ان لوگوں کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ کسی اور کی ولایت میں ہوتے ہیں۔ ❷

ولایت..... سے مراد وہ شرعی اختیار اور اتھارٹی ہے جس کے ذریعہ عقد طے ہوتا ہے اور عقد نافذ ہوتا ہے، ولایت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ ولایت اصلیہ..... وہ یہ ہے کہ انسان اپنے امور کا خود متولی ہو۔

۲۔ نیابیہ..... یہ کہ انسان کسی دوسرے شخص کے امور کا متولی ہو اور وہ دوسرا شخص ناقص الاہلیت ہو، یا مالک نے کسی کو نائب بنا دیا ہو جیسے وکیل یا شارع نے نائب بنایا ہو جیسے عام اولیاء مثلاً باپ، دادا، قاضی، باپ دادا کا وصی، ان میں ترتیب یہ ہوگی پہلے باپ ولی ہوگا پھر اس کا وصی پھر دادا پھر اس کا وصی پھر قاضی پھر اس کا وصی۔ ❸

اس شرط کا مدلول اور مقصود یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملک ہو، لہٰذا اس شرط کے ضمن میں یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ فضولی کی بیع نافذ نہیں ہوتی، چونکہ فضولی کو نہ ہی ملک حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی ولایت، البتہ حنفیہ کے نزدیک مالک کی اجازت پر بیع موقوفاً منعقد ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک یا ولایت کو شرائط انعقاد میں سے اعتبار کیا ہے گویا ان کے نزدیک فضولی کے تصرفات باطل ہوں گے، عنقریب اس موضوع پر تفصیلاً گفتگو آیا چاہتی ہے۔ ❹

۲۔ یہ کہ مبیع غیر بائع کا حق نہ ہو..... اگر فروخت کردہ سامان میں غیر بائع کا حق ہو تو عقد موقوف اور غیر نافذ ہوگا۔ اسی شرط کے مطابق اگر راہن مرہونہ شئے کو فروخت کر دے تو یہ بیع نافذ نہیں ہوگی، مؤاجر اگر اجرت پر دی ہوئی چیز کو فروخت کر دے تو یہ بیع بھی نافذ نہیں ہوگی، اور وہ زمین جو مزارعت (بٹائی) پر دی ہو اس کی بیع بھی نافذ نہیں ہوگی، البتہ ان سبھی احوال میں بیع مرتہن یا مستاجر یا کاشتکار کی اجازت پر

❶..... المحلی ٩/ ٢٠. ❷ الاموال ونظریۃ العقد ص ١٦٥. ❸ المرجع السابق ص ٣٤٨، حاشیۃ ابن عابدین ٤/ ٦، البدائع ٥/ ١٤٦. ❹ البدائع ٥/ ١٤٨.

موقوف ہوگی فاسد نہیں ہوگی، حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح اور معتبر ہے، چونکہ رکن بیع اہل سے صادر ہوا ہے جس کی نسبت مال متقوم کی طرف سے اور اس کی سپردگی پر قدرت بھی ہے (یعنی مقدور التسلیم ہے) اس میں کوئی ضد بھی نہیں، ہاں اس وقت مشتری کو خیار حاصل ہوگا چاہے بیع نافذ کردے چاہے فسخ کردے، رہی بات مستاجر کی یا مرتہن کی یا مزارع کی سو وہ اگر عقد کی اجازت دے دے، اگر مستاجر نے اجازت نہ دی یہاں تک کہ اجارہ فسخ ہوگیا تو سابق بیع نافذ ہوجائے گی، اسی طرح جب مرتہن قرضہ ادا کرے تو تجدید عقد کی ضرورت نہیں، یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے۔ فضولی کی بیع کا حکم بھی اسی پر متفرع ہوگا کہ مالک کی جانب سے اجازت کا قبول کرنا ہوگا اور مشتری کی طرف سے فسخ ہوگا اجازت نہیں ہوگی، جیسے فضولی کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہے فسخ نکاح کا نہیں۔

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے ذکر کیا ہے کہ فقہی اعتبار سے یہ رائے راجح ہے کہ بیع مرتہن یا مستاجر کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی، اگرچہ خرید کردہ سامان میں وہ صاحب حق ہوں، چونکہ شرعی طور پر اجازت کا حق یا تو مالک کو حاصل ہوتا ہے یا متولی کو حاصل ہوتا ہے، بلکہ بیع نافذ ہوگی لیکن مرتہن یا مستاجر کی رضامندی کے بغیر مبیع مشتری کے حوالے نہیں کی جائے گی تاکہ مستاجر یا مرتہن کا حق محفوظ رہے، بلکہ مشتری کو خیار ملے گا کہ چاہے تو بیع فسخ کردے یا رہن کے چھوٹنے تک انتظار کرے یا مدت اجازت پوری ہونے تک انتظار کرے تاکہ مبیع سپرد کی جاسکے۔ ❶

نفاذ اور موقوف ہونے کے اعتبار سے بیع کی تقسیم..... حنفیہ کے نزدیک شرائط نفاذ کی دو قسمیں ہیں:

(۱).....نافذ (۲).....موقوف۔

بیع نافذ..... وہ ہوتی ہے کہ جس میں عقد کا رکن بمعہ شرائط انعقاد اور شرائط نفاذ پایا جائے۔

بیع موقوف..... وہ ہوتی ہے کہ جس میں عقد کا رکن بمعہ شرائط انعقاد پایا جائے لیکن اس میں شرط نفاذ یعنی ملک یا ولایت نہ پائی جائے۔

شرط نفاذ میں خلل پڑنا..... خلل یا تو مبیع (فروخت کردہ سامان) میں ہوگا جیسا کہ فضولی کی بیع میں ہوتا ہے کہ فروخت کردہ سامان کسی اور کی ملک ہوتا ہے، یا خلل تصرف میں ہوگا جیسے ممیز بچے کی بیع یا معتوہ (بے وقوف) کی بیع یا ممیز بچے اور معتوہ کی خریداری میں خلل ہوگا۔

فضولی کے تصرف کی بارے میں علماء کی آراء..... درحقیقت فضولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لایعنی میں مشغول ہو یا ایسا کام کرے جو اس کے شایان شان نہ ہو، عقد بیع کے حوالے سے فضولی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی چیز میں تصرف کرے یا عقد کرے جبکہ اس پر اسے ولایت حاصل نہ ہو جیسے کسی شخص کو نہ وکالت حاصل ہو نہ ہی اس کو کسی نے وصی مقرر کیا ہو اور نہ ہی اسے ولایت تصرف حاصل ہو اور وہ کوئی چیز فروخت کردے یا کسی کے لئے خرید لے یا کوئی چیز اجرت پر دے دے یا کسی دوسرے کے لئے کوئی چیز اجرت پر لے، جبکہ دوسرے شخص کی طرف سے مطلق اجازت نہ ہو۔ چنانچہ دوسرے شخص کی ملک کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا روزمرہ کا معمول ہے اور شائع و ذائع ہے، اس کی مثالیں بے شمار ہیں مثلاً خاوند اپنی بیوی کی ملک کو فروخت کردیتا ہے، عام لوگ سرکاری املاک کو فروخت کردیتے ہیں یا ایک شخص عرصہ سے غائب ہوتا ہے اس کی ملک کو فروخت کردیا جاتا ہے۔

ملاحظہ..... فضولی دوسرے کی ملکیت کو اپنی ظاہر کرتا ہے، ورنہ اس کا تصرف ایسی چیز میں ہوتا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہوتا، اور یہ ممنوع ہے۔

محل بحث..... یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کا مال اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ صاحب مال اگر راضی رہا تو بیع کو نافذ کردے گا، اور اگر راضی نہ رہا تو بیع کو فسخ کردے گا، یا کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے لئے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر خریدے اس طور پر

❶..... عقد البیع ص ۳۱، ردالمحتار لابن عابدین ۵/ ۳۶۱۔

کہ مشتری راضی رہے گا، خریداری صحیح ہوگی اگر مشتری کی رضامندی نہ ہوتو خریداری درست نہیں۔ ❶ چنانچہ فضولی غیر کے لئے تصرف کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر، فضولی کے تصرف کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... نے بیع اور شراء میں فرق کیا ہے، بیع کی صورت میں فضولی کا تصرف منعقد ہوجاتا ہے، اور عقد صحیح مگر موقوف ہوتا ہے، برابر ہے کہ فضولی عقد کی نسبت اپنی طرف کرے یا مالک کی طرف، چونکہ عاقد کی طرف سے عقد کا نفاذ ممکن نہیں۔

حالت شراء میں فضولی نے اگر شراء کی نسبت اپنی طرف کی مع ہذا وہ نیت میں کسی اور کی خریداری کرنا چاہتا ہو، تو یہ خریداری اس کے اپنے لئے ہوگی اگر خریداری کا نفاذ اس پر صحیح ہو چونکہ اصل یہ ہے کہ انسان کا تصرف اس کے اپنے لئے ہو نہ کہ غیر کے لئے۔

اگر فضولی نے خریداری کی نسبت کسی دوسرے کی طرف کی یا خریداری کا عقد فضولی پر نافذ نہ ہوسکتا ہو مثلاً وہ بچا ہو یا تصرف کرنے کی اس پر پابندی لگی ہو، خریداری صحیح ہوگی مگر غیر کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر غیر نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوجائے گا، اور فضولی کو وکیل سمجھا جائے گا اور عقد کے حقوق اسی طرف راجع ہوں گے۔

فی الجملہ حنفیہ کے نزدیک فضولی کے تصرفات جائز ہوتے ہیں لیکن صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں، ❷ فضولی کے تصرفات جیسے مسلم فیہ کی بیع، مغصوب شیئ کی بیع اور وکیل کی بیع یہ وہ حالات ہیں جو ایسی چیز کی بیع سے مستثنیٰ ہیں جن کا انسان مالک نہیں ہوتا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: فضولی کے تصرفات اور اس کے جملہ عقود بیع وشراء کی حالت میں صفت عامہ کے ساتھ معتبر ہوں گے اور یہ عقود منعقد ہوں گے لیکن صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اگر صاحب حق نے اجازت دے دی تو عقد نافذ ہوگا اور جائز ہوگا، اگر صاحب حق نے اجازت نہ دی تو عقد باطل ہوجائے گا، چونکہ لاحق ہونے والی اجازت اذن اور سابقہ وکالت کی مانند ہوتی ہے۔ ❸

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال...... حنفیہ اور مالکیہ ان عام آیات سے استدلال پکڑتے ہیں جو بیع کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور ان سے فضولی مستثنیٰ نہیں ہے۔ وہ آیات یہ ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ ...... البقرة ۲/ ۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ...... النساء ۴/ ۲۹

اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہارے درمیان اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو وہ تمہارے لئے حلال وطیب ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ...... الجمعة ۶۲/ ۱۰

جب (جمعہ کی) نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔

عقلی دلیل...... فضولی کی اہلیت کامل ہوتی ہے چنانچہ فضولی کے عقد کو عمل دینا مہمل قرار دینے سے بہتر ہے۔ بسا اوقات مالک کے لئے عقد میں مصلحت بھی ہوتی ہے اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا، نیز مالک کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ عقد کی اجازت نہ دے، خصوصاً

---

❶ ...... ہدایة المجتهد ۲/ ۱۷۱۔ ❷ ایسی چیز میں بیع سلم صحیح ہوتی ہے جو بائع کی ملک نہ ہو۔ ❸ دیکھئے بدایة المجتهد المرجع السابق، حاشیة الدسوقی ۳/ ۱۲، القوانین الفقهیة ص ۲۴۵۔

جب وہ عقد میں چنداں فائدہ نہ دیکھے تو عقد کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔

سنت سے دلیل...... بخاری کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دینار دیا تا کہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار نقدی لیتے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے کئے ہوئے سودے میں برکت عطا فرمائے۔

اسی طرح ترمذی اور ابوداؤد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار دیا تا کہ قربانی کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک دینار کے بدلہ میں دو بکریاں خرید لائیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور انہیں دعائے برکت دیتے ہوئے یوں فرمایا:

اللہ تعالیٰ تمہارے سودے میں برکت عطا فرمائے۔ ❶ چنانچہ دونوں حدیثوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری کے بارے میں نہ خریدنے کا حکم دیا نہ فروخت کرنے کا۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: فضولی کا تصرف مطلقاً صحیح نہیں خواہ یہ تصرف بیع کے متعلق ہو یا خریداری کے متعلق، اور اگر وقوع تصرف کے بعد تصرف کی اجازت دی گئی تب بھی تصرف صحیح نہیں، ہاں البتہ اگر فضولی اپنی ذمہ داری میں کوئی چیز خریدے اور خریداری کی نیت کسی اور شخص کے لئے کر دے اور اس شخص کا نام نہ لے، تو یہ عقد صحیح ہوگا، پھر جس شخص کے لئے چیز خریدی گئی اس نے اجازت دے دی تو وہ خریداری کے وقت سے اس چیز کا مالک سمجھا جائے گا، اور اگر اس شخص نے خریداری کی اجازت نہ دی تو خریداری مشتری کے لئے ہوگی اور اسی کو اس کا حکم لازم ہوگا۔

ابن رجب حنبلی کہتے ہیں: فضولی کا تصرف جائز ہے۔ اور جب کسی دوسرے کے مال اور حق میں تصرف کی ضرورت ہو اور اس سے اجازت لینا دشوار ہو یا وہ کہیں غائب ہو اور اس کا انتظار دشوار ہو تو فضولی کا تصرف موقوف ہوگا۔

آرٹیکل ۱۳۳ میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وضاحت کی گئی ہے کہ فضولی کا تصرف باطل ہے اگر چہ بعد میں اس کی اجازت دی جائے، الا یہ کہ فضولی جب اپنی ذمہ داری میں کوئی چیز خریدے اور کسی دوسرے شخص کے لئے نیت کرے تو بیع صحیح ہوگی۔

شافعیہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں: بیع میں یہ شرط ہوتی ہے کہ جس شخص کی طرف عقد کی نسبت ہو رہی ہو وہ اس کا مالک ہو، چنانچہ فضولی کی بیع سرے سے باطل ہے منعقد ہی نہیں ہوتی، اسے صاحب حق کی اجازت لاحق ہی نہیں ہوتی۔

ان کی دلیل...... ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خرید و فروخت صرف اسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کا انسان مالک ہو۔“ گویا انسان جس چیز کا مالک نہیں اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس چیز کا بائع مالک نہ ہو۔ ❷

عقلی دلیل یہ ہے کہ بوقت عقد فروخت کردہ سامان کو سپرد کرنے پر فضولی کو قدرت حاصل نہیں ہوتی، اور یہ عقد مفضی الی النزاع بھی

---

❶ دیکھئے سبل السلام ۳/ ۳۱۔ ❷ روی الحدیث احمد واصحاب السنن الاربعۃ عن حکیم بن حزام (دیکھئے نصب الرایۃ ۴/ ۴۵، نیل الاوطار ۵/ ۱۵۵)

ہوسکتا ہے۔

شافعیہ اور ظاہریہ عروہ بارقی رضی اللہ عنہ اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق وکیل تھے، اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ وکیل نے بکری فروخت کی اور پھر اسے سپرد بھی کیا ہے، ❶ یہ ایسی وکالت تھی کہ اس میں وکیل نے موکل کی مخالفت کی لیکن بہتری کا ارتکاب کیا جس کا تصرف نافذ ہوا، ان فقہاء کی رائے میں فضولی کی خریداری کا اعتبار اسی کے لئے ہوگا یہ عقد اسی کو لازم ہوگا، اس کی ملکیت غیر کو منتقل نہیں ہوگی، ہاں البتہ عقد جدید کے ذریعے ملک منتقل ہوجاتی ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

فضولی کے تصرف کی شرائط اجازت......حنفیہ کے نزدیک فضولی کے عقد کی درج ذیل شرائط ہیں۔ ❷

۱......یہ کہ عقد کا کوئی جاری کرنے والا ہو یعنی وہ شخص جو بنفس نفیس عقد کو جاری کرنے کی قدرت رکھتا ہو، چونکہ جس کا کوئی اجازت دینے والا ہوگا تو اس کی طرف سے اجازت متصور ہوگی، اور جس عقد کا کوئی اجازت دینے والا نہ ہو تو اس کی فی الحال اجازت متصور نہیں ہوتی، جبکہ مستقبل میں کبھی اجازت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، اسی شرط پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب فضولی کسی بالغ شخص کی بیوی کو طلاق دے دے یا اپنا مال ہبہ کردے یا صدقہ کردے تو یہ تصرف منعقد ہوگا لیکن اجازت پر موقوف رہے گا، چونکہ صاحب حق ان عقود کو جاری کرنے کی قدرت رکھتا ہے وقوع کے بعد بھی جاری رکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ گویا عقد کے تصرف کا فی الحال اجازت دینے والا موجود ہے۔ اگر فضولی کے تصرف کی نسبت کسی کمسن نابالغ بچے کی طرف ہو تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔ چونکہ بچہ ان تصرفات کا بنفس نفیس اہل نہیں ہوتا، لہٰذا بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دینے والا نہیں ہوگا۔ اسی طرح بچے کے ولی کی اجازت کی بھی کوئی قیمت نہیں چونکہ وہ اپنے تئیں ان تصرفات کا مالک نہیں ہوتا۔

۲......یہ کہ اجازت فروخت کنندہ، خریدار، اصل مالک اور فروخت کردہ سامان کی موجودگی میں ہو، اگر ان میں سے کسی ایک کے مرنے کے بعد اجازت ملی تو عقد باطل ہوجائے گا اور اجازت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چونکہ اجازت دراصل عقد میں تصرف ہوتا ہے۔ لہٰذا عقد کو وجود اسی وقت مل سکتا ہے جب عاقدین اور معقود علیہ موجود ہوں۔

۳......یہ کہ صاحب حق کو چھوڑ کر فضولی پر عقد کا نفاذ ممکن نہ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

فضولی کے عقد کو فسخ کرنا اور اس کی اجازت دینا......فضولی کی طرف سے طے ہونے والے عقد کو فسخ کرنا بیع کی طرح ہے، چنانچہ عقد کا فسخ کبھی مالک کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی مالک کی اجازت سے پہلے فضولی کی طرف سے فسخ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر مالک اگر اجازت دے دے تو فضولی لازم ہونے والے حقوق کا دفاع کرتا ہے اور کبھی فسخ مشتری کی طرف سے ہوتا ہے تاکہ خریداری کے نقصان سے محفوظ رہ سکے جو کہ صاحب حق کی طرف سے متوقع ہوسکتا ہے۔

رہی بات فضولی کے طے کردہ عقد نکاح کی سو فضولی کو فسخ کا حق نہیں ہوتا، چونکہ عقد نکاح کے حقوق اصیل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ ❸

رہی بات عقد فضولی کی اجازت کی سو وہ مال کے مالک پر منحصر ہے، اجازت کا اعتبار تب ہوگا جب بائع، مشتری اور مبیع موجود ہوں، چونکہ مالک کی اجازت حکماً بیع ہوتی ہے، اور جب ثمن معین سامان کی شکل میں ہو تو ان کا موجود ہونا بھی شرط ہے۔ چونکہ معین سامان بھی ایک طرح سے مبیع ہے، لہٰذا فضولی کی ملک متصور ہوگا، جب ثمن ہلاک ہوگا تو اس کا تاوان فضولی پر پڑے گا۔ ❹

کیا صرف ایک فضولی طرفین سے عقد طے کرسکتا ہے؟......مثلاً جب مشتری کسی شخص کا گھر فروخت کردے جبکہ مشتری اور اصل مالک دونوں موجود نہ ہوں، فضولی ہی خریدار کی طرف سے قبول کرلے یا فضولی کسی عورت سے کسی شخص کا نکاح کرے اور دونوں کی طرف

---

❶......مغنی المحتاج ۲/ ۱۵، المجموع للنووی ۸/ ۲۸۱۔ ❷البدائع ۵/ ۱۴۹، فتح القدیر ۵/ ۳۱۱، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۴۲۔ ❸البدائع ۵/ ۱۵۱، فتح القدیر ۵/ ۳۰۹۔۳۱۲۔ ❹الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۴۶

سے وہی قبول کر لے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

چونکہ انعقاد عقد میں عاقد کا متعدد ہونا شرط ہے، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے، چنانچہ ان سبھی عقود یعنی نکاح اور خرید وفروخت وغیرہما میں ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا۔ بلکہ ایجاب باطل ہو جائے گا، اور بالاتفاق اسے اجازت لاحق نہیں ہوگی۔

اسی تفصیل پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص عقد نکاح جانبین سے فضولی ہو یا جانب واحد سے فضولی ہو اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل ہو یا ولی ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایجاب موقوف نہیں ہوگا بلکہ باطل ہو جائے گا۔ برابر ہے کہ عقد میں ایک ہی کلام ہو یا دو کلام ہوں یعنی ایجاب وقبول دونوں ہوں، جیسے کہے میں نے فلاں کی شادی کر دی اور اس کی طرف سے نکاح قبول کر لیا، جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضولی کا ایجاب غائب کے قبول پر موقوف ہوگا جیسا کہ بالاتفاق ایجاب موقوف رہتا ہے جب کوئی دوسرا فضولی عقد قبول کر لے۔ اگر دو فضولیوں نے ایک شخص کا کسی عورت کے ساتھ نکاح کر دیا جبکہ انہیں اس کا علم ہی نہ ہو تو یہ نکاح ہو جائے گا لیکن ان دونوں کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر دونوں نے قبول کر لیا تو عقد نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر چھوڑ دیا تو عقد نافذ نہیں ہوگا۔

طرفین کی دلیل...... یہ ہے کہ شرعاً فضولی کا قبول کرنا غیر معتبر ہے، چونکہ جب فضولی کی طرف سے ایجاب صادر ہوا اور مجلس میں کوئی قبول کرنے والا نہ ہو اگرچہ کوئی دوسرا فضولی ہی کیوں نہ ہو تو ایجاب بطور باطل صادر ہو وہ غائب کے قبول پر موقوف نہیں ہوگا لہٰذا اس کے بعد عاقد کا قبول کرنا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ اس وقت عقد کا صرف ایک حصہ موجود ہوگا اور دوسرے حصے کو متحقق قرار دینا ممکن نہیں الا یہ کہ وکالت یا ولایت کی صورت موجود ہو۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ فضولی کی عبارت عقد کے دونوں طرفوں کو شامل ہوتی ہے، لہٰذا یہ عقد صحیح ہوگا جیسے ولی اور وکیل کی صورت میں صحیح ہوتا ہے۔ (1)

ممیز بچے کے تصرف کا موقوف ہونا...... جب کوئی بچہ عاقل اور ممیز (نفع نقصان میں تمیز کرنے والا) ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کی رائے میں اس کے تصرفات صحیح ہیں لیکن سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوں گے، یا یہ کہ بالغ ہونے کے بعد از سر نو اجازت دے، اگر بچپن میں سرپرست کی طرف سے اجازت نہ ہوئی ہو، اگر بچہ سرپرست کی اجازت سے پہلے بالغ ہو گیا اور خود بچے نے اجازت دے دی تو عقد جائز ہوگا، (2) اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یہاں بیع موقوف کے صلہ کے طور پر اسے دوبارہ یہاں چھیڑا گیا ہے۔

تیسری چیز: صحت بیع کی شرائط

خرید وفروخت صحیح ہونے کی شرائط...... شرائط صحت کی دو قسمیں ہیں:

۱...... شرائط عامہ ۲...... شرائط خاصہ۔ (3)

شرائط عامہ...... یہ وہ شرائط ہیں جن کا خرید وفروخت کی جملہ انواع میں متحقق ہونا واجب ہے، تا کہ بیوع کی جملہ انواع صحیح ہو جائیں، ان شرائط کے بارے میں اجمالاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ عقد بیع کا چھ عیبوں سے پاک ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہیں: جہالت، اکراہ، توقیت، غرر، ضرر اور شرائط مفسدہ۔

---

(1)...... حاشیہ ابن عابدین ۲/۴۴۸، الاحوال الشخصیۃ للاستاذ المرحوم الدکتور مصطفیٰ السباعی ۱/۹۵. (2) البدائع ۵/۱۴۹، المغنی ۲/۴۴۶. (3) دیکھئے حاشیۃ ابن عابدین ۴/۶، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۲۵، الاموال ونظریۃ العقد للدکتور محمد یوسف موسیٰ ص ۳۹۴.

اول: جہالت...... اس سے مراد جہالت فاحشہ ہوتی ہے یا ایسی جہالت جو مفضی الی نزاع (جھگڑے کی طرف لے جانے والی) ہوتی ہے، اس جہالت کی گتھی کو سلجھانا دشوار ہوتا ہے، اس نزاع میں طرفین کی حجت مساوی ہوتی ہے، جیسے کوئی شخص ریوڑ سے ایک بکری فروخت کردے، اس جہالت کی چار قسمیں ہیں۔

۱..... جنس یا نوع یا مقدار کے اعتبار سے مبیع میں جہالت ہونا، اس جہالت کی نسبت مشتری کی طرف ہوتی ہے۔

۲..... اسی طرح ثمن میں جہالت کا ہونا، چنانچہ مجہول ثمن کے ساتھ بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۳..... مقررہ مدت کا مجہول ہونا، جیسا کہ ثمن مؤجل یا خیار شرط میں ہوتا ہے، لہٰذا مدت کا مقررہ ہونا واجب ہے ورنہ عقد فاسد ہوجائے گا، ملاحظہ رہے کہ عقد بیع میں جس چیز کا مقرر اور معلوم ہونا ضروری ہے وہ ثمن ہے یا مبیع (خرید کردہ سامان) ہے جبکہ یہ دونوں چیزیں ذمہ میں بطور قرض ہوں، اگر ثمن یا مبیع کوئی معین چیز ہو تو باتفاق علماء اس کی مدت مقرر کرنا جائز نہیں، چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی معین سامان فروخت کیا اس طور پر کہ وہ مشتری کو ایک ماہ بعد سپرد کرے گا یا کسی شخص نے ثمن عین (یعنی کسی چیز کو ثمن بنا کر) کے ساتھ کوئی چیز خریدی کہ وہ ایک ماہ بعد اسے ثمن دے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی، چونکہ عقد میں کسی مدت کا مقرر کرنا اس لئے مشروع ہے تاکہ عاقد کے لئے آسانی پیدا ہو اور مدت کے دوران عوض کو بآسانی حاصل کرسکے، یہ چیز قرضہ جات کے لائق ہے چونکہ یہ بیع میں معین نہیں ہوتی، اور اعیان معینہ کے لئے روا نہیں چونکہ عین معین اور حاضر ہوتی ہے، چنانچہ عین کی سپردگی میں تاخیر کرنا باعث ضرر ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا اس میں تحصیل حاصل ہے۔ [1]

۴۔ وسائلِ توثیق میں جہالت...... جیسے مثلاً بائع کفیل پیش کرنے کی شرط لگادے یا اُدھار ثمن کے بدلہ میں رہن رکھنے کی شرط لگادے، لہٰذا ان دونوں چیزوں کا معین ہونا واجب ہے ورنہ عقد فاسد ہوجائے گا۔

دوم: اکراہ...... کسی شخص کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کرنا اکراہ ہے، اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اکراہ ملجی یا اکراہِ تام...... وہ اکراہ ہے جس سے انسان کسی کام پر آخری درجہ مجبور ہوجائے مثلاً جان کی ہلاکت یا کسی عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

۲۔ اکراہ غیر ملجی یا اکراہ ناقص...... ایسا اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، جیسے قید و بند یا مار پٹائی کی دھمکی کا اندیشہ یا تنخواہ میں ترقیوں کو روک دینے کی دھمکی یا سکیل میں سنیارٹی پر نہ لانے کی دھمکی، سب اکراہ ناقص کی مثالیں ہیں۔

اکراہ کی یہ دونوں قسمیں عقد بیع پر اثر انداز ہوتی ہیں چنانچہ اکراہ جمہور حنفیہ کے نزدیک بیع کو فاسد کردیتا ہے، جبکہ امام زفر کے نزدیک بیع موقوف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب بیع کو فاسد تصور کیا جائے گا تو مشتری قبضہ کرکے مالک بن جائے گا، اور اگر بیع کو موقوف تصور کیا جائے تو قبضہ سے مشتری مطلقاً مالک نہیں ہوگا، البتہ راجح یہ ہے کہ مکرہ کا عقد موقوف ہے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق اکراہ زائل ہونے کے بعد جب مستکرہ عقد کی اجازت دے دے تو عقد جائز ہوگا۔ یہی عقد موقوف کا حکم ہے اور عقد فاسد کا یہ حکم نہیں۔ [2]

سوم: توقیت...... یہ کہ عقد بیع کو کسی وقت کے ساتھ معلق کرنا جیسے یوں کہے: میں نے یہ کپڑا تمہیں ایک ماہ یا ایک سال کے لئے فروخت کردیا، بیع فاسد ہوگی چونکہ کسی چیز کا مالک ہونا توقیت کے مرہون منت نہیں ہوتا۔

---

[1]..... راجع فتح القدیر ۵/۲۱۹، المجموع ۹/۳۷۳، بدایة المجتهد ۲/۱۵۵۔ [2]..... البدائع ۷/۱۸۸، المدخل الفقهی للاستاذ الزرقاء ۱/۳۶۴۔

چہارم: غرر......اس سے مراد وصف کا غرر ہے جیسے کسی نے گائے فروخت کی کہ وہ اتنے لیٹر دودھ دیتی ہے، چنانچہ یہ غیر یقینی امر ہے یہ کم بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر گائے فروخت کی کہ وہ دودھ دیتی ہے اور بائع نے دودھ کی مقدار نہیں بیان کی، تو یہ صحیح شرط ہے، اگر غرر وجود عقد میں ہو تو بیع باطل ہوگی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔ ❶ یہ وہ بیع ہوتی ہے کہ مبیع کے وجود اور عدم کا احتمال ہو جیسے حمل کے حمل کی بیع یا جانور کے پیٹ میں پڑے حمل کی بیع۔

پنجم: ضرر......یعنی بیع میں فریقین میں سے کسی ایک کو ضرر (نقصان) لاحق ہوتا ہو اور مبیع کی سپردگی بائع کے نقصان کے بغیر ناممکن ہو، جیسے بنی ہوئی چھت کے شہتیر کی بیع یا کپڑے میں سے ایک گز کی بیع اس طرح کی جائے کہ بقیہ کپڑے میں ضرر لاحق ہوجائے چنانچہ اگر شہتیر خریدار کو دے دیا گیا تو عمارت منہدم ہوجائے گی اور سوٹ میں سے ایک گز کپڑا دے دیا تو بقیہ کپڑا بے فائدہ ہوجائے گا۔

یہاں حق شخصی کو محفوظ بنانے کے اعتبار سے فساد ہے حق شرع کی وجہ سے نہیں، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر فروخت کنندہ نے شہتیر اکھاڑ کر دے ہی دیا یا ایک گز کپڑا کاٹ کر سپرد کر دیا تو بیع صحیح ہوگی چونکہ بائع اپنے نقصان پر خود راضی ہے۔

ششم: شرط مفسد......ہر وہ شرط جس میں فریقین (بائع، مشتری) میں سے کسی ایک کا نفع ہو، بشرط یہ کہ وہ ایسی شرط نہ ہو جس کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو، یا عرف میں وہ شرط معمولی نہ ہو، یا عقد اس کا تقاضا نہ کرتا ہو یا عقد کے ملائم نہ ہو، مثلاً کوئی شخص گاڑی کو فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ بیع کے بعد گاڑی ایک ماہ تک اس کے استعمال میں رہے گی، یا کسی نے گھر فروخت کیا اور ساتھ شرط لگادی کہ مقررہ مدت تک وہ اس میں رہے گا، یا مشتری صلب عقد میں بائع پر یہ شرط لگادے کہ وہ اسے اتنی رقم بطور قرض دے۔

چنانچہ جب معاوضات مالیہ کے عقود میں شرط فاسد پائی جائے جیسے بیع، اجارہ، تقسیم وغیرہ تو یہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی، لیکن دوسرے عقود میں یہ شرط محض لغو ہوگی، جیسے تبرعات، توثیقات (رہن، کفیل) عقد نکاح، یہ عقود صحیح ہوں گے شرط لغو ہوگی۔ ❷

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے اس شرط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہاء کی نظر میں عرف عام سے شرائط صحیح ہوجاتی ہیں، چنانچہ ہر وہ شرط جو دراصل فاسد ہو وہ صحیح ہوجاتی ہے اور جب وہ شرط لوگوں میں متعارف ہو تو لازم ہوجاتی ہے بشرط یہ کہ لوگوں میں اس شرط کا معمول ہو، چنانچہ یوں کہنا ممکن ہے کہ شرط فاسد جو معاملات میں معمول ہو تو اس کا فساد جاتا رہتا ہے، اس زمانے میں سبھی شرائط اجتہادی قواعد حنفیہ کی رو سے صحیح ہوجاتی ہیں۔ ❸

۴۔ شرائط خاصہ......یہ وہ شرائط ہیں جو بیع کی بعض انواع کے ساتھ مخصوص ہوں اور بعض انواع سے لاتعلق ہوں۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

ا: منقولات میں قبضہ کا ہونا......یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کر رہا ہو اور وہ چیز از قسم منقولی ہو جبکہ اس شخص نے بھی کسی اور سے خریدی ہو تو آگے فروخت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے اس چیز پر قبضہ کیا ہو، چونکہ منقولی اشیاء ہلاکت کا شکار ہوجاتی ہیں، گویا قبضہ سے قبل بیع کرنے میں غرر کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، رہی بات زمین کی سو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۲: بیوع امانت میں ثمن اول کی پہچان......یعنی جب بیع مرابحہ یا تولیہ یا وضیعہ یا شرکت ہو۔ اس کی بھی مکمل تفصیل آیا چاہتی ہے۔

---

❶......رواه مسلم واحمد واصحاب السنن الاربعة عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه (جامع الاصول ۱/ ۴۴۱، مجمع الزوائد ۴/ ۸۰) ❷الاموال ونظرية العقد للأستاذ المصنف محمد يوسف موسیٰ: ص ۴۲۳۔ ❸عقد البيع ص ۲۸۔

۳.....بیع صرف کی صورت میں فریقین کے جدا ہونے سے قبل بدلین (سونا چاندی، کاغذی نوٹ) پر قبضہ کرنا۔

۴.....بیع سلم میں شرائط بیع سلم کا پایا جانا، اس کی تفصیل بھی آیا چاہتی ہے۔

۵.....اگر معاملہ ربوی اموال کا ہو تو بدلین میں مماثلت کا ہونا اور شبہ ربا سے خالی ہونا۔

۶.....وہ دیون (قرضہ جات) جو ذمہ میں ثابت ہوں ان پر قبضہ کرنا جیسے مسلم فیہ و بیع سلم میں رأس المال۔

کسی چیز کو غیر بائع کے قرضہ میں فروخت کرنا چنانچہ اس چیز کا ایسے شخص پر فروخت کرنا جس پر قرضہ ہو تو وہ قبضہ کے بعد جائز ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ رب سلم (مشتری) کے لئے صحیح نہیں کہ وہ مسلم فیہ پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اسے فروخت کردے، اسی طرح قرضہ دہندہ کے لئے صحیح نہیں کہ وہ قرضہ وصول کرنے سے پہلے اس قرضہ کے بدلہ میں کوئی چیز خریدے۔

پانچویں چیز: لزوم بیع کی شرائط.....شرائط انعقاد اور شرائط نفاذ کے بعد شرائط لزوم آتی ہیں، چنانچہ لزوم بیع کے لئے شرط ہے کہ عقد خیارات سے خالی ہو جیسے خیار شرط، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعیین، خیار رؤیت، خیار عیب اور خیار غبن بمعہ تغریر۔ چنانچہ بیع میں جب ان خیارات میں سے کوئی خیار پایا گیا تو وہ فریق جس کے لئے خیار ثابت ہو تو اس کے حق میں بیع کا لزوم نہیں ہوگا اسے اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کرے یا قبول کرے، ہاں البتہ اگر کوئی مانع پیدا ہو جائے تو اس کا یہ اختیار جاتا رہے گا، خیارات کی بحث میں یہ تفصیل آرہی ہے۔ [1]

ملاحظہ.....انعقاد کے مقابلہ میں بطلان ہوتا ہے، صحت کے مقابلہ میں فساد ہوتا ہے، نفاذ کے مقابلہ میں توقف (موقوف ہونا) ہوتا ہے اور لزوم کے مقابلہ میں عدم لزوم یعنی تخییر ہوتا ہے۔

مذاہب میں بیع کی مختلف الانواع شرائط کا خلاصہ اور شرائط میں اتفاق اور اختلاف کا بیان.....بیع کی مختلف الانواع شرائط کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ تئیس (۲۳) شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک گیارہ شرائط ہیں، شافعیہ کے نزدیک بائیس شرائط ہیں اور حنابلہ کے نزدیک گیارہ شرائط ہیں۔

حنفیہ کے مذہب میں شرائط.....حنفیہ کے ہاں بیع کی شرائط چار اقسام پر ہیں، شرائط انعقاد، شرائط صحت، شرائط نفاذ، اور شرائط لزوم، کل ملا کر تیس شرطیں ہیں۔ [2]

شرائط انعقاد.....یہ چار انواع کی شرائط ہیں۔

پہلی نوع: (شرائط عاقد).....عاقد کے متعلق دو شرطیں ہیں عاقد خواہ بائع ہو یا مشتری۔

۱.....یہ کہ عاقد عاقل (ممیز) ہو۔ مجنون کی خرید و فروخت (بیع و شراء) منعقد نہیں ہوتی، نابالغ غیر ممیز بچہ بھی اسی حکم میں ہے۔

۲.....یہ کہ عاقد متعدد ہوں، چنانچہ شخص واحد کی بیع منعقد نہیں ہوتی، بلکہ لازمی ہے کہ ایجاب ایک شخص کی طرف سے ہو اور قبول دوسرے شخص کی طرف سے۔ البتہ باپ، وصی، قاضی اور قاصد فریقین کی طرف سے ایجاب و قبول کرسکتا ہے۔ اس صورت میں ایک شخص اپنے تئیں بائع بھی ہوگا اور مشتری بھی۔

دوسری نوع: (شرائط صیغہ).....صیغۂ عقد یعنی ایجاب و قبول میں تین شرطیں ہیں۔

۱۔ سماع صیغہ.....یعنی عقد بیع کا انعقاد تبھی ہوگا جب عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کا کلام سن لے۔ گویا ایجاب و قبول اس طرح ہو کہ فریقین سن لیں۔

---

[1].....حاشیة ابن عابدين ۴/ ۶، عقد البيع للأستاذ الزرقاء ص ۳۲. [2] البدائع ۵/ ۱۳۵، ۱۵۵.

۲۔ ایجاب وقبول میں موافقت...... چنانچہ بائع جس چیز کی بھی پیش کش (ایجاب) کرے مشتری اس کو قبول کرے۔

چنانچہ جب قبول ایجاب سے مختلف ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی، الا یہ کہ ایجاب وقبول کے مختلف ہونے میں کوئی بہتری ہو مثلاً یوں ہو کہ مشتری ایجاب کردہ ثمن سے زیادہ کو قبول کرے تو بیع منعقد ہو جائے گی۔

۳۔ مجلس عقد کا متحد ہونا...... یعنی ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، ایجاب وقبول میں کوئی فصل نہ ہو اگر ایجاب وقبول کی مجلس مختلف ہوگئی تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اگر ایجاب وقبول کے درمیان اجنبی انقطاع حائل ہو گیا مثلاً فریقین میں سے کوئی ایک قبول سے پہلے مجلس سے اٹھ گیا یا کسی کام میں مشغول ہو گیا تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

قبول میں فی الفور کی شرط نہیں یعنی یہ شرط نہیں کہ ایجاب کے فوراً بعد قبول ہو۔ چونکہ قبول کرنے والے کو بسا اوقات سوچ وبچار اور فکر وتأمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب دو غائبین میں عقد طے ہو رہا ہو اور خط وکتابت سے عقد ہو تو پہلے عاقد کا خط جب دوسرے عاقد کو پہنچے گا تو خط پہنچنے کی مجلس کا اعتبار ہوگا۔

تیسری نوع: معقود علیہ کی شرائط...... معقود علیہ (سامان) میں پانچ شرطیں ہیں۔

۱: یہ کہ مبیع مال ہو...... مال وہ ہوتا ہے جس سے عادۃً نفع اٹھانا ممکن ہو چنانچہ مردار کی بیع نہیں ہوگی، گندم کی ایک دانے کی بیع نہیں ہوگی چونکہ یہ عادۃً مال نہیں ہوتا۔

۲: یہ کہ معقود علیہ (مبیع، خرید کردہ سامان) مال متقوم ہو...... مال متقوم سے مراد وہ چیز ہے جس سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو چنانچہ شراب اور خنزیر کی بیع منعقد نہیں ہوگی، چونکہ شرعاً ان دونوں چیزوں سے نفع اٹھانا مباح نہیں۔ یہ دونوں شرطیں قبل ازیں ایک ہی شرط میں جمع ہوگئی ہیں۔

۳: یہ کہ معقود علیہ ملک ہو...... اس سے مراد یہ ہے کہ معقود علیہ (سامان) طبعاً کسی کی ملکیت میں داخل ہو، لہٰذا جو چیز کسی کی بھی ملکیت نہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، جیسے مباح گھاس اگرچہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہی کیوں نہ ہو۔

۴: بوقت عقد معقود علیہ موجود ہو...... چنانچہ معدوم شئے کی بیع نہیں ہوتی جیسے گائے کے بچے کے بچے کی بیع، معقود علیہ ایسا مال بھی نہ ہو جو عدم ووجود کا احتمال رکھتا ہو جیسے پیٹ میں پڑے ہوئے حمل کی بیع اور تھنوں میں دودھ کی بیع۔ چنانچہ ممکن ہے دودھ ہو، ممکن ہے نہ ہو۔

۵: بوقت عقد معقود علیہ مقدور التسلیم ہو...... چنانچہ پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع منعقد نہیں ہوگی۔

چوتھی نوع: بدل کی شرط...... یہ ایک ہی شرط ہے وہ یہ کہ بدل مال متقوم جو رائج بھی ہو، لہٰذا ایسے ثمن کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوگی جسے مال متقوم نہ کہا جاتا ہو جیسے شراب اور خنزیر۔

شرائط صحت...... شرائط صحت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرائط عامہ (۲) اور شرائط خاصہ۔

شرائط عامہ...... یہ شرائط بیع کی سبھی انواع سے متعلق ہوتی ہیں، یہ شرائط انعقاد ہی نہیں جو اوپر مذکور ہو چکیں چونکہ ہر وہ عقد جو منعقد نہ

ہو وہ صحیح بھی نہیں ہوتا، ان کے علاوہ چار شرائط مزید بھی ہیں۔

۱۔ یہ کہ مبیع اور ثمن معلوم ہوں......یعنی مبیع اور ثمن معلوم اور معین ہو چنانچہ مجہول کی بیع صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح مجہول اور غیر معین ثمن کے ساتھ کسی چیز کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کرے اور ثمن اس کا وہ چیز ہو جو کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو یا اس کی جیب میں ہو۔

۲۔ بیع مؤقت نہ ہو......یعنی بیع کو کسی وقت کے ساتھ معلق نہ کیا ہو، اگر موقت کردی تو بیع صحیح نہیں ہوگی چونکہ بیع کا تقاضا ہے کہ بدلین میں ملکیت منتقل ہو جائے۔

۳۔ یہ کہ بیع کا کوئی فائدہ بھی ہو......چنانچہ درہم کے بدلہ میں درہم (روپے کے بدلہ میں روپے) کی بیع میں کوئی فائدہ نہیں۔

۴۔ یہ کہ بیع شرط مفسد سے پاک ہو......شرط مفسد سے مراد ایسی شرط ہے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا کوئی زیادہ فائدہ ہو جبکہ شریعت اس کے متعلق وارد نہ ہوئی ہو اور عرف بھی اسے جائز قرار نہ دیتا ہو، مقتضائے عقد کے ملائم بھی نہ ہو جیسے جانور میں حاملہ ہونے کی شرط لگادی یا بیع کے بعد ایک وقت تک مبیع سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی، یا یہ کہ مشتری بائع کو کچھ رقم بطور قرض دے۔

شرائط خاصہ......جو کہ بیوع کی بعض انواع کے لئے ہیں وہ پانچ ہیں۔

۱۔ منقولی شئے پر قبضہ کرنا......منقولی شئے اور وہ زمین جس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اس پر قبضہ کرنا، اگر ایک شخص نے کوئی چیز خریدی تو اس پر قبضہ سے پہلے اسے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ البتہ وہ زمین جس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو شیخین (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے میں اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔

۲۔ متحد الجنس بدلین میں تقابض اور تساوی......اموال ربویہ مثلاً سونا چاندی کرنسی نوٹ وغیرہ کی بیع میں شرط ہے کہ وہ برابر ہوں مثلاً ایک تولہ سونے کے بدلہ میں ایک تولہ سونا ہو اور اسی مجلس میں ان پر قبضہ بھی کرلیا جائے۔

۳۔ بیع امانت میں ثمن اول معلوم ہو......بیع امانت سے مراد مرابحہ تولیہ اور وضیعہ ہے۔ ان کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۴۔ بیع سلم کی شرائط کا پایا جانا......یعنی وہ شرائط جو بیع سلم کے ساتھ خاص ہیں بیع سلم میں ان کا پایا جانا، جیسے مجلس عقد میں کل رأس المال پر قبضہ کرنا۔

۵۔ بدلین میں سے کوئی ایک دین نہ ہو......یعنی دین کی بیع جو غیر مدیون سے طے ہو اس میں بدلین میں سے کوئی دین نہ ہو۔

شرائط نفاذ......شرائط نفاذ دو ہیں۔

۱۔ یہ کہ مبیع بائع کی ملکیت ہو یا اس پر اس کو دسترس حاصل ہو......چنانچہ غیر مملوک چیز کی بیع نافذ نہیں ہوگی جیسے ملک غیر کی بیع یا فضولی کی بیع۔ ہاں البتہ بیع سلم میں ایسی چیز کو فروخت کرنا صحیح ہے جس کا عقد کے بعد بائع مالک بن جائے۔

۲۔ مبیع میں غیر بائع کا حق نہ ہو......چنانچہ رہن رکھی ہوئی چیز اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع نافذ نہیں ہوتی، اگرچہ بائع کی ملکیت بھی ہے لیکن اس میں دوسرے کا حق پایا جاتا ہے۔

لزوم عقد کی شرط......لزوم عقد کی صرف ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ بیع کسی بھی قسم کے خیار سے خالی ہو چنانچہ وہ بیع جو کسی خیار پر مشتمل ہو

وہ لازم نہیں ہوتی بلکہ اسے فسخ کرنا جائز ہوتا ہے۔

مالکیہ کے مذہب میں بیع کی شرائط..... مالکیہ نے عاقد، صیغہ (ایجاب وقبول) اور معقود علیہ میں گیارہ شرطیں عائد کی ہیں۔ ●

عاقد خواہ بائع ہو یا مشتری اسی کی تین شرائط ہیں اور ان پر ایک چوتھی شرط کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

۱: **یہ کہ عاقد ممیّز ہو**..... چنانچہ غیر ممیز بچے کی بیع نافذ نہیں ہوتی، اسی طرح مجنون، بے ہوش اور نشہ میں دھت انسان کی بیع نافذ نہیں ہوتی، رہی بات ممیز بچے کی بیع کی سو اگر چہ صحیح ہو لیکن؟

۲: **دونوں عاقدین مالک ہوں یا وکیل ہوں یا ان کے نگران ہوں**..... چنانچہ فضولی کی بیع منعقد ہو جاتی ہے لیکن اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۳: **عاقدین راضی بھی ہوں**..... چنانچہ مکرہ کی خرید وفروخت باطل ہے، مالکیہ کے نزدیک بھی قابل اعتماد قول یہی ہے کہ مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی۔

۴: **یہ کہ بائع سمجھ بوجھ کا مالک ہو**..... چنانچہ بے وقوف اور جس شخص پر پابندی عائد ہو اس کی بیع نافذ نہیں ہوتی، نیز ایسے شخص کی خریداری سرپرست کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔

عاقد میں اسلام کی شرط نہیں ہے ہاں البتہ مسلمان غلام اور قرآن مجید کا نسخہ خریدنے میں اسلام شرط ہے۔

البتہ اگر کافر نے مسلمان غلام کو خرید لیا یا قرآن مجید کا نسخہ خریدا تو کافر کو مجبور کیا جائے گا کہ غلام کو اور مصحف کو اپنی ملکیت سے نکال دے، چونکہ مسلمان غلام اور قرآنی نسخہ کی ملکیت میں ان کی اہانت ہے۔ نابینا شخص کی خرید وفروخت صحیح ہے۔

شرائط صیغہ..... صیغہ یعنی ایجاب وقبول کی دو شرطیں ہیں۔

۱: **اتحاد مجلس**..... یعنی ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، چنانچہ اگر بائع نے مشتری سے کہا: میں نے یہ کتاب تمہیں اتنے روپے میں فروخت کر دی، مشتری نے کوئی جواب نہ دیا پھر مجلس سے الگ الگ ہو گئے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۲: **ایجاب وقبول میں فصل نہ ہو**..... یعنی ایجاب وقبول کے درمیان اتنا فصل نہ ہو جو عرفاً بیع سے اعراض کرنے پر دلالت کرتا ہو، اگر ایسا فصل ہوا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

ثمن اور معقود علیہ کی شرائط..... یہ پانچ شرطیں ہیں۔

۱۔ **معقود علیہ شرعاً ممنوع نہ ہو**..... چنانچہ مردار، خون اور ایسی چیز جس پر قبضہ نہ کیا ہو کی بیع منعقد نہیں ہوگی۔

۲۔ **یہ کہ معقود علیہ پاک وطاہر ہو**..... نجس چیز جیسے شراب اور خنزیر کی بیع نافذ نہیں ہوتی، مالکیہ کے ہاں مشہور یہی ہے کہ ہاتھی دانت، گوبر اور نجس تیل کی بیع ممنوع ہے جبکہ ابن وہب نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جو شخص ہاتھی دانت کو فی الواقع دانت ہی قرار دیتا ہے تو اسے مردار کا حکم دیتا ہے اور جو ہاتھی دانت کو معکوس سینگ قرار دیتا ہے تو اسے سینگ کا حکم قرار دیتا ہے۔

۳۔ **شرعاً معقود علیہ سے نفع اٹھایا جاتا ہو**..... چنانچہ ایسی چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں جس میں کوئی نفع نہ ہو جیسے کتے، حشرات الارض اور لہو ولعب کے آلات، مالکیہ کے ہاں شکاری کتے اور بکریوں کے چوکیدار کتے کی خرید وفروخت میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی

● ..... دیکھئے القوانین الفقہیة ص ۲۴۵ بدایة المجتہد ۲/۱۲۵۔

آراء ہیں۔

۴۔ معقود علیہ معلوم ہو.....یعنی دونوں عاقدین کو معقود علیہ معلوم ہو چنانچہ مجہول چیز کی بیع جائز نہیں۔

۵۔ معقود علیہ مقدور التسلیم ہو.....چنانچہ انسان جس چیز کو مشتری کے حوالے کرنے سے عاجز ہو تو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، جیسے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی اور فضا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع۔

مذاہب شافعیہ میں بیع کی شرائط.....شافعیہ کے ہاں بائیس (۲۲) شرائط ہیں جو عاقد، صیغہ اور معقود علیہ میں پائی جانی ضروری ہیں۔●

عاقد کی چار شرائط ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ا: رشد (سمجھ بوجھ).....یعنی عاقد وبالغ ہو اور اپنے دین و مال کی بہتری سے واقف ہو، چنانچہ بچے کی بیع منعقد نہیں ہوتی اگرچہ بچے کا امتحان ہی لینا کیوں نہ ہو۔ مجنون کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی، جس پر پابندی لگائی گئی ہو اس کی بیع بھی نہیں ہوتی، البتہ اگر بچے نے عقد کیا اور پھر اس نے معقود علیہ (سامان) تلف کر دیا یا سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص سے قرض لیا تو بچہ ضامن نہیں ہوگا چونکہ قبضہ کرنے والا اور سپرد کرنے والا مال کو ضائع کرتا ہے، یہ تو شافعیہ کا ظاہری مذہب ہے، جبکہ باطن میں بعد از بلوغ اسے تاوان دینا پڑے گا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "الام" میں باب الاقرار کے ذیل میں اس کی تصریح کی ہے۔

بائع پر لازمی ہے کہ وہ بچے کے ولی کو ثمن واپس کرے اور اگر بچے کو واپس کئے اگرچہ ولی کی اجازت ہی سے واپس کئے ہوں اور ثمن بچے کی ملک ہوں بائع ثمن سے بری الذمہ نہیں ہوگا اور اگر ولی کو واپس کئے تو بائع ثمن سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ بائع کا بری الذمہ نہ ہونا اس صورت میں ہے کہ جب مبیع میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو جو بچے کے بدن سے تعلق رکھتی ہو اور اشیائے خورونوش میں سے ہو ورنہ بائع بری الذمہ ہو جائے گا۔

۲: بغیر کسی حق کے اکراہ کا نہ ہونا.....ناحق اکراہ کی صورت میں عقد صحیح نہیں ہوتا چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ .....النساء ۴/۲۹

ناحق مجبور کئے ہوئے شخص کا قول مؤثر نہیں ہوتا البتہ نماز میں اس کا قول مؤثر ہے چنانچہ نماز کو باطل کر دیتا ہے، مکرہ کا فعل بھی مؤثر نہیں ہوتا البتہ رضاع، حدث، قبلہ سے روگردانی، فرض قیام کے ترک اور قتل میں مؤثر ہے۔

اکراہ بحق.....اکراہ بحق صحیح ہے، چونکہ شریعت کی رضامندی کو مکرہ کی رضامندی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے، جیسے کسی شخص پر قرضہ ہو اور وہ ادائیگی سے انکار کرتا ہو اور مال فروخت کر کے بھی ادائیگی نہ کرتا ہو تو قاضی اگر چاہے تو اس کی اجازت کے بغیر بھی اس کا مال فروخت کر سکتا ہے، تاکہ اس کا قرضہ ادا کر سکے، اگر قاضی چاہے تو اسے سزا بھی دے سکتا ہے اور قید بھی کر سکتا ہے۔

۳: جس شخص کے ذریعے نسخہ قرآن خریدا جا رہا ہو اس کا مسلمان ہونا.....اسی طرح کتب حدیث، اسلاف کے تبرکات اور کتب فقہ کا بھی یہی حکم ہے چونکہ غیر مسلم کے لئے ان چیزوں کو خریدنے میں ان چیزوں کی اہانت ہے، چنانچہ کافر کا قرآن مجید کا نسخہ خریدنا اور مذکورہ اشیاء کو خریدنا صحیح نہیں، ظاہر مذہب میں کافر کا مسلم غلام کو خریدنا بھی صحیح نہیں، چونکہ اس میں مسلمان کی ذلت ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

●.....مغنی المحتاج ۲/۵-۱۶، تحفۃ الطلاب ص ۱۴۱۔

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/۱۴۱

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز کوئی اختیار نہیں دیا۔

۴: **آلات جنگ کی بیع میں خریدار حربی جنگجو نہ ہو**..... مثلاً تلوار، نیزہ وغیرہ کو خرید کر مسلمانوں کے خلاف دشمن کو تقویت نہ پہنچا رہا ہو اور ہمارے خلاف جنگ میں دشمن کی مدد نہ کر رہا ہو، البتہ جنگی ہتھیاروں کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً لوہا وغیرہ تو ان کو حربی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے چونکہ ضروری نہیں کہ لوہے کو ہتھیار بنانے میں استعمال کرے گا، ذمی دار حرب میں حربی کے حکم میں ہے۔

صیغہ کی شرائط..... صیغہ (ایجاب وقبول) کی تیرہ (۱۳) شرطیں ہیں۔

۱۔ **خطاب**..... یعنی عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو مخاطب کرے، مثلاً یوں کہے: میں نے فلاں چیز تمہیں فروخت کردی اور اگر یوں کہا: میں نے زید کو فروخت کی تو بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۲۔ **یہ کہ خطاب جملہ مخاطب پر واقع ہو**..... مثلاً یوں کہے، میں نے تمہیں یہ چیز فروخت کی، اگر یوں کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں کو فروخت کی تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

۳..... جس شخص کو مخاطب بنایا گیا ہو اسی کی طرف سے قبول ہو چنانچہ اگر ایجاب ہوا اور قبول کوئی تیسرا شخص کرے جو مخاطب کا وکیل نہ ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اگر عقد قبول کرنے سے پہلے ہی مخاطب مر جائے اور اس کے بعد اس کا کوئی وارث عقد کو قبول کرے تو بیع منعقد نہیں ہوگی، اسی طرح اگر میت کا وکیل قبول کرے بیع نہیں ہوگی۔

۴..... جو شخص عقد بیع میں کلام کی ابتداء کرے تو وہ ثمن اور معقود علیہ کا ذکر کرے، مثلاً کہے کہ میں نے یہ چیز تمہیں اتنے روپے میں فروخت کردی یا اتنے روپے میں تم سے خرید لی۔

۵..... دونوں عاقدین بولے ہوئے لفظ کے معنی کا قصد کریں، چنانچہ جب زبان پر ایجاب وقبول کا لفظ ویسے ہی جاری ہو جائے یا کوئی مزاح کر رہا ہو جبکہ تملیک وتملک کا ارادہ نہ ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔

۶..... ایجاب کرنے والا قبول کے درپے ہو اور قبول تمام ہونے تک عاقدین کی اہلیت بدستور رہے، اگر عاقد نے کہا: یہ چیز میں نے تمہیں فروخت کردی پھر اس پر جنون یا بیہوشی طاری ہوگئی اور ابھی دوسرے نے قبول نہیں کیا تھا تو عقد باطل ہو جائے گا، اگر ادھار کا ایجاب کیا یا عقد میں خیار کی شرط لگادی پھر ادھار کی مدت کو ساقط کر دیا یا خیار شرط ختم کر دیا تو عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ تنہا ایجاب ضعیف ہوتا ہے۔

۷..... یہ کہ ایجاب وقبول کے درمیان فصل طویل نہ ہو، یہ فصل کتابت کی شکل میں ہو سکتا ہے یا گونگا شخص دیر تک اشارہ نہ کرے تو فصل ہوگا، فصل طویل وہ ہوتا ہے جو قبول سے روگردانی کے طور پر سمجھا جاتا ہو۔ ہاں البتہ تھوڑا سا سکوت کے ساتھ فصل کر لینا عقد کے لئے باعث ضرر نہیں، چونکہ اس صورت میں قبول سے روگردانی نہیں سمجھی جاتی۔

۸..... ایجاب وقبول کے درمیان اجنبی کلام حائل نہ ہو اگرچہ اجنبی کلام تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اجنبی کلام سے تھوڑا سا فصل بھی باعث ضرر ہے، اگرچہ مجلس سے عاقدین جدا نہ بھی ہوں چونکہ اس میں قبول سے روگردانی ہے، بخلاف تھوڑے سے سکوت کے اور خلع میں تھوڑے سے اجنبی کلام کے بخلاف، چونکہ خلع میں خاوند کی طرف سے تعلیق کا شائبہ ہوتا ہے، اور بیوی کی طرف سے ایک قسم کے انعام کا شائبہ ہوتا ہے، چنانچہ ان دونوں چیزوں میں جہالت کو وسعت حاصل ہوتی ہے بخلاف بیع کے چنانچہ بیع میں جہالت کا احتمال

نہیں ہونا چاہئے۔

۹..... یہ کہ ایجاب کرنے والا دوسرے شخص کے قبول سے پہلے اپنے کلام کو تبدیل نہ کرے، چنانچہ جب ایک شخص کہے کہ میں نے تمہیں پانچ روپے میں یہ چیز فروخت کی پھر کہے دس روپے میں فروخت کی جبکہ دوسرے شخص نے عقد کو ابھی قبول نہیں کیا تھا تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۱۰..... صیغہ (ایجاب وقبول) کا سماع ہو یعنی عاقد اور اس کے پاس موجود لوگ دوسرے عاقد کا کلام سن رہے ہوں چنانچہ اگر قریب والا آدمی کلام نہ سن سکے تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۱۱..... ایجاب وقبول کے تمام ہونے میں موافقت ہو اگر ایجاب قبول میں اختلاف ہوا تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۱۲..... ایجاب وقبول کو کسی ایسی چیز کے ساتھ معلق نہ کیا جائے عقد جس کا تقاضا نہ کرتا ہو، مثلاً عاقد کہے: اگر فلاں شخص آ گیا تو میں تمہیں فلاں چیز فروخت کردوں گا یا کہے اگر فلاں شخص نے چاہا تو میں یہ گھر تمہیں فروخت کردوں گا۔

چونکہ بیع فی الحال نفاذ کی مقتضی ہوتی ہے۔ البتہ اگر بیع کو ایسی چیز پر معلق کیا جس کا عقد تقاضا کرتا ہو مثلاً عاقد یوں کہے: اگر تم چاہو تو میں نے تمہیں یہ گھر اتنے روپے میں فروخت کردیا، دوسرا کہے میں نے خرید لیا تو عقد صحیح ہوجائے گا، چونکہ یہ تعلیق عقد کے منافی نہیں ہوتی، بلکہ یہ تو مقتضائے عقد کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱..... یہ کہ عقد موقت نہ ہو، مثلاً عاقد یوں کہے کہ میں نے یہ گھر اتنے روپے میں ایک ماہ کے لئے تمہیں فروخت کردیا تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ بیع علی التابید کی مقتضی ہوتی ہے۔

معقود علیہ کی پانچ شرائط ہیں: ۱..... یہ کہ معقود علیہ پاک وطاہر چیز ہو، چنانچہ کتا، شراب اور نجس چیز جس کا پاک ہونا ممکن نہ ہو جیسے سرکہ، دودھ، شہد اور تیل کہ اس میں پیشاب یا شراب وغیرہ مل جائے تو ان چیزوں کی بیع صحیح نہیں۔

۲..... یہ کہ شرعاً اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو، چنانچہ حشرات ارض جن میں کوئی نفع نہیں ہوتا ان کی بیع صحیح نہیں، اسی طرح ہر ایسا درندہ اور پرندہ جس سے نفع نہ اٹھایا جاتا ہو جیسے شیر، بھیڑیا، چیل، گدھ، کوا جو کھایا نہیں جاتا ان کی بیع بھی صحیح نہیں، آلات لہو ولعب جیسے: ڈھول، طبلہ، بین باجے، بانسری، بت اور تصویریں اگرچہ نقدی مال سے یہ چیزیں تیار کی جائیں ان کی بیع صحیح نہیں چونکہ یہ حرام ہیں، نیز ان چیزوں میں شرعاً کوئی نفع نہیں۔ گندم وغیرہ کے دو، تین دانوں کی بیع بھی صحیح نہیں چونکہ عرف میں انہیں مال نہیں کہا جاتا۔

ان دو شرائط کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ معقود علیہ شرعاً ممنوع نہ ہو، اپنے پاس محفوظ کئے ہوئے پانی کی بیع جائز ہے پہاڑوں میں پتھروں کی بیع اور صحراء میں مٹی کی بیع جائز ہے چونکہ ان چیزوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

۳..... معقود علیہ مقدور التسلیم ہو۔ چنانچہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کی بیع صحیح نہیں، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کی بیع بھی صحیح نہیں، گمشدہ جانور یا چیز، بھاگے ہوئے غلام اور مغصوب مال کی بیع بھی صحیح نہیں، البتہ اگر مغصوب مال ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جو غاصب سے واپس لینے کی قدرت رکھتا ہو یا بھاگے ہوئے غلام کو ایسے شخص کے ہاتھوں تو فروخت کیا جو اسے واپس لانے پر قدرت رکھتا ہو تو یہ بیع صحیح ہوگی، چونکہ بظاہر ان تک ایسے شخص کی رسائی ممکن ہوتی ہے، ہاں البتہ اگر ان تک پہنچنے میں اخراجات ہوتے ہوں تو ظاہر مذہب میں یہ بیع باطل ہوگی۔

۴..... یہ کہ معقود علیہ کی مقدار اور صفت عاقدین کو معلوم ہو چنانچہ دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع غرر اور جہالت کی وجہ سے باطل ہے، جبکہ غلے کے ڈھیر میں سے ایک صاع کی بیع صحیح ہے چونکہ، ڈھیر میں پڑا ہوا سارا غلہ برابر ہوتا ہے، یہاں مبیع کی جہالت قابل برداشت ہے، نیز ڈھیر میں کم از کم ایک، صاع غلہ تو ضرور ہوگا ہی۔ البتہ اگر متفاوت الاجزاء اشیاء میں سے ایک شئے کی بیع جیسے بکریوں کے ریوڑ میں

سے ایک بکری کی بیع صحیح نہیں چونکہ اس کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے۔

حنابلہ کے مذہب میں بیع کی شرائط......حنابلہ کے ہاں بیع کی گیارہ (۱۱) شرائط ہیں جن کا عاقد، صیغہ اور معقود علیہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔❶

عاقد کی شرائط...... عاقد کی دو شرطیں ہیں۔

۱......رشد یعنی سمجھ بوجھ کا ہونا، چنانچہ بچے، مجنون، نشے میں دھت اور بے وقوف کی بیع صحیح نہیں ہاں البتہ اگر معمولی چیز کی بیع کی تو وہ صحیح ہے (جیسے آج کل بچے ٹافی، چیونگم، پاپڑ وغیرہ، کھانے کے لئے خرید لیتے ہیں) البتہ اگر ولی نے ممیز بچے یا بے وقوف (سفیہ) کو کسی مصلحت کے پیش نظر بیع کی اجازت دی تو عقد صحیح ہوگا، بغیر کسی مصلحت کے انہیں اجازت دینا حرام ہے۔ چونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔

ممیز بچے اور سفیہ (بے وقوف) کا ہبہ، وصیت اور بیع وغیرہ ولی کی اجازت کے بغیر قبول کرنا صحیح نہیں۔

معمولی چیز میں بچے کا تصرف کرنا صحیح ہے اگر چہ سن تمیز تک نہ ہی پہنچا ہو، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چھوٹے بچے سے چڑیا خرید کر چھوڑ دی۔❷ اسی طرح چھوٹی موٹی چیز میں سفیہ کا تصرف بھی صحیح ہے جیسے سبزی کی گڈی اور ماچس کی ڈبیہ وغیرھا۔ چونکہ ان لوگوں پر اس لئے پابندی لگائی جاتی ہے تاکہ مال ضائع نہ کریں لیکن چھوٹی موٹی چیز میں ضیاع مال کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

ممیز بچے کو ہدیہ بھیجنے اور گھر میں داخل ہونے کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے چونکہ عرف میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

۲......عاقدین بیع پر رضا مند ہوں، اپنے اختیار سے بیع کر رہے ہوں اور اکراہ کا پہلو نہ ہو، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔۔۔۔۔۔النساء۴/ ۲۹

ہاں البتہ اگر تمہارے درمیان باہمی رضامندی کی تجارت ہو۔

حدیث میں ہے۔ ”خرید وفروخت تو بس باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔❸ چنانچہ مجبوری اور امانت کی بیع کرنا جس میں فی الواقع عاقدین بیع نہیں چاہ رہے ہوتے بلکہ مارے خوف کے ظاہری طور پر بیع کر رہے ہوتے ہیں تو یہ بیع باطل ہے اسی طرح مزاح کرنیوالے کی بیع بھی باطل ہے۔ چونکہ مزاح کی صورت میں بیع کی حقیقت مقصود نہیں ہوتی۔

اگر کسی حق کے پیش نظر بائع پر اکراہ کیا گیا کہ وہ اپنی چیز فروخت کر کے قرضہ وغیرہ ادا کرے اور اکراہ حاکم کی طرف سے ہو تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، راہن، ذخیرہ اندوز، مدیون اسی میں داخل ہیں۔

بے چین مجبور شخص سے چیز خریدنا مکروہ ہے، بے چین سے مراد وہ شخص ہے جو اپنا مال ثمن مثل سے کم پر فروخت کردے۔

شرائط صیغہ......شرائط صیغہ تین ہیں۔

۱۔ **اتحاد مجلس**......یعنی ایجاب کی مجلس میں قبول ہو چنانچہ جب بائع نے ایجاب کیا پھر دونوں عاقدین جدا ہوئے جبکہ مشتری نے عقد قبول نہیں کیا تھا تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

۲......ایجاب وقبول میں کوئی طویل وقفہ (فصل) نہ ہو جسے عرف میں بیع سے روگردانی سمجھا جاتا ہو۔

۳......یہ کہ عقد مؤقت نہ ہو اور مشیت ایزدی کے علاوہ کسی اور امر پر معلق نہ کیا گیا ہو مثلاً اگر کوئی کہے میں۔ نے یہ چیز تمہیں ایک سال تک کے لئے فروخت کردی یا کہا اگر فلاں شخص راضی ہوگیا تو میں نے یہ چیز خرید لی۔ یوں بیع موقت اور معلق منعقد نہیں ہوتی۔

---

❶..... دیکھئے غایة المنتهی ۲/ ۵-۱۴، کشاف القناع /۱۳۹ ۔❷ذکرہ ابن ابی موسی۔❸رواہ ابن حبان. قدسبق تخریجه مفصلاً۔

معقود علیہ کی شرائط..... معقود علیہ خواہ مبیع (سامان) ہو یا ثمن ہو اس کی چھ شرائط ہیں۔

ا۔ **معقود علیہ مال ہو**..... مال ایسی چیز ہوتی ہے جس سے بلاضرورت شرعی نفع اٹھانا مباح ہو چونکہ بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے لہٰذا ایسی چیز کی بیع شرعاً صحیح نہیں جس سے سرے سے نفع ہی نہ اٹھایا جاتا ہو جیسے حشرات الارض اور وہ چیز جس سے نفع اٹھانا حرام ہو جیسے شراب، اور وہ چیز جس سے بوقت حاجت نفع اٹھانا مباح ہو جیسے کتا اور وہ چیز جس سے نفع اٹھانا بوجہ ضرورت مباح ہو جیسے حالت اضطرار میں مردار سے نفع اٹھانا۔

مردار کی کھال جسے دباغت دی گئی ہو اس کی بیع جائز ہے، خچر، گدھا، ریشم کے کیڑے اور شہد کی مکھیوں کی بیع جائز ہے بشرطیہ کہ مقدور التسلیم ہوں اسی طرح چھتے سمیت شہد کی مکھیوں کی بیع بھی جائز ہے، شکار کرنے والے پرندوں اور درندوں کی بیع بھی صحیح ہے، خون چوسنے کے لئے جونک کی بیع بھی صحیح ہے۔

خوبصورت آواز سننے کے قصد سے پرندوں کی بیع جائز ہے جیسے بلبل وغیرہ، طوطے اور قمری کی بیع بھی صحیح ہے مباح کتے کو ہدیہ میں دینا جائز ہے جبکہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

زہر قاتل کی بیع جائز نہیں جیسے سانپ مارنے کا زہر (اور سنکھیا وغیرہ) چونکہ زہر سے نفع اٹھانا مباح نہیں ہوتا، حشرات اور جڑی بوٹیوں کے زہر کی بیع بھی جائز نہیں ہاں البتہ وہ زہر جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا علاج وغیرہ کے لئے اسے استعمال کرنا ممکن ہو جیسے سقمونیا کے لئے تو جائز ہوگی۔

نسخۂ قرآنی کی بیع جائز نہیں خواہ خریدار مسلمان ہو یا کافر، چونکہ قرآنی نسخہ کی تعظیم واجب ہے جبکہ خرید وفروخت میں ہتک حرمت ہے۔ نیز کافر قرآن مجید کا نسخہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا لہٰذا ابتداءً اسے پیش کرنا بھی جائز نہیں۔ ❶

آلات لہو ولعب جیسے بین باجے، طبلہ، سارنگی، شطرنج، حشرت الارض جیسے گبریلے وغیرہ چوہا، سانپ، بچھو، جھینگر، مردار، خون، خنزیر اور بت کی بیع جائز نہیں۔

گوبر کی بیع صحیح نہیں ہوتی، ایسا تیل جو نجس العین ہو جیسے مردار کی چربی سے بنائے ہوئے تیل کی بیع بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے ''کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی چیز کو حرام کیا ہے تو اس کے ثمن کو بھی حرام کیا ہے۔'' نجس تیلوں سے کسی قسم کا بھی نفع اٹھانا جائز نہیں۔ ان سے چراغ جلانا بھی جائز نہیں، چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے، وہ تیل جو نجس ہو جائے جیسے تیل میں پیشاب یا شراب کا قطرہ گر گیا تو اس کی بیع بھی صحیح نہیں حتیٰ کہ کافر کے ہاتھ بھی فروخت کرنا صحیح نہیں چونکہ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس کے ثمن کو بھی حرام کیا ہے۔ البتہ نجس ہو جانے والے تیل سے مسجد کے علاوہ چراغ جلانا جائز ہے۔ چونکہ اس سے بغیر ضرر کے نفع اٹھانا ممکن ہے۔

آزاد انسان کو فروخت کرنا صحیح نہیں چونکہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ'' قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے ساتھ خصومت (جھگڑا) کروں گا۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو کسی آزاد انسان کو فروخت کردے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم ہڑپ کر جائے۔'' عام مباحات میں سے جس چیز کا ابھی مالک نہ ہوا سے فروخت کرنا صحیح نہیں جیسے گھاس، پانی اور معدن، ان چیزوں کو اپنے پاس محفوظ کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ چونکہ مندرجہ ذیل شرط مفقود ہے۔

۲..... یہ کہ مبیع میں بائع کی ملک تام ہو چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں اسے فروخت مت کرو۔ ❷ چنانچہ فضولی کا تصرف مطلق صحیح نہیں اگرچہ بعد میں عقد کی اجازت ہی کیوں نہ دے

❶..... حنابلہ کے نزدیک بھی اب فتویٰ نسخۂ قرآن کی خرید وفروخت کے جواز پر ہے۔ ❷ رواہ ابن ماجہ والترمذی وصححہ۔

دی جائے۔

انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی بیع بھی صحیح نہیں جیسے آزاد انسان اور مباح چیز، وہ زمین جو موقوف ہو اور اسے غلبہ پا کر فتح کر لیا گیا ہو (عُـنْـوۃً فتح کی گئی ہو) اور تقسیم نہ کی گئی ہو جیسے مصر و شام۔ البتہ امام ایسی زمین کو فروخت کر سکتا ہے بشرطیکہ بیع میں کوئی مصلحت ہو جیسے وقف کر دی یا جاگیر میں دے دی۔

مکہ اور حرم کے پلاٹوں کی بیع اور اجارہ صحیح نہیں، اسی طرح مقامات مناسک جیسے سعی کرنے کی جگہ، رمی کی جگہ اور میدان عرفات کی جگہ کو بھی فروخت کرنا صحیح نہیں، چونکہ یہ جگہیں مسجد کے حکم میں ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مکہ عنوۃً فتح ہوا ہے، ایسی چیز کی بیع بھی صحیح نہیں جو ملک تام نہ ہو جیسے خیار کے وقت کی مبیع۔

۳.....عقد کے وقت مبیع مقدور التسلیم ہو چنانچہ جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو وہ معدوم کے مشابہ ہے جبکہ معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے اور جو معدوم کے مشابہ ہو اس کی بھی بیع صحیح نہیں۔

ایسی بیع بھی صحیح نہیں جس کا نصف معین ہو اور نصف غیر معین جیسے برتن اور حیوان کی بیع اور غیر مدیون کے لئے دین کی بیع، بھاگے ہوئے غلام اور آوارہ جانور کی بیع بھی صحیح نہیں اگر چہ اسے پکڑنے پر قدرت ہو۔ چونکہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ ❶ پانی میں تیرتی مچھلی کی بیع صحیح نہیں البتہ مچھلی دکھائی دیتی ہو اور اس کا پکڑنا آسان ہو اس کو فروخت کرنا جائز ہے، جس پرندے کو پکڑنا دشوار ہو اس کی بیع بھی صحیح نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔

مغصوب چیز کی بیع صحیح نہیں البتہ غاصب ہی کو فروخت کی جا سکتی ہے یا ایسے شخص کو فروخت کی جا سکتی ہے جو اسے لینے پر قدرت رکھتا ہو، اگر قادر شخص عاجز آجائے تو بیع کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔

۴.....مبیع مشتری اور بائع کو معلوم ہو یعنی دیکھ کر مبیع کی پہچان ہو جائے، پہچان عقد کے وقت ہو یا عقد سے اتنا وقت پہلے جس میں مبیع متغیر نہ ہوتی ہو۔ نابینا شخص کی خرید و فروخت اس طریقہ سے صحیح ہے کہ جس سے مبیع کی اسے معرفت حاصل ہو جائے خواہ معرفت سونگھ کر ہو یا چھو کر یا چکھ کر تاکہ مبیع کی حقیقت کا علم حاصل ہو جائے، غلے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز کی بیع صحیح ہے۔

نمونہ کی بیع......جو چیز نمونہ یا ماڈل کے طور پر رکھی ہو اس کی بیع صحیح نہیں۔ چونکہ جو چیز نمونہ کے طور پر رکھی گئی ہو وہ صفت دکھانے کے لئے رکھی جاتی ہے، جیسے غلے کے ڈھیر میں سے ایک صاع دکھا دینا کہ بقیہ غلہ بھی اسی جنس کا ہے۔

مضامین کی بیع صحیح نہیں، مضامین کی بیع بطن میں پڑے حمل کی بیع کو کہا جاتا ہے، تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع بھی صحیح نہیں، کھجوروں کے بدلے میں گٹھلیوں کی بیع اور بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع بھی صحیح نہیں، اور البتہ ان چیزوں کو تابع بنا کر فروخت کرنا صحیح ہے مثلاً بائع یوں کہے میں نے یہ جانور اور اس کا حمل تمہیں فروخت کر دیا یا کہے میں نے یہ زمین اور اس میں بوئے ہوئے بیج تمہیں فروخت کر دیئے۔

سانڈ کو کدوانے کی بیع، حمال کے حمل کی بیع، درخت پر آئندہ آنے والے پھل کی بیع یا جانور کے حمل کی بیع، ہرن کی ناف میں پڑی ہوئی مشک کی بیع، زمین میں گاڑے ہوئے تھوم اور پیاز کی بیع بھی صحیح نہیں، لپٹے ہوئے کپڑے کی بیع بھی صحیح نہیں، کھڈی پر چڑھے ہوئے کپڑے کی بیع بھی صحیح نہیں جو آدھا بُن دیا گیا ہو اور آدھا تانا ہوا ہو۔

بیع ملامسہ......بیع ملامسہ ❷ صحیح نہیں، بیع ملامسہ یہ ہوتی ہے کہ مثلاً بائع کہے کہ جب تم اس کپڑے کو چھو لو گے تو میں تمہیں فروخت

❶..... رواہ احمد عن ابی سعید۔ ❷ ملامسہ لمس سے ہے جس کے معنی چھونے کے ہیں۔

کردوں گا یا کہے تم جو کپڑا بھی چھوؤ گے میں تمہیں اتنے روپے میں فروخت کردوں گا۔

بیع منابذہ......بیع منابذہ ❶ بھی صحیح نہیں۔ منابذہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بائع کہے تم جس کپڑے کو بھی پھینکو گے وہ میں تمہیں اتنے روپوں میں فروخت کردوں گا۔

بیع حصاۃ......بیع حصاۃ ❷ بھی صحیح نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع کہے کنکری مارو جس کپڑے پر بھی پڑے گی وہ میں تمہیں فروخت کردوں گا۔

مجہول شئے کی بیع بھی صحیح نہیں جیسے ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع، باغ میں سے ایک درخت کی بیع اگرچہ بکریوں اور درختوں کی قیمت یکساں ہی کیوں نہ ہو۔

۵......یہ کہ بوقت عقد ثمن دونوں عاقدین کو معلوم ہوں یا عقد سے قبل معلوم ہوں، مجہول رقم کے ساتھ بیع جائز نہیں، بیع میں یوں کہنا بھی صحیح نہیں کہ میں یہ چیز اس مال کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں جس سے زید نے مبیع فروخت کی تھی، ایسی چیز کو بھی ثمن نہ ٹھہرایا جائے جس کا ریٹ گر گیا ہو، البتہ متأخرین حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۶......ثمن، مبیع اور متعاقدین کا موانع صحت سے خالی ہونا جیسے سود اور غیر ملائم شرط سے ان کا پاک ہونا۔

واجب قربانی اور ہدی کی بیع صحیح نہیں ہوتی، موقوف چیز کی بیع بھی صحیح نہیں، مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شئے کی بیع بھی صحیح نہیں، جس نمازی کے پاس پانی نہ ہو اسے پانی فروخت کرنا صحیح نہیں (بلکہ بغیر قیمت کے دے دینا چاہیے)۔

قرآنی نسخہ کی بیع بھی صحیح نہیں اور اذان جمعہ کے بعد بھی خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں۔

بیع کی شرائط میں اتفاق واختلاف کی وجوہات......گزشتہ تفصیلات سے درج ذیل نکات ظاہر ہوتے ہیں۔

ا۔عاقد کی شرائط میں......تمییز کی شرط متفق علیہ ہے، جبکہ بلوغ مختلف فیہ شرط ہے، چنانچہ بلوغ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔

اختیار اور دلی رضامندی، جمہور کے نزدیک شرط انعقاد ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے، چنانچہ مکرہ کی بیع جمہور کے نزدیک باطل ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد یا موقوف اور غیر نافذ ہے اور مالکیہ کے معتمد قول کے مطابق غیر لازم ہے۔

۲۔صیغہ کی شرائط میں......ایجاب وقبول میں فصل کے بغیر اتحاد مجلس، ایجاب وقبول میں مطابقت کا ہونا، ایجاب وقبول کا سننا، عقد کا فی الحال نفاذ (تنجیز) یا عدم تعلیق، عدم توقیت یہ سب شرائط متفق علیہا ہیں، اگرچہ فقہاء نے ان میں سے بعض کو ذکر کیا ہے اور بعض کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔معقود علیہ کی شرائط میں......معقود علیہ کا مال متقوم ہونا جس سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو، معقود علیہ طاہر ہو نجس نہ ہو، موجود ہو، مقدور التسلیم ہو، معلوم ہو مجہول نہ ہو یہ سب شرائط متفق علیہا ہیں، ہاں البتہ جہالت معقود علیہ بیع کو حنفیہ کے نزدیک فاسد کر دیتی ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک باطل کر دیتی ہے، رہی یہ شرط کہ مبیع بائع کی ملک ہو یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے، جبکہ شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے، چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فضولی کی بیع وشراء موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

---

❶......منابذہ نبذ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ ❷ حصاۃ کے معنی کنکری کے ہیں یہ تینوں اقسام کی بیعات جاہلیت میں معروف تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرما دیا۔

رہی یہ شرط جو کہ مبیع سے تعلق نہیں رکھتی چونکہ وہ غیر بائع کا حق ہوتا ہے جیسے رہن رکھی ہوئی چیز کی بیع یا اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط نفاذ ہے جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے۔ چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرہون چیز اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

تیسری بحث: بیع کا حکم اور مبیع وثمن کے متعلق کلام......اس بحث میں دو مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: عقد کا حکم......عقد کے حکم سے مراد عقد کی غرض وغایت ہے، چنانچہ عقد بیع کا حکم یہ ہے کہ مبیع مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اور ثمن بائع کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ عقد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ مستاجر (اجرت پر لینے والا) اجرت پر لی ہوئی چیز کی منفعت کا مالک بن جاتا ہے اور مؤاجر (اجرت پر دینے والا) اجرت کا مالک بن جاتا ہے۔ ❶

حکم عقد کے حوالے سے تین معنے موضوع طلب ہیں۔

۱......یا تو حکم سے مراد حکم تکلیفی ہے، چنانچہ حکم یا تو وجوب ہے یا ندب (استحباب) ہے یا اباحت ہے یا تحریم ہے یا کراہیت ہے، چنانچہ بولا جاتا ہے کہ روزے کا حکم وجوب ہے اور چوری کا حکم حرمت ہے۔

۲......یا تو حکم سے مراد وصف شرعی ہے جو صحت، لزوم اور عدم لزوم کی حیثیت سے فعل کے متعلق ہوتا ہے، چنانچہ یوں کہا جاتا ہے کہ عقد کا حکم عقد کے جمیع ارکان اور شرائط کو مکمل طور پر شامل ہے کہ عقد صحیح اور لازم ہے۔

۳......یا حکم سے مراد تصرف شرعی پر مرتب ہونے والا اثر ہے۔ جیسے وصیت کے ارکان اور شرائط جب پوری ہوں تو موصی لہ سے تعلق رکھنے والے اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، اور موصیٰ بہ (وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو) پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ❷

تبصرہ......اس مقام پر تیسرا معنی مقصود ہے یعنی حکم شرعی جو بیع کے لئے ثابت ہو جاتا ہے اور بیع پر مرتب ہونے والا اثر مراد ہے۔ چنانچہ بیع کا اثر یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے اور ثمن میں بائع کے لئے ملک ثابت ہو جاتی ہے، یہ اثر اس وقت مرتب ہوتا ہے جب لازم ہو اور اس میں کوئی خیار نہ رکھا گیا ہو۔ ❸

حقوق عقد سے مقصود وہ اعمال ہیں جو حصول حکم کے لئے لابدی ہیں۔ مثلاً مبیع کو سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کر دینا، خیار رؤیت، یا خیار شرط کی وجہ سے بیع کو رد کرنا، اور جب مبیع میں استحقاق ثابت ہو جائے تو اس وقت ثمن کو رد کرنا۔ ❹

بیع کے حقوق جو حکم کے تابع ہوتے ہیں......ہر وہ حق جو مبیع کے تابع ہو جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا اور اس تابع کا مقصد مبیع سے متعلق ہوتا ہے جیسے راستہ اور زمین کے لئے پانی کی باری، ان حقوق کو مرافق (فوائد متصلہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو گھر کے ساتھ متصل ہو وہ بغیر ذکر کے تبعاً گھر کی بیع میں داخل ہوگی اور جو چیز گھر کے ساتھ متصل نہ ہو وہ گھر کی بیع میں بغیر ذکر کے داخل نہیں ہوگی ہاں البتہ وہ چیز داخل ہوگی جو عرف میں سمجھی جاتی ہو کہ بائع مشتری کو اس سے منع نہیں کرے گا۔

چنانچہ عرف کی وجہ سے چابی استحساناً بیع میں داخل ہوگی، بخلاف تالے کے اور اس سیڑھی کے جو عمارت کے ساتھ متصل نہ ہو۔ البتہ وہ سیڑھی جو عمارتوں کے اندر بنائی جاتی ہے وہ عرفاً گھر کی بیع میں داخل ہوگی۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ❺

"الف"......جس شخص نے کوئی ایسا گھر خریدا جس پر دوسری منزل بنی ہو تو بالائی منزل تحتانی منزل کی بیع میں داخل نہیں ہوگی۔ اور بالائی منزل کو تحتانی منزل کے تابع بھی نہیں بنایا جائے گا۔

---

❶الاموال ونظرية العقد للاستاذ محمد يوسف موسىٰ ص ٢٧٢. ❷التلويح شرح التوضيح للتفتازاني ٢/١٢٢ الاحوال الشخصية للاستاذ مصطفىٰ السباعي ص ١١٤. ❸البدائع ٥/٢٣٣. ❹الاموال ونظرية العقد المرجع السابق. ❺الدر المختار ورد المحتار ٤/١٩٧.

''ب''.....مبیع میں ضروریات خانہ داخل ہوں گی جیسے راستہ، باورچی خانہ، وضو خانہ وغیرہ چونکہ یہ چیزیں گھر کے تابع ہوتی ہیں، چنانچہ گھر کی بیع میں داخلی راستہ داخل ہوگا، گلی کی طرف کھلنے والی کھڑکی، عام راستہ اور بیت الخلاء کنواں، صحن میں لگے ہوئے درخت یہ سب گھر کی بیع میں داخل ہوں گے رہی بات چمن اور باغ کی جو گھر سے خارج ہوں اور ان کا رقبہ گھر کے رقبے کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو وہ گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے، اصلی دروازہ گھر کی بیع میں داخل ہوگا، باہر کا دروازہ جو سڑک کی طرف کھلتا ہو جیسے بڑے دروازے (مین گیٹ) کا نام دیا جاتا ہے وہ بھی بیع میں داخل ہوگا چونکہ یہ بھی ضروریات خانہ میں سے ہیں۔

راستہ پر بنا ہوا سائبان گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوگا، وہ راستہ اور پانی کی نالی جو گھر کے ساتھ خاص نہ ہوں وہ تصریح کے بغیر گھر کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے چونکہ یہ چیزیں گھر کی حدود سے خارج ہوتی ہیں، البتہ اگر مشتری پر قید لگا دے گھر کے متعلق ہر قسم کا حق یا ضروریات خانہ یا سب قلیل وکثیر کے ساتھ گھر کو خریدے گا۔ بخلاف اجارہ، رہن اور وقف کے چنانچہ یہ چیزیں بغیر ذکر کے ان میں داخل ہوں گی، چونکہ یہ چیزیں نفع اٹھانے کے لئے ہوتی ہیں، یہ حنفیہ کی قدیم رائے ہے اور ہر زمانے اور ہر جگہ میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

گھر کا اقرار، گھر پر صلح کرنا، گھر کی وصیت ہبہ، نکاح اور خلع جو مال پر ہو یہ سب راستہ وغیرہ کے داخل ہونے میں بیع کے حکم میں ہیں۔

دوسرا مقصد: ثمن اور مبیع.....ثمن اور مبیع کے حوالے سے دو پہلوؤں میں کلام ہوگا۔

اول.....مبیع اور ثمن کی تعریف میں۔

دوم.....ان دونوں کے متعلقہ احکام کے بارے میں۔

مبیع اور ثمن کی تعریف.....جمہور حنفیہ کے نزدیک مبیع اور ثمن متباین اسماء میں سے ہیں، اور ان کے مختلف معانی ہیں، چنانچہ مبیع کی غالب احوال میں یہ تعریف کی جاتی ہے کہ مبیع وہ ہے جو متعین کرنے سے متعین ہو جائے۔ جبکہ ثمن کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ جو متعین کرنے سے متعین نہ ہو۔

یہ اصول غالب احوال کی رعایت سے وضع کیا گیا ہے عوارض کے پیش نظر اس کی تبدیلی کا احتمال بھی ہے، چنانچہ جو چیز تعیین کا احتمال نہیں رکھتی وہ مبیع ہو جاتی ہے جیسے مسلم فیہ، اور جو چیز تعیین کا احتمال رکھتی ہے وہ ثمن بن جاتی ہے جیسے بیع سلم میں رأس المال۔ اس تفصیل کی رو سے ثمن کا اعتبار ذمہ میں دین (قرضہ) کے طور پر ہوتا ہے اور یہ اغلب ہے، یہ اس وقت ہے جب ثمن نقدی ہوں، یا کوئی دوسرے مثلی اموال ہوں جیسے گیہوں، تیل وغیرہ، خواہ مکیلی ہوں یا موزونی، ذراع وغیرہ سے ناپی جاتی ہوں یا عددی ہوں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ثمن اشیائے قیمیہ میں سے ہوں جیسے جانور اور کپڑے وغیرہ۔ جیسے شکر کی خاص مقدار قیمتی اشیاء کے بدلہ میں ایک مدت کے عرصہ تک فروخت کی جائے، تو شکر مبیع ہے قیمتی شئے ثمن ہے اور یہ بیع سلم ہوگی چونکہ یہ مؤجل (ادھار سامان) کی بیع معجل (نقد قیمت) کے بدلہ میں ہوتی ہے۔

ابن ہمام وغیرہ کہتے ہیں جس طرح کپڑے بیع سلم کے طور پر ذمہ میں بطور مبیع ہو سکتے ہیں ذمہ میں بطور دین مؤجل (ادھار) بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وقت مدت کی شرط ہوگی اس لئے نہیں کہ یہ ثمن ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ سلم کے ساتھ ملحق ہیں اور ذمہ میں دین ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم کہیں کہ ایک کتاب کپڑے کے بدلہ میں فروخت کی اور وہ کپڑا ذمہ میں مدت مقررہ تک ہوتا ہے، تو یہ کتاب کی بنسبت بیع ہوگی، حتیٰ کہ مجلس میں اس کا قبضہ شرط نہیں ہوگا، بخلاف اس کے کہ جب کپڑے کی بیع سلم میں دراہم دے، یہاں تو مسلم فیہ کے احکام کپڑے میں ثابت ہوتے ہیں حتیٰ کہ اس میں مدت مقررہ شرط ہے اور بیع قبضہ سے پہلے ممنوع ہے چونکہ یہ مسلم فیہ کے ساتھ ملحق ہے۔ ❶

---

❶.....ردالمحتار لابن عابدین ۲۶/۴۔

امام شافعی اور امام زفر کہتے ہیں کہ مبیع اور ثمن مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی مسمیٰ پر واقع ہوتے ہیں اور احکام میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔

فریقین کے پاس اپنے اپنے مؤقف کے دلائل ہیں ❶ جبکہ یہ قضیۂ اصطلاحیہ ہے۔

مبیع کی تعیین......تعیین خارجی وجود میں کسی چیز کو اس کے ماسوا سے ممتاز کرنا تعیین ہے، مبیع جب عقد میں معین ہو تو وہ متعین ہو جاتی ہے برابر ہے کہ مبیع مجلس عقد میں حاضر ہو یا غائب ہو، اور جب مبیع عقد میں غیر معین ہو تو وہ صرف سپرد کرنے سے ہی متعین ہو گی۔ ❷

ثمن، قیمت اور دین میں فرق:

ثمن......ثمن کا تحقق صرف عقد میں ہوتا ہے، ثمن سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس پر دونوں عاقدین راضی ہوں، خواہ وہ چیز قیمت سے زیادہ ہو یا کم۔ (ثمن روپے بھی ہو سکتے ہیں، سونا چاندی بھی ہو سکتے ہیں غلہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص کہے میں تمہیں ایک من گندم دوں گا تم مجھے کپڑے دے دو گویا اس عقد میں گندم ثمن ہے اور کپڑا مبیع خریدی گئی چیز کے مقابلہ میں جو چیز ہو وہ ثمن ہیں۔)

قیمت......وہ چیز ہوتی ہے جو تاجروں کے ہاں خریدی گئی چیز کے مساوی ہو۔

ثمن......وہ چیز ہوتی ہے جس پر متعاقدین باہمی طور پر رضامند ہو جائیں اور ثمن مبیع کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

دین......ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہو اور ثبوت کے قابل ہو اور اس کے التزام کا کوئی بھی سبب ہو جیسے اتلاف، غصب، کفالت، قرض، بیع وغیرہ۔ ❸

ثمن اور مبیع میں تمیز کرنا......اصول میں ایک قاعدہ مقرر ہے کہ ہر وہ چیز جو مبیع بن سکتی ہو وہ ثمن بھی بن سکتی ہے اس کا عکس نہیں نیز تعریف میں پیچھے گزر چکا ہے کہ ثمن ذمہ میں متعلق نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی متعین ہو جاتا ہے، چنانچہ ثمن اشیائے قیمیہ میں سے بھی ہو سکتے ہیں جیسے جانور کپڑے وغیرہ، جیسے کہ مبیع متعین ہو جاتی ہے۔

اس لئے واجب ہے کہ ہم ثمن اور مبیع کے درمیان فرق کریں تا کہ مختلف احکام کا اس پر ترتب ہو، تمییز مال معاوضہ جات میں ہوتی ہے اور وہ نقود، اشیائے قیمیہ اور مثلیات ہیں۔ ❹

ا۔ نقود......نقود عام ہیں خواہ وہ سونا ہوں، چاندی ہوں یا کاغذی کرنسی کی شکل میں ہوں، جب یہ چیزیں مبیع کے عوض کے طور پر ہوں تو یہ ثمن ہوں گی، ان نقود کے مقابلہ میں جو سامان ہو گا وہ مبیع ہے برابر ہے اس پر صرف باء داخل ہو یا داخل نہ ہو، جیسے کوئی عربی میں کہے: **بعتک هذا بدينار بعتک ديناراً بهذا۔**

جمہور حنفیہ......جمہور حنفیہ کے ہاں یہ طے ہے کہ سونا چاندی کے ڈھالے ہوئے سکے معدنی سکے عقود معاوضہ میں متعین کرنے سے معین نہیں ہوتے، چنانچہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہیں ان دراہم کے بدلہ میں فروخت کیا تو مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ ان مشار الیہ دراہم کے بدلہ میں دوسرے دراہم دے دے، اور بائع کو یہ حق نہیں کہ انہی دراہم کا مطالبہ کرے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ چونکہ نقدی ثمن کا محل ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہو وہ اپنے بعض خارجی افراد پر منحصر نہیں ہوتی چنانچہ معاوضہ جات کے اعتبار سے

---

❶......البدائع ۵/۲۳۳. ❷عقد البيع للاستاذ الزرقاء ص ۳۴. ❸عقد البيع المرجع السابق ص ۵۶، رد المحتار ۴/۵. ❹البدائع ۵/۲۳۳، حاشية ابن عابدين ۴/۲۳ عقد بيع للاستاذ الزرقاء ص ۵۹.

کسی چیز کے استحقاق میں کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ ہرعوض میں اس کی مثل قائم مقام ہوتی ہے، عوض تو جنس، نوع، صفت اور مقدار کی نسبت سے متعین ہوتا ہے، حتیٰ کہ مشتری پر واجب ہے کہ اوصاف مذکورہ کی صورت میں مشارالیہ کی مثل واپس کرے، چنانچہ اگر مشتری پر ایک ہزار کھرے دراہم واجب ہوں تو اس پر اسی صفت کے دراہم واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ جنس نوع اور صفت کی تعیین میں فائدہ ہے، اسی اصول پر یہ قاعدہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ اگر مشارالیہ ثمن ہلاک ہوگیا تو عقد باطل نہیں ہوگا۔

شافعیہ اور زفر...... کہتے ہیں کہ نقود متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں اور بائع کا استحقاق ہے کہ وہ مشتری سے وہی دراہم لے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جیسے کہ تمام اعیان میں ہوتا ہے۔ چونکہ بسا اوقات ایک آدمی کو اس میں کوئی غرض بھی ہوتی ہے، ثمن معین مبیع کی مانند ہوتے ہیں۔

چنانچہ اگر مشارالیہ ثمن قبضہ سے پہلے ضائع ہوگیا تو عقد باطل ہوجائے گا۔ جیسا کہ سب اعیان میں ہوتا ہے اور اگر ثمن ڈھلے ہوئے سکوں کی شکل میں نہ ہوں تو وہ بالاتفاق سامان کے حکم میں ہوں گے اور متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے۔

۲۔ اعیان قیمیہ...... یعنی وہ اشیاء جو مثلی نہ ہوں، چنانچہ اعیان قیمیہ جب معین مثلی اشیاء کے مقابلہ میں ہوں تو وہ مبیع ہوں گی، جبکہ مثلی چیز مطلقاً ثمن ہوگی قطع نظر اس بات کے کہ آیا باء داخل ہوا ہے یا نہیں۔ چونکہ مثلی چیز ثمنیت (قیمت بننے) کے زیادہ لائق ہے، چونکہ نقود کی طرح یہ ذمہ میں ثابت ہوسکتی ہے۔

اعیان قیمیہ کی مثالیں...... جیسے کپڑے، گھر، پلاٹس، وہ عددی چیزیں جن میں تفاوت ہو، جیسے بکریاں، چوپائے، خربوزے بشرطیکہ گن کر فروخت کئے جائیں نہ کہ وزن کر کے۔

البتہ جب اعیان قیمیہ اموال غیر معینہ کے مقابلہ میں ہوں تو اس وقت اعتبار دخول باء کا ہوگا چنانچہ جس پر صرف باء داخل ہوگا وہ ثمن ہوگا اور دوسری چیز مبیع مثلاً کوئی عربی میں کہے "بعتك هذا المتاع بقنطار من السكر" میں نے یہ سامان شکر کے توڑے کے بدلہ میں فروخت کیا۔ اس مثال میں شکری توڑا ثمن ہے اگر یوں کہا: "بعتك قنطاراً من السكر بهذا المتاع۔" تو شکر مبیع ہوگی اور دوسرا سامان ثمن ہوگا۔ اور یہ بیع سلم ہوگی۔

۳۔ مثلی اشیاء...... جب مثلی اشیاء کے مقابلہ میں نقود ہوں (سونا چاندی کاغذی نوٹ) تو یہ مبیع ہوں گی جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ اگر مثلی اشیاء کے مقابلہ میں انہی کی بمثل اشیاء ہوں جیسے گندم، تیل وغیرہ تو ان میں سے جو چیز معین ہوگی وہ مبیع ہوگی، اور جو چیز ذمہ میں ہوگی وہ ثمن ہوگی۔

اگر دونوں مقابل کی چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں سے ہر ایک ذمہ میں ثابت ہوسکتی ہو تو جس کے ساتھ صرف باء ہوگا وہ چیز ثمن ہوگی اور دوسری مبیع۔

مثلی اشیاء...... یا تو مکیلی ہوں گی اور مکیلی وہ ہوتی ہیں جو ناپ تولی جاتی ہوں جیسے گیہوں اور جو وغیرہ، آج کل کی مائع اشیاء بھی مثلی ہیں جو کہ لیٹر وغیرہ کے ساتھ ناپی جاتی ہیں جیسے پیٹرول، ڈیزل وغیرہ۔

موزونات...... مثلی اشیاء یا موزونی ہوں گی جو کہ وزن کر کے فروخت کی جاتی ہوں، جیسے گھی، تیل شکر وغیرہ۔

ذرعیات...... مثلی اشیاء یا ذرعی ہوں گی اور ذرعی اشیاء وہ ہوتی ہیں جو ذراع، گز یا میٹر کے ساتھ ناپی جاتی ہوں جیسے کپڑے، قالین اور پلاٹس وغیرہ۔

عددی.....مثلی اشیاء یا تو عددی متقارب ہوں گی اور عددی متقارب سے مراد وہ اشیاء ہوتی ہیں جن کی اکائیوں میں کوئی زیادہ تفاوت نہ ہو جیسے انڈے اور اخروٹ وغیرہ۔ اسی طرح ملوں اور فیکٹریوں کی بنی ہوئی مصنوعات جیسے شیشے کے برتن گلاس اور دوسری مصنوعات۔ [1]

۴.....جب قیمتی اشیاء ایک دوسرے کے مقابلہ میں فروخت کی جائیں تو ہر عوض من وجہ مبیع بھی ہوگا اور من وجہ ثمن بھی۔ مثلاً کپڑوں کے بدلہ میں گائے خریدی تو کپڑے ایک اعتبار سے ثمن ہوں گے اور دوسرے اعتبار سے مبیع، اسی طرح ایک اعتبار سے گائے ثمن ہوگی اور دوسرے اعتبار سے مبیع۔

مبیع اور ثمن کے احکام یا ان دونوں کے درمیان تمیز کے نتائج.....مبیع اور ثمن کے درمیان پائی جانے والی تمیز پر مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں ان میں سے چھ (۶) کو مختصراً ذکر کروں گا اور تین کو قدرے تفصیلاً بیان کروں گا۔

۱.....انعقاد بیع کے لئے شرط ہے کہ مبیع مال متقوم ہو جبکہ ثمن میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی۔

۲.....نفاذ بیع کے لئے بائع کی ملک میں مبیع کا موجود ہونا شرط ہے جبکہ ثمن میں یہ شرط ملحوظ نہیں۔

۳.....بیع سلم میں ثمن کو ادھار رکھنا جائز نہیں جبکہ مبیع کو ادھار رکھنا واجب ہے۔

۴.....ثمن کو سپرد کرنے کا خرچہ مشتری برداشت کرے گا اور مبیع کو حوالے کرنے کا خرچہ بائع برداشت کرے گا۔

۵.....اگر بیع میں ثمن مقرر اور معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے اور اگر مبیع مقرر معلوم نہ ہو تو بیع باطل ہے، مثلاً اگر کوئی یوں کہے: میں نے دس روپے میں تمہیں فروخت کردی۔ چنانچہ یہ بیع باطل ہے غیر منعقد ہے۔

۶.....قبضہ کے بعد مبیع کا ہلاک ہو جانا اقالہ بیع سے مانع ہے۔ جبکہ ثمن کا ہلاک ہو جانا اقالہ کے مانع نہیں۔

۷.....قبضہ کے بعد مبیع کا ہلاک ہو جانا بیع کو باطل کر دیتا ہے، جبکہ ثمن کے ہلاک ہو جانے سے بیع باطل نہیں ہوتی۔

۸.....اگر مبیع منقولی ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں جبکہ قبضہ سے پہلے ثمن میں بائع کا تصرف صحیح ہے۔

۹.....مشتری کے ذمہ ثمن کا سپرد کرنا ہے یعنی پہلے ثمن دے تاکہ مبیع کو لینے کا مستحق ہو جائے۔

آخری تین نکات زیادہ تفصیل طلب ہیں۔

مبیع اور ثمن ہلاک ہونے کا حکم اور ثمن کے کھوٹا ہونے کا حکم:

مبیع کا ہلاک ہونا.....مبیع (فروخت کردہ سامان) یا تو ساری کی ساری ضائع ہو جائے گی یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوگا، پھر قبضہ سے پہلے ضائع ہوگی یا قبضہ کے بعد یہ چار صورتیں بنتی ہیں۔

"الف".....**قبضہ سے پہلے خالی مبیع ضائع ہو جائے**.....اس صورت کی درج ذیل تفصیل ہے۔

۱.....مبیع آفت سماویہ سے ضائع ہوگی یا اپنے ذاتی فعل سے ضائع ہوگی یا فروخت کنندہ کے فعل سے ضائع ہوگی تو ان ساری حالتوں میں عقد بیع فسخ ہو جائے گا۔

۲.....جب مبیع خریدار کے فعل سے ضائع ہو تو عقد بیع فسخ نہیں ہوگا بلکہ خریدار کے ذمہ ثمن واجب ہے۔

۳.....جب مبیع کسی تیسرے اجنبی شخص کے فعل سے ضائع ہو تو بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع فسخ کردے چاہے بیع نافذ کردے اور ثمن حوالے کرے، پھر اجنبی سے مال کا مطالبہ کرے۔

---

[1].....عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۵۰ رد المحتار ۴/۱۷۳، مغنی المحتاج ۲/۱۸۱۔

"ب" مبیع قبضہ کے بعد ساری کی ساری ضائع ہو جائے: ا.....اگر مبیع آفت سماویہ سے ضائع ہو یا مشتری کے فعل سے ہلاک ہو یا مبیع اپنے ذاتی فعل سے ضائع ہو یا کسی تیسرے اجنبی شخص کے فعل سے ضائع ہو تو ان سب حالتوں میں بیع فسخ نہیں ہوگی، اور اس کا ضمان مشتری پر ہوگا، چونکہ مبیع مشتری کے قبضہ کی وجہ سے بائع کے ضمان سے نکل چکی لہٰذا مشتری کے ذمہ ثمن کا ثبوت ہو چکا، اور اگر اجنبی کی زیادتی کی وجہ سے مبیع ہلاک ہوئی ہو تو مشتری اجنبی سے ضمان لے۔

۲.....جب مبیع بائع کے فعل سے ضائع ہو تو اس حالت میں دو پہلو غور طلب ہیں۔

اول.....چنانچہ جب مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کیا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا ہو لیکن ثمن نقدی دے دیئے ہوں یا ثمن ادھار ہوں تو ان حالتوں میں مبیع بائع کی طرف سے ہلاک ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی اجنبی کی طرف سے مبیع ہلاک ہو تو ضمان اسی پر ہوگا۔

دوم.....اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر مبیع پر قبضہ کیا ہو جبکہ ثمن نقدی دینی ہوں لیکن ابھی دی نہ ہوں تو بیع کو فسخ کرنا واجب ہے اور بائع زیادتی کرنے کی وجہ سے مبیع کو واپس لے گا اور اسی پر ضمان ہوگا۔

مالکیہ.....کہتے ہیں محض عقد کر لینے سے ضمان مشتری کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ [1] یہ اصول ہر طرح کی بیع میں کارفرما ہوتا ہے البتہ پانچ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اول.....غائب شخص کی بیع جو صفت پر ہو اور مبیع زمین نہ ہو، اگر مبیع زمین ہوئی تو اس کا ضمان مشتری پر ہے۔

دوم.....وہ بیع جس میں خیار رکھا گیا ہو۔

سوم.....پکنے اور تیار ہونے سے قبل پھلوں کی بیع کر دی گئی ہو۔

چہارم.....وہ بیع جس میں کیل یا وزن یا گنتی کا حق ایفاء ہو۔

پنجم.....بیع فاسد۔ ان پانچ حالتوں میں ضمان بائع پر ہوگا، یہاں تک کہ مشتری مبیع پر قبضہ کر لے۔

شافعیہ.....کہتے ہیں ہر مبیع کا ضمان بائع پر ہوگا حتیٰ کہ مشتری قبضہ کر لے۔ [2]

حنابلہ.....کہتے ہیں اگر مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو اور قبضہ سے پہلے تلف ہو جائے تو وہ بائع کے مال سے تلف ہوگی، اگر اس کے علاوہ مبیع کی کوئی قسم ہو تو اس پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوگا اگر تلف ہو جائے تو مشتری کے مال سے تلف ہوگی۔

ج.....اگر بعض مبیع قبضہ سے پہلے ضائع ہو جائے.....حنفیہ کے نزدیک یہ پہلو بھی غور طلب ہے۔

ا.....اگر مبیع کا کچھ حصہ آفت سماویہ سے ضائع ہو تو اس میں تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر نقصان مقدار میں ہوا ہو، بایں طور کہ مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو اور اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو جتنی مقدار میں مبیع ضائع ہوئی ہو تو اس مقدار کے بقدر عقد فسخ ہو جائے گا اور اس حصہ کے بقدر ثمن بھی ساقط ہو جائیں گے، پھر بقیہ سامان میں مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بقیہ سامان کے حصہ کے بقدر ثمن دے کر سامان لے لے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے، مشتری کو اختیار اس لئے حاصل ہوگا کچھ مبیع ضائع ہونے کی وجہ سے تفریق صفقہ لازم آتا ہے۔

اگر نقصان وصف میں ہو مثلاً زمین میں درخت تھے جو جل گئے یا عمارت تھی جو گر گئی یا مکیلی اور موزونی چیز تھی اور اسکی جودت اور عمدگی میں نقصان ہو گیا، تو بیع فسخ نہیں ہوگی اور مشتری کے ذمہ سے ثمن میں کمی بھی نہیں ہوگی۔ چونکہ اوصاف کے بدلہ میں ثمن نہیں ہوتے بلکہ جنس کے بدلہ میں ثمن ہوتے ہیں البتہ مشتری کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو پورے ثمن کے بدلہ میں مبیع کو لے لے اور چاہے تو بیع کو ترک کر دے

---

[1].....القوانین الفقہیة ص ۲۴۷، الشرح الصغیر ۴۵/۳۔ [2] مغنی المحتاج ۶۵/۲۔

چونکہ مبیع میں عیب پیدا ہو گیا ہے۔
۲.....اگر مبیع اپنے ذاتی فعل سے ہلاک ہو جیسے جانور نے اپنے آپ کو زخمی کر دیا تو بیع فسخ نہیں ہوگی اور ثمن بھی ساقط یا کم نہیں ہوگا، البتہ مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع کو کل ثمن کے بدلہ میں لے لے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے۔
۳.....اگر مبیع بائع کے فعل کی وجہ سے ہلاک ہو تو ہلاک شدہ مبیع کے بقدر بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری سے ہلاک شدہ حصہ کے بقدر ثمن بھی کم ہو جائے گا، برابر ہے کہ مبیع کی مقدار میں کمی ہو یا وصف میں کمی ہو، چونکہ جب مبیع پر زیادتی ہوتی ہے تو اس وقت اوصاف کا ثمن سے حصہ ہوتا ہے، بقیہ سامان میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ اس حصہ کے ثمن دے کر سامان لے لے۔
۴.....اگر مبیع مشتری کے فعل سے ہلاک ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، اور مشتری کے ذمہ سے ثمن کم نہیں ہوگا چونکہ بعض مبیع کو ضائع کر کے کل مبیع پر اس نے گویا قبضہ کر لیا۔

د۔ قبضہ کے بعد بعض مبیع ہلاک ہو: ا.....اگر قبضہ کے بعد مبیع کا کچھ حصہ آفت سماویہ سے ضائع ہو یا خریدار کے فعل سے ضائع ہو یا مبیع کے ذاتی فعل سے ضائع ہو یا کسی اجنبی کے فعل سے ضائع ہو تو ضائع ہونے کا وبال مشتری کو برداشت کرنا پڑے گا۔
۲.....اگر بائع کے فعل سے مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو تو یہ پہلو چنداں غور طلب ہے۔
چنانچہ اگر بائع کی اجازت سے قبضہ ہوا ہو یا نقدی ثمن ادا کر دیئے ہوں یا ادھار ہوں، تو اس کا حکم اجنبی کی طرح کا حکم ہے، اگر قبضہ بائع کی اجازت کے بغیر ہوا ہو جبکہ ثمن مالی ہو اور نقد نہ ہوں تو ضائع ہونے والے حصہ کے بقدر بیع فسخ ہو جائے گی، اور مشتری کے حصہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ثمن کا ضائع ہونا..... جب ثمن مجلس عقد میں قبضہ سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔
ا.....اگر ثمن کسی مثلی شئے کی صورت میں ہوں تو عقد فسخ نہیں ہوگا چونکہ جب ثمن ضائع ہو گئے تو ان کی مثل حوالے کرنا ممکن ہے، بخلاف مبیع کے چونکہ مبیع معین ہوتی ہے اور معین اشیاء سے لوگوں کی طرح طرح کی اعراض متعلق ہوتی ہیں۔
۲.....اگر مبیع ضائع ہو جائے جبکہ فی الحال اس کی مثل موجود نہ ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کی رسد ختم ہو جائے جبکہ بوقت عقد موجود ہو پھر قبضہ سے پہلے ختم ہو گئی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہو جائے گا جبکہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بیع فسخ نہیں ہوگی، [1] اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے جو درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ثمن کا کھوٹا ہو جانا..... جب کوئی شخص رائج سکوں کے ساتھ کوئی چیز خریدے پھر قبضہ سے پہلے سکے کھوٹے ہو جائیں اور ان کی جگہ نئے سکے متعارف ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہو جائے گا، اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری مبیع کو واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور اگر مبیع ضائع ہو گئی ہو تو اس کی قیمت یا اس کی مثل واپس کرے گا، چونکہ سکے جب کھوٹے ہو جاتے ہیں تو ان کی ثمنیت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ بیع بغیر ثمن کے نہیں ہوتی، لہٰذا ضرورت کی وجہ سے بیع فسخ ہو جائے گی۔ تو یا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سکوں کے کھوٹے ہونے کو ضائع ہونے کے معنی میں لیتے ہیں۔
صاحبین کہتے ہیں: بیع فسخ نہیں ہوگی البتہ بائع کو اختیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے چاہے تو سکوں کی قیمت لے، چونکہ سکے ذمہ میں ثابت ہو چکے ہیں اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہو چکے وہ ضائع ہونے کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا سکوں کا کھوٹا ہونا ضائع ہونے کے معنی میں نہیں۔ بلکہ سکوں میں عیب ہے۔ لہٰذا بائع کو اختیار حاصل ہوتا ہے ایسا ہی ہے جیسے تر کھجوروں کو ثمن بنا دیا جائے اور پھر قبضہ سے پہلے ثمن ضائع

---

[1].....تحفة الفقهاء الطبعة القديمة (۲/ ۵۴)

ہو جائے۔ چنانچہ صاحبین نے کھوٹا ہونے کو عیب کے معنی میں لیا ہے۔

فقہاء کو اس پر اتفاق ہے کہ اگر سکے کھوٹے نہ ہوں البتہ ان کی قیمت میں رخصت دی گئی ہو یا گرانی ہوگئی ہو تو بیع فسخ نہیں ہوگی چونکہ رخصت اور گرانی سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی۔

پھر امام ابو یوسف اور امام محمد میں سکوں کی قیمت کے اعتبار کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بوقت عقد قیمت کا اعتبار ہوگا چونکہ عقد کے وقت ثمن واجب ہوتے ہیں لہٰذا قیمت کا بھی اسی وقت اعتبار کیا جائے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سکے جس وقت کھوٹے ہوئے اس وقت قیمت کا اعتبار کیا جائے گا چونکہ یہ آخری دن تھا جس دن لوگوں نے سکوں سے معاملہ کرنا ترک کیا چونکہ یہ سپردگی سے عاجز ہونے کا وقت ہے۔

مبیع اور ثمن میں قبل از قبضہ تصرف:

قبل از قبضہ مبیع میں تصرف.....حنفیہ کہتے ہیں کہ منقولی مبیع میں قبل از قبضہ تصرف جائز نہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کو آگے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا ہو، (1) چنانچہ نہی منہی عنہ کے فساد کی موجب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں غرر ہے اور معقود علیہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے عقد کے فسخ کی نوبت آجاتی ہے، یوں پہلی بیع باطل ہو جاتی ہے اور دوسری بیع فسخ ہو جاتی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہو۔

اگر مبیع زمین ہو تو استحسانا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل از قبضہ بھی تصرف جائز ہے، ان کا استدلال آیات بیع کے عموم سے ہے جن میں کوئی تخصیص نہیں، نیز خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں۔ نیز زمین کی بیع میں کوئی غرر نہیں ہوتا چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا، زمین کا ہلاک (ضائع) ہونا غالب احوال میں نادر ہے لہٰذا زمین کی بیع میں غدر نہیں ہوتا۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قبضہ سے پہلے زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ بیع قبل از قبضہ کے متعلق عموم نہی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ تسلیم (سپردگی) پر قدرت نہیں ہوتی، نیز اس میں غدر بھی متحقق ہوتا ہے، بیع فاسد کے ذیل میں فقہاء کی آراء کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنا.....قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے چونکہ ثمن دین کے حکم میں ہے، اسی طرح ہر طرح کے دین (قرضہ) میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے مہر، اجرت اور تلف شدہ اشیاء کا قبل از قبضہ ضمان۔ اس کی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! ہم مقام بقیع میں اونٹ فروخت کرتے ہیں اور ہم دراہم کی جگہ دینار لے لیتے ہیں اور دیناروں کی جگہ دراہم لے لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرط یہ کہ خرید و فروخت اس دن کے نرخ کے مطابق ہو اور تم دونوں اس طرح الگ الگ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کسی کا کوئی حق باقی نہ ہو۔ (2) یہ حدیث مبیع کے ثمن کو تبدیل کرنے پر دلیل ہے، رہی وہ حدیث جس میں غیر مقبوض شئے کی بیع سے منع کیا گیا ہے سو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ معین چیز کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ دین کی نسبت نہیں، چونکہ مبیع قبضے کا احتمال رکھتی ہے جبکہ دین حقیقۃً قبضے کا احتمال نہیں رکھتا، چونکہ دین ذمہ میں مال حکمی ہے اور یوں دین پر قبضہ اس کے بدل پر قبضہ ہوتا ہے۔

فقہاء نے قبل از قبضہ ثمن میں تصرف کرنے کے جواز سے عقد صرف اور عقد سلم کو مستثنیٰ کیا ہے، بیع صرف کو اس لئے چونکہ بیع صرف میں

---

(1).....رواہ احمد فی مسندہ، وابن حبان فی صحیحہ (انظر نصب الرایۃ ۴/۳۲، جامع الاصول ۱/۳۸۰، تخریج احادیث الاحیاء ۲/۶۱)

(2) اخرجہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ عن ابن عمر (انظر جامع الاصول ۱ ص ۴۶۹، نصب الرایۃ ۴ ص ۳۳)

بدلین من وجہ مبیع بھی ہوتے ہیں اور من وجہ ثمن بھی، چنانچہ مبیع ہونے کی حیثیت سے ان میں تصرف جائز نہیں ہوتا اور احتیاطاً جانب حرمت کو ترجیح حاصل ہے۔

رہی بات بیع سلم کی سو مسلم فیہ میں تصرف جائز نہیں چونکہ یہ مبیع ہوتی ہے اور رأس المال کو معین مبیع کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے کہ شرعاً اس کا تبدیل کرنا حرام ہے۔ [1]

ملاحظہ.....ثمن اور دین میں تصرف کرنا جائز ہے یعنی انہیں آگے فروخت کیا جا سکتا ہے ہبہ کیا جا سکتا ہے اجارہ اور وصیت بھی کی جا سکتی ہے یعنی عوض کے ساتھ بھی جائز ہے اور بلا عوض بھی، برابر ہے کہ ثمن ایسی اشیاء میں سے ہو جو متعین نہ ہوتی ہوں جیسے نقود یا ان چیزوں میں سے ہو جو متعین ہو جاتی ہیں جیسے مکیلی اشیاء اور موزونی اشیاء اس کی صورت یہ ہے جیسے بائع مشتری سے اس ثمن کے بدلہ میں کوئی چیز خریدے جو بائع کے ہوں اور مشتری کے ذمہ واجب ہوں یا ثمن کے بدلہ میں مشتری کے لئے کوئی گھر خریدے یا اسے ثمن ہبہ کر دے۔

ایسے شخص کو دین کی تملیک جائز نہیں جس پر دین نہیں ہوتا جیسے مثلاً ایک شخص کے سو روپے عمرو کے ذمہ دین (قرضہ) ہوں، اور وہ شخص زید سے اپنے دین کے بدلہ میں گھوڑا خریدے۔ تملیک ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری صرف تین صورتوں میں ثمن حوالے کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ [2]

اول.....یہ کہ مشتری بائع کو قبضہ پر مسلط کر دے یوں بائع پہلے وکیل بن کر مؤکل کے لئے قبضہ کرے گا پھر اپنے لئے۔

دوم.....یہ کہ دین کا حوالہ کرے۔ سوم.....یہ کہ وصیت کر دے۔

مبیع اور ثمن کی سپردگی.....مبیع کو مشتری کے حوالے کرنا بائع کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور یہ ذمہ داری عقد سے ناشی ہوتی ہے، جیسا کہ ثمن بائع کے حوالے کرنا مشتری کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور یہ ذمہ داری بھی عقد بیع سے ناشی ہوتی ہے۔ چونکہ بدلین کا حوالے کرنا عاقدین پر واجب ہے، تا کہ بدلین میں دونوں کی ملکیت متحقق ہو جائے۔ اس حوالے سے تین پہلو غور طلب ہیں۔

۱.....بدلین کی سپردگی کے حوالے سے پہل کون کرے؟

۲.....کیا بائع کو مبیع روک لینے کا حق ہے یہاں تک کہ ثمن پورا کا پورا وصول کر لے؟

۳.....سپردگی اور قبض کیسے تمام ہوتا ہے؟

سپردگی میں پہل کرنا کس پر واجب ہے؟.....بدلین کی نوعیت کے اعتبار سے اس پہلو میں اختلاف ہے۔

چنانچہ اگر عین کے بدلہ میں عین ہو (مثلاً گندم کے بدلہ میں کپڑا ہو) تو عاقدین پر واجب ہے کہ معاً ایک دوسرے کو بدلین سپرد کریں، تا کہ وہ معاوضہ جو مساوات کا مقتضی ہے اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے چونکہ یہاں اولیت میں کسی ایک چیز کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوتی، بیع صرف میں بھی دست بدست معاً بدلین کو سپرد کرنا واجب ہوتا ہے۔

البتہ اگر عین کی بیع دین کے بدلہ میں ہو (یعنی کوئی چیز نقود سے خریدی گئی) تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔ [3] چنانچہ جب بائع ثمن کا مطالبہ کر رہا ہو تو مشتری پر واجب ہے کہ پہلے ثمن حوالے کرے تا کہ ثمن متعین ہو جائیں۔ چونکہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: قرضہ واجب الاداء ہوتا ہے [4] اگر ثمن کی سپردگی میں تاخیر ہوئی تو یہ قرضہ ادا نہیں ہوگا۔ جب مشتری ثمن دے چکے پھر بائع پر

---

[1].....البدائع ۲۳۴/۵، فتح القدیر ۲۶۹/۵، رد المحتار ۱۷۳/۴. [2] رد المحتار ۴ ص ۱۷۳، المغنی المحتاج ۷۱/۲. [3] ردالمحتار لابن عابدین ۲۶/۴. [4] اخرجہ ابن عدی فی الکامل الا فی سندہ اسماعیل بن زیاد السکونی فانہ منکر الحدیث (انظر نصب الرایۃ ۵۸/۴) واخرجہ احمد واصحاب السنن الا النسائی وفیہ اسماعیل بن عیاش

واجب ہے کہ وہ مشتری کو مبیع سپرد کردے، یہ تب واجب ہے جب مشتری مبیع کا مطالبہ کرتا ہو، یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان یکسانیت تحقق ہوجائے،حنفیہ نے اس اصول سے دو چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے:

۱......مسلم فیہ کو چونکہ مسلم فیہ مدت مقررہ کا دین ہوتا ہے۔

۲......ثمن کی مدت مقرر کردی ہو چنانچہ اگر ثمن (قیمت) ادھار ہو تو مبیع کو فی الحال سپرد کرنا واجب ہے۔ چونکہ بائع نے مدت مقرر کرکے خود اپنا حق ساقط کردیا ہے۔ ❶

مالکیہ کا موقف بھی حنفیہ جیسا ہے کہ مشتری پر اول ثمن سپرد کرنا واجب ہے اور بائع پر مبیع سپرد کرنا واجب ہے۔ اگر عاقدین میں سے کوئی کہے کہ میں اپنے ذمہ کی چیز اس وقت تک سپرد نہیں کروں گا جب تک دوسری طرف کی چیز پر میں قبضہ نہ کرلوں تو اس صورت میں مشتری کو ثمن حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا پھر مشتری بائع سے مبیع لے لے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بائع کو اختیار حاصل ہے کہ مبیع کو روک لے یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلے، مالکیہ اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ثمن کی سپردگی تک مبیع کو روک لے سو جس شخص کو یہ حق حاصل ہو تو اپنا حق وصول کرنے سے پہلے اس کے ذمہ سپردگی واجب نہیں ہوتی، جیسے مرتہن میں ہوتا ہے۔ ❷

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: ❸ اگر بدلین کی سپردگی میں اختلاف ہو اور ثمن ذمہ میں واجب ہوں، جبکہ بائع کہتا ہو: میں مبیع کو سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلوں، جبکہ مشتری بھی ثمن کے متعلق یہی موقف رکھتا ہو، تو بائع کو مبیع حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر مشتری کو ثمن حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا، چونکہ مشتری کا حق دین مبیع میں ہوتا ہے، جبکہ بائع کا حق ذمہ میں ہوتا ہے، لہٰذا وہ حق جو دین کے ساتھ متعلق ہو وہ مقدم ہوگا۔ چنانچہ جس نے پہلے سپردگی کردی تو دوسرے عاقد کو بھی سپردگی پر مجبور کیا جائیگا، چونکہ ہر عاقد کے حق میں سپردگی اور وصولی کا حق ثابت ہوتا ہے۔ البتہ شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب بائع کو ثمن کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور بائع مشتری کا تنازع صرف پہل کرنے میں ہو، البتہ اگر بائع کو خوف ہو کہ ثمن فوت ہوجائے گا تو اسے مبیع روک لینے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کرلے۔ اسی طرح جب مشتری کو مبیع کے فوت ہونے کا خوف ہو تو بھی ثمن کو روک سکتا ہے۔

مبیع کو روک لینے کا حق...... ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ مشتری کو لازم ہے کہ وہ پہلے ثمن سپرد کرے یہیں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع روک لے یہاں تک کہ اس نے جتنا ثمن نقدی لینا ہے وہ لے لے برابر ہے پورا ثمن نقدی لینا ہوں یا بعض ثمن۔ ❹

مبیع کو روکنے کی شرط میں دو چیزیں ہیں۔

۱......یہ کہ بدلین میں سے ایک عین ہو اور دوسری چیز دین ہو، مثلاً سامان کو روپے سے فروخت کیا جارہا ہو اور اگر بدلین عینین ہوں یا ثمنین ہوں (یعنی بدلین چیزیں ہو جیسے کپڑا گندم، یا نقود ہوں جیسے سونا چاندی) تو اس صورت میں حق حبس ثابت نہیں ہوگا بلکہ معابدلین کو سپرد کرنا واجب ہے۔

۲......یہ کہ ثمن فی الحال نقدی دینی ہو اور اگر ثمن (قیمت) ادھار ہو تو حق حبس ثابت نہیں ہوگا چونکہ ادھار سے حق حبس ساقط ہوجاتا ہے۔

---

❶......مبسوط للسرخسی ۱۹۲/۱۳ البدائع ۲۴۴/۵ فتح القدیر ۱۰۹/۵ رد المحتار ۴۳/۴۔ ❷القوانین الفقهیة ص ۲۴۷۔ ❸مغنی المحتاج ۷۴/۲، المغنی ۱۹۸/۴۔ ❹المبسوط المرجع السابق البدائع ۲۴۹/۵، ردالمحتار ۴۴/۴، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۷۷۔

اسی اصول سے یہ صورت بھی مستفاد ہوتی ہے کہ اگر ایک درہم کے سوابقیہ درہم ادھار کر دیئے تو اس ایک درہم کے بدلہ میں بھی بائع مبیع کو روک سکتا ہے۔ چونکہ حق حبس کا تعلق ایسی چیز سے ہے جس میں تجزی نہیں ہوسکتی، اسی طرح اگر فروخت کنندہ نے سب ثمن وصول کر لیا اور صرف ایک درہم باقی رہا یا مشتری کو صرف ایک درہم کے سوابقیہ سب ثمن سے بری الذمہ کر دیا تب بھی بائع کو حق حبس حاصل ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ سامان کو روک لے حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کر لے۔ ❶ حنابلہ کہتے ہیں: ثمن پر قبضہ کرنے کے واسطے بائع مبیع کو نہیں روک سکتا۔ چونکہ بدلین کو سپرد کرنا مقتضائے عقد ہے۔ اگر عاقدین کا سپردگی میں اختلاف ہو جائے اور بائع کہے میں مبیع کو سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ ثمن پر قبضہ کرلوں اور مشتری کہے میں ثمن سپرد نہیں کروں گا یہاں تک کہ مبیع پر قبضہ کرلوں، جبکہ ثمن ذمہ میں واجب ہوں تو بائع کو سامان سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا پھر مشتری کو ثمن سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔بائع کو حبس مبیع کا حق حاصل ہے یہاں تک کہ وہ ثمن پر قبضہ کر لے بشرط یہ کہ اگر ثمن کے فوت ہونے کا خوف ہو اسی طرح مشتری کو بھی حبس ثمن کا حق حاصل ہے اگر اسے مبیع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

وہ امور جو حق حبس کو ساقط کر دیتے ہیں اور جو ساقط نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔اگر مشتری نے رہن یا کفیل پیش کر دیا تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا چونکہ رہن اور کفالت سے مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط نہیں ہوتے، اور نہ ہی حق مطالبہ ساقط ہوتا ہے، لہٰذا وصولی ثمن کے لئے حق حبس باقی رہے گا۔

رہی بات حوالۂ ثمن کی سوامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حوالے سے حق حبس ساقط ہو جاتا ہے برابر ہے بائع نے مطالبہ کے لئے مشتری پر کسی تیسرے شخص کے ذمہ حوالہ کیا ہو یا مشتری نے بائع کو کسی تیسرے شخص پر حوالہ کیا ہو۔ چونکہ اس صورت میں بائع اپنا حق وصول کرنے والا متصور ہوگا چونکہ حق حبس مشتری کے ذمہ میں بقائے دین کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور مشتری حوالہ کی وجہ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے لہٰذا حق حبس باطل ہو جاتا ہے، اسی لیے تو مشتری سے ثمن کے مطالبہ کا حق جو بائع کو حاصل ہوتا ہے منقطع ہو جاتا ہے اور مطالبہ کا حق صرف محال علیہ پر منحصر رہ جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔اگر حوالہ مشتری کی طرف سے ہو تو حق حبس باطل نہیں ہوگا، بائع کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مبیع کو روک لے حتیٰ کہ جو محتال علیہ ہے حق وصول کر لے، اگر حوالہ مطلق ہو تو بھی حق حبس باطل نہیں ہوگا، اور اگر حوالہ مقیدہ ہو بایں طور کے بائع نے قرض خواہ کو مشتری کے پیچھے لگا دیا تا کہ اس سے دین قبضہ کر لے تو اس صورت میں حوالہ حق حبس کو باطل کر دیتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بائع کا حق جو مشتری کے اول ثمن کے مطالبہ سے متعلق ہوتا ہے وہ مشتری کے حوالہ سے باطل نہیں ہوتا یا حوالہ مطلقہ سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا حق حبس باطل نہیں ہوگا، رہی بات حوالہ مفیدہ کی سو وہ مشتری سے اس حوالہ کے متعلق بائع کے حق مطالبہ کو باطل کر دیتا ہے لہٰذا حق حبس بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ ❷

علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں:۔۔۔۔۔۔صحیح یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر ہے، چونکہ حق حبس شریعت میں مطالبۂ ثمن کے ساتھ گھومتا ہے، نہ کہ فی ذاتہ ثمن کے قائم ہونے کے ساتھ۔ ❸

خلاصہ۔۔۔۔۔۔بالاتفاق مشتری پر بائع کے حوالۂ ثمن سے حق حبس ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں مشتری کے حوالہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

---

❶۔۔۔۔۔۔القوانین الفقهية ص ۲۴۷۔ ❷المبسوط ۱۳/ ۱۹۵، البدائع ۵/ ۲۵۰، رد المحتار ۴/ ۴۴۔ ❸البدائع ۵/ ۲۵۱۔

اگر بائع نے مشتری سے مبیع عاریۃً لے لی، یا مشتری کے پاس بطور ودیعت رکھی تو حق حبس ساقط ہو جائے گا حتیٰ کہ ظاہر الروایہ میں واپس لینے کا اسے حق نہیں ہوگا، چونکہ عاریت اور ودیعت مشتری کے پاس بطور امانت ہوتی ہے، اور وہ بائع کا نائب نہیں بن سکتا چونکہ وہ ایک چیز کا مالک بننے میں اصل ہوتا ہے، جب مبیع پر مشتری کا ہاتھ ثابت ہو چکا تو وہ ملک کا ہاتھ ہوگا جبکہ ملک کا قبضہ (ہاتھ) لازمی ہوتا ہے لہٰذا واپس لے کر اسے کوئی بھی باطل نہیں کر سکتا۔ ❶

اگر مشتری نے بائع کے پاس مبیع بطور ودیعت رکھی یا عاریۃً دی یا اسے اجرت پر دی تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا چونکہ یہ تصرفات مشتری کی طرف سے صحیح نہیں ہوتے، چونکہ حق حبس اصالۃً بائع کے لئے ثابت ہوتا ہے لہٰذا غیر کی طرف سے اس کا نائب ہونا صحیح نہیں۔ ❷

اگر کسی اجنبی شخص نے مبیع پر زیادتی کر دی تو مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے سے ضمان وصول کرے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق حبس ساقط ہو جائے گا۔ ❸ اس کی تفصیل عنقریب آنے والی قبضہ کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر مبیع پر قبضہ کیا، تو حق حبس ساقط ہو جائے گا، اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ چونکہ بوجہ اجازت وہی کے اس کا حق باطل ہو چکا۔

اگر مشتری نے ثمن ادا کرنے کے بعد مبیع پر بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو حق حبس ساقط ہو جائے گا اور بائع مبیع واپس نہیں لے سکتا، چونکہ وہ ثمن لے چکا گویا مبیع پر قبضہ حق کے بدلہ میں ہوا۔

اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر اور ادائے ثمن سے پہلے قبضہ کیا تو حق حبس ساقط نہیں ہوگا، بائع مبیع کو واپس لے سکتا ہے۔ چونکہ بائع کو حق حبس ہے اور ثمن پورے لے لینے تک مبیع کو روک سکتا ہے۔ جبکہ انسان کی اجازت کے بغیر اس کے حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اگر اس آخری صورت میں مشتری نے مبیع میں تصرف کر دیا تو اس میں قدرے تفصیل ہے۔ ❹ چنانچہ اگر تصرف ایسا ہو جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو جیسے بیع، ہبہ، اجارہ اور رہن وغیرہ تو بائع اس تصرف کو فسخ کر سکتا ہے اور مبیع واپس لے سکتا ہے، چونکہ مبیع کے ساتھ بائع کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اگر تصرف ایسا ہو جو فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے غلام کو آزاد کر دینا یا غلام کو مدبر بنا دینا یا لونڈی کو ام ولد بنا دینا تو اس صورت میں بائع مبیع کو واپس نہیں لے سکتا چونکہ اب حق حبس میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں رہتا، چونکہ آزاد ہو جانے والے کو حبس میں رکھنا یا جو شخص آزادی کی چوکھٹ پر پہنچ چکا ہو اس کو حبس کرنا جائز نہیں۔

سپردگی یا قبضہ کا معنی اور اس کے متحقق ہونے کی کیفیت..... حنفیہ کے نزدیک سپردگی اور قبضہ کا معنی تخلیہ ہے یعنی بائع، مشتری اور مبیع کو کھلا چھوڑ دے اور ان کے درمیان حائل نہ ہو بایں طور کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر پوری طرح قادر ہو، گویا بائع مبیع کو حوالے کر دے اور مشتری اس پر قبضہ کر دے۔ ❺ اسی طرح مشتری کا ثمن کو سپرد کرنا بھی ہے۔

قبضہ مکمل ہونے کے بہت سارے طریقے ہیں۔

ا۔ تخلیہ..... تخلیہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے مشتری کو مبیع پر دسترس حاصل ہو جائے، اور کوئی چیز حائل نہ ہو، بایں ہمہ قبضہ کی اجازت بھی ہو، چنانچہ اگر کسی شخص نے گندم خریدی جو کسی گھر میں رکھی ہو بائع خریدار کو چابی دے دے اور کہے میں نے تمہیں گندم لینے کی اجازت دے دی اور میں تمہارے اور گندم کے درمیان حائل نہیں ہوتا ہوں، تو یہ قبضہ ہے۔ اگر فروخت کنندہ چابی تو دے دے لیکن کچھ نہ کہے تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، گھر اور زمین پر قبضہ یوں متصور ہوگا کہ مشتری گھر یا زمین کے اندر کھڑا ہو جائے یا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے زمین کو دیکھ سکتا ہو یا گھر کے دروازوں پر تالے لگانے کی قدرت رکھتا ہو، اگر ایسی حالت سے دور ہو تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، ❻ اس تفصیل کی رو سے حنفیہ کے نزدیک

---

❶ ..... البدائع ۵/ ۲۵۰ حاشیۃ ابن عابدین ۴/ ۴۴۔ ❷ البدائع ۵/ ۲۴۶۔ ❸ البدائع ۵/ ۲۴۶۔ ❹ البدائع ۵/ ۲۵۱۔ ❺ البدائع ۵/ ۲۴۴۔ ❻ البدائع ۵/ ۲۴۴ رد المحتار ۴/ ۴۴، عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۸۶۔

قبضہ تخلیہ سے مکمل ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ مبیع زمین ہو یا منقولی چیز ہو، مکیلی ہو یا موزونی، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں زمین اور گھر پر قبضہ بائع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے ہو جاتا ہے بایں طور کہ گھر کی چابیاں وغیرہ سپرد کر کے گھر میں تصرف کرنے پر مشتری کو دسترس حاصل ہو جائے، جبکہ منقولی اشیاء جیسے ساز وسامان، چوپائے وغیرہ پر قبضہ عرف عام سے ہو جاتا ہے، ❶ عرف یہ ہے کہ وہ چیز یا تو دست بدست لے لی جائے جیسے کتاب اور کپڑا وغیرہ یا چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جیسے گاڑی اور جانور وغیرہ۔

حنابلہ کہتے ہیں ہر چیز کا قبضہ اس چیز کے اعتبار سے ہوگا، چنانچہ مبیع اگر مکیلی ہو یا موزونی ہو تو اس کا قبضہ ماپنے اور وزن کرنے سے ہوگا یعنی قبضہ کرنے کے لئے عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ❷

۲۔تلف کرنے سے...... اگر مبیع بائع کے پاس ہو اور مشتری مبیع کو ضائع کر دے تو مشتری مبیع پر قابض متصور ہوگا اور مشتری پر ثمن لازم ہو جائے گا، چونکہ تخلیہ مبیع میں تصرف کرنے پر دسترس حاصل ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ اتلاف (ضائع کرنا) درحقیقت مبیع میں تصرف کرنا ہے۔

مبیع میں عیب پیدا کر دینا ضائع کرنے کے حکم میں ہے، مثلاً مشتری مبیع کی ٹانگ کاٹ دے یا سامان ہو اور اس میں کمی کر دے۔

اسی طرح اگر مشتری نے بائع کو مبیع تلف کرنے کا حکم دیا اور بائع نے ایسا کر دیا یا بائع کو گندم پیسنے کا حکم دیا اور بائع نے گندم پیس دی۔ ❸ یہ بھی مشتری کی طرف سے تلف کرنا ہے، چونکہ مشتری کے حکم کے بائع کا فعل مشتری کے ذاتی فعل کے مترادف ہے۔

۳۔مبیع کو مشتری کے پاس بطور ودیعت یا عاریت چھوڑنا...... اگر بائع نے مشتری کے پاس بطور ودیعت مبیع چھوڑی یا عاریت کے طور پر چھوڑی تو اس سے مشتری قابض متصور ہوگا۔ چونکہ مالک کے پاس ودیعت اور عاریت صحیح نہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

اسی طرح اگر مشتری نے کسی اجنبی کے پاس مبیع ودیعت کے طور پر یا عاریت کے طور پر چھوڑی اور بائع سے سپردگی کا مطالبہ کیا تو مشتری قابض ہو جائے گا چونکہ کسی تیسرے شخص کے پاس عاریت اور ودیعت چھوڑنا صحیح ہے، جبکہ ان صورتوں میں دوسرے کی قیادت ثابت ہو چکی جبکہ امین کا ہاتھ مالک کا ہاتھ ہوتا ہے اور یوں مشتری قابض ہوگا۔

البتہ اگر مشتری نے مبیع بائع کو عاریۃً دی یا اس کے پاس بطور ودیعت رکھی یا اسے اجرت کے طور پر دی تو یہ قبضہ نہیں ہوگا، چونکہ یہ تصرفات مشتری کی طرف سے صحیح نہیں ہوتے، چونکہ حق حبس بائع کے لئے اصالۃً ثابت ہوتا ہے جبکہ اس میں حق نیابت ثابت نہیں ہوتا۔ ❹

۴۔مشتری کا مبیع پر زیادتی کرنے والے کا پیچھا کرنا...... اگر کسی اجنبی نے مبیع پر زیادتی کر دی تو مشتری کو زیادتی کرنے والے سے ضمان لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کا اختیار قبضہ کرنے کے حکم میں ہوگا، حتیٰ کہ اگر مبیع ہلاک ہوگی تو اس کا وبال مشتری پر ہوگا اور اسے ثمن دینا پڑے گا اور بیع باطل نہیں ہوگی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مشتری کا قبضہ نہیں ہوگا بلکہ بیع بائع کے ضمان میں ہوگی اور بائع کو سپردگی کا حکم دیا جائے گا، مبیع ضائع ہونے کا تاوان بائع پر ہوگا، یوں بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری ادائے ثمن سے دستبردار ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اجنبی کی زیادتی مشتری کی اجازت سے ہوئی ہے گویا ضمناً اس کا حکم شامل ہے، لہٰذا مشتری قابض تصور ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے خود مشتری مبیع پر زیادتی کر دے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشتری کو زیادتی کرنے والے کے پیچھے پڑنے کا

---

❶ ...... الشرح الكبير للدردير ۱۴۵/۳ المجموع ۳۰۱/۹ المهذب ۲۶۳/۱۔ ❷ المغنی ۱۱۱/۴۔ ❸ البدائع المرجع السابق رد المحتار المرجع السابق۔ ❹ البدائع ۲۴۶/۵۔

اختیار حقیقت میں ضمان شدہ چیز جس پر زیادتی ہوئی ہے کی تملیک ہے، چونکہ جن چیزوں کا ضمان دیا جاتا ہے وہ ضمان کے اختیار سے ملک بن جاتی ہیں گویا معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ زیادتی مشتری کے حکم سے ہوئی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ضمان کا تعلق چیز سے ہوتا ہے اور قیمت چیز کے قائم مقام ہوتی ہے اور اگر چیز قائم ودائم ہو اور قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو ہلاک ہونے کا تاوان بائع پر ہوگا اور قیمت میں بھی یہی صورت ہے۔ ❶

۵۔ سابق قبضہ...... اگر ایک چیز پہلے سے مشتری کے پاس ہو پھر اس چیز کا مالک اسے مشتری کے ہاتھ فروخت کر دے اب آیا سابق قبضہ کافی ہوگا یا ازسرنو قبضہ کرنے کی ضرورت ہے، اس میں تفصیل ہے۔

چنانچہ فقہاء نے قوت مؤثرہ کے اعتبار سے قبضہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) قبضۂ ضمان (۲) اور قبضۂ امانت۔

قبضۂ ضمان...... یہ وہ قبضہ ہے کہ جس میں قابض مقبوض چیز کے بارے میں غیر کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اور اسے اس کا ضمان دینا پڑتا ہے، یعنی جب چیز ضائع ہو جائے اگرچہ آفت سماویہ سے ہی کیوں نہ ضائع ہوئی ہو تب بھی ضمان دینا پڑتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں ضائع ہو جائے، اور مبیع مشتری کے پاس ضائع ہو جائے۔

قبضۂ امانت...... یہ وہ قبضہ ہوتا ہے جس میں قابض مقبوض چیز کے متعلق جوابدہ نہیں ہوتا، ہاں البتہ ظلم وتعدی ہو یا حفاظت میں کوتاہی ہو تو قابض جوابدہ ہوتا ہے۔ جیسے ودیعت، عاریت، اجرت پر دی ہوئی چیز اور شرکت کا مال امین کے پاس یا مستعیر یا مستاجر یا شریک کے پاس۔

فقہاء نے قبضۂ ضمان کو قبضۂ امانت سے قوی قرار دیا ہے چونکہ قبضۂ ضمان کی صورت میں ضمان ہوتا ہے۔

عام اصول...... اس تناظر میں عام اصول یہ ہے کہ سابقہ قبضہ بیع کی صورت میں لازم ہونے والے قبضہ کے قائم مقام ہوگا بشرطیکہ جب دونوں قبضے ضمان وعدم ضمان میں ایک جیسے ہوں، یا سابقہ قبضہ قوی تر ہو، بخلاف اس کے کہ جب قبضہ ضعیف ہو چنانچہ قبضۂ ضمان امانت اور قبضۂ ضمان کے قائم مقام ہوگا جبکہ قبضۂ امانت صرف قبضۂ امانت کے قائم مقام ہوتا ہے اور قبضۂ ضمان کے قائم مقام نہیں ہوتا۔ چونکہ ادنیٰ قسم کا قبضہ اعلیٰ قسم کے قبضہ سے بے نیاز نہیں کرتا۔ ❷

اس اصول کے تحت یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب مبیع کوئی ایسی چیز ہو جو مبیع سے پہلے مشتری کے پاس موجود ہو تو اس کا قبضہ یا تو قبضۂ ضمان ہوگا یا قبضۂ امانت۔

الف۔ اگر مشتری کا قبضہ، قبضۂ ضمان ہو: ا...... یا تو قبضۂ ضمان بنفسہ ہوگا۔ جیسے غاصب کا قبضہ یا بھاؤ تاؤ کی صورت میں قابض کا قبضہ تو ان صورتوں میں مشتری مبیع پر قابض ہو جائے گا یعنی نفس عقد سے مشتری قابض تصور ہوگا۔ اور ازسرنو قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں اور بائع سپردگی کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ برابر ہے مبیع مجلس عقد میں موجود ہو یا غائب ہو، چونکہ مغصوب چیز بذاتہ قابل ضمان ہوتی ہے جبکہ مبیع قبضہ کے بعد مضمون ہوتی ہے، گویا دونوں قبضے ایک جیسے ہوئے اور ایک قبضہ دوسرے کے قائم مقام ہوگا۔

یا قبضۂ ضمان کسی دوسرے شخص کی وجہ سے ہوگا جیسے رہن کا قبضہ مثلاً راہن مرہون چیز کو مرتہن کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں مرتہن قابض نہیں ہوگا الا یہ کہ رہن مجلس عقد میں موجود ہو، یا جہاں رہن ہو وہاں چلے جائیں اور قبضہ پر پوری دسترس ہو، چونکہ مرہون چیز بذاتہ

❶...... البدائع ۲۴۶/۵۔ ❷ البدائع ۲۴۸/۵، فتح القدیر ۲۰۰/۵، حاشیۃ ابن عابدین ۵۳۵/۴، مجمع الضمانات للبغدادی ص ۲۱۷ عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۸۷۔

مضمون نہیں ہوتی جبکہ مضمون بغیرہ ہوتی ہے۔ اور وہ غیر دین (قرضہ) ہوتا ہے۔ جبکہ مبیع بذاتہ مضمون (ضمان والی) ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ دونوں قبضے ایک جیسے نہ ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درحقیقت رہن امانت ہوتا ہے، اور اس پر قبضہ فی الواقع امانت پر قبضہ ہوا جو کہ فی ذاتہ ضمان زرنہیں ہوتا اور ضائع ہونے سے دین (قرضہ) ساقط ہوجاتا ہے، نہ کہ اس لئے کہ مضمون ہے، بلکہ اس کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ قرضہ کی وثیقہ بندی درکار ہوتی ہے، چنانچہ رہن مرتہن کے مال سے ضائع ہوگا، اور دین رہن کے بقدر ساقط ہوجائے گا، چونکہ رہن دین کا وثیقہ ہوتا ہے۔

اور جب رہن کا قبضہ قبضۂ امانت ہو تو قبضۂ ضمان کے قائم مقام نہیں ہوتا جیسے عاریت کا قبضہ اور ودیعت کا قبضہ، قبضۂ ضمان نہیں ہوتا۔

ب: اگر مشتری کا قبضہ، قبضۂ امانت ہو..... جیسے مستعیر کا قبضہ امین کا قبضہ تو اس صورت میں خریدار قابض تصور نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر مبیع اس کے پاس موجود ہو یا اس پر قبضہ کرنا اس کی دسترس میں ہو چونکہ قبضۂ امانت قبضۂ ضمان کی جنس میں سے نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دونوں قبضے ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوسکتے، چونکہ قبضۂ امانت قبضۂ ضمان سے کمزور ہوتا ہے۔ ❶

چوتھی بحث: بیع باطل اور بیع فاسد:

تمہید..... عقد اپنے حکم اور شارع کی عطا کردہ وصف کے اعتبار سے کہ آیا عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک صحیح اور غیر صحیح میں منقسم ہوتا ہے۔

عقد صحیح..... وہ ہوتا ہے جس کے ارکان اور شرائط پوری ہوں۔

عقد غیر صحیح..... وہ ہوتا ہے جس کے کسی رکن یا شرط میں کوئی خلل ہو۔ عقد غیر صحیح کا اثر مرتب نہیں ہوتا عقد غیر صحیح، عقد باطل اور عقد فاسد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کا معنی واحد ہے۔

حنفیہ..... کے نزدیک عقد کی تین اقسام ہیں۔ (۱) صحیح (۲) فاسد (۳) اور باطل۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک عقد غیر صحیح یا تو فاسد ہوگا یا باطل۔

منشاء اختلاف..... کسی بھی عقد کے متعلق شریعت کی ممانعت کا مفہوم ہے کہ آیا نہی فساد کی مقتضی ہے یعنی عدم اعتبار اور گناہ میں وقوع دونوں ہوں گے یا صرف گناہ کے ایجاب پر منحصر ہے اور کبھی کبھی وقوع کا بھی اعتبار ہوجاتا ہے۔ پھر کیا عقد کے کسی بھی رکن کی نہی عقد کو عارض ہونے والے وصف کی نہی کے ساتھ ہے؟

جمہور فقہاء..... کہتے ہیں: کسی بھی عقد کے متعلق شارع کی طرف سے وارد ہونے والی نہی یعنی اس عقد کا سرے سے اعتبار ہی نہ ہونا ہے اور جو شخص اس کی طرف پیش رفت کرے اس کا گناہ میں پڑنا ہے چنانچہ ارکان عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی اور عقد کو عارض ہونے والے وصف کے متعلق وارد ہونے والی نہی میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ ”جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین پر نہ ہو وہ مردود ہے اور جس شخص نے ہمارے میں کوئی ایسی بات داخل کی جو اس میں نہ ہو وہ بھی مردود ہے۔ ❷

جب عمل شارع کے حکم (امر) اور طلب کے خلاف ہوگا تو وہ عمل فساد اور بطلان کے ساتھ متصف ہوگا۔ برابر ہے کہ مخالفت حقیقت عمل

❶..... البدائع ۲۴۸/۵ فتح القدیر ۲۰۰/۵۔ ❷ رواہ مسلم عن عائشۃؓ۔ (جامع الاصول ۱۹۷/۱)۔

کی طرف راجع ہو یا وصف کی طرف، اس میں عبادات اور معاملات برابر ہیں۔

حنفیہ...... کہتے ہیں عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی شارع کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مرتکب فقط گناہ گار ہوگا، یہ معنی نہیں کہ عقد ہی باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا اصل عقد کے متعلق وارد ہونیوالی نہی اور ارکان کے متعلق وارد ہونے والی نہی میں فرق کیا جائے گا، لہٰذا عقد باطل ہوگا اور کسی دوسری وجہ کے متعلق وارد ہونے والی نہی جیسے کسی وصف عقد کے متعلق وارد ہونے والی نہی اس میں بھی فرق کیا جائے گا، اس صورت میں فقط عقد فاسد ہوگا۔ چونکہ معاملات میں انسانوں کی مصلحت کوشی زیر غور ہوتی ہے اور جب عمل کی مخالفت عقد کی حقیقت کی طرف راجع ہو جیسے معدوم شئے کی بیع تو اس صورت میں سرے سے مصلحت کا تحقق ہوگا ہی نہیں بلکہ عقد باطل ہوگا۔

بہر حال کسی بھی طرح عمل میں کوئی مصلحت متحقق ہو جائے تو اس پر عمل کا اثر مرتب ہوگا اور نقص کا تدارک ازالۂ سبب سے ہو جاتا ہے یہ امر اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عمل کی مخالفت وصف کی طرف راجع ہو اور حقیقت سلامت رہے۔ معہذا رکن، طرفین اور محل بھی سلامت ہوں تو اس کو فاسد کا نام دیا جاتا ہے۔

رہی بات عبادات کی سو عبادات میں بطلان اور فساد دونوں مترادف ہوتے ہیں، چنانچہ عبادات میں شارع کے امر کی مخالفت عبادات کو فساد اور بطلان کے ساتھ متصف کر دیتی ہے، برابر ہے خلل حقیقت کے پہلو میں ہو یا وصفی (فروعی) پہلو میں ہو۔ چونکہ عبادات میں امتثال امر اور طاعت تامہ مطمح نظر ہوتی ہے، یہ مقصد تبھی پورا ہو جاتا ہے جب عبادات میں مکمل طور پر زوال مخالفت کا سامان کیا جائے۔

اسی اساس کے مطابق ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ شارع کے وصف کے اعتبار سے حنفیہ کے نزدیک بیع کی تین اقسام ہیں (۱) صحیح، (۲) باطل (۳) فاسد۔

بیع صحیح...... وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور وصف کے اعتبار سے مشروع ہو اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی خیار ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا اثر فی الحال ثابت ہو جاتا ہے، بیع صحیح کا اثر یہ ہے کہ عوضین میں ملکیت کا تبادلہ ہو جاتا ہے یعنی مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور ثمن بائع کی ملک میں۔

بیع باطل...... وہ ہوتی ہے جس کے رکن (ایجاب وقبول) اور محل (مال متقوم) میں خلل ہو یا بیع سرے سے مشروع ہی نہ ہو یعنی عاقد عقد کا اہل ہی نہ ہو یا عقد کا محل بیع کے قابل نہ ہو۔ بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ بیع فعلاً منعقد نہیں ہوتی، اگرچہ خارج میں عقد کی صورت پائی جائے لیکن ملک کا فائدہ نہیں ہوگا جیسے بچے کا عقد، مجنون کا عقد یا ایسی چیز کی بیع جو مال نہ ہو جیسے مردار، یا مال متقوم نہ ہو جیسے شراب اور خنزیر۔ جب بیع باطل ملک کا فائدہ نہیں دیتی تو اگر ایسا ہو کہ مبیع خریدار کے پاس ضائع ہو جائے تو خریدار پر امانت کے ضائع ہونے کا حکم لاگو ہوگا چونکہ عقد غیر معتبر ہے صرف قبضہ باقی رہ گیا جو مالک کی اجازت سے وجود میں آیا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا جاتا ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ہلاک شدہ مبیع کا ضمان دیا جائے گا چونکہ یہ قبضہ بھاؤ تاؤ کے قبضہ سے بھی تو کمتر نہیں۔ یہ صاحبین کا قول قرار دیا گیا ہے، رہی بات قبضہ کئے ہوئے ثمن کی جو بیع باطل کے ضمن میں مقبوض ہوا تو صحیح قول یہ ہے کہ ان کا ضمان ہوگا یہ ایسا ہی ہے جیسے بیع فاسد میں قبضہ کیا ہوا ثمن ہوتا ہے۔

بیع فاسد...... وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو، یعنی بیع ایسے شخص سے صادر ہوئی ہو جو بیع کی اہلیت رکھتا ہو اور محل بھی قابل ہو لیکن بیع کو کوئی ایسا امر یا وصف پیش آ جائے جو مشروع نہ ہو جیسے کسی مجہول چیز کی بیع جس کی جہالت نزاع تک پہنچا دے جیسے بہت سارے گھروں میں سے ایک گھر کی بیع، یا گاڑیوں میں سے ایک گاڑی کی بیع اور مبیع کی تعیین نہ

ہو،اس کی مثالیں آیا چاہتی ہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ مالک کی اجازت سے اگر قبضہ کیا ہو تو مبیع میں ملک ثابت ہو جاتی ہے مثلاً خریدار مجلس عقد میں بائع کے سامنے مبیع پر قبضہ کر دے اور بائع قبضہ میں رکاوٹ نہ بنے۔اس میں جمہور فقہاء کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بیع فاسد بیع باطل کی طرح سرے سے ملک کا فائدہ ہی نہیں دیتی۔❶

ایسا ضابطہ جو بیع فاسد کو بیع باطل سے ممتاز کرتا ہو......جب فساد مبیع کی طرف راجع ہوتا ہو تو سرے سے ملک کا فائدہ ہی نہیں دیتی اگر چہ خریدار مبیع پر قبضہ کر لے، چونکہ خلل مبیع میں واقع ہوا ہے، وہ خلل یہ ہے کہ شراب اور خنزیر وغیر میں بیع کے ذریعے مسلمان کی ملک ثابت نہیں ہوتی، جبکہ بیع مبیع کے بغیر منعقد نہیں ہوتی، نیز مردار اور خون مال متقوم نہیں ہوتے، نیز شارع نے حرم اور محرم کے شکار کو باطل قرار دیا ہے۔اور اگر فساد ثمن کی طرف راجع ہو پھر اگر ثمن فی الجملہ بعض ادیان میں مال ہو یا بعض لوگوں کے ہاں مرغوب ہو جیسے شراب، خنزیر، حرم کا شکار تو بیع فاسد ہو گی، یعنی بیع مبیع کی قیمت سے منعقد ہو جائے گی اور قبضہ کرنے سے مبیع میں ملک کا فائدہ حاصل ہو گا۔

اگر ثمن مردار چیز ہو یا خون ہو تو اس صورت میں حنفیہ کا اختلاف ہے عام حنفیہ کا موقف ہے کہ بیع باطل ہو گی جبکہ بعض حنفیہ کا موقف ہے کہ بیع فاسد ہو گی جبکہ صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہو گی، چونکہ ثمن میں طے ہونے والی چیز سرے سے مال ہی نہیں۔❷

مابعد از تمہید......اس تمہید کے بعد میں بیع باطل کی مختلف اقسام کی مثالیں ذکر کروں گا اگر چہ وہ اقسام بعض فقہاء کی آراء میں باطل ہوں، اس کے بعد میں بیع فاسد کی مختلف اقسام کی مثالیں لاؤں گا پھر اس کے بعد تفصیلاً بیع فاسد کا حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کو ذکر کروں گا۔میں نے بیع کی دونوں اقسام میں فرق کیا ہے تا کہ کوئی ابہام اور اشکال باقی نہ رہے، چنانچہ حنفیہ کی اکثر کتب فقہ میں ''باب البیع الفاسد'' کا عنوان قائم کیا جاتا ہے اور یہ باب بیع فاسد اور باطل دونوں کو شامل ہوتا ہے بلکہ فقہائے احناف بسا اوقات مطلق فاسد کا لفظ بول کر اس سے باطل مراد لیتے ہیں جبکہ مقصود مختلف قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے مثلاً بیع باطل کے بارے میں فقہائے احناف کہہ دیتے ہیں کہ عقد صحیح نہیں ہو گا اور بیع فاسد کے بارے میں اس کے برعکس کہتے ہیں کہ عقد صحیح ہو گا۔

پہلا مطلب: بیع باطل کی مختلف انواع......بیع باطل کی اہم اقسام درج ذیل ہیں۔

ا۔معدوم چیز کی بیع......مذاہب اربعہ کے آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ معدوم چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اسی طرح جو چیز معرض خطر (یعنی معدوم ہونے کے خطرات سے دوچار ہو) اس کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی، جیسے حمل کے حمل کی بیع، مثلاً کوئی یوں کہے میں نے اس اونٹنی کے بچے کے بچے کو فروخت کر دیا۔اسی طرح موجودہ حمل کی بیع بھی معدوم کے حکم میں ہے چونکہ حمل بھی معرض خطر میں ہوتا ہے۔پھل اور کھیتی کے ظہور سے قبل اس کی بیع بھی معدوم کی بیع ہے،''چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔''اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے، مضامین سے مراد نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع اور ملاقیح سے مراد مادہ کے بطن میں پڑے حمل کی بیع۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل ظاہر ہونے سے قبل اس کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

ملحق بالمعدوم......معدوم کی بیع کے ساتھ یہ صورتیں بھی ملحق ہیں۔سیپی میں پڑے ہوئے موتی کی بیع، تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع، بھیڑوں کی پیٹھ پر اون کی بیع، اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ طباعت سے پہلے کتاب کی بیع، یہ بیع شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے چونکہ محل عقد موجود ہی نہیں ہوتا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے

---

❶......فتح القدیر مع العنایة ۱۸۵/۵، البدائع ۲۹۹/۵، رد المحتار لابن عابدین ۱۰۴/۴ مجمع الضمانات ص ۲۱۵، الاموال ونظریة العقد للدکتور یوسف موسیٰ ص ۴۴۰۔ ❷المبسوط ۲۲/۱۳، فتح القدیر والعنایة ۱۸۶/۵، البدائع ۲۹۹/۵۔

یہاں تک کہ پھل کھانے کے قابل ہوجائے، اون کو بھیڑ کی پیٹھ پر نہ فروخت کیا جائے، تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کو بھی نہ فروخت کیا جائے، ❶ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کی صفت اور مقدار مجہول ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات فربہی کی وجہ سے تھن یوں ہی بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات تھنوں میں صاف شفاف دودھ ہوتا ہے اور بسا اوقات گندا دودھ ہوتا ہے لہٰذا تھنوں میں دودھ کی بیع حمل کی بیع کی مانند ہوئی، چونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جسے ابھی وجود نہیں ملا، اس میں عادت بھی مختلف ہے، اس میں ایک اور علت بھی ہے وہ یہ کہ اس کی سپردگی میں بائع عاجز ہوتا ہے، چونکہ دودھ تھنوں میں یکبارگی جمع ہوکر نہیں نکل پڑتا، بلکہ تھوڑا تھوڑا ہوکر نکلتا ہے۔ لہٰذا مبیع غیر مبیع اس طرح خلط ہوجاتی ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہوجاتا ہے۔

رہی بات دائی کے دودھ کی سو پرورش کے لئے اس کی بیع جائز ہے۔

امام ابو یوسف کے علاوہ بقیہ فقہائے حنفیہ کہتے ہیں۔ تھنوں میں دودھ کی بیع، سیپی میں موتی کی بیع اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع فاسد ہے چونکہ اس میں جہالت ہے اور اس کے متعلق نہی بھی وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اون نیچے سے اگتی ہے لہٰذا مبیع غیر مبیع کے ساتھ خلط ہوجاتی ہے اور ان میں امتیاز کرنا دشوار ہوجاتا ہے اس لئے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔ ❷

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں:...... بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی خرید وفروخت جائز ہے چونکہ ذبح کرنے سے پہلے اون کا کاٹنا جائز ہے لہٰذا اس کی بیع بھی جائز ہے جیسے سبز چارہ جو زمین میں کھڑا ہو اس کی بیع جائز ہوتی ہے، اسی طرح اون کی بیع بھی بھیڑ کی پیٹھ پر جائز ہے۔

جو فقہاء اس بیع کو باطل کہتے ہیں ان کے نزدیک بطلان کی دلیل ہے۔ کہ حیوان پر اون کاٹنے کی جگہ میں اختلاف واقع ہوسکتا ہے جو ضرر تک مفضی ہوگا اور ضرر غرر پر مشتمل ہے اس میں ایک اور علت بھی ہے کہ فی الحال مبیع سپرد کرنے سے بائع عاجز ہوتا ہے، چونکہ اون وقتاً فوقتاً بڑھتی رہتی ہے یوں بیع کے وقت موجود اون غیر موجود اون کے ساتھ خلط ہوجائے گی اور ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔

ان دونوں حالتوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چرنے والی بکریوں کے تھنوں میں پڑے دودھ کی بیع جائز ہے البتہ صرف ایک بکری میں جائز نہیں ہوگی، بشرط یہ کہ جب دودھ دوہنے کے برتن کی مقدار معلوم ہو، جیسے دایہ کے دودھ کی بیع جائز ہوتی ہے، چونکہ غالب احوال میں لوگ دن مقرر کرکے اس بارے میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ گائے کے دودھ میں مقرر ایک ماہ کی چشم پوشی جائز ہوگی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بھیڑوں کی پیٹھ پر اون کی بیع صحیح ہے چونکہ اون سامنے نظر آرہی ہوتی ہے اور اس کا سپرد کرنا ممکن ہے۔

اس موقع پر حنابلہ کی بھی ایک روایت ہے کہ بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع جائز ہے بشرط یہ کہ فی الحال کاٹ کر حوالے کردی جائے، چونکہ اون سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے اور معلوم ہوتی ہے لہٰذا سپردگی ممکن ہے، ظاہر یہ بھی بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ❸

معدوم شئے کی بیع کے متعلق بعض حنابلہ کی رائے...... ابن قیم اور ان کے استاذ ابن تیمیہ نے عقد کے وقت معدوم شئے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے بشرط یہ کہ جب وہ چیز مستقبل میں بحسب عادت موجود ہو چونکہ کتاب وسنت میں معدوم چیز کی بیع کے متعلق ممانعت ثابت نہیں اور کلام صحابہؓ سے بھی ثابت نہیں، البتہ سنت میں بیع الغرر کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، یہ وہ چیز ہوتی ہے جس کی سپردگی پر قدرت نہ ہو،

---

❶ ......حدیث مرفوع مسند رواہ "طبرانی فی معجمہ عن ابن عباسؓ واخرجہ الدار قطنی والبیهقی" دیکھئے نصب الرأیة ۴/۱۱ نیل الاوطار ۵/۱۴۹۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۴/۱۱۳ البدائع علامہ کاسانی نے یوں کہا ہے کہ ظاہر الراویہ میں بیع منعقد نہیں ہوگی اس سے یہی مراد لی جاسکتی ہے کہ بیع فاسد ہے۔ ❸ دیکھئے تفصیل المبسوط ۱۲/۱۹۴، البدائع ۵/۱۳۹ فتح القدیر ۵/۱۹۲ رد المحتار ۴/۱۰۶ بدایة المجتهد ۲/۱۴۷ المسیر ۵/۹۷ مغنی المحتاج ۲/۳۰ المهذب ۱/۲۶۲ المغنی ۴/۲۰۸ سبل السلام ۳/۳۲ القوانین الفقهیة ص ۲۵۶ المحلی ۸/۴۵۸

برابر ہے کہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو جیسے بدکے ہوئے گھوڑے کی بیع، بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع، اس میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں نہ ہی عدم ہے اور نہ ہی وجود۔

بلکہ شریعت نے تو بعض مواقع میں معدوم شئے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے بدوصلاح (پھل ظاہر ہونے) کی بعد پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ دانوں کے سخت ہونے کے بعد دانوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقد موجود اور معدوم دونوں صورتوں پر وارد ہوا ہے۔ اسی تفصیل کے مطابق معدوم چیز کا جب مستقبل میں وجود مجہول ہو تو غرر کی وجہ سے بیع باطل ہوگی نہ کہ عدم کی وجہ سے چنانچہ یہاں ممانعت کی اصل غرر ہے۔ ❶

۲۔ **معجوز التسلیم کی بیع**......یعنی وہ چیز جسے سپرد کرنے پر بائع عاجز ہو اس کی بیع بھی باطل ہے۔ جمہور حنفیہ کی رائے ہے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں ہے کہ عقد کے وقت جس چیز کو سپرد کرنے سے بائع عاجز ہو تو وہ بیع منعقد نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز بائع کی مملوک ہو جیسے پرندہ جو مالک کے ہاتھ سے اڑ گیا ہو یا بھاگا ہوا غلام، لقطہ (گمشدہ چیز) یہ بیع باطل ہوگی، حتیٰ کہ اگر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لیا تو از سرنو ایجاب وقبول کیا جائے گا ہاں البتہ بائع اور مشتری دونوں اگر سابق ایجاب وقبول پر راضی ہو جائیں تو یہ بیع تعاطی ہوگی اور جائز ہوگی۔

اگر مجلس میں سپردگی پر بائع قادر ہو گیا تو بیع باطل ہونے کے بعد جائز نہیں ہوگی چونکہ بیع کا وقوع بطلان پر ہوا ہے، البتہ امام کرخی اور امام طحاوی کی ایک روایت ہے کہ بیع جائز ہوگی۔ اگر پرندہ ایسا ہو جو اڑ جاتا ہو اور پھر واپس لوٹ آتا ہو جیسے پالتو کبوتر تو ظاہر الروایہ میں ہے کہ اس کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی [illegible] فی الحال اس کی سپردگی جائز نہیں ہوتی، بعض حنفیہ کہتے ہیں: اگر پالتو پرندہ ہو جو گھر واپس لوٹ آتا ہو اور بے تکلف پکڑ لیا جاتا ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی ورنہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اگر ثمن ایسی چیز ہو جس کی سپردگی میں مشتری عاجز ہو تو بھی بیع باطل ہوگی، چونکہ جب ثمن کوئی چیز ہو تو وہ مالک ثمن کے حق میں مبیع ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں: بدکے ہوئے اونٹ، بھاگی ہوئی گائے اور مغصوب چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی، الا یہ کہ مغصوب چیز کی بیع غاصب کے ساتھ قرار پائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں جس چیز کی سپردگی پر قدرت نہ ہو اس کی بیع جائز نہیں ہوتی جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی، بدکا ہوا اونٹ، بھاگا ہوا گھوڑا، غاصب کے ہاتھ میں غصب کیا ہوا مال، بھاگا ہو غلام، برابر ہے مال کی جگہ کا علم ہو یا نہ ہو اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے کہ زمین یا گھر دشمن کے قبضہ میں ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ۔ ❷ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ان اشیاء کی ان احوال میں بیع غرر سے خالی نہیں ہوتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے منع فرمایا ہے، جانوروں کے پیٹوں میں پڑے ہوئے بچوں کو خریدنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ پیدا نہ ہو جائیں۔ اموال غنیمت کے خریدنے سے بھی منع فرمایا ہے حتیٰ کہ تقسیم ہو جائیں۔ ❸

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کو مت خریدو چونکہ اس میں غدر (دھوکا) ہے۔ ❹ پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت سے ممانعت کی علت غرر کو قرار دیا گیا ہے، اور پانی سے مراد وہ پانی ہے جو محصور نہ ہو جیسے دریاؤں اور سمندروں کا پانی، اگر پانی محصور ہو جیسے چھوٹے حوض کا پانی تو حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ فی الجملہ مچھلی کی بیع جائز ہے بشرطیہ

---

❶ ...دیکھئے اعلام الموقعین ۲/ ۸، مصادر الحق ۳/ ۴۰ الغرر واثره فی العقود ص ۳۵۶۔ ❷ بیع الحصاۃ سے مراد یہ ہے کہ بائع کہے جس چیز پر یہ کنکری پڑی وہ میں نے تمہیں فروخت کردی۔ ❸ رواه احمد وابن ماجة عن شهر بن حوشب عن ابی سعید الخدری (نیل الا وطار ۵/ ۱۴۹)۔ ❹ رواه احمد موقوفاً ومرفوعاً وكذا الطبرانی فی الكبير ورجال الموقوف رجال الصحيح۔

کہ مچھلی کا پکڑنا ممکن ہو۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، جبکہ مالکیہ نے حوض اور کنویں کے پانی میں بھی مچھلی کی خرید وفروخت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ ❶

خلاصہ.....مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو (جو بائع کی دسترس میں نہ ہو) اس کی بیع باطل ہے، اگرچہ بعض قیود میں اختلاف ہے اور مذہب میں کچھ اقوال ضعیف بھی ہیں۔

ظاہریہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کے صحیح ہونے میں یہ شرط نہیں کہ معقود علیہ مقدور التسلیم ہو جبکہ واجب یہ ہے کہ بائع، مشتری اور خرید کردہ سامان کے درمیان حائل نہ ہو۔

- دین کی بیع...... جیسے مبیع کے ثمن، بدل قرض، رخصتی کے بعد یا رخصتی سے پہلے مہر، منفعت کے مقابلہ کی اجرت، کسی قسم کی زیادتی کا تاوان، کسی چیز کو تلف کرنے پر لاگو ہونے والا تاوان، عوض خلع اور مسلم فیہ، دین کی بیع یا تو اس شخص کے لئے ہوگی جس کے ذمہ دین ہو یا مدیون کے علاوہ کسی اور کے لئے ہوگی دونوں حالتوں میں دین کی بیع یا تو فی الحال نقدی ہوگی یا مدت مقرر کر کے ادھار ہوگی۔

دین کی بیع جو ادھار ہو......اسے فقہی اصطلاح میں بیع الکالی بالکالی یا بیع الدین بالدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیع شرعاً ممنوع ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی (ادھار کی بیع ادھار) سے منع فرمایا ہے۔ ❷ حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین کی بیع دین سے (ادھار کی بیع ادھار سے) کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، برابر ہے کہ بیع مدیون کے لئے ہو یا غیر مدیون کے لئے۔

پہلی صورت کی مثال یہ ہے یعنی جب دین کی بیع مدیون کے لئے ہو۔ جیسے ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہے میں نے تم سے ایک دینار کے بدلہ میں ایک من گندم خریدی اس طور پر کہ ایک ماہ کے بعد دونوں عوض تمام ہوں گے۔ (یعنی ایک مہینہ کے بعد میں تمہیں ایک دینار دوں گا تم مجھے ایک من گندم دینا) یا کوئی شخص ایک مدت تک کے لئے کوئی چیز خریدے جب مدت پوری ہو جائے تو بائع قرضہ ادا کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے اور مشتری کہے مجھے ایک دوسری مدت تک کے لئے یہ چیز فروخت کر دو اور ساتھ کسی اور چیز کا اضافہ بھی کرو۔ چنانچہ وہ اسے فروخت کر دے لیکن ان دونوں میں باہمی قبضہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ سود ہے جو حرام ہے چونکہ یہاں یہ قرینہ پایا گیا کہ مشتری نے بائع سے کہا ہے کہ مقررہ مدت میں اضافہ کر دو میں تمہیں مقدار میں اضافہ کر کے دیتا ہوں۔ البتہ اگر دین کو کسی اور چیز کے بدلہ میں فروخت کیا جیسے ایک ہزار روپے جو اس کے ذمہ ہوں ان کے بدلہ میں کوئی سامان فروخت کرے یا مال کی ایک مقدار کے بدلہ میں دین فروخت کیا جو وہ شخص دے جس کے ذمہ قرضہ ہو۔ تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی چونکہ یہ بیع صلح کے معنی میں ہے۔

غیر مدیون کے لئے دین کی بیع کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے سے کہے میں نے تمہیں ایک من گندم فروخت کی جو کہ فلاں شخص کے پاس ہے اور وہ میری ہے اور تم ایک ماہ بعد اس کے بدلہ میں ایک ہزار روپے دینا۔ ❸ یا موجود سامان کے بدلہ میں دین کی بیع کی تو یہ بیع بھی صحیح نہیں چونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔

دین کی بیع فی الحال نقدی ہو......فقہاء کا اس بیع میں اختلاف ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اول: مدیون کے لئے دین کی بیع ہو......مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء نے مدیون کے ہاتھ دین کی بیع یا دین کا ہبہ جائز قرار دیا

---

❶.....البدائع ۲۹۵/۵ بدایۃ المجتہد ۱۵۶/۲ المہذب ۲۶۳/۱۔ ❷رواہ الدارقطنی عن ابن عمرؓ صححہ الحاکم علی شرط مسلم ورواہ الطبرانی عن رافع بن خدیجؓ ولکن تفرد بہ موسیٰ بن عبیدہ الربذی وفیہ کلام (نیل الاوطار ۱۵۶/۵)

❸سبل السلام ۴۵/۴، نیل الاوطار ۱۵۶/۵، الشرح الکبیر للدسوقی ۱۶۱/۳، المہذب ۲۶۲/۱۔

ہے، چونکہ دین کی بیع دین سے اس لئے ممنوع ہوتی ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی یہاں تو تسلیم (سپردگی) کی چنداں حاجت ہی پیش نہیں آتی، چنانچہ مدیون کے ذمہ میں جو کچھ ہوگا وہ اسے سپرد ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دائن مدیون سے دین کی بیع کرے جو کہ مدیون کے ذمہ ہو اور ثمن میں دوسرا دین ہو جو اس کی جنس سے نہ ہو، یوں مبیع کا دین ساقط ہو جائے اور اس کا عوض واجب ہو، چونکہ یہ صلح کے معنی میں ہے اور یہ جائز ہے، اس کی دلیل امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی: میں مقام بقیع میں اونٹ فروخت کرتا ہوں، اور دینار فروخت کر کے دراہم لے لیتا ہوں، دراہم فروخت کر کے دینار لے لیتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اسی دن کے نرخ پر لو، بشرط یہ کہ تم دونوں اس طرح الگ الگ ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' یہ بیع جو کہ دیناروں اور درہموں کے بیچ ہوتی تھی یہ دین کی بیع عین کے بدلہ میں ہوتی تھی اور اس شخص سے ہوتی تھی جس پر دین ہوتا، چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں دینار فروخت کرتا ہوں، یعنی بطور دین فروخت کرتا ہوں چونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دیناروں پر قبضہ نہیں کیا پھر ان دیناروں کو دراہم سے تبدیل کر لیتے تھے اور دراہم پر قبضہ کر لیتے۔

ظاہریہ کہتے ہیں مدیون کے ہاتھ دین کی بیع جائز نہیں، ابن حزم کہتے ہیں: چونکہ یہ مجہول چیز کی بیع ہے، جس کی عین معلوم نہیں ہوتی یہی تو باطل طریقہ سے مال کھانا ہے۔ ❶

دوم: غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع..... حنفیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں معجوز التسلیم چیز کی بیع جس طرح ناجائز ہے اسی طرح غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ دین مقدور التسلیم نہیں ہوتا، الا یہ کہ مدیون ہی کے ساتھ دین کی بیع کی جائے تو یہ جائز ہے، چونکہ دین ایسے حکمی مال سے عبارت ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے یا مال کی تملیک اور سپردگی سے عبارت ہے، ان سب صورتوں میں دین بائع کے حق میں مقدور التسلیم نہیں ہوتا۔ اگر مدیون پر سپردگی کی شرط بھی لگائی جائے تب بھی بیع صحیح نہیں ہوگی۔ چونکہ اس صورت میں بائع سپردگی کی شرط غیر پر تھونپ رہا ہے یہ شرط فاسد ہے لہٰذا بیع بھی فاسد ہے ❷ چونکہ مبیع کی سپردگی پر قدرت معدوم ہے۔

بعض شافعیہ..... کہتے ہیں: دین مستقر ❸ کی بیع مدیون اور غیر مدیون کے ہاتھ قبل از قبضہ جائز ہے۔ چونکہ بظاہر سپردگی پر قدرت ممکن ہے اور کوئی مانع بھی نہیں، دین مستقر کی مثال جیسے ضائع کی ہوئی چیزوں کی قیمت اور مقروض کے پاس موجود مال۔ ❹

البتہ اگر دین غیر مستقر ہو اور بیع سلم میں مسلم فیہ کی حیثیت سے ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ بسا اوقات مسلم فیہ ناپید ہو جاتی ہے اور اس کی سپردگی دشوار ہو جاتی ہے۔ نیز مسلم فیہ میں ملکیت غیر مستقر ہوتی ہے، لہٰذا بیع فسخ ہو جائے گی۔

اگر دین بیع میں ثمن کی حیثیت سے ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی حرج نہیں جب تم دونوں اس طرح جدا ہو جاؤ کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ رہے۔'' دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ یہاں ضائع ہونے سے عقد کے فسخ ہونے کا خدشہ نہیں ہے، لہٰذا یہ قبضہ کے بعد تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ بالاتفاق بیع الدین بالدین صحیح نہیں ہے خواہ یہ بیع نقود میں ہو یا اشیائے خورد و نوش میں، اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ امام نووی نے ''المنہاج'' میں لکھا ہے کہ غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ظاہر مذہب میں باطل ہے۔

---

❶..... المحلی ۹/۷ اصول البیع ص ۱۱۱۔ ❷ البدائع المرجع السابق۔ ❸ دین مستقر وہ ہوتا ہے جس کی ادائیگی ثابت ہو چکی ہو اور جس پر ملکیت لازم ہوگئی ہو اور سقوط کا کوئی احتمال نہ ہو۔ ❹ المھذب ۱/۲۶۲

حنابلہ..... کہتے ہیں: صحیح مذہب کے مطابق دین مستقر کی بیع مدیون کے ساتھ جائز ہے جیسے بدل قرض اور رخصتی کے بعد مہر، دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ صحیح نہیں، جیسے دین کا ہبہ ایسے شخص کو کرنا صحیح نہیں جس کے ذمہ اس کا قرض نہ ہو۔ چونکہ ہبہ معین چیز کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے اور وہ یہاں منتفی ہے، جیسے غیر مستقر دین کی بیع صحیح نہیں ہوتی، جیسے زمین کی اجرت مدت اجارہ گزرنے کے بعد اور رخصتی کے بعد عورت کا مہر، قبضہ کے بعد مسلم فیہ، البتہ ابن قیم نے دین کی بیع مدیون اور غیر مدیون کے ہاتھ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ❶

مالکیہ..... کہتے ہیں غیر مدیون سے دین کی بیع جائز ہے لیکن اس میں آٹھ شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے تا کہ غرر اور ربا (سود) سے دور رہے جیسے قبضہ سے پہلے غلے کی بیع، یہ آٹھ شرطیں مختصراً دو شرطوں میں سما جاتی ہیں۔

ا..... یہ بیع شرعی ممنوع تک نہ پہنچتی ہو جیسے سود، غرر وغیرہ سے پاک ہو، لہٰذا دین کا ایسا ہونا ضروری ہے جس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہوتی ہو، مثلاً مبیع اشیائے خور ونوش میں سے نہ ہو اور وہ ثمن معجّل (نقداً) فروخت ہوتا کہ دین کی بیع دین سے نہ ہو جائے، اور یہ کہ ثمن دین مبیع کی جنس میں سے نہ ہو یا اگر اسی جنس سے ہو تو برابر سرابر ہو تا کہ سود کا شائبہ بھی ختم ہو جائے، جب دین چاندی ہو تو ثمن سونا نہیں ہونا چاہئے تا کہ نقد کی بیع نقد ادھار کے زمرے میں نہ آئے، یہ ایک شرط میں چار شرائط ہیں۔

۲..... یہ کہ ظن غالب ہو کہ دین حاصل ہو جائے گا مثلاً مدیون سے جس شہر میں عقد ہو رہا ہو اس میں موجود ہو، تا کہ اس کے تنگدست یا مالدار ہونے کی حالت معلوم رہے، مدیون دین کا اقرار بھی کرتا ہو حتیٰ کہ اس کے بعد انکار نہ کر سکے، چنانچہ متنازع فیہ چیز کی بیع جائز نہیں ہے، یہ کہ مدیون دین کی ذمہ داری کی اہلیت رکھتا ہو یعنی نابالغ نہ ہو یا اس پر پابندی نہ ہو مثلاً دین مقدور التسلیم ہو اور مشتری اور مدیون کے درمیان کسی قسم کی عداوت نہ ہو تا کہ مشتری کا نقصان نہ ہو۔ ❷

یہ دوسری شرط ہے جس میں چار شرطیں آ گئی ہیں۔ مالکیہ کا مذہب راجح ہے، فی الواقع دین کی بیع دین سے جائز نہیں ہے، مثلاً ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو اور وہ اس دین کو ادھار فروخت کر دے، اسی طرح دین میں دین کا فسخ جائز نہیں۔ مثلاً قرض خواہ مدیون کو چلنے کے لئے پھل دے یا رہائش کے لئے گھر دے تا کہ قبضہ میں تاخیر رہے۔ ❸

ہنڈی کا حکم..... حنفیہ کہتے ہیں: ہمارے زمانے میں متعارف ہنڈی سسٹم کے ذریعے غیر مدیون تک روپے پہنچانا یا ایسے شخص تک پہنچانا جس پر سرکاری رقم ہو اور وہ روپے حق سے کم ملتے ہوں تو یہ ناجائز ہے۔ ❹

۳: بیع الغرر: غرر کا لغوی معنی..... کسی چیز کا معرض خطر میں ہونا، دھوکا دہی، کسی چیز کو ہلاکت پر پیش کرنا، لغت میں غرر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ظاہر محبوب ہو اور باطن ناپسند، اسی لئے تو دنیا کو متاع الغرور کہا گیا ہے، غرر، آدمی کا اپنے آپ کو یا اپنے مال کو ہلاکت کے لئے پیش کرنا، بیع الغرر، بمعنی مغرور (اسم مفعول) ہے، گویا مصدر کی اضافت اسم مفعول کی طرف ہوتی ہے، جبکہ بعض نے موصوف کی اضافت ❺ صفت کی طرف کے قول کو راجح قرار دیا ہے یا مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے، جبکہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف قرار دینا صحیح نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے چونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ غرر محل عقد کے ساتھ خاص ہے، جبکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، چونکہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ممنوع غرر کا مرجع وہ صفت ہوتی ہے جس پر عقد واقع ہو، جیسے بیع الحصاۃ، اگر ہم موصوف کی

---

❶..... المغنی ۱۲۰/۴، غایۃ المنتہیٰ ۸۰/۲ اعلام الموقعین ۳۸۸/۱ کشاف القناع ۳۳۷/۴۔ ❷الشرح الکبیر للدر دیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۶۳/۳ بدایۃ المجتہد ۱۴۶/۲ القوانین الفقہیۃ ۲۱۰ اصول البیوع الممنوعۃ ۱۰۹، الغرر وأثرہ فی العقود ص ۳۱۵۔ ❸القوانین الفقہیۃ ص ۲۷۹۔ ❹اصول البیوع الممنوعۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۱۲۰۔ ❺انظر رسالۃ الزمیل الدکتور الصدیق الامین الغرور اثرہ فی العقود ص ۶۲۔

اضافت صفت کی طرف یا مصدر کی نوع کی طرف قرار دیں تو اس صورت میں نہی غرر کی جملہ انواع بیع کو شامل ہوگی، برابر ہے غرر محل عقد میں ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع اور ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع یا غرر صیغۂ بیع میں ہو جیسے ایک بیع میں دو بیوع کا ہونا، بیع میں دو شرطیں، بیع الحصاۃ وغیرہ۔

لغت میں غرر دھوکہ کو بھی کہتے ہیں کہ تحقق کے وقت اس سے راضی کوئی نہیں ہوتا، گویا باطل طریقہ سے مال کھانے کا ایک ڈھنگ ہے، ❶ فقہی اعتبار سے غرر، غش، ملاوٹ، دھوکا دہی، جہالت معقود علیہ کو شامل ہے، غیر مقدور التسلیم ہونا بھی غرر کی قسم ہے، صغانی کہتے ہیں بیع غرر چند صورتوں میں متحقق ہوتی ہے، یا تو مقدور التسلیم نہ ہونے کی صورت میں جیسے بدکا ہوا گھوڑا اور بھاگا ہوا اونٹ فروخت کرنا، یا مبیع معدوم ہو یا مجہول ہو یا بائع کی ملک تمام نہ ہوتی ہو جیسے زیادہ پانی میں مچھلی کا ہونا وغیر ذالک۔ ❷

غرر فقہاء کی اصطلاح میں..... فقہاء نے غرر کی مختلف تعریفیں کی ہیں جو ایک دوسرے کے قریب المعنی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

حنفیہ میں سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر وہ ہے جو انجام کے اعتبار سے مستور الحال ہو۔ ❸

مالکیہ میں سے قرافی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اصول میں غرر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ آیا وہ حاصل ہوگی یا نہیں جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی۔ ❹

علامہ شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ جس کا معاملہ پردۂ خفاء میں لپٹا ہوا اور اس کا انجام مخفی اور پوشیدہ ہو۔ ❺

علامہ اسنوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ جو دو پہلوؤں میں متردد ہو اور اس میں غالب امکان اندیشے کا ہو۔ ❻

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ جس کا انجام پردۂ جہالت میں ہو، ابن قیم کہتے ہیں: جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو وہ غرر ہے، برابر ہے وہ موجود ہو یا معدوم ہو جیسے بھاگے ہوئے غلام کی بیع، بدکے ہوئے اونٹ کی بیع۔ ❼

ابن حزم کہتے ہیں: غرر یہ ہے کہ مشتری کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا خریدا ہے یا بائع کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا فروخت کیا ہے۔ ❽

خلاصہ..... بیع الغرر وہ ہوتی ہے جو معرض خطر میں ہو اور وہ خطرہ متعاقدین میں سے کسی ایک کو لاحق ہو، جو مال کے ضائع ہونے تک پہنچاتا ہو۔ ❾ استاذ زرقاء نے غرر کی یوں تعریف کی ہے: یہ ایسی احتمالی اشیاء کی بیع ہوتی ہے جن کا وجود متحقق نہ ہو چونکہ اس میں خطرہ مول لینا ہوتا ہے یا دھوکا دہی کا پہلو اس میں نمایاں ہوتا ہے جو کہ جوئے کے زیادہ مشابہ ہے، وہ غرر جو بیع کو باطل کر دیتا ہے وہ غرر الوجود ہے جس میں مبیع کے عدم اور وجود دونوں کا احتمال ہوتا ہے، رہی بات غرر الوصف کی سو وہ بیع کے لئے مفسد ہوتا ہے۔ ❿

جیسا کہ شرائط صحت میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔

مذکور بالا تفصیل کے بعد یوں کہا جائے گا کہ غرر وہ خطرہ ہے جس کا وجود غیر متحقق ہوتا ہے۔ بسا اوقات پایا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں بھی پایا جاتا۔ اور بیع الغرر وہ ہوتی ہے جس کا وجود اور عدم معلوم نہ ہو یا جس کی قلت و کثرت کا علم نہ ہو، یا جس کی تسلیم پر قدرت نہ ہو۔

مختلف تعریفات پر ملاحظات..... ظاہریہ نے غرر کو مجہول شئے پر مقصور کر دیا ہے، بعض حنفیہ نے غرر کو ایسی چیز پر مقصور کر دیا ہے جس کا حصول غیر معلوم ہو، گویا بعض حنفیہ نے مجہول کو غرر سے نکال دیا ہے جبکہ اکثر فقہاء کے نزدیک غرر نا معلوم الحصول اور مجہول دونوں کو شامل ہے۔ ⓫ گویا امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف راجح ہے، وہ یہ ہے کہ جس کا انجام مستور ہو وہ غرر ہے۔

---

❶..... سبل السلام ۱۵/۳۔ ❷ المراجع السابق القوانین الفقهیة ص ۲۵۶۔ ❸ المبسوط ۱۹۴/۱۲۔ ❹ الفروق ۲۶۵/۳۔
❺ المهذب ۲۶۲/۱۔ ❻ نهایة السول شرح منهاج الاصول ۸۹/۲۔ ❼ اعلام الموقعین ۹/۲۔ ❽ المحلی ۳۹۶/۸۔ ❾ اصول البیوع الممنوعة ص ۱۳۰۔ ❿ المدخل الفقهي العام ۱ ص ۹۷۔ عقد البیع وحاشیة ص ۲۰۔ ⓫ رسالة الغرر واثره فی العقود ص ۳۳۔

بیع الغرر کا حکم......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بیع غرر کے متعلق نہی اصل الاصول ہے اس کے ذیل میں بے شمار مسائل آتے ہیں اور بیع الغرر سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

۱......وہ چیز جو تبعاً بیع میں داخل ہو اس طور پر کہ اگر اسے جدا کر لیا جائے تو بیع صحیح نہ ہو جیسے عمارت کی بنیادیں اور جانور کی بیع میں تھنوں میں پڑے ہوئے دودھ کا تبعاً داخل ہونا۔

۲......جس چیز سے عادۃً چشم پوشی برت لی جاتی ہو یا تو اس کی حقارت کی وجہ سے یا اسے ممتاز کرنے میں مشقت ہوتی ہو جیسے اجرت کے ساتھ حمام میں داخل ہونا بمعہ زمانے میں لوگوں کے اختلاف کے، مستعمل پانی کی مقدار، محفوظ پانی کی باری، روئی کا بنا ہوا جبہ ❶ غرر کی وجہ سے غیر صحیح بیوع میں سے کچھ یہ ہیں۔ بیع المضامین وملاقیح، ❷ بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع الحصاۃ، ایک بار جال پھینکنے کی بیع، ایک بار غوطہ زنی کی بیع۔ ❸ آخری پانچ اقسام میں مبیع کی ذات ہی مجہول ہوتی ہے یا مقدار مجہول ہوتی ہے، حالانکہ ان کی مخالفت ثابت ہے اور یہ زمانۂ جاہلیت کی مشہور بیوع تھیں۔

غیر صحیح بیوع میں سے ایک بیع مزابنہ بھی ہے مزابنہ......درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بدلے اسے پھلوں کے ٹوٹے ہوئے دانوں کے فروخت کرنے کو کہا جاتا ہے یا بیلوں پر لگے ہوئے انگوروں کے بدلے میں کشمش کو فروخت کرنا بیع مزابنہ ہے۔

بیع محاقلہ......خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کو اندازے کے ساتھ خوشوں سے نکلی ہوئی گندم کے بدلے میں فروخت کرنا محاقلہ ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ اور بیع محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ ❹ چونکہ ان بیوع کی صورت میں مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور اس میں سود ہے۔ جبکہ سودی اموال میں برابری شرط ہے۔ البتہ شافعیہ حنابلہ، ظاہریہ اور مالکیہ نے راجح قول کے مطابق بیع عرایا کی رخصت دی ہے، ❺ عریہ شافعیہ کے نزدیک درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں اندازہ سے فروخت کرنا یا کشمش کو تول کر درختوں کے ساتھ لگے ہوئے انگوروں کے بدلہ میں اندازے سے فروخت کرنا، ان فقہاء نے پانچ وسق سے کم کم میں بیع عریہ جائز ہے، ❻ مالکیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ جب مجلس عقد میں قبضہ کر لیا گیا ہو۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے بدلہ میں پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیع عریہ کی سبھی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، اور عریہ کو ہبہ سے تعبیر کیا ہے وہ یوں کہ باغ کا مالک کسی شخص کو باغ کے چند درخت ہبہ کر دے پھر اس شخص کے بار بار باغ میں آنے سے مالک کو تکلیف ہوتی ہو اور وہ اندازے سے اسے کھجوریں دے دے، اور پھر ان کھجوروں کے بقدر اندازے سے تروتازہ کھجوروں سے انہیں خرید ے، یعنی تر کھجوروں کا اندازہ کر لے اور اتری ہوئی کھجوریں تول کر دے۔ ❼

---

❶......المجموع ۹ ص ۲۸۰ نیل الاوطار ص ۱۴۸ قواعد الاحکام للعزبن عبدالسلام ۲/ ۷۶۔ ❷ ایام جاہلیت میں چند عجب دلچسپ قسم کی بیع تھیں جن میں سے بیع المضامین والملاقح بھی ہے۔ ملاقیح "ملقوح" کی جمع ہے تولید کے اس مرحلہ کو کہا جاتا ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور مضمون "اس سے بھی پہلے مرحلہ کو کہا جاتا ہے جب حیوانی وجود مادہ منویہ کی صورت میں نر کی صلب میں رہتا ہے۔ یہ دونوں ہی بیع باطل ہیں۔ (قاموس الفقہ ج ۲/ ۳۶۰) ❸ ملامسہ لمس سے ہے بمعنی چھونا کہ جس کپڑے کو تم چھولو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔ منابذہ یعنی جس کپڑے کو تم پھینک دو یا جس کپڑے پر پتھر پھینک دو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔ منابذہ نبذ سے ہے بمعنی پھینکنا۔ بیع الحصاۃ یعنی جس چیز پر تم کنڈی رکھو وہ میں نے تمہیں فروخت کر دی، ایک بار کا جال پھینکنا کہ ایک بار جال پھینکوں گا جو پھنسی وہ میں نے تمہیں فروخت کر دی۔ ❹ اخرجہ البخاری ومسلم عن حدیث جابر بن عبداللہ ابی سعید، الخدری واخرجہ البخاری من حدیث ابن عباس۔ ❺ شافعیہ کے نزدیک بیع عرایہ یہ ہے کہ توڑی ہوئی کھجوروں کو تول کر درختوں پر تازہ لگی ہوئی کھجوروں کے اندازہ کے ساتھ فروخت کرنا، اور حنفیہ کے نزدیک یہ فقراء کو دیا ہوا عطیہ ہے۔ ❻ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور یہ کل ملا کر ۶۵۳ کلو گرام بنتے ہیں۔ ❼ دیکھئے نیل الاوطار ۵/ ۲۰۱ مختصر الطحاوی ص ۸۷۔

ملاحظہ رہے کہ یہ غیر صحیح بیوع کا سبب غرر ہے ان میں سے کچھ باطل ہیں اور کچھ فاسد، اور کچھ فقط فاسد ہیں جیسے ایک بار کے مال پھینکنے کی بیع، ایک بار غوطہ لگانے کی کمائی، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، بیع ملامسہ، منابذہ، بیع الحصاۃ مختلف کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع اور وہ بیع جس میں جہالت ہو، اس کے علاوہ جو بھی بیع ہے وہ باطل ہے۔ ❶

ملاقیح ومضامین کی بیع، حمل کے حمل کی بیع باطل ہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیوع سے منع فرمایا ہے، اور ان بیوع میں غرر بھی ہے جیسا کہ بیع المعدوم میں گزر چکا ہے۔

فی الجملہ بیع الغرر کے غیر صحیح ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت مت کرو چونکہ اس میں غرر ہے۔ ❷ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ غیر مقدور التسلیم ہوتی ہے اور اس میں فحش قسم کی جہالت ہے جو کہ محل عقد میں پائی جاتی ہے یا مبیع کی مقدار میں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ محل عقد بائع کا مملوک نہیں ہوتا۔

غرر یسیر (تھوڑا بہت غرر)......غرر اور جہالت کی تین اقسام ہیں: ❸ جس میں غرر اور جہالت کثیر ہو اور بالا جماع ممتنع ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندوں کی بیع، جہالت قلیل ہو اور بیع جائز ہو جیسے گھر کی بنیادوں اور جبہ میں روئی کی مقدار کی جہالت۔ جہالت متوسط قسم کی ہو یہ قسم مختلف فیہ ہے کیا اسے قسم اول کے ساتھ ملحق کیا جائے یا قسم ثانی کے ساتھ، چنانچہ جہالت قلیل سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے اسے کثیر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور جہالت کثیر سے کمتر ہوتی ہے اس لئے اسے قلیل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، حنفیہ نے ایسی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جس میں غرر یسیر ہو، جیسے چھلکے میں پوشیدہ اشیاء مثلاً اخروٹ، بادام، ہرا لوبیا، چاول، تل، خوشوں میں پڑی گندم، خربوزہ، انار وغیرہ۔ البتہ مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، اس کی تفصیل خیار کی بحث میں آیا چاہتی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے مطلقاً ایسی چیز کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جس میں غرر یسیر ہو یا غرر یسیر کی ضرورت پڑ گئی ہو جیسے مذکورہ اشیاء۔

شافعیہ نے مذکور بالا اشیاء کی بیع اندر کے چھلکے میں جائز قرار دی ہے جبکہ اوپر کے چھلکے کے ہوتے ہوئے بیع کے متعلق ان کی دو رائیں ہیں، امام نووی، امام بغوی اور شیرازی نے عدم صحت کو راجح قرار دیا ہے جبکہ امام الحرمین اور امام غزالی نے صحت کو راجح قرار دیا ہے، چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہرے لوبیے کو خریدنے کا حکم دیا تھا، نیز سبھی شہروں میں یہ بیع عام متعارف ہے اور اس میں کسی کا انکار بھی نہیں۔ ❹

بیمہ کا حکم اور اسلام میں بیمہ کمپنیوں کا حکم (انشورنس)......بیمہ کا نظام جدید ہے، بیمہ حقیقی معنی میں چودھویں صدی میلادی میں اٹلی میں متعارف ہوا ہے، اس وقت بحری بیمہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، بیمہ کی دو قسمیں ہیں:

۱......بیمہ تعاونی ۲......اور بیمہ بالقسط۔ ❺

بیمہ تعاونی......یہ ہے کہ چند آدمی مل کر اپنی بچت میں سے مشترک طور پر رقم جمع کرتے رہیں تا کہ ان میں سے اگر کسی کا کوئی نقصان ہو تو بطور عوض اسے دے دیں۔ عملی زندگی میں بیمہ کی اس قسم کا نفاذ بہت کم ہے۔

---

❶......بعض مؤلفین کو التباس ہو گیا ہے کہ انہوں نے حنفیہ کے نزدیک ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع اور پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع کو فاسد قرار دیا ہے جبکہ وہ باطل ہیں چونکہ غیر مملوک شئے کی بیع ہے دیکھئے رد المحتار ۴/۱۱۱۔ ❷ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ ❸ دیکھئے الفروق ۳/۲۶۵۔ ❹ دیکھئے المبسوط ۱۲/۱۹۴ تبیین الحقائق ۴/۴۵، فتح القدیر ۵/۱۰۶ البدائع ۵/۱۴۷ بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۱ القوانین الفقہیۃ ۲۵۶ الفروق للقرافی ۱/۱۵۰ المغنی ۴/۵۶ المہذب ۱/۲۶۳ وغیرہا۔ ❺ التامین فی القانون المصر المقابن للدکتور عبدالمنعم البدروی ص ۳۶۔

قسط وار بیمہ (کمرشل انشورنس)...... یہ ہے کہ کھاتہ دار مقررہ قسط بیمہ کمپنی میں جمع کراتا ہے۔ بیمہ کمپنی حصہ دار افراد کی بنائی ہوئی کمپنی ہوتی ہے۔ پھر جب مقررہ پالیسی کی ادائیگی مکمل ہوجاتی ہے تو کمپنی رقم واپس کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ بیمہ کی یہ قسم آج کل رائج ہے، کمپنی رقم یا تو کھاتہ دار کو دیتی ہے یا اس کے ورثہ کو دیتی ہے یہ عقد معاوضہ ہے جو طرفین کو لازم ہوتا ہے۔

انشورنس کی دونوں قسموں میں فرق...... تعاون پر مبنی انشورنس کھاتہ داروں کی طرف سے کوئی مستقل حالت کی حامل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے ارکان حصول نفع کی تگ ودو میں ہوتے ہیں۔ بلکہ ارکان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ خسارہ کم سے کم ہو، رہی بات قسط وار کمرشل انشورنس کی سو اس میں جمع شدہ رقم پر کمپنی کو دسترس حاصل ہوتی ہے اور کمپنی نے منافع کا ایک ہدف مقرر کیا ہوتا ہے جو کھاتے دار شرکاء کو ایک حساب سے ملتا ہے، اور بعض دفعہ کھاتا دار ایسی چیز نہیں لے سکتا جو عقود معاوضہ سے متعلق انشورنس سے خارج نہ ہو، چونکہ عقد احتمال کی طبع میں سے ہے کہ عاقدین میں سے کسی ایک کو بسا اوقات کوئی عوض حاصل نہ ہو۔

باہمی تعاون پر مبنی انشورنس کا حکم...... اسلام میں تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز میں کوئی شک نہیں یہ یہ عقد تبرع ہے اور نیکی واحسان کے قبیل میں سے ہے، چونکہ ہر شریک خوش دلی اور رضامندی سے پیش آنے والے خطرات کو کم سے کم کرنے کے لئے اپنا حصہ دیتا ہے، برابر ہے کہ انشورنس کی یہ صورت بیمۂ زندگی ❶ کے متعلق ہو یا حوادث جسمانیہ کے متعلق ہو یا اشیاء کے متعلق ہو جو آگ، چوری یا موت سے معرض نقصان میں چلی جائیں یا سفر کے حوادث کی ذمہ داری کے متعلق ہو یا کاروبار کے حوادث کے متعلق ہو۔ ❷ باہمی تعاون پر مبنی انشورنس گاڑیوں میں بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی ایسی انشورنس جائز ہے جیسے بڑھاپے میں، حالت مرض میں اور بے روزگاری کی حالت میں دی ہوئی رقم جو اس انشورنس نظام سے منہا ہوتی ہو۔

کمرشل انشورنس: ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ...... ابن عابدین نے بحری انشورنس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ❸ چنانچہ سمندری نقل وحمل جو کشتیوں کے ذریعہ ہوتی ہے میں ضائع ہوجانے والے سامان کا ضمان لینا جائز نہیں، اور ضائع ہونے والے مال کا بدل تاجر کے لئے لینا حلال نہیں اس کے تین اسباب ہیں۔

۱...... چونکہ اس عقد میں ایسی چیز کا التزام کیا جاتا ہے جو فی الواقع لازم نہیں ہوتی چونکہ یہاں ضمان کے اسباب اربعہ جو شریعت نے مقرر کر رکھے ہیں میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا، وہ چار اسباب یہ ہیں: قتل کی صورت میں، ظلم وزیادتی، دیوار وغیرہ کا گرنا یا آگ لگا دینا وغیرہ۔ سبب اتلاف جیسے شارع عام میں کنواں کھود دینا، غیر معتمد ہاتھ کا ہونا جیسے نقب، چوری وغیرہ، اور کفالت، انشورنس میں کمپنی کی طرف سے ظلم وزیادتی ہوتی ہے (ہمارے زمانہ میں زیادتی تیسرے شخص کی طرف سے ہوتی ہے اور کمپنی نقصان برداشت کرتی ہے) نہ ہی کمپنی تلف کا سبب بنتی ہے، چوری اور غصب وغیرہ میں کمپنی کا ہاتھ نہیں ہوتا، اور انشورنس میں کوئی معین مکفول نہیں ہوتا۔

۲...... انشورنس ودیعت (امانت) کے ضمان میں سے بھی نہیں جبکہ ودیعت کے ضائع ہونے پر جرمانہ لیا جائے، چونکہ مال صاحب بیمہ کے پاس نہیں ہوتا، بلکہ مال تو کشتی بان کے پاس ہوتا ہے، اگر کشتی بان ہی صاحب بیمہ ہو تو پھر وہ اجیر مشترک ہے، امین نہیں، اجیر مشترک اور امین پر ایسی صورت میں ضمان نہیں ہوتا جس سے احتراز ناممکن ہو جیسے موت، غرق، آگ کا لگ جانا وغیرہ۔

۳...... انشورنس کو ضمان غرر میں سے بھی نہیں قرار دیا جاسکتا چونکہ دھوکا دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معرض خطر کو جانتا ہو اور دھوکا کھانے والا (مغرور) معرض خطر سے ناواقف ہو جبکہ بیمہ کمپنی تاجروں کو دھوکا دینے کا قصد نہیں کرتی اور نہ ہی اسے معرض خطر کا علم ہوتا ہے مثلاً

---

❶...... یعنی جو شریک مرگیا اس کے ورثاء کو جمع شدہ رقم میں سے سب شرکاء مل کراتنے فیصد رقم دیں گے مثلاً۔ ❷ دیکھئے الغرر واثره في العقود للدكتور الصديق محمد امين الضرير ص ۵۲۱۔ ❸ ردالمحتار ۲۷۳/۳۔

کمپنی کو کیا پتہ کہ کمپنی ڈوب جائے گی یا نہیں؟

البتہ اگر کمپنی یا تاجر کو خطرات کا علم ہو مثلاً چور یا قزاق کا علم ہو تو اس صورت میں ضمان جائز ہوگا، لیکن اس صورت پر انشورنس کا انطباق نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا اس راستے پر جاؤ اگر کوئی خوف لاحق ہو اور تمہارا مال چھین لیا گیا تو میں ضامن ہوں گا، اگر مال لوٹا گیا تو وہ ضامن ہوگا۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر انشورنس کا عقد فاسد دارِ حرب (دشمن کے شہر) میں کھاتہ دار اور غیر مسلم حربی شریک کے ساتھ ہو، دار حرب میں موجو کھاتہ دار تاجر اور کمپنی کے درمیان ہو اور پہلی صورت میں ضائع ہونے والے مال کا بدل لے لیا اور مسلمان تاجر کو بھیج دیا یا دوسری صورت میں تاجر نے ہمارے ملک میں بدل لیا تو بظاہر تاجر کا لیا ہوا مال حلال ہے چونکہ دار حرب میں عقد فاسد ہوا ہے اور اہل دار حرب کی رضا مندی سے مال تاجر تک پہنچا ہے۔ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر عقد ہمارے ملک میں ہو اور مال پر قبضہ دار حرب میں ہو تو بدل کا لینا حلال نہیں، اگر چہ اس میں حربی راضی ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ اس کی بنیاد عقد فاسد پر ہے جو دار الاسلام میں صادر ہوا ہے۔

انشورنس مضاربت نہیں...... انشورنس کو شرکت مضاربت کے قبیل میں سے بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مضاربت میں مال ایک طرف سے ہوتا ہے اور کام دوسری طرف سے۔ دو وجوہ کی بنیاد پر ہم انشورنس کو مضاربت قرار نہیں دے سکتے۔

اول...... سالانہ قسطیں جو کھاتہ دار کمپنی میں جمع کراتا ہے تو انشورنس کمپنی کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، ان قسطوں سے جمع شدہ رقم کے متعلق کمپنی کو مکمل دسترس حاصل ہوتی ہے کہ وہ ان میں جیسے چاہیں تصرف کریں اگر کوئی حادثہ نہ پیش آئے تو کھاتہ دار کا خسارہ ہوتا ہے۔

دوم...... مضاربت صحیح ہونے کی یہ بھی ایک شرط ہے کہ منافع پیسہ لگانے والے مالک اور کاروبار کرنے والے کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہونا چاہئے مثلاً نصف نصف ہو یا ایک تہائی ہو یا چوتھائی ہو۔ لیکن انشورنس میں کھاتہ دار کے لئے منافع کی مخصوص شرح مقرر ہوتی ہے جو ۳ فیصد یا ۴ فیصد یا اس سے زیادہ ہوتی ہے یہ بہرصورت کھاتہ دار کو ملتی رہتی ہے۔ گویا یہ مضاربت بھی صحیح نہیں۔ اگر عاقد اس سبب کو تجاوز کر جائے اور سبب اول ہو جیسے کھاتہ دار کی موت کی صورت میں انشورڈ رقم مطلق ورثہ کو نہیں ملتی وہ تو استفادہ کرنے والے کو ملتی ہے جبکہ مضاربت میں اگر رب المال (مالک) مر جائے تو رأس المال اور منافع رب المال کو ملتا ہے۔

انشورنس ضمان یا کفالت بھی نہیں...... چونکہ ضمان کے چار اسباب ہیں انشورنس ان میں سے کوئی سبب نہیں، انشورنس کی بہت ساری ایسی صورتیں ہیں جن میں مکفول کا اعتبار ممکن نہیں ہوتا، اگر مکفول پایا بھی جائے جیسے گاڑیوں وغیرہ کے حوادث کی صورت میں تو بھی مکفول مجہول ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انشورنس عقد غرر ہے، اور یہ ایسا احتمالی عقد ہے، جس میں معقود علیہ عدم وجود کے مترادف ہوتا ہے، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، اس پر مالی معاوضات کو قیاس کیا گیا ہے۔ لہٰذا غرر جس طرح عقد بیع میں اثر کرتا ہے اسی طرح مالی معاوضات میں بھی اثر کرتا ہے۔

انشورنس کمپنیوں کے ساتھ عقد بیمہ معاوضات مالیہ میں سے ہے، لہٰذا اس میں غرر کو تاثیر ہوگی جس طرح بقیہ مالی معاوضات کے عقود میں غرر کو تاثیر ہوتی ہے۔ چنانچہ ماہرین شریعت نے انشورنس کو ''عقود الغرر'' کے ذیل میں ذکر کیا ہے، چونکہ انشورنس کا انعقاد مستقبل میں پیش آنے والے حادثہ پر ہوتا ہے جو کہ متحقق الوقوع نہیں ہوتا یا اس کا وقوع غیر معروف ہوتا ہے، لہٰذا غرر عقد انشورنس کو لازم ہونے والا عنصر ہے۔

انشورنس میں غرر کا وجود بکثرت واقع ہوتا ہے، غرر یسیر نہیں بلکہ کثیر ہے اور نہ ہی غرر متوسط ہے چونکہ انشورنس کا رکن ''پیش آمدہ

خطرات ہیں، جبکہ خطرات کا احتمال ہی ہوتا ہے اور یہ عاقدین کے ارادہ پر موقوف نہیں ہوتے۔ ❶

البتہ وہ حاجت جس کی وجہ سے غرر پر مشتمل عقد جائز ہو جاتا ہے اگر چہ غرر کثیر ہی کیوں نہ ہو اس پر شرط ہے کہ حاجت یا تو عامہ ہو یا کسی گروہ کے ساتھ خاصہ ہو یا متعین ہو۔ حاجت سے مراد ایسی حالت ہے کہ جس میں انسان اگر ممنوع کا ارتکاب نہ کرے تو نہایت مشقت اور تنگی میں پڑ جائے البتہ ہلاک نہ ہو۔ ❷

حاجت عامہ......اس سے مراد وہ حاجت ہے جس میں احتیاج (محتاجی) سبھی لوگوں کو ہو۔

حاجت خاصہ......اس سے مراد وہ حاجت ہے جس کی محتاجی لوگوں کے کسی گروہ کے ساتھ خاص ہو جیسے کسی ایک شہر کے رہنے والے لوگ یا ایک پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ۔

حاجت متعینہ......سے مراد یہ ہے کہ غرض تک رسائی حاصل کرنے کے سبھی مشروع راستے مسدود ہو جائیں البتہ صرف یہی ایک راستہ عقد ہو جس میں غرر ہو۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ عصر حاضر میں انشورنس کے لیے حاجت عامہ کی راہ اختیار کی گئی ہے تو پھر اس کی حاجت غیر متعین ہے، چونکہ اس کے ذریعے حاصل ہونے والے ہدف کو تعاون پر مبنی انشورنس سے بھی تو حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرنے کا وہ واسطہ بھی لغو ہو جاتا ہے جسے شرکت ضمان سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا تعاون پر مبنی انشورنس کو چھوڑ کر کمرشل انشورنس کو اختیار کرنا ایسا عقد معاوضہ ہے جو غرر کثیر پر مشتمل ہے اور اس کی کوئی حاجت بھی نہیں ہوئی لہٰذا اسلام میں یہ انشورنس ممنوع ہوگی۔

مذکور بالا تفصیل سے یہ حکم بھی پوری شفافیت کے ساتھ آشکارہ ہو جاتا ہے کہ تاجر اور انشورنس میں حصہ لینے والوں کے لئے ضائع ہونے والے مال کے بدلہ میں ضمان لینا حلال نہیں۔ چونکہ یہ ایسا مال ہوتا ہے جو فی الواقع لازم نہیں ہوتا دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امین (امانت رکھنے والے) پر ضمان کی شرط لگانا امر باطل ہے۔

انشورنس اور انشورنس کا واپس کرنا:

عقد انشورنس کی تعریف......مصری قانون م ۷۴۷ اور سعودیہ کے قانون م ۱۳۰ وغیرہ میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ انشورنس ایسا عقد ہے جس میں بیمہ کمپنی اپنے مقتضا (من مانی) کا التزام کرتی ہے کہ کمپنی حصہ دار یا پالیسی ہولڈر جس کے لئے انشورنس کی شرط لگائی گئی ہو کہ ایک مقدار تک مال ادا کرے گی یا طے شدہ انکم (آمدنی) دے گی یا کسی بھی قسم کا مالی معاوضہ دے گی، جو حادثہ پیش آنے کی صورت میں کمپنی دے یا عقد میں بیان کردہ خطرات کے پیش آنے پر دے، یہ مالی معاوضہ قسط وار ادائیگی کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا یہ معاوضہ کسی بھی صورت میں کمپنی کھاتہ دار کو دے گی۔

(انشورنس عصر حاضر کی ایسی اصطلاح ہے جس سے ہر کس و ناکس واقف ہے یہ ایسا عقد ہے جس میں کھاتہ دار طے شدہ سالانہ قسط جمع کرتا ہے تاکہ پیش آمدہ حادثات وخطرات میں کمپنی اسے معاوضہ دے۔)

اس تعریف سے کمرشل انشورنس کی بھی ایک گونا وضاحت ہو جاتی ہے، کمرشل انشورنس، بیمہ کمپنی اور پالیسی ہولڈر (کھاتہ دار) کے درمیان طے پاتی ہے، کھاتہ دار کو ایک اسکیم پر معاہدہ کرنا ہوتا ہے اور پھر قسطیں جمع کرانی ہوتی ہیں پھر خطرات وحوادث پیش آنے کی صورت میں کمپنی نقصان کی تلافی کرتی ہے۔ انشورنس کی یہ قسم عقود احتمالیہ اور عقود معاوضہ مالیہ میں ہے، کمپنی کی طرف سے دیا گیا معاوضہ تبرع نہیں ہوتا۔

---

❶......انظر الغرر واثرہ فی العقود للدکتور الصدیق محمد امین الضریر ص ۶۵۲۔ ❷ الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۷۷۔

اس تعریف سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ انشورنس عقود غرر میں سے ہے چونکہ بوقت عقد عاقدین (کھاتہ دار یا بیمہ دار اور کمپنی) میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کتنا مال دے گا یا کتنا مال لے گا چنانچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیمہ دار صرف ایک ہی قسط جمع کرپاتا ہے کہ حادثہ پیش آجاتا ہے یا پوری قسطیں جمع کروادیتا ہے اور حادثہ پیش نہیں آتا۔

اسی طرح انشورنس باہمی رضامندی سے طے ہونے والے عقود میں سے ہے یہ عقد طرفین کو لازم ہوتا ہے، یہ عقود مدت میں سے ہے، لہٰذا اتنے عرصے کا ہونا ضروری ہے تاکہ طرفین کے معاہدے نافذ ہوجائیں یہ عقود اذعان میں سے ہے چونکہ بیمہ دار کو شرائط اور قیودات کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو کہ کمپنی کی طرف سے عائد کردہ ہوتی ہیں۔

تامین (انشورنس) کی اقسام.....انشورنس کی دو قسمیں ہیں۔

تامین تعاونی (Mutual insurance).....اس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت آپس میں شریک ہولیتی ہے جو طے شدہ فنڈ جمع کرلیتی ہے اور پھر جس شخص کا کوئی نقصان ہو تلافی کے لئے جمع شدہ رقوم میں سے اسے فنڈ دے دیا جاتا ہے۔

(۲) التامین التجاری، کمرشل انشورنس (Commercial insurance).....اس کا حاصل یہ ہے کہ جب تأمین یا انشورنس کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی قسم مراد لی جاتی ہے، چنانچہ بیمہ دار کو اس صورت میں کمپنی کو مقررہ قسط ادا کرنی پڑتی ہے اور یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ نقصان کی صورت میں کمپنی بیمہ دار کے نقصان کی تلافی کرے گی، چنانچہ اگر کوئی حادثہ نہ پیش آئے تو بیمہ دار کی ادا کردہ اقساط نا قابل واپسی ہوتی ہیں بلکہ کمپنی ان اقساط پر اپنا حق جتلا کر براجمان ہوجاتی ہے۔ کمرشل انشورنس کی درج ذیل اقسام ہیں۔

ا: تأمین الأضرار.....اس کا حاصل یہ ہے کہ انشورنس کی یہ صورت خطرات کو شامل ہے جو بیمہ دار کی ذمہ داری میں مؤثر ہوتے ہیں تاکہ اس کے ہونے والے نقصان کی تلافی ہوسکے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

تامین المسؤلیۃ (تھرڈ پارٹی انشورنس Third party insurance).....جس کا حاصل یہ ہے کہ بیمہ دار پر مستقبل میں کوئی بھی ذمہ داری عائد ہوسکتی ہے اس ذمہ داری سے نمٹنے کے لئے انشورنس کرائی جاتی ہے جیسے سڑک کے حادثات اور کاروبار کے حادثات میں ہونے والے نقصان کی تلافی کمپنی کرتی ہے۔

تامین الاشیاء (ساز وسامان کا بیمہ Goods insurance).....تلافی نقصان کے لئے بیمہ دار کو دیا جانے والا معاوضہ ہوتا ہے جو کہ نقصان کی وجہ سے دیا جاتا ہے مثلاً سامان چوری ہوجائے یا جل جائے یا سیلاب میں بہہ جائے یا آفات سے کھیتی تباہ ہوجائے۔

۲: تأمین الحیاۃ یا بیمہ زندگی (Life insurance).....اس کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی بیمہ دار کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے کہ اگر مقررہ مدت کے اندر اندر بیمہ دار کا انتقال ہوگیا تو انشورنس کمپنی طے شدہ رقم اس کے ورثاء کو ادا کرے گی یا بڑھاپے میں اسے دے گی یا کوئی بیماری لاحق ہوئی تو رقم بیمہ دار کو دے گی۔

جسمانی حوادث پیش آنے کی صورت میں بھی بیمہ کروالیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی بیمہ دار کیساتھ معاہدہ کرلیتی ہے کہ اگر اسے کوئی جسمانی حادثہ پیش آگیا تو کمپنی اسے طے شدہ رقم ادا کرے گی۔ یا بیمہ دار مرجائے تو اس کے ورثاء کو دے گی۔

عموم وخصوص کے اعتبار سے انشورنس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ بیمہ شخصی: تامین خاص یا تامین فردی.....بیمہ کی یہ قسم معین خطرات میں صرف بیمہ دار کی شخصیت کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔

۲۔اجتماعی انشورنس یا تامین عام(Grope insurance)......یہ قسم چند افراد کے مجموعہ پر مشتمل ہوتی ہے یہ افراد کسی کاروبار میں شریک ہوتے ہیں اور انہیں نقصان کی صورت میں تلافی کی سہولت میسر ہوجاتی ہے جیسے بیماری، بڑھاپا، بے روزگاری وغیرہ، انشورنس کی یہ صورت غالب احوال میں جبری ہوتی ہے، سرکاری سطح میں ہونے والی انشورنس اسی قبیل میں سے ہے۔

تأمین (انشورنس) کے متعلق فقہ اسلامی کا موقف......تعاون پر مبنی انشورنس کے جواز میں فقہائے مسلمین کے ہاں کوئی شک نہیں چونکہ یہ ایک قسم کا تبرع ہے، اور شرعی طور پر نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی قبیل میں سے ہے، چونکہ ہر حصہ دار دلی رضامندی سے فنڈ جمع کرتا ہے، تاکہ پیش آمدہ خطرات اور حوادث سے نبرد آزما ہوسکے، تأمین کی یہ صورت خواہ زندگی کے متعلق ہو یا جسمانی حوادث کے متعلق ہو یا سازوسامان کے متعلق ہو، یا سفر میں پیش آمدہ ذمہ داریوں کے متعلق ہو یا کاروبار کے حادثات کے متعلق ہو جائز ہے چونکہ انشورنس کی اس قسم میں نفع کمانا مقصود نہیں ہوتا۔ تعاون پر مبنی انشورنس کی بنیاد پر سوڈان میں تعاونی انشورنس کی بہت ساری کمپنیاں وجود میں آئی ہیں جو اپنے مقاصد میں بڑی سرعت سے کامیاب ہورہی ہے۔ اسی طرح جبری انشورنس جو سرکاری ملازمین پر حکومت لازم کردیتی ہے وہ بھی جائز ہے چونکہ یہ حکومت کو ٹیکس دینے کے معنی میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے گاڑیوں پر لاگو کی گئی انشورنس ہوتی ہے۔

اجتماعی انشورنس (گروپ انشورنس) کے جواز میں کوئی مانع نہیں چونکہ یہ انشورنس پیش آنے والے کڑے حالات بے روزگاری بڑھاپا، بیماری، ریٹائرمنٹ وغیرہ میں ایک تعاون ہے، چونکہ حکومت ایسے حالات کے پیش آنے میں اپنی رعایا کی جواب دہ ہوتی ہے، نیز انشورنس کی اس قسم میں سود، غرر اور جوئے کا شائبہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ قاہرہ میں منعقد ہونے والی دوسری کانفرنس منعقدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء م میں علمائے مسلمین نے اور علمائے مسلمین کی ساتویں کانفرنس منعقدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء نے تامین اجتماعی (گروپ انشورنس) اور تعاون پر مبنی انشورنس کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء م میں مکہ مکرمہ میں مجمع الفقہ الاسلامی نے اسی جواز کی قرارداد کو پاس کیا ہے۔

رہی بات تأمین تجاری (کمرشل انشورنس) کی تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، عصر حاضر کے اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء م میں منعقد ہونے والی ''**المؤتمر العالمی الاولٰی للاقتصاد الاسلامی**'' نے یہی قرارداد منظور کی تھی، اس کے ناجائز ہونے کا سبب دو امور میں منحصر ہے۔

۱.....سود۔ ۲.....غرر

۱۔سود......کمرشل انشورنس میں سود کے ہونے سے کسی کو انکار نہیں چونکہ انشورنس معاوضہ ایسے سرچشمہ کی پیداوار ہے جو قطعی طور پر مشکوک ہے چونکہ انشورنس کمپنیاں اپنے اموال کو سود میں لگادیتی ہیں اور پھر پالیسی ہولڈر کو حاصل شدہ منافع کا حصہ دیتی ہیں جبکہ اسلام میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔

اور جو لوگ کمرشل انشورنس کے جواز کے قائل ہیں وہ انشورنس کمپنیوں کے سودی معاملات سے کمائے ہوئے نفع کی طرف چنداں نظر نہیں کرتے۔ جبکہ دونوں عاقدین کھاتہ دار اور کمپنی کے درمیان سود کا ہونا واضح ہے چونکہ قسطوں سے جمع کی ہوئی رقم اور عوض میں ملنے والی رقم یکساں نہیں ہوتی، چنانچہ کمپنی کی دی ہوئی رقم جمع کردہ اقساط سے کم ہو یا زیادہ یا ان کے برابر ہوا ایسا ہونا نادر الوقوع ہے۔

یہ طے شدہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے ادائیگی اقساط جمع کرنے کے بعد ہوتی ہے چنانچہ معاوضہ میں دی ہوئی رقم اگر جمع کردہ اقساط سے زیادہ ہو تو لامحالہ زائد رقم سود ہے اور ربانسیہ ہے، اگر ادا کی ہوئی رقم اقساط کے مساوی ہو تو اس میں ربانسیئہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔

شبہ......اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کمرشل انشورنس تو جبر نقصان کے باہمی تعاون، حوادثات اور مصائب سے نبرد آزما ہونے کی بنیاد پر

قائم ہے،اوراس اساس میں ربا یا شبہۃ الربا نہیں ہوتا۔

جواب.....کھاتہ دار بسا اوقات تو صرف سودی کمائی کا ارادہ کرتا ہے اور انشورنس کے معاوضہ میں ربا باقی رہتا ہے چونکہ معاملات ربویہ (سودی معاملات) میں فوائد کا حاصل کرنا ہی سود ہے۔(بلکہ لوگوں کو تو یہی جھانسہ دیا جاتا ہے کہ قسط وار ایک لاکھ جمع کرو تمہیں تین لاکھ ملیں گے۔)

۲۔غرر.....غرر کا ایک معنی دھوکا ہے البتہ انشورنس کا معاملہ عاقدین میں طے شدہ شرائط کے تحت منعقد ہوتا ہے لہٰذا دھوکہ کا معنی مراد نہیں ہوسکتا۔دوسرا معنی ''خطر'' ہے خطر سے مراد ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لئے نفع ایسی شرط پر موقوف کردیا جائے جس کا ہونا اور نہ ہونا غیر یقینی ہو،یہی معنی یہاں مراد ہے۔چنانچہ انشورنس میں غرر کا معنی واضح ہے چونکہ عقد انشورنس میں معقود علیہ احتمالی ہوتا ہے جو کہ عدم اور وجود میں متردد ہوتا ہے،چنانچہ صحیح حدیث جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔❶ معاوضات مالیہ کو بیع پر قیاس کیا گیا ہے،لہٰذا معاوضات مالیہ میں غرر اثر کرے گا جیسے عقد بیع میں اثر کرتا ہے۔''

چنانچہ کمپنیوں کے ساتھ انشورنس کا معاملہ معاوضات مالیہ میں سے ہے،عقود تبرع میں سے نہیں ہے،ماہرین قانون نے انشورنس کو عقود غرر کے عنوان کے ذیل میں رکھا ہے۔چونکہ معاوضہ انشورنس کا تحقق مستقبل میں پیش آنے والے غیر محقق حادثہ پر موقوف ہوتا ہے یا ایسے حادثہ پر موقوف ہوتا ہے جس کا وقوع معروف نہیں ہوتا،گویا غرر ایسا عنصر ہے جو عقد تامین (انشورنس) کو لازم ہے۔

فی الواقع انشورنس میں غرر کثیر الوقوع ہے،غرر یسیر نہیں اور نہ ہی متوسط ہے۔چونکہ انشورنس کا اہم رکن خطرات کا پیش آنا ہے،کھاتہ دار کو بوقت عقد معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کتنی مقدار میں مال دیا جائے گا چنانچہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کھاتہ دار صرف ایک ہی قسط جمع کرپاتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور وہ کمپنی کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق رقم کا مستحق ہوجاتا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساری اقساط جمع کردیتا ہے لیکن حادثہ پیش نہیں آتا اور یوں کھاتہ دار کچھ بھی حاصل نہیں کرپاتا۔

یہی حال کمپنی کا ہے عقد کے وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کمپنی کتنی مقدار میں قسط وار رقم لے گی یا وہ معاوضہ میں کتنی رقم دے گی اگرچہ ایک بڑی حد جو کھاتے داروں کو ملنی متوقع ہو معلوم کرلی جائے اور تعداد وشمار کے باریک قواعد ہی سے مدد لی جائے اور اس کام کے لئے کیلکولیٹر اور کمپیوٹر ہی کیوں نہ استعمال کیا جائے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ بیمہ کمپنی حساب کتاب میں نہایت باریک بینی اور عرق ریزی سے کام لیتی ہے جس سے احتمال غرر اور غبن وغیرہ کا انتفاء ہوجاتا ہے،چنانچہ اس سے انشورنس مباح نہیں ہوجاتی چونکہ صرف کمپنی کے اعتبار سے غرر کے منتفی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقد انشورنس سے ہی غرر منتفی ہوجاتا ہے،جبکہ ضروری ہے کہ کھاتہ دار (پالیسی ہولڈر) کے اعتبار سے بھی غرر منتفی ہو۔چنانچہ فقہ اسلامی کی نظر بیمہ کمپنیوں کے طے شدہ جملہ عقود کی طرف نہیں ہوتی بلکہ فقہ اسلامی کی نظر عقد کے حکم پر ہوتی ہے کہ آیا عقد صحیح ہے یا فاسد؟

اور یہ کہنا کہ کھاتہ دار کے اعتبار سے غرر اور احتمال نہیں ہوتا چونکہ انشورنس کا محل عقدِ امان ہوتا ہے جو کہ خطر پر موقوف نہیں ہوتا حالانکہ امان پہلی ہی قسط جمع کرانے سے حاصل ہوجاتا ہے۔یہ کہنا صراحۃً باطل ہے۔

چونکہ امان عقد انشورنس کا باعث ہے امان محل عقد نہیں،بلکہ محل عقد تو وہ چیز ہے جو عاقدین میں سے ہر کوئی دوسرے کو دیتا ہے یا ان میں سے کوئی ایک دیتا ہے،اگر ہم کہیں کہ امان محل عقد ہے تو انشورنس کا عقد سرے سے ہی باطل ٹھہرے گا،چونکہ محل کے لئے لازمی ہے کہ وہ ممکن ہو محال نہ ہو،جبکہ امان ایسی چیز ہے جس کا التزام اور معاہدہ محال ہے۔

---

❶.....رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

عقد معاوضہ کے محل پر جیسا کہ وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے یہاں تک کہ پھلوں میں کھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور کسی بھی قسم کی آفت سے امن حاصل ہو جائے، چنانچہ عقد کے طے کرتے وقت پھلوں کا موجود ہونا واجب ہے اور ایسی حالت میں پھلوں کا ہونا واجب ہے کہ ان سے نفع اٹھانا ممکن ہو اگر پھل اس حالت میں نہ ہوئے یا معدوم ہوئے اگر چہ پھلوں کا وجود مستقبل میں ممکن ہو تو بھی شرعاً ان کا عقد جائز نہیں ہوگا جبکہ انشورنس کا محل وجود کے اعتبار سے احتمالی ہے چونکہ انشورنس میں محل عقد وہ چیز ہوتی ہے جو عاقدین کو دینی پڑتی ہے یا وہ عوض ہوتا ہے جو صرف ایک عاقد دیتا ہے جیسے حادثہ پیش آنے کی صورت میں یا موت واقع ہونے کی صورت میں صرف کمپنی ہی کو عوض دینا پڑتا ہے۔

غرر پر مشتمل عقد جو کہ بوقت حاجت جائز ہو جاتا ہے اگر چہ غرر کثیر ہو اس میں یہ شرط ہوتی ہے کہ حاجت عامہ ہو یا کسی معین گروپ کے ساتھ خاص ہو یا حاجت متعین ہو۔ حاجت عامہ وہ ہوتی ہے جس کا احتیاج سبھی لوگوں کو ہو، حاجت خاصہ وہ ہے جس کا احتیاج کسی گروپ کے ساتھ خاص ہو جیسے کسی ایک شہر یا قصبہ کے رہنے والے یا ایک پیشہ کے لوگ، حاجت متعینہ کا حاصل یہ ہے کہ غرض اور مقصود کو حاصل کرنے کے تمام مشروع ذرائع مسدود ہوں اور صرف اسی عقد کا راستہ جو پٹ کھلا ہو جس میں غرر ہو۔

اگر عصر حاضر میں انشورنس کی حاجت کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس کی حاجت غیر متعین ہے چونکہ جو مقصد انشورنس کا عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ تعاون پر مبنی انشورنس سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انشورنس ایسا عقد ہے جو غرر کثیر پر مشتمل ہے اور اسلام میں اس کی حاجت متعین بھی نہیں لہٰذا انشورنس ممنوع ہے۔

بالغرض اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حاجت متعین ہے تو انشورنس اتنی ہی مقدار میں جائز ہوگی جس سے حاجت پوری ہو جائے چونکہ شرعی قاعدہ ہے کہ حاجت کو بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ [1]

انشورنس کے فاسد ہونے پر جو اور دلائل بھی ہیں من جملہ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ غرر جو عقد کو فاسد کر دیتا ہے اس میں یہ شرط ہے کہ معقود علیہ اصالۃً ہو اور یہ چیز کمرشل انشورنس میں متحقق ہوتی ہے۔

جہالت.....عقد انشورنس کے متعلق یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ غرر پر مشتمل ہوتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقد انشورنس جہالت پر بھی مشتمل ہوتا ہے، انشورنس میں بدلین میں جہالت واضح ہے چنانچہ کمپنی اور کھاتہ دار کی دی ہوئی رقم میں جہالت ہوتی ہے چونکہ یہ کثرت اور قلت کے قابل ہوتی ہے بلکہ کمپنی کا دیا ہوا معاوضہ جو نقصان یا ضیاع کے بدلے میں دیا جاتا ہے اس کا وجود معرض خطر میں ہوتا ہے اور جو عقد معرض خطر میں ہو کبھی اس کا وقوع ہوتا ہے اور کبھی وقوع نہیں ہوتا، یہ امر جہالت کو فاحشہ بنا دیتا ہے جو عقد کو باطل کر دیتی ہے۔

جب عقد انشورنس غرر اور جہالت پر مشتمل ہے تو شرعاً ممنوع ہوا، اس بات کا اعتبار نہیں ہوگا کہ مدت پوری ہونے پر ہر قسط معلوم ہوتی ہے لہٰذا یہ صحیح ہو، لیکن اقساط کی کمیت میں جہالت ہوتی ہے، اسی طرح کھاتہ دار کی وفات یا کسی حادثہ کے پیش آنے پر کمپنی معاوضہ دینے پر راضی ہوتی ہے تو کمپنی کی رضا مندی سے یہ لازمی نہیں کہ حرام چیز حلال ہو جائے جیسے رضا مندی سے جوا یا زنا حلال نہیں ہوتا، اسی طرح کمپنی کی رضا مندی سے انشورنس حلال نہیں ہو جاتی، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اقساط برابر ہوں بلکہ کبھی اقساط میں کمی ہو جاتی ہے اور کبھی بیشی۔

جہالت فاحشہ سے عقد باطل ہو جاتا ہے اگر چہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہ بھی ہو، رہی بات جہالت یسیرہ کی جو مفضی الی النزاع ہو وہ معاف ہوتی ہے، جبکہ فقہاء نے جہالت کی جو صورتیں بیان کی ہیں انشورنس میں ان میں سے نہایت فاحش قسم کی جہالت پائی جاتی ہے جو مفضی

[1] ......جیسے بھوکا جو بے چینی کے حد کو پہنچ جائے وہ مردار کو صرف اتنی مقدار میں کھا سکتا ہے جس سے اس کی زندگی بچ جائے۔

الی النزاع ہے اور عقد بیع کے فاسد ہونے کی باعث ہے جیسے زمین میں لگی ہوئی مولیوں اور گاجروں کی بیع حالانکہ یہ دونوں سبزیاں زمین میں موجود ہوتی ہیں لیکن ان میں جہالت ہوتی ہے۔ رہی بات انشورنس کی سو ہلاک کا بدل یا معاوضہ انشورنس اگرچہ موجود ہوتا ہے لیکن کبھی اس کا حدوث ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا یہ احتمال عقد کی مشروعیت کو کمزور کر دیتا ہے۔

ان تمام موانع کی وجہ سے تاجر اور غیر تاجر کے لئے بدل ہلاک کے طور پر انشورنس کا معاوضہ لینا حلال نہیں چونکہ یہ مال التزام کرنے والے کو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ امین پر ضمان کی شرط لگانا امر باطل ہے جیسا کہ یہ اصول حنفیہ کے نزدیک مقرر ہے۔

خلاصہ......کمرشل انشورنس پانچ اسباب پر مشتمل ہے جن کی وجہ سے انشورنس کا عقد حرام ہو جاتا ہے۔ ❶

۱۔ سود......بیمہ کمپنی کی طرف سے معاوضہ میں دی ہوئی رقم جمع شدہ اقساط کی رقم سے زائد ہوتی ہے اور یہ زیادتی بلاعوض ہوتی ہے لہٰذا یہ سود ہے، نیز انشورنس کمپنیاں جمع شدہ سرمائے کو سودی معاملات میں لگا دیتی ہیں اور حساب سے کھاتہ دار کو فائدہ دیتی ہیں۔

۲۔ غرر......انشورنس کے مقابلہ میں امر احتمالی ہوتا ہے جو غیر ثابت اور غیر متحقق الوجود ہوتا ہے، یہی غرر ہے، جبکہ کمپنیاں ایک بڑا سرمایہ غرر سے ہتھیاتی ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۳۔ غبن......انشورنس میں محل عقد واضح نہیں ہوتا لہٰذا انشورنس میں غبن بھی ہے جبکہ محل عقد کا معلوم ہونا صحت عقد کے لئے شرط ہے۔

۴۔ قمار (جوا)......انشورنس میں یہ رسک لیا جاتا ہے کہ کھاتہ دار مر گیا یا اس کا مال ضائع ہو گیا تو اسے معاوضہ ملے گا جبکہ اس کا دارو مدار جہالت پر ہے اور یہ بعینہ سود ہے نیز کھاتہ دار بڑی رقم کے لئے تھوڑی رقم داؤ پر لگاتا ہے اور یہ کھاتہ دار کے اعتبار سے بھی سود ہے۔

۵۔ جہالت......کھاتہ دار جو رقم دیتا رہتا ہے اس کی مقدار مجہول ہوتی ہے جیسا کہ بیمہ زندگی میں یہ بالکل واضح ہے اور انشورنس میں دونوں عاقد ایسا معاملہ کرتے ہیں جس میں منافع یا نقصان کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

چنانچہ اگر قسطیں پوری ادا ہو جائیں تو کھاتہ دار کا نقصان ہے اگر کھاتہ دار قسطیں جمع کرنے سے پہلے مر گیا تو کمپنی کا نقصان ہے۔

تأمین المرکب......انشورنس کی صورت میں تعاون کا اصول حادثات کے الگ الگ پیش آنے اور اس کے نتائج کے متفرق ہونے پر ہے چنانچہ جتنے زیادہ کھاتہ دار ہوں گے اسی قدر حادثات بھی زیادہ پیش آئیں گے، یہ ایک متفرق عملی کارروائی ہے جو کھاتہ دار کے نقصان پر منتج ہوتی ہے، اس تفرق کے کثیر وسائل ہیں۔ ان میں سے ایک تأمین مرکب بھی ہے، چنانچہ بیمہ کمپنی خود اپنے نقصانات کے لئے عالمی کمپنیوں کے پاس انشورنس کرانے پر مجبور ہوتی ہے، گویا عالمی کمپنیوں کے ہاں ذیلی کمپنی کے عقد انشورنس کو تامین مرکب کہا جاتا ہے، تامین مرکب کا حکم بھی اصل انشورنس کا حکم ہے۔ چنانچہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کا دوسری اسی طرح کی کمپنیوں کے ہاں تعاونی انشورنس کرانا جائز ہے، جبکہ کمرشل انشورنس پر کمرشل انشورنس کا حکم لاگو ہوگا، گویا کمرشل انشورنس کی صورت میں افراد کی بجائے کمپنیاں ہوتی ہیں۔

چنانچہ غرر اور فساد کے ضوابط تأمین مرکب کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں، ہاں البتہ جب حاجت متعینہ پیش آ جائے جیسا کہ بینک فیصل الاسلامی آف سوڈان کے شرعی نگران بورڈ نے فتویٰ ۱۷۶ میں یہی ذکر کیا ہے، یعنی آیا کہ انشورنس کمپنیاں جب مرکب انشورنس کمپنیوں کے ساتھ معاملہ نہ کریں تو کیا دقت، مشقت اور حرج میں پڑ سکتی ہیں۔ اس بورڈ کی نظر میں تامین مرکب حاجت متعینہ کے پیش نظر درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

---

❶ ......المعاملات المالية المعاصرة للدكتور علي السالوس ص ۳۸۰۔

۱.....تأمین مرکب کی کمپنی کودی ہوئی رقم قلیل مقدار میں ہوجس سے حاجت پوری ہوجائے، تا کہ اس قاعدہ پر عمل ہوجائے کہ حاجت کو بقدر ضرورت پورا کیا جاتا ہے۔ وہ مقدار جس سے حاجت پوری ہوتی ہو اس کا تعین ماہرین بینک کو سونپا گیا ہے۔

۲.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کے پیش نظر منافع کمانا نہ ہو اور نہ ہی تامین مرکب کی کمپنی سے کسی قسم کے کمیشن کی وصولی کا تقاضا ہو۔

۳.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی کسی قسم کی آفت سماویہ کے بدلے میں مالی تحفظ کا مطالبہ نہ کرے چونکہ تحفظ کی صورت میں تعاون کمپنی کو جو کچھ بھی ملے گا وہ تأمین مرکب کی کمپنی کی طرف سے سود ہوگا۔

۴.....یہ کہ تعاون پر مبنی انشورنس کمپنی دی ہوئی اقساط پر تامین مرکب کی کمپنی سے آمدنی کے راستے پر داخل نہ ہو اور آمدنی کے حصے کا مطالبہ بھی نہ کرے اور کمپنی کو پیش آنے والے خسارے کے متعلق بھی سوال نہ کرے۔

۵.....تأمین مرکب کی کمپنی کے ساتھ ساتھ کم از کم مدت کا معاملہ ہونا چاہئے۔

۶.....تعاون پر مبنی انشورنس کی ذیلی کمپنی کو مرکب تعاون پر مبنی کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے تا کہ ایک کمرشل انشورنس کمپنیوں سے بے نیاز رہے۔

پس یہی اللہ کا دین ہے۔ میں ہمیشہ سے کمرشل انشورنس کے جواز کے قائلین پر تعجب کرتا رہا ہوں اور ان کی تاویلات کو خارج از بحث اور فضول سمجھتا ہوں، ان کے دلائل سے بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ چنانچہ مختلف مجلات، رسائل، تالیفات، مقالات اور کانفرنسوں میں ان پر بہت رد ہو چکا ہے، چنانچہ اپریل ۱۹۶۱ء میں دمشق میں الفقہ الاسلامی کے ابتدائی چھ اجلاسات میں اور مجمع الفقہ الاسلامی کے پہلے اجلاس منعقدہ شعبان ۱۳۹۸ھ مکہ مکرمہ میں اس پر بھرپور رد ہوا ہے جبکہ رابطۃ العالم الاسلامی نے بھی اس قرارداد کو منظور کیا ہے۔ جو شخص انشورنس کے حرام ہونے کے متعلق اپنے دل کو تسلی دینا چاہتا ہو اور قائلین جواز کے دلائل کے ابطال پر غور وفکر کرنا چاہتا ہو وہ دمشق کے اجلاسات کی کارروائی کا مطالعہ کرے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ دکھائے۔

گروپ انشورنس.....گروپ انشورنس کی مد میں ملازمین کو حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم جائز ہے، چونکہ حکومت رعایا کے احوال کی بہتری کرنے کی ذمہ دار ہے اور بڑھاپا، بیماری، ریٹائرمنٹ اور بے روزگاری میں رعایا کو سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، چنانچہ ماہانہ تنخواہ سے حکومت کے لئے گئے ٹیکسز کی طرف نظر نہیں کی جائے گی، اس طرح کی دی ہوئی رقم میں سود نہیں ہوتا اگرچہ جمع کروائی ہوئی رقم (کٹوتیوں) سے لی ہوئی رقم سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو چونکہ حقیقت میں یہ دی ہوئی رقم حکومت کی طرف سے تبرع یا شرکاء کی طرف سے ابتداء ہبہ ہے، جو جائز ہے۔

۴۔ نجاست اور نجس چیز کی بیع.....حنفیہ کہتے ہیں: شراب، خنزیر، مردار اور خون کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ یہ چیزیں سرے سے مال ہی نہیں ہیں۔ پاخانہ کی بیع مکروہ ہے، گوبر اور لید کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں، مینگنیوں کی بیع میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چونکہ گوبر وغیرہ سے نفع اٹھایا جاتا ہے چنانچہ زرخیزی کے لئے گوبر کو زمین میں ڈالا جاتا ہے لہٰذا گوبر مال ہے، اور جو چیز مال ہو وہ بیع کا محل ہے بخلاف پاخانہ کے چونکہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا، ہاں البتہ پائخانہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہو تو پھر بیع جائز ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک کچلیوں والے درندوں جیسے کتا، چیتا، شیر، بھیڑیا، بلی وغیرہ کی بیع جائز ہے چونکہ کتا اور اس جیسے دوسرے جانور مال ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ ان سے درحقیقت نفع اٹھایا جاتا ہے اور شرعاً ان سے نفع اٹھانا جیسے چوکیداری، شکار وغیرہ علی الاطلاق مباح ہے لہٰذا یہ جانور مال ہیں، حشرات الارض جیسے سانپ بچھو وغیرہ سے جب نفع اٹھایا جائے تو ان کی بھی بیع جائز ہے۔

اسی طرح وہ چیز جونجس ہوجائے اس کی بیع صحیح ہے اوراس سے نفع اٹھانا بھی صحیح ہے بشرط یہ کہ وہ چیز اشیائے خورونوش میں سے نہ ہو جیسے موم، تیل جونجس ہوجائے کوروشنی کے لئے جلایا جاسکتا ہے بشرط یہ کہ مسجد میں روشنی نہ کی ہو، مردار کی چربی سے حاصل ہونے والے تیل سے نفع اٹھانا حلال نہیں ہے۔

ضابطہ..... حنفیہ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھانا شرعاً حلال ہو اس کی بیع بھی جائز ہے۔❶ چونکہ سبھی اعیان (اشیاء) انسان کے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہیں، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ...... البقرۃ ۲/ ۲۹

جو کہ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: شراب، خنزیر اور مردار کی بیع منعقد نہیں ہوتی چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

کسی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں بتلائیں چونکہ اس سے کشتیوں کو لیپا جاتا ہے، کھالیں تر کی جاتی ہیں اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جائز نہیں، مردار کی چربی حرام ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ کرے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے پگھلا کر فروخت کرنی شروع کر دی اور اس کی قیمت کھانے لگے۔❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں فرمایا: جس چیز کا پینا حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔❸

کتا باوجود یہ کہ طاہر ہے لیکن اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی برابر ہے کتا شکاری ہو یا چوکیداری کا ہو چونکہ کتے کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے، حدیث میں ہے۔ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔''❹ سحنون مالکی کہتے ہیں کتے کی خرید وفروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت سے اخراجات حج چلاتا ہوں۔

ایسی نجس چیز جس کو پاک کرنا ممکن نہ ہو جیسے تیل، شہد، گھی جس میں نجاست پڑگئی ہو تو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی، البتہ ایسی چیز جو نجس ہوجائے اور اسے پاک کرنا ممکن ہے جیسے کپڑا وغیرہ تو اس کی بیع جائز ہے۔

ایسی چیز جو نجس الاصل ہو جیسے ان جانوروں کی لید جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور پائخانہ، مردار کی ہڈی، مردار کی کھال وغیرہ تو ان کی بیع بھی منعقد نہیں ہوگی، البتہ گائے کا گوبر، اونٹ اور بکری کی مینگنیوں کی بیع صحیح ہے چونکہ زمین کی زرخیزی کے لئے ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔❺

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: خنزیر، مردار، خون اور شراب کی بیع جائز نہیں ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔'' دوسری وجہ یہ ہے کہ نجاست سے اجتناب اور دوری واجب ہے جبکہ نجاست کی خرید وفروخت نجاست کی قربت ہے۔❻

کتے کی بیع جائز نہیں اگرچہ کتا سدھایا ہوا کیوں نہ ہو چونکہ حدیث میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶..... البدائع ۵/ ۱۴۲، فتح القدیر ۵/ ۱۸۸، الفقه علی المذاهب الاربعة ۲/ ۲۳۱. ❷رواہ اصحاب الکتب الستة واحمد ومالک فی الموطا عن جابر بن عبداللہ (جامع الاصول ۱/ ۳۷۵، سبل السلام ۳/ ۵). ❸رواہ مسلم والموطا والنسائی عن ابن عباس (جامع الاصول ۱/ ۳۷۷.) ❹رواہ اصحاب الکتب الستة واحمد عن ابی مسعود الانصاری (نیل الاوطار ۵/ ۱۴۳) ❺حاشية الدسوقی ۳/ ۱۰، الخطاب علی متن خليل ۴/ ۲۵۸ بداية المجتهد ۲/ ۱۲۵ والقوانين الفقهية ۲۴۶. ❻ صحیحین کی روایت اسی طرح ہے۔

نے کتے کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

ایسی چیزیں جن میں کوئی نفع نہ ہو جیسے حشرات الارض اور وہ درندے جو شکار کی صلاحیت نہیں رکھتے، جیسے شیر، بھیڑیا اور وہ پرندے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے گدھ، چیل اور کوا ان کی بیع بھی صحیح نہیں چونکہ جن چیزوں میں کوئی نفع نہ ہو ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی لہٰذا ان کے تبادلہ میں عوض لینا باطل طریقہ سے مال کھانے کے مترادف ہے اور ان چیزوں میں مال خرچ کرنا بے وقوفی ہے۔

نجاست زدہ اشیاء جن کا پاک کرنا ممکن نہ ہو جیسے سرکہ، شہد وغیرہ ان کی بیع بھی جائز نہیں البتہ جن اشیاء کو پاک کرنا ممکن ہو ان کی بیع صحیح ہے جیسے نجس کپڑا وغیرہ۔

گوبر وغیرہ جیسی نجس چیزوں کی بیع جائز نہیں، ہاں البتہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے گوبر کی بیع کو حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے۔ ❶

خلاصہ: فقہائے حنفیہ اور ظاہر یہ نفع اٹھانے کے لئے نجاست زدہ اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں......البتہ ان اشیاء کی بیع اس حکم سے مستثنیٰ ہے جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے چونکہ بیع کا دارومدار نفع اٹھانے پر ہے لہٰذا جس چیز سے بھی نفع اٹھایا جاتا ہو اس کی بیع حنفیہ اور ظاہر یہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں مشہور قول یہ ہے کہ نجاست زدہ اشیاء کی بیع جائز نہیں چونکہ بیع پاکی کی مقتضی ہے لہٰذا جو چیز طاہر ہو یعنی مال ہو اور شرعاً اس سے نفع اٹھانا مباح ہو تو ان فقہاء کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔

۵۔ بیع العربون (بیعانہ)......عربون میں چھ لغات ہیں، زیادہ فصیح دو ہیں۔ عین اور راء کی فتح کے ساتھ عربون۔ عین کے ضمہ (پیش) اور راء کے سکون کے ساتھ "عُرْبون" اس میں ایک لغت عُربان عین کے ضمہ اور راء کے ساتھ بھی ہے، یہ عجمی لفظ ہے جسے عربی میں استعمال کیا جاتا ہے، اس کا لغوی معنی ہے پیشگی۔

بیع العربون یا بیعانہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص چیز خریدے اور بائع کو مثلاً ایک سو روپیہ دے دے اور کہے اگر ہمارے درمیان بیع طے ہوگئی تو یہ سو روپے قیمت میں سے شمار ہوں گے اگر بیع طے نہ ہو سکی تو یہ سو روپے مشتری کی طرف سے بائع کو ہبہ ہوں گے، اس بیع میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر بیع نافذ العمل ہوئی تو دی ہوئی رقم ثمن کا حصہ تصور ہوتی ہے، اگر بیع رد ہوگئی تو بیعانہ سے مشتری کو ہاتھ دھونے پڑیں گے، اس خیار کی مدت مقررہ وقت کے ساتھ محدود کی جاتی ہے۔ البتہ بائع کی طرف سے بیع لازم ہو جاتی ہے۔

بعض حنابلہ کہتے ہیں: ❷ زمانۂ انتظار کا کوئی محدود مقرر وقت ہونا چاہئے ورنہ بائع کب تک انتظار کرتا رہے گا۔

بیعانہ کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کہتے ہیں یہ بیع ممنوع غیر صحیح ہے اور حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک باطل ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربان سے منع فرمایا ہے۔ ❸

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس بیع میں غرر اور خطر ہے اور بلا معاوضہ دوسرے کے مال کو کھانا ہے، اس میں دو فاسد شرطیں بھی ہیں (۱) ہبہ کی شرط اور (۲) عدم رضامندی کی صورت میں واپسی کی شرط، نیز بغیر کسی عوض کے بائع کے لئے اس کی شرط لگائی جاتی ہے لہٰذا صحیح نہیں، نیز یہ خیار مجہول کے بمنزلہ ہے چونکہ بغیر مدت کے ذکر کے مبیع رد کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: جب میں چاہوں گا مجھے خیار

---

❶......المهذب ۱/۲۶۱، مغنی المحتاج ۲/۱۱، المغنی ۴/۲۵۱، غاية المنتهىٰ ۲/۶ اصول البيوع الممنوعة ص ۱۴۱۔ ❷غاية المنتهىٰ ۲/۲۶۔ ❸هذا حديث منقطع رواه احمد والنسائی وابو داؤد وهو المالك فی الموطا وفيه راولم يسمى، وسمى فی روية وهو ضعيف۔(سبل السلام ۳/۱۷ نيل الاوطار ۵/۱۵۳ المؤطا ۲/۱۵۱۔

حاصل ہوگا اور میں سامان واپس کر دوں گا ساتھ ایک درہم بھی دوں گا۔قیاس کا یہی مقتضا ہے۔ ❶

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ...... کہتے ہیں: بیع عربون میں کوئی حرج نہیں ان کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے کہ زید بن اسلم کہتے ہیں۔''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عربان کے بارے میں سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربان کو حلال قرار دیا۔'' ❷ اور ایک اور روایت بھی ہے جو نافع بن عبدالحارث سے مروی ہے۔کہ''انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے صفوان بن امیہ سے چار ہزار دراہم میں ایک گھر خریدا جس کو جیل خانہ بنانا تھا، انہوں نے یہ شرط لگادی تھی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے راضی ہوئے تو بیع نافذ العمل ہوگی اگر راضی نہ ہوئے تو چار سو دراہم صفوان کے ہوں گے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیع عربون میں مروی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔عصر حاضر میں تجارتی کاروبار کے باہمی ربط کے لئے بیع عربون (بیعانہ) کا طریقہ کار بنیادی حیثیت کا حامل ہے تا کہ تعطل اور انتظار سے دوسرے فریق کا نقصان نہ ہو۔ ❸

میرے نزدیک بیع عربون صحیح اور حلال ہے چونکہ عرف عام میں اس کا رواج عام ہے، نیز بیع عربون کے متعلق وارد ہونے والی احادیث فریقین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ محرم ۱۴۱۴ھ برونائی میں یہی قرارداد پاس کی ہے۔

۶۔ بیع الماء ...... ہمیں سابقہ تفصیل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معقود علیہ میں یہ شرط ہے کہ وہ مال محرز ہو یعنی لوگوں میں سے کسی کی ملک ہو لہٰذا غیر محرز چیز کی بیع نافذ نہیں ہوگی، جیسے پانی، ہوا، مٹی، چنانچہ پانی سے مقصود کیا ہے اور اس کی ملکیت اور خرید وفروخت میں علماء کے مذاہب کیا ہیں؟ یہ ساری تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ ...... کہتے ہیں: پانی کی چار قسمیں ہیں۔ ❹

اول ...... سمندروں کا پانی، اس پر سبھی لوگوں کا حق برابر ہے، کوئی شخص جس طرح چاہے سمندر کے پانی سے نفع اٹھا سکتا ہے جیسے سورج چاند اور ہوا سے نفع اٹھانا عام ہے، آدمی سمندر کے پانی کو اپنے ذاتی حوائج کے لئے استعمال کر سکتا ہے اپنی کھیتی کو سیراب کر سکتا ہے، یعنی آدمی کو پینے کا حق، حق شراب، یا کھیتی اور درختوں کی سیرابی کا حق حاصل ہے۔

دوم ...... دریاؤں کا پانی جیسے دریائے دجلہ، فرات نیل، (سندھ، جہلم) کا پانی، لوگوں کو دریا سے پانی لینے کا مطلق حق حاصل ہے۔ اراضی کو سیراب کرنے کا بھی مطلق حق حاصل ہے، بشرط یہ کہ سیرابی سے عام مسلمانوں کا نقصان نہ ہو، اگر مسلمانوں کا نقصان ہو تو پھر انفرادی سیرابی جائز نہیں، چونکہ عام نقصان سے بچاؤ واجب ہے، اسی طرح ان دریاؤں پر پن چکی نصب کرنا جائز ہے بشرط یہ کہ عام مسلمانوں کا اس سے نقصان نہ ہوتا ہو۔

سوم ...... وہ پانی جو کسی خاص جماعت کی ملک میں ہو جیسے ایک بستی کے لوگوں کے ساتھ کوئی چھوٹی نہر (کوہل) مخصوص ہو یا چشمہ کا پانی یا کنواں، دریاؤں سے نہریں نکال کر جو پانی منقسم کر دیا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم میں شامل ہے۔

---

❶ ...... بدایۃ المجتهد ۲/ ۱۶۱ الشرح الكبير للدردير ۳/ ۶۳، القوانين الفقهية ۲۵۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۹، نيل الاوطار ۵/ ۱۵۳، شرح المجموع للامام النووی ۹/ ۳۶۸. ❷ حديث مرسل وفی اسناده ابراهيم بن ابی يحيی وهو ضعيف (نيل الاوطار ۵/ ۱۵۳). ❸ المغنی ۴/ ۲۳۲، مصادر الحق للسنهوری ۲/ ۹۶، المدخل الفقهی ص ۲۳۴. ❹ الهداية تكمله فتح القدير ۵/ ۱۴۴ رد المحتار ۵/ ۱۱۱۳

اس قسم کے پانی میں عام لوگوں کے پینے کا حق ثابت ہوگا چونکہ عام لوگوں کو اس کا احتیاج ہوتا ہے نیز ہر جگہ اپنے ساتھ پانی لے کر جانا عقلاً محال ہے۔

چہارم...... برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی، یہ پانی اسی شخص کی ملک ہوگا جس نے اسے برتن میں محفوظ کر رکھا ہو، مالک کے سوا کسی دوسرے شخص کا اس میں حق نہیں ہوگا اور اس پانی سے مالک کی اجازت کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں۔

پانی...... یہ ملکیت حاصل ہونے کے اعتبار سے پانی یا تو مباح ہے یا غیر مباح ہے، مباح پانی میں سبھی کا حق ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں پانی میں، گھاس میں اور آگ میں [1] مباح پانی سے مقصود اول اور دوم قسم کے پانی ہیں۔ اور وہ پانی جو لوگوں میں سے کسی کے ساتھ خاص ہو وہ مملوک یا غیر مباح پانی ہے یہ وہ پانی ہے جو ملکیت میں داخل ہو برابر ہے کہ فرد واحد کی ملکیت ہو یا جماعت کی ملکیت ہو یہ قسم دوسری دو اقسام کو شامل ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی معنی مقصود ہے، ان دونوں اقسام کو ماء خاص اور ماء عام کا نام دیا جاتا ہے۔

ماء خاص...... اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ پانی جو مملوکہ زمین میں ہو جیسے کنواں، چشمہ۔

ماء عام...... وہ پانی جو غیر مملوک زمین میں ہو اور کسی کی ملکیت نہ ہو۔ جیسے نالوں اور دریاؤں کا پانی۔

پانی کی خرید وفروخت کا حکم...... علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قیمت لئے بغیر پانی دے دینا مستحب ہے اگر چہ پانی مملوک ہی کیوں نہ ہو، البتہ مالک کو پانی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ الا یہ کہ حالت ضرورت میں مالک کو مجبور بھی کیا جاسکتا ہے جیسے کوئی شخص پیاسا مر رہا ہو تو پانی کے مالک کو مجبور کیا جائے، اگر مالک انکار کرے تو اس کے ساتھ قتال کرنا جائز ہے۔ یعنی پانی کے مالک سے لڑ کر لینا جائز ہے۔

البتہ وہ پانی جس پر لڑنا مباح ہے اس میں حنفیہ کے نزدیک قدرے تفصیل ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں: مضطر (بے چین) کے لئے جائز ہے کہ وہ کنویں یا حوض یا ملکیتی نہر کے مالک سے اسلحہ سے لڑے چونکہ پانی کے مالک نے مضطر کو پینے کے حق سے منع کیا ہے، کنویں کا پانی مباح ہوتا ہے مملوک نہیں ہوتا، اگر پانی برتنوں میں محفوظ کیا ہو تو مضطر (بے چین آدمی) بغیر اسلحہ کے مالک سے لڑے، اور جو پانی لے اس کا ضمان دے، جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں کھانا لینا جائز ہے، چنانچہ حالت اضطرار میں ضرورت کی چیز لینا ضمان کے منافی نہیں ہوتا، یہ تب ہے جب پانی مالک کی ضرورت سے زائد ہو مثلاً پانی اتنا ہو کہ مالک اور مضطر دونوں زندہ رہ سکتے ہوں، اگر ایسی حالت نہ ہو تو مالک کے پاس ہی پانی رہنے دینا واجب ہے۔ [2]

رہی بات پانی کی خرید وفروخت کی تو اس میں علماء کی دو مشہور آراء ہیں ایک جمہور کی رائے ہے اور دوسری ظاہریہ کی۔

اول...... جمہور علماء کہتے ہیں: [3] وہ پانی جو عام لوگوں کی لئے مباح نہ ہو جیسے کنویں اور چشمے کا پانی اور برتنوں میں محفوظ کیا ہوا پانی تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس قسم کے پانی سے مالک خود بھی نفع اٹھا سکتا ہے اور دوسرے کو نفع اٹھانے سے منع بھی کر سکتا ہے، اسے یہ حق حاصل ہے کہ جب اس کے قرب وجوار میں پانی مل سکتا ہو تو پینے سے منع کر سکتا ہے۔ اگر قرب وجوار میں اور پانی نہ ہو تو مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو وہ خود پانی نکال کر ضرورت مند کو دے یا اسے چھوڑے تا کہ وہ خود پانی نکال کر اپنی ضرورت پوری کر سکے۔

---

[1]...... اخرجه ابو داؤ فی سننه واحمد فی مسنده وابن ابی شیبه فی مصنفه عن حدیث رجل عن الصحابة واخرجه ابن ماجه عن ابن عباس ورواه الطبرانی عن ابن عمر (نصب الراية ۴/۲۹۴)۔ [2] ردالمحتار والدر المختار ۵/۳۱۳، تکملة فتح القدير ۸/۱۴۵۔ [3] البدائع ۵/۱۴۶، ردالمحتار ۵/۳۱۱ القوانين الفقهية ص ۳۳۹، المهذب المرجع السابق، المجموع ۹/۲۷۸ غاية المنتهی ۲/۹۔

جمہور نے پانی کی خرید وفروخت پر دو دلیلوں سے جواز ثابت کیا ہے۔

ا.....صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں رومہ کا کنواں ایک یہودی سے خریدا اور اسے بطور سبیل عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔'' حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سن لیا تھا کہ جو شخص رومہ کا کنواں خرید کر مسلمانوں کو بہم وسعت پہنچائے گا اس کے لئے جنت ہے۔'' کنویں کا یہودی مالک لوگوں کو اس کنویں کا پانی فروخت کرتا تھا، اس حدیث سے جس طرح کنویں کی خرید وفروخت پر استدلال ہوتا ہے اسی طرح پانی کی خرید وفروخت پر بھی استدلال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودی کے پانی فروخت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔

اس استدلال پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صدر اسلام کا ہے اور اس وقت مدینہ میں یہودیوں کی شوکت قوی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں یہودیوں کے ساتھ مصلحت کر لی تھی پھر اس کے بعد احکام شریعت کو استقرار و استحکام ملا اور انہی احکام میں امت کے لئے یہ بھی حکم ہے کہ پانی کی خرید وفروخت حرام ہے، پھر کنویں کی خریداری میں پانی تبعاً داخل ہے۔ بہر حال اس اعتراض میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ❶

۲.....مباح پانی کی بیع کو محفوظ کی ہوئی لکڑیوں کی بیع پر قیاس کیا گیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیوں کی بیع کو یوں جائز فرمایا ہے۔'' یہ کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے پھر پہاڑ پر جائے اور لکڑیاں لا کر فروخت کرے خود بھی کھائے اور صدقہ بھی کرے یہ کام اس کے لئے لوگوں کے آگے دست سوال پھیلانے سے بدرجہا افضل ہے۔'' ❷

اول......اس استدلال پر بھی ایک اعتراض کیا گیا ہے کہ علمائے اصول کے ہاں قیاس کے ساتھ نص کی تخصیص مختلف فیہ ہے، بالخصوص اس قیاس کا صرف یہی تقاضا ہو کہ محفوظ پانی کی بیع جائز ہے، کنویں وغیرہ کے پانی پر یہ قیاس نہ چلے۔

دوم......ظاہر یہ کہتے ہیں۔ ❸ مطلقاً پانی کی بیع حلال نہیں، نہ نالی میں نہ نہر میں نہ چشمے میں نہ کنویں میں اور مشکیزہ اور برتن وغیرہ میں محفوظ کئے ہوئے پانی کی بیع جائز ہے۔ الا یہ کہ کنواں ہی فروخت کیا جائے یا اس کا کوئی معلوم حصہ فروخت کیا جائے تو اس بیع میں پانی تبعاً داخل ہوں گے گویا کنواں مبیع اصلی ہے اور پانی اس کے تابع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: مجھے پانی کی خرید وفروخت اچھی نہیں لگتی۔

ظاہر یہ نے پانی کی خرید وفروخت کی ممانعت پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

ا.....یہ ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ'' فاضل پانی (جو ضرورت سے زائد ہو) ❹ فروخت نہ کیا جائے۔'' تاکہ اس کی وجہ سے گھاس فروخت کیا جائے۔

چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حاجت سے زائد پانی فروخت کرنا ممنوع ہے، اس استدلال پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ نہی ایک خاص حالت کے متعلق وارد ہوئی ہے وہ یہ کہ پانی اس قصد سے فروخت کیا جائے کہ اس کے آس پاس کی چراگاہ میں مویشی چرنے کے محتاج ہوں۔

۲.....یہ حدیث صحیح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت سے زائد پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، ❺ اس حدیث

---

❶.....نیل الاوطار ۱۴۶/۵۔ ❷ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابن ماجہ والنسائی عن ابی ہریرۃ (نیل الاوطار ۱۶۲۴، الجامع الصغیر ۱۲۲/۲)۔ ❸ المحلی ۸/۹۔ ❹ اخرجہ مسلم عن ابی ہریرۃ واخرجہ البخاری واحمد (نیل الاوطار ۳۰۳/۵)۔ ❺ رواہ احمد واصحاب السنن الا ابن ماجۃ عن ایاس بن عبد (نیل الاوطار ۱۴۵/۵)

میں صراحت ہے کہ کفایت سے زائد فروخت کرنا حرام ہے برابر ہے کہ پانی مباح زمین میں ہو یا مملوکہ زمین میں، برابر ہے کہ سیرابی کے لئے ہو یا کسی اور کام کے لئے، اس استدلال پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بئر رومہ کی حدیث کے معارض ہے یا یہ حدیث بھی ایک خاص حالت پر محمول ہے۔

میرے خیال میں زائد پانی کی بیع کے متعلق ممانعت اس صورت میں ہے، جب پانی کثیر ہو جیسے کنویں اور چشمے کا پانی بارش کا پانی جو مملوکہ زمین میں جمع ہو جاتا ہے، ایسے پانی سے منع کرنا عبث کام ہے۔

دوسرا مطلب: بیع فاسد کی مختلف انواع......حنفیہ کی اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہوتی ہے جو اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تو مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو۔ مبیع پر قبضہ کر لینے سے ملک کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک بیع یا تو صحیح ہے یا باطل۔ جبکہ غیر صحیح بیع ملک کا فائدہ نہیں دیتی۔

اب میں یہاں حنفیہ کے نزدیک بیوع فاسدہ کی مختلف انواع ذکر کر رہا ہوں، ساتھ ساتھ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس نوع کا حکم بھی ذکر کروں گا۔

۱۔ بیع مجہول......حنفیہ کہتے ہیں جب مبیع (خرید کردہ سامان) میں یا ثمن (قیمت) میں فاحش قسم کی جہالت ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ جہالت فاحشہ سے مراد ایسی جہالت ہے جو نزاع تک پہنچا دے۔ چونکہ اس قسم کی جہالت مبیع وثمن کی سپردگی کے مانع ہوتی ہے اور اس سے بیع کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔

اگر خرید وفروخت میں معمولی جہالت (یسیرہ) ہو تو بیع فاسد نہیں ہوگی، جہالت یسیرہ سے مراد وہ جہالت ہے جو نزاع تک پہنچانے والی نہ ہو۔ چونکہ جہالت یسیرہ مبیع وثمن کی سپردگی سے مانع نہیں ہوتی، لہٰذا بیع کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

جہالت فاحشہ اور جہالت یسیرہ کے بیان کرنے میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً جب حیوان (جانور) کی جنس نہ بیان کی جائے یا ریڈیو کا مارکہ نہ بیان کیا جائے تو مبیع میں فاحش قسم کی جہالت متصور ہوگی جو کہ صحت بیع سے مانع ہوگی۔ بسا اوقات یہ جہالت متعاقدین کے درمیان شدید نزاع کا باعث بن جاتی ہے۔[1]

معمولی قسم کی جہالت کی وضاحت......مثلاً کوئی شخص غلے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز دراہم کے بدلہ میں فروخت کرے، یا ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہ ڈھیر اتنے روپے میں فروخت کیا اب یہ معلوم نہ ہو کہ اس ڈھیر میں کتنے من غلہ ہے۔ تو بیع جائز ہوگی۔ چونکہ غرر زائل ہو سکتا ہے، اس میں پائی جانے والی جہالت درجہ عفو میں ہے جو کہ نزاع تک نہیں پہنچاتی، اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے دو یا تین اشیاء میں سے ایک شئے کو فروخت کرے اور اس سے زائد نہیں، ساتھ مشتری کو یہ اختیار بھی حاصل ہو کہ وہ ایک چیز لے اور باقی واپس کر دے، اس قسم کے خیار کو خیار تعیین کہا جاتا ہے، یہ بیع استحساناً صحیح ہے ورنہ قیاس سے تو بیع فاسد ہے یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس......یہ ہے کہ مبیع مجہول ہے چونکہ دو اشیاء میں سے غیر معلوم چیز کو فروخت کیا ہے لہٰذا مبیع مجہول ہوئی لہٰذا بیع کے صحیح ہونے میں یہ جہالت مانع ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے چار کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع اور ساتھ خیار کا بھی تذکرہ کر دیا جائے، اسی تفصیل کے مطابق امام زفر رحمۃ اللہ علیہ خیار تعیین کو جائز قرار نہیں دیتے۔

وجہ استحسان: اول......قیاس خیار شرط کو مشروع قرار دیتا ہے، ان دونوں میں وجہ جامع یہ ہے کہ دفع غبن کی ضرورت پیش آتی ہے، جبکہ

---

[1]......الاموال ونظریۃ العقد ص ۳۱۲۔

خیار شرط اور خیار تعیین دفع غبن کا ایک راستہ ہوتے ہیں، چنانچہ خیار شرط میں شریعت کا وارد ہونا گویا خیار تعیین میں شریعت کا وارد ہونا ہے۔ تین اشیاء میں سوچ بچار کی ضرورت پیش آتی ہے، چونکہ عادۃً اشیاء کی کوالٹی تین قسم پر ہوتی ہے (۱) اعلیٰ (۲) متوسط (۳) ادنیٰ۔ چنانچہ زیادہ میں حکم اصل قیاس کا ہوگا وہ یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو۔ چنانچہ اس اصول پر چار اشیاء میں سے ایک چیز کی بیع معہذ اخیار بھی ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ چونکہ لوگوں کی ضرورت اس کی تشریح کی جانب نہیں ہوتی چونکہ اجمالاً اشیاء کی کوالٹی، اعلیٰ متوسط اور ادنیٰ ہوتی ہے۔

دوم.....لوگوں میں اس قسم کی بیع کا عام معمول ہے، چونکہ ہر شخص بازار میں نہیں جاتا تاکہ وہ خود اپنی ضرورت کی چیز خریدے بالخصوص بڑی عمر کے لوگ اور عورتیں تو خریداری میں دوسروں کی محتاج ہوتی ہیں، چنانچہ کسی ایک جنس سے ایک ہی چیز کو خرید لینے سے حاجت پوری نہیں ہوتی، چونکہ بسا اوقات حاجت اور رغبت میں توافق نہیں ہوتا، لہٰذا ضرورت پڑتی ہے کہ ایک جنس کی دو چیزیں خریدی جائیں۔ تاکہ وہ ان میں سے ایک کو اپنے لئے پسند کرلیں اور باقی کو واپس کردیں، لہٰذا تعامل ناس کی وجہ سے خریداری صحیح ہوگی۔ البتہ تین اشیاء سے زائد تعامل نہیں ہے، چنانچہ تین سے زائد اشیاء میں حکم اصل قیاس کے مطابق رہے گا۔ ❶

ملاحظہ.....حنفیہ کے نزدیک اس حالت میں راجح یہ ہے کہ خیار تعیین کی مدت کی شرط نہ لگائی جائے جیسے خیار شرط میں مدت کی تعیین ہوتی ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن یا اس سے کم مدت ہے اور صاحبین کے نزدیک تین دن اور اس سے زیادہ مدت ہے۔

بعض حنفیہ کا قول..... ہے کہ خیار شرط کی مدت کے بیان کرنے کے بغیر یہ بیع جائز نہیں ہے۔ چونکہ اگر مبیع شئے واحد ہوئی جو کہ معین ہو اور اس میں خیار شرط ہو چنانچہ شرط کی مدت کا بیان صحت بیع کے لئے ہے، اسی طرح جب شئے واحد ہو اور غیر معین ہو، ان دونوں میں وجہ جامع یہ ہے کہ مدت کی تعیین نہ کرنا خیار کی مدت کو مجہول رکھنا ہوتا ہے اور یہ چیز بیع کے لئے مفسد ہے۔

اولین کا استدلال..... یہاں خیار شرط اور خیار تعیین میں فرق ہے، وہ یہ ہے کہ خیار شرط بیع کے حکم کے ثبوت کے مانع ہوتا ہے، اور بیع کا حکم خیار کے اندر ملکیت کا منتقل ہونا ہوتا ہے، گویا مدت کا وقت مقرر کرنا ضروری ہے۔

تاکہ غور و فکر سے غبن کا دفعیہ ہوجائے، رہی بات خیار تعیین کی سو وہ بیع کے حکم سے مانع نہیں ہوتا بلکہ غیر معین چیز میں بیع کا حکم ثابت ہوجاتا ہے۔ خیار تعیین تو فقط تعیین مبیع سے مانع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بیان مدت کی شرط نہیں ہوتی۔

جہالتِ فاحشہ کی مثالیں.....اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص چار اشیاء میں سے ایک شئے فروخت کرے، یا ریوڑ میں سے ایک بکری فروخت کرے اس شرط پر کہ اسے خیار حاصل ہوگا کہ وہ ایک لے لے اور بقیہ کو واپس کردے، اسی طرح جب خیار کے تذکرہ کے بغیر ہی تین اشیاء یا دو اشیاء میں سے ایک شئے خریدی جائے یا تین کپڑوں میں سے ایک کپڑا خریدا جائے، جہالت مبیع کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، اور یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے، چونکہ بائع ردی قسم کی چیز دینا چاہے گا جبکہ مشتری اعلیٰ قسم کی چیز لینا چاہے گا چونکہ عقد میں تعیین نہیں ہوئی۔ ❷

فی الجملہ..... جہالت فاحشہ غالب احوال میں چار جہالت کی طرف راجع ہوتی ہے ❸ جنہیں میں پہلے ذکر کرچکا ہوں۔

اول: جہالت مبیع.....یعنی مشتری کے اعتبار سے مبیع کی جنس یا نوع یا مقدار میں جہالت ہو، میں نے بعض مثالیں بیان کردی ہیں۔

---

❶.....البدائع ۱۵۷/۵، فتح القدیر ۱۳۰/۵۔ ❷ الدر المختار بہامش رد المحتار لابن عابدین ۱۱۵/۴۔ ❸عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۲۰۶

دوم: جہالت ثمن ...... جیسے ریوڑ میں سے سو بکریوں کے بدلہ میں گھوڑا فروخت کرے تو عقد فاسد ہوگا چونکہ ثمن میں جہالت ہے۔
اسی طرح جب کوئی کہے کہ یہ کپڑا اس کی قیمت کے ساتھ فروخت کیا تو بھی بیع فاسد ہوگی چونکہ اس نے ثمن کو قیمت بنا دیا ہے جبکہ قیمت تاجروں کے ہاں مختلف ہوتی ہے لہٰذا ثمن مجہول ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے بائع یا مشتری کے حکم سے یا فلاں شخص کے حکم سے کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ اسے معلوم نہیں کہ فلاں کس چیز کا حکم لگائے گا لہٰذا ثمن مجہول ہوں گے۔

جب کوئی کہے میں نے یہ چیز گندم کے ایک قفیز یا جو کے دو قفیز کے بدلہ میں تمہیں فروخت کر دی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ ثمن مجہول میں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیوع میں ایک بیع سے منع فرمایا ہے۔❶ جب کوئی کہے: اگر تم نقدی لو گے تو پانچ روپے میں اور اگر ادھار لو گے تو سات روپے میں تو بیع فاسد ہوگی، چونکہ ثمن کو متعین نہیں کیا، کیا ثمن نقدی ہوں گے یا ادھار؟ اگر ابہام کو ختم کر دیا اور ایک صورت اختیار کر لی تو بیع صحیح ہوگی۔

اسی طرح مجہول رأس المال یا لکھی ہوئی قیمت پر بیع کرنا جبکہ مشتری کو لکھی ہوئی قیمت اور رأس المال کی خبر نہ ہو تو بھی بیع فاسد ہوگی، اگر مجلس عقد میں مشتری کو رأس المال یا لکھی ہوئی قیمت کا علم ہو جائے تو استحساناً بیع صحیح ہو جائے گی، چونکہ جواز سے مانع جہالت ہے جو عقد کے وقت پائی جاتی ہے، جبکہ جہالت مجلس میں ختم ہو چکی۔

جب مجلس کے لئے حالت عقد کا حکم ہوتا ہے تو گویا یہ عقد کے وقت معلوم رہا جب معلوم نہ ہو حتیٰ کہ فریقین جدا ہو گئے تو فساد پختہ ہو چکا رفع نہیں ہوگا۔❷

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب عقد اپنے وجود کے وقت (طے ہوتے وقت) ہی فاسد ہو تو کسی حال میں بھی جواز کا احتمال نہیں رکھتا، چونکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فاسد کا جائز میں تبدیل ہونا محال ہوتا ہے۔❸

یہ مسئلہ بھی مذاہب میں جہالت ثمن کی وجہ سے متفق علیہ ہے، اگر ثمن معلوم ہوں تو بالاتفاق کوئی حرج نہیں کہ لکھی ہوئی قیمت سے فروخت کرے، مثلاً یوں کہے: میں نے یہ کپڑا تمہیں اس پر لکھی ہوئی قیمت کے ساتھ فروخت کیا، بشرطیکہ جب قیمت دونوں کو معلوم ہو عقد کرتے وقت، چونکہ یہ بیع ثمن معلوم کے ساتھ طے ہوئی ہے۔❹

فقہاء کے نزدیک اس قیمت کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جس پر نرخ بازار میں منقطع ہوا جائز نہیں ہے، یا ایسے نرخ کے ساتھ جس سے لوگ بیع کرتے ہیں یا جو ثمن فلاں کہے، چونکہ ان صورتوں میں ثمن کی جہالت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ قیمت جس پر بازار میں نرخ منقطع ہو اس سے بیع کرنا جائز ہے بشرطیکہ تاریخ مقرر ہو یا عقد کے وقت اس کی تحدید ہو، چونکہ لوگوں میں یہ بیع متعارف ہے اور ہر زمان و مکان میں اس پر لوگوں کا تعامل رہا ہے، ابن تیمیہ اور ابن قیم نے جواز کے رجحان کو ترجیح دی ہے، نرخ سے مراد بازاری نرخ ہے نہ کہ مستقبل میں کسی بھی وقت کا نرخ۔❺

سوم: مدت کا مجہول ہونا ...... جیسے کوئی کہے فلاں اور فلاں مدت تک کے لئے فروخت کیا، اس سے بیع فاسد ہو جائے گی چونکہ مدت مجہول ہے، اسی طرح خیار شرط میں مدت کا مجہول ہونا بھی مفسد بیع ہے، فساد کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی

---

❶ ..... رواہ الموطا والترمذی والنسائی وابو داؤد عن ابی ہریرۃ۔ ❷ البدائع ۵ /۱۵۸، رد المحتار ۴ /۳۰ فتح القدیر مع العنایۃ ۵ /۱۱۳، المبسوط ۱۳ /۴۹۔ ❸ البدائع ۶ /۱۲۴۔ ❹ مغنی المحتاج ۲ /۱۷، المغنی ۴ /۱۹۷۔ ❺ مغنی المحتاج ۲ /۱۷، المہذب ۱ /۲۶۶، القوانین الفقہیۃ ص ۲۵۷، غایۃ المنتہی ۲ /۱۴، اعلام الموقعین ۴ /۵، المحلی ۹ /۱۹

بیع سے منع فرمایا ہے۔اس حدیث کی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ ادھار قیمت کے ساتھ بیع کر دینا یہاں تک کہ اونٹنی پیٹ میں پڑے ہوئے بچے کو جنم دے اور پھر جنم دیا ہوا بچہ، بچہ جنم دے، چنانچہ مجہول مدت تک کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

اگر حاجیوں کے آنے تک، فصلوں کی کٹائی تک، فصل گاہنے تک، انگور توڑنے تک، اون کاٹنے تک، بیع کی تو بیع فاسد ہوگی چونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے، چونکہ ان اوقات میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے۔

اگر ان مدتوں کے ساتھ معلق کر کے بیع ہوئی ہو پھر فریقین نے حاجیوں کے آنے سے پہلے اور گاہنے سے پہلے مدت کو ساقط کر دیا تو بیع جائز ہوگی، چونکہ نزاع کی وجہ سے بیع فاسد تھی اور نزاع جاتا رہا۔ یہ جہالت صلب عقد میں نہیں پائی جاتی بلکہ یہ جہالت تو خارجی امر میں ہوتی ہے اور وہ مدت ہے۔ ❶

چہارم: وسائل توثیق میں جہالت کا پایا جانا..... جیسے مثلاً بائع ادھار ثمن کے بدلہ میں مشتری سے کفیل یا رہن کا مطالبہ کرے تو ضروری ہے کہ کفیل اور رہن معین ہوں ورنہ بیع فاسد ہوگی۔

مجہول چیز کی بیع کے بارے میں حنفیہ کے ہاں یہ تفصیل ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ..... کہتے ہیں: مجہول چیز کی بیع جائز نہیں ہے جیسے بہت ساری موٹر کاروں میں سے ایک موٹر کار کی بیع یا دو یا زیادہ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع، ثمن مجہول اور ادھار ثمن کے ساتھ بھی ان حضرات کے نزدیک بیع جائز نہیں، بلکہ ان کے نزدیک بیع باطل ہوگی، چونکہ جہالت مبیع کی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، اسی لئے ان حضرات فقہاء نے بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں یہ مقرر کر رکھا ہے کہ مبیع متعاقدین کے لئے معلوم ہونی چاہئے، ایسا نہیں کہ من کل وجہ معلوم ہو بلکہ وہ معین ہو، اس کی مقدار اور صفت معین ہو، اور یہ کہ ثمن کی صفت، مقدار اور مدت بھی مقرر ہو، ایسی شرط پر بیع کو معلق کرنا جائز نہیں جو مستقبل میں پائی جائے جیسے مہینہ کا آنا اور حاجی کا آنا، چونکہ اس بیع میں غرر ہے، ❷ البتہ مالکیہ نے فصلوں کی کٹائی، پھلوں کی توڑائی، شیرہ بنانے، حاجیوں کے نکلنے، نیروز، مہرجان اور میلاد تک کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، چونکہ ان اوقات کی مدت مقرر ہوتی ہے، مالکیہ نے خیار تعیین کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور اسے بیع الاختیار کا نام دیا ہے، لیکن مالکیہ نے اتحاد جنس کی شرط لگائی ہے نیز ثمن اور صنف میں بھی اتحاد ہو ورنہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ ❸

غرر اور جہالت میں فرق..... غرر جہالت سے عام ہے چنانچہ ہر مجہول میں غرر ہے اور ہر غرر مجہول نہیں بسا اوقات غرر ہوتا ہے اور جہالت نہیں ہوتی جیسے بھاگا ہوا جانور جس کی صفت معلوم ہو، کی بیع۔ لیکن جہالت غرر کے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ ❹

۲: کسی شرط پر معلق بیع اور بیع مضاف..... عموماً بیع معلق یا عقد معلق اسے کہا جاتا ہے جس کا وجود کسی دوسری چیز کے وجود پر معلق ہو، اور وہ چیز ممکن الحصول ہو، عربی میں یہ تعلیق کلمہ اِنْ اِذَا اور مَتٰـی وغیرہ کے ساتھ ہو (اردو میں اگر، جب بشرط یہ کہ وغیرہ کے ساتھ ہو) اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے: میں نے تمہیں اپنا یہ گھر اتنے روپے میں فروخت کر دیا بشرط یہ کہ فلاں شخص مجھے گھر فروخت کرے، یا اگر میرے والد سفر سے واپس آ گئے۔ بیع مضاف اور عقد مضاف عموماً وہ ہوتا ہے جس میں ایجاب کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے، جیسے کوئی شخص کہے: میں یہ گاڑی تمہیں آنے والے مہینہ کے شروع میں فروخت کر دوں گا۔

---

❶..... فتح القدیر ۲۲۲/۵، المبسوط ۲۶/۱۳، رد المحتار ۱۲۵/۴۔ ❷ حاشیۃ الدسوقی ۱۵/۳، المهذب ۲۶۳/۱، مغنی المحتاج ۱۶/۲، المغنی ۲۰۹/۴ غایۃ المنتهیٰ ۱۱/۲ المحلی ۴۹۷/۸۔ ❸ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۱۰۶/۳ القوانین الفقهیۃ ص ۲۶۹، المنتقیٰ علی الموطا ۲۹۸/۴۔ ❹ الغرر واثرہ فی العقود ص ۳۹ الفروق للقرافی المالکی ۲۶۵/۳، تهذیب الفروق بهامشه ۲۷۰/۳۔

فرق......حنفیہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ عقد معلق کو موجود نہیں کہا جاتا، اور فی الحال بطور سبب منعقد نہیں ہوتا، بلکہ عقد وجود شرط پر معلق ہوتا ہے، جبکہ شرط کبھی پائی جاتی ہے اور کبھی نہیں پائی جاتی۔

رہی بات عقد مضاف کی سو وہ عقد تام ہوتا ہے اس پر اس کا حکم اور اثر مرتب ہوتا ہے الا یہ کہ آثار کا ترتب تاخیر سے ہوتا ہے۔

عقد مضاف (منسوب) اور عقد معلق کا حکم......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع معلق اور بیع مضاف صحیح نہیں ہوتی، لیکن حنفیہ کی اصطلاح میں اسے فاسد کا نام دیا جاتا ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک باطل کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی اختلاف کی بناء پر بیع کی تعلیق اور اضافت (نسبت) سوئے زمانہ مستقبل صحیح نہیں، چونکہ بیع ان عقود میں سے ہوتی ہے جو فی الحال تملیک کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ عقود مستقبل کی طرف نسبت اور اضافت کو قبول نہیں کرتے، جیسے عقود ایسی شرط کے ساتھ معلق نہیں ہوتے جن میں جوا ہو۔ یعنی تعلیق معرض خطر میں ہو۔

مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے بیوع کی ان دو انواع کے فساد کی علت ایسی چیز ہے جو غرر پر مشتمل ہے، چنانچہ بیع معلق میں عاقدین کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا امر معلق حاصل ہوگا یا نہیں، جیسے انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ امر معلق کب حاصل ہوگا؟ بیع مضاف میں عاقدین کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مبیع کو مستقبل میں وجود کیسے ملے گا اور عاقدین عقد سے کیسے راضی ہوں گے۔ [1]

۳: غیر مرئی چیز (جو آنکھوں سے اوجھل ہو) کی بیع......یعنی وہ چیز جو بائع کی ملکیت میں ہو اور فی الواقع موجود ہو لیکن آنکھوں کے سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو۔

حنفیہ......کہتے ہیں جو چیز غائب ہو یعنی آنکھوں کے سامنے نہ ہو، دیکھے بغیر اس کی خرید وفروخت جائز ہے، چنانچہ جب خریدار اسے دیکھے تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔ چاہے تو بیع کو نافذ قرار دے چاہے رد کر دے، اسی طرح مبیع کی صفت کے متعلق بھی خیار حاصل ہوگا اگرچہ مبیع فروخت کنندہ کے بیان کے مطابق ہو جیسے کور میں بند سامان یا گندم کی مقررہ مقدار۔

حنفیہ کی دلیل......یہ ہے کہ جب خریدار کو دونوں حالتوں میں خیار رویت حاصل ہوگا تو بیع میں غرر کا احتمال نہیں رہے گا لہٰذا جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہوگی، [2] حنفیہ کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے۔ ”جس شخص نے کوئی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو تو وہ جب اسے دیکھے گا اسے خیار حاصل ہوگا۔“ [3]

مالکیہ......کہتے ہیں کہ غائب چیز کی بیع جائز ہے بشرط یہ کہ وہ چیز ایسی صفت پر ہو جو اس کے غائب رہنے سے بدلے نہیں، جب وہ چیز صفت مذکور پر ہو تو بیع لازمی ہو جائے گی، چونکہ اس میں ہوا بھی تو غرر یسیر ہوگا۔ جبکہ بیان کی ہوئی صفت معاینہ کے قائم مقام ہوگی، اگر صفت مذکور کے مبیع خلاف ہو تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔

مالکیہ نے (ان کے ایک مشہور قول کے مطابق) غائب چیز کی بیع بغیر صفت، نوع اور جنس کے بیان کرنے کے بھی جائز قرار دی ہے جبکہ وہ چیز معین حالت پر ہو۔ [4] مالکیہ کے ہاں اس بیع کو ”بیع البرنامج“ برنامج سے مراد ایسی پرچی ہے جس پر بیع کی صفت درج ہوتی ہے اور وہ مبیع کی خرید وفروخت کی فائل میں رکھی ہوتی ہے جبکہ فروخت کنندہ کو مبیع کی جنس اور نوع کی خبر نہیں ہوتی، ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہے، یعنی گھڑی

---

[1]......دیکھئے رد المحتار والدر المختار ۱۴۴/۴، الفروق للقرافی ۲۲۹/۱، المجموع للنووی ۳۴۷/۹، المھذب ۲۶۶/۱، المغنی ۵۹۹/۵۔ [2] البدائع ۱۶۳/۵، فتح القدیر ۱۳۷/۵۔ [3] روی مسنداً ومرسلاً فالمسند اخرجه الدار قطنی فی سننه عن ابی هریرة والمرسل رواه ابن ابی شیبة والدارقطنی فی سننیهما عن مکحول۔ [4] مواهب الجلیل ۲۹۴/۴، الشرح الکبیر ۲۵/۳، الشرح الصغیر ۴۱/۳ القوانین الفقهیة ص ۲۵۷۔

کھولنے میں بائع کو مشقت درپیش آتی ہے۔ گویا بیان صفت کو رؤیت کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

شافعیہ..... کا اظہر قول اور اباضیہ کے نزدیک بھی ایک قول ہے کہ نظروں سے اوجھل (غائب) چیز کی بیع مطلقاً صحیح نہیں۔ غائب سے مراد وہ چیز ہے جسے متعاقدین دونوں یا کوئی ایک دیکھتا نہ ہو، اگرچہ مبیع قریب میں موجود ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اس میں غرر ہے، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے، جبکہ جس چیز کی جنس اور نوع معروف نہ ہو اس میں غرر کبیر ہوتا ہے، اسی طرح جس چیز کی جنس اور نوع معلوم ہو اور نظروں سے اوجھل (غائب) ہو اس میں بھی غرر ہے جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں اپنا عربی گھوڑا فروخت کر دیا۔ مذہب جدید میں غرر کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی، اس کا سبب یہ ہے کہ مبیع کی صفت میں جہالت ہوتی ہے۔ جیسی بیع سلم مسلم فیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوتی، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

رہی بات خیار رؤیت والی حدیث کی کہ "جس شخص نے ایسی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو تو اسے خیار حاصل ہوگا جب وہ اسے دیکھ لے۔" سو یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے، دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، صحیح نہیں، اسے بیہقی کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ ❶

حنابلہ..... ظاہری روایت کے مطابق کہتے ہیں: وہ غائب چیز جس کا وصف نہ بیان کیا گیا ہو اور نہ ہی رؤیت کے لئے پیش کی گئی ہو اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اگر حنابلہ کی دوسری روایت کے مطابق اس بیع کو صحیح قرار دیا جائے تو بائع اور مشتری کو دیکھتے وقت خیار حاصل ہوگا، پہلی روایت کی دلیل یہ ہے۔ کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔"

البتہ جب مشتری کے سامنے مبیع کا وصف بیان کر دیا جائے اور مبیع کی صفات بقدر کفایت واضح کر دی جائیں تو ظاہر مذہب میں اس چیز کی بیع صحیح ہوگی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ غائب چیز کی بیع صحیح نہیں یہاں تک کہ مشتری اسے دیکھ نہ لے، چونکہ صفت بیان کر دینے سے مبیع کی معرفت حاصل نہیں ہوئی، لہٰذا بیع صحیح نہیں جیسے مسلم فیہ کی بیع سلم صحیح نہیں۔

ظاہر مذہب پر حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع صفت کی بیع ہے لہٰذا بیع سلم کی طرح صحیح ہے، یہ نہ کہا جائے کہ اس سے مبیع کی معرفت حاصل نہیں ہوتی چونکہ صفات ظاہرہ سے یہ معرفت حاصل ہو جاتی ہے جس سے بظاہر ثمن مختلف ہوتے ہیں۔ ❷

خلاصہ..... حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ ظاہر قول کے مطابق، ظاہریہ، زیدیہ، امامیہ اور اباضیہ ایک قول کے مطابق غائب چیز کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس کی صفت بیان کی گئی ہو، ❸ بغیر رؤیت اور بیان وصف کے بغیر خرید و فروخت کو حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے۔

زمین میں پوشیدہ چیز کی بیع..... یعنی ایسی چیز کی بیع جس کا دیکھنا مشقت طلب امر ہو، بسا اوقات مبیع کی رؤیت میں مشقت ہوتی ہے یا نقصان ہوتا ہے جیسے ڈبوں میں پیک کی ہوئی اشیاء خورد و نوش، ادویات، مائع اشیاء، مختلف اقسام و انواع کے غاز جنہیں صرف استعمال کرتے وقت ہی کھولا جاتا ہے، حنفیہ نے ایسی اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، گاجر، مولی، آلو وغیرھا کی بیع بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ان اشیاء کی بیع ایسی ہی ہے جیسے غائب چیز کی بیع، جیسا کہ مالکیہ نے اس کی بیع کی اجازت دی ہے۔

چونکہ مبیع عادۃً معلوم ہوتی ہے، اس میں غرر معمولی درجہ کا ہوتا ہے، جبکہ شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ نے اس قسم کی بیع کو بیع باطل قرار دیا ہے۔ ❹ چونکہ ان اشیاء کا وصف بیان کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس میں غرر اور جہالت متحقق ہوگی۔

---

❶ ..... دیکھئے المہذب ۱/ ۲۶۳ المجموع ۹/ ۳۱۵ مغنی المحتاج ۳/ ۱۸ شرح النیل ۴/ ۱۴۳۔ ❷ المغنی ۳/ ۵۸۰، غایۃ المنتہی ۱۰۲۔ ❸ المحلی ۸/ ۳۸۹، الروض النضیر ۳/ ۲۵۹، المختصر النافع ص ۱۴۵، شرح النیل ۴/ ۱۳۷۔ ❹ الدر المختار ۴/ ۱۰۶، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۵۶، المجموع ۹/ ۳۳۸ المغنی۔ ۴/ ۹۱، المحلی ۸/ ۴۵۶۔

۴: **نابینا شخص کی خرید وفروخت**......دراصل نابینا شخص کی خرید وفروخت کا مسئلہ رؤیت مبیع کی شرط پر متفرع ہوتا ہے اس میں بھی سابقہ اختلاف چلے گا۔

حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ......کہتے ہیں: نابینا کی خرید وفروخت صحیح ہے، اس کا اجارہ، ہبہ وغیرہ بھی صحیح ہے، نابینا کو ایسے ذریعے کا خیار حاصل ہوگا جس سے اسے مبیع کی معرفت حاصل ہوجاتی ہو جیسے چھونے سے، سونگھنے سے یا چکھنے سے، مبیع کے اوصاف پر اعتماد کرنے سے معرفت حاصل ہوجائے تو بیع میں کافی سمجھی جائے گی۔ جیسے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں، گھروں اور پلاٹس کے اوصاف کافی ہوتے ہیں، ان فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''بیع باہمی رضامندی سے طے ہوتی ہے۔ ❶ جبکہ نابینا خرید وفروخت پر راضی ہوتا ہے، اور مختلف وسائل سے اسے معرفت حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا بینا شخص کی خرید وفروخت کے مترادف ہوا۔ نیز گونگے شخص کے اشارات بات کرنے کے قائم مقام ہوتے ہیں اسی طرح نابینا شخص کا سونگھنا اور چکھنا بھی اس کے دیکھنے کے مترادف ہے۔ ❷

البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بائع کے لئے خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا برابر ہے کہ وہ بینا ہو یا نابینا۔

شافعیہ......کہتے ہیں کہ نابینا شخص کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہوتی، ہاں البتہ اس نے بینائی جانے سے قبل جو چیز دیکھی ہو اور اس میں تغیر نہ ہوتا ہو جیسے لوہا وغیرہ، شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ شئے کے متعلق نابینا شخص کا ادراک ناقص ہوتا ہے، گویا نابینا کے اعتبار سے محلِ عقد مجہول ہوتا ہے۔ ❸

۵: **حرام ثمن کے بدلہ میں بیع**......جب خرید وفروخت میں ثمن کوئی حرام چیز ٹھہری ہو جیسے شراب، خنزیر وغیرہ۔ تو بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہوگی، چونکہ حقیقۃً بیع کا وجود ہے اور وہ مال کے بدلہ میں مال کا ہونا ہے، چنانچہ شراب اور خنزیر کفار کے نزدیک مال متقوم ہیں، یہ دونوں چیزیں اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مال متقوم ہیں لیکن ازروئے شریعت مال متقوم نہیں ہیں، اس بارے میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ ''جب عوضین میں سے کوئی چیز (ثمن یا مبیع) کسی بھی آسمانی دین میں مال نہ ہوں تو بیع باطل ہوتی ہے برابر ہے کہ وہ چیز مبیع ہو یا ثمن ہو، چنانچہ مردار، خون اور آزاد انسان کی بیع باطل ہے۔

اگر عوض ایسا ہو کہ کسی ایک دین میں مال ہو اور دوسرے دین میں مال نہ ہو پھر اگر وہ چیز ثمن ٹھہرے تو بیع فاسد ہوگی جیسے شراب کے ساتھ کپڑے کی بیع، اگر وہ عوض مبیع ٹھہرے تو بیع باطل ہوگی جیسے دراہم سے شراب کی بیع۔

اسی اختلاف پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ جب ثمن حرام چیز ہو تو قیمت کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے، ❹ واضح رہے کہ حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کے نزدیک یہ بیع باطل ہے۔

۶: **ادھار کی خرید وفروخت**......ادھار کہا جاتا ہے کہ سامان لے لیا جائے اور اس کے ثمن تاخیر سے مقررہ مدت تک دیئے جائیں۔ اسے عربی میں ''بیع نسیئہ'' کہا جاتا ہے، نقدی بیع یہ ہے کہ فی الحال ثمن دے دیئے جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عقد کو شرعاً غیر مباح غرض کے حصول کے لئے وسیلہ بنایا جائے تو کیا ارکان عقد یعنی ایجاب وقبول کے پائے جانے پر عقد منعقد ہوجائے گا یا اسے غیر مشروع سبب کا حامل ہونے کی وجہ سے غیر صحیح سمجھا جائے؟

اس کی مثال یہ ہے ❺ جیسے ایک شخص کسی گاہک کو مال ادھار ثمن کے ساتھ فروخت کرے پھر وہی مال گاہک سے نقدی ثمن کے ساتھ

---

❶......رواه ابن ماجه والبيهقي وصححه ابن حبان عن ابي سعيد الخدري. قدسبق تخريجه. ❷مختصر الطحاوی ص ۸۲، البدائع ۱۶۴/۵، حاشية الدسوقي ۲۴/۳، المغني ۲۱۰/۴، غاية المنتهى ۱۰/۲. ❸المهذب ۲۶۴/۱. ❹فتح القدير مع العناية ۱۸۶/۵، البدائع ۱۴۱/۵، ردالمحتار ۱۰۵/۴. ❺مواهب الجليل للخطاب ۳۹۰/۴، الشرح الكبير للدردير ۷۶/۳، الشرح الصغير ۱۱۶/۲.

خرید لے، جیسے مثلاً ایک شخص پانچ ہزار روپے ادھار پر کسی کو روئی فرخت کرے پھر یہی روئے نقدی چار ہزار روپے سے اس سے واپس خرید لے، گویا یہاں بیع کے دوعقد ہوتے ہیں بظاہر یہ دونوں عقد ارکان وشرائط پر مشتمل ہوتے ہیں، مالکیہ کے نزیک اس قسم کی بیع کو بیع عینہ کہا جاتا ہے، دراصل یہ بیوع الاجل کی ایک نوع ہے جس سے سود کمانے کے لئے ایک حیلہ کیا جاتا ہے، اور ایسی چیز کو حاصل کیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ اسے عرف عام میں بیع الاجل سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ مالکیہ بیع الاجل اور بیع عینہ میں فرق روا رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں بیع الاجل یہ ہے کہ مشتری اپنے بائع یا وکیل کے لئے کوئی چیز خریدے اور مدت تک کے لئے خریدے اور بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے سے کہے: دس روپے میں سامان نقدی خرید واور میں تم سے بارہ روپے میں ادھار خریدوں گا۔

شافعیہ اور ظاہریہ...... کہتے ہیں: چونکہ اس عقد میں ایجاب وقبول پایا جاتا ہے اس لیے صحیح ہے، اور نیت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سپرد ہے وہی اس پر سزا دینے والا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: جب غلط ارادے پر دلیل قائم ہوجائے تو عقد سد اللباب عقد باطل ہوگا اس اختلاف کی تطبیق ان صورتوں میں ظاہر ہوگی: حلالہ کے لئے شادی کرنا، بیع عینہ اور شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا۔ ❶

امام ابوحنیفہؒ...... ظاہر مذہب میں محلل کی شادی کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنے کو صحیح قرار دیتے ہیں، بشرط یہ کہ عقد میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو عقد کے لئے مخل ہو، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیع عینہ کو فاسد قرار دیتے ہیں بشرط یہ کہ درمیان میں کوئی تیسرا آدمی حائل نہ ہو۔

بیع عینہ...... بیع عینہ سے قرض کے ذریعے سود کمانے کا ایک حیلہ مراد لیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ادھار ثمن کے ساتھ فروخت کرے پھر وہ چیز فی الحال (اسی وقت) خریدار سے واپس خرید لے۔ بیع عینہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مبیع کو بعینہ بائع واپس خرید لیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی شخص مقررہ مدت تک کے ادھار ثمن کے ساتھ کوئی سامان فروخت کرے پھر اور مدت مقرر کرے کے بائع واپس خرید لے یا کم ثمن نقدی دے کر خرید لے اور پھر جب پہلے عقد کی مدت پوری ہو تو پہلے طے ہونے والے پورے کے پورے ثمن بائع کو دے دیئے جائیں یوں دونوں ثمنوں میں فائدہ ہوتا ہے یا سامان کے مالک کو سود مل جاتا ہے اور سود حاصل کرنے کے لئے خرید وفروخت کی صورت اختیار کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کو ۱۲ روپے میں کپڑا ادھار پر فروخت کرے اور مدت مثلاً ایک مہینہ قرار پائے، پھر خریدار یہی کپڑا اپنے تئیں فروخت کنندہ کو ۱۰ روپے نقدی کے ساتھ فروخت کردے اور جب پہلے عقد کی مقررہ مدت یعنی ایک مہینہ پورا ہوجائے تو خریدار بائع کو پورے ۱۲ روپے واپس کرے، یوں صاحب مال کو فائدہ یا سود حاصل ہوگا جیسے حاصل کرنے کے لئے اس نے خرید وفروخت کی صورت اختیار کی۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعاقدین درمیان میں تیسرے آدمی کو بھی لے آتے ہیں اور یوں ہوتا ہے کہ وہ تیسرا آدمی قرض کے خواہش مند (مستقرض) سے سامان نقدی خرید لیتا ہے پھر وہ تیسرا شخص اسی رقم کے ساتھ سامان کو مالک کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔ یوں سود کا فرق مالک ہی کو ملتا ہے۔

بیع عینہ کی صورت میں گویا دومرتبہ عقد ہوتا ہے اور یہ واضح امر ہے کہ بائع مشتری کے درمیان سودی معاملہ ہوتا ہے، اس عقد کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: اگر تیسرا شخص نہ ہو جو مالک مقرض اور مشتری مستقرض کے درمیان حائل نہ ہو تو عقد

---

❶ ..... الاموال ونظرية العقد ص ۲۹۷، اصول البيوع الممنوعة للشيخ عبدالسميع ص ۱۰۲ ۔

فاسد ہوگا، البتہ یہ ملحوظ رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مذکور بالا اصل کے خلاف ہیں جبکہ اس اصول کے مطابق اس عقد کو صحیح ہونا چاہیے تھا، ❷ البتہ یہ حضرت زید بن ارقم کے قصہ میں وارد ہونے والی حدیث پر استحساناً ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بیع تمام نہیں ہوگی تو پہلی بیع تمام نہیں ہوگی، لہٰذا دوسری بیع اسی پر مبنی ہوگی، چنانچہ بائع اول کو حق حاصل نہیں کہ وہ ایسی چیز کو خریدے جس کا وہ بعد میں مالک نہ ہو، یوں دوسری بیع فاسد ہو گی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: یہ بیع بلا کراہت صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے لیکن مکروہ ہے، حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی مانند نہایت قبیح ہے یہ سود خوروں کی ایجاد ہے۔ ❷

شافعیہ اور ظاہریہ..... کہتے ہیں: یہ عقد صحیح ہے چونکہ اس کا رکن ایجاب وقبول پایا جاتا ہے، لیکن مکروہ ہے، نیت کو بنیاد بنا کر عقد کو باطل قرار دینے کا اعتبار نہیں چونکہ نیت کے عدم و وجود کو ہم نہیں پہچان سکتے، ❸ یعنی قصد کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور حکم ظاہر عقد پر ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: یہ عقد باطل واقع ہوتا ہے، ❹ تاکہ سد ذرائع ہو، ان کی دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عالیہ بنت ایفع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اور زید بن ارقم کی ام ولد (وہ باندی جس سے آقا کی اولاد ہو جائے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ام ولد نے کہا: میں نے آٹھ سو دراہم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ایک غلام فروخت کیا ہے جو ادھار پر ہے اور پھر میں نے یہی غلام ان سے نقد چھ سو دراہم میں خرید لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہاری خرید وفروخت بہت بری رہی، زید رضی اللہ عنہ کو میرا پیغام پہنچا دو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا وہ باطل کر دیا ہے۔ بشرط یہ کہ اگر اس نے توبہ نہ کی۔ ❺ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”جب لوگ دینار و درہم کا ضمان دینے لگیں، ایک دوسرے سے بیع عینہ کریں اور گائیوں کی دموں کو پکڑ کر ان کے پیچھے لگ جائیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر بلاء وآزمائش نازل کر دے گا پھر اس آزمائش کو نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ لوگ اپنے دین پر واپس نہ آ جائیں۔ ❻

مالکیہ اور حنابلہ نے قیاس سے بھی اس کی عقلی دلیل پیش کی ہے کہ ایسے ذرائع جن کی ممانعت پر اجماع ہے اور وجہ جامع یہ ہے کہ اغراض فاسدہ اس عقد کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا یہ عقد بھی انہی ذرائع میں سے ہے۔

خلاصہ..... شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے اور صحیح نہیں ہے، چونکہ یہ سود کا ذریعہ ہے۔

---

❶ وہ یہ ہے کہ عقود میں اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے نیت کا نہیں ہوتا چونکہ غیر مباح کی نیت مستور ہوتی ہے لہٰذا نیت کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ❷ فتح القدير ۲۰۷/۵، رد المحتار لابن عابدين ۲۵۵/۴، الاموال ونظرية العقد ص ۳۰۱۔ ❸ الميزان ۷۰/۲، ارشاد الفحول للشوكانی ص ۲۱۷ القوانين الفقهية ص ۲۷۱۔ ❹ بداية المجتهد ۱۴۰/۲ حاشية الدسوقی ۹۱/۳، الخطاب ۴۰۴/۴، القوانين الفقهية ص ۲۵۸، الشرح الصغير ۱۳۰/۳، المغنی ۱۷۵/۴، نيل الاوطار ۲۰۶/۵۔ ❺ هذا الحديث رواه الدارقطنی عن يونس بن اسحاق عن امه العالية عن ام محبة عن عائشة وروى عن الشافعی انه لا يصح واخرجه الامام احمد فی مسنده (جامع الاصول ۴۷۸/۱) ❻ رواه احمد وابو داؤد عن ابن عمر واخرجه ايضاً الطبرانی وابن القطان وصححه وقال الذهبی هذا الحديث من مناكير عطا الخراسانی (نيل الاوطار ۲۰۶/۵).

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے، جب نقلی دلائل میں تعارض ہے تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ملاحظہ...... شافعیہ اور ظاہریہ متعاقدین کے ظاہری عقد پر اعتماد کرتے ہیں، اور مقتضائے آیت کے مطابق صحت عقد کا حکم لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" "اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ (البقرۃ ۲/۲۷۵) لیکن یہ استدلال مردود ہے، چونکہ ظاہر پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کوئی ایسا قرینہ قائم نہ ہو جو اس کے غیر کا فائدہ نہ دے، یہاں تو عرف عام قرینہ ہے بلکہ یہ قوی تر قرینہ ہے اس پر عمل واجب ہے، چونکہ ظاہر تو حرام کا ذریعہ بن رہا ہے۔

بیع تورُّق...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص مدت مقرر تک کو سامان خریدتا ہے پھر وہی سامان بائع کے علاوہ کسی اور کو نقد فروخت کر دیتا ہے اور اس کا ثمن (قیمت) لے لیتا ہے، اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دراہم حاصل ہو جائیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے کہ یہ بیع مکروہ ہے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق یہ بیع مکروہ نہیں۔ ❶

۷: شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا...... سابقہ قاعدہ پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے، اب اگر ایک شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شراب ساز ہے اس کے ہاتھ انگور فروخت کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، میں اس اختلاف کو یہاں ذکر کروں گا۔

امام ابوحنیفہ اور شافعی رحمہما اللہ...... کہتے ہیں شراب ساز کے ہاتھ انگور فروخت کرنا صحیح ہے مگر مکروہ ہے اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنا بھی صحیح مگر مکروہ ہے، چونکہ میں اس کی تحقیق نہیں ہوتی کہ آیا وہ واقعی شراب بنائے گا یا واقعی مسلمانوں کے ساتھ اس اسلحہ سے جنگ کرے گا۔ اس کا مؤاخذہ اس کے مقاصد پر ہوتا ہے، رہی بات وسائل کی سوان کے اور انسان کے درمیان خلل بھی پڑ سکتا ہے، بیع میں اعتقادِ فاسد حرام ہے، نہ کہ نفس عقد، لہٰذا صحت عقد کے مانع نہیں ہوگا، یہ ایسا ہی ہے جیسے بائع کسی عیب کو چھپا دے، یعنی حکم ظاہر عقد پر ہوتا ہے۔ ❷

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: شراب ساز کے ہاتھ انگوروں کا شیرہ فروخت کرنا باطل ہے اسی طرح اہل حرب، اہل فتنہ یا راہزنوں کو اسلحہ فروخت کرنا بھی باطل ہے، یہ ممانعت سد ذرائع کے واسطے ہے۔ چونکہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، اگرچہ قصداً اسے اختیار کیا گیا ہو، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ...... المائدۃ ۵/۲

گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔

یہ نہی تحریم کی مقتضی ہے، لہٰذا جب تحریم ثابت ہو چکی تو بیع باطل ہوگی۔ ❸

۸: ایک بیع میں دو بیع یا ایک بیع میں دو شرطیں...... "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک بیع میں دو بیع اور دو شرطوں سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

---

❶...... آج کل زیادہ تر کاروبار اور تجارت اسی طرح ہوتی ہے کہ مال ادھار پر خریدا جاتا ہے اور نقدی فروخت کر کے بائع کو ثمن دیئے جاتے ہیں، تعامل کامل کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ❷المهذب ۱/۲۶۷ تکملہ فتح القدیر ۸/۱۲۷، مختصر الطحاوی ص ۲۸۰۔ ❸المغنی ۴/۲۲۲، الموافقات للشاطبی ۳/۳۶۱۔

ایک اور حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرضہ اور بیع ایک ساتھ کرنا حلال نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں نہیں لگائی جا سکتیں اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں، اس پر نفع لینا جائز نہیں اور جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اس کی بیع بھی صحیح نہیں۔ ❶

بیع میں دو بیع......ایک بیع میں دو بیع کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: اس کے دو معنی ہیں:

۱......کوئی کہے کہ میں یہ چیز آپ کو ادھار دو ہزار پر فروخت کردوں گا اور اگر نقد خرید و تو ڈیڑھ ہزار میں فروخت کروں گا، جونسی صورت چاہو اختیار کر لو۔ گویا ایک صورت میں بیع لازم ہو، یہ بیع فاسد ہے (یعنی باطل ہے) چونکہ اس بیع میں ابہام اور تعلیق ہے۔

۲......بائع یوں کہے: میں تمہیں اپنا گھر فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے اپنا گھوڑا فروخت کرو گے۔

پہلے معنی میں ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ عقد غرر پر مشتمل ہے چونکہ ثمن کی مقدار مجہول ہے، چونکہ عقد تمام ہوتے وقت مشتری کو پتہ نہ ہوتا کہ آیا ثمن ۲ ہزار روپے ہیں یا ڈیڑھ ہزار روپے۔

دوسرے معنی میں ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی ضروریات کو گراں تر بنا دینا ہے (بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے جو کہ ممنوع ہے) جبکہ خریدار اس چیز کو خریدنے میں مجبور ہوتا ہے، گویا بائع کی طرف سے شرط لگا دینا گرانی کے قبیل میں سے ہے جو عقد میں مطلوب رضامندی کو ختم کر دیتا ہے، پھر اس میں غرر بھی ہے چونکہ بائع کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا دوسری بیع مکمل ہوئی یا نہیں۔

بیع میں دو شرطیں......ایک بیع میں دو شرطیں لگانے کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

پہلا قول......مثلاً کوئی شخص کہے: میں یہ چیز نقدی اتنے روپے میں (مثلاً دو سو میں) فروخت کروں گا اور ادھار اتنے روپے (۲۵۰ روپے میں) فروخت کروں گا۔

دوسرا قول......یہ اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع خریدار پر شرط لگا دے کہ وہ خرید کردہ سامان نہ ہی آگے کسی کو فروخت کرے گا اور نہ ہی کسی کو ہبہ کرے گا۔

تیسرا قول......اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً بائع کہے میں نے یہ سامان تمہیں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم فلاں چیز مجھے فروخت کرو گے۔ ❷

چوتھا قول......یہ کہ ایک قفیز گندم کے معاملہ میں مشتری بائع کو ایک مہینہ تک سو روپے قرض دے، جب مہینہ گزر جائے اور مشتری گندم کا مطالبہ کرے تو بائع کہے میرے ذمہ جو تمہاری ایک قفیز گندم ہے وہ مجھے دو مہینے تک دو قفیزوں کے بدلے میں فروخت کر دو، یوں یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں۔ چونکہ دوسری بیع پہلی میں داخل ہوگئی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک بیع میں دو بیع اور ایک بیع میں دو شرطیں لگانے کا معنی ایک ہی ہے، اس بیع کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: یہ بیع فاسد ہے، چونکہ اس میں ثمن مجہول ہوتا ہے، چونکہ اس میں تعلیق اور ابہام ہوتا ہے اور ثمن کا استقرار کسی ایک

---

❶......اخرجه اصحاب السنن ورواه احمد ایضاً عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده۔ (جد سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص) قال الترمذی حدیث حسن صحیح۔ (نصب الرایۃ ۴/۱۸، نیل الاوطار ۵/۱۷۹)۔ ❷المنتقیٰ علی المؤطا ۵/۳۶، نیل الاوطار ۵/۱۵۱ سبل السلام ۳/۱۶

نقطہ پر نہیں ہو پاتا، کہ آیا بیع نقد ہوگی یا ادھار ہوگی۔ اگر ابہام رفع کر دیا گیا اور کوئی ایک صورت قبول کر لی گئی تو عقد صحیح ہو جائے گا❶ ایک بیع میں دو بیع حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ شئے واحد کی بیع کی صورت میں ثمن کو استقرار نہیں ملتا نیز بیع کو مستقبل کی کسی شرط پر معلق کیا جاتا ہے اور گندم کے قفیز کی صورت میں سود لازم آتا ہے چونکہ ایک قفیز گندم کے بدلے میں دو قفیز کی بیع ہوتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ عقد باطل ہے چونکہ یہ بیوع غرر میں سے ہے چونکہ اس میں جہالت ہوتی ہے، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں یہ چیز یا یہ چیز فروخت کر دی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ثمن مجہول ہوتا ہے لہٰذا یہ صحیح نہیں جیسے لکھی ہوئی مجہول رقم کے ساتھ ہو، نیز عوضین میں سے ایک ایسا بھی ہوتا ہے جو غیر معین اور نا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا عقد صحیح نہیں، جیسے کوئی یوں کہے: میں نے تمہیں اپنے گھروں میں سے کوئی ایک گھر فروخت کر دیا۔❷

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: یہ بیع صحیح ہے اور یہ باب خیار میں سے ہوگی، اور عقد کسی ایک حالت پر طے ہو جائے گا، یہ عقد اس کے بعد پیش آنے والے امور پر جاری ہوگا، گویا عقد کافی ہوگا۔❸ جبکہ مالکیہ اس قسم کی بیع کے متعلق وارد حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں چونکہ اس میں ایک راوی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے اور وہ محمد بن عمرو بن علقمہ ہے چنانچہ بہت سارے اصحاب الجرح والتعدیل نے اس میں کلام کیا ہے نیز یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ بائع کہے: نقدا اتنے روپے میں اور ادھارا اتنے روپے میں۔ البتہ اگر سرے سے ہی یوں کہا جائے کہ ادھارا اتنے روپے میں ہوگا اور بتائے ہوئے نرخ اس دن کے نرخ سے زیادہ ہوں تو بیع صحیح ہوگی۔❹

۹: قسطوں کی بیع یا ادھار کی بیع...... شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، زید بن علی، موید باللہ اور جمہور کہتے ہیں کہ فی الحال کی ہوئی بیع جو ادھار ہو یا قسطوں میں کی گئی ہو جبکہ طے ہونے والے ثمن نقد ثمن سے زائد ہوں بشرط یہ کہ جب عقد مستقل ہو اس میں سودے کی جہالت یا ایک بیع میں دو بیع نہ ہوں، تو یہ بیع جائز ہے۔ چنانچہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں:''ادھار پر خرید و فروخت کرنا بالاتفاق حرام نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے، چنانچہ جب کسی چیز یا سامان کی فی الحال خریداری پر اتفاق ہو جائے اور ثمن ایک ہزار ایک سو مقررہ مدت میں دینا یا قسط وار ادائیگی کرنی ہو جبکہ اسی سامان کے نقد نرخ ایک ہزار روپے ہوں تو یہ بیع جائز ہے اگر بھاؤ تاؤ کے دوران دو نرخ بتائے گئے جس میں سے ایک ریٹ نقد بیع کا ہو اور ایک قسط وار ادائیگی کا ہو پھر آخر میں قسط وار ادائیگی پر بیع طے ہو جائے۔ البتہ اگر عقد واحد کی صورت میں بائع نے کہا میں نے تمہیں سامان نقدی ایک ہزار میں فروخت کیا اور قسط وار گیارہ سو میں فروخت کیا، مشتری نے کہا میں نے بیع قبول کر لی لیکن صورت متعین نہ کی بلکہ صورت ابہام میں رکھی یعنی وہ کون سا سودا کرنا چاہتا ہے اس کی تعیین نہیں کی، جمہور کے نزدیک یہ عقد باطل ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے۔

چونکہ عقد میں جہالت ہے، بعض زیدیہ کہتے ہیں: اس دن کے نرخ سے زیادہ نرخوں کے ساتھ کسی چیز کی بیع حرام ہے، چونکہ اس میں نساءً (ادھار) ہے۔

فی الواقع قسطوں پر خرید و فروخت سود سے جدا ہے، اگرچہ ان دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے وہ یوں کہ قسط وار ادائیگی مدت کے مقابل میں ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے لئے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے چونکہ سود میں ملنے والی زیادتی مدت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے، نیز سود متعاقدین میں سے کسی ایک کے دیئے ہوئے مال کی جنس میں سے ہوتا ہے جو مدت کے مقابلہ میں ہوتا ہے، جیسے ایک صاع گندم فی الحال دے دی جائے اور اس کے بدلے میں دو صاع مقررہ مدت پر لئے جائیں، یا قرض میں ایک

---

❶..... البدائع ۱۸۵/۵ رد المحتار ۳۰/۴۔ ❷المهذب ۲۶۷/۱، مغني المحتاج ۳۱/۲، المغني ۲۳۴/۴۔ ❸بداية المجتهد ۱۵۳/۲، المنتقى على المؤطا ۳۷/۵۔ ❹نيل الاوطار ۱۵۲/۵۔

ہزار روپے دیئے جائیں اور مقررہ مدت پر ایک ہزار ایک سو روپے لئے جائیں۔ رہی بات ادھار بیع یا قسطوں پر خرید وفروخت کی تو اس میں مبیع کی فی الحال قیمت ایک ہزار ہوتی ہے اور گیارہ سو روپے ایک مہینہ کے بعد ہوتی ہے یہ سود نہیں ہے۔ بلکہ خرید وفروخت میں یہ ایک قسم کا تسامح اور چشم پوشی ہے، چنانچہ مشتری تو سامان لیتا ہے روپے نہیں لیتا اور جو زائد رقم دیتا ہے وہ لی ہوئی چیز کی جنس میں سے نہیں ہوتی، جبکہ یہ طے شدہ ہے کہ فی الحال دی ہوئی چیز ادھار سے بہتر اور قیمتی ہوتی ہے۔

شریعت اشیاء کے طبائع کو بگاڑتی نہیں جب مبیع اور ثمن ایک جنس کے نہ ہوں۔ چنانچہ قسطوں پر اشیاء فروخت کرنے والا اپنے مال کی نکاسی چاہتا ہوتا ہے چونکہ نرخ اور قیمت میں قدرے گرانی کی وجہ سے مندی ہوتی ہے۔

۱۰: **اصل کے تابع اشیاء کی خرید وفروخت**...... جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کے تابع ہو تو تابع کی مستقلاً بیع جائز نہیں جیسے زندہ دنبے کی چکی کی بیع، بکری کی دستی کی بیع یا سری کی بیع وغیرہ۔ اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع (ایک میٹر) کی بیع۔ حنفیہ کہتے ہیں: زندہ بکری کے گوشت کی بیع یا اس میں موجود چربی کی بیع یا چکی کی بیع یا سری پایوں کی بیع، یہ سب بیع باطل ہے، یہ اس طرح کی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی، چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے چونکہ بکری تب گوشت بنتی ہے جب ذبح کر دی جائے اور کھال اتار دی جائے۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے یاقوت کی بیع کی لیکن وہ بلور نکلا، یا اون فروخت کی لیکن وہ روئی نکلی یہ بیع منعقد نہیں ہوگی چونکہ معدوم چیز کی بیع کی گئی ہے۔

رہی بات کپڑے میں سے ایک گز کپڑے کی بیع کی سو اگر ایک گز کپڑا کاٹ کر دینے میں بائع کا نقصان ہو جیسے آج کل کپڑا سوٹ کے حساب سے فروخت کیا جاتا ہے تو یہ عقد فاسد ہوگا چونکہ مبیع غیر کے تابع ہے اس کی سپردگی بغیر ضرر اور نقصان کے نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح چھت میں نصب شہتیر اور دیوار میں لگی ہوئی اینٹ کی بیع بھی فاسد ہے۔ البتہ اگر بائع نے مشتری کے عقد فسخ کرنے سے پہلے چھت سے شہتیر اکھاڑ دیا یا ایک گز کپڑا کاٹ کر مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع صحیح ہوگی، چونکہ فساد جاتا رہا، اگر فسخ عقد کے بعد بائع نے ایسا کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی۔

اگر مبیع کو الگ کر کے دینے میں بائع کا کوئی نقصان نہ ہو جیسے: غلے کے ڈھیر میں سے ایک قفیز کی بیع یا چاندی کی ڈلی میں سے دس دراہم کی بیع تو یہ جائز ہوگی، چونکہ مبیع کو الگ الگ کرنے میں کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی مبیع کسی دوسری چیز کے تابع ہے۔ (۱)

۱۱: قبضہ سے پہلے مملوک چیز کی خرید وفروخت:

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر خرید کردہ سامان منقولی چیز ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کو آگے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جس پر ابھی قبضہ نہ کیا ہو، (۲) نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں غرر ہے چونکہ خرید کردہ سامان ضائع بھی ہوسکتا ہے، یعنی مشتری کو معلوم نہیں ہوتا کہ آیا قبضہ تک مبیع باقی رہے گی یا ضائع ہو جائے گی، لہٰذا پہلی بیع باطل ہے اور دوسری فسخ ہو جائے گی، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہو۔ (۳)

رہی بات غیر منقولی اشیاء کی جیسے پلاٹس، زمین اور گھر وغیرہ تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان اشیاء کی بیع قبضہ

---

(۱) فتح القدیر ۴/ ۱۹۳، البدائع ۵/ ۱۳۹، ردالمحتار ۴/ ۱۱۴ (۲) فیہا احادیث منہا ما اخرجہ ابوداؤد عن ابن عمر قد سبق تخریجہ وذکرہ۔ (۳) رواہ مسلم واحمد واصحاب السنن الاربعة قد سبق تخریجہ۔

سے پہلے استحساناً جائز ہے، ان کا استدلال بیع کے عموم دلائل سے ہے اور ان میں کوئی تخصیص نہیں اور عموم کتاب کی خبر الواحد سے تخصیص جائز نہیں۔ زمین کی خرید وفروخت میں کوئی غرر نہیں چونکہ زمین کے ضائع ہونے کا خدشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی بیع واقع ہونے کے بعد اس کے تغیر کا احتمال ہوتا ہے۔ ❶

خلاصہ.....حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع کے عدم جواز کی علت غرر ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: غلے پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں خواہ غلہ سودی اشیاء میں سے ہو یا غیر سودی اشیاء میں سے، اس کی دلیل ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غلہ فروخت کرنا چاہے تو وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت نہ کرے۔ ❷ غلے کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے چونکہ غلے میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے (مثلاً غلے میں گھن پیدا ہو جاتا ہے)، اس کی دلیل حدیث سابق کا مفہوم ہے۔ ❸

مالکیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے غلے کی بیع کے ممنوع ہونے کی علت یہ ہے کہ بسا اوقات بیع کو رباء نسیئہ کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، یہ غلہ کے بدلہ میں غلہ کی بیع جو نسیئہ ہو کے مشابہ ہے لہٰذا سدِ ذرائع کی وجہ سے حرام ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: غلے کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، جبکہ غلہ مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی ہو، چونکہ مکیلی، موزونی اور عددی چیز پر قبضہ سہولت سے ہو جاتا ہے اور اس پر قبضہ کرنا دشوار نہیں ہوتا، ان کی دلیل حدیث سابق ہے، حنابلہ کے نزدیک یہ ممانعت غلے کے ساتھ خاص ہے اس سے معلوم ہوا کہ غلے کے علاوہ بقیہ اشیاء کی بیع ان کے نزدیک جائز ہے۔ مکیلی، موزونی یا عددی ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس وصف کی اشیاء بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں کیل، وزن (ناپ تول) اور گنتی کے ساتھ جاتی ہیں، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس کا ضمان انسان کے قبضہ میں نہ ہو، گویا اس بیع کی ممانعت کی علت حنابلہ کے نزدیک غرر ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک اس کی علت غرر ہے۔

رہی بات مکیلی موزونی اور عددی اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء کی تو ان کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے۔ ❹

امام شافعی، امام محمد بن حسن اور امام زفر...... کہتے ہیں: جس چیز پر قبضہ سے پہلے ملکیت کو استقرار حاصل نہ ہو اس کی بیع مطلقاً جائز نہیں، برابر ہے کہ وہ چیز منقولی ہو یا غیر منقولی، چونکہ جس چیز پر قبضہ نہیں ہوا اس کی ممانعت میں عموم ہے۔

چنانچہ امام احمد نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مختلف اشیاء کی خرید وفروخت کرتا ہوں ان میں سے کون سی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون سی حرام ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی چیز کو خریدو تو جب تک اس پر قبضہ نہ کر لو اسے آگے مت فروخت کرو۔" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک ساتھ قرضہ اور بیع حلال نہیں، اور جو چیز انسان کے ضمان میں نہیں اس کا نفع لینا بھی حلال نہیں اور جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کی خرید وفروخت بھی حلال نہیں۔ یہ بیع مالم یضمن کے قبیل میں سے ہے یعنی اس چیز کی بیع کر دینا جو انسان کے ضمان میں نہ ہو۔

ان فقہاء کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے چونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں۔ اور اس کی ملکیت کو استقرار حاصل نہیں ہوتا، چونکہ بسا اوقات یہ چیز ضائع بھی ہو جاتی ہے اور عقد فسخ ہو جاتا ہے، اس میں بلاضرورت غرر ہے، لہٰذا جائز نہیں، گویا شافعیہ کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح

---

❶..... دیکھئے المبسوط ۱۳/۸، البدائع ۵/۲۳۴، فتح القدیر ۵/۲۶۴ مختصر الطحاوی ص ۸۴ ❷حدیث ابن عباس رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد الترمذی والنسائی وحدیث ابن عمر رواہ احمد واصحاب الکتب الستۃ الا الترمذی۔ ❸بدایۃ المجتھد ۱۴۲/۲، المنتقی علی المؤطا ۲۷۹/۴ القوانین الفقیۃ ص ۲۵۸۔ ❹المغنی ۱۱۰/۴۔

اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے۔ (۱)

جس چیز پر قبضہ نہیں کیا اس کی بیع ممنوع ہونے کی میرے نزدیک راجح حکمت یہ ہے کہ یہ بیع سود کے مشابہ ہے چونکہ جب خریدار بائع کو سامان کے روپے دیتا ہے پھر اس سامان پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دیتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہے کہ اس نے روپے دیئے اور محض روپے دینے پر بائع سے نفع کمایا اور کوئی دوسرا کام نہیں کیا، یہ شبہ ربا ہے۔ (۲)

۱۲: معین مبیع اور ثمن معین میں مدت کی شرط لگانا...... جب معین بیع یا ثمن معین کی سپردگی کے لئے مدت کی شرط لگائی جائے تو حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، چونکہ دراصل عقد کے وقت ہی مبیع یا ثمن کو سپرد کرنا واجب ہوتا ہے چونکہ بیع عقدِ معاوضہ ہے جو کہ تملیک بمقابلہ تملیک اور تسلیم بمقابلہ تسلیم ہے۔

ادھار یعنی مدت کا مقرر کر لینا فی الحال وجوب تسلیم کی نفی کرتا ہے، گویا ادھار عقد کے مقتضا کو بدل دیتا ہے۔ لہٰذا عقد کا فساد واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مبیع مؤجل (ادھار) ہو تو پھر مدت کا مقرر کرنا صحیح ہے جیسے بیع سلم، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو مدت کے مقرر کرنے کے بغیر بیع سلم صحیح ہی نہیں۔ چونکہ مدت مقرر کرنا (تأجیل) قرضہ جات کے ملائم ہے۔

جبکہ اعیان کے ملائم نہیں چونکہ قرضہ جات میں مدت مقرر کرنے کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہے۔ اعیان میں ضرورت پیش نہیں آتی۔ قرضہ جات میں اس لئے کہ مدت مقرر کرنے والا اس مدت کے اندر اندر کمائی کر کے قرضہ ادا کرنے کا انتظام کر لیتا ہے۔ جبکہ اعیان میں اس کی ضرورت نہیں۔ (۳)

۱۳: شرط فاسد کے ساتھ بیع...... اس نکتہ کی وضاحت کیلئے میں بیوع میں لگائی جانے والی مختلف شرائط کی وضاحت کرتا ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک شرائط...... حنفیہ کے نزدیک تین قسم کی شرائط ہیں:

۱..... شرط صحیح ۲..... شرط فاسد ۳..... شرط لغو باطل (۴)

اول: شرط صحیح...... شرط صحیح سے مراد وہ شرط ہے جو شرعاً مقبول ہو، اور متعاقدین کو لازمی ہوتی ہے، اس قسم کی شرط کی چار انواع ہیں۔

۱: وہ شرط جس کا تقاضا عقد کرتا ہو...... جیسے کسی شخص نے کوئی چیز خریدی اور یہ شرط لگا دی کہ فروخت کنندہ خرید کردہ سامان کو سپرد کر دے گا۔ یا یہ شرط بائع نے لگائی کہ مشتری ثمن سپرد کرے گا، یا یہ شرط لگا دی کہ مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا یا شرط لگا دی کہ بائع ثمن کا مالک بن جائے گا یا یہ شرط لگا دی کہ بائع مبیع کو روکے رکھے گا تاوقتیکہ مشتری پوری قیمت ادا کر دے، عقد ان شرائط کا تقاضا کرتا ہے چونکہ ثبوت ملک، سپردگی، اور مبیع کو روک لینا معاوضہ جات کے مقتضیات ہیں۔ (۵)

۲: وہ شرط جو شریعت کی رو سے جائز ہو...... جیسے کسی ایک متعاقد کے لئے مدت یا خیار کی شرط لگا دینا چنانچہ مختلف واقعات جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں میں تأجیل (مدت مقرر کرنے) کا جواز ثابت ہے چونکہ لوگوں کو اس کی حاجت پیش آتی ہے اور اس میں مصلحت بھی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے شریعت میں خیار شرط کا جواز ثابت ہے کہ اس خیار کے ذریعے خواہ بیع نافذ کی جائے یا رد کی جائے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ”جب تم خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ یہ بیع

---

(۱)..... المهذب ۱/۲۶۴، الميزان ۲/۶۶، مغنى المحتاج ۲/۶۸۔ (۲) اصول البيوع الممنوعة ص ۶۴۔ (۳) البدائع ۵/۱۷۴، ردالمحتار ۵/۲۳۔ (۴) البدائع ۵/۱۶۸، المبسوط ۱۳/۱۳، فتح القدير ۵/۲۱۴، رد المحتار ۴/۱۲۶، عقد البيع للاستاد مصطفى الزرقاء ص۲۷۔ (۵) البدائع ص ۵/۱۷۱۔

لازم نہیں مجھے تین دن کا خیار حاصل ہے۔'' ❶ استحسان کا بھی یہی تقاضا ہے، ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شرط فاسد ہے، چونکہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور عقد کا مقتضی یہ ہے کہ عوضین میں فی الحال ملکیت ثابت ہو۔

۳: وہ شرط جو مقتضائے عقد کے ملائم ہو..... جیسے ادھار ثمن پر کی ہوئی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ کی کہ مشتری کفیل یا رہن پیش کرے گا، چونکہ کفالت اور رہن وثیقہ ثمن ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بیع کے ملائم ہوں گے اور سپردگی کے مؤید ہوں گے۔

یہ شرط قدرے تفصیل کی محتاج ہے چونکہ کفیل اور رہن یا تو معلوم (مقرر و معین) ہوں گے یا مجہول ہوں گے، پھر آیا کہ حوالہ بھی کفالت اور رہن کی مانند ہے؟

رہن اور کفیل مجہول ہوں..... چنانچہ جب رہن اور کفیل مجہول ہوں (یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ کفیل کون ہے اور رہن میں کیا چیز رکھی جارہی ہے؟) تو بیع فاسد ہوگی، مثلاً جیسے بائع کہے: میں تمہیں اس شرط پر یہ چیز فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن کے بدلہ میں رہن دوگے، جبکہ رہن میں کیا چیز ہوگی؟ نہ ہی کسی چیز کا نام لے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کرے، یا کہے: اس شرط کے ساتھ یہ چیز فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن کا کفیل دوگے، اور کفیل کون ہو؟ نہ ہی کسی شخص کا نام لے اور نہ ہی کسی کی طرف اشارہ کرے۔ چونکہ یہ جہالت نزاع تک پہنچا دیتی ہے جو کہ مبیع کے لینے اور دینے سے مانع ہے، جبکہ رہن یا کفالت سے ثمن کے حصول کا وثوق اور تاکید سپردگی سے حاصل ہوتی ہے اور یہ امر مجہول چیز میں متحقق نہیں ہوسکتا۔

اگر مجلس عقد میں متعاقدین کسی چیز کو بطور رہن رکھنے پر اتفاق کرلیں تو بیع جائز ہوگی، چونکہ جہالت رہن عقد سے مانع تھی اب جبکہ وہ جاتی رہی، گویا ابتدائے عقد ہی میں رہن مقرر اور معین تھا، چونکہ مجلس کا حکم حالت واحدہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر متعاقدین کا کسی چیز کو رہن رکھنے پر اتفاق نہ ہو لیکن مشتری ثمن نقدی دے دے تو بھی بیع جائز ہوگی، چونکہ رہن رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا تا کہ ثمن کی وصولی کی راہ ہموار ہو، اب یہ مقصد حاصل ہو چکا لہٰذا وثیقے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

اگر متعاقدین مجلس عقد میں اٹھ کر چلے گئے تو فساد راسخ ہو جائے گا چونکہ قبول عقد میں شرط لگائے ہوئے رہن پر موقوف تھا لہٰذا جب رہن نہیں پایا گیا تو قبول بھی نہیں پایا گیا۔

جب رہن اور کفیل معلوم و متعین ہوں..... خواہ ان کی طرف اشارہ کردیا گیا ہو یا ان کا نام لے لیا گیا ہو، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیع جائز نہ ہو، امام زفرؒ نے قیاس ہی کو اختیار کیا ہے چونکہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ فی الاصل مفسد عقد ہوتی ہے، جبکہ رہن اور کفالت کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لہٰذا یہ شرط عقد کو فاسد کردے گی۔

جبکہ جمہور حنفیہ کے نزدیک استحسان جواز کا مقتضی چونکہ یہ شرط اگر صورۃً مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن معنوی طور پر عقد کے موافق ہے، چونکہ رہن اور کفالت شرعاً وثیقہ ثمن ہوتے ہیں، چنانچہ رہن رکھنے سے اور کفیل لینے سے بائع کا حق پختہ ہو جاتا ہے گویا رہن اور کفالت معنوی طور پر مقتضائے عقد کے موافق ہیں۔

لہٰذا یہ شرط ثمن کے کھرے ہونے کی شرط کے مشابہ ہے۔

ملاحظہ..... کفالت کی شرط لگانے کی صورت میں بیع کا استحساناً جائز ہونا تب ہے جب کفیل مجلس عقد میں حاضر ہو، یا کفیل مجلس سے عقد کے وقت غائب ہو لیکن پھر جب حاضر ہوا اور وہ کفالت کو قبول بھی کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بوقت عقد کفالت کو قبول کیا ہو چونکہ مجلسِ عقد عقد کا

---

❶ .....رواه الحاكم في المستدرك عن ابن عمرؓ.

حکم رکھتی ہے۔ البتہ اگر کفیل مجلس سے غائب ہو یا مجلس میں حاضر ہو لیکن کفالت کو قبول نہ کرے یا کفالت کو قبول کرے لیکن مجلس سے غائب ہو تو کفالت صحیح نہیں ہوگی، چونکہ اس سے توثیق کا معنی حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا حکم اصل قیاس کا باقی رہے گا، چونکہ کفیل کے ذمہ میں ثمن کا واجب ہونا بیع کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا کفیل بمنزلہ مشتری کے ہوتا ہے یہ تب ہے جب بیع میں کفالت کی شرط لگائی گئی ہو۔ مجلس بیع میں مشتری کا موجود ہونا ایجاب کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اسی طرح کفیل کا موجود ہونا بھی شرط ہے۔

یہ تفصیل رہن کے بخلاف ہے، چنانچہ مرہون چیز کا مجلس بیع میں موجود ہونا شرط نہیں، چونکہ رہن کا پیش کرنا مشتری کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ مشتری حاضر ہوتا ہے اور رہن کا معاہدہ کر رہا ہوتا ہے لہٰذا رہن صحیح ہوتا ہے۔ البتہ جب مشتری بائع کو رہن نہ دے تو رہن کا حکم ثابت نہیں ہوتا چونکہ رہن کے حکم کا ثبوت قبضہ پر موقوف ہے جیسا کہ "باب الرھن" میں یہ امر معروف ہے، اگر رہن حوالے کر دیا تو عقد مکمل ہو جائے گا۔

اگر مشتری رہن حوالے کرنے سے انکار کرے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے مجبور کیا جائے گا چونکہ جب بیع میں رہن کی شرط لگائی جاتی ہے تو یہ ثابت شدہ حق ہوتا ہے اور سپردگی پر مجبور کرنا عقد بیع کے حقوق میں سے ہے۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک مشتری کو رہن سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ دراصل رہن عقد تبرع ہوتا ہے، اور عقد بیع میں رہن کی شرط لگا لینے سے رہن تبرع ہونے سے خارج نہیں ہوتا، جبکہ تبرع پر زبردستی کرنا مشروع نہیں۔ لہٰذا مشتری کو رہن پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مشتری سے کہا جائے گا یا تو رہن لاؤ یا قیمت دو یا بیع ہی فسخ کر دو، چونکہ بائع اس پر راضی نہیں کہ ثمن مشتری کے ذمہ میں واجب رہیں۔ الا یہ کہ ثمن کے بدلہ میں کوئی وثیقہ ہو، اگر مشتری مذکور بالا امور میں سے کچھ بھی نہ کرے تو بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا چونکہ اس کی غرض فوت ہو چکی۔

حوالہ......حوالہ کی شرط یا تو بائع کی طرف سے ہوگی یا مشتری کی طرف سے، چنانچہ اگر بیع میں بائع نے شرط لگائی کہ مشتری ثمن کا کسی قرض خواہ پر حوالہ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف...... اگر پورے کے پورے ثمن کا حوالہ کر دیا تو بیع فاسد ہوگی، چونکہ اس صورت میں بیع میں یہ شرط ملحوظ ہو جاتی ہے کہ ثمن کسی غیر مشتری پر شرط لگا دی جاتی ہے اور یہ باطل ہے چونکہ یہ مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔

ب...... اگر یہ شرط لگائی کہ نصف ثمن فلاں شخص پر حوالہ کر دے تو بیع جائز ہوگی بشرط یہ کہ جب محال علیہ حاضر ہو اور حوالہ قبول بھی کرے جیسے مثلاً کوئی شخص ایک چیز کو ہزار روپے میں فروخت کرے اور شرط یہ لگا دے کہ پانچ سو روپے۔ فلاں شخص کے ذمہ ہوں گے اور وہ فلاں شخص مجلس عقد میں موجود ہو اور حوالہ قبول بھی کر لے، یا محال علیہ مجلس عقد سے غائب ہو پھر حاضر ہو اور مجلس میں قبول کرے چونکہ مجلس عقد عقد کا حکم رکھتی ہے۔

اگر مشتری نے بیع میں یہ شرط لگائی ہو کہ بائع اپنے کسی قرض خواہ پر ثمن کا حوالہ کرے تاکہ وہ اسے دے یا یہ شرط لگائے کہ مشتری بائع کے کسی قرض خواہ کو ثمن کا ضامن بنائے تو بیع فاسد ہوگی۔ [1] چونکہ حوالہ کی شرط اور ضمان کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، بلکہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس میں عاقد کی منفعت ہے، چنانچہ جب ایسی شرط ہو جس کا تقاضا عقد نہ کرتا ہو وہ فی الاصل مفسد ہوتی ہے الا یہ کہ جب کسی شرط سے عقد کی پختگی اور تاکید مقصود ہو حوالہ تو ثمن سے بری الذمہ ہونے کا نام ہے، لہٰذا عقد کے ملائم (مناسب) نہیں ہوتا، بخلاف کفالت اور رہن کے، نیز ضمان ثمن کی صفت پر نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک شرط ہے جس میں کسی عاقد کی منفعت ہوتی ہے۔

---

[1] البدائع ۵/ ۳

۴: شرط صحیح......وہ ہے جو عرف عام کے موافق ہو جیسے اس شرط پر لاک خریدنا کہ بائع اسے دروازے میں فٹ کرے گا یا جوتا خریدا کہ بائع اس کی سلائی کر کے دے گا، اسی طرح گھڑی، واشنگ مشین، فریزر اور ریڈیو وغیرہ اس شرط کے ساتھ خریدا کہ بائع ایک سال تک ان کی درستی کرے گا اگر ان اشیاء میں کوئی خرابی آ گئی، تو یہ بیع استحساناً جائز ہے، قیاس تو عدم جواز کا مقتضی ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس......یہ ہے کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں کسی ایک عاقد کی منفعت ہے اور یہ شرط مفسد عقد ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کی قمیص شلوار بھی بنائے گا۔

وجہ استحسان......خرید وفروخت کے معاملہ میں اس شرط پر لوگوں کا تعامل رہا ہے جیسے استصناع میں لوگوں کا تعامل ہے یوں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس ساقط ہو جاتا ہے جیسے استصناع میں قیاس ساقط ہو جاتا ہے۔

دوم: شرط فاسد......یعنی شرط مفسد (جو عقد کو فاسد کر دے) یہ وہ شرط ہے جو مذکورہ بالا چار شرائط کے علاوہ ہو یعنی وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور عقد کے ملائم اور مناسب نہ ہو اور اس کے متعلق شریعت بھی وارد نہ ہوئی ہو، لوگوں کے ہاں بھی متعارف نہ ہو۔ البتہ اس میں کسی ایک متعاقد کی منفعت ہو، جیسے کوئی شخص گندم خریدے اور شرط یہ لگا دے کہ بائع اسے پیس کر دے گا یا اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کی قمیص بنا کر دے گا یا گندم اس شرط پر خریدے کہ وہ ایک ماہ تک بائع کے گھر میں رہے گی، یا کوئی شخص گھر فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگا دے کہ وہ ایک سال تک اس میں رہے گا پھر مشتری کے حوالے کرے گا۔ یا کوئی زمین فروخت کرے اور ساتھ یہ شرط لگائے کہ وہ ایک سال تک زمین میں کاشتکاری کرے گا۔ یا گھوڑا (یا گاڑی) فروخت کرے کہ وہ ایک سال تک یا ایک ماہ تک اس پر سواری کرے گا۔ یا یہ شرط لگائے کہ مشتری اسے قرضہ دے گا یا یہ شرط لگائے کہ مشتری اسے کوئی چیز ہبہ کرے گا۔

ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے چونکہ ہر وہ زیادتی جو منفعت کے زمرہ میں آتی ہو اور عقد میں مشروط ہو وہ سود ہے چونکہ یہ ایسی زیادتی ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں عقد بیع میں کوئی عوض نہیں ہوتا یہی تو سود ہے اور وہ بیع جس میں سود ہو وہ فاسد ہوتی ہے یا کم از کم اس میں شبہ ربا ہوتا ہے اور شبہ ربا بھی بیع کو فاسد کر دیتا ہے، جیسے حقیقت ربا عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔[1]

سوم: شرط لغو یا شرط باطل......یہ وہ شرط ہوتی ہے جس میں کسی ایک عاقد کا نقصان ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس شرط پر کسی چیز کو فروخت کرنا کہ مشتری اس چیز کو آگے کسی کو فروخت نہیں کرے گا، یا کسی کو ہبہ نہیں کرے گا۔

حنفیہ کے نزدیک......بیع تو جائز ہوگی لیکن صحیح مذہب کے مطابق شرط باطل ہے، چونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ اس میں کسی کا نفع نہیں لہٰذا فساد واجب نہیں ہوگا۔ چونکہ اس جیسی شرائط میں فساد بیع کے ضمن میں سود ہوتا ہے جو کہ مشروط منفعت ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی عوض بھی نہیں ہوتا، جبکہ زیر بحث شرط میں منفعت نہیں پائی گئی چونکہ کسی عاقد کو نفع نہیں حاصل ہوتا الا یہ کہ یہ فی نفسہ شرط فاسد ہے، لیکن یہ عقد میں مؤثر نہیں ہوگی، لہٰذا عقد جائز ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔[2]

ملاحظہ رہے کہ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر متعاقدین عقد صحیح کے ساتھ کسی صحیح شرط کو ملحق کر دیں جیسے خیار صحیح تو یہ شرط عقد کے ساتھ ملحق ہو جائے گی۔

رہی بات شرط فاسد کی سو وہ اگر عقد کے ساتھ ملحق کر دی جائے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے بیع صحیح کی پھر عقد کے ساتھ کوئی شرط فاسد لگا دی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ یہ تفصیل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

---

[1]......البدائع ۱۶۹/۵، المبسوط ۱۵/۱۳، رد المحتار ۱۲۶/۴، فتح القدیر ۲۱۴/۵۔ [2] المبسوط ۱۵/۱۳، البدائع ۱۷۰/۵ فتح القدیر ۱۱۱/۵۔

صاحبین کہتے ہیں: یہ شرط عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگی اور عقد بھی فاسد نہیں ہوگا البتہ شرط لغو ہوگی، چونکہ شرط فاسد جب عقد کے ساتھ ملحق کردی جائے تو وہ عقد کی صحت کو فساد میں بدل دیتی ہے لہٰذا وہ شرط صحیح نہیں ہوتی اور عقد باقی صحیح رہتا ہے، چونکہ عقد کلام ہوتا ہے جس کی بقاء نہیں، جبکہ معدوم کا الحاق جائز نہیں، لہٰذا مناسب ہے کہ الحاق سرے سے صحیح ہی نہ ہو، ہاں البتہ عقد کے ساتھ شرط صحیح کا الحاق بوجہ ضرورت شرعاً ثابت ہے۔❶

صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ابن عابدین نے جامع الفصولین سے نقل کیا ہے۔❷

غیر حنفیہ کے نزدیک بیع اور شرط کا حکم...... یہ بات طے شدہ ہے غیر حنفیہ کے نزدیک غیر صحیح بیع کے فاسد اور باطل ہونے میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ جب کسی شرط کا بیع کے ساتھ مقترن کرنا صحیح نہ ہو تو شرط بیع کو فاسد یا باطل کردیتی ہے۔ ان دونوں میں نتیجہ برابر ہوتا ہے، بیع بشرط (یعنی ایک شرط کے ساتھ بیع) وہ ہوتی ہے جسے فقہاء ''ثنیا'' کا نام دیتے ہیں، فقہاء کا اس کے حکم میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم مذکور بالا تفصیل کے عین مطابق ہے، شافعیہ کا حدیث پر عمل ہے کہ بیع فاسد ہے، حنابلہ کہتے ہیں بیع صحیح ہے اور شرط بھی صحیح ہے، حنابلہ نے حدیث سے استدلال نہیں کیا، جبکہ مالکیہ کے مذہب میں تفصیل ہے۔

شافعیہ کے مذہب کی تفصیل...... درج ذیل ہے۔❸ جب بیع میں کوئی شرط لگائی جائے تو دیکھا جائے گا کہ آیا عقد اس شرط کا تقاضا کرتا ہے یا نہیں؟ اگر عقد تقاضا کرتا ہو جیسے مبیع کی سپردگی کی شرط، عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کی شرط وغیرہ تو عقد صحیح ہوگا۔ چونکہ شرط مذکور مقتضائے عقد کو بیان کردیتی ہے، اسی طرح اگر شرط ایسی ہو جس کا تقاضا عقد نہ کرتا ہو تو بھی عقد صحیح ہوگا لیکن اس میں کسی ایک عاقد کے لئے مصلحت ہوتی ہے جیسے خیار کا حاصل ہونا، ادھار، رہن، ضمان یا کفالت، چونکہ شریعت نے اس طرح کی شرط کو جائز قرار دیا ہے نیز اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

اگر اس کے علاوہ کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو مقتضائے عقد کے منافی ہو جیسے بائع نے یہ شرط لگادی کہ مشتری مبیع کو آگے فروخت نہیں کرے گا، یا مبیع کسی کو ہبہ نہیں کرے گا یا یہ شرط لگائی کہ مشتری فلاں چیز اسے فروخت کرے گا یا اتنی مقدار میں رقم اسے قرض دے گا یا شرط لگادی کہ گھر میں ایک مہینے تک رہے گا یا مشتری نے بائع پر شرط لگادی کہ وہ کپڑے سی کردے گا، یا خریدی ہوئی فصل میں شرط لگادی کہ بائع کاٹ کر بھی دے گا یا چمڑا خریدا اور شرط لگائی کہ بائع اس کا جوتا بھی بنا کردے گا، ان تمام صورتوں میں بیع باطل ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔❹

حنابلہ...... کہتے ہیں: جب بیع میں دو شرطیں لگائی گئیں ہوں تو بیع باطل ہوگی❺ اور اگر بیع میں ایک شرط لگائی گئی ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرضہ اور بیع ایک ساتھ حلال نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں نہیں لگائی جاسکتیں اور اس چیز کی بیع بھی حلال نہیں جو تمہارے پاس موجود نہ ہو۔❻

دو شرطوں سے مراد ایسی شرطیں ہیں جنہیں عقد کی کوئی مصلحت نہ ہو، جیسے کسی شخص نے کپڑا خریدا اور بائع پر یہ شرط لگادی کہ وہ کپڑا سیئے گا بھی اور اس کو رنگ بھی کرے گا، یا غلہ خریدا اور یہ شرط لگادی کہ بائع اسے پیسے گا بھی اور اٹھا کر لائے گا بھی۔ چنانچہ اگر کسی نے یہ شرط لگائی تو بیع جائز ہوگی۔

---

❶..... البدائع ۵/۱۷۶، فتح القدیر ۵/۲۲۷۔ ❷ردالمحتار علی الدر المختار ۴/۱۲۷۔ ❸مغنی المحتاج ۲/۳۱، المهذب ۱/۲۶۵۔ ❹رواه عبدالحق فی احکامه عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ورواه ابوحنیفة ایضاً۔ ❺المغنی ۴/۲۲۴، غایة المنتهیٰ ۲/۲۳۔ ❻رواه ابوداؤد والترمذی من حدیث عبدالله بن عمرو وقال الترمذی حدیث حسن صحیح۔

حنابلہ کے نزدیک چار اقسام کی شرائط:

اول...... وہ شرط جو مقتضائے عقد ہو جیسے مبیع کو سپرد کرنے کی شرط، خیار مجلس کی شرط، فی الحال قبضہ کی شرط، اس شرط کا وجود اور عدم برابر ہے کسی معین حکم کا فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی عقد میں کوئی اثر کرتی ہے۔

دوم...... ایسی شرط جس کے ساتھ کسی ایک عاقد کی مصلحت متعلق ہو یا دونوں عاقدوں کی مصلحت متعلق ہو، جیسے ادھار کی شرط، خیار، رہن اور کفیل کی شرط، یا کسی صفت مقصودہ کی بیع میں شرط لگانا، یہ شرط جائز ہے اور اس کا پورا کرنا لازمی ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں: ہمیں معلوم نہیں کہ شرط کی ان دونوں قسموں میں کسی کا اختلاف ہو۔

سوم...... ایسی شرط جو مقتضائے عقد نہ ہو اور نہ ہی اس میں عقد کی مصلحت ہو اور نہ ہی مقتضائے عقد کے منافی ہو اس شرط کی دو قسمیں ہیں۔

۱...... ایسی شرط لگانا کہ مبیع کے اعتبار سے بائع کا کوئی نفع ہو، اگر شرط واحد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے مشتری بائع پر شرط لگا دے کہ خریدا ہوا کپڑا بائع سیئے گا۔ یا خریدی ہوئی لکڑیوں کے گٹھے میں یہ شرط لگانا کہ بائع معلوم جگہ تک اٹھا کر لائے گا، یا خرید کردہ گھر میں یہ شرط لگائی کہ بائع مثلاً ایک ماہ تک گھر میں رہے گا، اس شرط کے جائز ہونے پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور یہ شرط لگائی تھی کہ جابر رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنے گھر والوں تک سوار ہو کر جائیں گے۔ ❶

۲...... یہ کہ عقد میں عقد کی شرط لگائی جائے جیسے کوئی شخص اس شرط سے چیز فروخت کرے کہ مشتری بھی اسے کوئی چیز فروخت کرے گا، یا اسے اجارہ پر کوئی چیز دے گا، یا اس کی شادی کرائے گا یا اسے قرضہ دے گا یہ شرط فاسد ہے، اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے چونکہ ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا گیا ہے۔

چہارم...... ایسی شرط لگا دینا جو مقتضائے بیع کے منافی ہو جیسے شرط لگا دی کہ مشتری بیع کو آگے فروخت نہیں کرے گا یا اسے ہبہ نہیں کرے گا یا شرط لگا دے کہ وہ بیع کو فروخت کرے گا یا وقف کرے گا، اس شرط کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے۔

مالکیہ...... کے مذہب میں قدرے تفصیل ہے۔ ❷ چنانچہ اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا تقاضا مشتری کو خاص یا عام تصرف سے منع کرنے کا ہو تو شرط اور بیع باطل ہے، جیسے شرط لگائی کہ مشتری مبیع کو فروخت نہیں کرے گا۔ یا ہبہ نہیں کرے گا، تو یہ شرط جائز نہیں چونکہ یہ "ثنیا" ہے ❸ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیا سے منع فرمایا ہے یا الا یہ کہ ثنیا معلوم و متعین ہو۔ ❹ اگر مشتری سے اس شرط کو ساقط کر دیا جائے تو بیع جائز ہوگی۔

اگر بائع نے اپنے ذاتی نفع کے لئے شرط لگائی جیسے جانور پر سوار ہونے کی شرط، یا گھر میں سکونت پذیر ہونے کی شرط جو تھوڑی مدت تک کے لئے ہو جیسے مہینے تک کے لئے تو بیع جائز ہوگی اور شرط بھی جائز ہوگی اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابھی اوپر گذری ہے۔

اگر بائع نے ایسی شرط لگائی جس کا خلل ثمن میں پڑتا ہو تو بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی، جیسے بائع شرط لگا دے کہ اگر تین دن تک

---

❶...... حدیث بالمعنی ہے واخرجہ احمد و الشیخان عن جابر۔ ❷ بدایۃ المجتہد ۱۵۹/۲، القوانین الفقہیۃ ص ۲۵۹، الشرح الکبیر للدردیر ۶۵/۳۔ ❸ ثنیا، استثناء سے ماخوذ ہے اور بیع میں استثناء کی صورت یہ ہے جیسے کوئی چیز فروخت کرے اور بائع اس میں سے کچھ اپنے لئے مستثنی کرلے اگر مستثنی متعین ہو تو بیع صحیح ہے اگر غیر معین ہو تو بیع صحیح نہیں۔ ❹ رواہ النسائی والترمذی وصححہ عن جابر۔

مشتری نے ثمن (قیمت) نہ لائے تو ان کے درمیان بیع قائم نہیں رہے گی۔ اگر بائع نے مشتری سے کہا جب میں تمہارے پاس ثمن لے کر آ ؤں تمہیں مبیع مجھے واپس کرنی ہوگی۔ حنفیہ کی نزدیک یہ بیع ''بیع الوفا'' کے نام سے معروف ہے اور یہ جائز نہیں۔

پھلوں اور غلہ کی خرید وفروخت...... پھلوں اور غلہ کی خرید وفروخت روز مرہ تجارتی زندگی میں وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے اس لئے بیع کی یہ قسم تفصیل طلب ہے۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی پھلوں کی بیع منعقد نہیں ہوتی، چونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو بائع کے پاس نہیں اور ابھی اسے وجود ہی نہیں ملا، اور یہ سالہا سال کی بیع کے قبیل سے ہے۔ جس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے بیع السنین اور معاومہ سے منع فرمایا ہے۔ معاومہ کا معنی ہے کہ باغ کے پھلوں کی ایک سال تک یا ایک سال سے زیادہ تک بیع کر دینا۔ مثلاً بائع کہے کہ ۳ یا ۴ سالوں تک جو پھل بھی آئیں گے وہ سب میں آج ہی خرید رہا ہوں۔ نیز یہ بیع المعدوم ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے غرر کے متعلق گذشتہ صفحات میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ غرر کا معاملہ گول مول ہوتا ہے اور اس کا انجام پردۂ خفا میں پڑا ہوتا ہے، غرر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مبیع کا وجود کبھی پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا، اگر وجود پایا بھی جائے تو مقدار مجہول ہوتی ہے۔

پھلوں کو توڑنے کے بعد ان کی خرید وفروخت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رہی بات درختوں کے ساتھ لگے ہوئے پھلوں کی خرید وفروخت کی یا زمین میں کھڑی فصل کی تو اس میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں پھلوں اور کھیتی کی خرید وفروخت یا تو بدوصلاح سے پہلے ہوگی یا بدوصلاح کے بعد ہوگی، پھر خرید وفروخت بشرط قطع ہوگی یا مطلق ہوگی یا بشرط ترک ہوگی۔

اول...... فصل یا پھلوں کے بدوصلاح سے قبل خرید وفروخت ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱..... اگر بشرط قطع ہو (یعنی بائع یہ شرط لگادے کہ مشتری فوراً پھل توڑ لے) تو بیع جائز ہے اور فی الحال پھلوں کو توڑنا واجب ہوگا الا یہ کہ بائع اجازت دے دے۔

۲..... اگر بیع مطلق ہو یعنی قطع یا ترک کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ بیع بھی جائز ہے لیکن اس میں شافعیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ چونکہ ترک کی شرط واضح طور پر نہیں لگائی گئی جبکہ عقد سرے سے مطلق عن الشرط ہے، لہٰذا بغیر کسی دلیل کے شرط ترک کے ساتھ اسے مقید کرنا جائز نہیں، بالخصوص جب عقد کرنے میں عقد فاسد ہوتا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک بیع صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال ہے اور قابل انتفاع ہے کم از کم اس سے جانوروں کے چارے کا کام تو لیا جا سکتا ہے اگر چہ انسانوں کے اعتبار سے اس میں نفع نہ ہو۔

۳..... اگر پھلوں کی خرید وفروخت بدوصلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو علمائے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بیع فاسد ہوگی، چونکہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ اس میں تو کسی ایک عاقد کی منفعت ہے، اور وہ عاقد مشتری ہے لہٰذا یہ شرط عقد کے ملائم اور مناسب نہیں، اور نہ ہی لوگوں کے ہاں اس پر تعامل ہے۔[1]

یہ شرط مفسد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے گندم خریدی اور ساتھ شرط لگادی کہ گندم بائع کے گھر میں رہے گی پھلوں کی وجہ یہ ہے کہ ترک کی شرط کو وجود تبھی ملے گا جب درختوں اور زمین کو عاریۃً لے گا جبکہ درخت اور زمین بائع کی ملکیت ہیں، گویا ترک کی شرط میں عاریت کی شرط بھی وجود میں آجاتی ہے اور یہ شرط صفقہ میں صفقہ (ایک سودے میں دوسرا سودا) ہے اور یہ ممنوع ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر یہ عقد غرر پر بھی مشتمل ہے چونکہ مشتری کو معلوم نہیں ہوتا کہ پھل باقی رہیں گے یا کسی آفت سے ضائع ہوں گے، گویا اس بیع کے فاسد ہونے کی

[1] ..... لیکن ہندوپاک میں لوگوں کا اسی پر تعامل ہے حتیٰ کہ ہر باغ کی خرید وفروخت ہو جاتی ہے اور پھل درختوں پر لگے رہتے ہیں۔

تین چیزیں علت بنتی ہیں۔اس میں غرر ہے، شرط فاسد ہے اور صفقہ میں صفقہ ہے۔

دوم...... یہ کہ بیع بدوصلاح کے بعد ہو۔ ❶

۱...... اگر بیع بشرط قطع ہو تو بیع جائز ہے۔

۲...... اگر بیع مطلق ہو اور کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

۳...... اگر بیع بشرط ترک ہو اور پھل اپنی انتہاء کو نہ پہنچا ہو تو بلا اختلاف بیع فاسد ہے، جیسے اور تیسری حالت میں گزر چکا ہے۔

اگر پھل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہو (یعنی پھل نے جتنا بڑھنا تھا بڑھ گیا) تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہے چونکہ ترک کی شرط میں خریدار کا نفع ہے جبکہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص گندم خریدے اور ایک ماہ تک بائع کے گھر میں چھوڑنے کی شرط لگادے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! یہ بیع لوگوں کے ہاں متعارف ہے اور اس پر تاجروں کا تعامل ہے لہٰذا استحساناً جائز ہے۔ ❷ واضح رہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جواز بیع میں شرط ترک لگانے پر تعامل ناس کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کا تعامل تو عقد بیع میں ترک کی شرط لگائے بغیر محض چشم پوشی پر مبنی ہے۔ درمختار میں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

بدوصلاح کے بعد مطلق خریداری کی صورت میں ترک کا حکم...... اگر کسی شخص نے پھل خریدے اور کوئی شرط نہ لگائی پھر پھل درختوں پر چھوڑ دیئے یہاں تک کہ پھل پک جائیں تو اس میں قدرے تفصیل ہے۔

الف...... اگر پھل انتہاء کو پہنچ گیا اور صرف پکنا باقی رہ گیا ہو تو خریدار کچھ بھی صدقہ نہ کرے خواہ پھل بائع کی اجازت سے درختوں پر چھوڑے ہوں یا بائع کی اجازت کے بغیر چھوڑے ہوں۔ چونکہ پھل جب اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ظاہری حالت تبدیل ہوتی ہے یعنی صرف پکنا ہوتا ہے، رہی بات فصل (کھیتی) کی سو اگر فصل میں نماء بڑھوتری ہو تو بھی مشتری کے لئے حلال وطیب ہے، حتیٰ کہ بائع کی اجازت کے بغیر ہی کیوں نہ ہو چونکہ بڑھوتری خریدار کی ملکیت میں ہوتی ہے چونکہ فصل کی ٹہنی اور تنا خریدار کی ملک ہے یہاں تک کہ بھوسہ بھی اس کی ملکیت ہے۔ بخلاف درختوں کے چنانچہ پھل تو خریدار کی ملک ہوتے ہیں لیکن درخت اس کی ملک نہیں ہوتے۔

ب...... اگر پھل اپنی انتہاء کو نہ پہنچا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر ترک بائع کی اجازت سے ہو تو بیع جائز ہے اور جو اضافہ ہوگا وہ حلال وطیب ہے۔ اگر ترک بائع کی اجازت سے نہ ہو تو عقد کے بعد جو اضافہ ہوا سے صدقہ کرے چونکہ اضافہ ممنوع سبب سے حاصل ہوا ہے، لہٰذا اس میں خبث آجائے گا لہٰذا اس کی راہ صرف صدقہ ہے۔ ❸

مدتِ ترک میں نئے پیدا ہونے والے پھل کا حکم...... جب مدت ترک میں درخت نے مزید پھل پیدا کر دیا تو وہ بائع کا ہوگا خواہ ترک بائع کی اجازت سے ہو یا اس کی اجازت کے بغیر، چونکہ یہ بائع کی ملک میں بڑھوتری ہے لہٰذا بائع کی ملک ہوگی اگر خریدار کے لئے بائع حلال کردے تو جائز ہے۔

اگر عقد کے وقت موجود پھل اور بعد میں پیدا ہونے والا پھل مخلوط ہو جائے اور ان میں تمیز ناممکن ہو تو اس میں دیکھا جائے گا چنانچہ اگر اختلاط خریدار اور پھلوں اور بائع کے درمیان تخلیہ سے پہلے ہو تو بیع باطل ہو جائے گی۔

---

❶...... بدوصلاح سے مراد ہے کہ پھل انسانی استعمال کے لائق ہو جائے۔ ❷ المبسوط ۱۲/ ۱۹۵، البدائع ۵/ ۱۷۳، فتح القدیر ۵/ ۱۰۲، رد المحتار ۴/ ۴۰، الاموال ونظریۃ العقد ص ۳۰۷۔ ❸ البدائع ۵/ ۱۷۳۔

جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے بدائع میں ذکر کیا ہے، چونکہ اختلاط کی وجہ سے مبیع کا سپرد کرنا پردۂ عجز میں چلا گیا، چونکہ اس میں جہالت ہے اور تمیز دشوار ہے۔

اگر اختلاط تخلیہ کے بعد ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی چونکہ تخلیہ قبضہ ہے اور بیع تمام ہو چکی لیکن پھل بائع اور مشتری دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا چونکہ ایک کی ملک دوسرے کے ساتھ خلط ہو چکی ہے اور امتیاز ناممکن ہے۔

لہٰذا پھل دونوں میں مشترک ہوں گے، زیادہ مقدار کے دعویٰ میں خریدار کا قول معتبر ہوگا چونکہ تخلیہ کی وجہ سے خریدار کا قبضہ ثابت ہے، (۱) پھلوں اور کھیتی کی خرید وفروخت میں یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر پھلوں میں بدو صلاح (کھانے کی صلاحیت) ہو چکی ہو تو بیع جائز ہے خواہ مطلق ہو خواہ بشرط قطع ہو یا بشرط ترک ہو۔

اگر پھلوں کی خرید وفروخت بدو صلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو بالا جماع بیع صحیح نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ بدو صلاح ہو جائے (یعنی انسانی استعمال کے لائق ہو جائے) آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع کیا ہے۔ (۲) نہی فسادِ منہی عنہ کا تقاضا کرتی ہے، ابن منذر کہتے ہیں کہ اہل علم نے اس حدیث کے جملہ پر اجماع کیا ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بیع علی خطر المعدوم کے درجہ میں ہے۔ (۳)

اگر بیع بشرط قطع ہو تو بالا جماع صحیح ہے، چونکہ ممانعت کی وجہ پھلوں کے تلف ہونے کا خوف ہے اور پھلوں میں کسی آفت کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے یہاں تک کہ پھل تیار ہو جائے، ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا پھلوں کے تیار ہونے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پھلوں کا سرخ اور زرد ہونا، فرمایا: بتاؤ جب اللہ تعالیٰ پھلوں سے منع فرمائے تو تم اپنے بھائی کے مال کو کیسے حاصل کرو گے؟ (۴) اگر فی الحال پھلوں کو توڑنا ہو تو بیع صحیح ہوگی، ابن رشد کہتے ہیں: چونکہ بیع ممنوع ہونے کی علت یہ ہے پھل تیار ہونے سے پہلے کسی آفت کا شکار بھی ہو سکتے ہیں علماء نے نہی کو مطلق نہیں رکھا، بلکہ علماء کی رائے میں ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب پھل تیار ہونے سے قبل درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگا دی جائے، چنانچہ فقہاء نے پھلوں کے تیار ہونے سے قبل بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ زمین میں کھڑی ہری کھیتی کی خرید وفروخت کے عدم جواز پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ کھجوروں میں زردی پید اہو جائے اور آپ نے کھڑی (ہری) فصل کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا یہاں تک کہ خوشوں میں سفیدی آ جائے اور فصل آفت سے محفوظ ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کو منع فرمایا ہے۔ (۵) ابن منذر کہتے ہیں: میں کسی کو نہیں جانتا جو اس قول سے عدول کرتا ہو۔

جب پھلوں کی خرید وفروخت بدو صلاح سے قبل ہو اور بیع مطلق ہو یعنی ترک یا قطع کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بیع باطل ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو صلاح سے قبل مطلقاً پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ یہ صورت محل نزاع بھی ہے چونکہ عقد کا اطلاق ترک (یعنی پھلوں کو درختوں پر باقی رہنے) کا مقتضی ہے چونکہ مطلق متعارف کی طرف راجع ہوتا ہے اور متعارف ترک ہے، سیاقِ حدیث اس کی دلیل ہے۔ لہٰذا مطلق عقد ایسا ہی ہے جیسے کہ اس میں ترک کی شرط لگا دی گئی ہو، لہٰذا دونوں صورتیں نہی میں داخل ہوں گی لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ علت کی بنا پر ان صورتوں میں بھی علت صحیح ہوگی جو پھل کو ضائع ہونے سے روکنا ہے۔ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی

---

(۱)...... البدائع المرجع السابق۔ (۲) رواه الشیخان وابو داؤد والنسائی والترمذی والمؤطا عن ابن عمر۔ (۳) یہ اجماع محل نظر ہے چونکہ یزید بن ابی حبیب مالکی اور لخمی مالکی نے بیع بشرط ترک کو جائز قرار دیا ہے۔ بدایۃ المجتہد ۱۴۸/۲، المنتقٰی علی الموطا ۲۱۸/۴۔ (۴) اخرجہ البخاری ومسلم والمؤطا والنسائی۔ (۵) اخرجہ الجماعۃ الا بخاری وابن ماجۃ عن ابن عمر (نصب الرایۃ ۵/۴)

ہے کہ غایت کا مابعد غایت کے ماقبل کے خلاف ہے۔ ❶ اور یہ نہی بیع مطلق کو بھی شامل ہے۔ ❷

خلاصہ..... صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: پھلوں کے ظہور سے پہلے خرید وفروخت کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح ظہور کے بعد بدوصلاح سے قبل بشرط ترک کے عدم جواز میں بھی اختلاف نہیں۔ بدوصلاح سے قبل بشرط قطع کے جائز ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ بدوصلاح کے بعد خرید وفروخت کے جواز میں بھی اختلاف نہیں، البتہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت میں اختلاف ہے۔ ❸

ابن عابدین نے اپنے رسالہ ''نشر العرف' میں بدوصلاح سے قبل اور بعد مطلقاً پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ترک کی شرط پر عرف عام چل پڑا ہو چونکہ جب شرط فاسد پر عرف چل پڑتا ہے تو وہ شرط صحیح ہو جاتی ہے اور عقد استحساناً صحیح ہوتا ہے۔ ❹

جمہور کے نزدیک بدوصلاح یا ازھاء کا مطلب..... بدوصلاح سے مراد کھجوروں میں سرخی اور زردی کا ظاہر ہونا ہے۔ جبکہ انگوروں میں میٹھے پانی، نرمی اور زردی کا ظاہر ہونا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ دوسرے پھلوں میں پکنے کے آثار کا ظاہر ہونا بدوصلاح ہے یعنی اعتبار رنگ تبدیل ہونے کا ہے جو کہ سرخی، سیاہی یا زردی کا ظاہر ہونا ہے، جیسے کچی کھجور، کچے انگور، خوبانی اور آلو بخاری میں یہ رنگ ظاہر ہوں، اور وہ پھل جو رنگ نہیں بدلتے ان میں پکنے کے آثار کے ظاہر ہونے کا اور مٹھاس پیدا ہونے کا اعتبار ہے، جبکہ فصلوں میں ٹانٹوں کے سخت ہونے کا اعتبار ہے۔ ❺ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ پھلوں میں خوشنمائی پیدا ہو جائے، ❻ ایک دلیل پیچھے بھی گزر چکی ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوروں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یہاں تک کہ انگوروں میں سیاہی پیدا ہو جائے۔ ❼

حنفیہ..... کہتے ہیں: بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفت اور فساد سے محفوظ ہو جانا ہے ❽ یعنی حنفیہ نے محض پھلوں کے ظاہر ہونے کا اعتبار کیا ہے جبکہ جمہور نے پھلوں کے پکنے اور حلاوت کے ظاہر ہونے کا اعتبار کیا ہے، اور اناج کے سخت ہونے کا اعتبار کیا ہے۔

بدوصلاح کے معاملہ میں پھلوں کی ہر نوع اور صنف کو حنفیہ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے گا، شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ پھلوں کی ہر صنف کو الگ الگ دیکھا جائے گا اور باغ کا (بھی) الگ سے اعتبار ہے، چنانچہ اگر انگوروں میں بدوصلاح ہو جائے تو ان کو بنیاد بنا کر انار کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح ایک باغ کے پھلوں میں اگر بدوصلاح ہو جائے تو اس کا اعتبار دوسرے باغ میں نہیں ہوگا۔ چونکہ ایک جنس دوسری جنس کے تابع نہیں ہوتی، چنانچہ جغرافیائی اعتبار سے باغات کے پھلوں کا پکنا مختلف اوقات میں ہوتا ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: اگر پھلوں کی کسی بھی صنف میں بدوصلاح ہو جائے تو اس باغ کے آس پاس کے سبھی باغات کے پھلوں کی بیع جائز ہے البتہ ایک صنف کے پھلوں میں بدوصلاح کی وجہ سے دوسری صنف کے پھلوں کی بیع جن میں بدوصلاح نہ ہوا ہو جائز نہیں۔

ظاہریہ..... کہتے ہیں: جب کسی باغ میں پھلوں کی کسی بھی صنف میں بدوصلاح ہو جائے تو پھلوں کی دوسری جمیع اصناف کی بیع جائز

---

❶ ..... غایت سے مراد حتیٰ (یہاں تک کہ) ہے۔ ❷ المنتقیٰ علی المؤطا ۲۱۸/۴، بدایة المجتهد ۱۴۸/۲، القوانین الفقهية ص ۲۱۶، المغنی ۸۰/۴ غاية المنتهیٰ ۶۹/۲۔ ❸ فتح القدير ۱۰۲/۵۔ ❹ نشر العرف ص ۳۸ رسالة العرف والعادة للاستاذ الشيخ فهمي بی سنه ص ۱۴۰۔ ❺ المنتقیٰ علی المؤطا ۲۱۷/۴، بداية المجتهد ۱۵۰/۲ القوانين الفقهية ص ۲۶۱ تكملة المجموع ۳۵۱/۱۱، المغنی ۸۷/۴۔ ❻ رواه البخاری ومسلم والمؤطاء والنسائی عن انسؓ۔ ❼ رواه اصحاب السنن ماعدا النسائی عن انس۔ ❽ رد المحتار ۴۰/۴۔

ہے لیکن شرط یہ ہے کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ بقیہ پھلوں کی بیع ہو اور صفقہ واحدہ ہو جبکہ کھجوروں اور انگوروں کی بیع پکنے کے آثار ظاہر ہونے کے بعد ہوگی چونکہ خصوصیت سے نص ان دونوں میں وارد ہوئی ہے۔ ❶

ایسے پھلوں کی خرید وفروخت جن کا ظہور پے در پے ہوتا ہو...... جب بدو صلاح کے بعد پھل یا کھیتی فروخت کی جائے تو غالب یہی ہوتا ہے کہ سارے پھلوں میں پے در پے بدو صلاح ہو جائے گا اور نو پید پھل پہلے سے موجود کے ساتھ خلط ہو جائے گا۔ جیسے انجیر، کھیرا، کیلا، گلاب، خربوز، بینگن، ککڑی اور کدو وغیرھا، چنانچہ حنفیہ (ظاہر الروایۃ میں) شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ، زیدیہ اور اباضیہ کہتے ہیں: ان میں سے جو چیز بھی پہلے مرحلے (پہلی بار کا پھل) میں ظاہر ہو جائیں اور قابل استعمال ہوں تو ان کی بیع جائز ہے اور اگر ان میں سے کچھ پھل ظاہر ہو چکا ہو اور کچھ نہ ہوا ہو (مثلاً کھیرے آدھے تیار ہوں آدھے پیدا ہی نہ ہوئے ہوں یا ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں) تو ان کی بیع جائز نہیں۔ چونکہ اس صورت میں عقد معلوم ومجہول پر مشتمل ہوگا، بسا اوقات اللہ تعالیٰ درخت سے پھل کو پیدا ہی نہیں کرتا، لہٰذا بیع صحیح نہیں چونکہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں حاصل ہوتی، البتہ پودوں سمیت پھل کی بیع سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جس پھل میں بدو صلاح نہ ہوا ہو تو انفرادی طور پر اس کی بیع جائز ہے بخلاف اس پھل کے جو پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

البتہ حنفیہ عدم جواز کی صورت میں کہتے ہیں کہ بیع فاسد ہے ❷ جبکہ دوسرے فقہاء کہتے ہیں: یہ بیع باطل ہے، یہاں حنفیہ کا ایک دوسرا قول بھی ہے کہ یہ بیع جائز ہے چونکہ اس طرح پھلوں کی خرید وفروخت کے متعلق لوگوں کی عادت ہے اور لوگوں کو ان کی عادت سے دور کر دینے میں حرج اور تنگی ہے، ابن عابدین نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور مجلّہ میں بھی میں نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

مالکیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم شیعہ امامیہ (یہی قول متاخرین حنفیہ کے نزدیک راجح ہے)...... کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھتے ہوئے اور ایک انسان کا اپنے مسلمان بھائی کو ثمن کا کچھ حصہ چشم پوشی کر کے دینے کے اعتبار سے یہ بیع صحیح ہے اور ثمن کا یہ حصہ اس پھل کے مقابل میں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے نکالنا ہے۔ عرف بھی اسی پر جاری ہے اور لوگوں کی عادت بھی یہی ہے۔ نیز ظاہر اور غیر ظاہر میں تمیز کرنا مشکل ہے لہٰذا غیر ظاہر کو ظاہر کا تابع بنا دیا گیا ہے جیسے وہ پھل جن میں بدو صلاح نہ ہوا ہو وہ اس پھل کے تابع ہوتا ہے جس میں بدو صلاح ہو چکا ہو۔ ❸ میں اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں چونکہ روزمرہ کے معاملات میں یہی صورت جاری ہے اور لوگوں کے ہاں یہی متعارف ہے اگر اس کو ممنوع قرار دیا جائے تو نہ ختم ہونے والے تنازعات کھڑے ہو جائیں گے۔

خوشوں میں گندم کی خرید وفروخت:

حنفیہ...... کہتے ہیں: خوشوں کے اندر گندم کی بیع، چھلکے کے اندر لوبیے، چاول اور تلوں کی بیع جائز ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان میں زردی پیدا ہو جائے، خوشوں کی بیع سے بھی منع فرمایا یہاں تک کہ ان میں سفیدی آجائے اور آفت سے محفوظ ہو جائیں، آپ نے بائع اور مشتری کو منع کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دانے ہیں جو قابل انتفاع ہیں لہٰذا ان کی بیع خوشوں میں جائز ہے جیسے جو کی بیع جائز ہے۔ ❹

---

❶..... المراجع السابقہ، المحلی ۸/ ۵۳۰۔ ❷البدائع ۵/ ۱۷۳ تکملۃ المجموع ۱۱/ ۳۵۹ مغنی المحتاج ۲/ ۹۲ المغنی ۴/ ۹۰ غایۃ المنتھی ۲/ ۶۸ البحر الزخار ۳/ ۳۱۷ ردالمحتار ۴/ ۴۰، رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۳۹ ان عابدین کہتے ہیں دمشق میں اس قسم کی بیع کا عام رواج ہے اور صرف اسی طریقے سے بیع ہوتی ہے اگر جواز کا قول نہ کیا جائے تو پھلوں کا کھانا حرام ہو جائے گا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی بنا پر بیع سلم کی اجازت دی ہے جبکہ وہاں تو بیع المعدوم ہے لہٰذا استحساناً اسے جائز قرار دیا جائے گا۔ ❸بدایۃ المجتھد ۲/ ۱۵۶ بلغۃ السالک ۲/ ۷۹ المختصر النافع ص ۱۵۴ اعلام الموقعین ۲/ ۱۲۔ ❹فتح القدیر ۵/ ۱۰۶۔

مالکیہ، حنابلہ اور ظاہریہ...... بھی یہی کہتے ہیں کہ خوشوں کے اندر دانوں کی بیع جائز ہے، لیکن خوشوں کو چھوڑ کر ان میں پڑے ہوئے دانوں کی انفرادی، بیع جائز نہیں، چونکہ اس صورت میں خوشوں میں پڑے ہوئے دانوں کی قلت وکثرت اور وجود وعدم کا کوئی پتہ نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل حدیث سابق ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ جب دانوں میں سختی پیدا ہوجاتی ہے تو ان کا بدوصلاح ہوجاتا ہے لہٰذا دانے پھلوں کی مانند ہوئے جب ان میں بدوصلاح ہوجائے اور جب دانوں میں سختی پیدا ہوجائے تو اس نوع کی فصل جو دوسرے کھیتوں میں ہو اس کی بیع بھی جائز ہے جیسے پھلوں میں سے کچھ میں بدوصلاح ہو تو ساروں کی بیع جائز ہوتی ہے۔ ❶

شافعیہ...... کہتے ہیں: (یہ قول شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے) وہ فصل جس کے دانے خوشے میں نظر نہیں آتے، جیسے گندم، مسور اور تل وغیرہ تو ان کی بیع خوشوں میں جائز نہیں، اگرچہ دانوں میں سختی پیدا ہوگئی ہو اور خوشوں کے علاوہ ان میں پڑے ہوئے دانوں کی بیع ہی کی ہو چونکہ دانے خوشوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں، خوشوں کے ساتھ بھی بیع صحیح نہیں۔ چونکہ مقصود تو وہ چیز ہے جو چھپی ہوئی ہے۔ اسی طرح گاہنے کے بعد بھوسے میں پڑی ہوئی گندم کی بیع پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں چونکہ یہ بیع قطعاً صحیح نہیں۔ نیز یہ غرر کے باب سے ہے، رہی بات اس حدیث کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشوں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ دانوں میں سختی پیدا ہوجائے۔ کہ یہ حدیث جو کہ بیع پر محمول ہے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہوجائیں۔ چاول جو کے حکم میں ہیں، چھلی ہوئی مکئی بھی جو کے حکم میں ہے اور چھلکے میں پڑی ہوئی مکئی گندم کے حکم میں ہے۔ ❷

بیع فاسد میں خریدی ہوئی چیز میں تصرف کرنا...... بیع فاسد کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری تصرفات کا مالک بن جاتا ہے، چونکہ خریدار کو ایک گونا ملکیت حاصل ہوجاتی ہے، نیز یہ تصرفات نافذ سمجھے جائیں گے جیسے بیع، ہبہ، صدقہ، رہن اور اجارہ میں تصرفات نافذ ہوتے ہیں، چونکہ یہ تصرفات حرام طریقہ سے نفع اٹھانے کے حق کو زائل کردیتے ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ تصرفات مکروہ ہیں، چونکہ حق شرع کی وجہ سے عقد فاسد کو فسخ کرنا واجب ہے، جبکہ ان تصرفات کی وجہ سے یہ حق یا تو باطل ہوجاتا ہے یا اس میں تاخیر ہوجاتی ہے لہٰذا یہ تصرفات مکروہ ہوں گے۔

البتہ وہ تصرفات جو بعینہ مبیع کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جیسے غلہ کو کھالینا، کپڑا پہن لینا، سواری پر سوار ہوجانا اور گھر میں سکونت اختیار کرلینا تو یہ تصرفات بیع فاسد میں خریدار کے لئے مباح نہیں ہوں گے چونکہ بیع فاسد سے ملک خبیث حاصل ہوتی ہے اور ملک خبیث مطلق نفع کا فائدہ نہیں دیتی چونکہ بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ❸

وہ امور جن سے حق فسخ باطل ہوجاتا ہے:

۱: بیع فاسد میں خریدی ہوئی چیز پر واقع ہونے والا تصرف...... یہ طے ہے کہ بیع فاسد سے حاصل ہونے والی ملک غیر لازمی ہوتی ہے، بلکہ وہ فسخ کے قابل ہوتی ہے عاقدین میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر قبضے سے پہلے ہی عقد کو فسخ کردے، فساد خواہ جیسا کیسا بھی ہو، جیسے قبضہ کے بعد فسخ عقد کرنا ہوتا ہے، جب فساد کسی عوض کی طرف راجع ہوتا ہو، جیسے ثمن شراب یا خنزیر ہو۔

اگر فساد قبضہ کے بعد کسی عوض کی طرف راجع نہ ہوتا ہو جیسے بیع میں کوئی ایسی شرط لگادی جو زائد ہو اور کسی ایک عاقد کا اس میں نفع ہو تو امام

---

❶...... المنتقی علی المؤطا ۴/۲۲۰، بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۱، حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۶۱، المغنی ۴/۳، المحلی ۸/۳۹۵۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۹۰، المجموع للنووی ۹/۳۳۸۔ ❸ فتح القدیر ۵/۲۳۲، البدائع ۵/۳۰۴۔

ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر عاقد کو فسخ کا حق حاصل ہوتا ہے، چونکہ عقد فی نفسہ لازم نہیں ہوتا، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق فسخ اس شخص کو حاصل ہوگا جس کے لئے منفعت کی شرط لگائی گئی ہو۔ چونکہ جس شخص کے لئے منفعت کی شرط لگائی گئی ہوتی ہے وہ عقد کو صحیح کرنے پر قادر رہتا ہے بایں طور کہ وہ شرط مفسد کو ختم کردے۔ ❶

یہ تفصیل اصل تصرف جو کہ فاسد ہو اس کی نسبت سے ہے، اب آیا کہ شرائے فاسد کے تحت خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرنے کے بعد تصرف واقع کی وجہ سے حق فسخ باطل ہوگا؟ سو اس میں تفصیل ہے۔ ❷

۱..... اگر تصرف ہر اعتبار سے ملک کو زائل کرتا ہو جیسے بیع، ہبہ اور اعتاق، تو تصرف فسخ نہیں ہوگا یعنی بیع فاسد میں حق فسخ باطل ہو جائے گا خریدار کے ذمہ قیمت یا مثل واجب ہوگی چونکہ یہ محل مملوک میں تصرف ہے گویا خریدار کا تصرف نافذ ہوگا۔

۲..... اگر کسی ایک وجہ سے تصرف ملک کو زائل کرتا ہو یا ملک کو زائل نہ کرتا ہو۔

الف..... پھر اگر تصرف ایسا ہو کہ فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو جیسے فقہاء نے اس کی مثال تدبیر، ام ولد بنانا، کتابت بیان کی ہے تو یہ تصرف فسخ کو باطل کردے گا۔

ب..... اگر تصرف فسخ کا احتمال رکھتا ہو جیسے اجارہ تو تصرف فسخ ہو جائے گا چنانچہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز اجرت پر دی تو مالک اول کو فسخ اجارہ کا حق حاصل ہے پھر فساد کی وجہ سے بیع فسخ ہوگی، چونکہ اجارہ اگرچہ عقد لازم ہے لیکن عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے۔ جبکہ فسخ کو ختم کرنے سے بڑا عذر کوئی نہیں۔

اگر کسی شخص نے بیع فاسد سے حاصل ہونے والی چیز کے متعلق وصیت کی تو وصیت صحیح ہوگی اور جب تک موصی (وصیت کرنے والا) زندہ رہے اس وصیت کو فسخ کرنا جائز ہے چونکہ وصیت تصرف غیر لازم ہوتا ہے جب تک موصی زندہ رہے۔ اگر فسخ سے پہلے موصی مرگیا تو حق فسخ ساقط ہو جائے گا چونکہ ملک موصی لہ کو منتقل ہو جاتی ہے جیسے بیع سے منتقل ہوتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حق فسخ وراثت میں منتقل ہوتا ہے اگر شرائے فاسد میں خریدار مرجائے تو حق ورثاء میں منتقل ہوگا۔ اس کے بعد بھی بائع فسخ کا حق رکھتا ہے اسی طرح ورثاء بھی فسخ کا حق رکھتے ہیں، چونکہ وارث حق فسخ میں میت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر بائع مرجائے تو اس کے ورثاء کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ مبیع واپس لینے کا مطالبہ کریں۔

۲۔ بیع فاسد کی مبیع (سامان) میں اضافہ کردینا..... جب بیع فاسد کی مبیع میں کوئی اضافہ ہو جائے تو اس اضافہ کی دو صورتیں ہوں گی یا تو اضافہ منفصل ہوگا یا متصل ہوگا۔

۱۔ اضافہ متصل ہو..... اس کی بھی دو صورتیں ہیں اضافہ یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا یا اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا۔

الف..... اگر اصل سے پیدا ہوا ہو جیسے فربہی اور خوبصورتی تو یہ اضافہ فسخ سے مانع نہیں ہوگا چونکہ یہ اضافہ حقیقتاً اصل کے تابع ہے، جبکہ اصل کا واپس کرنا واجب ہے اسی طرح تابع کا بھی واپس کرنا ضروری ہے، جیسے غصب میں اصل اور تابع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ب..... اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے آٹے کو گھی کے ساتھ خلط کرلیا یا شہد کے ساتھ ملا لیا تو یہ اضافہ فسخ سے مانع ہے، چونکہ فسخ یا تو صرف اصل کا ہوگا یا اصل اور اضافہ دونوں کا ہوگا، پہلی صورت تو دشوار ہے چونکہ گھی آٹے سے الگ نہیں ہوسکتا، دوسری صورت بھی ناممکن ہے چونکہ اضافہ بیع میں داخل نہیں نہ ہی اصل ہو کر نہ ہی تابع ہو کر، لہٰذا تصرف فسخ میں داخل نہیں ہوگا۔

۲۔ اضافہ منفصل ہو..... اس اضافہ کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا یا اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا۔

---

❶ البدائع ۵/ ۳۰۰، فتح القدیر ص ۲۳۱۔ ❷ البدائع ۵/ ۳۰۱۔

الف.....اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، دودھ اور پھل تو حق فسخ سے مانع نہیں ہوگا، بائع تابع کے ساتھ اصل کو واپس لے سکتا ہے چونکہ اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہی، اصل کا واپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اضافہ کو بھی واپس کرنا واجب ہے، جیسا کہ حالت غضب میں یہی حکم مقرر ہے۔ ملحوظ رہے کہ تاوان کو اسی قسم سے شمار کیا گیا ہے چونکہ تاوان جزو کا بدل ہوتا ہے جو کہ اصل سے فوت ہوتا ہے جیسے اصل سے پیدا شدہ اضافہ ہوتا ہے۔

ب.....اگر اضافہ منفصل ہو اور اصل سے پیدا نہ ہوا ہو جیسے ہبہ، صدقہ وغیرہ تو یہ اضافہ واپس کرنے کے مانع نہیں ہوگا، بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ اصل کے ساتھ اصافہ کو بھی واپس لے، چونکہ اضافہ ملک سے حاصل ہوا ہے البتہ یہ اضافہ حلال وطیب نہیں ہوگا۔ چونکہ اضافہ بائع کے ضمان میں نہیں آتا بلکہ مشتری کے ضمان میں آتا ہے۔

خلاصہ.....وہ اضافہ جو متصل ہو اور اصل سے پیدا شدہ نہ ہو صرف یہی حق فسخ کو باطل کر دیتا ہے، اضافہ اگر خود ضائع ہو گیا تو اس کا ضمان نہیں ہوگا البتہ اگر ضائع کر دیا تو ضمان ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی عمل سے اضافہ ہوا تو وہ حق فسخ کو باطل کر دے گا۔ اس کی صورت یہ ہے جیسے خریدار بیع فاسد سے حاصل ہونے والے سامان میں کوئی کام کر دے اگر غاصب نے مغصوب میں کوئی عمل کر دیا تو مغصوب اس کی ملک بن جائے گا۔ جیسے مثلاً روئی خریدی اور خریدار نے اس سے دھاگے بنالیئے، یا دھاگے خرید کر ان سے کپڑا بن لیا، یا بیع فاسد میں گندم خریدی اور اس کا آٹا پیس لیا یا انگور خریدے اور انہیں نچوڑ کر شیرہ بنالیا یا پلاٹ خرید کر اس میں عمارت بنالی یا بکری خرید کر اسے ذبح کر دیا، جبکہ بیع فاسد میں مبیع پر قبضہ غصب کے قبضہ کی طرح ہوتا ہے۔ چونکہ جب تک یہ باقی ہوں واپس کرنا ضروری ہے۔ اور ضائع ہونے کی صورت میں قیمت یا مثل کا ضمان دینا ہوتا ہے۔

چنانچہ ہر وہ امر جو غصب کی صورت میں مالک کا حق ہو وہ بیع کی صورت میں مالک کے حق کو باطل کر دیتا ہے، اس وقت خریدار پر لازمی ہوتا ہے کہ وہ خرید کردہ چیز کی قیمت دے جیسے غصب میں ہوتا ہے۔ ❶

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بیع فاسد میں خرید کردہ پلاٹ میں خریدار عمارت کھڑی کر دے تو بائع عمارت تڑوانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، بلکہ مشتری کے ذمہ پلاٹ کی قیمت واجب ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

صاحبین کہتے ہیں: اس صورت میں حق فسخ باطل نہیں ہوگا بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت توڑ ڈالے اور لگے ہوئے پودے اکھاڑ دے جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے کہ اگر غاصب مغصوبہ زمین میں عمارت بنا ڈالے تو مالک کا حق باطل نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عمارت اور باغ لگانے کا مقصد ملک کو دوام دینا ہوتا ہے جبکہ عمارت اور باغ لگانے کا اختیار بائع کے مسلط کرنے سے حاصل ہو چکا چونکہ مبیع مشتری کی ملک ہو چکی جبکہ توڑ پھوڑ میں زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

لہٰذا عمارت نہیں توڑی جائے گی اور باغ بھی نہیں اکھاڑا جائے گا۔ جیسے بیع اور ہبہ کے تصرف میں ہوتا ہے بخلاف غاصب کے چونکہ غصب کی صورت میں عمارت پر مسلط کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ ❷

اگر بیع فاسد کی مبیع میں نقصان بائع کے واپس لینے کے مانع نہیں ہوتا برابر ہے کہ نقصان آفت سماویہ سے ہو یا مبیع کے ذاتی فعل سے ہو یا مشتری کے فعل سے ہو، اگر نقصان کسی اجنبی کے فعل سے سرزد ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو زیادتی کرنے والے سے مطالبہ کرے اور وہ خریدار پر رجوع نہیں کر سکتا۔ ❸

---

❶.....البدائع ۵/ ۳۰۲، ردالمحتار ۴/۱۳۷، مجمع الضمانات ص ۲۱۶۔ ❷فتح القدیر ۵/ ۳۰۲، ردالمحتار ۴/۱۳۷، البدائع ۵/۳۰۴۔ ❸البدائع ۵/ ۳۰۳۔

اسلام میں ممنوع بیوع کا خلاصہ.....اسلام میں ممنوع یا منہی عنہ بیوع کی تعداد کثیر ہے، جمہور کے نزدیک ان بیوع میں باطل اور فاسد کے ہونے میں کوئی فرق نہیں، جبکہ حنفیہ نے فاسد و باطل میں فرق کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، ان میں سے چند کو ہم نے ذکر کر دیا ہے، یہاں ان میں سے اہم کو میں ذکر کروں گا، تاہم ان کی چار اقسام ہیں:

۱.....عاقد کی اہلیت کے بسبب۔

۲.....صیغہ کے بسبب۔

۳.....معقود علیہ یا محل عقد کے بسبب۔

۴.....عقد کے کسی وصف یا شرط یا نہی شرعی سے مقترن ہونے کے بسبب۔

اول: عاقد کی اہلیت کے بسبب بیوع ممنوعہ.....فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر عاقل بالغ، مختار جس پر پابندی نہ ہو اس کی طرف سے صادر ہونے والی بیع صحیح ہے، اور وہ لوگ جن کی بیع صحیح نہیں ہوتی وہ درج ذیل ہیں۔

۱: مجنون کی بیع.....بالاتفاق مجنون کی بیع صحیح نہیں ہوتی چونکہ اس کی اہلیت معدوم ہوتی ہے، بے ہوش، نشہ میں دھت بھی مجنون کے حکم میں ہے لہٰذا ان کی بیع بھی صحیح نہیں ہوتی۔

۲: بچے کی خرید و فروخت.....غیر ممیز بچے کی بیع بالاتفاق صحیح نہیں، البتہ نہایت معمولی چیز کی خرید و فروخت جائز ہے (جیسے مثلاً بچے نے ٹافی خریدی) رہی بات ممیز بچے کی سو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی بیع بھی صحیح نہیں، چونکہ اس میں اہلیت نہیں ہوتی، جبکہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ممیز بچے کی خرید و فروخت ولی (سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہوگی، جب اسے اجازت دے دی گئی تو بیع نافذ ہوگی، چونکہ بچے کا امتحان اسی وقت لینا ممکن ہوسکتا ہے جب خرید و فروخت کا تصرف اسے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے:

وابتلو الیتامٰی..... یتیموں کو آزماؤ۔ (النساء ۴/ ۶)

حنابلہ کے نزدیک ممیز اور سفیہ (بے وقوف) کا تصرف صحیح ہے۔

۳: نابینا کی خرید و فروخت.....جب نابینا کے آگے مبیع کے اوصاف بیان کر دیئے جائیں تو جمہور کے نزدیک اس کی بیع صحیح ہے چونکہ رضامندی پائی گئی ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک نابینا کی بیع باطل غیر صحیح ہے چونکہ نابینا عمدہ مال اور گھٹیا مال میں امتیاز نہیں کر سکتا، گویا نابینا کے حق میں معقود علیہ مجہول ہوگا۔

۴: مکرہ کی بیع.....حنفیہ کے نزدیک مکرہ (مجبور کیے ہوئے) کی خرید و فروخت موقوف ہے نافذ نہیں جیسے فضولی کی بیع غیر نافذ ہوتی ہے۔ اکراہ ختم ہونے کے بعد جب مکرہ بیع کی اجازت دے دے تو بیع نافذ العمل ہوگی، جبکہ مالکیہ کی رائے میں مکرہ کی بیع لازم نہیں ہوتی، گویا مکرہ کو فسخ اور نفاذ کا اختیار حاصل ہوگا جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے دونوں مذاہب میں مکرہ کی بیع غیر صحیح ہے، چونکہ عقد طے ہوتے وقت رضامندی مفقود ہوتی ہے۔

۵: فضولی کی بیع.....حنفیہ اور مالکیہ کی رائے میں فضولی کی بیع صحیح ہے اور مالک کی اجازت پر موقوف ہے، چونکہ بعد میں ملنے والی اجازت پہلے سے ملی ہوئی اجازت کے مترادف ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فضولی کی بیع سرے سے صحیح ہی نہیں چونکہ انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے جبکہ نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

۶: محجور کی بیع.....یعنی وہ شخص جس پر بے وقوفی یا افلاس یا بیماری کی وجہ سے پابندی لگا دی گئی ہو اس کی خرید و فروخت حنفیہ اور مالکیہ

کے نزدیک موقوف ہے اور حنابلہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق بھی موقوف ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک اہلیت معدوم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ مفلس کی بیع اس لئے صحیح نہیں چونکہ اس کے مال کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مفلس (دیوالیہ) کی بیع موقوف ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع غیر صحیح ہے۔

رہی بات مریض کی جو مرض الموت میں مبتلا ہو تو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اس کے تبرعات تہائی ترکہ سے نافذ ہوں گے، جبکہ تہائی سے زائد تبرعات ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوں گے، مالکیہ کے نزدیک منقولی اشیاء میں ایک ایک تہائی کے بعد تبرع نافذ نہیں ہوگا جبکہ زمین، گھر اور درختوں میں نافذ ہوگا۔

۷: ملجی (بے چین) کی بیع..... جو شخص مضطر ہو اور اپنی کسی چیز کو فروخت کرنے میں بے چین ہو تو اس کی بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے جبکہ حنابلہ کے نزدیک باطل ہے۔

دوم: بسبب صیغہ کے ممنوعہ بیوع..... بیع عاقدین کی باہمی رضامندی اور ایجاب وقبول کے موافق ہونے سے صحیح ہو جاتی ہے، بشرطیکہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہوں اور ان کے درمیان وقفہ نہ ہو چند حالات میں بیع جائز نہیں ہوتی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بیع تعاطی..... اس کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین ثمن اور مبیع پر اتفاق کرلیں اور عوضین بغیر ایجاب اور قبول کے ایک دوسرے کو دے دیں، بسا اوقات کسی ایک کی طرف سے کوئی لفظ پایا بھی جاتا ہے۔ ❶

جمہور کے نزدیک بیع تعاطی صحیح ہے چونکہ بیع ایسے طریقہ سے منعقد ہو جاتی ہے جو اموال میں ملک کے تبادلہ پر دلالت کرے برابر ہے کہ ایجاب وقبول صراحۃً ہو یا دلالۃً، اس میں لوگوں کے عرف اور ان کی متعارف عادات کا اعتبار بھی ہے۔ بشرطیکہ عرف اور عادت کسی نص سے متصادم نہ ہو۔ لہٰذا بیع لفظ یا اشارہ کے ساتھ صحیح ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک بیع تعاطی منعقد نہیں ہوتی ❷ بلکہ شافعیہ کے نزدیک ہر عقد میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے خواہ بیع ہو یا اجارہ ہو یا امین ہو یا ہبہ ہو۔ چونکہ تعاطی پر بیع کا نام منطبق نہیں ہوتا۔

اس لئے کہ وہ دلیل جو شرعاً مطلوب ہے اور جو رضامندی پر دلالت کرتی ہے وہ معلوم ہوتی ہے، چونکہ بیع رضامندی کے ساتھ معلق ہوتی ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

اے ایمان والو ایک دوسرے کے اموال باطل طریقہ سے مت کھاؤ ہاں البتہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خرید وفروخت باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ ❸ جبکہ رضامندی مخفی امر ہے اس پر اطلاع ناممکن ہے، حکم سبب ظاہر کے ساتھ منوط ہوتا ہے اور وہ ایجاب وقبول ہے، لہٰذا بیع تعاطی منعقد نہیں ہوگی۔ چونکہ فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام نہیں ہو سکتا گویا بیع تعاطی میں قبضہ کی ہوئی چیز ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بیع فاسد میں قبضہ کی ہوئی مبیع۔ لہٰذا اگر عوضین باقی ہوں تو ہر عاقد سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ واپس کریں اگر ضائع ہو جائیں تو ان کا بدل دیں۔

بعض شافعیہ جیسے ابن سریج اور رویانی وغیرھما نے چھوٹی موٹی اشیاء میں بیع تعاطی کو جائز قرار دیا ہے یعنی ایسی اشیاء جن میں لوگوں کی عادت جاری ہے جیسے رطل بھر کھانا، سبزی کی گٹھڑی، بعض شافعیہ کہتے ہیں ہر وہ شخص جس پر خرید وفروخت اور تجارت کا لیبل لگا ہو جیسے تاجر سیلر وغیرہ، اور ہر وہ شخص جو کاروباری لیبل کا حامل نہ ہو اس کی طرف سے بغیر لفظ کے بیع صحیح نہیں، امام نووی نے مجموع میں لکھا ہے: جب دوکاندار

❶..... بیع تعاطی کی صورت یہ ہے جیسے ایک کلو گرام چینی ہو اور گاہک پچاس روپے رکھے اور چینی اٹھا کر لے جائے ایجاب قبول کئے بغیر ہی چلا جائے۔

❷فتح القدیر ۳۰۲/۵، ردالمحتار ۱۳۷/۴، البدائع ۳۰۴/۵۔ ❸صحیحہ ابن حبان۔

سے مال لیا جائے اور کچھ عرصہ کے بعد حساب کر کے قیمت دی جائے جیسا کہ بہت سارے لوگ کرتے ہیں تو یہ باطل ہے چونکہ یہ تو نہ بیع لفظی ہے اور نہ ہی بیع تعاطی ہے۔ امام نووی نے بیع تعاطی کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دلیل کے اعتبار سے صحت راجح اور مختار ہے، چونکہ شریعت میں لفظ کا اعتبار نہیں، لہٰذا عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

۲: مراسلت یا قاصد کے واسطہ سے بیع...... قاصد کے ذریعہ بیع کرنا بالاتفاق صحیح ہے، جہاں خط پہنچے گا اور دوسرے عاقد کو ملے گا وہی جگہ مجلس عقد سمجھی جائے گی، اگر اس مجلس کے بعد قبول تمام ہوا تو عقد منعقد نہیں ہوگا۔

۳: سمجھ میں آنے والے اشارہ یا تحریر سے گونگے شخص کی بیع...... بھی بالاتفاق صحیح ہے یہ ایسی ہی ہے جیسے بولنے والے کے تکلم سے طے ہونے والی بیع چونکہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ اشارہ یا تحریر گونگے کے دل کی بات پر دلالت ہے، جیسے بولنے والے کا کلام دال ہوتا ہے، اگر گونگے کے اشارے یا تحریر سمجھ میں نہ آتی ہو تو عقد صحیح نہیں ہوگا۔

۴: مجلس عقد سے غائب کے ساتھ بیع...... بالاتفاق صحیح نہیں، چونکہ انعقاد عقد کے لئے مجلس کا متحد ہونا شرط ہے۔

۵: ایجاب وقبول میں عدم مطابقت کے ساتھ ہونے والی بیع...... اتفاقاً صحیح نہیں، الا یہ کہ جب ایجاب وقبول کی مخالفت میں کوئی بھلائی ہو تو یہ بیع صحیح ہوگی، جیسے متفق علیہ ثمن پر مشتری کا ثمن میں اضافہ کرنا، اس اضافہ کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک عقد صحیح ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔

۶: بیع معلق یا غیر منجز...... یہ وہ بیع ہوتی ہے جو کسی شرط پر معلق ہو یا مستقبل میں کسی وقت کی طرف منسوب ہو، یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے اور جمہور کے نزدیک باطل ہے۔

سوم: معقود علیہ کے بسبب ممنوع بیوع...... معقود علیہ عام معنیٰ کے اعتبار سے وہ چیز ہوتی ہے جسے دونوں عاقدین خرچ کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو دیتے ہیں، ان میں سے ایک کو مبیع کہا جاتا ہے اور دوسرے کو ثمن، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب معقود علیہ (خرید کردہ سامان) مال متقوم، شراکت داری سے علیحدہ کیا ہوا ہو، موجود ہو اور مقدور التسلیم ہو، عاقدین کو معلوم ہو، اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو اور شریعت نے اس سے منع نہ کیا ہو تو بیع صحیح ہے، بعض ممنوع بیوع کی صفت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱...... معدوم کی بیع یا ایسی چیز کی بیع جو عدم کے معرض خطر میں ہو جیسے بیع مضامین (نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع)، بیع ملاقیح (جو مادہ کی صلب میں پڑا بچہ ہو) حمل کے حمل کی بیع، چنانچہ مذاہب اربعہ کے آئمہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے منعقد ہی نہیں ہوتی، چونکہ احادیث صحیحہ میں ان کی ممانعت آئی ہے۔

۲...... ایسی چیز کی بیع جس کی سپردگی سے عاقد عاجز ہو جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع، یہ بیع باطل ہے بالاتفاق تمام مذاہب میں منعقد نہیں ہوتی چونکہ سنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

۳...... نسیۂ دین کی بیع یعنی "بیع الکالی بالکالی" یعنی اس طرح سے معاملہ طے پائے کہ دونوں طرف سے عوضین ادھار ہوں۔ یہ بیع باطل ہے چونکہ شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے، البتہ دین کی بیع مدیون کے ہاتھ جو فی الحال ہو بالاتفاق جائز ہے، جبکہ دین کی بیع جو غیر مدیون کے ہاتھ ہو اور فی الحال ہو وہ حنفیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک باطل ہے۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں جائز ہے۔

۴...... وہ بیع جس میں فحش قسم کا غرر (دھوکہ) ہو یہ وہ عقد ہوتا ہے جو غیر متحقق ہو، بالاتفاق یہ بیع صحیح نہیں ہوتی چونکہ اس سے منع کیا گیا

ہے، لیکن اس قسم میں سے ایک وہ بیع بھی ہے جو بالاتفاق باطل ہے جیسے ملاقیح اور مضامین اور حمل کی بیع۔ ایک وہ بیع بھی ہے جو حنفیہ کی اصطلاح میں فاسد اور دوسرے فقہاء کی اصطلاح میں باطل ہے جیسے یکبار جال پھینکنے کی بیع، یکبار غوطہ لگانے کی بیع، بیع مزابنہ (درختوں پر تازہ کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں اندازے سے فروخت کرنا اور اسی طریقہ سے انگوروں کو فروخت کرنا)، بیع محاقلہ (خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کو اندازے سے نکلے ہوئے دانوں کے بدلہ میں فروخت کرنا) بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع الحصاۃ اور بیع المجہول۔ ابن جزی مالکی کہتے ہیں کہ وہ غرر جو ممنوع ہے اس کی دس اقسام ہیں۔

اول...... یہ کہ معقود علیہ کا سپرد کرنا دشوار ہو جیسے بدکا ہوا اونٹ، ماں کے پیٹ میں پڑے جنین کی بیع جو ماں کے بغیر ہو، اسی طرح ماں کی بیع بایں طور کہ جنین کو مستثنیٰ کر لیا جائے، ایسی چیز کی بیع جو ابھی پیدا ہی نہ ہوئی ہو جیسے حمل کے حمل کی بیع، اور بیع المضامین۔

دوم...... ثمن یا معقود علیہ کی جنس سے جاہل ہونا جیسے کوئی کہے: جو کچھ میری آستین میں ہے وہ تمہیں فروخت کر دیا۔

سوم...... معقود علیہ یا ثمن کی صفت کا مجہول ہونا جیسے کوئی کہے: میں نے تمہیں اپنے گھر کا کپڑا فروخت کر دیا۔

چہارم...... مبیع یا ثمن کی مقدار کا مجہول ہونا۔ دوسری کی مثال یہ ہے جیسے کوئی کہے: میں نے آج کے دن کے نرخ سے یہ چیز تم سے خرید لی، یا اس نرخ سے فروخت کی جس سے لوگ فروخت کرتے ہیں، البتہ اس حوالے سے اٹکل کی بیع جو اندازے سے کی جائے وہ جائز ہے۔ پہلی صورت کی مثال " جیسے خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کی بیع ناجائز ہے جبکہ خوشوں سمیت گندم کی بیع جائز ہے، اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اسی طرح بھوسے میں پڑی ہوئی گندم کی بیع بھی جائز نہیں، البتہ بھوسے سمیت گندم کی بیع جائز ہے، ہرے لوبیے کی بیع (پھلی) جائز ہے۔ اخروٹ اور بادام کی بیع بمعہ اوپر کے چھلکے کے جائز ہے۔ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

پنجم...... مدت میں جہالت کا ہونا، جیسے کوئی شخص کہے میں نے یہ چیز تمہیں زید کے آنے تک فروخت کر دی یا عمرو کی موت تک فروخت کر دی، جبکہ یوں کہنا جائز ہے کہ فصلیں کاٹنے تک، یا فلاں مہینے تک فروخت کر دی، چنانچہ مدت کا اطلاق فصل کی کٹائی اور مہینے کے وسط پر ہوگا۔

ششم...... ایک بیع میں دو بیع کا ہونا، اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص ایک مبیع فروخت کرے اور اس کے دو مختلف ثمن مقرر کرے، یا دو مبیع ہوں اور ثمن واحد ہو، پہلی صورت میں مثلاً یوں کہے میں نے تمہیں یہ کپڑا نقدی دس یا بیس روپے میں فروخت کیا بایں طور کہ بیع ان میں سے ایک ثمن میں لازم ہو، دوسری صورت کی مثال یوں ہے، میں نے تمہیں ان دو کپڑوں میں سے ایک اتنے روپے میں فروخت کیا بایں طور کہ بیع ان میں سے ایک کپڑے میں لازم ہو۔

ہفتم...... وہ بیع جس کی سلامتی کی کوئی امید نہ ہو جیسے دوڑ میں مریض کا حصہ لینا۔

ہشتم...... بیع الحصاۃ: اس کا حاصل یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ میں کنکری ہو جب کنکری ہاتھ سے گر جائے بیع واجب ہو جائے۔

نہم...... بیع منابذہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی عاقد کپڑا دوسرے عاقد کی طرف پھینکے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینکے، اس سے بیع واجب ہو جائے۔

دہم...... بیع ملامسہ: وہ یہ کہ کپڑا وغیرہ کو مس کرے اور یوں مس سے بیع لازم ہو جائے، اگر اسے بیان نہ بھی کرے، ان ساری انواع کا

حاصل یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، یا مجہول چیز کی بیع ہوتی ہے یا محتمل اشیاء کی بیع ہوتی ہے، چنانچہ بیع الحصاۃ، بیع منابذہ اور بیع ملامسہ میں اشیاء محتملہ کی بیع ہوتی ہے۔

۵: نجس اور نجاست والی چیز کی بیع..... بالاتفاق نجس چیز کی بیع صحیح نہیں، جیسے شراب، خنزیر، مردار اور خون، جمہور کے نزدیک نجاست والی چیز جس کو پاک کرنا ناممکن ہو جیسے گھی، تیل، شہد وغیرہ جس میں نجاست پڑ گئی ہو کی بیع بھی صحیح نہیں، جبکہ مالکیہ نے نجاست والے تیل یا گھی وغیرہ سے چراغ جلانا اور صابن وغیرہ بنانا جائز قرار دیا ہے، حنفیہ نے کھانے کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے نجاست والی چیز کی خرید وفروخت کرنا جائز قرار دیا ہے جیسے چمڑے کو پکانے کے لئے، اور مسجد کے علاوہ کہیں اور چراغ روشن کرنے کے لئے، ماسوائے مردار کے تیل کے چنانچہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تاکہ یہودیوں کے عمل سے دور رہا جائے چنانچہ جب یہودیوں پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے چربی کو پگھلا کر فروخت کرنا شروع کر دیا اور حاصل ہونے والی قیمت کو کھانے بیٹھ گئے، اسی طرح آلات لہو ولعب کی خرید وفروخت بھی صحیح نہیں یہ جمہور کی رائے ہے چونکہ حدیث میں ان سے نفع اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ جبکہ ظاہریہ اور بعض مالکیہ نے ان کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

۶: پانی کی بیع..... مذاہب اربعہ کے آئمہ کے نزدیک مملوک پانی کی بیع جائز ہے اور وہ پانی جو برتنوں میں محفوظ کیا ہو یا چشمہ یا کنویں کا پانی ہو اس کی بیع بھی جائز ہے، جبکہ ظاہریہ کہتے ہیں: پانی کی بیع مطلقاً جائز نہیں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عام پانی جو مباح ہو اور لوگوں میں مشترک ہو اس کی بیع صحیح نہیں چونکہ، پانی، آگ، گھاس اور نمک میں سبھی لوگ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

۷: مجہول چیز کی بیع..... یعنی وہ بیع جو فحش قسم کی جہالت پر مشتمل ہو اور جہالت مبیع میں ہو یا ثمن میں ہو یا مدت میں ہو مرہون چیز کی نوع میں ہو یا کفیل میں ہو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے جبکہ جمہور کے نزدیک باطل ہے چونکہ یہ بیع نزاع کی طرف پہنچا دیتی ہے۔

۸: مجلس سے غائب چیز کی بیع..... یعنی جو چیز مجلس عقد سے غائب ہو دکھائی نہ دیتی ہو اور اس کا وصف بھی معلوم نہ ہو، مشتری کو دیکھتے وقت اختیار حاصل ہوگا، مالکیہ کے نزدیک صفت بیان کرنے پر صحیح ہے۔

اس میں خیار رویت حاصل ہوگا، شافعیہ کے نزدیک مطلقاً صحیح نہیں، حنابلہ کا ظاہری قول بھی یہی ہے۔

لیکن مالکیہ نے صفت بیان کرنے پر ہونے والی بیع میں پانچ شرائط لگائی ہیں۔

اول..... یہ کہ مبیع بہت زیادہ دور نہ ہو جیسے اندلس اور افریقہ۔

دوم..... یہ کہ بہت زیادہ قریب نہ ہو جیسے شہر میں موجود ہونا۔

سوم..... یہ کہ بائع کے علاوہ کوئی اور اس کا وصف بیان کرے۔

چہارم..... یہ کہ مختصراً اوصافِ مقصودہ کو بیان کرے۔

پنجم..... یہ کہ بائع کی شرط سے ثمن نقدی نہ ہو الا یہ کہ مبیع میں تبدیلی اور تغیر نہ ہوتی ہو جیسے زمین بغیر شرط کے نقدی جائز ہے۔

پھر اگر دیکھنے کے وقت مبیع حسب بیان اوصاف پر نکلے تو بیع لازمی ہو جائے گی اگر بیان کردہ اوصاف کے خلاف نکلی تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا۔

گٹھڑی کی بیع جائز ہے، بخلاف ان کپڑوں کے جو لپٹے ہوئے ہوں اور انہیں پھیلایا نہ ہو۔

۹: قبضہ سے پہلے کسی چیز کی خرید وفروخت..... حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے منقولی چیز کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ چونکہ

ایسی بیع سے منع فرمایا گیا ہے، جبکہ زمین کی خرید وفروخت قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

چونکہ زمین تغیر سے محفوظ رہتی ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک علی الاطلاق بیع جائز نہیں چونکہ نہی میں عموم ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سامان کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے جہاں اسے خریدا گیا ہو یہاں تک کہ تجار اپنی تحویل میں سامان کو لے نہ لیں۔ ❶ مالکیہ نے ممانعت کو اناج کے ساتھ مخصوص کیا ہے، برابر ہے کہ اناج ربوی (سودی) ہو یا غیر ربوی۔ جبکہ حنابلہ نے ممانعت کو مکیلی، موزونی اور عددی اناج پر منحصر رکھا ہے۔

چونکہ حدیث ہے کہ جب تم اناج کی خرید وفروخت کرو تو اسے آگے فروخت نہ کرو حتیٰ کہ تم اسے پورا پورا وصول نہ کر لو۔ ❷

۱۰: پھلوں اور فصلوں کی خرید وفروخت..... پھلوں اور اناج کے پیدا ہونے سے پہلے کی ہوئی بیع بالاتفاق باطل ہے۔

چونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، پھلوں اور اناج کے پیدا ہونے کے بعد ان کی خرید وفروخت میں قدرے تفصیل ہے چنانچہ اگر بیع بدو صلاح سے قبل ہو اور بشرط ترک ہو تو بالاجماع بیع صحیح نہیں، حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہے، اور جمہور کے نزدیک باطل ہے۔ اگر بیع بشرط القطع ہو (یعنی فی الحال پھل توڑنے ہوں) تو بالاجماع بیع صحیح ہے، اگر بیع مطلق ہو یعنی قطع یا ترک کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو بیع حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے جمہور کے نزدیک غیر صحیح ہے۔ اگر بیع بدو صلاح کے بعد ہو تو محمد بن حسن کی رائے اور مفتی بہ قول کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بیع جائز ہے اگرچہ پھل تیاری کے مراحل سے گزر چکا ہو اور بیع بشرط ترک ہو، اگر پھل تیاری کے مراحل سے نہ گزرا ہو تو بیع فاسد ہوگی، جمہور کے نزدیک اگر بشرط ترک ہو تو بیع مطلقاً جائز ہے۔

چہارم: بسبب وصف یا شرط یا شرعی نہی کے ممنوع بیوع..... جب بیع کے ارکان اور شرائط مکمل ہوں تو بالاتفاق بیع صحیح ہے، بشرط یہ کہ وہ بیع کسی ایسی صفت پر مشتمل نہ ہو جو معاشرہ کے لئے باعث ضرر ہو یا جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو یا عقد سے خارج دوسرے اعتبارات نہ ہوں جیسے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں دوسرے اعتبارات ملحوظ ہوتے ہیں۔

ا: بیع عربون (بیعانہ)..... جمہور کے نزدیک بیع عربون ناجائز ہے چونکہ سنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک باطل ہے بشرط یہ کہ اگر بائع مشتری کو بیعانہ واپس نہ کرے اور دونوں میں بیع تمام نہ ہو اور اگر بیع تمام نہ ہوئی ہو اور بائع مشتری کو بیعانہ واپس کر دے تو بیع جائز ہوگی۔ حنابلہ کے نزدیک بیعانہ جائز ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال قرار دیا ہے، لیکن فریقین میں سے کسی کے پاس حدیث ثابت نہیں ہے۔

۲: بیع عینہ..... کا حاصل یہ ہے کہ عاقدین ایسے فعل کو ظاہر کر رہے ہوتے ہیں کہ اسے وسیلہ بنا کر نا جائز امر تک پہنچنا چاہتے ہیں، یہ بیع ممنوع ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے، تاکہ سد ذرائع ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر درمیان میں کوئی تیسرا شخص حائل نہ ہو تو فاسد ہے، شافعیہ اور ظاہریہ کے نزدیک بیع عینہ صحیح مگر مکروہ ہے۔

بیع عینہ کی تین اقسام ❸: اول..... یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے: میری لئے اتنے روپے کا سامان خرید لاؤ اور میں تمہیں اتنے روپے اس میں سے نفع دوں گا۔ مثلاً کہے دس روپے میں یہ سامان خرید لاؤ اور میں تمہیں اس کے پندرہ روپے دوں گا جو ایک مدت تک ہوں گے امام مالک کے نزدیک یہ سود لینے کا ایک ذریعہ ہے، چونکہ امام مالک کی نظر اس پر ہے کہ ہاتھ سے کیا نکل رہا ہے اور ہاتھ میں کیا آرہا ہے اور واسطے لغو میں یہ ایسا ہی ہے کہ پہلا شخص دوسرے کو مثلاً دس روپے دیتا ہے اور اس سے ایک مدت تک پندرہ لیتا ہے، اس میں سامان ایک

---

❶..... رواہ ابوداؤد والدارقطنی عن زید بن ثابت۔ ❷ رواہ احمد ومسلم عن جابرؓ۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۲۵۸۔

قسم کالغو واسطہ ہے۔

دوم......اگر کہے: یہ میرے لئے سامان خرید لاؤ میں اس میں تمہیں نفع دوں گا،لیکن وہ ثمن کی تعیین نہ کرے یہ صورت مکروہ ہے،لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں حرام نہیں۔

سوم......یہ کہ ایک شخص دوسرے کے پاس سامان طلب کرے لیکن اس کے پاس نہ پائے پھر دوسرا شخص اس سے کہے بغیر ہی وہ سامان خرید لے اور کہے: جو سامان تم مجھ سے طلب کرتے تھے وہ میں نے خرید لیا ہے لہٰذا اگر تم چاہو تو مجھ سے خرید لو،گاہک یہ سامان نقد یا ادھار خرید سکتا ہے خواہ کم قیمت سے خریدے یا زائد سے۔

۳: بیع ربا......ربانسیئہ اور ربا فضل حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے اور جمہور کے نزدیک باطل ہے چونکہ کتاب وسنت میں اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے۔

۴: حرام ثمن سے بیع......جیسے شراب اور خنزیر کو ثمن بنا کر بیع کی،یہ بیع حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے البتہ الگ سے قیمت طے کر لینے سے بیع منعقد ہو جاتی ہے۔جبکہ یہ بیع جمہور کے نزدیک باطل ہے،چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب،مردار،خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔

۵: دیہاتی کے لئے شہری کی بیع......یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ بیع کرنا جو نرخوں کو جانتے ہی نہ ہوں۔ایک قول کے مطابق ہر وہ شخص جو کسی جگہ وارد ہو خواہ شہری ہی کیوں نہ ہو،چنانچہ شرعی نہی کا اصل مقصد یہی ہے،یہ بیع حرام ہے اور ممانعت کی وجہ سے جائز نہیں۔ممانعت کی علت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے سے رزق عطا فرماتا ہے[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شہر پر نرمی کی وجہ سے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے،چنانچہ شارع نے سبھی مسلمانوں کی مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے اور فرد واحد کی مصلحت کو پس پشت ڈالا ہے۔اس کی صورت یہ ہے مثلاً کوئی اجنبی شخص شہر میں سامان لے کر آتا ہے اور فی الحال موجود نرخوں سے سامان فروخت کرنا چاہتا ہے اتنے میں اس کے پاس کوئی شہری آ جاتا ہے اور وہ اس سے کہتا ہے سامان میرے پاس چھوڑ دو میں گراں نرخوں میں تمہارے لئے فروخت کروں گا،اس بیع کے متعلق فقہاء کی کچھ تخصیصات ہیں،چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: یہ ممانعت گرانی کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے اور ایسی چیز کے ساتھ خاص ہے جس کی لوگوں کو طلب ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں......اس بیع کی ممنوع صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں سامان لے کر آئے اور اسے فروخت کرنا چاہتا ہو فی الحال موجودہ نرخوں کے ساتھ،پھر اس کے پاس کوئی شہری آ جائے اور کہے یہ سامان میرے پاس چھوڑ دو میں حالیہ نرخوں سے گراں نرخوں سے اسے فروخت کر دوں گا۔ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔کہ ”فقہاء نے اس بیع کا حکم دیہاتی اور وہ شخص جو اس کے معنی میں ہو کے ساتھ متعلق کیا ہے۔“ حدیث میں دیہاتی کا ذکر اس لئے ہوا کہ غالب احوال میں یہ بیع دیہاتی کے ساتھ ہوتی ہے اور شہریوں میں سے جو شخص نرخوں سے واقف نہ ہو وہ بھی اس کے ساتھ ملحق کر دیا ہے۔

مالکیہ نے دیہاتی ہونے کو قید کے درجہ میں رکھا ہے چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ دیہاتی کے ساتھ اسی شخص کو ملحق کیا جائے گا جو اس کے مشابہ ہو گا رہی بات ان لوگوں کی جو بستیوں میں رہتے ہوں اور سامان وبازار کے نرخوں سے واقف ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں یہ بیع فاسد ہے اور مالکیہ کے نزدیک بیع نجس کی طرح اسے فسخ کرنا جائز ہے،حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے

[1]......رواہ الجماعۃ الا البخاری عن جابرؓ (نیل الاوطار ۵/۱۶۴)

نزدیک خیار حاصل ہوگا۔

۶: تلقی الرکبان.......رکبان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیائے خوردونوش اور دیگر سامان فروخت کے لئے شہر میں لائے برابر ہے یہ قافلہ ہو یا ایک ہی شخص ہو سوار ہوں یا پیدل، انہیں شہر میں پہنچنے سے پہلے ہی مل لینا اور ان سے سامان کا بھاؤ تاؤ لگا کر خرید لینا تلقی ہے۔ تلقی حرام ہے، حنفیہ کہتے ہیں: تلقی رکبان مکروہ تحریمی ہے چونکہ اس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ'' قافلوں سے آگے جا کر مت ملو اور شہری دیہاتی کے لئے سامان فروخت نہ کرے۔ ❶ حدیث میں غالب احوال کا اعتبار کیا گیا ہے کہ شہر میں سامان لانے والا عموماً قافلہ ہوتا ہے۔''

علماء کا اس نہی کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے یا نہیں؟ ایک قول ہے کہ فساد کا تقاضا کرتی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ فساد کا تقاضا نہیں کرتی اور یہ ظاہر قول ہے، چونکہ یہاں نہی امر خارج کی وجہ سے ہے اور یہ فساد کا تقاضا نہیں کرتی، جیسا کہ اصول فقہ میں آ چکا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامان کے مالک کو اختیار حاصل ہوگا جب وہ بازار میں آ جائے۔ ❷

ابن تیمیہ ''منتقی الاخبار'' میں رقم طراز ہیں۔ اس میں بیع کے صحیح ہونے پر دلیل ہے، راجح یہی ہے کہ یہ بیع اور شہری و دیہادتی کے درمیان بیع صحیح ہے فاسد نہیں، یہی حنفیہ کی رائے ہے، جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اس میں خیار غبن ثابت ہوتا ہے، جبکہ مالکیہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے۔

۷: بیع نجش.......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نجش یہ ہے کہ تم سامان لے کر فروختگی کے لئے حاضر ہو اور اس کے بدلہ میں کوئی چیز دی جائے حالانکہ خریدار فی الواقع خریدنا نہ چاہتا ہو وہ ایسا اس لئے کرتا ہے تا کہ دوسرے گاہک زیادہ قیمت سے اسی سامان کو خرید لیں۔

شریعت میں نجش یہ ہے کہ ایک شخص سامان کو خریدنا نہیں چاہتا محض بھاؤ بڑھانے کے لئے بھاؤ تاؤ لگاتا ہے اور دوسروں کو برانگیختہ کرتا ہے، بیع نجش کرنے والے کو ناجش کہا جاتا ہے چونکہ وہ رغبت کو بڑھاتا ہے اور ثمن زیادہ بتاتا ہے، علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ناجش گنہگار ہے۔

بیع نجش کا حکم مختلف فیہ ہے، ظاہریہ کہتے ہیں کہ بیع نجش فاسد ہے مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں بیع صحیح ہے اور اس میں مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا جب اس میں غیر معتاد قسم کا غبن ہو جائے۔

حنفیہ اور شافعیہ (اصح قول کے مطابق) کہتے ہیں: بیع صحیح ہے لیکن اس میں گناہ ہے، چنانچہ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک بیع نجش اس وقت مکروہ ہے، جب قیمت حقیقی قیمت سے زائد ہو، اگر حقیقی قیمت کو نہ پہنچے اور اضافہ کرتا رہے لیکن خریدنے کا خواہش مند نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ اسمیں کوئی حرج نہیں، چونکہ یہ میانہ روی پر ایک طرح کا تعاون ہے، رہی بات بیع مزایدہ (نیلام، بولی) کی سو وہ جائز ہے ممنوع نہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل قسم میں آ رہا ہے۔

بیع مزایدہ (نیلام)......اس بیع کا طریقہ کار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے جیسا کہ امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے'' کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالا اور ایک کمبل نیلامی میں فروخت کیا۔'' بخاری نے عطاء سے روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے بہت سارے لوگوں کو پایا ہے جو مال غنیمت کو نیلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ❸ ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ، بیع من یزید (نیلامی) میں کوئی حرج نہیں، اور مال غنیمت اسی طرح فروخت کیا جاتا ہے، امام ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں: جواز کو غنیمت اور میراث کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی معنی نہیں چونکہ اس کا باب واحد اور معنی مشترک ہے۔ بظاہر مطلقاً یہ بیع جائز

❶......رواہ البخاری ومسلم عن ابن عباسؓ۔ ❷ رواہ الجماعۃ الا البخاری عن ابی ہریرۃؓ۔ ❸ وصلہ ابن ابی شیبۃ عن عطاء ومجاھد

ہے، چونکہ پیالا اور کمبل جن کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے وہ میراث یا غنیمت میں سے نہیں تھے، گویا ان دونوں چیزوں کا ذکر عام عادت کی وجہ سے کیا گیا، چونکہ نیلامی کا رواج ان میں بکثرت تھا۔ ❶

بیع المزاد......اس کی صورت یہ ہے کہ بائع لوگوں پر سامان پیش کرتا ہے اور جو شخص چاہے اس کے نرخ میں اضافہ کرتا ہے، پھر آخر میں جو شخص ریٹ قائم کرتا ہے اس پر بیع طے ہو جاتی ہے۔

ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ بیع مزایدہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جو کسی مدبر کے بارے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدبر کے متعلق فرمایا: اس کو مجھ سے کون خریدے گا؟

چنانچہ نعیم بن عبداللہ نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا، اسماعیلی کہتے ہیں: مدبر کے اس قصہ میں بیع مزایدہ کی کوئی دلیل نہیں، بیع مزایدہ یہ ہے کہ ایک شخص ثمن کا اعلان کرتا ہے اور پھر دوسرا اس سے زائد دیتا ہے۔

ابوداؤد اور احمد کے ہاں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے اور ایک کمبل کے متعلق بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز دی، ایک صحابیؓ نے عرض کیا! یہ دونوں چیزیں میں ایک درہم میں خریدتا ہوں، دوسرے نے کہا: میں دو درہم میں خریدتا ہوں۔

۸: **اذان جمعہ کے وقت بیع**......یعنی جب امام منبر پر آ جائے یہاں تک کہ نماز ادا ہو جائے اس وقت میں بیع کرنا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک پہلی اذان کے بعد بیع کرنا مکروہ ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ بیع مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک صحیح مکروہ حرام ہے، مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق بیع فسخ ہو جائے گی۔ جبکہ حنابلہ کے نزدیک سرے سے یہ بیع صحیح ہی نہیں۔

۹: **شراب ساز کے ہاتھ انگوروں کی بیع**......ظاہر قول کے مطابق یہ بیع صحیح ہے حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، چونکہ بیع کے ارکان اور شرائط پوری ہیں، اور گناہ نیت فاسدہ کی وجہ سے ہوتا ہے، یا غیر مشروع باعث کی وجہ سے ہے، اس بیع کی ایک مثال یہ بھی ہے مثلاً ایسے شخص کو تلوار فروخت کرنا جو کسی دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو، ایسے آدمی کے ہاتھ جال فروخت کرنا جو حرم میں شکار کرنا چاہتا ہو، اور ایسے شخص کے ہاتھ لکڑی فروخت کرنا جو آلات لہو ولعب بنانا چاہتا ہو۔

یہ بیع مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے تا کہ معاصی کے دروازے بند کئے جا سکیں، جیسے فتنہ کے زمانہ میں یا راہزنوں کو اسلحہ فروخت کرنا، اور بیع عینہ کو سود لینے کا وسیلہ بنانا چونکہ حرام تک پہنچنے کا وسیلہ بھی حرام ہوتا، اگر چہ قصد اور نیت سے ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰: **بغیر بچے کے ماں کی بیع یا اس کے برعکس**......یعنی اگر کسی باندی کے ہاں بچہ ہو تو بچے کو چھوڑ کر صرف ماں کی بیع جائز نہیں اسی طرح ماں کو چھوڑ کر صرف باندی کی بیع بھی جائز نہیں۔ یہاں تک کہ بچہ ماں سے مستغنی ہو جائے چونکہ اس سے چھوٹے بچے اور ماں کے درمیان تفریق لازم آتی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں میں تفریق ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”جس شخص نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق ڈالے گا۔“ ❷ البتہ مالکیہ نے والد اور بیٹے میں تفریق کو روا رکھا ہے، لیکن اس بارے میں بھی ممانعت آئی ہے چنانچہ۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو والد اور بیٹے، اور دو بھائیوں کے درمیان تفریق ڈالے، ❸ اگر یہ حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہو تو عمل کے زیادہ لائق ہے۔

---

❶..... نیل الاوطار ۵/۱۶۹۔ ❷رواہ احمد والترمذی عن ابی ایوب لکن فی اسنادہ مختلف فیہ (نیل الاوطار ۵/۱۶۱)۔ ❸رواہ ابن ماجۃ والدارقطنی عن ابی موسیٰ واسنادہ لابأس بہ (المرجع السابق)

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بیع فاسد ہے منعقد نہیں ہوگی، جبکہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بیع منعقد ہوگی۔

۱۱: مسلمان بھائی کی بیع پر بیع......اس کی صورت یہ ہے کہ بیع میں خیار رکھا گیا ہو پھر مدت خیار میں ایک شخص آئے اور خریدار سے کہے: یہ بیع فسخ کردو میں تمہیں یہی مال ارزاں نرخوں میں فروخت کروں گا۔ یا اس سے بہتر چیز دوں گا۔ اسی طرح دوسرے کی خریداری پر خریداری کرنا بھی ممنوع ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص بائع سے کہے: بیع فسخ کرو میں تم سے یہ سامان گراں نرخوں سے خریدتا ہوں، سودے پر سودا یہ ہے کہ سامان کا مالک اور گاہک کسی چیز کی بیع پر اتفاق کرلیں لیکن عقد طے نہ ہوا ور پھر تیسرا شخص بائع سے کہے: یہ چیز میں تم سے زیادہ قیمت دے کر خریدتا ہوں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سبھی صورتیں حرام ہیں، اور ان صورتوں کا مرتکب گناہگار ہے، ❶ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ "تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔" ❷ یہی اکثر علماء کی رائے ہے، حدیث میں مسلمان بھائی کا اطلاق غالب احوال کے اعتبار سے ہوا ہے، مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں چنانچہ کافر کی بیع پر بھی بیع کرنا جائز نہیں، بیع پر بیع کرنے کا حکم مختلف فیہ ہے۔" حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب اس کے صحیح ہونے کا ہے لیکن ساتھ گناہ بھی ہوگا۔ جبکہ حنابلہ، ابن حزم ظاہری اور مالکیہ کی ایک روایت کے مطابق یہ بیع فاسد ہے۔ چونکہ نیلامی بالاتفاق جائز ہے چنانچہ ابن حجر نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ سودے پر سودا کرنے کی وہ صورت حرام ہے جس میں حد اعتدال سے زیادہ گرانی واقع ہوئی ہو۔

۱۲: بیع اور شرط......یہ وہی صورت ہے جسے فقہاء ثنیا سے تعبیر کرتے ہیں اس کے حکم میں فقہاء نے تفصیل کی ہے۔

حنفیہ......کہتے ہیں کہ شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، شرط فاسد وہ ہوتی ہے جس کا عقد تقاضا نہ کرتا ہو اور نہ عقد کے ملائم ہو اور نہ ہی اس کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو۔ اور لوگوں کے ہاں متعارف بھی نہ ہو، البتہ اس میں کسی ایک عاقد کی منفعت ہو، جیسے کسی شخص نے کپڑا خریدا اور یہ شرط لگادی کہ بائع اس کی قمیص بنا کر دے عقد تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی، شرط باطل وہ ہوتی ہے جس میں کسی عاقد کا نقصان ہو جیسے کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور شرط لگادی کہ بائع اسے نہ فروخت کرے گا اور نہ ہی اسے ہبہ کرے گا۔

مالکیہ......کہتے ہیں: بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی، ایسی شرط لگادی جو مشتری کو تصرف عام یا خاص سے روک دے، شرط باطل میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ اگر بائع نے اپنے ذاتی نفع کے لئے شرط لگائی تو بیع اور شرط دونوں جائز ہیں، شرط فاسد میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ بیع جائز ہے لیکن شرط باطل ہے اگر شرط کی وجہ سے ثمن میں خلل پڑتا ہو، جیسے کہے۔ "اگر تم تین دن تک ثمن نہ لائے تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی۔" اگر بائع نے کہا: جب میں تمہارے پاس ثمن لے کر آجاؤں تو تم مبیع مجھے واپس کروگے، یہ جائز نہیں، یہ حنفیہ کے نزدیک بیع الوفاء کے نام سے معروف ہے۔

شافعیہ......کہتے ہیں: عقد بھی صحیح ہے اور شرط بھی اگر اس میں کسی عاقد کی مصلحت ہو جیسے خیار شرط مدت، رہن یا کفالت کی شرط، اگر شرط مقتضائے عقد کے منافی ہو تو بیع باطل ہے مثلاً بائع شرط لگادے کہ مشتری مبیع کو نہ فروخت کرے گا اور نہ ہی ہبہ کرے گا۔ یہ مالکیہ کے مذہب کے موافق ہے۔

حنابلہ......کہتے ہیں: شرط واحد جس میں کسی عاقد کا نفع ہو اس سے بیع باطل نہیں ہوتی، البتہ دو شرطوں سے بیع باطل ہوجاتی ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "قرضہ اور بیع حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں بھی حلال نہیں اور اس چیز کی بیع بھی حلال نہیں جو

❶......سبل السلام ۳/۲۳۔ ❷ رواہ احمد عن ابن عمرؓ (نیل الاوطار ۵/۲۱۲۔)

تمہارے پاس موجود نہیں۔ ❶

اس حدیث کی بنیاد پر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عاقد کی طرف سے قرضہ کی شرط لگانا جائز نہیں، اگر یہ شرط ساقط کر دی تو مالکیہ کے نزدیک بیع جائز ہو جائے گی جبکہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہوگی۔

۱۳: ایک ہی سودہ میں چھ عقود میں سے کسی عقد کو بیع کے ساتھ جمع کرنا...... یہ چھ عقود یہ ہیں: گمشدہ چیز کے لوٹانے کی اجرت (جعالہ)، صرف، مساقات، شرکت، نکاح، مضاربت، بیع کے ساتھ ان عقود میں سے کسی عقد کو مشروط کر دینا مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق ممنوع ہے۔

اشہب نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے اور ابن جزی نے نقل کیا ہے ❷ کہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذاہب کے موافق ہے مالکیہ نے بیع اور اجارہ کو جمع کرنے کی اجازت دی ہے، ایک بیع میں دو بیع کی اجازت دی ہے اور یہ خیار کی بابت سے ہوگا، جبکہ جمہور نے اس بیع سے منع کیا ہے، حنفیہ نے بیع کو فاسد اعتبار کیا ہے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اسے باطل قرار دیتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک فاسد اور باطل بیوع ❸...... بیع میں بطلان یا فساد کا ہونا پانچ وجوہ سے ہوسکتا ہے۔ وہ بطلان یا فساد جو متعاقدین کی طرف راجع ہو، وہ جو ثمن یا معقود علیہ کی طرف راجح ہو، ان کی تفصیل ارکان کی بحث میں ہے۔ وہ جو غرر کی طرف راجع ہے اور وہ جو سود کی طرف راجع ہے، پانچویں بھی ممنوع بیوع اور وہ دس ہیں:

۱...... قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع۔

۲...... بیع عینہ۔

۳...... بیع عربون۔

۴...... شہری کی دیہاتی کے لئے بیع۔

۵...... ایک میل کی مسافت پر آگے جا کر قافلوں سے مال خرید لینا۔

۶...... مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا، جبکہ گاہک کو اطمینان ہو چکا ہو، یہ بیع جمہور کے نزدیک صحیح ہے مگر اس میں گناہ ہے، حنابلہ کے نزدیک فاسد ہے، چونکہ اس میں دوسرے کو اذیت پہنچتی ہے اور دو خریداروں کے درمیان بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔

۷...... جمعہ کے دن بیع۔

۸...... بچے کے بغیر ماں کی بیع یا اس کے برعکس۔

۹...... بیع ثنیا۔

۱۰...... ایک ہی سودے میں بیع اور چھ عقود میں سے کسی عقد کو جمع کرنا۔ ان چھ عقود کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک باطل بیوع...... یہ بہت زیادہ ہیں: البتہ ان میں سے اہم اکتیس (۳۱) ہیں۔

۱...... ایسی چیز کی بیع جس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ البتہ میراث کا مال، وصیت کا مال، حکمران کا عطیہ، مال غنیمت، وقف، موہوب چیز، جال میں گرفتار شکار، مسلم فیہ، کرایہ پر لی ہوئی چیز، مضاربت کا مال اور چھوڑنے کے بعد رہن اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲...... ایسی چیز کی بیع جسے فی الحال سپرد کرنے سے بائع عاجز ہو، یعنی جو چیز مقدور التسلیم نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع، البتہ چھ صورتیں اس سے مستثناء ہیں، اجارہ، بیع سلم، ڈھیروں غلہ جس کے ناپنے تولنے کے لئے زیادہ وقت درکار ہو، مال مغصوب، بھاگا ہوا غلام

❶...... رواہ ابوداؤد والترمذی عن عبداللہ بن عمرو۔ ❷القوانین الفقهية ص ۲۶۰۔ ❸القوانین الفقهية ص ۲۵۷ بداية المجتهد ۲/۱۲۵۔

جس پر قدرت پائی جاسکتی ہو۔ منقولی چیز، یا دوسرے شہر میں زمین ہو اس سب میں بیع جائز ہے اگر چہ فی الحال سپردگی سے بائع عاجز ہو، چونکہ مشتری کو ان میں غرض حاصل ہو جاتی ہے۔

۳..... حمل کے حمل کی بیع، جیسے کوئی یوں کہے: جب اس اونٹنی کا بچہ پیدا ہوگا پھر اس بچے کا جو بچہ پیدا ہوگا وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا۔

۴..... بیع مضامین، یعنی نر کی صلب میں پڑے ہوئے نطفہ سے جو بچہ پیدا ہوا اس کی بیع۔

۵..... بیع ملاقیح: یعنی مادہ کے بطن میں پڑے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کی بیع۔

۶..... بیع بالشرط بھی باطل ہے البتہ اگر بیع میں رہن، کفیل، گواہ، خیار، مدت، اعتاق، عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی گئی ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، اسی طرح بائع کے مکان سے مبیع کو منتقل کرنے کی شرط لگائی یا پھل توڑنے کی شرط لگائی یا بدو وصلاح کے بعد درختوں پر ترک کی شرط لگائی یا کسی خاص وصف کی شرط لگائی جیسے کسی مشین میں یہ شرط لگادی کہ وہ مختلف معین زبانوں میں تحریر لکھتی ہو، یا یہ شرط لگائی کہ بائع مبیع کو سپرد نہیں کرے گا حتیٰ کہ فی الحال پورا ثمن وصل کرلے یا عیب کی وجہ سے واپسی کی شرط لگادی تو بیع باطل نہیں ہوگی۔

۷: **بیع ملامسہ**...... یعنی لپیٹے ہوئے کپڑے کو چھو دیا تو بیع ہو جائے گی پھر خریدنے پر خریدار کو اختیار نہ ہو اور صرف دیکھنے کی بجائے مس پر اکتفا کر لیا جائے۔

۸: **بیع منابذہ**...... یہ کہ عاقد کپڑا پھینکے اور جب لمبائی چوڑائی سامنے آئے تو خریدار کو خیار نہ ہو۔

۹: **بیع محاقلہ**...... یعنی خوشوں میں پڑی ہوئی گندم کی بیع۔

۱۰..... ایسی چیز کی بیع جس کا آدمی مالک نہ ہو، البتہ بیع سلم جائز ہے اگر چہ بوقت عقد منفعت، مسلم فیہ اور مبیع مملوک نہ بھی ہو، لہٰذا مسلم فیہ کی بیع صحیح ہے، جیسے گندم کی مقدار اور صفت بیان کر دی، یا کپڑا اور اس کی صفت بیان کر دی، اگر مسلم الیہ کے پاس بوقت عقد گندم اور کپڑا موجود نہ ہو۔ اسی طرح ذمہ میں اجارہ بھی صحیح ہے، جیسے اپنے ذمہ میں سواری اجرت پر دی کہ فلاں مہینہ کے شروع میں مکہ تک سوار ہو کر جائے گا حالانکہ مؤاجر کی ملکیت میں کوئی جانور نہ ہو لیکن بعد میں سواری حاصل ہو جائے۔ اسی طرح ذمہ میں ربوی اموال کی خرید و فروخت بھی جائز ہے جبکہ بائع کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

غیر مملوک چیز کی بیع کے بطلان پر یہ حدیث دلیل ہے۔ ”طلاق صرف ملک میں ہوتی ہے، وہی غلام آزاد ہوگا جو ملک میں ہو، اور ایسی چیز کی خرید و فروخت بھی حلال نہیں جو ملکیت میں نہ ہو۔“ ❶ اسی حدیث کو بنیاد بنا کر فقہاء نے کہا ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے۔

۱۱..... گوشت کی بیع جانور کے بدلہ میں اگر چہ جانور غیر ماکول (جس کا گوشت نہ کھایا جاتا) ہو۔ جیسے گائے کا گوشت زندہ گائے یا زندہ بکری کے بدلہ میں یا گدھے کے بدلہ میں چونکہ ترمذی کی ایک حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

۱۲..... دودھ دینے والی بکری کی بیع اسی جیسی بکری کے بدلہ میں، اسی طرح ماکول جانور یا انڈے دینے والے جانور کی بیع اسی جیسے جانور کے بدلہ میں، چونکہ دودھ وغیرہ کے مقابل ثمن میں جہالت ہوتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک درہم اور ایک کپڑے کے بدلہ میں ایک درہم اور ایک کپڑا فروخت کرنا۔

۱۳..... ”بیع الحصاۃ“ جیسے کوئی کہے کہ ان کپڑوں میں سے جس کپڑے پر کنکری پڑے گی وہ میں نے فروخت کر دیا۔

۱۴..... جاری پانی کی بیع اگر چہ مقررہ مدت کے لئے ہو چونکہ جاری پانی غیر مملوک ہوتا ہے اور اس کی مقدار میں بھی جہالت ہوتی ہے، چونکہ پانی رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا ہے یوں جو پانی پیچھے سے آئے گا وہ غیر مبیع ہوگا اسی طرح مبیع غیر مبیع کے ساتھ خلط ہو جائے گی اور سپردگی متعذر

❶..... رواہ الترمذی وحسنہ۔

ہوگی، اگر پانی اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ مشتری فی الحال لے لے گا تو بیع صحیح ہے، اگر پانی رکا ہوا ہو تو بیع جائز ہے بشرطیکہ ناپ تول سے اس کا تخمینہ ممکن ہو۔

۱۵.....بشرط ترک بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع، یا مطلق بیع ہو چونکہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے، البتہ بیع بشرط قطع جائز ہے، اگر کھجوروں کے درخت فروخت کیے اور ان پر پھلوں کی پیوندکاری ہو تو وہ بائع کی ہوں گی اور پیوندکاری نہ ہو تو مشتری کی ہوں گی۔

۱۶، ۱۷.....تازہ کھجوروں کی بیع تازہ کھجوروں یا چھوہاروں کے بدلہ میں یا انگوروں کی بیع انگوروں یا کشمش کے بدلہ میں، چونکہ فی الحال خشک ہوتے وقت مماثلت میں جہالت ہوتی ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ تازہ کھجوریں چھوہاروں کے بدلہ میں فروخت کی جاسکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا جب تازہ کھجوریں خشک ہوجائیں تو کم ہوجاتی ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب نہیں۔ ❶ البتہ پانچ وسق سے کم میں ضرورت کی وجہ سے بیع جائز ہے۔

۱۸، ۱۹.....تازہ گندم کی بیع خشک گندم کے بدلہ میں بایں طور کہ ان میں تفاضل ہو چونکہ مماثلت میں جہالت ہوتی ہے اور اس میں سود بھی ہے۔

۲۰، ۲۱، ۲۲.....تازہ گوشت کی بیع تازہ گوشت یا بوٹیاں کیے ہوئے کے بدلے میں کہ ان میں تفاضل ہو، اگر جنس متحد ہو۔

چونکہ اس میں سود ہے، جیسے گائے کا گوشت اسی جیسے گوشت کے بدلہ میں فروخت کرنا بایں طور کہ ان میں تفاضل ہو۔

ملاحظہ.....مختلف انواع واقسام کے گوشت، دودھ، تیل، مچھلیاں، سرکہ جات، روٹیاں اپنے اصل کے حکم میں ہیں، چنانچہ ان میں ایک جنس کی بیع دوسری جنس کے بدلہ میں تفاضل کے ساتھ جائز ہے، گویا دو من گائے کے گوشت کو ایک من بکری کے گوشت کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔

۲۳.....نجس چیز کی بیع جیسے کتے کی بیع چونکہ کتے کی قیمت سے منع کیا گیا ہے، خنزیر بھی اسی حکم میں ہے۔

۲۴، ۲۵، ۲۶.....حشرات الارض کی بیع جیسے بچھوؤں اور کیڑوں کی بیع، چونکہ ان میں کوئی ایسا نفع نہیں جو مال کے مقابل ہو۔ ❷

۲۸.....نر کدوانے کی بیع کو جفتی کروانے کی قیمت وصول کی جاتی ہے بخاری کی ایک حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

۲۹.....مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ فروخت کرنا چونکہ اس میں مسلمان کی تحقیر ہے۔

۳۰.....بیع الغرر، جیسے پانی میں تیرتی مچھلی کی بیع، بھیڑ کی پیٹھ پر اون کی بیع چونکہ مبیع کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔

۳۱: بیع عریہ.....یعنی تازہ کھجوریں جو درختوں پر لگی ہوں کی بیع چھوہاروں کے بدلہ میں، یا بیلوں پر لگے انگوروں کی بیع کشمش کے بدلہ میں جو کہ پانچ وسق یا اس سے زائد میں ہو، بدوصلاح کے بعد پانچ وسق سے کم میں بیع عینہ جائز ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں میں اجازت دی ہے اور انگوروں کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے، چنانچہ کھجوریں او انگور اموال ربویہ میں سے ہیں۔ ان کی تفصیل شروط بیع میں دیکھی جاسکتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک حرام غیر باطل بیوع.....یہ آٹھ بیوع ہیں۔

۱: بیع مصراۃ.....اس کا حاصل یہ ہے کہ جانور کو چند دنوں تک دوہے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہوجائے

---

❶.....رواہ الترمذی وصححہ۔ ❷ اس میں تامل ہے چونکہ اہل طب بچھوؤں سے تیل تیار کرتے ہیں جو جوڑوں کے درد کیلئے اکسیر ہوتا ہے۔

اور خریدتے وقت خریدار کو دودھ زائد ہونے کا وہم ہو اور جانور کو رغبت سے خرید لے گا، یہ بیع اگر چہ اصولی اعتبار سے صحیح ہے لیکن حرام ہے چونکہ بخاری ومسلم کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ نہ روکے رکھو۔

۲: شہری کی بیع دیہاتی کے لئے.....اس کا حاصل یہ ہے کہ دیہاتی بازار میں سامان فروخت کرنے کے لئے لاتا ہے اور کوئی شہری اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے، یہ سامان تم نہ بیچو بلکہ میں تمہیں اچھے نرخوں میں فروخت کر کے دوں گا، جبکہ شہری جانتا ہے کہ شہری لوگ اس سامان کے حاجت مند ہیں۔ بخاری ومسلم کی حدیث کی رو سے ایسا کرنا حرام ہے۔

چنانچہ حدیث ہے کوئی شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔

۳: تلقی رکبان.....یعنی مارکیٹ سے باہر ہی تجارتی قافلوں سے کم نرخوں میں سامان خرید لینا، چنانچہ مسلم کی روایت کی رو سے جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایسا کرنا حرام ہے۔ ’’خرید وفروخت کے لئے قافلوں سے آگے جا کر مت ملو۔‘‘

۴: ذخیرہ اندوزی.....یعنی اشیائے خورد ونوش کو اس نیت سے چھپا کر ذخیرہ کر لینا کہ جب بھاؤ بڑھ جائے گا اس وقت مارکیٹ میں اشیاء کو فروخت کیا جائے گا تا کہ فروخت کنندہ زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے، ایسا کرنا مسلم کی روایت کی رو سے جو کہ معمر بن عبداللہ عدوی سے مروی ہے حرام ہے۔ چنانچہ حدیث ہے۔ ’’ذخیرہ اندوزی صرف گناہگار شخص ہی کرتا ہے۔‘‘ نیز ذخیرہ اندوزی میں لوگوں کی اذیت ہے۔

۵: بیع نجش.....اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص صرف بھاؤ تاؤ لگاتا ہے اور سامان خریدنا نہیں چاہ رہا ہوتا کہ دوسروں کو ثمن کی زیادتی کا وہم دے، ایسا کرنا بخاری ومسلم کی حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کی رو سے حرام ہے۔ حدیث ہے کہ ’’حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔

۶: دوسرے کے سودے پر سودا کرنا.....جب بیع میں ثمن طے ہو جائیں تو اس کے بعد سودے پر سودا کرنا حرام ہے، اسی طرح بیع کے لازم ہونے سے پہلے دوسرے کی بیع پر بیع کرنا بھی حرام ہے، ایسا خیار مجلس اور خیار شرط کی مدت میں ہوتا ہے، مثلاً خریدار فروخت کنندہ کی بیع فسخ کرنے کا کہتا ہے اور اسے برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ زیادہ رقم دے گا، یا بائع کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اگر تم یہ چیز خریدو تو میں تمہیں ارزاں نرخوں میں دوں گا۔ اس پر بہت ساری حدیثیں دلائل ہیں۔ ایک حدیث بخاری ومسلم کی ہے۔ ’’مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہیں کرتا۔‘‘ دوسری حدیث صحیحین کی ہے۔ ’’تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔ نسائی نے یہ اضافہ ذکر کیا ہے۔‘‘ یہاں تک کہ وہ خرید لے یا چھوڑ دے۔‘‘ جو حکم خریداری کا ہے وہی فروخت کا ہے۔

تحریم کی حکمت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے لوگوں میں بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔

۷: ایسے شخص کے ساتھ بیع کرنا جس کا کل مال حرام کا ہو.....جیسے بائع کو معلوم ہو کہ مشتری کا سارا مال رشوت کا ہے، یا مشتری کی کمائی خنزیر یا مردار یا کتے کی کمائی سے ہے، یا اس کی کمائی غیر مشروع ہے جیسے رشوت، جوا یا حرام عمل سے کمائی ہے جیسے نوحہ، رقص اور زنا کی اجرت وغیرہ سے۔

اگر مشتری کا کل مال حرام نہ ہو بلکہ حرام وحلال دونوں طرح کا گڈمڈ ہو تو اس کے ساتھ معاملہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ ’’حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں بہت سارے لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص ان مشتبہ امور سے محفوظ رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ رکھا، اور جو شخص شبہات میں پڑا وہ صریح

حرام میں پڑا۔

۸: تازہ کھجوریں اور انگور شراب ساز کے ہاتھ فروخت کرنا...... چنانچہ شراب ساز کے ہاتھ تازہ کھجوریں اور انگور فروخت کرنا حرام ہے، اسی طرح جو شخص لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے میں مشہور ہو اس کے ہاتھ بے ریش لڑکوں کو فروخت کرنا بھی حرام ہے، باغیوں اور راہزنوں کے ہاتھ بھی اسلحہ فروخت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ہر ایسا تصرف جو معصیت پر منتج ہوتا ہو وہ حرام ہے البتہ اگر معاملہ مشکوک ہو تو بیع مکروہ ہے۔

پانچویں بحث......خیارات

قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ عقد جو کسی بھی قسم کے خیار سے خالی ہو وہ لازم ہوتا ہے اور خیار کے ہوتے ہوئے عاقد عقد کو فسخ کر سکتا ہے۔

خیار کا معنی...... یہ ہے کہ عاقد کو عقد کے نافذ کرنے اور فسخ کرنے میں اختیار حاصل ہوتا ہے اگر معاملہ خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب کا ہو، چونکہ بیع میں اصل لزوم ہے اس لئے کہ بیع کا مقصد ملک کو منتقل کرنا ہوتا ہے، البتہ شارع نے متعاقدین کی سہولت کے لئے خیار کو ثابت کیا ہے۔

خیارات کی تعداد:

حنفیہ...... نے سترہ (۱۷) خیارات کا ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہیں: خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعیین، خیار غبن معہ تغریر، ان سات خیارات کو میں نے مجلہ میں م ۳۰۰ ـ ۳۶۰ میں ذکر کیا ہے، خیار کمیت، خیار استحقاق، خیار تغریر فعلی، خیار کشف حال، خیار خیانت مرابحہ وتولیہ، بعض مبیع کے ہلاک ہونے سے تفریق صفقہ کا خیار، خیار برائے اجازت عقد فضولی مبیع کے ساتھ مستاجر یا رہن کا حق متعلق ہونے کا خیار اور خیار مجلس۔❶

مالکیہ...... کہتے ہیں: ❶ خیار کی دو قسمیں ہیں: خیار شرط جیسے خیار تروی، یعنی غور وفکر کا خیار، حتیٰ کہ جب خیار کا لفظ مطلق بولا جائے تو یہی خیار مراد ہوتا ہے ❷ خیار حکمی۔ جسے خیار نقیصہ بھی کہا جاتا ہے جو مبیع میں کسی عیب یا استحقاق کی پاداش میں دیا جاتا ہے۔❷

رہی بات خیار شرط کی سو وہ مالکیہ کے نزدیک باطل ہے، چنانچہ مدینہ کے فقہائے سبعہ اور امام ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ بیع تو ایجاب وقبول سے مکمل ہو جاتی ہے، اگرچہ متعاقدین مجلس عقد سے جدا نہ بھی ہوں۔ جبکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور اسحاق نے خیار مجلس کو روا رکھا ہے، جب عقد مکمل ہو جاتا ہے تو جب تک عاقدین مجلس سے جدا جدا نہ ہوں انہیں خیار مجلس حاصل ہوگا اس کی دلیل حدیث صحیح ہے جو ''خیار مجلس'' کی بحث میں رکن بیع کے تحت گزر چکی ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: خیار کی دو اقسام ہیں:

۱......خیار تشہی   ۲......خیار نقیصہ۔❸

خیار تشہی...... یہ وہ خیار ہے جسے متعاقدین اپنے اختیار اور اپنی چاہت سے بلا توقف مبیع میں کسی امر کے فوت ہونے پر استعمال کرتے

---

❶......الدر المختار ۴/۴۷۔ ❷الشرح الكبير ۳/۹۱، القوانين الفقهية ص ۲۷۲، بداية المجتهد ۲/۱۶۹۔ ❸مغنی المحتاج ۲/۴۳، تحفة الطلاب ص ۵۰، حاشية الشرقاوی ۲/۴۰۔

ہیں۔اس کا سبب مجلس یا شرط ہوتی ہے۔

خیار نقیصہ.....اس کا سبب اختلاف لفظی یا تعزیر فعلی ہے اسی میں سے خیار عیب، خیار تصریہ، خیار خلف اور تلقی الرکبان وغیرہ بھی ہے۔

اسی اجمال کی روشنی میں شافعیہ کے نزدیک سولہ (۱۶) قسم کے خیارات ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱: خیار مجلس.....اس کی مشروعیت صحیحین کی احادیث سے ثابت ہے۔

۲: خیار شرط.....اس کی اکثر مدت تین دن ہیں، چونکہ بیہقی کی ایک روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے اگر تین دن سے زیادہ مدت ہوئی تو عقد صحیح نہیں ہوگا چونکہ تب یہ شرط فاسد کے حکم میں آجائے گا۔

۳: خیار عیب.....یعنی جب مبیع میں کسی عیب پر اطلاع ہوئی تو مشتری کو خیار حاصل ہوتا ہے، خواہ عیب بیع سے پہلے کا ہو یا بیع کے بعد یا قبضہ سے پہلے، ترمذی کی ایک حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

۴: خیار تلقی رکبان.....جب تجارتی قافلے آگے جا کر ملنے والے کے بیان سے زیادہ ریٹ پالیں تو قافلوں کو خیار حاصل ہوا، صحیحین کی ایک حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے۔

۵: خیار تفریق صفقہ.....یعنی عقد کے بعد یہ خیار حاصل ہوتا ہے۔جیسے ایک ہی عقد میں خریدی ہوئی دو چیزوں میں سے ایک چیز ضائع ہوجائے، یا عقد سے قبل مشتری ناواقفیت میں حلال وحرام کا عقد کر بیٹھے۔

۶: وصف مشروط کے مفقود ہونے پر خیار.....یعنی ایسا وصف جس کا قصد ہو چنانچہ زنا اور چوری کے نہ ہونے پر خیار نہیں حاصل ہوگا۔

۷، ۸.....غاصب سے سامان واپس لینے پر باوجود قدرت ہونے کے غصب سے ناواقفی کا خیار، یہ خیار دفع ضرر کے واسطے مشروع ہے، تاکہ غاصب سے مال واپس لینے سے عجز نہ رہے۔

۹.....مبیع کے کرایہ پر لگے ہونے سے ناواقف ہونے کا خیار۔

۱۰.....شرط صحیح پوری نہ کرنے کا خیار جیسے رہن یا کفیل کی شرط لگائی اور اسے پورا نہ کیا۔

۱۱: خیار تحالف.....یعنی جب عاقدین عقد کی صحت پر متفق ہوں لیکن عقد کی کیفیت میں اختلاف ہو، چنانچہ عاقدین عقد کو فسخ کر سکتے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک عقد کو فسخ کر سکتا ہے، اگر عاقدین راضی نہ ہوں تو حاکم فسخ کر دے۔فسخِ عقد دونوں سے حلف لینے کے بعد ہوگا۔

۱۲.....بیع مرابحہ کی صورت میں ثمن کے زائد ہونے پر بائع کا خیار چنانچہ اگر بائع نے کہا: میں نے یہ چیز سو روپے میں خریدی ہے اور اسے سو روپے میں فروخت کردے اور ہر دس روپے پر ایک روپیہ منافع کمائے پھر وہ خیال ظاہر کرے کہ اس نے یہ چیز ایک سو دس روپے میں خریدی ہے جبکہ مشتری بھی اس کی تصدیق کردے تو بائع کو خیار حاصل ہوگا چونکہ بائع کے حق میں دس روپے کا ثبوت نہیں مل سکا۔

۱۳.....تخلیہ سے قبل خرید کردہ پھلوں کے ساتھ نو پید پھلوں کے مخلوط ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا اگر بائع نے نو پید پھل مشتری کو ہبہ نہ کئے۔

۱۴.....ثمن سے عاجز آنے پر خیار۔یعنی مشتری ثمن کی ادائیگی سے عاجز آجائے جبکہ مبیع اس کے پاس موجود ہو چنانچہ یہ خیار صحیحین میں

ثابت شدہ ہے۔

۱۵.....عقد سے قبل دیکھی ہوئی صفت کے متغیر ہونے کا خیار اگر چہ یہ تغیر عیب کے درجے کو نہ پہنچتا ہو۔

۱۶.....تخلیہ کے بعد بائع کے سیرابی چھوڑ دینے کی وجہ سے پھلوں میں عیب پیدا ہونے پر خیار۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: خیار کی آٹھ اقسام ہیں۔ ❶

خیار مجلس، خیار شرط، خیار غبن، خیار تدلیس، خیار عیب، خیار خیانت، ثمن میں عاقدین کے اختلاف پر خیار، اجرت کے معاملہ میں مؤاجر اور مستاجر کے اختلاف کا خیار، خیار تفریق صفقہ۔

میں اب اللہ کا نام لے کر تین مشہور خیارات کی تفصیل کروں گا وہ یہ ہیں، خیار شرط، خیار عیب اور خیار رؤیت، رہی بات بقیہ خیارات کی سو ان کے اجمالی بیان پر اکتفا کروں گا۔ جبکہ خیار مجلس کے متعلق قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے۔

۱۔ خیار وصف...... یعنی وہ خیار جو مرغوب فیہ وصف کے فوت ہونے پر مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ مقررہ کل ثمن دے کر مبیع لے لے یا بیع فسخ کر دے، یہ خیار عموماً ایسی چیز کے متعلق حاصل ہوتا ہے جو مجلس عقد سے غائب ہو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو خریدتا ہے اور اس میں غیر ظاہر صفت کی شرط لگا دیتا ہے، جبکہ یہ صفت تجربہ سے پہچانی جا سکتی ہے، پھر بعد میں معلوم ہو کہ وہ خاص صفت مبیع میں موجود نہیں۔ یا کسی شخص نے گائے خریدی کہ وہ دودھ دیتی ہے، بعد میں ظاہر ہوا کہ گائے دودھ نہیں دیتی، یا کوئی موتی خریدا کہ یہ اصلی ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مصنوعی ہے، تو ان صورتوں میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو بیع فسخ کر دے چاہے تو کل ثمن کے بدلے مبیع لے لے، چونکہ وصف مرغوب فیہ کی عقد میں شرط لگائی گئی جب وہ وصف فوت ہو گیا تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا چونکہ اس وصف کے بغیر مشتری رضامند نہیں ہوتا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے سلامتی کا وصف فوت ہو۔

حنفیہ کے نزدیک کل ثمن سے مبیع لینے کا سبب یہ ہے کہ ثمن اوصاف کے مقابلہ میں نہیں ہوتے چونکہ اوصاف عقد میں تابع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خیار وصف کی مشروعیت کی دلیل...... خلاف قیاس استحسان کو مصلحت کے لئے اپنایا گیا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ خیار وصف کو خیار عیب میں داخل سمجھتے ہیں۔

خیار وصف کی شرائط...... خیار وصف کی تین شرائط ہیں۔

۱.....یہ کہ وصف مشروط شرعاً مباح ہو۔ اگر وصف شرعاً حرام ہو تو یہ صحیح نہیں۔

۲.....یہ کہ عادۃً وصف مرغوب فیہ ہو۔ چنانچہ جب عرف عام میں مرغوب فیہ نہ ہو تو شرط لغو ہوگی، البتہ بیع صحیح ہوگی اور خیار کالعدم ہوگا۔ مثلاً جانوروں کی خرید و فروخت میں اگر نر یا مادہ کی شرط لگا دی، چنانچہ جس شخص نے کوئی جانور خریدا کہ وہ نر ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مادہ ہے تو بیع صحیح ہوگی اور خیار ثابت نہیں ہوگا۔

۳.....یہ کہ وصف مرغوب کی تحدید نہ ہو جو ایسی جہالت تک پہنچا دیتی ہو جو بالآخر باہمی جھگڑے پر منتج ہو، اگر ایسا کیا تو بیع اور شرط دونوں فاسد ہوں گی، مثلاً دودھ دینے والی گائے میں شرط لگا دی کہ وہ مثلاً ۵ لیٹر دودھ دیتی ہو، چنانچہ یہ شرط فاسد ہے چونکہ اسے ضبط میں لانا ناممکن ہے۔

---

❶..... کشاف القناع ۳/۱۶۶۔ ۲۲۴۔

خیار وصف کے احکام: الف.....خیار وصف وراثت میں منتقل ہوتا ہے چنانچہ اگر خریدار کو خیار وصف حاصل ہو اور اس دوران وہ مرجائے جبکہ مبیع وصف مشروط سے عاری ہو تو وارث کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

ب.....جب خریدار خیار وصف کے دوران مبیع میں کوئی ایسا تصرف کردے جیسا ملکیت میں کیا جاتا ہے تو اس کا خیار باطل ہوگا۔

ج.....فسخ بیع یا کل ثمن کے بدلہ میں مبیع کو باقی رکھنے کے معاملہ میں مشتری کو فسخ بیع کا حق حاصل ہوگا اگر مبیع ضائع ہوگئی یا اس کے قبضہ میں عیب دار ہوگئی تو خریدار کو نقص کے بقدر بائع پر رجوع کا حق حاصل ہوگا، چونکہ وصف مرغوب نہیں پایا گیا، نقص کا اندازہ وصف کے ہوتے ہوئے مبیع کی قیمت لگانے اور وصف کے نہ ہوتے ہوئے قیمت لگانے کے فرق سے کیا جاسکتا ہے۔

۲: خیار نقد ❶.....خیار نقد خیار شرط کی فرع ہے، خیار نقد کا حاصل یہ ہے کہ دونوں عاقدین یہ شرط لگا لیتے ہیں کہ اگر مشتری نے مقررہ مدت جو کہ تین دن ہوتی ہے میں ثمن نہ دیئے تو ان دونوں کے درمیان بیع نہیں رہے گی۔ اگر مدت چار دن کی مقرر کی گئی تو خیار صحیح نہیں ہوگا، اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، چونکہ یہ مدت خیار شرط میں مشروع ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شرط کے معاملہ میں عاقدین کی رعایت کرتے ہیں کہ جتنی مدت بھی مقرر کرلیں۔

اگر تین دن کی مدت میں مشتری نے ثمن نقدی ادا کردیئے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بیع جائز ہوگی چونکہ خیار نقد خیار شرط کے ساتھ ملحق ہے۔ حنابلہ کے نزدیک یہ خیار جائز ہے جیسے خیار شرط جائز ہے، لیکن حنابلہ کے نزدیک اگر مشتری نے نقدی ثمن ادا نہ کئے تو بیع فسخ ہوجائے گی یا مشتری پر بائع نے یہ شرط لگادی کہ جب وہ مشتری کو تین دن کی مدت کے اندر ثمن واپس کردے تو ان کے درمیان بیع نہیں رہے گی۔

خیار نقد اور خیار شرط میں فرق یہ ہے کہ خیار شرط میں اصل لزوم ہے چنانچہ جب مشروط مدت فسخ عقد کے بغیر ہی پوری ہوجائے تو بیع لازم ہوجائے گی، رہی بات خیار نقد کی سو اس میں اصل عدم لزوم ہے، چنانچہ جب تین دن میں ثمن نقدی ادا نہ کئے تو بیع فاسد ہوجائے گی بشرطیکہ مبیع اپنی حالت پر باقی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ مشتری قبضہ کرلینے سے مبیع کا مالک بن جاتا ہے، حنابلہ کے نزدیک بیع فسخ ہوجائے گی، حنفیہ میں سے امام زفر کے علاوہ سبھی اسے جائز قرار دیتے ہیں، چونکہ خیار نقد خیار شرط میں داخل ہے جبکہ امام زفر اسے جائز قرار نہیں دیتے چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد میں سے نہیں ہے اور اس میں اس شخص کا فائدہ ہے جس کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہو۔

خیار نقد کے سقوط کا حکم: ۱.....خیار نقد کی مدت کے دوران اگر مشتری مرجائے تو بیع باطل ہوجائے گی۔

۲.....اگر مدت خیار کے دوران مشتری نے مبیع کو فروخت کردیا جبکہ ابھی اس نے ثمن ادا نہیں کئے تھے تو خیار ساقط ہوجائے گا، بیع صحیح ہوگی اور لازم ہوجائے گی اور مشتری کو ثمن نقدا ادا کرنے ہوں گے۔

۳.....اگر مشتری یا کسی اجنبی نے مدت خیار کے دوران اور قبضہ کے بعد مبیع کو تلف کردیا تو خیار ساقط ہوجائے گا چونکہ اس صورت میں مبیع کو واپس کرنے سے عاجز ہوگا۔

۴.....اگر مشتری نے مبیع میں کوئی عیب پیدا کردیا جو بائع کو مبیع واپس کرنے کے مانع ہو جبکہ مشتری نے ثمن نقد نہ ادا کئے ہوں تو خیار ساقط ہوجائے گا اور بائع کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو یہی نقص والی مبیع لے لے اور اسے ثمن میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا چاہے تو واپس نہ لے اور ثمن لے لے۔

۳۔ خیار تعیین.....❷ خیار تعیین یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے پاس چند چیزیں ہوں وہ ایک متعینہ قیمت پر خریدار کے ہاتھ بلاتعیین ان

❶.....دیکھئے المبسوط ۱۳/۵۰، فتح القدير مع العناية ۵/۱۱۴، رد المحتار والدر المختار ۴/۵۱، المجلة ۴/۳۱۳، كشاف القناع ۳/۱۸۴۔

❷ دیکھئے فتح القدير مع العناية ۵/۱۲۵، ردالمحتار ۴/۶۰ المجلة م ۳۱۶۔

میں سے کوئی ایک چیز فروخت کردے اور خریدار کو اختیار دے کہ وہ ان میں کسی ایک کو متعین کرلے۔مثلاً خریدار دو یا تین غیر معین کپڑوں میں سے کسی ایک کو خرید لے بایں طور کہ مشتری کو تین دن تک خیار حاصل ہوگا۔

خیار نقد کی طرح خیار تعیین کی بھی دو وجہیں ہیں یا تو خریدار ان چند اشیاء میں سے کسی ایک کو لے لے اور بائع کو بتایا ہوا ثمن دے، یا بائع ان میں سے کسی ایک چیز کو خریدار کے حوالے کردے، یہ چیز خریدار کو لازم ہو جائے گی الا یہ کہ وہ چیز عیب دار ہو تو باہمی رضامندی سے لازم ہوگی، اگر ان دو چیزوں میں سے ایک ضائع ہو جائے تو باقی رہنے والی چیز مشتری کو لازم ہو جائے گی۔

حنفیہ نے لوگوں کی حاجت مندی کے پیش نظر خیار تعیین کو جائز قرار دیا ہے لیکن جہالت سے قطع نظر کیا ہے جبکہ جہالت کی وجہ سے شافعیہ اور حنابلہ نے خیار تعیین کو باطل قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ خیار تعیین کا خیار شرط کے ساتھ مقترن ہونا شرط نہیں۔البتہ یہ خیار عاقدین کے لئے جائز ہے۔

خیار تعیین کی شرائط......حنفیہ نے خیار تعیین کے لئے مندرجہ ذیل شرائط لگائی ہیں۔

۱......یہ کہ اختیار دو یا تین اشیاء میں دیا گیا ہو اگر اختیار چار اشیاء میں دیا گیا تو پھر خیار تعیین جائز نہیں چونکہ تین چیزوں میں اختیار کا حاصل ہونا کو الٹی کی بنیاد پر ہے چنانچہ اشیاء کی تین اقسام ہوتی ہیں اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ۔

۲......یہ کہ بائع کی موافقت خیار تعیین کے متعلق صریح ہو، مثلاً مشتری سے یوں کہے: میں نے تمہیں دو یا تین میں سے ایک چیز فروخت کی بایں طور کہ تمہیں ان میں سے ایک چیز میں اختیار حاصل ہوگا اگر اس کی موافقت نہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

۳......یہ کہ خرید و فروخت قیمتی اشیاء میں ہو جیسے پہننے اور اوڑھنے بچھونے کے کپڑے اور بستر وغیرہ، نہ کہ مثلی اشیاء میں بیع ہو جیسے جدید مطبوعہ کتابیں چونکہ مثلی اشیاء میں خیار کا کوئی فائدہ نہیں۔

۴......خیار تعیین کی مدت خیار شرط کی مدت کی طرح ہو اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک سہولت کی بنیاد پر جو مدت بھی مقرر کرلی جائے صحیح ہے۔

خیار تعیین کے احکام:الف......افراد مبیع میں سے غیر معین فرد میں بیع لازم ہو جاتی ہے اور صاحب حق (خریدار) پر لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ مدت کے اندر اندر کسی ایک چیز کو معین کردے۔

ب......حنفیہ کے نزدیک خیار تعیین وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔بخلاف خیار شرط کے چنانچہ اگر وہ شخص جسے خیار تعیین حاصل تھا دوران مدت مر گیا اور ابھی تک تعیین نہیں کی تھی تو وارث کو کسی ایک چیز کی تعیین پر مجبور کیا جائے گا۔

ج......جب دو میں سے ایک چیز ضائع ہو جائے تو دوسری چیز مبیع بننے کے لئے متعین ہو جائے گی اور باقی مشتری کے پاس امانت کے طور پر ہوگی، اگر دونوں مبیع ضائع ہو گئیں تو ان میں سے ہر مبیع کی نصف ثمن کا مشتری ضامن ہوگا اگر آگے پیچھے دونوں مبیع ضائع ہوئیں تو پہلی مبیع متعین ہے۔اگر ضائع ہونے والی چیز میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا البتہ اگر بائع گواہ پیش کردے تو اس کا قول زیادہ معتبر ہوگا۔

مبیع میں عیب پیدا ہونا مذکورہ احوال میں ضائع ہونے کے مترادف ہے اگر مشتری نے دو چیزیں فروخت کیں پھر ان میں سے ایک کو اختیار کرلیا تو اس کی بیع صحیح ہوگی جبکہ مبیع کا ثمن سے ضمان دیا جائے گا، دوسری چیز اس کے پاس امانت ہوگی۔

۴۔**خیار غبن** (۱)......یہ خیار حنفیہ کے ہاں مشروع ہے جبکہ عقد غبن پر مشتمل ہو اسے خیار غبن مع تغریر کہا جاتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے

---

(۱)......ردالمحتار ۴/۴۷، المجلۃ م ۲۵۶۔

کہ بائع مشتری کے ساتھ غرر (دھوکا) کرتا ہے، یہ تغریر یا تو نرخوں میں ہوتی ہے یا فعلی ہوتی ہے، جو کہ وصف میں ہوتی ہے، اس صورت میں یہ غبن فاحش ہوگا اور فاحش وہ ہوتا ہے جو تاجروں کی لگائی ہوئی قیمت میں داخل نہ ہو، رہی بات غبن یسیر کی یہ وہ ہوتا ہے جو قیمت لگانے والوں کے اندازہ میں داخل ہو، غبن یسیر (تھوڑا سا غبن) مؤثر نہیں ہوتا، چونکہ غبن یسیر (معمولی غبن) میں غبن کا حد سے زائد ہونا متحقق نہیں ہوتا جبکہ غبن فاحش میں غبن کا حد سے زائد ہونا متحقق ہوتا ہے۔ اس صورت میں ابطالی عقد کا حق ثابت ہو جاتا ہے تاکہ غرر و ضرر کو دور کیا جائے۔

ریٹ میں غرر قولی...... اس کی صورت یہ ہے جیسے کہ بائع یا مؤاجر، مشتری کو یا مستاجر کو کہے: یہ چیز اس ریٹ سے زائد کی ہے تمہیں اس جیسی کہیں نہیں ملے گی یا کہے فلاں شخص مجھے اس سے زیادہ قیمت دے رہا تھا، یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔

وصف میں غرر فعلی...... اس کا حاصل یہ ہے کہ بائع فروخت کردہ مال کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، جس سے خریدار کو بہتر کو الٹی کا وہم ہو جاتا ہے گویا متوسط درجہ کی چیز کو اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کی چیز کو متوسط کر کے دکھایا جاتا ہے، تغریر فعلی کی ایک مثال تصریہ (تھنوں میں دودھ کو جمع رکھنا) بھی ہے، یہ حرام ہے، اس کی پاداش میں دھوکہ کھانے والے کو خیار حاصل ہوگا جیسے صفت مشروط کے فوت ہونے پر خیار ملتا ہے۔

تدلیس عیب...... یعنی فروخت کردہ سامان میں کوئی عیب ہو اور عاقد اسے جانتے بوجھتے چھپا دے، اس کی پاداش میں بھی دوسرے عاقد کو خیار حاصل ہوتا ہے، اسے خیار عیب کہا جاتا ہے۔

خیار غبن کا حکم...... دھوکا کھانے والے کو فسخ عقد کا حق دیا جائے گا تاکہ اس سے غرر و ضرر دور ہو جائے چونکہ غبن فاحش کی وجہ سے دھوکا کھانے والے کی رضامندی غیر متحقق ہوتی ہے، اگر دھوکا کھانے والا مر جائے تو خیار غبن وارث کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اگر مشتری کو غبن فاحش پر اطلاع ہو چکے اور وہ اس کے بعد مبیع میں کوئی تصرف کر دے یا خرید کردہ زمین میں تعمیر کر دے یا مبیع ضائع ہو جائے یا ضائع کر دی جائے یا اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو خیار غبن کا حق ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ...... کہتے ہیں۔ [1] یہاں اس موقع پر تین خیارات ہیں خیار غبن، خیار تدلیس اور خیار عیب۔

خیار غبن...... حنابلہ کے نزدیک خیار غبن تین صورتوں میں ثابت ہوتا ہے۔

اول: تلقی رکبان...... اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تجارتی قافلے کی شکل میں آئیں اور شہر میں ان کی آمد سے قبل ہی شہر کی تاجر برادری، ان کا سرمایۂ تجارت خرید لیں اگر چہ باہر سے آنے والا قافلہ پیدل ہی کیوں نہ ہو، جمہور کے نزدیک تلقی رکبان حرام ہے، حنفیہ کہتے ہیں: یہ مکروہ ہے۔ چنانچہ جب متلقی نے سامان رسد خرید لیا اور پھر جب شرکائے قافلہ شہر میں آئیں تو انہیں خیار حاصل ہوگا جبکہ انہیں غبن اور دھوکا کھانے کا علم ہو جائے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''تلقی جلب سے گریز کرو جس شخص سے تلقی جلب کے طور پر کچھ خرید لیا گیا اور پھر وہ بازار میں آیا تو اسے خیار حاصل ہوگا۔ [2]

دوم: نجش...... اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص سامان خریدنا نہیں چاہتا محض دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے بھاؤ بڑھا کر بولتا ہے، شرعاً ایسا کرنا حرام ہے چونکہ ایسا کرنے میں خریدار کو دھوکا دینا ہے، اور یہ غش یعنی دھوکہ ہے، نجش کی وجہ سے مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا بشرطیکہ جب غیر معتاد قسم کا دھوکہ کھا جائے۔ نجش کا ثبوت تب ہی ہو پاتا ہے جب بھاؤ بڑھا کر بولنے والا نہایت ہوشیار ہو۔ اور چالاک ہو نیز خریدار دھوکا دہی سے ناواقف بھی ہو، اگر خریدار نے جانتے بوجھتے دھوکا کھا لیا تو جلد بازی اور فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے اسے خیار حاصل نہیں ہوگا۔

---

[1] ...... المغنی ۴/۱۳۴، کشاف القناع ۳/۱۹۹۔ [2] رواہ مسلم عن حدیث ابی ہریرۃ۔

اگر ناجش نے بھاؤ بڑھا کر بولا یا بائع نے خود بھاؤ بڑھا کر پیش کیا جبکہ خریدار کو نجش کا علم نہ ہو تو دھوکا دہی ہونے کی وجہ سے خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔

سوم: **قیمت سے ناواقف کی خرید وفروخت اور اجارہ**..... خواہ مشتری ہو یا بائع البتہ اسے خرید وفروخت کا تجربہ نہ ہو، جب وہ غیر معتاد دھوکہ کھا جائے تو اسے خیار حاصل ہوگا، قیمت سے ناواقف ہونے کے متعلق قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کیا جائے گا، بشرطیکہ اس کی ناواقفیت پر کوئی قرینہ نہ ہو اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس کا قول قبول نہیں ہوگا۔

خیار تدلیس..... اس کا سبب دھوکا دہی ہے، تدلیس کے ہوتے ہوئے عقد صحیح ہوتا ہے، جبکہ تدلیس حرام ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول..... کتمان عیب، یعنی مبیع میں کوئی عیب ہو جسے بائع چھپا دے حنفیہ اسے خیار عیب کہتے ہیں۔

دوم..... ایسا فعل جس سے مبیع کی قیمت بڑھ جائے، اگرچہ عیب نہ ہی پیدا ہو، جیسے پن چکی کے پانی کو جمع رکھنا اور فروختگی کے وقت پانی کو چھوڑ دینا تاکہ چکی روکنے کے بعد چھوڑنے سے تیز تر ہو جائے اور خریدار سمجھے کہ چکی اسی طرح حسب عادت تیز چلتی ہے، ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ ثمن بڑھا کر پیش کئے جائیں۔ غلے کی ڈھیری کو اوپر سے خوبصورت بنا دینا بھی اس کی مثال ہے، موچی کا جوتے کو پالش سے چمکا دینا، تصریہ یعنی تھنوں میں دودھ جمع رکھنا، وغیرہ۔❶

حنفیہ اسے تعزیر فعلی سے تعبیر کرتے ہیں۔

تدلیس کی دونوں صورتوں میں مشتری کو خیار رد حاصل ہوگا یعنی چاہے مبیع کو رد کر دے چاہے اپنے پاس رکھ لے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ رکھو سو جس شخص نے ایسی اونٹنی یا بکری خرید لی تو دوہنے کے بعد اسے خیار حاصل ہوگا چاہے تو اپنے پاس رکھ لے چاہے اسے واپس کر دے اور ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی لوٹا دے۔❷ تصریہ کے علاوہ باقی صورتیں تدلیس کے ساتھ ملحق ہیں۔

جمہور اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے مضمون کو اختیار کیا ہے کہ مصراۃ بکری یا گائے کو دوہنے کے بعد خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع روک لے چاہے واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع کھجوروں کا بھی دے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مشتری اگر چاہے تو فقط نقصان سے رجوع کر سکتا ہے۔ یعنی ادائے ثمن میں اسے جو نقصان ہوا ہے وہ واپس لے لے۔

حنابلہ کے نزدیک خیار عیب..... خیار عیب مبیع میں نقص آنے کی وجہ سے ملتا ہے جیسے اونٹ یا بیل کا خصی ہونا، اگرچہ اس سے قیمت میں کمی نہ آتی ہو بلکہ بڑھ جاتی ہو، یا تاجروں کے ہاں اس کی قیمت کم ہو جاتی ہو اگرچہ عین مبیع میں کمی نہ آئے۔

۵: **خیار کشف حال**..... اس کا حاصل یہ ہے کہ خریدار غیر معلوم مقدار چیز کو خریدے، جیسے غلے کے ڈھیر کو خریدے کہ ہر صاع سو روپے میں خریدا تو بیع صحیح ہوگی البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع کو نافذ کرے چاہے فسخ کر دے۔

۶: **خیار خیانت**..... یہ خیار بیوع امانت یعنی بیع تولیہ، مرابحہ، شرکت، اور وضعیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ جب مشتری بائع کو ثمن میں اضافہ کر دینے کی خبر دے پھر بائع کا جھوٹ یا اس کی خیانت اقرار سے یا گواہوں سے ثابت ہو جائے، یا حنفیہ کے نزدیک قسم سے انکار سے

❶..... عصر حاضر میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں جیسے بوری کے اوپر عمدہ قسم کے اخروٹ رکھ دینا، فروٹ کے کریٹ میں اوپر عمدہ فروٹ رکھ دینا، کھیرے یا ٹماٹر کو پانی سے تر کر دینا وغیرہ۔ ❷ متفق علیه من حدیث ابی هريرة مرفوعاً۔

ثابت ہو جائے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو کل ثمن کے بدلہ میں مبیع حاصل کرے چاہے مبیع واپس کر دے چونکہ خریدار کی رضامندی فوت ہو چکی، بیع تولیہ کی صورت میں خریدار ثمن میں کمی بھی کر سکتا ہے۔ (1)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: خیانت کی وجہ سے خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا البتہ وہ خیانت کے بقدر ثمن میں کمی کر سکتا۔

۷: خیار تفریق صفقہ...... (2) مبیع میں تجزی ہو جانے کی وجہ سے یہ خیار مشتری کو حاصل ہوتا ہے، مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ بیع فسخ کر دے اور روپے واپس لے لے اگر دے دیئے ہوں، یا چاہے تو بقیہ مبیع لے لے اور عیب کے مقابل کے ثمن روک لے، اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک خیار تفریق صفقہ بیع کے ہلاک ہونے سے یا بائع کے ہاتھوں بعض بیع میں عیب پیدا ہونے سے حاصل ہوگا، ہلاک کا مجمل حکم یہ ہے کہ ہلاکت اگر آسمانی آفت سے ہو یا بائع کے فعل سے ہو تو بیع باطل ہو جائے گی، اگر اجنبی کے فعل سے ہلاک ہو تو مشتری کو اختیار حاصل ہوگا چاہے بیع فسخ کر دے چاہے نافذ کرے اور ہلاک کنندہ کو ضامن بنائے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: یہ خیار اس صورت میں ثابت ہوگا جب مبیع میں عیب پیدا ہو جائے یا مبیع کے اجزاء متعدد ہوں اور اس میں استحقاق ثابت ہو جائے اور وہ ایک ہی سودے میں بمعہ جمیع اجزاء خریدی گئی ہو۔

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب صفقہ (سودا) حلال وحرام پر مشتمل ہو جیسے حلال سامان اور شراب تو سارا سودا باطل ہوگا، اگر کسی شخص نے اپنا مال اور پرایا مال صفقہ واحدہ میں فروخت کیا تو بیع صحیح ہوگی، البتہ ذاتی ملکیت میں لازم ہو جائے گی اور ملک غیر میں موقوف ہوگی۔

اول...... جب کسی شخص نے ایک ہی صفقہ (سودا) میں حلال وحرام کو فروخت کیا جیسے ذبح شدہ بکری اور مردار بکری، سرکہ اور شراب، بکری اور خنزیر، اپنی ملکیت اور دوسرے کی ملکیت، یا مشترک چیز شریک کی اجازت کے بغیر تو حلال اور مملوک چیز میں بیع صحیح ہوگی اور حرام اور غیر ملکیت میں باطل ہوگی۔ چونکہ ہر چیز کا اپنا حکم ہے۔

اگر خریدار حقیقت حال سے ناواقف ہو تو اسے خیار حاصل ہوگا کہ حلال کو اس کا حصہ کا ثمن دے کر لے لے یا بیع فسخ کر دے، بائع کو خیار نہیں ہوگا چونکہ اس سے افراط سرزد ہوا۔

دوم...... جب کسی شخص نے دو چیزیں فروخت کیں ان میں سے ایک قبضہ سے پہلے تلف ہوگئی تو اس ضائع ہونے والی چیز میں بیع فسخ ہو جائے گی اور سلامت چیز میں فسخ نہیں ہوگی، بلکہ خریدار کو اختیار حاصل ہوگا کہ بیع نافذ کرے یا فسخ کر دے۔ اگر بیع نافذ کی تو باقی دینے والی چیز کو اس کے حصہ کے ثمن دے کر لے لے چونکہ ابتدائے بیع کے وقت ہی ثمن دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ضائع ہونے سے اس میں تغیر نہیں آئے گا۔

سوم...... اگر ایک صفقہ میں دو عقد جمع ہوں جن کا حکم مختلف ہو جیسے اجارہ اور بیع مثلاً یوں کہے میں نے اپنا گھر تمہیں ایک ماہ کے لئے کرایہ پر دے دیا اور میں نے اپنا یہ کپڑا تمہیں سو روپے میں فروخت کر دیا، ظاہر مذہب میں دونوں عقد صحیح ہیں، بولا گیا ثمن دونوں طرح کے معقود علیہ پر تقسیم ہوگا۔

---

(1)...... مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۴/۴۷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱۲۸/۳ مغنی المحتاج ۷۹/۲ کشاف القناع ۲۱/۲۔ (2) ابن عابدین ۴/۴۷ الشرح الکبیر ۳/۲۶۹، القوانین الفقهية ص ۲۶۰ مغنی المحتاج ۲/۴۰، المهذب ۱/۲۶۹ کشاف القناع ۱۶۶/۳۔

خلاصہ.....تفریق صفقہ کے بارے میں شافعیہ کے دو اقوال ہیں زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ ناجائز مبیع میں بیع باطل ہوگی اور جائز میں صحیح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صفقہ (سودا) متفرق نہیں ہوتا لہٰذا مبیع جائز و ناجائز دونوں میں عقد باطل ہو جائے گا۔

حنابلہ.....کہتے ہیں کہ تفریق صفقہ کا معنی ہے کہ جو چیز عقد واحد میں خرید کردہ ہو اس کا تفرق ہونا اور یہ ایسی چیز کو جس کی بیع صحیح ہو جمع کرنا ہوتا ہے ایسی چیز کے ساتھ جس کی بیع صحیح نہیں ہوتی اور انہیں ایک ہی ثمن کے ساتھ ایک ہی سودے میں فروخت کیا جاتا ہے اس طرح کی دو چیزوں کو جمع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

اول.....اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی معلوم چیز اور مجہول قیمت والی چیز کو فروخت کرے جیسے کہے: میں نے تمہیں یہ گھوڑا اور فلاں گھوڑی کے پیٹ کا حمل تمہیں اتنے روپے میں فروخت کیا، ان دونوں کی بیع صحیح نہیں ہے چونکہ مجہول کی بیع جہالت کی وجہ سے صحیح نہیں جبکہ جو معلوم ہے اس کا ثمن (قیمت) مجہول ہے، اس کی معرفت کی بھی کوئی گنجائش نہیں، چونکہ معرفت تبھی ہو سکتی ہے جب دونوں مبیع کی قیمت قسطاً (یعنی جدا جدا) ہو۔ نیز گھوڑی کے حمل کی قیمت لگانا بھی دشوار ہے لہٰذا الگ الگ قیمت کی تعیین دشوار ہے۔

دوم.....اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مشاع (مشترک) چیز کو شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے، تاہم اس کے اپنے حصہ کی بیع اسی کی قیمت کے بقدر صحیح ہے، جیسا کہ شافعیہ نے قسم اول میں کہا ہے، جبکہ خریدار کو مبیع واپس کرنے اور روک لینے میں اختیار حاصل ہوگا۔ جبکہ خریدار کو علم نہ ہو کہ مبیع اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے۔ چونکہ شرکت عیب ہے، اگر اسے شراکت کا علم ہو تو اسے خیار نہیں حاصل ہوگا اور بائع کو بھی خیار حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ اگر مشتری کا تفریق کی وجہ سے نقصان ہو تو اسے تاوان دیا جائے گا۔ جیسے دو موزے جو مشترک ہوں فروخت کر دیئے گئے تو لامحالہ واپسی کی صورت میں خریدار کا اس میں نقصان ہے۔

سوم.....یہ کہ کوئی شخص اپنا سامان اور کسی دوسرے شخص کا سامان اس کی اجازت کے بغیر ہی ایک ہی سودے میں فروخت کر دے یا ایک ہی سودے میں سرکہ اور شراب فروخت کر دے، یوں اس کی اپنی ملکیت میں اس کے ثمن کے بقدر بیع صحیح ہوگی اسی طرح سرکہ میں بھی بیع اس کے حصہ کے ثمن کے بقدر بیع صحیح ہوگی، یوں قیمت دونوں چیزوں پر الگ الگ تقسیم ہوگی جبکہ بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔ یہ صورتیں شافعیہ کے نزدیک نوع اول میں سے ہیں۔

حنابلہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب عقد مکیلی اور موزونی چیزوں میں واقع ہو اور پھر ان میں سے کچھ قبضہ سے پہلے ضائع ہو گئیں تو باقی چیزوں میں عقد فسخ نہیں ہوگا، حنابلہ کی ایک اور روایت بھی ہے کہ خریدار بقیہ چیزوں کو ان کے حصہ کے ثمن سے خرید لے، چونکہ عقد صحیح واقع ہوا ہے، اس میں سے بعض چیزوں کے ضائع ہونے سے عقد فسخ نہیں ہوتا۔

۸: عقد فضولی کی اجازت کا خیار.....[1] چنانچہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے سامان کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو مالک کو خیار حاصل ہوگا۔ البتہ یہ بیع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک موقوف ہوگی، مالک چاہے تو عقد کو نافذ کرے چاہے تو باطل کرے۔

۹: مبیع کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہونے کا خیار.....[2] جس شخص کا مبیع کے ساتھ کوئی حق متعلق ہو تو اس کے لئے خیار ثابت ہوتا ہے جیسے وہ قرض خواہ جس نے اپنے پاس قرضہ کے بدلہ میں رہن رکھنا ہو یا مستاجر، چنانچہ جب کسی شخص نے گھر خریدا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ گھر بطور رہن رکھا گیا تھا یا اجرت (کرایہ) پر دیا ہوا تھا تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے بیع نافذ رکھے یا فسخ کر دے، تاکہ نقصان سے بچ سکے، ظاہر الروایۃ میں ہے یہاں تک کہ اگرچہ اسے اس کا علم ہی کیوں نہ ہو یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

---

[1].....ابن عابدین ۴/۴۷ القوانین الفقهية ص ۲۶۰۔ [2] حاشية ابن عابدين ۴/۴۸۔

اگر مستاجر یا مرتہن نے بیع کی اجازت دے دی تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا اگر اجازت نہ دی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع فسخ کر دے یا مدت اجارہ کے پورے ہونے اور رہن کو چھوڑنے تک انتظار کرے۔

۱۰: بائع کا خیار کمیت ❶...... یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کو گھڑے یا برتن یا ہاتھ میں پڑی چیز سے خریدے جبکہ بائع کو اس چیز کی کمیت اور نوع کا مطلق پتہ نہ ہو چنانچہ گھڑے، برتن یا ہاتھ کو کھولنے کے بعد بائع کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو بیع کو نافذ رکھے یا فسخ کر دے، حنفیہ اس خیار کو خیار کمیت کہتے ہیں، یہ خیار رویت نہیں ہے چونکہ نقود میں خیار رویت ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱: خیار استحقاق ❷......مبیع میں استحقاق ❸ ثابت ہونے پر خریدار کو خیار حاصل ہوگا خواہ استحقاق کل مبیع میں ثابت ہو یا بعض مبیع میں، حنفیہ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے۔ اگر کل مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے استحقاق ثابت ہوا تو کل مبیع میں خیار حاصل ہوگا۔ اگر قبضہ کے بعد استحقاق ثابت ہوا تو قیمتی چیز میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا جبکہ مثلی جیسے مکیلی اور موزونی چیز میں خیار نہیں ملے گا اگر استحقاق قبضہ سے پہلے مبیع کے کچھ حصہ میں ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں عقد باطل ہوگا اور خریدار کو خیار حاصل ہوگا کہ بقیہ حصہ کا ثمن دے کر اسے لے لے چاہے رد کر دے۔

اگر قبضہ کے بعد مبیع کے کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہو تو استحقاقی حصہ میں عقد باطل ہوگا اور خریدار کو خیار حاصل ہوگا کہ بقیہ حصہ کی خریداری میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا چاہے اس کے حصہ کے ثمن سے اسے خرید لے چاہے رد کر دے اگر اس کا نقصان ہوتا ہو جیسے کپڑا یا گھر، اگر حصے الگ الگ کرنے سے خریدار کا نقصان نہ ہوتا ہو تو بقیہ حصہ اسے لازم ہوگا جیسے مکیلی اور موزونی اشیاء۔

یہ ساری تفصیل تب ہے جب مستحق بیع کی اجازت نہ دے اگر اجازت دے دے تو بیع لازم ہو جائے گی۔ جبکہ حصے جدا جدا کرنے سے کسی کا نقصان نہ ہوتا ہو۔

۱۲: خیار شرط: خاکہ موضوع......خیار شرط کے متعلق مندرجہ ذیل پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔

پہلا مقصد......خیار مفسد اور خیار مشروع۔

دوسرا مقصد......خیار مشروع کی مدت۔

تیسرا مقصد......خیار شرط کو ساقط کرنے کے مختلف طریقے۔

چوتھا مقصد......مدتِ خیار کے دوران عقد کا حکم۔

پانچواں مقصد......فسخ کی کیفیت اور اجازت کی کیفیت۔

پہلا مقصد: خیار مفسد اور خیار مشروع......(خیار مفسد) وہ ہوتا ہے جو علی التأبید یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو، چنانچہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دوران عقد اگر عاقدین نے خیار مؤبد (ہمیشہ ہمیشہ کا خیار) کا تذکرہ کیا تو جہالت فاحشہ ہونے کی وجہ سے عقد غیر صحیح ہوگا۔ جیسے بائع یا مشتری کہے کہ میں نے یہ چیز فروخت کی یا خریدی اس شرط کے ساتھ کہ مجھے خیار مؤبد حاصل ہوگا یا عاقدین مطلق خیار کا تذکرہ کریں مثلاً عاقدین میں سے کوئی کہے: مجھے خیار حاصل ہوگا یا جب میں چاہوں بیع ختم کر سکتا ہوں، یا عاقدین مجہول مدت مقرر کریں جیسے زید کا آنا، ہوا کا چلنا، بارش کا برسنا وغیرہ۔ چنانچہ یہ سب خیار مفسد کی صورتیں ہیں، تاہم عقد غیر صحیح ہوگا۔

---

❶......حاشیة ابن عابدین ۴/۴۷۔ ❷ المرجع والمکان السابق۔ ❸ استحقاق کا معنی ہے دوسرے کا حق۔

البتہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عقد باطل ہوگا۔ ❶ جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ عقد فاسد ہوگا۔ اگر تین دن کی مدت گزرنے سے قبل شرط ساقط کردی گئی یا زائد مدت حذف کردی گئی یا خیار کی مدت مقرر کردی گئی تو عقد صحیح ہوگا چونکہ جو چیز مفسد بن رہی تھی وہ ختم کردی گئی۔ ❷

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال یہ ہے کہ جب خیار کی مدت عقد کے ساتھ ملحق ہو تو وہ جہالت کے ہوتے ہوئے جائز نہیں جیسے مدت کی جہالت جائز نہیں ہوتی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ خیار کی شرط لگانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مبیع میں تصرف کرنے کے مانع ہے اور یہ مقتضائے عقد کے منافی ہے لہٰذا خیار مؤبد صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے میں نے یہ چیز تمہیں اس شرط کے ساتھ فروخت کی کہ تم اس میں تصرف نہیں کروگے۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ خیار شرط مقتضائے عقد کو متغیر کردیتا ہے، البتہ ہم نے خیار شرط کو حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، منصوص علیہ کے علاوہ باقی مقتضائے اصل کے موافق رہے گا۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے مطابق کہتے ہیں کہ خیار مطلق جائز ہے البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: کہ عاقدین کو ہمیشہ خیار حاصل رہے گا، یا وہ دونوں خیار کو ختم کردیں یا اس کی مدت ختم ہوجائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حکمران خیار شرط کی مدت مقرر کرے گا چونکہ مبیع کا اختیار اس جیسی صورت میں عادت کے بل بوتے پر ہوتا ہے، لہٰذا جب خیار کو مطلق رکھا گیا تو اسے عادت پر محمول کیا جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی جبکہ خیار کی مدت زائد واقع ہو، یا مدتِ مجہول کی شرط لگائی جیسے بارش برسنے کی مدت، زید کے واپس لوٹنے کی مدت۔ ❸

خیار مشروع...... سے مراد یہ ہے کہ مقرر وقت ذکر کیا جائے، اس بارے میں فقہاء کا اختلاف آیا چاہتا ہے، خیار شرط کی مشروعیت حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ جو کہ خرید وفروخت میں دھوکا کھاجاتے تھے کی حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ ان کے گھر والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم خرید وفروخت کا معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے اور مجھے تین دن کا خیار حاصل ہوگا۔ ❹ دوسری دلیل یہ ہے: کہ خیار شرط کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ دھوکا ختم کیا جائے، ❺ خیار شرط جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مشروع ہے، برابر ہے کہ شرط عاقد کے حق میں ہو یا کسی اور کے حق میں، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غیر عاقد کے لئے خیار شرط جائز نہیں ہے اور بیوع میں خیار اور اجل مقرر کرنا جس میں سود ہو جائز نہیں ایسے عقد کو عقد صرف کہا جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک مکیلی اور موزونی چیز کی بیع میں مدت مقرر کرنا جائز نہیں، شافعیہ کے نزدیک اناج کے بدلہ میں اناج کی بیع میں خیار اور مدت رکھنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ اس طرح کی بیع میں عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے قبضہ کرلینا شرط ہے جبکہ خیار اور مدت کا مقرر کرنا قبضہ کے منافی ہے۔ ❻

دوسرا مقصد: خیار مشروع کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء...... مدت خیار کے بارے میں فقہاء کی تین مختلف پہلوؤں پر مبنی آراء آتی ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کہتے ہیں: مدت مقررہ کے ساتھ خیار شرط جائز ہے جو کہ تین دن کی مدت ہے، اصل تو خیار کا نہ ہونا ہے چونکہ خیار بیع کی طبع کے خلاف ہے، چونکہ خیار ملکیت اور لزوم کے مانع ہے۔

البتہ خیار شرط حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جسے ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اسی طرح حضرت انس رضی

---

❶ ......المہذب ۲۵۹/۱ المغنی ۵۸۹/۳۔ ❷ البدائع ۱۷۴/۵، رد المحتار ۴۹/۴۔ ❸ حاشیۃ الدسوقی ۹۵/۳ بدایۃ المجتہد ۲۰۸/۲۔ ❹ رواہ الحاکم والبیہقی والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والموطا عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ ❺ سبل السلام ۳۵/۳، البدائع ۱۷۴/۵، المنتقیٰ علی المؤطا ۱۰۸/۵۔ ❻ فتح القدیر ۱۷۲/۵، المہذب ۲۵۸/۱۔

اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے اونٹ خریدا اور اس نے چار دن کا خیار رکھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کو باطل کر دیا، اور فرمایا: خیار کی مدت تین دن ہے۔ (۱) عقلی دلیل یہ ہے کہ ضرورت تین دن سے پوری ہو جاتی ہے، اگر تین دن سے زائد مدت مقرر کی تو امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تین دن کے اندر اندر زائد مدت حذف کر دی تو عقد جائز ہو جائے گا، چونکہ مفسد کا خاتمہ ہو چکا جبکہ امام زفر کے نزدیک عقد باطل صحیح نہیں ہوتا یعنی جو عقد باطل ہو چکا وہ صحیح نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خیار کی مدت اگر تین سے زائد مقرر کی گئی ہو تو عقد باطل ہو جائے گا چونکہ اس سے زائد مدت کی صورت میں غرر ہے، جبکہ تین دن سے کم مدت مقرر کرنے میں رخصت ہے، لہٰذا تین دن سے زائد مدت جائز نہیں، فی الجملہ یوں کہا جائے گا کہ خیار شرط مقتضائے عقد کے منافی ہوتا اگر شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہوتا۔ (۲)

صاحبین اور حنابلہ...... کہتے ہیں: خریدار اور فروخت کنندہ آپس میں خیار کی جس مدت پر اتفاق کر لیں وہ صحیح ہے خواہ مدت قلیل ہو یا کثیر، ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے خیار کو دو ماہ تک جائز رکھا۔ (۳)

دوسری دلیل یہ ہے کہ خیار حق ہے جس کا دارومدار شرط پر ہے لہٰذا اس کے تخمینے کا اختیار شرط لگانے والے کو حاصل ہوگا بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ مدتِ خیار عقد کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا عاقدین مدت مقرر کریں گے۔ (۴)

مالکیہ...... کہتے ہیں: بقدر حاجت خیار شرط کی مدت مقرر کرنا جائز ہے۔ مبیع کے اختلاف سے خیار بھی مختلف ہو سکتا ہے، چنانچہ پھل جو ایک دن سے زیادہ نہ رہ سکتا ہو اس میں خیار شرط کی مدت ایک دن سے زائد جائز نہیں، کپڑوں اور جانوروں میں تین دن، زمین جس تک تین دن میں پہنچنا ممکن نہ ہو اس میں تین دن سے زائد بھی مدت مقرر کی جا سکتی ہے، گھر وغیرہ میں ایک ماہ کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔

مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ خیار کا مفہوم مبیع کی جانچ پڑتال ہے، جب معاملہ یونہی ہے تو پھر واجب ہوا کہ خیار ایسے وقت کے ساتھ مقرر ہو جس میں مبیع کی جانچ پڑتال کی جا سکے، گویا مالکیہ کے نزدیک نص اسی معنی کے بیان کے لئے وارد ہوئی ہے، وہ یہ کہ خیار عاقد کی حاجت کے لئے ہوتا ہے لہٰذا حاجت کے ساتھ اس کا تخمینہ لگایا جائے گا، گویا مالکیہ کے نزدیک نص خاص ہے اور اس سے حکم عام مراد ہے۔ (۵)

شافعیہ، امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نص خاص ہے اور اس سے مراد بھی خاص ہے، مدت خیار کی ابتداء عقد کی تاریخ سے ہوگی۔

مدت خیار میں غایت کا حکم...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب رات تک یا صبح تک خیار کی شرط لگائی گئی ہو تو رات اور صبح مدت خیار میں داخل ہوگی چونکہ غایت کا مقصد اس کے مابعد کو ماقبل کے حکم سے نکالنا ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں ہے:

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

آیت میں مرافق (کہنیاں) دھونے کے حکم میں داخل ہیں۔ نیز اگر وقت کا ذکر نہ ہوتا تو کبھی اوقات میں ثبوت خیار کا مطالبہ ہوتا۔ (۶)

---

(۱)...... رواه عبدالرزاق فی مصنفه۔ (۲) المبسوط للسرخسی ۱۳/۴۰، البدائع ۵/۱۷۴ فتح القدير ۵/۱۱۰، مغنی المحتاج ۲/۴۷۔ (۳) قال الزيلعی عن هذا الحديث غريب جداً (نصب الراية ۴/۸)۔ (۴) المغنی ۳/۵۸۵ غاية المنتهیٰ ۲/۳۰، المبسوط ۱۳/۴۲، فتح القدير ۵/۱۱۱، البدائع ۵/۷۴۔ (۵) بداية المجتهد ۲/۲۰۷، حاشية الدسوقی ۳/۹۱، القوانين الفقهية ۲۷۳۔
(۶) البدائع ۵/۲۶۷۔

صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: رات اور صبح مدت خیار میں داخل نہیں ہوگی چونکہ "الـــی" (تک) کا لفظ انتہائے غایت کے لئے موضوع ہے۔لہٰذا الی کا مابعد ماقبل کے حکم میں داخل نہیں ہوگا۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔"ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" (البقرۃ ۲/۱۸۷) اصل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے موضوع پر محمول کیا جائے، گویا لغت کے واضع نے کہا ہے کہ جب تم اس لفظ کو سنو تو اس سے انتہائے غایت کا معنی سمجھو۔❶

تیسرا مقصد: خیار کو ساقط کرنے کے مختلف طریقے...... وہ عقد جس میں خیار رکھا گیا ہو وہ لازم نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر خیار کو ساقط کر دیا جائے تو عقد لازم ہو جاتا ہے، خیار کو ساقط کرنے کے تین طریقے ہیں۔

۱: صریح اسقاط...... اس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب خیار واضح طور پر کہہ دے کہ میں نے خیار کو ساقط کر دیا ہے، یا خیار کو باطل کر دیا ہے، یا میں نے بیع کو نافذ کر دیا ہے یا میں بیع سے راضی ہوں، یوں خیار باطل ہو جائے گا، خواہ خریدار کو علم ہو یا نہ ہو، چونکہ خیار فسخ کے لئے مشروع ہوا ہے لہٰذا جب خیار ساقط ہو چکا تو خیار ہی باطل ہو گیا اور اس کی پاداش میں عقد لازم اور نافذ ہو جائے گا۔

اسی طرح خیار یوں بھی ساقط ہو جاتا ہے جب صاحب حق کہے۔"میں نے عقد فسخ کر دیا، یا عقد توڑ دیا ہے، یا عقد باطل کر دیا۔ چونکہ خیار فسخ اور نفاذ کے اختیار کو کہا جاتا ہے، ان میں سے جو بھی صورت پائی گئی تو خیار ساقط ہو جائے گا۔❷

۲: دلالتِ اسقاط...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو خیار حاصل ہو وہ مبیع میں کوئی تصرف کر دے جو بیع کی اجازت پر دلالت کرے گویا تصرف کا اقدام دلالتاً بیع کی اجازت ہوتی ہے۔❸ اس اصول پر درج ذیل تفصیل متفرع ہوتی ہے۔

جب خیار مشتری کو حاصل ہو اور مبیع اس کے قبضہ میں ہو اور وہ مبیع کو فروخت کے لئے پیش کرے تو اسکا خیار باطل ہو جائے گا۔ چونکہ فروخت کے لئے خریدار کا سامان کو پیش کرنا گویا ملکیت کو اختیار کرنا ہے، جبکہ ملکیت تبھی حاصل ہوگی جب خیار کو باطل کیا جائے۔

اگر خیار بائع کو حاصل ہو اور وہ فروخت کردہ سامان کو کسی اور کو فروخت کرنے لگے تو امام ابوحنیفہؒ سے مروی اصح روایت یہ ہے کہ اختیار ساقط ہو جائے گا چونکہ سامان کو فروختگی کے لئے پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بائع مبیع کو اپنی ملکیت میں باقی رکھنا چاہتا ہے۔

اسی طرح خریدار کا خیار سامان کو فروخت کرنے سے، رہن رکھنے سے، ہبہ کرنے سے یا اجرت پر دینے سے ساقط ہو جائے گا چونکہ یہ تصرفات ملک کے قائم رہنے کے ساتھ مختص ہیں اور یہ چیز نفاذ بیع سے وجود میں آتی ہے۔ گویا ایسا کرنا ابقائے ملک پر دلیل ہے۔

یہی امور اگر بائع سے ثمن میں صادر ہوئے تو اگر بائع کو خیار حاصل ہو تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ یہ تصرفات تبھی صحیح ہوں گے جب پہلے تصرف کو ختم کر دیا جائے۔

البتہ یہاں بائع اور مشتری میں ہبہ اور رہن کے اعتبار سے فرق ہے وہ یہ کہ جب خیار بائع کو حاصل ہو تو خیار ہبہ اور رہن کی صورت میں ساقط نہیں ہوا الا یہ کہ سامان جب سپرد کر دیا تب، بخلاف مشتری کے۔❹

رہی بات عقد کی اجازت کی سو اس ضمن میں بائع اور مشتری کے درمیان کوئی فرق نہیں چنانچہ قبض کی شرط کے بغیر ہی خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ بیع عقد لازم ہے بخلاف رہن اور ہبہ کے چونکہ یہ دونوں عقد غیر لازم ہیں۔

دلالۃً خیار کو ساقط کرنے کی مثالیں یہ بھی ہیں: مشتری خریدے ہوئے گھر میں کسی کو کرائے پر ٹھہرا لے، یا گارے یا گچ وغیرہ سے

---

❶ ...... المغنی لابن قدامۃ ۳/۵۸۸، غایۃ المنتہی ۲/۳۱، المیزان للشعرانی ۲/۶۴، البدائع المرجع السابق۔❷البدائع ۵/۲۶۷۔

❸ ۵/۲۷۲۔❹البدائع ۵/۲۶۷، تحفۃ الفقہاء ج۲/۲۹۵۔

مکان کو لیپے، یا اس میں کوئی نئی تعمیر کھڑی کردے یا کوئی دیوار وغیرہ گرادے چونکہ یہ تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ مشتری نے ملک کو اختیار کرلیا ہے۔اسی طرح مشتری کھیتی یا باغ کو سیراب کرے یا کھیتی کاٹ دے تو بھی خیار ساقط ہوجائے گا چونکہ یہ امور بیع کی اجازت پر دلالت ہیں اور ملکیت کو اختیار کرنا ہے۔❶

اگر گھوڑا خریدا ہوا اور خریداری میں مشتری کو خیار حاصل ہو اور وہ اسی گھوڑے پر سوار ہوکر اسے پانی پلانے جائے یا اسی پر سوار ہوکر اسے بائع کو واپس کرنے جائے تو استحساناً اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا، چونکہ بسا اوقات ایسا چوپایا بھی ہوتا ہے جو سوار ہوئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتا، جبکہ قیاس کی رو سے خیار ساقط ہوجاتا ہے۔ چونکہ گھوڑے پر سوار ہونا ملکیت کو اختیار کرنے کی دلیل ہے۔

اسی طرح چوپائے پر اگر اس لئے سوار ہوا تاکہ اس کی چال دیکھے یا اس کے لئے چارا وغیرہ لائے تو بھی اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر کپڑا پہنا تاکہ اس کے طول وعرض کو دیکھ سکے اس سے بھی خیار ساقط نہیں ہوتا چونکہ کپڑے کو دیکھنے بھالنے کی حاجت پیش آتی ہے۔

بعض حنفی مشائخ کی رائے ہے کہ اگر دوسری بار چوپائے پر پہلی غرض کے لئے سوار ہوا تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ ایک ہی مرتبہ سے بالفعل کسی چیز کو اچھی طرح آزمایا نہیں جاسکتا۔لہٰذا دوسری بار آزمانے کی ضرورت پڑتی ہے۔❷

۳: بطریق ضرورت خیار کو ساقط کرنا...... بطور ضرورت چند امور سے خیار ساقط ہوجاتا ہے۔

اول: مدت کے گزر جانے سے...... اگر دوران مدت فسخ عقد کو اختیار نہ کیا حتیٰ کہ مدت گزر گئی تو خیار ساقط ہوجائے گا، چونکہ خیار مدت کے ساتھ معلق ہوتا ہے، گویا عقد خیار کے بغیر ہی رہ جاتا ہے لہٰذا لازم ہوجاتا ہے۔❸

شافعیہ اور حنابلہ...... بھی یہی کہتے ہیں کہ جب خیار کی مدت پوری ہوجائے تو خیار ساقط ہوجاتا ہے، جبکہ عاقدین میں سے کوئی عقد کو فسخ نہ کرے، عقد لازم ہوجاتا ہے، چونکہ مدتِ خیار عقد کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جب مدت گزر جائے تو خیار باطل ہوجاتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدت کے باقی رہنے کا حکم غیر مشروط مدت تک خیار کو باقی رکھنے کا مقتضی ہے۔جبکہ شرط خیار کا سبب ہے، نیز بیع لزوم کا تقاضا کرتی ہے جبکہ لزوم شرط کی وجہ سے مؤخر ہوا ہے اور جب شرط نہیں ہوگی تو لزوم کا اثبات ہوگا۔چونکہ ایسی کوئی چیز نہیں پائی گئی جو مقتضائے عقد کے منافی ہو۔❹

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: مدت گزرنے سے بیع لازم نہیں ہوتی بلکہ اختیار خیار یا اجازت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ چونکہ مدت خیار کو صاحبِ خیار کا حق قرار دیا گیا ہے اس پر واجب نہیں ہوتا، لہٰذا وقت گزرنے سے حکم لازم نہیں ہوتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے مولیٰ کے حق میں مکاتب کے اعتبار سے مدت کا گزرنا چنانچہ محض مدت گزرنے سے مولیٰ پر آزادی لازم نہیں ہوتی۔❺

دوم: جس میں عاقد کے لئے خیار شرط ہو اس کا مرجانا...... جس شخص کو خیار شرط حاصل ہو اس کے مرجانے سے خیار شرط ساقط ہوجاتا ہے، برابر ہے کہ خیار بائع کو حاصل ہو یا خریدار کو، یا دونوں کو حاصل ہو، عقد لازم ہوجائے گا، چونکہ فسخِ عقد سے عاجز ہونا ثابت ہوچکا، لہٰذا ضرورۃً عقد لازم ہوجائے گا۔فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خیار عیب اور خیار تعیین وراثت میں منتقل ہوتا ہے، جبکہ فضولی کی بیع میں خیار اجازت اور خیار رؤیت وراثت میں منتقل نہیں ہوتے جیسے خیار اجل منتقل نہیں ہوتا، اسی طرح حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خیار قبول بھی وراثت

❶...... تحفة الفقهاء ۲/۱۰۰، البدائع ۵/۲۷۰۔❷تحفة الفقهاء ۲/۱۰۱، البدائع ۵/۲۷۰۔❸البدائع ۵/۲۶۷۔❹الميزان ۲/۶۴ المغنى ۳/۵۹۱۔❺حاشية الدسوقى ۳/۹۵۔

میں منتقل نہیں ہوتا، شافعیہ کے نزدیک خیار مجلس وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔ ❶ جس شخص کو خیار حاصل ہوا گر وہ مرجائے یا مجلس عقد میں وہ بیہوش ہوجائے تو اس کا خیار باطل نہیں ہوگا بلکہ وراثت کو منتقل ہوگا، حنابلہ کہتے ہیں: یہ خیار موت سے منقطع ہوجاتا ہے جبکہ پاگل پن اور بے ہوشی سے منقطع نہیں ہوتا۔ ❷

خیار شرط وراثت میں منتقل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، خیار شرط صاحب خیار کی موت سے ساقط ہوجاتا ہے۔ چونکہ عاقد کو فسخ اور نفاذ کا اختیار حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ چیز موت کے بعد متصور نہیں ہوتی، بخلاف خیار عیب اور خیار تعیین کے چونکہ یہاں ایسی چیز ہے جو خیار میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہ مملوکہ چیز ہے جو عین ہے جبکہ خیار تو عرض ہے وہ باقی نہیں رہتا۔ ❸

خلاصہ..... فضولی کی بیع کی صورت میں خیار قبول اور خیار اجازت اور خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، خیار عیب، خیار تعیین، قصاص، خیار رؤیت، خیار وصف اور خیار تعزیر وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ ❹

حنابلہ..... کہتے ہیں: خیار شرط صاحب خیار کی موت کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے جبکہ دوسرا اخیار اپنی حالت پر باقی رہتا ہے، الا یہ کہ میت خیار کی مدت کے دوران موت سے قبل فسخ کا مطالبہ کرسکتا ہے، اس صورت میں خیار وراثت کو منتقل ہوگا۔ ❺

مالکیہ اور شافعیہ..... کہتے ہیں: جب صاحب خیار مرجائے تو اس کا خیار ورثا کو منتقل ہوجائے گا۔ چونکہ خیار خرید کردہ مال کے ضمان کے لئے ثابت شدہ حق ہوتا ہے، لہٰذا موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسے رہن اور دوسرے حقوق مالیہ، لہٰذا وراثت کو منتقل ہوگا جیسے خیار رد اور خیار عیب، نیز خیار حق فسخ ہے وارث کو منتقل ہوگا جیسے عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا اور حلف برداری سے فسخ۔ ❻

ملحوظ رہے کہ وراثت میں خیار کے منتقل ہونے کا مرجع یہ ہے کہ آیا کہ حقوق وراثت میں منتقل ہوتے ہیں یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ حقوق اور اموال وراثت میں منتقل ہوتے ہیں الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جو وراثت کی بنسبت حق اور مال میں اختلاف کا سبب ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں! اصول یہ ہے کہ مال تو وراثت میں منتقل ہوتا ہے جبکہ حقوق وراثت میں منتقل نہیں ہوتے، الا یہ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جو حقوق کو اموال کے ساتھ ملحق کردے۔

سوم: وہ امور جو موت کے معنی میں ہیں..... جیسے پاگل پن، بے ہوشی، نیند، نشہ، مرتد ہونا، دار حرب میں چلے جانا ❼ چنانچہ جب جنون یا بے ہوشی کی وجہ سے صاحب خیار کی عقل مدت خیار کے دوران ختم ہوجائے اور اسی حالت میں مدت گزر جائے تو عقد لازم ہوجائے گا چونکہ صاحب خیار، فسخ عقد سے عاجز آچکا، لہٰذا خیار کا فائدہ ختم ہوجائے گا، اگر مدت خیار کے دوران صاحب خیار کو افاقہ ہوجائے تو خیار بدستور باقی رہے گا چونکہ صاحب خیار فسخ واجازت کو خود بروئے کار لاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر صاحب خیار مدت خیار کے دوران سوتا رہے یہاں تک کہ مدت گزر جائے تو خیار ختم ہوجائے گا، جیسا کہ صاحب خیار کو مدت خیار کے دوران نشہ چڑھا رہا یہاں تک کہ مدت گزرگئی تو خیار ساقط ہوجائے گا۔

اگر صاحب خیار کی مدت کے دوران مرتد ہوگیا اور پھر قتل کردیا گیا یا مرگیا تو بیع لازم ہوجائے گی، اسی طرح اگر دار حرب میں چلا گیا تو بھی بیع لازم ہوجائے گی بشرط یہ کہ قاضی نے اس کے الحاق کا حکم صادر کردیا۔ چونکہ مرتد ہونا موت کے حکم میں ہے۔ اگر مدت کے دوران مرتد پھر

---

❶..... المبسوط ۱۳/ ۴۲، فتح القدیر ۵/ ۱۲۵، البدائع ۵/ ۲۶۸ رد المحتار ۴/ ۵۷۔ ❷ رد المحتار ۵/ ۵۳۸۔ ❸ المغنی ۳/ ۵۷۹، غایۃ المنتھی ۲/ ۳۳۔ ❹ بدایۃ المجتھد ۲/ ۲۰۹ القوانین الفقھیۃ ص ۲۷۳ المھذب ۱/ ۲۵۹ مغنی المحتاج ۲/ ۴۵۔ ❺ المبسوط ۱۳/ ۴۴، فتح القدیر ۵/ ۱۲۱۔ ❻ دیکھئے تفصیل کے لئے فتح القدیر ۴/ ۳۹۵۔ ❼ مغنی المحتاج ۲/ ۴۵، غایۃ المنتھی ۲/ ۳۳۔

اسلام کی طرف لوٹ آیا تو وہ اپنے خیار پر قائم رہے گا۔

اگر مرتد خیار کے اعتبار سے فسخ واجازت کا تصرف نہ کرے تب یہ ساری تفصیل ہے، اگر مدت خیار کے دوران کوئی تصرف کرے تو پھر اس میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

اگر بیع کی اجازت دی تو بالاتفاق جائز ہے، اگر بیع فسخ کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد موقوف ہوگا چنانچہ اگر مسلمان ہوگیا تو بیع نافذ ہوگی اور اگر مر گیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو فسخ باطل ہوگا۔

صاحبینؒ کہتے ہیں: حالت ارتداد کے تصرفات نافذ ہوں گے منشائے اختلاف یہ ہے کہ آیا مرتد کے تصرفات موقوف ہوں گے یا نافذ ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: موقوف ہوں گے، صاحبین رحمۃ اللہ کہتے ہیں نافذ ہوں گے، خواہ اسلام قبول کرے یا مر جائے یا قتل کر دیا جائے۔ ❶

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر صاحب خیار پاگل ہوگیا، یا بیہوش ہوگیا اس کی زبان بند ہوگئی حتیٰ کہ اس کے اشارے بھی سمجھ سے باہر ہوں تو خیار اس کے ولی کو حاصل ہو جائے گا۔ ❷

چہارم: رؤیت خیار میں مبیع کا ضائع ہو جانا...... اس میں قدرے تفصیل ہے۔ چونکہ مبیع یا تو قبضہ سے پہلے ضائع ہوگی یا قبضہ کے بعد، خیار یا تو بائع کو حاصل ہوگا یا مشتری کو۔ ❸

الف..... اگر قبضہ سے پہلے مبیع بائع کے پاس ضائع ہوگئی تو بیع باطل ہو جائے گی اور خیار ساقط ہو جائے گا۔ برابر ہے خیار بائع کو حاصل ہو یا مشتری کو یا دونوں کو حاصل ہو، چونکہ اگر عقد طے ہو چکا ہو تو تسلیم سے عاجز ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے گی، جب خیار شرط ہو تو پھر بطریق اولیٰ بیع باطل ہو جائے گی۔

ب..... اگر قبضہ کے بعد مشتری کے پاس مبیع ضائع ہو جائے پھر دیکھا جائے گا کہ خیار اگر بائع کو حاصل ہو تو بیع باطل ہوگی اور خیار ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر مبیع کی مثل موجود نہ ہو تو مشتری کو اس کی قیمت لازم ہوگی، اگر مثل موجود ہو تو مثل لازم ہوگی۔

ابن ابی لیلیٰ...... کہتے ہیں: مبیع امانتوں کے ضائع ہونے کی طرح ضائع ہوگی، چونکہ خیار انعقادِ عقد کے مانع ہوتا ہے، گویا مبیع مشتری کے پاس بطور امانت بائع کی ملکیت کے حکم میں ہوگی۔

لیکن عامہ علماء کا قول صحیح ہے، چونکہ بیع اگرچہ حکم عقد کے لحاظ سے منعقد نہیں ہوئی لیکن بیع خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے بیع کے حکم میں ہے۔ لہٰذا قبضہ کی ہوئی چیز سوم علی الشراء کے حکم میں نہیں، قیمت یا مثل سے اس کا ضمان دیا جائے گا۔ برابر ہے تعدی قبضہ میں ہو یا حفاظت میں کوتاہی کی گئی ہو، یا اس میں سے کچھ بھی نہ ہوا ہو، چونکہ عقد کا وجود پایا گیا ہے، بخلاف سوم علی الشراء کے چونکہ وہاں اصلاً عقد پایا ہی نہیں جاتا۔

اگر خیار مشتری کو حاصل ہو اور مشتری کے فعل سے مبیع ضائع ہو جائے یا بائع کے فعل سے یا کسی آسمانی آفت سے ضائع ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی لیکن خیار ساقط ہو جائے گا اور بیع لازم ہوگی، اور ضائع ہونے پر مشتری پر ثمن کا ضمان ہوگا، چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری گو بیع کا مالک نہیں ہوا لیکن مبیع پر ایسے حالات آ چکے جو مبیع کی واپسی کے مانع ہیں۔ اور وہ مبیع میں عیب کا پیدا ہو جانا جو بائع کے پاس نہیں تھا۔ چونکہ مشتری کے پاس مبیع کا ضائع ہونا عادۃً کسی سبب سے خالی نہیں اور یہ سبب عموماً عیب ہوتا ہے، مشتری کے پاس مبیع میں عیب

---

❶ المبسوط ۱۳/ ۴۴، ❷ البدائع ۵/ ۲۷۲، ❸ فتح القدیر ۵/ ۱۱۷۔

پیدا ہو جانا واپسی سے مانع ہے، جب خیار کے باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہ ہو تو بیع لازم ہو جائے گی اور ثمن پر اس کا ضیاع ہوگا جو عقد طے ہو چکا۔

شافعیہ کا مؤقف بھی حنفیہ جیسا ہے، جب مبیع قبضہ سے پہلے آسمانی آفت سے ہلاک ہو جائے، یعنی بیع فسخ ہو جائے گی اور خیار ساقط ہوگا جیسا کہ قبضہ کے بعد جب مبیع ضائع ہو جائے تو خیار ساقط ہو جاتا ہے اور عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

اگر خیار مشتری کے ساتھ خاص ہو تو شافعیہ کے ہاں مقرر ہے کہ مشتری اس حالت میں مبیع کی قیمت کا ضامن ہوگا، چونکہ اگر بیع فسخ ہوگئی تو اس کی واپسی دشوار ہوگی لہٰذا قیمت کا رد واجب ہے، اگر عقد نافذ ہو چکا تو اس کی ملک سے مبیع ضائع ہوئی اور اس پر قیمت واجب ہوگی۔ [1]

مالکیہ...... کہتے ہیں: اگر مبیع بائع کے پاس ضائع ہوئی تو اس کا ضمان بھرنے میں کوئی اختلاف نہیں اور بیع فسخ ہوگی، اگر مبیع مشتری کے پاس ضائع ہوئی تو اس پر رہن اور عاریت کا حکم لگے گا۔

اگر مبیع ایسی چیزوں میں سے ہو جنہیں چھپایا جاسکتا ہو جیسے زیور، کپڑے وغیرہ تو مشتری بائع کے لئے اکثر ثمن کا ضامن ہوگا یا قیمت کا ضامن ہوگا۔ چونکہ بیع کو نافذ کرنا بائع کا حق ہے اگر ثمن اکثر ہوں۔ بیع کو رد کرنا ہوگا اگر قیمت اکثر ہوالا یہ کہ اگر گواہوں سے مبیع کا ضائع ہونا ثابت ہو جائے تو مشتری ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مبیع ان چیزوں میں سے ہو جنہیں چھپایا نہ جاسکتا ہو جیسے گھر، زمین وغیرہ تو بائع ضامن ہوگا لیکن مشتری کے حلف کے بعد، بشرطیکہ خریدار کا جھوٹ ظاہر نہ ہو اور بائع تہمت لگاتا ہو کہ مبیع ضائع ہوگئی ہے اور تفریط نہیں کی۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر قبضہ سے پہلے مدتِ خیار کے دوران سامان ضائع ہو جائے جبکہ مبیع مکیلی یا موزونی چیز ہو تو بیع فسخ ہو جائے گی اور بائع ضامن ہوگا، مشتری کا خیار باطل ہوگا۔

اگر مبیع غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز ہو اور بائع نے مشتری کو قبضہ سے نہ روکا ہو تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ مشتری کے ضمان میں سے ہوگی، یہ تلف گویا قبضہ کے بعد تلف ہونے کی مانند ہے۔

اگر مبیع قبضہ کے بعد مدتِ خیار کے دوران تلف ہو تو وہ مشتری کے ضمان میں سے ہوگی اور اس کا خیار باطل ہو جائے گا، رہی بات بائع کے خیار کی سو اس میں دو روایتیں ہیں۔

اول..... خیار باطل ہوگا جیسے عیب کی وجہ سے خیار رد باطل ہوتا ہے جب مبیع تلف ہو جائے یہ روایت خرقی اور ابوبکر کی مختار روایت ہے۔

دوم..... خیار باطل نہیں ہوگا بائع کو فسخ بیع کا حق حاصل ہوگا اور مشتری سے قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ [2]

پنجم: مبیع میں عیب کا پیدا ہو جانا...... اس میں بھی تفصیل ہے، چونکہ خیار یا تو بائع کو حاصل ہوگا یا مشتری کو حاصل ہوگا۔

''الف''...... اگر خیار بائع کو حاصل ہو۔ چنانچہ مبیع میں اگر آفت سماویہ یا بائع کے فعل کی وجہ سے عیب پیدا ہو جائے برابر ہے کہ مبیع بائع کے قبضے میں ہو یا مشتری کے قبضے میں، چونکہ مبیع کا کچھ حصہ ضائع ہو چکا۔ جو کہ بدل سے خالی ہے، جبکہ بائع پر ضمان واجب نہیں ہوگا، چونکہ مبیع اس کی ملکیت ہے، چنانچہ اس بعض حصہ میں فسخ ہو جائے گی، بقیہ جزو میں عقد کا باقی رہنا ممکن نہیں، چونکہ عقد تمام ہونے سے قبل مشتری پر تفریق صفقہ ہونا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں۔

---

[1]... المهذب ۱/۲۶۰۔ [2] المغنی ۳/۵۶۹۔

اگر مبیع مشتری کے فعل سے عیب دار ہو یا اجنبی کے فعل سے عیب دار ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی، بائع اپنے خیار پر باقی رہے گا چونکہ بقیہ مبیع میں بیع کا ہونا ممکن ہے، چونکہ نقصان کی مقدار بدل کی طرف منتقل ہوگی، اور وہ قیمت کا ضمان ہے جو مشتری پر عائد ہوگا یا اجنبی پر عائد ہوگا، چونکہ انہوں نے غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر تلف کیا ہے۔ گویا نقصان ہونے والی مقدار معنوی طور پر قائم ہے۔

جب بائع اپنے خیار پر باقی ہو اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو پھر یا تو عقد کے نفاذ کی اجازت ہوگی یا عقد کو فسخ کرنا ہوگا، اگر بائع نے عقد کی اجازت دی سو اگر بائع نے عقد کو نافذ کیا تو مشتری پر مبیع کا کل ثمن واجب ہوگا، چونکہ ہبہ کل بیع میں جائز ہے، جبکہ مشتری کو رد کا خیار حاصل نہیں ہوگا بوجہ مبیع میں تغیر پیدا ہونے کے، چونکہ تغیر مشتری کے پاس پیدا ہوا اور اس کے ضمان میں پیدا ہوا۔

علاوہ ازیں کہ جب مشتری کے فعل سے مبیع میں عیب پیدا ہو تو اب مشتری کو کسی پر اختیار نہیں ہوگا چونکہ مشتری اپنے ذاتی فعل سے قیمت کا ضامن ہے، اگر اجنبی کے فعل سے عیب پیدا ہو تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا کہ وہ نقصان کرنے والے سے تاوان کا مطالبہ کرے، چونکہ مشتری بائع کی اجازت سے مبیع کا مالک بنا ہے، اور وہ بیع کے وقت مالک بنا ہے لہٰذا نقصان اس کی ملکیت سے ہوا ہے۔

اگر بائع عقد کو فسخ کردے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اگر عیب خریدار کے فعل سے آیا ہو تو بائع باقی کو لے سکتا ہے اور نقصان کرنے کا تاوان مشتری سے وصول کرسکتا ہے، چونکہ مبیع مشتری کے ذمہ قیمتاً ضمان ہوگی، اور جو چیز زیادتی کی وجہ سے تلف ہوجائے وہ واپس نہیں ہوسکتی، لہٰذا مشتری کے ذمہ قیمت واپس کرنا ہے۔

اگر عیب اجنبی کے فعل سے واقع ہوا ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو نقصان کرنے والے سے تاوان وصول کرے چونکہ جنایت (زیادتی) اس کی ملکیت میں ہوئی ہے اگر چاہے تو مشتری کے پیچھے لگ جائے چونکہ زیادتی تو مشتری کے ضمان میں ہوئی ہے۔

سو اگر اجنبی کے پیچھے پڑنے کو اختیار کرے تو اجنبی کسی پر رجوع نہیں کرسکتا، چونکہ وہ اپنے ذاتی فعل کا بطور قیمت ضامن ہوگا اگر مشتری کے پیچھے لگنے کو اختیار کرے تو مشتری جنایت (زیادتی) کرنے والے پر رجوع کرے گا چونکہ مشتری ادائے ضمان میں بائع کے قائم مقام ہے۔

''ب''.....اگر خیار مشتری کو حاصل ہو تو عیب پیدا کرنے کی وجہ سے اس کا خیار ساقط ہوجائے گا، البتہ بیع فسخ نہیں ہوگی برابر ہے عیب آسمانی آفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو یا بائع کے فعل سے، یا خریدار کے فعل سے یا اجنبی کے فعل سے چونکہ آسمانی آفت اور بائع کی زیادتی کی وجہ سے مبیع میں عیب خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے پیدا ہوا ہے اور مبیع اس کے ضمان میں ہے لہٰذا اس کی قیمت کا واپس کرنا لازمی ہوگا، رہی بات خریدار یا اجنبی کی زیادتی کی سو اس حالت میں مبیع کا واپس کرنا دشوار ہے چونکہ خریدار نے مبیع پر جیسے قبضہ کیا اسی حالت میں اسے واپس کرنا ممکن نہیں اور بعض مبیع کو واپس کرنا تفریق صفقہ ہے جبکہ عقد مکمل ہی نہیں ہوا۔ ❶

اسی تفصیل کے مطابق اگر خریدار کے قبضہ میں ہوتے ہوئے مبیع میں کوئی نقص پیدا ہوجائے جیسے بغیر کسی کے فعل کے گھر کی دیوار گرگئی اس نقصان کی وجہ سے خیار ساقط ہوجائے گا چونکہ مالک کو اسی طرح چیز واپس کرنا دشوار ہے جس طرح عیب سے پاک لی تھی، خریدار کے ذمہ کل ثمن مقرر ہوگا چونکہ نقصان اس کے ضمان میں ہوا ہے۔

چوتھا مقصد.....مدتِ خیار میں عقد کا حکم

حنفیہ..... کہتے ہیں: خیار کی شرط ہوتے ہوئے اس شخص کے اعتبار سے جسے خیار حاصل ہو اس کے حق میں بیع کا حکم یعنی انتقال ملکیت لاگو نہیں ہوگا بلکہ اس کے حق میں سقوط خیار کے وقت تک بیع موقوف ہوگی یا تو بیع کی اجازت سے خیار ساقط ہوتا ہے یا بیع فسخ کرنے سے خیار

❶..... دیکھئے تحفۃ الفقہاء ۱۰۲/۲، فتح القدیر ۱۱۷/۵، البدائع ۲۶۹/۵۔

ساقط ہوتا ہے اگر بیع نافذ کردی تو اس سے ظاہر ہوگا کہ عقد اسی وقت سے منعقد ہوا جب اس کا انعقاد ہو رہا تھا اگر خیار کو استعمال کرتے ہوئے صاحب خیار نے بیع فسخ کردی تو عدم انعقاد کا حکم استصحاب حال کے طور پر استوار رہے گا۔

اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ❶

اگر خیار عاقدین کو حاصل ہو تو دونوں کے حق میں عقد منعقد نہیں ہوگا یعنی مبیع بائع کی ملکیت سے باہر نہیں نکلے گی اور خریدار کی ملک میں داخل بھی نہیں ہوگی جیسے ثمن خریدار کی ملکیت سے نہیں نکلتی اور بائع کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی چونکہ خیار حکم کے اعتبار سے بائع اور خریدار کی جانب وجود حکم کے مانع ہے۔

اگر خیار تنہا بائع کو حاصل ہو تو عقد اس کے حق میں منعقد نہیں ہوگا یعنی بائع کے حق میں عقد کا حکم ثابت نہیں ہوگا، اور مبیع فروخت کنندہ کی ملکیت سے باہر نہیں نکلے گی جبکہ ثمن خریدار کی ملکیت سے نکل جائے گا چونکہ مشتری کے حق میں عقد لازم ہو چکا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثمن بائع کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگا تاکہ بدلین یعنی مبیع اور ثمن ایک ہی شخص کے قبضہ میں جمع نہ ہوجائیں۔ یہ تفصیل عقود مبادلہ جو بائع اور مشتری کے درمیان طے پاتے ہیں میں جائز نہیں ہے۔

صاحبینؒ...... کہتے ہیں: ثمن فروخت کنندہ کی ملکیت میں داخل ہوجائے گا چونکہ فروخت کنندہ نے خیار کی اپنے لئے شرط نہیں لگائی، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کا مالک کے بغیر ہونا صحیح نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقد حکم کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدلین یعنی مبیع اور ثمن میں منعقد نہیں ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف اس شخص کے بدل میں عقد منعقد نہیں ہوگا۔

اگر خیار صرف مشتری کو حاصل ہو تو بیع حکم کے اعتبار سے مشتری کے حق میں منعقد نہیں ہوگی گویا خریدار کی ملک سے ثمن نہیں نکلے گا، رہی بات مبیع کی سو وہ بائع کی ملک سے نکل جائے گی لہٰذا وہ مبیع میں تصرف نہیں کرسکتا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مبیع مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک خریدار کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے مذکورہ بالا اختلاف سے درج ذیل مسائل منتج ہوتے ہیں۔

۱...... اگر کسی ذمی نے کسی دوسرے ذمی سے شراب یا خنزیر خریدا کہ اسے خیار حاصل ہوگا جبکہ خریدار نے مبیع پر قبضہ کرلیا پھر اس نے اسلام قبول کرلیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی، چونکہ مدت خیار کے دوران مبیع خریدار کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی جبکہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر کی ملکیت ممنوع ہے۔

جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ خیار ساقط ہوجائے گا اور عقد لازم ہوگا، چونکہ خریدار مدت خیار میں مبیع کا مالک بن چکا جبکہ وہ ذمی ہے وہ شراب اور خنزیر کا مالک بن سکتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اسے بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا چونکہ مذکورہ اشیاء کا مالک بننا مکروہ ہے۔

البتہ اگر بائع نے اسلام قبول کیا اور خیار خریدار کو حاصل تھا۔ تو بیع باطل نہیں ہوگی، اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اتفاق سے خریدار اپنے خیار پر باقی رہے گا، چونکہ بائع کی طرف سے بیع طے شدہ ہے۔ رہی بات خریدار کی اس کا خیار باقی رہے گا اگر بیع کی اجازت دے دی تو بیع لازم ہوگی خریدار پر ثمن ہوں گے اور وہ مبیع کا مالک بن جائے گا چونکہ وہ ذمی ہے اور ذمی شراب اور خنزیر کا مالک بن سکتا ہے، اگر بیع رد کردی تو عقد فسخ

❶...... البدائع ۲۶۴/۵، فتح القدیر ۱۱۵/۵، ردالمحتار ۵۱/۴۔

ہو جائے گا اور مبیع بائع کی ملک میں رہے گی، مسلمان شراب یا خنزیر کا حکماً مالک بن جاتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے ذمی نے اسلام قبول کیا کہ اس کے پاس شراب یا خنزیر ہو۔

اگر خیار بائع کو حاصل ہو اور وہ مدت خیار میں اسلام قبول کر لے تو خیار اور عقد باطل ہوگا چونکہ بائع کا خیار بالا جماع اس کی ملک سے خروج بیع کے مانع ہوتا ہے، بائع کا اسلام قبول کرنا شراب کو اس کی ملک سے نکالنے سے مانع ہوتا ہے اگر مشتری نے اسلام قبول کیا تو عقد باطل نہیں ہوگا اور بائع اپنے خیار باقی رہے گا چونکہ عقد مشتری کی طرف سے لازمی ہے چونکہ اسے خیار تو نہیں حاصل، اس وقت اسے بیع کی اجازت کا حق حاصل ہوگا یوں خریدار مبیع کا مالک بن جائیگا، اور وہ مبیع یعنی شراب کا مالک بن سکتا ہے جیسے ہمیں معلوم ہو چکا ہے، اگر مبیع رد کر دی تو عقد فسخ ہو جائے گا اور مبیع بدستور بائع کی ملک میں رہے گی۔

۲..... اگر مبیع گھر (غیر منقولی چیز) ہو: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک بالا تفاق شفیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ بائع کا خیار اس کی ملک سے مبیع کے نکلنے سے مانع ہوتا ہے۔ اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو بالا تفاق پڑوسی کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا، چونکہ خریدار کا خیار گو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مشتری کی ملک میں سامان کے داخل ہونے سے مانع ہوتا ہے تاہم بائع کی ملک سے مبیع کی ملکیت کے نکلنے سے مانع نہیں ہوتا، جبکہ حق شفعہ بائع کی ملک کے زائل ہونے سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ مشتری کی ملک سے ثابت نہیں ہوتا۔

جبکہ صاحبین کے قول کے مطابق مشتری کا خیار سامان کے مالک بننے سے مانع نہیں ہوتا (یعنی مشتری مالک بن جاتا ہے) لہٰذا شفعہ ثابت ہوگا، ❶ مدت خیار کے دوران عقد بیع کے حکم کی حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے۔

غیر حنفیہ کے مذاہب درج ذیل ہیں۔

مالکیہ..... امام احمد کی بھی ایک روایت ہے کہ مدت خیار میں بائع کو مبیع کی ملک حاصل ہوگی یہاں تک کہ خیار کی مدت پوری ہو جائے، نفاذ بیع کا معنی ہے مبیع کو بائع کی ملکیت سے مشتری کی ملکیت کی طرف منتقل کرنا جبکہ تقریر ملک نہیں۔ مبیع کے بائع کی ملک میں ہونے پر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت غیر مکمل ہے چونکہ اس کے واپس کرنے کا احتمال ہے۔ اسی تفصیل پر مبیع سے حاصل ہونے والی آمدنی مدت خیار کے دوران بائع کی ہوگی۔ ❷

شافعیہ..... کہتے ہیں: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو بائع مبیع اور اس کے توابع یعنی دودھ اور پھل وغیرہ کا مالک ہوگا، اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو ملکیت خریدار کو حاصل ہوگی چونکہ خیار ان میں سے کسی ایک کو حاصل ہو تو وہ تنہا مبیع میں تصرف کرے گا، تصرف کا نفاذ ہی ملک کی دلیل ہے۔

اگر خیار بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہو تو ملکیت موقوف ہوگی چونکہ یہاں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، لہٰذا ملکیت موقوف ہوگی اگر بیع تمام ہوئی تو واضح ہو جائے گا کہ مبیع مشتری کی ملک ہے اور بوقت عقد اس کا مالک ہوا ہے ورنہ ملکیت بائع کو حاصل ہوگی گویا مبیع بائع کی ملک سے باہر نکلی ہی نہیں۔ ❸

حنابلہ..... کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ملکیت مشتری کو منتقل ہو جائے گی اس میں کوئی فرق نہیں کہ خیار دونوں کو حاصل ہو یا ان میں سے کسی ایک کو حنابلہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ''جس شخص نے کوئی غلام فروخت کیا اس حال میں کہ غلام کے پاس مال ہو تو وہ بائع کا ہوگا الا یہ کہ خریدار

---

❶ فتح القدير ۱۳۳/۵، تحفة الفقهاء ۱۱۳/۲۔ ❷ حاشية الدسوقي ۱۰۳/۳، القوانين الفقهية ص ۲۰۳ (۳) مغني المحتاج ۴۸/۲، المهذب ۱: ۲۵۹

اس کی اپنے لئے شرط لگادے۔" اسی طرح ایک اور حدیث ہے جس شخص نے تابیر (پیوندکاری) کے بعد باغ فروخت کیا تو اس کا پھل بائع کی ملک ہوگا الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگادے۔ ❶

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگانے پر مبیع کو خریدار کی ملکیت قرار دیا ہے اور یہ حکم ہر بیع میں عام ہے۔

چونکہ یہ صحیح بیع ہے لہٰذا یہاں بیع کا منتقل ہونا ایسا ہی ہے جیسے خیار ہو ہی نہیں نیز بقیہ بیوع کی طرح یہاں بھی ملک ثابت ہوگی چونکہ بیع تملیک ہے۔ ❷

اس اختلاف کی بنیاد پر درج ذیل مسائل کا ترتب ہوتا ہے۔ ثمن کی سپردگی کے حکم میں اختلاف ہوگا، آیا کہ بائع ثمن کا مستحق ہوگا یا نہیں، جیسے حنفیہ کے ہاں مذکور ہے، چنانچہ حنابلہ کے نزدیک ثمن کا سپرد کرنا لازمی ہے جب خیار مشتری کو حاصل ہو اور جب خیار بائع کو حاصل ہو تو سپردگی لازم نہیں۔

پانچواں مقصد......فسخ واجازت کی کیفیت

عقد کا فسخ اور اجازت یا تو بطریق ضرورت ہوگی یا بطریق قصد واختیار ہوگی۔ ❸

فسخ واجازت بطریق ضرورت! چنانچہ مدمقابل عاقد کی موجودگی کے بغیر ہی عقد کا فسخ یا اجازت درست ہے اور اس کے علم کے بغیر بھی درست ہے، جیسے مدت خیار کا گزر جانا، مبیع کا ضائع ہو جانا جیسے اسقاط خیار کے مختلف طریقوں میں مذکور ہوا ہے۔

فسخ واجازت بطریق قصد! حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صاحب خیار دوسرے عقد کو آگاہ کئے بغیر اجازت کا اختیار رکھتا ہے، چونکہ صاحب خیار بیع سے راضی تو تھا اور صاحب خیار کی رضامندی کی وجہ سے نفاذ بیع موقوف ہوا، جب رضامندی ہو جائے گی تو بیع نافذ ہو جائے گی، دوسرے فریق کو خواہ علم ہو یا نہ ہو۔

لیکن زبانی وکلامی رضامندی کا اظہار شرط ہے مثلاً یوں کہے: میں نے اس عقد کی اجازت دے دی یا کہے میں اس سے رضامند ہوں، اگر محض دل سے راضی ہوا تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ احکام شرعیہ ظاہری اقوال وافعال کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں جو دلوں پر دلالت کرتے ہیں۔

فسخ......عقد فسخ کرنے میں مناسب یہ ہے کہ زبانی کلامی فسخ کیا جائے اور محض دل ہی دل میں فسخ کرنے کا اعتبار نہیں اگر صاحب خیار نے دوسرے فریق کو آگاہ کرتے ہوئے عقد فسخ کیا تو علمائے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق فسخ صحیح ہے، برابر ہے دوسرا فریق اس سے راضی ہو یا راضی نہ ہو اگر دوسرے فریق کو آگاہ کئے بغیر عقد فسخ کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسخ صحیح نہیں، برابر ہے خیار خریدار کو حاصل ہو یا فروخت کنندہ کو اس صورت میں فسخ موقوف ہوگا اگر دوسرے فریق کو علم ہو جائے مدت خیار کے اندر تو فسخ نافذ ہے اگر علم نہ ہوا یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو عقد لازم ہو جائے گا چونکہ فسخ دوسرے کے حق میں تصرف ہے اور عقد کے ساتھ عاقدین کا حق متعلق ہوتا ہے، یوں فریقین میں سے ایک فریق دوسرے کو بتائے بغیر فسخ کا مالک نہیں ہوگا چونکہ اس میں مضرت اور نقصان ہے، اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو بسا اوقات خریدار خرید کردہ سامان میں تصرف کر دیتا ہے اور اسے بھروسہ ہوتا ہے کہ بیع نافذ ہو جائے گی تو اسے مبیع کے ضائع ہونے کی وجہ سے قیمت کا تاوان لاگو ہو جاتا ہے، بسا اوقات قیمت ثمن سے زائد ہوتی ہے اور اس میں نقصان ہے۔ اگر خیار خریدار کو حاصل ہو تو بسا اوقات ایسا

---

❶ هذا الحديث رواه مالك في الموطا واصحاب الكتب [illegible] عن ابن عمر [illegible] ❷ [illegible] ٢/٣٢٢ المغني ٣/ [illegible] ❸ [illegible] ٢/٣٢٢، القواعد لابن رجب ص ٢٧٧، ❸ فتح القدير ٥/١٢٠

بھی ہوتا ہے کہ بائع اپنے سامان کے لئے کسی دوسرے خریدار کو تلاش نہیں کرتا چونکہ اسے بیع مکمل ہونے کا بھروسہ ہوتا ہے یہ بھی ایک طرح کا نقصان ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر خیار بائع کو حاصل ہو تو خریدار کو فسخ عقد کی اطلاع کرنا شرط نہیں اور اگر خریدار کو خیار حاصل ہو تو عقد فسخ کرنے کی اطلاع بائع کو کرنا شرط ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک اور روایت بھی منقول ہے کہ فسخ کی صورت میں دوسرے فریق کو آگاہ کرنا مطلقاً شرط نہیں، چونکہ فسخ کرنے والا جانبین کی طرف سے فسخ پر مسلط کیا گیا ہوتا ہے لہٰذا فسخ عقد دوسرے کے علم پر موقوف نہیں جیسے وکیل کی بیع مؤکل کو بتائے بغیر بھی جائز ہے۔ ❶

یہ اختلاف خیار رؤیت میں بھی جاری ہوگا، رہی بات خیار عیب کی سو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ فسخ کی صورت میں بائع کو آگاہ کرنا شرط ہے۔ ❷

اگر خیار دو آدمیوں کو حاصل ہو، خیار شرط ہو یا خیار رؤیت ہو یا خیار عیب ہو تو ان میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرا اس اختیار کا مالک نہیں ہوگا کہ وہ تنہا عقد فسخ کردے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے چونکہ مبیع بائع کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور نکلتے وقت اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا اب اس میں شراکت کا عیب آگیا ہے۔ اب اگر ان میں سے کوئی بیع کو واپس کرے گا تو عیب دار مبیع کو رد کرے گا جبکہ اس کی واپسی میں نقصان ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ دو آدمی جن کے لئے خیار شرط ثابت ہو ان میں سے کسی ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ عقد کو تنہا ہی فسخ کردے، چونکہ ان دونوں کے لئے فی الواقع خیار ثابت ہے، دوسرے کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا چونکہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہے۔ ❸

اسی تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو آدمیوں کا اجازت یا فسخ پر اتفاق کرلینا جائز ہے، اگر ان میں سے ایک نے عقد کو رد کردیا اور دوسرے نے اجازت دے دی تو یہ مذکورہ اختلاف کے مطابق ہوگا۔

جب دونوں بیع کے رد کو نصف میں اختیار کریں تو بھی یہ اختلاف جاری ہوگا، حنفیہ کے نزدیک فسخ و اجازت کی مذکور بالا تفصیل ہے جبکہ جمہور کا فسخ میں ان سے اختلاف ہے۔

چنانچہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: صاحب خیار بیع کو فسخ کرسکتا ہے خواہ دوسرا فریق حاضر ہو یا غائب ہو۔ چونکہ جب دوسرا فریق خیار سے رضامند ہے تو گویا اس نے فسخ کی اجازت دے دی، لہٰذا دوسرے فریق کا فسخ کے وقت حاضر ہونا ضروری نہیں، نیز فسخ رفع عقد ہے لہٰذا دوسرے صاحب کی رضامندی کی چنداں ضرورت نہیں لہٰذا اس کا حاضر ہونا بھی ضروری نہیں جیسے طلاق کے مسئلہ میں بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ❹

۱۳: خیار عیب..... خیار عیب دلالۃً شرط سے ثابت ہوتا ہے، اسی لئے میں نے اس کو خیار شرط کے بعد ذکر کیا ہے، خیار عیب کے درج ذیل مقاصد پر کلام ہوگا۔

پہلا مقصد..... خیار عیب کی مشروعیت اور اس کے حکم کے بیان ہیں۔

دوسرا مقصد..... وہ عیوب جو اس خیار کے موجب ہیں۔

تیسرا مقصد..... خیار عیب کے اثبات کے مختلف طریقے اور خیار کے ثبوت کی مختلف شرائط۔

---

❶..... البدائع ۵/۲۷۳، فتح القدیر والعنایۃ ۵/۱۲۲، ردالمحتار ۴/۵۷۔ ❷ البدائع ۵/۲۷۳۔ ❸ المبسوط ۱۳/۵۰، البدائع ۵/۲۶۸۔ ❹ المغنی ۳/۵۹۱، مغنی المحتاج ۲/۴۹، المیزان ۲/۶۴۔

چوتھا مقصد.....خیار کا مقتضا اور عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنے کی کیفیت۔

پانچواں مقصد.....عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کے موانع اور سقوط خیار۔

چھٹا مقصد.....عیب سے برائت ظاہر کرنے کی شرط میں فقہاء کا اختلاف۔

پہلا مقصد.....خیار عیب کی مشروعیت اور عقد کا حکم

خیار عیب کی مشروعیت.....اس خیار کی مشروعیت دراصل احادیث سے ثابت ہے ان احادیث میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب دار چیز فروخت کرے الا یہ کہ وہ عیب کو ضرور بیان کردے۔ ❶

ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے الا یہ کہ اس چیز میں جو عیب بھی ہو اسے ظاہر کردے، کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ مبیع میں عیب جانتا ہوا الا یہ کہ وہ اسے ضرور بیان کردے۔ ❷

ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ اناج فروخت کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج میں ہاتھ داخل کیا، آپ کو اناج میں نمی معلوم ہوئی آپ نے فرمایا جس نے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ❸

علامہ کاسانی کہتے ہیں، خیار عیب کی مشروعیت دراصل اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایسی بکری خریدی جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو، چنانچہ خریدار نے بکری کو مصراۃ پایا اسے دو باتوں کا اختیار حاصل ہوگا، اگر چاہے بکری اپنے پاس رکھ لے چاہے واپس کردے اور ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی لوٹا دے۔ ❹ تین دن کا ذکر بطور امر نہیں بلکہ غالب احوال کے پیش نظر مذکور ہے، کھجوروں کا صاع اس دودھ کی قیمت کے طور پر دینا ہے جو خریدار دوہتا رہا ہے۔

ملاحظہ رہے کہ جمہور فقہاء اونٹنیوں اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ جمع رکھ لے کو غرر سے تعبیر کرتے ہیں جو فعلی ہے اور وصف مبیع میں کار فرما ہوتا ہے، عقد میں دھوکا کھانے والے کو ابطال کا حق حاصل ہوگا اگر غبن شامل نہ ہو تو پھر یہ خیار وصف ہوگا۔ ❺

جمہور فقہاء خریدار کے لئے خیار ثابت کرتے ہیں کہ اسے مبیع اپنے پاس رکھنے کا خیار ہے اگر اسی حالت میں راضی ہو یا مبیع واپس کردے اور ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے، اگر مبیع کو اپنے پاس رکھنے پر راضی نہ ہو، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب جمہور کے موافق ہے ان کی دلیل بھی حدیث سابق ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خریدار صرف نقصان لے سکتا ہے۔

بیع کا حکم.....عیب دار چیز کی بیع کا حکم یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے چونکہ بیع کا رکن مطلق ہے، البتہ دلالۃً خیار ثابت ہوا ہے چونکہ عیوب سے مبیع کا پاک ہونا ضروری ہوتا ہے، جب مبیع کی سلامتی برقرار نہ رہی تو عقد کے لزوم میں فرق پڑ جائے گا، لیکن اصل حکم میں فرق نہیں آئے گا، بخلاف خیار شرط کے، چونکہ شرط منصوص علیہ، اصل حکم پر وارد ہوتی ہے اس لئے حکم کے اعتبار سے مدت خیار میں بیع کا منعقد ہونا ممنوع ہوتا ہے۔ ❻

---

❶.....رواه احمد وابن ماجه والدارقطنی والحاكم والطبرانی عن عقبة بن عامر (مجمع الزوائد ۴/۸۰، نيل الاوطار ۵/۲۱۱) ورواه البخاری بلفظ آخر (جامع الاصول ۱/۴۲۰) ❷اخرجه احمد وابن ماجه والحاكم فی المستدرك نيل الاوطار ۵/۲۱۲). ❸نيل الاوطار ۵/۲۱۱، رواه مسلم وابوداؤد. ❹رواه البخاری مسلم واحمد والموطا واصحاب السنن الاربعة عن ابی هريرة. ❺ابن عابدين ۴/۴۷، المدخل الفقهی العام للاستاذ مصطفى الزرقاء ۱/۲۷۴. ❻البدائع ۵/۲۷۳.

عیب دار چیز کے حکم کی کیفیت یہ ہے کہ عیب دار چیز میں ملک کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ ملک لازم نہیں ہوتی چونکہ عقد معاوضہ میں بدلین کا سلامت رہنا عادۃً مطلوب ہوتا ہے، گویا عقد میں سلامتی کی شرط ضمناً ملحوظ ہوتی ہے، لہٰذا سلامتی مشروط ہے، جب سلامتی کی صفت بدلین میں متحقق نہ ہوگی تو عاقد کو خیار حاصل ہوا اور عقد غیر لازمی ہوگا۔ ❶

دوسرا مقصد: وہ عیوب جو موجب خیار ہیں

عیب......ایسا نقص ہے جس سے فطرت سلیمہ پاک ہو، تاجروں کے عرف میں ثمن کا نقصان یا فاحش ہوتا ہے یا یسیر (معمولی) جیسے بھینگا ہونا، اندھا ہونا، کانا ہونا۔

شافعیہ کے ہاں عیب کی تعریف یہ ہے: عیب وہ نقص ہے جس سے اصل چیز یا قیمت میں کمی آ جائے یا اس چیز کی غرض صحیح فوت ہو جائے، جب مبیع کی جنس میں اس کے عدم کا غلبہ ہو۔ آخری قید سے زائد انگلی وغیرہ کے کٹنے سے احتراز کیا ہے یا ران یا پنڈلی وغیرہ سے تھوڑا سا کٹنے سے احتراز کیا ہے جس سے کوئی عیب نہ آتا ہو۔ اور غرض بھی فوت نہ ہوتی ہو، لہٰذا اس کی وجہ سے مبیع رد نہیں ہوگی، ❷ قیمت کم ہونے کی مثال۔ جیسے سواری کے وقت چوپائے کا بدکنا اور مارنا، غرض صحیح فوت ہونے کی مثال: قربانی کے لئے خریدی ہوئی بکری کے کان کا کچھ کٹا ہوا ہونا۔ خریدار بکری کو واپس کر سکتا ہے۔

دونوں تعریفوں میں فرق یہ ہے کہ حنفیہ کی تعریف مادی معیار کی ہے جبکہ شافعیہ کی تعریف شخصی معیار کی ہے۔

عیوب کی دو قسمیں......اول یہ کہ وہ عیب جو مبیع کے کسی حصہ میں نقصان کو پیدا کر دے یا ظاہری حالت کو متغیر کر دے۔ دوم یہ کہ جو معنوی طور پر نقصان کو واجب کر دے ظاہری طور پر نقصان نہ ہو۔

اول پہلی قسم کے عیب کی مثالیں بہت ہیں جیسے اندھا پن، کانا پن، بھینگا ہونا، کسی عضو کا شل ہونا، گنجا پن، اپاہج امراض، ایک انگلی کٹی ہوئی ہونا، دانت سیاہ ہونا، دانت گرے ہوئے ہونا، بڑی عمر ہونا، سیاہ ناخن، گونگا اور بہرہ پن، خارشی بدن، سر میں زخم کا ہونا، دائمی بخار، اور دوسرے امراض جو بدن میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ ❸

دوم ... جیسے چوپائے کا مارنا، گاڑی کی عادۃً رفتار میں کمی کا ہونا۔ ❹

تیسرا مقصد: اثبات عیب کے مختلف طریقے اور ثبوت خیار کی شرائط

ثبوت خیار کی شرائط..... خیار عیب کے ثبوت کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں۔ ❺

۱ ... عیب بیع کرتے وقت ثابت ہو یا بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے ظاہر ہو، اگر سپردگی کے بعد عیب ظاہر ہوا تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا۔

۲ مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار کے پاس عیب ظاہر ہو، عام مشائخ کے نزدیک بائع کے ہاں عیب کے ثابت ہونے میں واپسی کی سبھی صورتوں میں اکتفاء نہیں ہوگا۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ عیب کی وجہ سے مبیع تبھی واپس کی جائے گی جب عیب بائع کے پاس ظاہر ہوا ہو۔

۳ ... عقد اور قبضہ کے وقت عیب کے موجود ہونے سے خریدار ناواقف ہو اگر قبضہ یا عقد کے وقت خریدار کو عیب کا علم تھا تو پھر اسے خیار حاصل نہیں ہوگا۔ چونکہ دلالۃً عاقد (خریدار) عیب سے راضی ہے۔

---

❶ لبدائع ۵/۲۷۴۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۵۱، عایۃ لمنتھی ۲/۳۵۔ ❸ البدائع ۵/۲۷۴۔ ❹ البدائع ۵/۲۷۴، فتح القدیر ۵/۱۵۴، ردالمحتار ۴/۷۸۔ ❺ البدائع ۵/۲۷۵، فتح القدیر ۵/۱۵۳۔

۴.....بیع میں عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط نہ ہو، اگر عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی گئی ہو تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا۔ چونکہ جب برأت قبول کرلی تو گویا خریدار نے اپنا حق ساقط کر دیا۔

۵.....عیب دار مبیع کی دیگر امثال میں عیب سے سلامتی غالب ہو۔

۶.....یہ کہ فسخ عقد سے قبل عیب زائل نہ ہوتا ہو۔

۷.....یہ کہ عیب عارضی نہ ہو جو مشقت کے بغیر ہی ختم ہو جاتا ہے جیسے کپڑے پر نجاست کا ہونا جس کے دھونے میں ضرر نہ ہو۔

۸.....بیع میں عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط نہ ہو اس کی تفصیل بحث کے آخر میں آیا چاہتی ہے۔

اثبات عیب کے مختلف طریقے.....عیب کے مختلف ہونے سے اثبات عیب کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں، عیب کی چار اقسام ہیں۔ چنانچہ عیب یا تو ظاہری ہوگا جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہو، جیسے زائد انگلی، یا ایک انگلی کا کٹا ہوا ہونا، دانت ٹوٹا ہوا ہونا، کانا پن، اندھا پن وغیرہ۔ یا عیب باطنی اور مخفی ہوگا جسے صرف اطباء ہی جانتے ہوں۔ یا عیب ایسا ہوگا جس پر آگاہی صرف عورتوں کو ہوتی ہو۔ یا عیب ایسا ہو جو مشاہدہ سے نہ پہچانا جا سکتا ہو بلکہ تجربہ اور آزمائش کی ضرورت پڑے۔

۱: اگر عیب ظاہری اور مشاہدہ کے قابل ہو.....قاضی کے پاس جا کر اس قسم کے عیب کے موجود ہونے پر گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں چونکہ یہ عیب آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور مشاہدہ میں آتا ہے، خریدار بائع کے ساتھ جھگڑا کر سکتا ہے (یعنی عدالت میں کیس کر سکتا ہے) ایسی صورت میں قاضی اصل معاملہ پر غور کرے گا۔

اگر عیب ایسا ہو جو عادۃً خریدار کے پاس عادۃً نہیں پیدا ہوتا جیسے زائد انگلی تو اس عیب کی پاداش میں خریدار مبیع بائع کو واپس کر دے، خریدار کو اس بات پر گواہ قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ عیب بائع کے پاس کا ہے۔ الا یہ کہ بائع کا اس پہ اصرار ہو تو خریدار گواہ پیش کر دے۔

اگر خریدار نے گواہ پیش کر دیئے تو گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، اگر گواہ پیش نہ ہوئے تو خریدار سے حلف لیا جائے گا اگر خریدار نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تو عیب دار مبیع واپس نہیں کر سکتا، اگر حلف اٹھالیا تو بائع کو مبیع واپس کر دی جائے گی۔

اگر عیب ایسا ہو کہ خریدار کے پاس اس عیب کا پیدا ہونا ممکن ہو تو قاضی بائع سے کہے گا کیا یہ عیب تمہارے پاس پیدا ہوا ہے؟ اگر بائع نے اقرار کر لیا تو مبیع کو واپس کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، الا یہ کہ بائع یہ دعویٰ کر دے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا ہر طرح کے عیب سے برأت کر دی تھی، اگر بائع نے انکار کر دیا اور کہا: نہیں۔ تو قول بائع کا معتبر ہوگا ہاں البتہ خریدار گواہ قائم کر دے کہ عیب اس کے پاس پیدا ہوا تھا، اگر گواہ قائم کر دیئے تو مبیع کو واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ الا یہ کہ بائع خریدار کی رضامندی یا برأت کا دعویٰ کر دے، اگر خریدار کے پاس گواہ نہ ہوں جو بائع کے پاس عیب کے ہونے کو ثابت کرتے اور خریدار قسم کا مطالبہ کرتا ہو تو بائع قطعی قسم کھائے گا کہ میں نے یہ چیز فروخت کی یہ صحیح سالم تھی اور اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ چونکہ عیب ایسی چیز ہے کہ اگر بائع نے اقرار کر لیا اس کے سر پڑ جائے گا۔ اور اگر انکار کرے گا تو حلف اٹھائے گا، یوں حلف اس لئے اٹھائے گا تاکہ مبیع اور سپردگی دونوں جمع ہو جائیں چونکہ بسا اوقات عیب بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس صورت میں خریدار کے لئے رد کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ گویا احتیاط اسی میں ہے کہ بیع اور سپردگی دونوں کو جمع کر کے حانث اٹھایا جائے۔ یہ تفصیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصول میں ذکر کی ہے۔

بعض مشائخ کہتے ہیں: اس میں کوئی احتیاط نہیں۔ چونکہ اگر یوں حلف اٹھایا تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ بیع کے بعد اور سپردگی سے پہلے بھی عیب پیدا ہو سکتا ہے۔ یوں بائع اپنی قسم میں سچا بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ حانث ہونے کی شرط بیع اور سپردگی کے وقت عیب کا پایا جانا ہے، ان میں

سے ایک مقام میں عیب کے پائے جانے سے حانث نہیں ہوتا، یوں خریدار کا حق باطل ہو جائے گا۔ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ بائع یوں قسم اٹھائے: اللہ کی قسم میں نے مبیع اسے سپرد کی اور مبیع میں وہ عیب نہیں تھا جس کا خریدار دعویدار ہے۔ علامہ کاسانی کہتے ہیں یہ طریق قسم صحیح ہے چونکہ اس میں بیع کے وقت موجود عیب اور سپردگی سے پہلے پیدا ہونے والا عیب شامل ہوگا۔

جب بائع حلف اٹھالے تو وہ بری ہو جائے گا اور مبیع واپس نہیں ہوگی۔ اگر بائع نے انکار کر دیا تو مبیع اسے واپس کر دی جائے گی اور عقد فسخ کر دیا جائے گا، الا یہ کہ جب بائع خریدار پر دعویٰ کر دے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا وہ ہر طرح کے عیب سے بری الذمہ تھا۔ بعض مشائخ نے قسم کے اس صیغہ کو صحیح قرار دیا ہے جسے امام محمد نے ذکر کیا ہے یعنی یوں کہے: میں نے یہ چیز اسے فروخت کی اور اسے سپردگی کی اس میں یہ عیب نہیں تھا اور نہ ہی فروخت کرتے وقت تھا اور نہ سپردگی کے وقت تھا۔ ❶

۲: **عیب باطنی اور مخفی ہو جسے مخصوص لوگ ہی سمجھ پاتے ہوں......** یعنی ایسا عیب جسے اطباء اور ماہرین ہی سمجھ پائیں جیسے دل کی بیماری اور تلی کی بیماری وغیرہ یہ عیب خصومت کے وقت دو مسلمانوں یا ایک عادل مسلمان کی گواہی سے ثابت ہوگا، گواہی کے بعد قاضی بائع سے کہے: کیا یہ عیب جس کا دعویٰ کیا گیا ہے تمہارے پاس پیدا ہوا تھا؟ اگر بائع نے اقرار کر لیا تو اس کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر بائع نے انکار کر دیا تو خریدار گواہ قائم کرے گا، اگر خریدار کے پاس گواہ نہ ہوں تو بائع سے حلف لیا جائے گا، حلف کا طریقہ اوپر گزر چکا ہے، اگر حلف اٹھالیا تو مبیع واپس نہیں کی جائے گی، اگر انکار کر دیا تو واپس کر دی جائے گی الا یہ کہ بائع دعویٰ کر دے کہ خریدار اس عیب سے راضی تھا یا کہے کہ ہر طرح کے عیب سے برأت کر دی تھی۔ ❷

۳: **عیب ایسا ہو کہ جس پر صرف عورتیں ہی مطلع ہو سکتی ہوں......** تو ایسی صورت میں قاضی عورتوں کے قول کی طرف رجوع کرے گا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ الانبیاء ۲۱/۷

اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے سوال کر لو۔

عورتوں کی تعداد اس میں شرط نہیں بلکہ ایک عادل عورت کے قول پر بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔ دو عورتوں کا ہونا احوط ہے، چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو اطلاع نہ ہوتی ہو ان میں ایک عورت کا قول بھی معتبر اور حجت ہے، جیسے دائی کا قول نسب میں حجت ہوتا ہے۔

چنانچہ جب عورت بیع کے متعلق گواہی دے تو اس کے متعلق صاحبین سے دو روایتیں مروی ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت ہے کہ مبیع بائع کے پاس ہے یا خریدار کے پاس دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

اگر مبیع بائع کے پاس ہو تو عورت کی گواہی سے عیب ثابت ہو جائے گا، مبیع واپس کی جائے گی اور بیع فسخ ہوگی چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو آگاہی نہ ہو تو ان میں ایک عورت کا قول گواہوں کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اگر مبیع خریدار کے قبضہ میں ہو تو عورت کے قول سے حق خصومت ثابت ہو جائے گا جبکہ بائع کو بیع واپس کرنے کے اعتبار سے حق ثابت نہیں ہوگا چونکہ عیب دار مبیع مشتری کے ضمان میں پائی گئی ہے۔ لہٰذا عورتوں کے قول سے ضمان بائع کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ پھر قاضی بائع سے سوال کرے کہ یہ عیب تمہارے پاس موجود تھا، جیسے باطنی عیب کی صورت میں اسے بیان کیا جا چکا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت ہے کہ اگر عیب ایسا ہو کہ جس کی مثل عیب پیدا نہ ہوتا ہو تو عورتوں کے قول سے بیع فسخ کر دی جائے گی، چونکہ عیب دو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے جبکہ ہمیں بالیقین معلوم ہو چکا کہ عیب بائع کے پاس تھا۔

---

❶......البدائع ۵/۲۷۹، تحفۃ الفقہاء ۲/۱۳۹، رد المحتار ۴/۹۲، مختصر الطحاوی ص ۸۰. ❷البدائع ۵/۲۷۸، ردالمحتار ۴/۹۲.

اگر عیب ایسا ہو کہ جس کی مثل پیدا ہو سکتی ہو تو عورتوں کے قول سے حق فسخ ثابت نہیں ہوگا، چونکہ یہ عیب ایسا ہے جو عورتوں کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

امام محمد سے مروی دو روایتیں حسب ذیل ہیں۔

ایک روایت میں فرماتے ہیں: کسی حال میں بھی عورتوں کے قول سے بیع فسخ نہیں ہوگی، دوسری روایت ہے کہ قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد عورتوں کے قول سے بیع فسخ ہو جائے گی چونکہ وہ امور جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہو پاتی ان میں عورتوں کا قول گواہوں کے قائم مقام ہے جیسے ثبوت نسب میں عورتوں کا قول معتبر ہوتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عیب جس پر مردوں کو اطلاع نہ ہو سکتی ہو وہ ایک عورت یا دو عورتوں کی گواہی سے خصومت (کیس) کے حق اقامت کے اعتبار سے ثابت ہوگا جبکہ حق رد کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوگا برابر ہے قبضہ سے پہلے عیب کا وجود ہو یا قبضہ کے بعد، ظاہر الروایۃ میں علمائے حنفیہ سے یہی منقول ہے اور یہی قابل اعتماد مذہب ہے۔ ❶

۴: وہ عیب جو خصومت کے وقت مشاہد نہ ہو اور بجز تجربہ کے اس کی پہچان نہ ہو سکتی ہو..... جیسے بھاگ جانا، پاگل پن، چوری، بستر پر پیشاب کر دینا، چنانچہ یہ عیب دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگا۔

جب خریدار اپنے پاس عیب کے ظاہر ہونے کو ثابت کر دے تو قاضی بائع سے سوال کرے کیا غلام تمہارے پاس بھا گا ہے؟ اگر بائع اقرار کر لے تو مبیع کی واپسی کا فیصلہ کر دے گا، الا یہ کہ بائع دعویٰ کر دے کہ خریدار اس عیب سے رضا مند تھا یا میں ہر طرح کے عیب سے بری الذمہ تھا، اگر سرے ہی سے بھاگنے کا انکار کر دے اور صغر سنی اور بڑی عمر میں اس عیب کی حالت کے مختلف ہونے کا دعویٰ کرے جیسے پیچھے گزر چکا ہے تو قاضی خریدار سے کہے کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اگر کہے جی ہاں اور ساتھ اپنے دعویٰ پر گواہ بھی قائم کر دے تو اس کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اگر بائع انکار کر دے تو قاضی بائع سے حلف لے کہ اللہ کی قسم غلام میرے پاس کبھی نہیں بھا گا اگر بائع نے قسم اٹھالی تو خصومت (جھگڑا) ختم ہو جائے گی، اگر قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو بائع کے خلاف مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کر دے۔

جب خریدار اپنے پاس عیب ظاہر ہونے کو ثابت نہ کر سکے تو کیا قاضی بائع سے حلف لے یا نہیں؟

چنانچہ صاحبینؒ کہتے ہیں کہ قاضی حلف لے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاضی حلف نہ لے۔

صاحبین کی دلیل..... خریدار مبیع کو واپس کرنے کا دعویدار ہے جبکہ مبیع کو واپس کرنا اثبات عیب سے ممکن ہو پاتا ہے، اثبات عیب یا تو گواہوں سے ہوتا ہے بائع قسم اٹھانے سے انکار کر دے، جب گواہ قائم نہیں ہو سکے تو قاضی بائع کے انکار پر خریدار سے حلف لے، اسی لئے تو خریدار اثبات عیب کے واسطے کہ بائع کے پاس یہ عیب تھا حلف اٹھاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل..... یہ ہے کہ بائع پر دعویٰ کرنے کے بعد حلف لیا جاتا ہے جبکہ بائع پر خریدار کا دعویٰ تبھی ہو سکتا ہے جب اس کے پاس عیب کا ثبوت ہو جائے جبکہ یہ ثابت نہیں ہوا لہٰذا بائع پر اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوا، لہٰذا خریدار سے حلف نہیں لیا جائے گا جبکہ قسم سے انکار حلف لینے کے بعد ہوتا ہے۔ ❷

بائع سے حلف لینے کی کیفیت..... یہ کہ بائع علم (جاننے) پر حلف اٹھائے گا، یقین اور قطعیت پر قسم نہیں اٹھائے گا چنانچہ یوں کہے گا: اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ یہ عیب اب بھی اس چیز میں موجود ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بائع اپنے فعل کے علاوہ پر قسم کھائے گا اور اس کی

---

❶.....البدائع ۵/۲۷۹، رد المحتار ۴/۹۲۔ ❷البدائع ۵/۲۷۹ ردالمحتار ۴/۹۲۔

صورت یہی ہے کہ علم پر حلف اٹھائے کہ اسے علم نہیں، اگر جو شخص اپنے ذاتی فعل پر حلف اٹھائے وہ قطعیت اور جزم پر حلف اٹھائے گا، اگر بائع نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تو عیب مشتری کے ہاں ثابت ہو جائے گا یوں خریدار کو حق خصومت حاصل ہو جائے گا، اگر بائع نے حلف اٹھالیا تو بری الذمہ ہو جائے گا۔ (1)

چوتھا مقصد: خیار کا مقتضا، فسخ کی کیفیت اور عیب کی وجہ سے مبیع کی واپسی

خیار کا مقتضا...... مبیع میں عیب ثابت ہونے پر خریدار کو دو باتوں میں اختیار حاصل ہوگا۔

یا تو عقد کو نافذ کر دے، اس صورت میں خریدار کو پورا ثمن (پیسے، قیمت) ادا کرنے ہوں گے، یا عقد کو فسخ کر دے اور ثمن واپس لے لے۔ اگر ثمن دے دیا ہو، اگر ثمن نہ ادا کیا ہو تو اب ادا نہ کرے (چونکہ عقد فسخ ہو چکا)، البتہ خریدار عیب دار چیز کو واپس کر دے۔ (2)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: اگر مبیع میں عیب بائع کے پاس آیا ہو یا مبیع کا کچھ حصہ کسی آفت سماویہ سے ضائع ہو گیا ہو تو اس صورت میں خریدار کو دو باتوں میں اختیار حاصل ہوگا یا تو ناقص چیز ہی کو تمام ثمن کے بدلہ میں قبول کرے اور اس کے ساتھ اسے مزید کچھ اور نہیں ملے گا یا چاہے تو عقد فسخ کر دے اور ثمن واپس لے لے۔ (3)

فسخ اور رد کی کیفیت...... مبیع کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔

۱...... مبیع یا تو بائع کے پاس ہوگی اس صورت میں مشتری کے قول سے بیع فسخ ہو جائے گی اور مبیع وہ اپنے پاس رہنے دے۔ قاضی کے فیصلے کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ ہی باہمی رضامندی کی ضرورت ہے یہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق ہے۔

۲...... مبیع یا تو خریدار کے قبضہ میں ہوگی تو اس صورت میں قاضی کے فیصلہ سے بیع فسخ ہوگی، حنفیہ کے نزدیک باہمی رضامندی سے بھی بیع فسخ ہو جاتی ہے چونکہ قبضہ کے بعد فسخ بیع حسب عقد ہوتا ہے۔

نیز عقد عاقدین میں سے کسی تنہا عاقد سے منعقد نہیں ہوتا اسی طرح دوسرے کی رضامندی کے بغیر عقد فسخ بھی نہیں ہوتا۔ اور قاضی کے فیصلہ کے بغیر بھی فسخ نہیں ہوتا بخلاف قبضہ سے پہلے عقد فسخ کرنے کے، چونکہ اس صورت میں صفقہ تام نہیں ہوتا بلکہ صفقہ قبضہ سے تمام ہوتا ہے، لہٰذا یہ قبضہ کے قائم مقام ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد خریدار کے یوں کہنے سے فسخ ہو جاتا ہے کہ میں نے بیع رد کر دی۔

قاضی کے فیصلہ کی چنداں ضرورت نہیں، اور بائع کی رضامندی کی بھی ضرورت نہیں چونکہ فسخ عقد کا صحیح ہونا قاضی کے فیصلہ کا محتاج نہیں۔ جیسے خیار شرط کی صورت میں بالاتفاق باہمی رضامندی کی ضرورت نہیں اسی طرح حنفیہ کے اصول کے مطابق خیار رؤیت میں بھی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ (4)

عیب کا علم ہونے کے بعد عقد علی الفور فسخ کیا جائے یا علی التراخی؟:

حنفیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کرنے کا خیار التراخی (تاخیر) پر مبنی ہے، یہ شرط نہیں کہ عیب کا علم ہوتے ہی فی الفور مبیع کو واپس کیا جائے، چنانچہ خریدار کو جب عیب کا علم ہوا اور اس نے مبیع کو واپس کرنے میں تاخیر کی تو خیار عیب باطل نہیں ہوگا، جب خریدار نے بائع کو عیب سے آگاہ کیا اور مبیع واپس کرنے میں اس کے ساتھ مخاصمت کی پھر مخاصمت ترک کر دی، اور پھر مخاصمت کرنے کی طرف لوٹ آیا

---

(1)...... البدائع ۵/ ۲۷۹۔ (2) فتح القدیر ۵/ ۱۵۱۔ (3) روضۃ للنووی ۳/ ۵۰۴، المغنی ۴/ ۱۰۹۔ (4) البدائع ۵/ ۲۸۱، مغنی المحتاج ۲/ ۵۷ المہذب ۱/ ۲۸۴۔

اورمبیع واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو خریدار کو حق حاصل ہے کہ مبیع واپس کردے بشرطیکہ واپسی میں کوئی مانع نہ آڑے آئے، چونکہ خیار عیب متحقق ضرر اور نقصان کے دفعیہ کے لئے مشروع ہوا ہے، لہٰذا ردمبیع علی التراخی ہوگا جیسے قصاص علی التراخی ہوتا ہے، یہ بات قابل قبول نہیں کہ ردمبیع میں تاخیر کرنا مبیع کو اپنے پاس رکھنے پر رضامندی کی دلیل ہے۔❶

شافعیہ...... کہتے ہیں: عیب کا علم ہونے کے بعد ردمبیع (مبیع کو واپس کرنا) علی الفور شرط ہے، اگر خریدار کو عیب کا علم ہوا پھر مبیع واپس کرنے میں بلاعذر تاخیر کی تو حق رد باطل ہو جائے گا، علی الفور سے مراد اتنا وقت ہے جسے تراخی میں شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ عیب کا علم ہونے کے بعد خریدار اگر نماز میں مشغول ہو گیا یا کھانا کھانے میں مشغول ہوا تو اس کو تاخیر نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر عیب کا علم ہونے کے بعد خریدار کسی مرض میں مبتلا ہو گیا، یا اسے کسی چور کو خوف ہوا یا کسی درندے کا خوف آڑے آ گیا تو حق رد ساقط نہیں ہوگا، خریدار کو عیب کا علم ہونے کے بعد حق رد حاصل رہے گا جب تک کہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، جیسے جانور کو استعمال میں لانا، کپڑا پہن لینا۔

شافعیہ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع میں اصل لزوم ہے جبکہ عدم لزوم عارضی ہوتا ہے نیز خیار عیب شریعت سے ثابت ہوا ہے تاکہ مالی نقصان کا دفعیہ ہو سکے لہٰذا علی الفور ہوگا جیسے شفعہ علی الفور ہوتا ہے چنانچہ بلاعذر تاخیر سے حق رد باطل ہو جائے گا۔❷

پانچواں مقصد: عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کرنے کے موانع اور سقوط خیار:

عیب کے ثابت ہونے کے بعد کچھ اسباب کی وجہ سے خیار ساقط ہو جاتا ہے اور بیع لازم ہو جاتی ہے، ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ بائع کے ضمان عیب کے التزام کے ثبوت کے بعد، ایک یہ ہے کہ بائع شروع سے ضمان عیب کو لازم نہ کرتا ہو۔

بائع کے ضمان عیب کے ثبوتِ التزام کے بعد جو سبب ہو اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

ا..... عیب کا علم ہونے کے بعد عیب سے رضامند ہو جانا، یہ رضامندی یا تو صراحۃً ہوگی جیسے مثلاً خریدار کہے میں عیب سے رضامند ہوں، یا کہے: میں نے بیع نافذ کر دی، یا رضامندی دلالۃً ہو جیسے خریدار نے مبیع میں ایسا تصرف کر دیا جو واپس کرنے سے مانع ہو جیسے مثلاً کپڑے کو رنگ دیا یا کاٹ لیا یا زمین پر عمارت کھڑی کر دی یا گندم پیس لی یا گوشت بھون لیا یا سامان آگے کسی اور کو فروخت کر دیا یا ہبہ کر دیا یا رہن میں رکھ لیا، یا کسی بھی طرح سے سامان کو اپنے استعمال میں لے آیا جیسے کپڑا پہن لیا یا جانور پر سواری کر لی یا مبیع کا علاج معالجہ کر دیا۔ یا عیب کا عوض خریدار کو حقیقۃً مل گیا جیسے مبیع کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا اور اس کی پوری قیمت خریدار کو مل گئی۔

ان صورتوں میں مبیع کا واپس کرنا اس لئے ممنوع ہے چونکہ عقد میں مشروط سلامتی فوت ہو چکی ہے۔

نیز خریدار جب خود عیب سے راضی ہے تو گویا وہ اپنے نقصان سے راضی ہے، یہ نقصان حقِ عیب کو ساقط کرتا ہے اور عوض کی حالت میں جب عوض حاصل ہو جاتا ہے تو گویا عیب دار جزاء معنوی طور پر سلامتی سے واپس ہو گئی، چونکہ بدل کو قائم کر لیا گیا ہے، ظاہر الروایہ میں یہی ہے، چونکہ جب قیمت خریدار کو مل جاتی ہے تو قیمت اصل چیز کے قائم مقام ہوتی ہے لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے خریدار نے چیز آگے فروخت کر دی ہو۔

۲..... صراحۃً خیار کو ساقط کر دینا مثلاً خریدار یوں کہے: میں نے خیار ساقط کر دیا یا میں نے خیار عیب باطل کر دیا یا میں نے بیع لازم کر دی یا واجب کر دی یا ایسی بات کہے جو ان فقروں کے معنی میں ہو۔ اور وہ سبب کہ بائع شروع سے ہی ضمان کا پابند ہو اس کے علاوہ ردممنوع ہو اس کی صورتیں یہ ہیں۔

ا۔ **طبعی مانع**..... اس کا حاصل یہ ہے کہ خرید کردہ سامان آسمانی آفت سے ضائع ہو جائے، یا مبیع اپنے فعل سے ضائع ہو جائے یا

---

❶..... ردالمحتار ۹۳/۴، المغنی ۱۴۴/۴، غایۃ المنتہی ۴۱/۲۔ ❷مغنی المحتاج ۵۶/۲، المہذب ۲۸۴/۱۔

خریدار سامان کو استعمال میں لے آئے جیسے غلہ تھا وہ کھالیا، ان صورتوں میں واپسی ممنوع ہوگی چونکہ مبیع ضائع ہو چکی، خریدار کے لئے نقصان عیب سے رجوع کرنے کا حق ثابت ہو جائے گا۔ ❶

۲۔شرعی مانع......اس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیع میں متصل اضافہ پیدا ہو جائے جو اصل مبیع سے پیدا شدہ ہو جیسے کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر عمارت کھڑی کر دینا، یا قبضہ کے بعد متصل اضافہ کر دیا جائے جو اصل سے پیدا شدہ نہ ہو یا مبیع سے جدا اضافہ پیدا کر دیا جائے جو اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بکری نے بچہ جنم دے دیا یا درختوں پر پھل آ گئے تو ان اضافہ جات کی صورتوں میں مبیع کو عیب کی وجہ سے واپس کرنا ممنوع ہوگا جبکہ اضافہ جات کی بقیہ صورتیں ردمبیع سے مانع نہیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ❷

مبیع میں اضافہ......یہ اضافہ یا تو قبضہ سے پہلے ہوگا یا قبضہ کے بعد، پھر ان دونوں صورتوں کی مزید دو دو صورتیں ہیں یا تو اضافہ متصل ہوگا یا منفصل (جدا)۔

اضافہ قبضہ سے پہلے ہو: ا......اضافہ متصل ہو، یا تو اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہوگا جیسے مبیع میں عمدگی اور حسن و جمال اور فربہی تو اس صورت میں مبیع کو واپس کرنا ممنوع نہیں چونکہ یہ اضافہ اصل چیز کے تابع ہے۔

یا اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا جیسے کپڑے کو رنگ دینا یا سی لینا، زمین میں عمارت کھڑی کر دینا یا باغ لگا لینا، یہ اضافہ ردمبیع سے مانع ہے چونکہ یہاں اصل بذاتہ قائم ہے تابع نہیں لہٰذا اس کے بغیر مبیع کو واپس کرنا ممکن نہیں، لہٰذا واپسی دشوار ہے اور اس اضافہ کے ساتھ مبیع واپس ہو نہیں سکتی چونکہ یہ مبیع کے تابع نہیں لہٰذا فسخ میں تابع نہیں۔

۲......اضافہ منفصل ہو۔ اسی طرح یہ اضافہ بھی یا تو اصل سے پیدا شدہ ہوگا جیسے، بچہ، پھل، دودھ اس صورت میں یہ اضافہ واپسی کے مانع نہیں، خریدار اگر چاہے تو اصل اور اضافہ دونوں کو واپس کر دے اور اگر دونوں سے راضی ہو تو کل ثمن بائع کو دے۔

یا اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہیں ہوگا جیسے کمائی، صدقہ، پیداوار تو اس صورت میں یہ اضافہ واپسی سے مانع نہیں چونکہ یہ اضافہ مبیع نہیں بلکہ یہ اصل ملک کے ساتھ ہے۔

وہ اضافہ جو قبضہ کے بعد مبیع میں پیدا ہو......یعنی خریدار کے پاس یہ اضافہ ظاہر ہو۔

ا......اگر اضافہ اصل سے پیدا ہوا ہو جیسے چوپائے میں فربہی تو آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ اضافہ واپسی کے مانع نہیں ہوگا اور عیب کا حکم اپنے اصلی موجب پر باقی رہے گا یعنی خریدار اگر راضی ہو تو اصل کے ساتھ اضافہ کو بھی واپس کر دے، اگر راضی نہ ہو اور عیب کا نقصان لینے کا خواہش مند ہو جبکہ بائع واپسی کا مطالبہ کرتا ہو اور خریدار سے پورے ثمن کا مطالبہ کرتا ہو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بائع مکر نہیں سکتا بلکہ خریدار بائع سے عیب کا نقصان وصول کر سکتا ہے، چونکہ متصل اضافہ قبضہ کے بعد فسخ کے مانع ہوتا ہے جبکہ جس فریق کے پاس اضافہ ہوا ہے اس کی طرف سے رضامندی نہیں پائی گئی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ مکر جائے، جبکہ خریدار بائع سے نقصان نہیں لے سکتا، چونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متصل اضافہ فسخ عقد کے مانع نہیں ہوتا، اختلاف دراصل اس مسئلہ میں ہے کہ جب مہر میں متصل اضافہ کر دیا گیا ہو اور اضافہ قبضہ کے بعد کیا گیا ہو اور عورت کو رخصتی (دخول) سے قبل طلاق دے دی گئی ہو۔

اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو تو یہ اضافہ بالاتفاق ردمبیع سے مانع ہوگا، چونکہ یہ اضافہ خریدار کی ملکیت ہے، بائع اضافہ کو لینے کا حق

---

❶......البدائع ۲۸۲/۵ رد المحتار ۸۶/۴ مجمع الضمانات ص ۲۱۹ عقد البیع للاستاذ الزرقاء ص ۱۱۰ مغنی المحتاج ۵۴/۲۔

❷البدائع ۲۸۴/۵، التقریرات علی ردالمحتار ۸۵/۴، عقد البیع ص ۱۱۱۔

نہیں رکھتا چونکہ یہ اضافہ بغیر کسی بدل کے ہوگا اس صورت میں نقصان عیب سے رجوع متعین ہے۔ ❶

۲.....اگر اضافہ منفصل ہو (یعنی اصل مبیع سے جدا ہو) پھر اگر یہ اضافہ اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، پھل دودھ وغیرہ تو یہ اضافہ حنفیہ کے نزدیک رد سے مانع ہوگا، چونکہ اگر صرف اصل واپس کی جائے تو اضافہ خریدار کے پاس بلا مقابل رہ جائے گا اور یہ شرعاً ممنوع ہے چونکہ یہ سود ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ اضافہ واپسی سے مانع نہیں، یہ اضافہ قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ہوگا۔

چونکہ یہ اضافہ خریدار کی ملک میں پیدا ہوا ہے، لہٰذا واپسی مانع نہیں یہ اضافہ ایسا ہی ہے جیسے اصل سے پیدا شدہ نہ ہو، اس کی دوسری دلیل یہ حدیث بھی ہے۔ ''ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے غلام خریدا غلام خریدار کے پاس کچھ عرصہ تک رہا پھر خریدار نے غلام میں کوئی عیب پایا، خریدار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں دعویٰ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام بائع کو واپس کر دیا، بائع نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے غلام کی آمدنی کہاں جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاصل ہونے والا منافع ضمان کے بدلہ میں ہے۔ ❷ یعنی مبیع سے حاصل ہونے والے فوائد اور آمدنی خریدار کی ملکیت ہے چونکہ اگر مبیع ضائع (ہلاک) ہو جاتی تو اس کے ضمان میں پڑتی، ثمن کو مبیع پر قیاس کر لیا گیا ہے۔

اگر اضافہ اصل سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے کمائی، صدقہ، تو یہ اضافہ رد مبیع سے مانع نہیں ہوگا چنانچہ اصل مبیع بائع کو واپس کر دی جائے گی، جو اضافہ ہے وہ خریدار کے لئے طیب اور حلال ہے۔ چونکہ یہ اضافہ در اصل مبیع نہیں لہٰذا بغیر اضافہ کے فسخ عقد ممکن ہے۔

۳: بائع کے حق کے بسبب مانع......اس کا حاصل یہ ہے کہ خریدار کے پاس کوئی اور نیا عیب پیدا ہو جائے جبکہ مبیع میں بائع کے پاس پرانا عیب بھی تھا، جیسے مثلاً خریدار کے پاس جانور کی کوئی ٹانگ ٹوٹ جائے، اور پھر جانور میں کوئی پرانی بیماری بھی ظاہر ہو جائے جو بائع کے پاس کی ہو، چونکہ مبیع بائع کے پاس سے جب نکلی تو اس میں صرف ایک عیب تھا، اگر اب خریدار مبیع کو واپس کرے گا تو دو عیبوں کے ساتھ واپس کرے گا یوں اس میں بائع کا نقصان ہے جبکہ واپسی کی شرط یہ ہے کہ مبیع کو اسی حالت پر واپس کرنا ہوتا ہے جس حالت پر مبیع خریدار نے لی ہو، لہٰذا خریدار بائع سے نقصان لے، اگر نیا عیب جاتا رہے مثلاً جانور صحت یاب ہو گیا تو موجب اصلی واپس لوٹ آئے گا یعنی واپسی کا حق اب پھر لوٹ آئے گا، گویا خریدار مبیع کو واپس کر سکتا ہے۔ ❸

۴: مانع بسبب حق غیر......جیسے خریدار اپنی ملکیت سے بذریعہ عقد مبیع کو نکال دے مثلاً کسی دوسرے کو فروخت کر دے یا ہبہ کر دے یا صلح میں دے دے، پھر خریدار کو آگاہی ہو کہ مبیع میں پرانا عیب ہے تو اب پہلے خریدار کے لئے ممکن نہیں رہا کہ وہ اپنے بائع کے ساتھ بیع کو فسخ کر دے چونکہ مبیع کے ساتھ جدید حق وابستہ ہو چکا ہے۔ ❹

۵: خریدار کا مبیع کو ضائع کر دینا......جیسے مثلاً مبیع کوئی جانور تھا جسے خریدار نے قتل کر دیا، یا کپڑا تھا جو خریدار نے پھاڑ لیا، پھر خریدار کو پتہ چلا کہ اس میں کوئی پرانا عیب ہے تو اس صورت میں خریدار پر طے شدہ ثمن کی ادائیگی متعین ہو جائے گی اور وہ نقصان بھی نہیں لے سکتا، اس عیب اور مانع بسبب حق غیر میں فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں مانع کا زائل ہونا محتمل ہے یوں حق رد لوٹ آئے گا جبکہ پہلی صورت میں مانع کے زائل ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ ❺

---

❶.....یعنی عیب دار مبیع کی قیمت لگائی جائے گی اور یہی مبیع اگر بے عیب ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی دونوں قیمتوں میں جو فرق ہوگا خریدار وہ فرق واپس لے لے مثلاً بے عیب مبیع ۵۰۰۔عیب دار ۴۰۰ سو (۱۰۰) روپے خریدار واپس لے لے۔ ❷ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجه عن عائشه رضی الله تعالٰی عنها وهذه الرواية لابی داؤد (اجامع الاصول ۲/ ۲۸) نیل الاوطار (۵/ ۲۱۳)۔ ❸ البدائع ۵/ ۲۸۳، ردالمحتار ۴/ ۸۲ عقد البیع ص ۱۱۱۔ ❹ عقد البیع المرجع السابق ❺ عقد البیع ص ۱۱۲

جب خریدار کے پاس مبیع میں عیب ثابت ہوجائے پھر خریدار کو آگاہی ہو کہ یہ عیب بائع کے پاس بیع میں پیدا ہوا ہے تو خریدار بائع سے نقصان لے سکتا ہے اور مبیع کو واپس نہ کرے ہاں البتہ بائع مبیع کو بعینہ واپس لینے میں بہتری سمجھے تو لے سکتا ہے، قیمت نقصان کا اعتبار بیع کے دن کا ہوگا۔ ❶

خلاصہ...... بائع سے نقصان عیب کے فرق کا مطالبہ تین صورتوں میں جائز ہے، مبیع ہلاک ہوجائے، مبیع میں نیا عیب پیدا ہوجائے، مبیع کی صورت ہی تبدیل ہوجائے یہاں تک کہ اس کا دوسرا نام بن جائے۔

ملاحظہ...... ملحوظ رہے کہ مذکورہ موانع میں کلام تب ہے جب خریدار بذات خود عاقد ہو اگر خریدار کسی دوسرے شخص کا عاقد ہو تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

اگر خریدار کسی دوسرے شخص کا عاقد ہو جوان لوگوں میں سے ہو جن پر نقصان عیب لینے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہو جیسے وکیل، شریک، مضارب اس پر دعویٰ کیا جائے گا اور عیب دار مبیع بائع کو واپس کی جائے گی۔

چونکہ عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے جبکہ حقوق عقد عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں جب عاقد ان لوگوں میں سے ہو جن پر دعویٰ کیا جاسکتا ہو جیسے عاقد جو اپنے لئے عقد کررہا ہو۔

اگر عاقد ایسا شخص ہے جسے خصومت (دعویٰ) لازم نہ ہوتی ہو جیسے قاضی، حکمران جب یہ اختیار ولایت استعمال کرتے ہوئے عقد کردیں تو وہ کسی مدمقابل کو کھڑا کرے جو عیب میں کیس لڑے چنانچہ اس پر جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ اس شخص پر لاگو ہوگا جس کے لئے تصرف کا وقوع ہوا ہو۔ اگر تصرف مسلمان کے لئے ہو تو مبیع بیت المال میں جمع کی جائے گی۔

اگر عاقد بچہ ہو جس پر پابندی لگادی گئی ہو اور اس نے کسی انسان کی اجازت سے خرید وفروخت کی ہو تو اسے خصومت لازم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس پر ضمان آئے گا، بلکہ خصومت (کیس لڑنا) اس شخص کی ذمہ داری ہے جس نے اس کو تصرف میں وکیل بنایا ہے چونکہ عقد کا حکم مؤکل کی طرف لوٹتا ہے جبکہ عاقد پر حقوق عقد عائد نہیں ہوتے، لہٰذا خصومت کا دار ومدار تصرف کی سرزدگی پر ہے جیسے اصدا اور وکیل نکاح۔

چھٹا مقصد: عیوب سے برائت کی شرط کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء...... بائع جب ضمان عیب سے بری الذمہ ہونے کی شرط لگادے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ ظاہری حالت کی سلامتی سے خریدار رضامند ہوجاتا ہے اور پھر بعد میں مبیع میں عیب ظاہر ہوجاتا ہے جو پرانا ہوتا ہے۔ ❷

حنفیہ...... کہتے ہیں: ہر طرح کے عیب سے برائت کی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہوتی ہے اگرچہ عیوب کے نام لے کر تعیین نہ بھی کی ہو، برابر ہے کہ بائع مبیع میں عیب کے پائے جانے سے ناواقف ہو اور یہ شرط احتیاطاً لگادے یا اسے عیب کا علم ہو اور عیب کو خریدار سے چھپانا چاہتا ہو گویا بائع اس شرط کو اپنی بدنیتی کے آگے ڈھارس بنانا چاہتا ہے، لہٰذا بیع صحیح ہے، چونکہ بری الذمہ ہونا اسقاط ہے، تملیک نہیں، اور اسقاط ایسی جہالت نہیں جو نزاع تک پہنچائے، چونکہ یہاں سپردگی کی حاجت نہیں ہوتی، یہ شرط ہر اس عیب کو شامل ہوتی ہے جو بیع سے قبل موجود ہو یا بیع کے بعد اور قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو، اس وقت مبیع عیب کی وجہ سے واپس نہیں کی جائے گی، ظاہر الروایہ میں یہ مذہب امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر کیا گیا ہے۔

---

❶.....مجمع الضمانات ص ۲۲۰ فتح القدیر ۵/۱۶۴۔ ❷المدخل الفقھی العام ص ۳۷۷ عقد البیع ص ۱۰۷۔

چونکہ برأت کی شرط کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خریدار اپنے حق کو ساقط کر کے عقد کو لازم کرتا ہے، تا کہ بیع ہر حال میں لازم ہو جائے، یہ غرض تبھی متحقق ہوتی ہے جب مبیع سپرد کرنے سے قبل عیب پیدا ہوا ہو، گویا عیب بیع میں ضمناً داخل ہوتا ہے۔

امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ علیہم...... کہتے ہیں اور یہی مذہب ہمارے سول قانون میں شامل کیا گیا ہے اور معمول اسی پر ہے، عیب سے برأت صرف عقد کے وقت موجود عیب کو شامل ہوگی، عقد کے بعد پیدا ہونے والے عیب کو شامل نہیں ہوگی چونکہ برأت موجودہ چیز کو شامل ہوتی ہے چونکہ معدوم چیز سے برأت متصور نہیں ہوتی، اور جو عیب عقد کے بعد پیدا ہوا اس کو برأت شامل نہیں ہوتی لہٰذا نو پید عیب برأت میں نہیں آئے گا۔ ❶

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب بائع کہے کہ میں نے تمہیں مطلقاً ہر طرح کے عیب سے بری کر دیا، اگر بائع یوں کہے: میں نے تمہیں یہ چیز اس شرط پر فروخت کی کہ میں ہر طرح کے عیب سے بری ہوں، بالاتفاق اس میں نو پید عیب داخل نہیں ہوگا چونکہ عیب برأت کو عام نہیں ہوتا بلکہ یہ عقد کے وقت موجودہ عیب کے ساتھ خاص ہے۔

امام محمد، زفر اور حسن رحمہم اللہ کے قول کے مطابق جب برأت عام عیوب سے ہو اور پھر بائع اور خریدار کے درمیان عیب کے موجود ہونے میں اختلاف ہو جائے بائع کہے: عقد کے وقت یہ عیب موجود تھا لہٰذا برأت میں داخل ہوگا اور خریدار کہے: بلکہ یہ عیب نو پید ہے لہٰذا برأت میں داخل نہیں ہوگا، اسی تفصیل کی بنیاد پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بائع کا قول معتبر ہوگا لیکن ساتھ اسے قسم اٹھانی ہوگی۔ چونکہ برأ عام ہے اور خریدار عموم برأت کے بعد حق رد کا مطالبہ کرتا ہے، بائع اس کا انکار کرتا ہے لہٰذا بائع کا قول معتبر ہے۔

جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خریدار کا قول معتبر ہوگا چونکہ اصل ثبوت حق ہے جبکہ خریدار پر برأت پڑ رہی ہوتی ہے لہٰذا برأت کی مقدار میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ ❷

اسی طرح یہ شرط ظاہری اور باطنی عیوب میں سے ہر عیب کو شامل ہوگی چونکہ عیب کا اطلاق ہر طرح کے عیب پر ہوتا ہے۔

ہر طرح کی بیماری سے برأت...... جب بائع نے کہا کہ میں نے تمہیں ہر طرح کی بیماری سے بری الذمہ کر دیا۔

اس کا اطلاق ہر ظاہری عیب پر ہوگا۔ باطنی عیب جیسے تلی کی بیماری وغیرہ پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اطلاق نہیں ہوگا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اس کا اطلاق ہر باطنی عیب پر بھی ہوگا، جیسے تلی کی بیماری، حیض کا فاسد ہونا، رہی بات ظاہری عیب کی سواسے مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض حنفیہ جن میں ایک صاحب درمختار بھی ہیں نے دوسری رائے کو راجح قرار دیا ہے چونکہ عادۃً یہی معروف ہے۔ البتہ مذہب میں پہلی رائے مشہور ہے، یعنی اس کا اطلاق ہر بیماری پر ہوگا۔ چونکہ بیماری عام ہے خواہ پیٹ میں ہو یا کہیں اور، جبکہ عرف یہاں لغت کے موافق ہے۔ ❸

اگر بائع نے ہر طرح کی بری عادت سے برأت ظاہر کی تو اس کا اطلاق چوری، بھاگنے اور زنا کاری پر ہوگا اور ہر وہ عیب جو تاجروں کے ہاں عیب سمجھا جاتا ہو اس پر بھی اطلاق ہوگا۔ ❹

جب برأت کو بعض عیوب سے مخصوص کر لیا جائے تو ان کے علاوہ دوسرے عیوب کو برأت شامل نہیں ہوگی، جیسے خارج وغیرہ سے برأت کر دی، چونکہ نوع خاص میں حق خود ساقط کر دیا ہے۔ ❺

---

❶...... البدائع ۵/۲۲۷، فتح القدیر ۵/۱۸۲ رد المحتار ۴/۱۰۰۔ ❷ البدائع ۵/۲۷۷۔ ❸ البدائع ۵/۲۷۸، ورد المحتار ۴/۱۰۰۔ ❹ البدائع ۵/۲۷۷۔ ❺ ۵/۲۷۸

جب برأت کسی ایک عیب کے ساتھ خاص ہو جو عقد طے ہوتے وقت موجود ہو اور مشتری نے اسے معین کیا ہو پھر متعاقدین کا اختلاف ہو، بائع کہے: یہ عیب پہلے سے تھا، خریدار کہے: قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خریدار کا قول معتبر ہوگا، چونکہ یہ برأت عقد کے طے ہونے کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور برأت اسی عقد کو شامل ہو جو عقد ہوتے وقت موجود ہوا ہو۔ خریدار جس عیب کا دعویٰ کر رہا ہوتا ہے وہ دونوں وقتوں کے قریب تر ہوتا ہے جبکہ بائع دور کے عیب کا دعویٰ کر رہا ہے، گویا ظاہری حالت خریدار کے حق میں ہے۔ ❶ یہ عام عیوب سے برأت کی شرط کے متعلق حنفیہ کا مذہب ہے۔

دوسرے آئمہ کے مذاہب حسب ذیل ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: عیوب سے برأت کی شرط لگانا صحیح نہیں البتہ ایسا عیب جو غلام میں پایا جاتا ہو اور بائع کو اس کا علم نہ ہو اس سے برأت کرنا صحیح ہے، جبکہ غلام کو بائع کے پاس طویل مدت گزری ہو، البتہ وہ عیب جس کا بائع کو علم نہ ہو یا عیب غلام کے علاوہ کسی اور چیز میں ہو یا عیب غلام میں ہو لیکن غلام کو بائع کے پاس زیادہ مدت نہ ہوئی ہو تو ایسے عیب سے برأت کرنا صحیح نہیں۔ ❷

شافعیہ...... کہتے ہیں: اگر عیوب سے برأت کر کے بائع نے کوئی چیز فروخت کی تو ظاہر یہی ہے کہ وہ ہر طرح کے عیب سے برأت کرتا ہے جو جانور کے باطن میں ہو۔ جبکہ بائع کو اس کا علم نہیں ہوتا، جانور کے علاوہ عیب سے برأت نہیں کرسکتا جیسے کپڑے اور زمین، اسی طرح حیوان کے ظاہری عیب سے بھی برأت نہیں کرسکتا، خواہ بائع کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اسی طرح جانور کے باطنی عیب سے بھی برأت نہیں کرسکتا جو کہ بائع کو معلوم ہو، باطنی عیب سے مراد وہ عیب ہے جس پر غالب احوال میں اطلاع نہ ہوتی ہو۔

برأت اسی عیب سے ہوگی جو عقد کے انعقاد کے وقت مبیع میں موجود ہو، اس عیب سے برأت نہیں ہوگی جو قبضہ سے قبل ہو۔ اگر عیب کے پرانا ہونے میں عاقدین کا اختلاف ہو جائے تو بائع کی تصدیق کی جائے گی۔

اگر بائع نے ایسے عیب سے برأت کی شرط لگائی جو قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو اگر موجود عیب سے بھی ہو تو اصح مذہب میں یہ شرط صحیح نہیں، چونکہ برأت کسی چیز کے ثبوت سے قبل اسقاط ہوتی ہے۔

حنابلہ...... کے نزدیک دو روایتیں ہیں جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں، ایک روایت کے مطابق یہ مقرر ہے کہ بائع بری الذمہ نہیں ہوگا مگر اسی عیب سے جو خریدار کو معلوم ہو، یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، دوسری روایت میں یہ مقرر ہے کہ بائع پر اس عیب سے برأت کرسکتا ہے جسے وہ جانتا نہ ہو اور جس عیب کا اسے علم ہو اس سے برأت نہیں کرسکتا۔

ابن قدامہ وغیرہ نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جو شخص جانور یا کوئی اور چیز خریدے اور خریداری میں ہر طرح کے عیب سے برأت کردی گئی ہو یا کسی معین موجود عیب سے برأت کردی گئی ہو تو برأت نہیں ہوگی برابر ہے عیب کا بائع کو علم ہو یا علم نہ ہو۔ ❸

۱۴: خیار رؤیت...... بعض مؤلفین نے خیار رؤیت کو خیار عیب سے پہلے ذکر کیا ہے، خیار رؤیت خیار عیب سے زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ خیار رؤیت تمام بیع کے مانع ہوتا ہے، رہی بات خیار عیب کی سو یہ لزوم حکم سے مانع ہوتا ہے، جبکہ لزوم بیع تمام بیع کے بعد ہوتا ہے، میں نے ان مؤلفین کے خلاف کیا ہے اور خیار عیب کو خیار رؤیت سے پہلے ذکر کیا ہے، چونکہ خیار رؤیت، خیار شرط اور خیار عیب کے مشابہ ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں میں نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز خیار شرط، خیار عیب اور خیار تعیین متعاقدین کے شرط لگانے سے ثابت ہوتے ہیں، رہی بات خیار رؤیت کی سو یہ شرعی پہلو سے ثابت ہے۔

---

❶ ......البدائع ۲۷۸/۵۔ ❷ حاشیة الدسوقی ۱۱۹/۳ القوانین الفقهية ص ۲۶۵، الشرح الصغیر ۱۶۴/۳۔ ❸ المغنی ۱۷۸/۴، غاية المنتهى ۲۷/۲۔

خاکہ موضوع.....خیار رؤیت کے متعلق کلام درج ذیل مقاصد کے موافق ہوگا۔

پہلا مقصد.....خیار رؤیت کی مشروعیت۔

دوسرا مقصد.....ثبوت خیار کا وقت۔

تیسرا مقصد.....ثبوت خیار کی کیفیت۔

چوتھا مقصد.....خیار رؤیت والی بیع کی صفت اور حکم۔

پانچواں مقصد.....ثبوت خیار کی شرائط اور توابع۔

چھٹا مقصد.....وہ امور جن سے خیار ساقط ہو جاتا ہے۔

ساتواں مقصد: وہ امور جن سے عقد فسخ ہو جاتا ہے اور فسخ کی شرائط

پہلا مقصد: خیار رؤیت کی مشروعیت..... جو چیز خریدار نے دیکھی نہ ہو حنفیہ ایسی چیز کے خریدنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا۔ یعنی خرید کردہ سامان کو دیکھنے کے بعد خریدار کو اختیار حاصل ہوگا چاہے کل ثمن کے بدلہ میں سامان لے لے چاہے رد کر دے، اسی طرح اگر خریدار نے کہا کہ میں رضا مند ہوں پھر خریدار نے سامان دیکھا اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے رد کر دے، چونکہ خیار رؤیت یعنی سامان کو دیکھ لینے پر معلق ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے، چونکہ کسی چیز سے راضی ہونا اس کے اوصاف کو جان لینے سے پہلے متحقق نہیں ہوتا لہٰذا خریدار کا کہنا کہ میں اس سے راضی ہوں، کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا یہ کہنا رؤیت سے قبل ہے۔

فقہاء حنفیہ نے خیار رؤیت کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کیا ہے۔ "جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی تو جب وہ اسے دیکھے اسے خیار حاصل ہوگا۔ [1]

حنفیہ کا دوسرا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا جبکہ دونوں نے یہ زمین نہیں دیکھی تھی، چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم نے دھوکا کھایا ہے۔

انہوں نے کہا: مجھے خیار حاصل ہے چونکہ میں نے ایسی چیز خریدی ہے جو میں نے دیکھی نہیں۔" چنانچہ دونوں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے حاضر ہوئے چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خیار کا فیصلہ دیا۔" [2] یعنی خیار خریدار کو دیا گیا اور بائع کو نہیں دیا گیا اگر بائع نے بن دیکھے زمین فروخت کر دی تھی۔

یہ واقعہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں رونما ہوا تھا اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا خیار رؤیت کی مشروعیت پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ فقہاء نے عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ جہالت وصف رضا مندی میں اثر کرتی ہے جس سے رضا مندی میں خلل پڑ جاتا ہے، رضا مندی میں خلل پڑنے سے خیار واجب ہو جاتا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں حنفیہ نے ایسی چیز جو مجلس عقد سے غائب ہو اس کی صفت بیان کئے بغیر اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے البتہ خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہوگا یا صفت مرغوبہ نہ ہو تو خریدار کو خیار وصف حاصل ہوگا جیسا کہ اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، چنانچہ خریدار جب مبیع کو دیکھے گا تو اسے خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو بیع نافذ کر دے اگر چاہے رد کر دے، برابر ہے کہ مبیع صفت کے موافق ہو یا مخالف،

---

[1].....روی مسنداً و مرسلاً فالمسند عن ابی هريرة و المرسل عن مكحول قال النووی اتفق الحفاظ على تضعيفه۔ [2] اخرجه الطحاوی و البيهقی عن علقمه بن ابی وقاص۔(نصب الراية ۹/۴)

ہر حال میں خیار ثابت ہوگا۔ جب بائع بن دیکھے کسی چیز کو فروخت کردے تو حنفیہ نے اس کے لئے خیار رؤیت کو جائز قرار نہیں دیا ہے، جیسے مثلاً کسی دوسرے شہر میں بائع ایک چیز کا وارث بنا جو اس نے دیکھی نہیں وہ دیکھنے سے پہلے اسے فروخت کردے تو بیع صحیح ہے، حنفیہ کے نزدیک بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قبل ازیں کہتے تھے کہ بائع کو خیار حاصل ہوگا پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے اس قول سے رجوع کرلیا۔ ❶

بائع کو خیار نہ ملنے اور خریدار کو خیار ملنے کی وجہ فرق معقولی (عقلی دلیل) ہے۔ چنانچہ فروخت کنندہ جس چیز کو فروخت کررہا ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہوتا ہے جبکہ خریدار اس کی بنسبت کم جانتا ہوتا ہے۔ اس لئے بائع کے لئے ثبوت خیار کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ بائع کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بیع سے قبل اپنی چیز کو دیکھ لے تاکہ دھوکا کھانے کی وجہ سے فسخ عقد کا مطالبہ نہ کرے۔ ❷

مالکیہ...... نے خریدار کے لئے صرف خیار وصف کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ مالکیہ کہتے ہیں: غائب چیز کے اوصاف اگر بیان کردیئے جائیں تو اس کی بیع جائز ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے اس چیز میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو، جب وہ چیز بیان کردہ اوصاف کے مطابق نکلی تو عقد لازم ہوجائے گا۔ ❸

حنابلہ...... نے بھی مالکیہ کی طرح صرف خیار وصف کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ حنابلہ کہتے ہیں: غائب چیز کے اوصاف جب خریدار سے بیان کردیئے جائیں تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے چونکہ یہ بیع باعتبار صفت کے ہے جیسے بیع سلم میں مبیع کی صفات بیان کردی جاتی ہیں۔ چنانچہ صفات بیان کردینے سے مبیع کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ صفات کو بیان کردینا کافی ہوتا ہے جیسے بیع سلم میں صفات کو بیان کردینا کافی ہوتا ہے۔ البتہ رؤیت کے لئے ہلکی پھلکی صفات کا اعتبار نہیں ہوگا، جب خریدار مبیع کو بیان کردہ صفات کے مطابق پائے گا تو عقد لازم ہوجائے گا اور اسے فسخ عقد کا حق نہیں رہے گا۔

حنابلہ میں دو روایتوں میں سے ظاہر روایت میں ایسی غائب چیز کی بیع کو جائز قرار نہیں دیا جس کے اوصاف بیان نہ کئے گئے ہوں اور بیع سے قبل اسے دیکھا بھی نہ گیا ہو جیسا کہ بیوع فاسدہ کی بحث میں مالکیہ کے مذہب میں گذر چکا ہے

چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔ ❹ نیز بائع نے ایسی چیز کو فروخت کیا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں اور نہ ہی اس کے اوصاف بیان کئے ہیں، لہٰذا بیع صحیح نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے کھجور میں گٹھلی کی بیع۔

رہی بات خیار رؤیت والی حدیث کی سو وہ عمر بن ابراہیم کردی سے مروی ہے اور وہ متروک الحدیث ہے، نیز حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ عاقد کو عقد نافذ کرنے اور ترک کرنے میں اختیار ہو۔ ❺

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ...... نے جدید مذہب کے مطابق فرمایا ہے کہ غائب چیز کی بیع سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی، برابر ہے اس کے اوصاف بیان کردیئے گئے ہوں یا نہ بیان کئے ہوں، "ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔" اس بیع میں غرر ہوتا ہے لہٰذا جہالت کے ہوتے ہوئے بیوع صحیح نہیں ہوتیں جیسے بیع سلم صحیح نہیں ہوتی، نیز یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو انسان کے پاس موجود نہیں ہوتی یعنی یہ چیز مجلس عقد میں موجود نہیں ہوتی اور نہ ہی خریدار نے دیکھی ہوتی ہے۔ رہی یہ حدیث "جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی تو اسے دیکھنے کے بعد خیار حاصل ہوگا" سو یہ ضعیف حدیث ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کہا ہے،

---

❶...... المبسوط ۱۳/۶۹، فتح القدیر مع العنایۃ ۵/۱۳۷، البدائع ۵/۲۹۲، ردالمحتار ۴/۶۸۔ ❷...... الاموال ونظریۃ العقد ص ۴۸۱۔ ❸ بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۴، حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۵ (۴) رواہ احمد واصحاب السنن الاربعۃ عن ابی ہریرۃ ورواہ ایضاً الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباسؓ (۵) المغنی ۳/۵۸۰، المحلی ۸/۳۹۴۔

اور دار قطنی نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔

ظاہری مذہب کے مطابق شافعیہ کہتے ہیں کہ عقد سے قبل مبیع کو دیکھ لینا کافی ہے بشرط یہ کہ عقد کے وقت تک اس چیز میں تغیر نہ آتا ہو جیسے زمین اور لوہا۔ جبکہ وہ چیزیں جو متغیر ہو جاتی ہیں جیسے مختلف کھانے سو عقد سے پہلے اس کا دیکھ لینا کافی نہیں، مبیع کے بعض حصہ کو دیکھ لینا کافی ہوتا ہے بشرط یہ کہ بقیہ حصے پر اس سے دلالت ہو جاتی ہو جیسے گندم کے ڈھیر کا اوپر والا حصہ، نیز اخروٹ، آٹا، مائع جات کا اوپر والا حصہ، تیل، اوپر اوپر کی کھجوریں، نمونہ جات جو بازاروں میں خریداروں کو دکھانے کے لئے رکھے جاتے ہیں تو ان کا دیکھ لینا بقیہ مبیع کے دیکھنے کے لئے کافی ہے۔ ❶

حنفیہ کے جوابات...... حنفیہ نے دوسرے آئمہ کے دلائل کے یہ جوابات دیئے ہیں کہ نہ دیکھی ہوئی مبیع کی جہالت ایسی نہیں ہوتی جو مفضی الی النزاع ہو جب تک کہ خریدار کو مبیع واپس کرنے کا حق حاصل ہو۔

رہی یہ حدیث کہ جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے" سو اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سے منع کیا گیا ہے جس کا انسان مالک نہ ہو، اور بیع غرر کی ممانعت سے مراد ایسی چیز کی بیع ہے جو متعین اور مقرر نہ ہو۔ ❷

دوسرا مقصد: ثبوت خیار کا وقت...... خریدار جس وقت مبیع کو دیکھے گا اس وقت اسے خیار حاصل ہوگا، اس سے پہلے اسے خیار حاصل نہیں ہوگا، اگر رؤیت سے پہلے بیع کو نافذ کر دیا تو بیع لازمی نہیں ہوگی اور خیار بھی ساقط نہیں ہوگا، خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ بیع کو رد کر دے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیت کے بعد خریدار کے لئے خیار ثابت کیا ہے اگر خریدار کے لئے خیار اجازت رؤیت سے قبل ثابت ہوا اور وہ عقد کی اجازت دے دے تو رؤیت کے بعد اسے خیار حاصل نہیں ہوگا یہ نص حدیث کے خلاف ہے۔

رہی بات رؤیت سے قبل فسخ کی سو اس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں: خریدار کو فسخ عقد کا اختیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ یہ خیار رؤیت سے قبل ہے اسی لئے نفاذ کا رؤیت سے قبل مالک نہیں تھا لہٰذا فسخ کا مالک بھی نہیں ہوگا۔

بعض مشائخ کہتے ہیں: رؤیت سے قبل خریدار کو فسخ عقد کا حق حاصل ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ یہ سبب خیار کی وجہ سے نہیں، چونکہ یہ ثابت نہیں، نیز جو چیز خریدار نے دیکھی نہ ہو اسے خریدنا عقد غیر لازم ہوتا ہے لہٰذا یہ معرض فسخ میں ہوتا ہے، جیسے وہ عقد جس میں خیار عیب ہو، اور جیسے عقد عاریہ اور عقد ودیعت۔ ❸

تیسرا مقصد: ثبوت خیار کی کیفیت...... اس مقصد کے بارے میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: خیار رؤیت مطلقاً پوری عمر میں ثابت ہوتا ہے ہاں البتہ اگر ایسے احوال پائے جائیں جو خیار کو ساقط کر دیں، جیسا کہ مسقطات کے بیان میں آیا چاہتا ہے، یہ مذہب امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اصح بھی یہی ہے، چونکہ یہ خیار مبیع کے حال پر اطلاع کرنے سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا عیب کی وجہ سے رد کرنے کے مشابہ ہے، نیز اس خیار کے ثبوت کا سبب رضا کا مختل ہونا ہے جبکہ جب تک سبب باقی رہتا ہے حکم بھی اس وقت تک باقی رہتا ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: یہ خیار رؤیت کے بعد امکان فسخ تک باقی رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر خریدار نے مبیع کو دیکھ لیا اور رؤیت کے بعد فسخ عقد ہو سکتا تھا لیکن عقد فسخ نہ کیا تو خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا، اگرچہ خیار کو ساقط کر دینے والے اسباب (جن کا بیان آیا چاہتا ہے) نہ بھی پائے جائیں۔ ❹

---

❶...... مغنی المحتاج ۱۸/۲، المہذب ۲۶۳/۱۔ ❷المبسوط ۶۹/۱۳۔ ❸البدائع ۲۹۵/۵۔ ❹البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵، رد المحتار ۶۷/۴۔

حنابلہ...... کہتے ہیں خیار رؤیت فوری طور پر (علی الفور) حاصل ہوگا۔ ❶

چوتھا مقصد: خیار رؤیت والی بیع کی صفت (طریقہ کار) اور اس کا حکم

بیع کا طریقہ کار...... خریدار نے جو چیز نہ دیکھی ہو اس کی خریداری لازم نہیں ہوتی، خریدار کو دیکھنے کے بعد فسخ اور نفاذ میں اختیار حاصل ہوگا۔ چونکہ عدم رؤیت سودہ کے تمام ہونے سے مانع ہوتا ہے نیز وصف کی جہالت خریدار کی رضا مندی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا خریدار کے لئے خیار ثابت ہے، تاکہ خیار کے ذریعے ندامت کا ازالہ کر سکے، برابر ہے مبیع بیان کردہ وصف کے مطابق ہو یا مخالف، یہ حنفیہ کا مذہب ہے ❷ جبکہ مالکیہ، حنابلہ اور شیعہ امامیہ کہتے ہیں: بیع مشتری کو لازم ہو جائے گی جب مبیع بیان کردہ وصف کے مطابق ہو، اگر بیان کردہ وصف کے خلاف ہو تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ ❸

ظاہریہ کہتے ہیں: اگر بیع صفقہ کے مطابق ہو تو لازم ہو جائے گی اگر صفقہ (سودے) کے مخالف ہو تو باطل ہو جائے گی۔ ❹

بیع کا حکم...... بیع کا حکم وہی ہوگا جو اس عقد کا حکم ہوتا ہے جس میں خیار نہیں ہوتا، لہٰذا بدلین میں ملکیت ثابت نہیں ہوگی جبکہ ایجاب و قبول سے عقد تمام ہونے کے فوراً بعد بائع کے لئے ثمن کی ملکیت ثابت ہوتی ہے لیکن عقد لازم نہیں ہوتا بخلاف خیار شرط کے۔

دونوں خیاروں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خیار رؤیت میں بیع مطلقاً صادر ہوتی ہے اور کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوتی اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ لازم ہے البتہ خیار رؤیت کی وجہ سے رد شریعت سے ثابت ہے جبکہ خیار شرط متعاقدین کے شرط لگانے سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا عقد میں اس کا اثر ہوگا اور فی الحال استقرار حکم سے مانع ہوگا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ❺

پانچواں مقصد: ثبوت خیار کی شرائط...... ثبوت خیار کے لئے مختلف شرائط عائد کی گئی ہیں ورنہ عقد لازمی ہو جائے گا، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱...... محل عقد (معقود علیہ/سامان) ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہوں، اگر وہ متعین ہونے والی چیز نہ ہو تو اس میں خیار ثابت نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اگر بیع مقایضہ یعنی جنس کی بیع جنس کے بدلہ میں ہو (جیسے گندم کی بیع چاول کے بدلہ میں) تو خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو خیار حاصل ہوگا جبکہ دونوں نے مبیع کو عقد سے پہلے دیکھا نہ ہو۔ ❻

جبکہ عقد صرف (یعنی نقد کی بیع نقد کے بدلہ میں) میں فروخت کنندہ اور خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ بیع صرف میں خیار رؤیت کا کوئی فائدہ نہیں جس کا بیان آیا چاہتا ہے۔ جبکہ عین کی بیع نقدی کے بدلہ میں (جیسے گندم کی بیع روپے کے ساتھ) کی صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اور بائع کو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس میں دراصل سبب یہ ہے کہ عقد محل جب معین نہیں ہوگا تو موجب خیار کی وجہ سے فسخ کے لئے معین بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا رد میں کوئی فائدہ نہیں، نیز جو چیز معین کرنے سے متعین نہ ہو وہ عقد کر لینے سے ملکیت میں نہیں آتی، بلکہ قبضہ سے ملکیت میں آتی ہے، اور فسخ کا صدور اسی چیز پر ہوتا ہے جو عقد سے ملکیت میں آئے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب حق معین چیز ہو تو اس میں لوگوں کی مختلف اغراض ہوتی ہیں اور اس میں ثبوت خیار اس لئے ہوتا ہے تاکہ خریدار مبیع کو دیکھ سکے آیا کہ وہ اس کے لئے بہتر ہے یا نہیں۔

اس تفصیل کے پیش نظر خیار رؤیت ان معاملات میں ثابت ہوگا جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع، اجارہ، دعوائے مال پر صلح، تقسیم

---

❶...... المغنی ۳/ ۵۸۱۔ ❷ البدائع ۵/ ۲۹۲، فتح القدیر ۵/ ۱۳۷۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۲۵۶، المغنی ۳/ ۵۸۲، المختصر النافع ص ۱۴۲۔ ❹ المحلی ۸/ ۳۸۹۔ ❺ البدائع المکان السابق۔ ❻ البدائع ۵/ ۲۹۲۔

وغیرہ، چونکہ یہ معاملات ان اشیاء کے رد کرنے سے فسخ ہو جاتے ہیں، لہٰذا خیار رؤیت ان میں ثابت ہوگا۔ جبکہ ان معاملات میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، جیسے مہر، بدل خلع، قتل عمد پر صلح وغیرہ، چونکہ یہ معاملات مال کے رد کرنے سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، گویا اصول یہ سامنے آتا ہے کہ ہر وہ عقد جو رد سے فسخ ہو جائے اس میں خیار رؤیت ثابت ہوگا اور جو عقد رد سے فسخ نہ ہو اس میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا۔

جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ❶

۲.....محل عقد (معقود علیہ/سامان) کو نہ دیکھنا۔ اگر خریدار نے قبل ازیں معقود علیہ کو دیکھا ہو تو اسے خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ معقود علیہ کوئی ایسی چیز ہو جس میں اتنا جلدی تغیر نہ آتا ہو، ورنہ تغیر کی وجہ سے خریدار کو اختیار حاصل ہوگا۔ چونکہ تغیر پذیر چیز کو خرید لیا تو گویا بن دیکھے اسے خرید لیا۔ ❷

تحقیق رؤیت کی کیفیت......رؤیت کبھی پوری مبیع کی ہوتی ہے اور بسا اوقات بعض مبیع کی رؤیت ہوتی ہے، اس میں ضابطہ یہ ہے کہ مبیع کی اتنی مقدار کو دیکھ لینا کافی ہے جس سے مقصد حل ہو جاتا ہو اور معرفت حاصل ہو جاتی ہو۔ ❸

اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ نہ دیکھی ہوئی مقدار اگر دیکھی ہوئی مقدار کے تابع ہو تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا برابر ہے کہ دیکھی ہوئی مقدار کسی بھی حال میں علم کا فائدہ دے یا نہ دے، چونکہ تابع کا حکم اصل کا حکم ہوتا ہے۔

اگر نہ دیکھی ہوئی مقدار دیکھی ہوئی مقدار کے تابع نہ ہو پھر اگر مقصود بنفسہ دیکھی ہوئی چیز جیسا ہو تو پھر اس میں مزید تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر دیکھی ہوئی مقدار سے ان دیکھی مقدار کی حالت کی پہچان حاصل ہو تو ان دیکھی مقدار میں خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا بشرطیکہ ان دیکھی مقدار دیکھی ہوئی مقدار کے ہم مثل ہو یا اس سے اعلیٰ ہو چونکہ مقصد بقیہ مقدار کی حالت کا علم ہوتا ہے۔

اگر دیکھی ہوئی مقدار سے ان دیکھی مقدار کی حالت کی پہچان نہ ہوتی ہو تو خریدار کو ان دیکھی مقدار میں خیار حاصل ہوگا۔ چونکہ دیکھی ہوئی مقدار سے مقصد حاصل نہیں ہوا گویا خریدار نے سرے سے مبیع کو دیکھا ہی نہیں۔

اسی ضابطہ کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ ڈھیر کو اوپر اوپر سے دیکھ لینا کافی ہوتا ہے، جانور کے منہ اور دھڑ کو دیکھ لینا کافی ہے، یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منہ کو دیکھ لینا اور لپٹے ہوئے کپڑے کو اوپر سے دیکھ لینا کافی ہے، جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے کپڑے کو پھیلا کر دیکھنا ضروری ہے۔ یہی مختار قول ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کی اکثر معتبر کتب میں بھی ہے۔ جبکہ ابن عابدین نے اس کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر تھان کے اندر کا کپڑا ظاہری کپڑے سے مختلف نہ ہوتا ہو تو خیار ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ اگر اندر کا کپڑا ظاہری حصہ سے زیادہ ردی نکلے تو خیار حاصل ہوگا۔ ❹

جو بکری گوشت بنانے کے لئے خریدی جائے تو اس کو چھو کر دیکھنا لابدی ہے تاکہ اس کی فربہی کا پتہ چل جائے، یہاں تک کہ خریدار نے بکری دور سے دیکھ لی تو اسے خیار حاصل ہوگا چونکہ جو بکری ذبح کرنے کے لئے خریدی جاتی ہے اس کا مقصد گوشت ہوتا ہے، جبکہ دور سے دیکھنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اگر بکری دودھ یا افزائش نسل کے لئے خریدی گئی ہو تو پورے بدن کو ٹٹول کر دیکھنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح تھنوں کو دیکھنا بھی ضروری ہے، چونکہ دودھ والی بکری میں اس کے تھنوں سے سارا مقصد متعلق ہوتا ہے، جبکہ بکریوں کی جملہ اقسام تھنوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، جبکہ دور سے دیکھنے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ❺

رہی بات دریوں اور قالینوں کی سو اگر قالینوں کا اوپر والا حصہ اور لپٹا ہوا بیچ والا حصہ مختلف ہوتا ہو اور خریدار نے صرف اوپر سے دیکھ لیا ہو تو

---

❶.....البدائع المرجع السابق۔ ❷المبسوط ۱۳/۷۲، البدائع ۵/۲۹۲۔ ❸البدائع ۵/۲۹۳، رد المحتار ۴/۶۸۔ ❹المبسوط ۱۳/۷۲، البدائع ۵/۲۹۳، فتح القدیر ۵/۱۴۲، رد المحتار ۴/۶۹۔ ❺البدائع ۵/۲۹۳ رد المحتار ۴/۷۰، فتح القدیر ۵/۱۴۳۔

اسے خیار حاصل ہوگا۔

رہی بات گھروں، زمینوں اور باغات کی سوا گر گھروں کو اندر باہر سے دیکھ لیا، باغات کو باہر باہر سے دیکھ لیا اور درختوں کی چوٹیاں دیکھ لیں تو خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا، البتہ گھر کے صحن کو دیکھ لینا رؤیت کے لئے کافی نہیں ہوگا، چونکہ گھر مختلف ہوتے ہیں۔

امام زفر کے علاوہ حنفی آئمہ گھروں کے معاملہ میں باہر سے دیکھ لینے کو اور صحن کے دیکھ لینے کو کافی سمجھتے ہیں، البتہ آج کل اتنی سی رؤیت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا گویا زمانہ بدلنے سے یہ حکم بھی بدل چکا ہے جبکہ حجت اور دلیل کا اختلاف نہیں۔ ❶

یہ تفصیل تب ہے جب معقود علیہ ایک ہی چیز ہو اگر مبیع مختلف اشیاء ہوں تو اس میں یہ تفصیل ہے: اگر مبیع از قسم عددی ہو جن میں تفاوت ہوتا ہو جیسے چوپائے، کپڑے جیسے کسی شخص نے ایک بورے میں بند کپڑے خریدے یا بکریوں کا ریوڑ خریدا یا اونٹ یا گائیں خریدیں یا انار، ناشپاتیاں جو ٹوکرے میں رکھی ہوں خریدیں ان میں سے بعض کو دیکھ لیا تو بقیہ میں خریدار کو اختیار حاصل ہوگا چونکہ پوری کی پوری مبیع مقصود ہوتی ہے جبکہ دیکھی ہوئی اشیاء سے بقیہ اشیاء کی پہچان نہیں ہوسکتی چونکہ مبیع کے مختلف افراد میں تفاوت ہے۔

اگر مبیع از قسم مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ اور انڈے تو بعض مبیع کو دیکھ لینے سے خیار ساقط ہو جاتا ہے چونکہ بقیہ مبیع کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیل تب ہے جب مبیع کسی ایک تھیلے یا برتن میں رکھی ہوا گر دو تھیلوں میں رکھی ہو تو پھر یا تو دو جنسوں میں ہوگی یا ایک جنس کی تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں، چونکہ ایک جنس یا ایک وصف کی مبیع کو دیکھنے سے دوسری جنس یا وصف کی پہچان نہیں ہو پاتی۔ اگر پوری مبیع جنس واحد سے ہو یا صفت واحدہ سے ہو تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہے۔

مشائخ بلخ...... کہتے ہیں خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ دو تھیلوں میں مبیع کے ہونے سے ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے دو جنسیں ہوں۔

مشائخ عراق...... کہتے ہیں: خریدار کو خیار حاصل نہیں ہوگا اور یہی صحیح بھی ہے، چونکہ اس جنس کی بعض مبیع کو دیکھ لینے سے بقیہ مبیع کا علم حاصل ہو جاتا ہے، برابر ہے کہ مبیع ایک ہی تھیلے یا برتن میں رکھی ہو یا دو تھیلوں میں۔ ❷

مبیع اگر زمین میں ہو...... اگر مبیع زمین میں دبی ہوئی ہو اور کسی برتن یا تھیلے میں نہ ہو جیسے گاجر، مولی، پیاز وغیرہ تو اس بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے درج ذیل تفصیل مروی ہے۔

الف...... اگر چیز ایسی ہو جسے اکھاڑنے کے بعد ماپا تولا جاتا ہو یا اس کا وزن کیا جاتا ہو جیسے تھوم، پیاز، گاجر اگر خریدار نے بائع کی اجازت سے کوئی چیز زمین سے اکھاڑی یا خریدار کی رضامندی سے بائع نے اکھاڑی تو بقیہ مبیع میں خیار ساقط ہو جائے گا، چونکہ مکیلی چیز کے بعض حصہ کو دیکھ لینا کل کو دیکھ لینے کے مترادف ہے۔

اگر خریدار نے بائع کی اجازت کے بغیر ہی مبیع زمین سے اکھاڑ دی تو خریدار کو خیار نہیں حاصل ہوگا، وہ خواہ اکھاڑی ہوئی چیز سے راضی ہو یا راضی نہ ہو بشرطیکہ جب اس چیز کی لوگوں کے ہاں کوئی قیمت ہو چونکہ اکھاڑنے سے اس میں عیب آجاتا ہے، اگر خریدار اکھاڑتا نہ تو اس کی بڑھوتری میں اضافہ ہوتا، جبکہ زمین سے جب کوئی چیز اکھاڑ لی جاتی ہے تو اس کی بڑھوتری میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ آئے دن خراب ہوتی رہتی ہے جبکہ اصول یہ ہے کہ جب خریدار کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہو جائے جو اس کے عمل سے نہ ہو تو رد سے مانع ہوتا ہے جبکہ خریدار کے فعل سے عیب پیدا ہو تو بطریق اولی رد سے مانع ہوگی۔

ب...... اگر زمین میں چھپی چیز ایسی ہو جو گنتی کر کے فروخت کی جاتی ہو جیسے مولی، گاجر وغیرہ تو ان میں سے بعض کو دیکھ لینا کل کو دیکھنے کے مترادف نہیں ہوگا چونکہ یہ چیزیں عددی متفاوت جیسی ہیں، لہٰذا بعض مبیع کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔ جیسے کپڑوں میں ہوتا ہے۔

---

❶ ...... البدائع ۵/۲۹۴، ردالمحتار ۴/۷۰ فتح القدیر ۵/۱۴۴۔ ❷ البدائع ۵/۲۹۴، حاشیۃ الشلبی علی الزیلعی ۴/۲۶۔

اگر خریدار نے بائع کی اجازت کے بغیر کوئی چیز زمین سے اکھاڑ لی تو عیب کی وجہ سے خیار ساقط ہو جائے گا۔ بشرط یہ کہ اکھاڑی ہوئی چیز کی کوئی قیمت ہو۔ اگر اس کی قیمت نہ ہو تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ اس سے عیب متحقق نہیں ہوتا۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے زمین میں چھپی مبیع کی تفصیل مذکورہ بالا تفصیل کے علاوہ کی ہے اور انہوں نے بعض مبیع کو دیکھنے پر خریدار کو خیار دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خریدار نے ساری مبیع کو زمین سے اکھاڑ لیا یا بعض مبیع کو اکھاڑا تو اسے خیار حاصل ہوگا۔ رہی بات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سوا ان کا قول امام ابو یوسف کے ہم مثل قول ہے، چنانچہ جب خریدار نے زمین سے کوئی چیز اکھاڑ لی جس سے بقیہ مبیع پر استدلال کیا جا سکے اور خریدار اس سے راضی بھی ہو تو بیع لازم ہو جائے گی۔ ❶

بوتل میں بند تیل وغیرہ......اگر مبیع تیل ہو جو بوتل میں بند ہو اور خریدار باہر سے بوتل کو دیکھ لے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

اول......باہر سے دیکھ لینا کافی ہے اور اتنا دیکھنے سے خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ باہر سے دیکھ لینے سے اندر موجود تیل یا مائع چیز کا علم ہو جاتا ہے گویا یہ ایسا ہی ہے کہ تیل کو بوتل سے نکال کر دیکھا۔

دوم......خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ بوتل کو کھول کر جو علم ہوتا ہے وہ بند بوتل کو دیکھنے سے نہیں ہوتا، نیز بوتل میں پڑی چیز کا رنگ وہی دکھائی دے رہا ہوتا ہے جو بوتل کا رنگ ہو۔ لہٰذا باہر سے دیکھنے سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ❷

بعض حنفی علماء کے نزدیک خریدار نے اگر آئینے میں مبیع کو دیکھا یا کھڑے پانی میں مبیع کا عکس دیکھا تو اس دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوگا چونکہ خریدار نے بعینہ مبیع کو نہیں دیکھا ہوتا بلکہ مبیع کا عکس دیکھا ہے، جبکہ اصح یہ ہے کہ یوں اس طرح خریدار بعینہ مبیع کو دیکھتا ہے چونکہ بالمقابل ہونا (یعنی مبیع کا آمنے سامنے ہونا) رؤیت کی شرط نہیں، چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کو بالمقابل نہیں دیکھیں گے، لیکن اس انداز سے کہ جس سے خریدار کو مبیع کی شکل وہیئت کا علم ہو جائے اور آئینہ کے چھوٹے بڑے ہونے کے تفاوت سے کوئی امر مانع نہ ہو تو اس سے اصل مبیع کا پتہ چل جاتا ہے لہٰذا خیار ساقط ہوگا۔ ❸ اس اصول کے پیش نظر اگر چھوٹی نہر میں کوئی مچھلی خریدی جس کا پکڑنا آسان اور ممکن ہو اور کسی حیلہ اور تدبیر کی ضرورت نہ ہو تو یہ بیع جائز ہے اگر خریدار نے مچھلی نہر میں دیکھ لی اور پھر مچھلی کو پکڑ لیا تو بعض فقہاء کے نزدیک خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ خریدار نے بعینہ مبیع کو دیکھا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خیار ساقط نہیں ہوگا یہی صحیح مذہب ہے۔ چونکہ پانی میں چیز کو اصلی اور طبعی حالت میں نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ پانی میں چیز طبعی جسامت سے بڑی دکھائی دیتی ہے لہٰذا اس طرح پانی میں دیکھنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ ❹

غیر حنفیہ کے مذاہب:

مالکیہ......کہتے ہیں وہ چیزیں جن کی جڑ زمین میں چھپی ہو جیسے گاجر، پیاز، شلغم، مونگ پھلی اور اروی ترکاری کی خرید و فروخت جائز ہے بشرط یہ کہ اس کا ظاہری حصہ دیکھ لیا جائے اور ایک دو کو زمین سے نکال کر دیکھا جائے۔ اگر مبیع مکیلی اور موزونی ہو جو مثلی بھی ہو تو بعض مبیع کو دیکھنے سے بیع جائز ہوتی ہے جیسے روئی وغیرہ بخلاف قیمتی اشیاء کے چنانچہ قیمتی اشیاء میں بعض کو دیکھنے سے خیار ساقط نہیں ہوگا جیسے مختلف کپڑوں میں سے ایک کپڑا دیکھ لیا۔ ❺

---

❶......تحفۃ الفقہاء ۲/۱۲۴۔ ❷البدائع ۵/۲۹۴، الدر المختار ۴/۷۰۔ ❸البدائع ۵/۲۹۵۔ ❹البدائع ۵/۲۹۵۔ ❺......المجموع ۹/۳۳۸، المغنی ۴/۹۱۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: جو اشیاء زمین میں چھپی ہوں ان کی بیع جائز نہیں، جیسے مولی، گاجر، پیاز اور تھوم، چونکہ یہ مجہول چیز کی بیع ہے جو کہ غرر پر مشتمل ہے۔

نمونہ دیکھ کر بیع ❶ کرنا...... بسا اوقات خریدار مبیع کا صرف نمونہ دیکھتا ہے، یوں بیع صحیح ہو جاتی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک بیع لازمی ہو جاتی ہے بشرطیکہ نمونہ بقیہ مبیع پر دلالت کرتا ہو، میں اب فقہاء کے نزدیک نمونہ دیکھ کر بیع کے حکم کو بیان کروں گا۔

مثال...... مثلاً ایک شخص بھاری مقدار میں گندم یا چاول خریدنا چاہتا ہے اور وہ اتنی بڑی مقدار میں گندم کو دیکھنے کی بجائے صرف مٹھی بھر اس کا نمونہ دیکھ لیتا ہے، یہ صرف مثلی اشیاء میں ہوتا ہے جیسے دانے، روئی، غلہ وغیرہ۔

اس کا حکم...... نمونہ پر بیع حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ حنابلہ اور ظاہریہ کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ ❷...... کہتے ہیں مکیلی اور موزونی اشیاء کا نمونہ دیکھ کر بیع کرنا جائز ہے، چونکہ جنس واحد میں اس کے بعض حصہ کو دیکھنے پر اکتفا کرنا جائز ہے چونکہ بقیہ مبیع کا اس سے پتہ چل جاتا ہے ہاں البتہ اگر بقیہ مبیع ردی مال ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، گویا بقیہ مبیع میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا۔ تاکہ بیع تمام ہونے سے قبل تفریق صفقہ لازم نہ آئے، اصح یہ ہے کہ کچھ حصہ کو دیکھ لینا کافی ہوتا ہے برابر ہے مبیع ایک ہی تھیلے میں ہو یا دو تھیلوں میں۔ ملحوظ رہے کہ ہمارے زمانہ میں کپڑے مثلی اشیاء میں سے ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں۔ ❸ مثلی اشیاء میں سے کچھ حصہ کو دیکھ لینے سے بیع جائز ہو جاتی ہے جیسے روئی وغیرہ، بخلاف قیمتی اشیاء کے جیسے تیار شدہ کپڑے کی گٹھ چنانچہ ظاہری مذہب میں کچھ حصہ کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔

شافعیہ...... کہتے ہیں ❹ نمونہ پر ہونے والی بیع کی تین صورتیں ہیں:

۱...... بیع کا صحیح ہونا ۲...... بیع کا باطل ہونا ۳...... بیع کا اصح ہونا

چنانچہ نمونہ اگر بیع میں داخل ہو تو بیع صحیح ہے ورنہ نہیں۔

حنابلہ...... کہتے ہیں ❺ نمونہ کی بیع صحیح نہیں ہے، مثلاً بائع نے خریدار کو گندم کے ڈھیر میں سے ایک صاع دکھلایا پھر ڈھیر کو فروخت کیا کہ وہ اسی جنس سے ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی، چونکہ حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ متعاقدین کی رؤیت مبیع بیع کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور یہ صحیح مبیع کی رؤیت یا بعض مبیع کی رؤیت بقیہ مبیع پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے غیر منقوش کپڑے کے دو رخ اور متساوی الاجزاء ڈھیر جو غلے کا ہو کے اوپر والا حصہ اور پیک کیا ہوا سامان جو ایک ہی جنس کا ہو۔

ظاہریہ...... کہتے ہیں نمونہ کی بیع کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ❻

مبیع کو دیکھنے میں وکالت...... اگر خریدار نے خریدی ہوئی چیز کو دیکھنے کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا جبکہ خود مؤکل نے اس چیز کو نہ دیکھا ہو تو اگر راضی ہو تو عقد لازمی ہو جائے گا اگر چاہے تو عقد کو فسخ کردے، چونکہ وکیل مؤکل کے قائم مقام ہوتا ہے جبکہ مؤکل رائے کو وکیل کے سپرد کر دیتا ہے۔

---

❶...... اسے عربی میں بیع بالنموذج اور انموذج کہا جاتا ہے۔ ❷تبیین الحقائق للزیلعی وحاشیۃ الشلبی ۲۶/۴۔ ❸الشرح الکبیر للدردیر ۲۴/۳۔ ❹المجموع للنووی ۳۲۷/۹۔ ❺غایۃ المنتھیٰ ۱۰/۲، کشاف القناع ۱۵۲/۳۔ ❻المحلی ۴۵۷/۸۔

اگر خریدار نے رؤیت سے قبل قبضہ کے لئے وکیل مقرر کیا تو وکیل کی رؤیت مؤکل کی رؤیت کے قائم مقام ہوگی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خریدار کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک وکیل کے قبضہ معہ رؤیت کے خیار ساقط نہیں ہوتا، چونکہ خریدار نے قبضہ کے لئے وکیل مقرر کیا ہے اس لئے نہیں کہ خیار ہی کو ساقط کردے، لہٰذا وکیل خیار کو ساقط کرنے کا مالک نہیں ہوگا جیسے خیار شرط کے اسقاط کا مالک نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ وکیل قبضہ اور وکیل خریداری میں کوئی فرق نہیں ہے، وکیل کی رؤیت کافی ہے، اس کی رؤیت سے خیار بالاجماع ساقط ہو جاتا ہے چونکہ کسی چیز کے حصول کے لئے مقرر کیا گیا وکیل اس چیز کے اتمام کا وکیل ہوتا ہے اور قبضہ اسی وقت تمام ہو پاتا ہے جب خیار ساقط کر دیا جائے۔ ❶

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خریدار نے مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے قاصد روانہ کیا اور قاصد نے مبیع کو دیکھ لیا اور اس سے رضامند رہا تو اصل خریدار کو خیار رؤیت حاصل رہے گا، وکیل اور قاصد میں فرق یہ ہے کہ قبضہ کرنے میں وکیل اصل ہوتا ہے اور مؤکل کے لئے فعل کا حکم واقع ہوتا ہے، گویا اتمامِ قبضہ وکیل کے سپرد ہوتا ہے۔ رہی بات قاصد کی وہ تو اصل کی طرف سے قبضہ کرنے میں نائب ہوتا ہے، گویا قاصد کا قبضہ اصل کا قبضہ ہوتا ہے اور اتمام قبضہ مرسل (اصل) کی طرف راجع ہے۔ ❷

خیار عیب کی صورت میں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خریدار نے کسی شخص کو مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا اور پھر وکیل نے قبضہ کے بعد چیز میں کوئی عیب پایا تو مؤکل کا خیار عیب ساقط نہیں ہوگا۔

خیار شرط کے بارے میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: یہ اختلاف پرانا ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان ہے، بعض کہتے ہیں: بالاتفاق خیار ساقط نہیں ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں مبیع کی رؤیت اور عدم رؤیت میں اعتبار عاقد کا ہے۔ ❸

رؤیت مبیع کے متعلق ایک تبصرہ اور تحقیق...... رؤیت مقصودہ آنکھوں سے دیکھنے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر چیز کے حسب حال کا اعتبار ہے، اور ایسے حاسہ کا اعتبار ہے جس سے مقصد حاصل ہوتا ہو، چنانچہ وہ چیزیں جن کی تحقیق سونگھنے سے ہوتی ہو ان کی رؤیت سونگھنا ہے جیسے خوشبوئیں۔ وہ چیزیں جن کی تحقیق چکھنے سے ہوتی ہو ان کی رؤیت چکھنا ہے جیسے شہد وغیرہ۔ اور جو چیزیں چھو کر معلوم کی جاتی ہوں ان کی رؤیت چھونا ہے، جو بکری ذبح کرنی ہو اس کو ٹٹولنا اور ہاتھ لگا کر چھونا رؤیت ہے، اسی طرح دودھ دینے والی بکری میں تھنوں کو ہاتھ لگا کر دیکھنا رؤیت ہے۔ چنانچہ ان امور کو رؤیت کافیہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ اگرچہ آنکھ رؤیت میں شامل نہ ہو، صرف آنکھ سے دیکھنا کافی نہیں۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کی ہے۔ ❹

مذکور بالا تفصیل بینا کے متعلق ہے اسی طرح نابینا شخص کو آنکھوں کے علاوہ دوسرے حواس سے اگر اطلاع ہو جائے تو رؤیت کے لئے کافی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ چھو کر پتہ لگانے والی چیزوں میں چھونا کافی ہوگا چکھی جانے والی اشیاء میں چکھنا سونگھی جانے والی اشیاء میں سونگھنا کافی ہوگا، رہی وہ چیز جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو (جیسے عصر حاضر میں موبائل اور دوسری الیکٹرانک اشیاء) تو ان کے اوصاف نابینا کے سامنے بیان کردینا کافی ہوگا اور اوصاف کا بیان کرنا دیکھنے کے قائم مقام ہوگا۔

اگر نابینا شخص نے درختوں کی ٹہنیوں پر لگے ہوئے پھل خریدے تو اس میں صرف وصف کا اعتبار ہوگا اور کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوگا، مشہور روایت یہی ہے۔ اگر نابینا شخص نے گھر یا زمین خریدی تو اصح روایت یہ ہے کہ وصف پر اکتفاء کرلیا جائے گا۔

---

❶..... البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۵/۵۔ ❷ البدائع ۲۹۵/۵۔ ❸ المجموع ۳۲۹/۹۔ ❹ عقد البیع ص ۳۶۔

اگر اندھا پن ختم ہوجائے تو خیار رؤیت کا حق واپس نہیں لوٹے گا چونکہ اس کے حق میں بیان وصف رؤیت کے قائم مقام ہے، چنانچہ حصول اصل سے قائم مقام کا حکم باطل نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص تیمم کرکے نماز پڑھ لے اور پھر پانی پر اسے قدرت حاصل ہوجائے تو اس سے پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں ہوتی۔ ❶ رہی بات بینا شخص کی سوا گر اس کے سامنے مبیع کے اوصاف بیان کئے گئے جبکہ اس نے مبیع دیکھی نہ ہو اور وہ مبیع سے راضی ہو تو اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ اصل پر قدرت رکھتے ہوئے متبادل امر کا اعتبار نہیں ہوتا۔

رؤیت میں اختلاف......اگر بائع اور خریدار کا اختلاف ہوگیا، بائع نے کہا: میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کردی ہے جبکہ یہ چیز تم نے دیکھی ہے، خریدار نے کہا: میں نے یہ چیز نہیں دیکھی، چنانچہ قسم کے ساتھ خریدار کا قول معتبر ہوگا، چونکہ بائع الزام عقد کا دعویٰ کرتا ہے اور خریدار الزام کا منکر ہے لہٰذا قول منکر کا معتبر ہوتا ہے البتہ ساتھ قسم اٹھانی ہوگی، چونکہ بائع لزوم عقد اور فسخ کے سقوط کا دعویٰ کرتا ہے۔ ❷

کس وقت کی رؤیت کا اعتبار ہے......جس شخص نے کوئی چیز دیکھی پھر ایک مدت مثلاً ایک مہینہ کے بعد اسے خرید لیا، چنانچہ اگر وہ چیز اسی ہیئت اور کیفیت پر ہو جس پر خریدار نے اسے دیکھا ہو تو اسے خیار حاصل نہیں ہوگا چونکہ خریدار کو اوصاف کا علم حاصل ہو چکا، اگر کیفیت کو بدلا ہوا پایا تو اسے خیار حاصل ہوگا چونکہ اس رؤیت سے اوصاف کا علم نہیں ہوا گویا رؤیت اور عدم رؤیت دونوں برابر ہیں۔

اگر بائع اور خریدار میں تغیر پر اختلاف ہو اور بائع کہے: مبیع میں تغیر نہیں آیا، خریدار کہے: تغیر آیا ہے، یہاں قسم کے ساتھ بائع کا قول معتبر ہوگا چونکہ تغیر کا دعویٰ امر حادث ہے جبکہ اصل اس کا عدم ہے جو گواہوں کے بغیر قبول نہیں، بخلاف رؤیت میں اختلاف ہونے کے چنانچہ اس صورت میں قسم کے ساتھ خریدار کا قول معتبر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے چونکہ بائع عارضی امر کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ مبیع کی صفت کا پتہ چل جانا ہے۔ ❸

چھٹا مقصد: وہ امور جن سے خیار ساقط ہوجاتا ہے......صریح اسقاط سے خیار رؤیت ساقط نہیں ہوتا، مثلاً جیسے خریدار کہے "میں نے اپنا خیار ساقط کردیا" رؤیت سے قبل اور نہ ہی رؤیت کے بعد، بخلاف خیار شرط اور خیار عیب کے۔

فرق یہ ہے کہ خیار رؤیت شرعی طور پر ثابت ہے جبکہ انسان کو خیار رؤیت ساقط کرنے کا اختیار حاصل نہیں، جیسے مطلقہ رجعیہ کو رجوع کرنے کا حق ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، چونکہ انسان حق رجعت کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا چونکہ یہ شرعی طور پر ثابت ہے جب تک عورت عدت میں رہتی ہے، بخلاف خیار شرط کے، چنانچہ خیار شرط متعاقدین کی شرط سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا متعاقدین کے ساقط کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے، یہی حال خیار عیب کا بھی ہے، چنانچہ خریدار کی طرف سے مبیع کا سلامت ہونا مشروط ہوتا ہے، گویا یہ صراحۃ کالمشروط ہے۔ ❹

خیار کا سقوط اور بیع کا لزوم دو صورتوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ فعل اختیاری یا ضروری، اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ صریح رضا اور دلالت رضا۔

صریح......جیسے مثلاً یوں کہے: میں نے بیع کو نافذ کردیا یا میں راضی ہوں یا میں نے بیع کو اختیار کرلیا ہے۔ یا کوئی ایسا لفظ بولا جو صریح کے قائم مقام ہو، برابر ہے کہ نفاذ کا بائع کو علم ہو یا علم نہ ہو۔

دلالت رضا......اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع میں کوئی تصرف پایا جائے جو رؤیت کے بعد ہو، پہلے نہ ہو، اور یہ تصرف نفاذ بیع پر دلالت کرتا ہو، جیسے مثلاً رؤیت کے بعد مبیع پر قبضہ کرلیا، چونکہ رؤیت کے بعد مبیع پر قبضہ کرلینا رضامندی کی دلیل ہے جو لزوم بیع ہے، نیز قبضہ کو عقد

---

❶......المبسوط ۱۳/۷۷، فتح القدیر ۵/۱۴۶، البدائع ۵/۲۹۸، رد المحتار ۴/۷۰۔ ❷فتح القدیر ۵/۱۵۰ ردالمحتار ۴/۷۲۔
❸فتح القدیر ۵/۱۴۹، رد المحتار ۴/۷۲۔ ❹البدائع ۵/۲۹۷۔

کے ساتھ ایک گونا مشابہت بھی حاصل ہے۔ ❶

اسی تفصیل کی بناء پر اگر خریدار نے مبیع کسی دوسرے شخص کو ہبہ کردی اور سپرد نہ کی یا بیع کے لئے پیش کردی اور یہ معاملہ رؤیت سے پہلے کیا تو خیار ساقط نہیں ہوگا چونکہ خیار صریح رضا مندی سے اس صورت میں ساقط نہیں ہوتا اسی طرح دلالۃ رضا سے بھی ساقط نہیں ہوگا۔

اگر خریدار نے مبیع کو رہن رکھا اور اسے سپرد بھی کردیا یا کسی شخص کو اجرت پر دے دی یا کسی دوسرے شخص کو فروخت کردی اس طور پر کہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا تو اس کا خیار رؤیت ساقط ہوجائے گا، یہاں تک کہ خریدار نے قرضہ دے کر اگر رہن چھڑا بھی لیا یا اجارہ کی مدت گزر چکی یا خیار شرط کی مدت میں خریدار کو مبیع واپس کردی گئی پھر خریدار نے مبیع دیکھی تو خیار رؤیت کی وجہ سے اسے ردمبیع کا حق حاصل نہیں ہوگا، چونکہ وہ ان تصرفات کے ذریعے غیر کے لئے حق لازم کو ثابت کرچکا گویا لزوم ملک اس کی ضرورت ہے۔ ❷

فعل ضروری جو خیار رؤیت کو ساقط کرتا ہو...... اس سے مراد ہر ایسا فعل ہے جس سے خیار ساقط ہوجاتا ہو، اور خریدار کے کسی قسم کے فعل کے بغیر ہی بیع ضروری ہوجائے، جیسے حنفیہ کے نزدیک خریدار کا مرجانا، اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جیسا کہ خیار شرط میں گزر چکا ہے۔ مثلاً جیسے دو شریکوں نے کوئی چیز جو بن دیکھے خریدی ہو اور ان میں سے ایک شریک نے دوسرے کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع کی اجازت دے دی۔ اسی طرح مثلاً ساری کی ساری مبیع ہلاک ہوگئی یا کچھ ہلاک ہوگئی، یا مبیع میں منفصل اضافہ کردیا یا متصل اضافہ کردیا جو مبیع ہی سے پیدا شدہ ہو یا مبیع سے پیدا شدہ نہ ہو گذشتہ تفصیل کے مطابق۔ ❸

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ ہر وہ امر جو خیار شرط اور خیار عیب کو باطل کردے وہ خیار رؤیت کو بھی باطل کردیتا ہے الا یہ کہ خیار شرط اور خیار عیب صراحۃً ساقط کرنے سے بھی ساقط ہوجاتا ہے جبکہ خیار رؤیت صراحۃً ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا نہ رؤیت سے قبل اور نہ ہی رؤیت کے بعد ❹ چونکہ خیار رؤیت خالص اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر ثابت ہے لہٰذا متعاقد کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا جبکہ خیار شرط اور خیار عیب دونوں متعاقدین کی شرط سے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس عاقد کو خیار حاصل ہوگا تو جب وہ چاہے گا بالقصد اپنے ارادہ سے اسے ساقط کرسکتا ہے چونکہ یہ اس کا حق ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

علامہ مرغینانیؒ کہتے ہیں: وہ امور جن سے خیار شرط باطل ہوجاتا ہے ان سے خیار رؤیت بھی باطل ہوجاتا ہے جیسے عیب کا پیدا ہوجانا اور تصرف کرلینا۔ پھر اگر تصرف ایسا ہو جس کا خاتمہ ناممکن ہو جیسے غلام کو آزاد کردینا، غلام کو مدبر بنا دینا، یا ایسا تصرف کردیا جو دوسرے کے حق کو واجب کرتا ہو جیسے مطلق بیع، اجارہ چنانچہ یہ تصرف بھی خیار کو باطل کردیتا ہے برابر ہے تصرف رؤیت سے پہلے ہو یا بعد میں، چونکہ لزوم ہوچکا تو اس کا فسخ دشوار ہوگا، لہٰذا خیار باطل ہوگا۔ اگر تصرف ایسا ہو جو دوسرے کے حق کو واجب نہ کرتا ہو جیسے بیع بشرط خیار، ہبہ جو سپردگی کے بغیر ہو اور باہمی بھاؤ تاؤ، تو یہ تصرف خیار کو رؤیت سے قبل باطل نہیں کرے گا چونکہ یہ تصرف صریح رضا مندی تک نہیں بڑھ پاتا، البتہ رؤیت کے بعد خیار کو باطل کردیتا ہے چونکہ اس صورت میں دلالتاً رضا مندی پائی جاتی ہے۔ ❺

ساتواں مقصد: وہ امور جن سے عقد فسخ ہوجاتا ہے اور فسخ کی شرائط

وہ امور جن سے عقد فسخ ہوجاتا ہے...... خیار رؤیت کے بسبب فسخ کی تصریح کرنے کے ساتھ عقد فسخ ہوجاتا ہے مثلاً یوں کہے: میں نے عقد فسخ کردیا یا میں نے عقد کو توڑ دیا یا میں نے عقد رد کردیا، یا اس کے علاوہ کوئی ایسا لفظ بولا جو ان کے قائم مقام ہو، یا قبضہ سے پہلے مبیع ضائع ہوگئی تو بھی عقد فسخ ہوجائے گا چونکہ بیع کا رکن ختم ہوگیا۔ ❻

---

❶..... البدائع ۲۹۵/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❷البدائع ۲۹۶/۵، تحفۃ الفقہاء ۱۳۰/۲، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❸البدائع ۲۹۶/۵، فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❹البدائع ۲۹۷/۵۔ ❺الھدایۃ مع فتح القدیر ۱۴۱/۵۔ ❻البدائع ۲۹۸/۵۔

فسخ کی شرائط......فسخ کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔

۱......یہ کہ خیار موجود ہو، چونکہ خیار جب ساقط ہو تو عقد لازم ہو جاتا ہے لہٰذا فسخ کی وجہ سے عقد نہیں ٹوٹے گا۔

۲......یہ کہ فسخ عقد کی وجہ سے تفریق صفقہ لازم نہ ہوتا ہو یعنی عقد کے کچھ حصہ کو رد کر دیا اور کچھ حصہ کو نافذ کر دیا، چونکہ تفریق صفقہ کی صورت میں بائع کا نقصان ہے، نیز قبضہ سے قبل یا بعد خیار رؤیت تمام صفقہ سے مانع ہوتا ہے اور عقد تمام ہونے سے قبل عقد کی تجزی بلا ریب باطل ہے۔

۳......یہ کہ بائع کو فسخ عقد کا پتہ ہو تا کہ معاملہ صاف ہے اور اپنے سامان میں من چاہا تصرف کر سکے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، رہی بات امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سو ان کے نزدیک بائع کو علم ہونا شرط نہیں، جیسا کہ خیار شرط کی بحث میں گزر چکا ہے۔ [1]

ملاحظہ...... بحث کے اخیر میں ملحوظ رہے کہ خیار رؤیت وراثت میں منتقل نہیں ہوتا جیسے خیار شرط وراثت میں منتقل نہیں ہوتا، مثلاً خیار حاصل ہونے کے بعد خریدار مر جائے تو خیار اس کے ورثہ کو منتقل نہیں ہوگا۔

چونکہ خیار نص کی وجہ سے عاقد کے لئے ثابت ہوا ہے جبکہ وارث عاقد نہیں ہوتا لہٰذا خیار بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہوگا جیسا کہ علامہ زیلعی اور حنابلہ نے ذکر کیا ہے۔ [2]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خیار رؤیت وراثت میں منتقل ہوتا ہے جیسے خیار تعیین اور خیار عیب منتقل ہوتا ہے چونکہ جس طرح وراثت املاک میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح بیع سے ثابت ہونے والے حقوق میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ [3]

یہ منطق کے زیادہ قریب ہے چونکہ وارث مورث کا نائب ہوتا ہے اور اس کی نیابت ہر قسم کے ترکہ میں مسلم ہوتی ہے خواہ ترکہ از قسم اموال ہو یا از قسم حقوق، چنانچہ یہ بھی ایک حق ہے۔ [4]

چھٹی بحث: بیع کی مختلف انواع واقسام

تمہید...... باعتبار بدل کے بیع کی چار اقسام ہیں۔ [5]

اول...... بیع مقایضہ۔ بیع العین بالعین یعنی سامان کے بدلہ میں سامان کی بیع جیسے گندم کے بدلہ میں کپڑے کی بیع، وغیرہ۔

دوم...... بیع مطلق، بیع العین بالدین۔ یعنی مطلق ثمن (پیسوں) کے بدلہ میں سامان کی بیع ثمن سے مراد دراہم، دینار اور رائج کرنسی نوٹ۔ جیسے دراہم کے بدلہ میں گندم کی بیع۔

سوم...... بیع صرف۔ بیع الدین بالدین۔ یعنی ثمن کے بدلہ میں ثمن کی بیع یعنی دراہم کے بدلہ میں دراہم یا سونے کے بدلہ میں سونے کی بیع یا عصر حاضر میں کرنسی نوٹوں کے بدلہ میں کرنسی نوٹوں کی بیع۔

چہارم...... بیع سلم، بیع الدین بالعین۔ چنانچہ بیع سلم میں مسلم فیہ مبیع کے قائم مقام ہوتی ہے اور مسلم فیہ ذمہ میں قرض ہوتا ہے، رأس المال ثمن کی جگہ ہوتا ہے، ثمن بسا اوقات کوئی چیز ہوتی ہے اور بسا اوقات دین ہوتا ہے لیکن عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس ہی میں قبضہ شرط ہے۔

---

[1]......البدائع ۵/۲۹۸۔ [2] تبیین الحقائق ۴/۳۰ غایۃ المنتہیٰ ۲/۳۳۔ [3] البدائع ۵/۲۶۸ الافصاح عن معانی الصحاح لابن ہبیرۃ ۱/۲۱۱، الشرح الصغیر ۳/۱۴۵۔ [4] الاموال ونظریۃ العقد ص۴۷۷۔ [5] المبسوط ۵/۸۴۔

بیع کی پہلی دوانواع میں قبضہ شرط نہیں یعنی بیع مقایضہ اور بیع مطلق میں، جبکہ دوسری دوانواع یعنی بیع صرف اور بیع سلم میں قبضہ شرط ہے چنانچہ بیع صرف کی صورت میں بدلین پر قبضہ کرنا شرط ہے اور بیع سلم کی صورت میں رأس المال پر قبضہ شرط ہے۔

ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی چار اقسام ہیں:

۱: بیع مرابحہ.....مبیع کے پہلے ثمن ملحوظ رکھ کر کچھ زائد معین منافع کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے۔

۲: بیع تولیہ.....ثمن میں کمی بیشی کے بغیر ہی پہلے ثمن کے ساتھ مبیع کو فروخت کرنا بیع تولیہ ہے۔

۳: بیع وضعیہ.....جس ثمن کے ساتھ مبیع حاصل کی ہو ان میں معمولی کمی کر کے مبیع کو فروخت کر دینا بیع وضعیہ ہے یعنی معین خسارہ کے ساتھ بیع کرنا۔

۴: بیع مساومہ.....کہ بیع کے وقت پہلی قیمت ملحوظ نہ ہو اور اس کے ذکر کے بغیر ہی خریدار اور فروخت کنندہ کسی قیمت پر راضی ہو جائیں، چونکہ بائع عادۃً اصل سرمایہ کو چھپانے میں رغبت کرتا ہوتا ہے، آج کل یہ بیع عام ہے۔

ان کے علاوہ بھی بیع کی اقسام ہیں جیسے استصناع (آرڈر کی بیع)، اب آئندہ صفحات میں بیع سلم، صرف، مرابحہ، تولیہ اور استصناع کو بیان کیا جائے گا، جبکہ بیع مطلق کا ذکر ہو چکا البتہ دو چیزیں باقی ہیں جو بیع کے ساتھ متعلق ہیں وہ سود (ربا) اور اقالۂ بیع ہے، میں ان دو چیزوں کو بھی آئندہ صفحات میں ذکر کروں گا۔

۱: عقدِ سلم

خاکۂ موضوع.....اس عقد کے متعلق درج ذیل مقاصد پر گفتگو ہوگی۔

پہلا مقصد.....بیع سلم کی مشروعیت۔

دوسرا مقصد.....بیع سلم کی تعریف اور اس کا رکن۔

تیسرا مقصد.....بیع سلم کی شرائط۔

چوتھا مقصد.....بیع سلم کا حکم۔

پانچواں مقصد.....بیع اور سلم میں وجوہ اختلاف۔

پہلا مقصد: بیع سلم کی مشروعیت.....کتاب، سنت اور اجماع امت سے بیع سلم کی مشروعیت ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے.....چنانچہ آیت مداینہ کی تفسیر بیع سلم سے کی گئی ہے۔ آیت یہ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ......البقرة ۲/ ۲۸۲

اے ایمان والو! جب تم معین میعاد کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ "سلف مضمون"، یعنی مقررہ مدت تک مسلم فیہ جس کا ضمان دیا گیا ہو کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی۔ [1]

---

[1].....نصب الراية ۴/ ۴۴، التلخيص الحبير ص ۲۴۲، والحديث رواه الشافعي والطبراني والحاكم والبيهقي.

سنت......ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ایک سال، دو سالوں اور تین سالوں تک کے لئے پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرنا چاہے تو وہ مقرر پیمانہ، مقرر وزن اور مقرر مدت کے ساتھ سلم کرے۔ ❶

اجماع......ابن منذرؒ کہتے ہیں: ہم نے جن جن علماء سے علم حاصل کیا ہے ان سب کا بیع سلم کے جواز پر اجماع ہے، نیز لوگوں کو بھی بیع سلم کی حاجت پیش آتی ہے چونکہ کسانوں، زمینداروں اور تجارت پیشہ لوگوں کو اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا بیع سلم جائز ہے۔ اصول بیع کے پیش نظر بیع سلم معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے قیاساً اسے جائز نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن عقد سلم کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے چونکہ اس میں اقتصادی پہلو کی رعایت ہے اور لوگوں کو عقد سلم کی رخصت دی گئی ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو۔ ❷

دوسرا مقصد: سلم کی تعریف اور اس کا رکن

تعریف......عقد سلم کو عقد سلف بھی کہا جاتا ہے۔ **بیع آجل بعاجل**۔ یعنی کسی معلوم چیز کی قیمت نقد دی جائے اور سامان ذمہ میں ادھار رہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ ثمن پیشگی دے دیئے جائیں اور مبیع (سامان) مدت مقررہ تک ذمہ میں ادھار ہو۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ نے عقد سلم کی تعریف یوں کی ہے۔ ''**هو عقد علی موصوف بذمة مؤجل بثمن مقبوض بمجلس عقد**۔'' ❹ یعنی یہ ایسا عقد ہے جو معلوم چیز پر ہوتا ہے جو ذمہ میں ادھار ہوتی ہے اور ثمن مجلس عقد میں قبضہ کر لیا جاتا ہے۔

مالکیہ نے عقد سلم کی تعریف یوں کی ہے:

انه بيع يتقدم فيه رأس المال ويتأخر المثمن لأجل

یعنی سلم ایسی بیع ہے کہ جس میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا ہے اور مثمن یعنی سامان (مبیع) ادھار ہوتی ہے۔ ❺

عقد سلم میں بھی وہی شرائط ملحوظ ہوتی ہیں جو بیع میں ہوتی ہیں اس میں کچھ زائد شرائط بھی ہیں جنہیں ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

رکن سلم......عقد سلم کا رکن ایجاب وقبول ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایجاب لفظ ''سلم، سلف اور بیع ہے'' مثلاً رب سلم (خریدار) یوں کہے: میں نے فلاں چیز میں تمہارے ساتھ بیع سلم کی، مسلم الیہ (فروخت کنندہ) کہے: میں نے قبول کی۔ یا مسلم الیہ کہے میں نے تمہیں فلاں چیز فروخت کی اور ساتھ عقد سلم کی شرائط ذکر کر دے۔ رب سلم کہے: میں نے قبول کی۔ ❻

امام زفرؒ اور شافعیہ......کہتے ہیں: عقد سلم صرف لفظ ''سلم یا سلف'' بولنے سے منعقد ہوتا ہے، چونکہ قیاس تو بیع سلم کا سرے سے مخالف ہے چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے البتہ شریعت نے ان دو لفظوں کے ساتھ عقد سلم کی اجازت دی ہے، جبکہ لفظ بیع کے ساتھ بیع سلم کرنے میں شافعیہ کے ہاں دو روایتیں ہیں، بعض کہتے ہیں: عقد سلم لفظ ''بیع'' سے منعقد نہیں ہوتا ورنہ یہ تو بیع ہے چونکہ سلم بیع سے الگ چیز ہے۔ بعض کہتے ہیں: سلم لفظ بیع سے منعقد ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ بھی بیع کی ایک قسم ہے، یہ مجلس میں قبضہ کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا لفظ بیع سے منعقد ہو گی جیسے عقد صرف ''بیع'' کے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ ❼

---

❶......اخرجه الائمة الستة في كتبهم عن ابن عباسؓ (جامع الاصول ۲/ ۱۷ نصب الراية ۴/ ۴۶) ❷المبسوط ۱۲/ ۱۲۴ فتح القدير ۵/ ۳۲۳، البدائع ۵/ ۲۰۱، رد المحتار ۴/ ۲۱۲، بداية المجتهد ۲/ ۱۹۹، مغني المحتاج ۲/ ۱۰۲ المغني ۴/ ۲۷۵. ❸المراجع السابقه. ❹غاية المنتهى ۲/ ۷۱، مغني المحتاج ۲/ ۱۰۲ كشاف القناع ۳/ ۲۷۶. ❺الشرح الكبير ۳/ ۱۹۵. ❻البدائع ۵/ ۲۰۱، غاية المنتهىٰ المكان السابق. ❼مغني المحتاج ۲/ ۱۰۲، المهذب ۱/ ۲۹۷.

سلم کے متعلق اصطلاحات.....خریدار کو ''رب سلم'' اور ''مسلم'' کہا جاتا ہے، فروخت کنندہ (بائع) کو مسلم الیہ کہا جاتا ہے، مبیع (سامان) کو ''مسلم فیہ'' کہا جاتا ہے اور ثمن (روپے جو بطور قیمت پیشگی دیئے جاتے ہیں) کو رأس المال کہا جاتا ہے۔

غیر حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کے ارکان عام بیع کی طرح تین ہیں۔ عاقد (مسلم اور مسلم الیہ) معقود علیہ (رأس المال اور مسلم فیہ) اور صیغہ یعنی ایجاب وقبول۔

تیسرا مقصد: سلم کی شرائط.....سلم میں مختلف شرائط کی رعایت کی جاتی ہے ان میں سے بعض شرائط رأس المال میں پائی جانی ضروری ہیں بعض شرائط مسلم فیہ میں پائی جانی ضروری ہیں، آئمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع سلم چھ شرائط کے ساتھ صحیح ہوتی ہے وہ یہ ہیں: جنس معلوم (مقرر) ہو، صفت متعین ہو، مقدار معین ہو، مدت مقرر ہو، رأس المال کی مقدار معلوم ہو، مسلم فیہ کے لادنے لدوانے میں اگر اخراجات ہوتے ہوں تو اس کی جگہ مقرر ہو جہاں مسلم فیہ کو سپرد کیا جا سکے۔ (تفصیل آرہی ہے)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ کیلی اشیاء (یعنی وہ چیزیں جن کی مقدار پیمانوں سے ناپ کر متعین کی جاتی ہو جیسے تیل شہد وغیرہ) موزونی اشیاء (یعنی جو اشیاء تول کر خریدی اور فروخت کی جاتی ہوں)، زرعی اشیاء (جن اشیاء کی میٹر اور گز کے ساتھ پیمائش کی جاتی ہو جیسے لکڑی اور کپڑا) اور عددی متقارب اشیاء (وہ اشیاء جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں لیکن ان کے افراد میں یا تو تفاوت نہیں ہوتا یا بہت معمولی تفاوت ہوتا ہے جیسے انڈے، مالٹے، اخروٹ وغیرہ) میں بیع سلم کرنا جائز ہے۔

رأس المال، مسلم فیہ اور مسلم کے کچھ حصہ میں اقالہ کرنے کی شرائط میں فقہاء کا اختلاف ہے میں ان شرائط کو ذکر کروں گا اور ان میں سے جن اہم شرائط میں اختلاف ہوا ہے اسے بھی بیان کروں گا۔

رأس المال کی شرائط:

حنفیہ..... نے رأس المال میں چھ شرائط کا لحاظ رکھا ہے۔

۱۔ **بیان جنس**.....یعنی رأس المال کی جنس واضح کرنا شرط ہے کہ آیا وہ دراہم ہیں، دینار ہیں (یا روپے میں) یا کوئی مکیلی چیز ہے جیسے گندم، جو وغیرہ یا موزونی ہے جیسی روئی، لوہا وغیرہ۔

۲۔ **نوعیت بیان ہو**..... اگر کسی شہر میں مختلف نقود کا رواج ہو جیسی نیشاپوری دینار، غطر ❶ یعنی دراہم یا گندم ثمن ہو تو اس کی نوع بیان کردی جائے کہ یہ گندم سقیہ ہے یا بعلیہ، اگر شہر میں نقد واحد کا رواج ہو تو اس کی جنس بیان کر دینا کافی ہے اور عرف میں ثمن سے مراد وہی ہوگا۔

۳۔ **صفت بیان ہو**.....یعنی یہ ثمن جید، عمدہ اور کھرے ہیں یا متوسط یا ردی (گھٹیا)

یہ تین شرطیں عقد میں جہالت کو ختم کرنے کے لئے لگائی جاتی ہیں چونکہ جنس، نوع اور صفت کی جہالت جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے اور اس قسم کی جہالت سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ ❷

۴۔ رأس المال کی مقدار کو واضح کر دینا کہ وہ کیلی ہے یا وزنی ہے یا عددی متقارب، رأس المال کی طرف اشارہ کر دینا کافی نہیں ہوگا یہ شرط امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے نزدیک ہے، چنانچہ اگر رب سلم (خریدار) نے کہا: میں نے یہ دراہم یا دینار بیع سلم میں تمہیں دے دیئے،

❶.....غطر یعنی غطریف بن عطار کندی کی طرف منسوب ہے، جو ہارون الرشید کے زمانہ میں خراسان کا امیر تھا۔ ❷البدائع ۵/ ۲۰۱، فتح القدیر ۵/ ۳۲۷، رد المحتار ۴/ ۲۱۵۔

ان کی طرف اشارہ کر دیا جبکہ ان کا وزن نامعلوم ہو یا کہا میں نے بیع سلم میں یہ گندم بطور ثمن تمہیں دی جبکہ گندم کی مقدار نامعلوم ہو تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔ چونکہ رأس المال کی جہالت مسلم فیہ کی مقدار کی جہالت تک پہنچا دیتی ہے اور مسلم فیہ کی مقدار کی جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔❶ یہ تفصیل تب ہے اگر کیلی، وزنی یا عددی اشیاء میں بیع سلم کی ہو۔

اور اگر بیع سلم ایسی چیز میں کی جس کا مقدار سے تعلق نہیں جیسے زرعی (گز یا میٹر سے ناپی جانے والی) اشیاء جیسے کپڑے، قالین اور لکڑی وغیرہ یا عددی متفاوت ہو جیسے خربوزے اور انار تو ان اشیاء میں گز یا میٹر کا بیان شرط نہیں بلکہ اشارہ ہی کافی ہے، حنفی علماء کے نزدیک بالاتفاق تعیین کافی ہے۔❷

حنفیہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ثمن کی مقدار کو معتاد بیع العین میں واضح کرنا شرط نہیں جبکہ ثمن کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو۔

صاحبین، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں، رأس المال کی مقدار کا معلوم ہونا شرط نہیں رأس المال کو دیکھ لینا اس کی مقدار کو معلوم کرنے کے لئے کافی ہے چونکہ یہ عوض مشاہد ہے جیسے ثمن اور معین مبیع۔❸

جبکہ اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت محفوظ نہیں البتہ اندازے کے ساتھ ان کے نزدیک بیع جائز ہے ہاں اگر غرر زیادہ ہو تو جائز ہے، مثلاً غرر کثیر ہو۔

۵۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دراہم اور دینار نقدی ہوں چونکہ جو جہالت مفضی الی نزاع ہو عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ صاحبینؒ اس شرط کے منکر ہیں۔

۶۔ رأس المال پیشگی دیا جائے اور عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس عقد میں رأس المال پر بالفعل قبضہ کر لیا جائے، برابر ہے کہ رأس المال عین ہو یا دین، اگر قبضہ سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو عقد باطل ہوگا اور فسخ ہو جائے گا۔ چونکہ اس صورت میں بیع سلم کی غرض ہی ختم ہو جائے گی، بیع سلم کی غرض پیداوار حاصل کرنے پر داد خواہی ہے۔ اگر ثمن کوئی عین (چیز جیسے گندم) ہو اور عاقدین قبضہ کے بغیر ہی جدا ہو گئے تو بیع سلم کا معنی ہی مختل ہو جائے گا، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "متعین کیل میں بیع سلف کرو۔" سلف کا معنی پیشگی دینا ہے اور بیع سلم کو سلم ہی اسی لئے کہتے ہیں کہ ثمن پیشگی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جب ثمن کی سپردگی میں تاخیر ہوئی تو بیع سلم نہیں رہے گی، لہٰذا صحیح نہیں، لہٰذا کسی ایک عوض پر قبضہ ضروری ہے تاکہ سلم کا معنی متحقق ہو جائے۔

اگر ثمن ذمہ میں قرضہ ہو مثلاً نقد مال تھا جو قرضہ ہے اس کی سپردگی بھی ضروری ہے تاکہ بیع سلم بیع الدین بالدین نہ ہو، چونکہ مسلم فیہ بھی تو ذمہ میں دین (قرضہ) ہوتی ہے چنانچہ اگر رأس المال مجلس عقد میں سپرد نہ کیا اور اس میں تاخیر کی تو یہ مبادلۃ الدین بالدین ہو جائے گا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے، کالی سے مراد بیع الدین بالدین ہے۔ نیز بیع سلم میں غرر ہوتا ہے یعنی پیشگی مال دے کر داؤ پر لگاؤ کی بات ہوتی ہے چونکہ مسلم فیہ معرض خطر میں ہوتی ہے، اب رأس المال میں تاخیر کر کے غرر میں مزید اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ شرط حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان متفق ہے۔❹

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رأس المال پر قبضہ کرنے میں تین دن یا تین سے کم دن تک تاخیر کرنی جائز ہے، اگرچہ عقد میں اس کی شرط لگا دی گئی ہو برابر ہے کہ رأس المال عین ہو یا دین ہو چونکہ سلم معاوضہ ہوتا ہے جو رأس المال پر قبضہ کرنے کی تاخیر سے بیع سلم ہونے سے نہیں نکلتا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے مجلسِ عقد کے آخر تک تاخیر کر دی گئی ہو، جو بھی کسی چیز کے قریب ہوا سے اسی چیز کا حکم ملتا ہے اس پر بیع الکالی کا

---

❶.....المرجع السابق۔ ❷فتح القدیر ۲/۱۰۴ المھذب ۱/۳۰۰، المغنی ۴/۲۹۸۔ ❸مغنی المحتاج ۲/۱۰۴ المھذب ۱/۳۰۰ حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۹۷۔ ❹فتح القدیر ۵/۲۴۲، البدائع ۵/۲۰۲ رد المحتار ۴/۲۱۸ مغنی المحتاج ۲/۱۰۲ المھذب ۱/۳۰۰ المغنی ۴/۲۹۵۔

حکم نہیں لگ سکتا۔ اگر رأس المال میں تین دن سے زیادہ تاخیر ہو جائے پھر اگر تاخیر کسی شرط سے ہو تو بالا تفاق بیع سلم فاسد ہو جائے گی برابر ہے کہ تاخیر بہت زیادہ ہو یا کم ہو۔

اگر تاخیر بغیر شرط کے ہو تو اس بارے میں مدونہ کبری میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال مروی ہیں:

۱..... بیع سلم فاسد ہو جائے گی۔

۲..... بیع سلم فاسد نہیں ہوگی، برابر ہے کہ تاخیر زیادہ ہو یا کم، معتمد قول یہی ہے کہ تین دن سے زائد میں بیع سلم فاسد ہو جاتی ہے۔ ❶

مسلم فیہ کی شرائط..... حنفیہ نے مسلم فیہ میں گیارہ شرائط لگائی ہیں۔

۱..... مسلم فیہ (بیع/سامان) کی جنس متعین ہو مثلاً یہ بتا دیا جائے کہ یہ گندم ہے یا جو وغیرہ۔

۲..... یہ کہ نوعیت معلوم ہو مثلاً بتا دیا جائے کہ گندم سقیہ ہے، سہلیہ ہے یا جبلیہ ہے۔

۳..... صفت متعین ہو۔ مثلاً بتا دیا جائے کہ گندم جید ہے، یا ردیہ ہے یا متوسط ہے۔ ملاحظہ رہے کہ جنس نوع اور صفت کے بیان کرنے پر بھی اکتفا کرلیا جاتا ہے، واضح رہے عقد میں متوقع پیداوار کا ذکر صحیح نہیں چونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے یہ جائز نہیں۔

۴..... کیل، وزن، گنتی اور ذراع سے مسلم فیہ کی مقدار متعین ہو، ان چار شرائط کی وجہ بھی وہی ہے جو رأس المال کی شرائط پر مذکور ہو چکی ہے کہ جہالت کو ختم کرنا ہوتا ہے چونکہ جنس، نوع، صفت اور مقدار کی جہالت جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”تم میں سے جو شخص بیع سلم کرنا چاہے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے اور مدت بھی متعین ہو۔ ❷

۵..... یہ کہ بدلین میں رباء فضل کی دو علتوں میں سے کوئی علت نہ پائی جائے اور وہ قدر اور جنس ہیں، چونکہ اگر علت پائی گئی تو عقد سود کو متضمن ہوگا چونکہ ربا نسیئہ کی حرمت کسی ایک وصف کے پائے جانے سے متحقق ہو جاتی ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ ربا الفضل کی علت کے دو اوصاف میں سے کوئی نہ ہو وہ کیل یا وزن اور جنس ہے، چونکہ ربا الفضل کے دو اوصاف میں سے ایک ربا نسیئہ کی علت ہے، جب بیع سلم کے بدلین میں ان دو اوصاف میں سے ایک جمع ہو جائے تو ربا نسیئہ متحقق ہو جائے گا اور وہ عقد جس میں سود ہو وہ باطل ہوتا ہے۔ اگر قدر متفق متحقق نہ ہو مثلاً مسلم فیہ الگ چیز ہو اور رأس المال کوئی اور چیز ہو دونوں کی قدر مختلف ہو جیسے نقدی روپے کے بدلہ میں گندم کی بیع، یا دراہم کے بدلہ میں زعفران کی بیع تو بیع سلم صحیح ہوگی چونکہ ربا نسیئہ کی علت معدوم ہے، اور وہ قدر اور جنس ہے۔ جنس کا مختلف ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک طرف گندم ہے اور دوسری طرف نقدی مال (روپے) ہے۔ رہی بات قدر کی سو ثمن کی قدر الگ ہے اور سامان (مبیع) کی قدر بھی جدا ہے چنانچہ نقود کا وزن مثقال سے کیا جاتا ہے جبکہ گندم کا وزن پیمانہ سے کیا جاتا ہے، اور گندم مکیلی چیز ہے اور نقود موزونی۔ ❸

مالکیہ نے اس شرط کو یوں بیان کیا ہے کہ رأس المال اور مسلم فیہ جنس کے اعتبار سے جدا جدا ہوں تو بیع سلم میں نسیئہ (ادھار) جائز ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں ایک دوسرے کے بدلہ میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ چونکہ سونے چاندی میں بیع سلم سود ہے، اسی طرح غلہ کے بدلہ میں غلہ کی بیع سلم کرنا بھی جائز نہیں چونکہ اس میں بھی سود ہے۔ جانور میں سونے اور چاندی کی بیع سلم کرنا جائز ہے سامان اور غلہ میں بھی جائز ہے، سامان کے بدلہ میں سامان کی بیع سلم بھی جائز ہے۔ ❹

۶..... یہ کہ مسلم فیہ ایسی چیزوں میں سے ہو جو متعین ہونے سے متعین ہو جاتی ہیں، اگر مسلم فیہ ایسی چیزوں میں سے، ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم اور دینار ان میں بیع سلم جائز نہیں۔

---

❶..... حاشیۃ الدسوقی ۱۹۵/۳ المنتقی ۳۰۰/۴ القوانین الفقھیۃ ص ۲۶۹۔ ❷ المبسوط ۱۲۴/۱۲، فتح القدیر ۳۳۷/۵، البدائع ۲۰۷/۵، رد المحتار ۲۱۵/۴۔ ❸ البدائع ۱۸۶/۵، رد المحتار ۲۱۷/۴۔ ❹ القوانین الفقھیۃ ص ۲۶۹۔

آیا سونے چاندی کی ڈلی (ٹکیہ) میں بیع سلم جائز ہے، چنانچہ اس بارے میں دو روایتیں ہیں:

۱.....ایک روایت یہ کہ جائز نہیں چونکہ سونے چاندی کی ڈلی دراہم اور دینار کے قائم مقام ہے۔

۲.....دسری روایت یہ ہے کہ اس میں بیع سلم جائز ہے چونکہ سونے چاندی کی ڈلی بمنزلہ سامان کے ہے۔

اس اصول پر مختلف مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ گنتی کر کے فلوس (روپوں اور پیسوں) میں بیع سلم۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک فلوس ثمن مطلق نہیں ہوتے بلکہ تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں جیسے گنتی کیا جانے والا سامان۔ جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فلوس میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ فلوس ان کے نزدیک ثمن کے حکم میں ہیں۔ ❶

۷..... یہ کہ مسلم فیہ ادھار ہو، اس شرط میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مسلم فیہ ادھار ہو، مسلم فیہ اگر فی الحال ہاتھوں ہاتھ سونپی جائے تو یہ صحیح نہیں، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرنا چاہے تو وہ متعین کیل، متعین وزن اور متعین مدت میں سلم کرے۔ چنانچہ اس حدیث میں مدت کا حکم آیا ہے جو ادھار سے متعلق ہے، امر وجوب کا مقتضی ہوتا ہے، جیسا کہ مسلم فیہ کا کیلی یا موزونی ہونا واجب ہے، نیز بیع سلم لوگوں کی آسانی کے لئے مشروع ہوئی ہے آسانی ادھار ہی کی صورت میں مقصود ہو سکتی ہے، جب وہ (ادھار) نہیں ہوگا تو آسانی بھی نہیں ہوگی۔ ❷

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ..... کہتے ہیں: ہاتھوں ہاتھ نقدی اور ادھار دونوں طرح بیع جائز ہے، اگر نقدی اور ادھار سے مطلق بیع سلم کی جبکہ مسلم فیہ فی الحال موجود ہو تو عقد فی الحال منعقد ہوگا چونکہ بیع سلم جب ادھار جائز ہے تو نقدا فی الحال بطریق اولیٰ جائز ہوگی، چونکہ اس صورت میں غرر سے بھی دوری ہوگی۔ حدیث میں ''متعین مدت'' سے مراد مدت کا علم ہونا ہے نفس مدت مراد نہیں۔ بیع سے سلم کی طرف عدول کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مبیع کے غائب ہوتے ہوئے عقد جائز رہے گا چنانچہ جب مبیع موجود نہ ہو اور دیکھی نہ جا رہی ہو تو شافعیہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہوتی اگر چہ مبیع کو حاضر کرنے تک عقد مؤخر ہی کیوں نہ کر دیا جائے، بسا اوقات مبیع ضائع بھی ہو جاتی ہے یا خریدار اسے حاصل نہیں کر پاتا۔ ❸

بیع سلم کی مدت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کی مدت ایک مہینہ کے لگ بھگ ہے، چونکہ ادھار کا معاملہ کرنے والے کے لئے یہ ادنیٰ مدت ہے اور نقدی معاملہ کرنے والے کے لئے دور کی مدت ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: بیع سلم کی کم از کم مدت نصف مہینہ ہے، چونکہ اس مدت میں مارکیٹوں کا اتار چڑھاؤ ہو جاتا ہے اور اس دوران مسلم فیہ حاصل ہو جاتی ہے، الا یہ کہ جب محض وصول سے مسلم فیہ کے قبضہ کی شرط ہو جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہو اور مسافت عقد والے شہر سے دو دن کی ہو چونکہ دونوں شہروں میں مارکیٹوں کے اتار چڑھاؤ کا اختلاف ہو جاتا ہے اگر چہ بالفعل اختلاف نہ ہو، اور عقد میں یہ بھی شرط ہو کہ مسلم فیہ کو لے کر فوراً شہر کی طرف چل پڑنا ہے جیسے رب سلم اور مسلم الیہ کا نکلنا شرط ہے اور یہ کہ راس المال پر مجلس میں یا اس کے قریب کہیں قبضہ کرنا شرط ہے، یہ کہ خشکی کا دو دن کا سفر ہو چونکہ بسا اوقات دو دن کی مسافت نصف دن میں قطع ہو جاتی ہے، یوں سلم فی الحال پوری ہو جاتی

---

❶ المبسوط ۱۲/۱۳۶، البدائع ۵/۲۰۱. ❷المبسوط ۱۲/۱۲۵، البدائع ۵/۲۱۲، فتح القدیر ۵/۳۳۵، المنتقی علی المؤطا ۴/۲۹۷ بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۱ حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۰۵، المغنی ۴/۲۸۹ القوانین الفقھیۃ ص ۲۸۹. ❸المھذب ۱ ص ۲۹۷، مغنی المحتاج ۲ ص ۱۰۵.

ہے، جب ان پانچ شرائط میں سے کوئی شرط مختل ہوگی تو مدت کی تعیین ضروری ہوگی۔
جب یہ شرائط پائی جائیں تو مالکیہ کے نزدیک نصف مہینہ کی مدت شرط نہیں۔
علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مدت کا متعین ہونا ضروری ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلَى اَجَلٍ مُّسَمًّى ......البقرة ۲ ۲۸۲

جب تم لین دین کا متعین مدت تک معاملہ کرو۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "متعین مدت تک۔" عقلی وجہ یہ ہے کہ مدت کے متعین ہونے سے مسلم فیہ کی سپردگی کا وقت، واحد ہوگا اگر مدت مقرر نہ ہو تو یہ اختلاف باقی رہے گا، اور رب سلم دھوکے میں پڑ جائے گا، البتہ مدت کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: بعینہ زمانے کی تحدید ضروری ہے (مثلاً مہینہ، وزن اور تاریخ مقرر کی جائے)، چنانچہ غلہ گاہنے، صاف کرنے، نیروز جو کہ قبطی سال کا پہلا دن ہے اور موسم بہار کا پہلا دن ہوتا ہے، مہرجان جو خریف کا پہلا دن ہوتا ہے، نصاریٰ کی عید، حاجیوں کی واپسی، موسم گرما، سرما وغیرہ کو مدت میں مقرر کرنا صحیح نہیں ❶ مثلاً یوں کہنا کہ جب حاجی واپس آ جائیں گے میں مسلم فیہ سپرد کر دوں گا۔

ان فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع سلم متعین مدت تک ہو، جبکہ مذکور بالا اوقات سے مدت کی تعیین باعث نزاع ہے، چونکہ ان اوقات میں تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے۔ اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے کہ آپس میں خرید وفروخت کا معاملہ غلہ کاٹنے اور گاہنے کی مدت تک نہ کرو، ❷ تمہارا معاملہ صرف متعین مہینہ تک ہونا چاہئے۔ ❸

مالکیہ...... کہتے ہیں: ان اوقات کو مدت میں طے کرنا صحیح ہے اور بیع سلم جائز ہے، ان اوقات میں متوسط وقت معتبر ہوگا جس میں ان امور کا صدور غالب ہو، مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مدت ایسے وقت کے ساتھ متعلق ہے جو عرف اور عادت سے معلوم ہو جاتے ہیں ان میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں ہوتا لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے سال کے آخر میں۔ ❹

۸..... یہ کہ مسلم فیہ (یعنی مبیع) کی جنس بمعہ اپنی نوع اور صفت کے بازاروں میں دستیاب ہو، اور عقد کے وقت سے لے کر مدت پوری ہونے تک برابر دستیاب رہے۔ اور لوگوں کے پاس سے اس کا منقطع متوہم نہ ہو، اگر مسلم فیہ بوقت عقد یا مدت پوری ہونے کے وقت بازاروں میں موجود نہ ہو یا درمیان مدت میں لوگوں کے ہاں ختم ہو جائے جیسے پھل، دودھ وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں تو پھر بیع سلم جائز نہیں، چونکہ فی الحال سپردگی پر قدرت حاصل ہے اور مدت پوری ہونے کے وقت اس کا پایا جانا مشکوک ہے، ہوسکتا ہے ختم ہو جائے، اگر مدت پوری ہونے تک مسلم فیہ بازاروں میں دستیاب ہے تو اسے سپرد کرنے پر قدرت ثابت ہو جائے گی، اگر اس سے قبل ضائع ہوگی تو سپردگی نہیں ہوگی، بالفاظ دیگر یوں کہا جائے گا کہ یہ شرط اس لئے لگائی جاتی ہے تاکہ مسلم فیہ کی سپردگی یقینی ہو جائے۔

مذکور بالا تفصیل کی روشنی میں بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلم فیہ اگر کسی متعین جگہ کی طرف منسوب کی گئی ہو اور پھر اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے اس کا ضائع ہونا محتمل ہو جیسے کسی خاص جگہ کی گندم تو اس صورت میں بیع سلم کرنا جائز نہیں چونکہ مبیع کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں ہوگی بلکہ یہ تو

❶.... فتح القدير ۵ ۲۲۲. ❷ چونکہ اس میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے۔ ❸قال الحافظ الزيلعي روى البيهقي في كتاب المعروه من طريق الشافعي عن ابن عباس. نصب الراية ۴/ ۲۱. ❹المنتقى على الموطا ۴/ ۲۹۸، القوانين الفقهية ص ۲۶۹.

بلا وجہ کا غرر ہے لہٰذا عقد کی صحت محتمل ہوگی۔

اگر مسلم فیہ کسی ایسی جگہ کی طرف منسوب ہو جس کی کامیابی کا احتمال نہ ہو جیسے خراسان کی گندم، عراق کی گندم (پنجاب کی گندم) تو بیع سلم جائز ہوگی چونکہ غالب امکان دستیابی کا ہے اور غالب یقینی امر ہے۔

بعض حنفی مشائخ کہتے ہیں: اگر مسلم فیہ کسی بڑے شہر یا ملک کی طرف منسوب ہو تو بیع سلم جائز نہیں ان مشائخ کی تعبیر یوں ہے۔ ''بیع سلم صرف ایک ولایت کے غلہ میں جائز ہے چونکہ اس کے ماوراء انقطاع کا وہم ثابت شدہ ہے، لیکن صحیح مذہب پہلا ہے۔ ❶ یہ حنفیہ کا مذہب بیان ہوا۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ...... کہتے ہیں: یہ شرط ہے کہ مسلم فیہ عام اور وافر پائی جاتی ہو اور انقطاع کا خوف نہ ہو یعنی مدت پوری ہونے کے وقت مسلم فیہ دستیاب ہو، برابر ہے عقد کے وقت مسلم فیہ پائی جائے یا نہ پائی جائے۔

چونکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ مسلم فیہ کی سپردگی پر قدرت ہو لہٰذا سپردگی کے وقت کا اعتبار ہوگا، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ایک سال اور دو سال تک پھلوں میں بیع سلم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بیع سلم کرنا چاہے وہ معین کیل، متعین وزن اور متعین مدت میں بیع سلم کرے۔'' حدیث میں یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ بوقت عقد مسلم فیہ موجود ہو، اگر یہ شرط ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور ذکر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال تک بیع سلم کی مدت سے منع فرمایا ہے چونکہ اس مدت کے وسط میں مسلم فیہ کے کامیاب ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔ ❷

البتہ مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مسلم فیہ کا التزام مطلقاً ذمہ میں ہو، معین چیز میں سلم جائز نہیں جیسے کسی متعین بستی کی گندم، اسی اصول کے مطابق بالاتفاق زمین میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ زمین متعین ہوتی ہے۔ ❸

غیر حنفیہ کا اجتہاد راجح ہے۔ ❹

حنفیہ کے اجتہاد کے مطابق اگر مدت پوری ہونے پر مسلم فیہ دستیاب نہ ہو تو خریدار کو بیع باقی رکھنے اور فسخ کرنے میں اختیار ہوگا۔ ❺

۹...... یہ کہ عقد سلم قطعی ہو اور عقد میں کسی عاقد کو خیار شرط حاصل نہ ہو، چنانچہ اگر رب سلم نے سو روپے دیئے اور چند دن کی مدت متعین کر کے گندم لینی قرار پائی ساتھ خریدار نے اپنے لئے خیار شرط رکھ لیا تو بیع سلم فاسد ہو جائے گی، چونکہ خیار شرط کے ساتھ بیع کا جواز خلاف قیاس لوگوں کی رعایت کے لئے ثابت ہے اس پر سلم کو قیاس نہیں کیا جائے گا چونکہ بیع سلم میں خیار شرط کی چنداں حاجت نہیں۔ نیز خیار شرط کی مشروعیت غبن دور کرنے کے لئے ہے جبکہ بیع سلم کا دارومدار غبن اور نقص ثمن پر ہے چونکہ بیع سلم کو مفلسین کی بیع کہا جاتا ہے لہٰذا خیار شرط کی نص میں داخل نہیں ہوگی۔

اگر مجلس عقد ہی میں رب سلم اور مسلم الیہ نے خیار شرط کو ختم کرنے پر اتفاق کر لیا جبکہ رأس المال مسلم الیہ کے پاس محفوظ اور موجود ہو تو جمہور حنفیہ کے نزدیک عقد سلم درست ہو جائے گا، البتہ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر رأس المال ضائع ہوگیا تو عقد سلم صحیح نہیں ہوگا چونکہ اس صورت میں رأس المال مسلم الیہ پر قرض ہو جائے گا جبکہ اگر رأس المال قرضہ ہو تو بیع سلم منعقد نہیں ہوتی۔

اس شرط کو رأس المال پر قبضہ کرنے کی شرط میں داخل سمجھا جاسکتا ہے کہ عقدِ مجلس ہی میں رأس المال پر فیصلہ شرط ہے جو خیار، مجلس عقد میں ثمن کی حوالگی کے خلاف ہے۔

---

❶......المبسوط ۱۲/۱۳۴ فتح القدير ۵/۳۳۱، البدائع ۵/۲۱۱۔ ❷المنتقى على الموطا ۴/۳۰۰ حاشية الدسوقی ۳/۲۱۱ مغنی المحتاج ۲/۱۰۲، المهذب ۱/۲۹۸، المغنی ۴/۲۹۳ غاية المنتهىٰ ۲/۷۹۔ ❸القوانين الفقهية ص ۱۶۹۔ ❹عقد البيع ص ۱۲۰۔ ❺رد المحتار ودرالمختار ۴/۲۱۴، عقد البيع المرجع السابق

ملاحظہ رہے کہ خیار رؤیت اور خیار عیب رأس المال میں حاصل ہوگا بشرط یہ کہ رأس المال قیمتی یا مثلی چیز ہو، اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا چونکہ خیار عیب اور خیار رؤیت بدل میں ثبوت ملک سے مانع نہیں ہیں۔

رہی بات مسلم فیہ کی سو اس میں بالاتفاق خیار رؤیت ثابت نہیں ہوگا چونکہ خیار رؤیت ان چیزوں میں ثابت نہیں ہوتا جو ذمہ میں بطور دین ثابت ہوں، چونکہ یہاں خیار رؤیت کا کوئی فائدہ ہی نہیں چونکہ خیار رؤیت کا ثمرہ یہ ہوا ہے کہ جب مبیع دیکھنے پر خریدار کو نہ بھائے تو وہ اسے رد کر دیتا ہے جبکہ مسلم فیہ کوئی متعین چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ ذمہ میں دین ہوتی ہے جو مثل کی مقتضی ہے، اگر خیار رؤیت کے پیش نظر مسلم فیہ کو واپس کر دیا گیا تو دین جیسے تھا ویسے واپس کر دیا گیا، اور دوسری مثل کو ادا کرنا واجب ہوگا یوں خیار کی وجہ سے اس کا رد ممکن ہوگا اور یہ تسلسل برقرار رہے گا۔ اسی لئے تو صحت سلم کے لئے مبیع کے وصف پر اکتفا کر لیا گیا ہے، اور بیان وصف معاینہ کے قائم مقام ہے۔

رہی بات خیار عیب کی سو مسلم فیہ میں اس کا ثبوت صحیح ہے چونکہ قبضہ تمام ہونے سے مانع نہیں۔ ❶

۱۰..... اگر مسلم فیہ کے لادنے اور لدوانے میں خرچہ ہو تو اس کی ادائیگی کی جگہ متعین ہو جیسے گندم، جو وغیرہ یہ شرط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

منشائے اختلاف یہ ہے کہ عقد کی جگہ ادائیگی کے لئے بھی متعین ہو جاتی ہے ان چیزوں کے لئے جن کے لادنے میں خرچہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: عقد کی جگہ ادائیگی کے لئے متعین نہیں ہوتی چونکہ جب عقد کسی جگہ کی تعیین سے مطلق خالی ہو تو ادائیگی کے لئے وہ جگہ متعین نہیں ہوگی، لہٰذا جب جگہ متعین نہیں ہوگی تو ادائیگی کی جگہ مجہول رہ جائے گی جو مفضی الی النزاع ہے۔

صاحبین...... کہتے ہیں: ادائیگی کے لئے عقد کی جگہ متعین ہے یہاں ایسی جہالت نہیں ہوتی جو مفضی الی النزاع ہو لہٰذا بیع سلم صحیح ہوگی، اور ادائیگی کے وجوب کا سبب عقد ہوتا ہے جبکہ عقد اسی جگہ ہوا ہے لہٰذا ادائیگی کے لئے یہی عقد کی جگہ متعین ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین پر یوں رد کیا ہے کہ عقد عاقدین کے ساتھ قائم ہوتا ہے جگہ کے ساتھ نہیں، یہ تو متعاقدین کی جگہ ہوئی عقد کی جگہ نہیں لہٰذا اس جگہ عقد نہیں پایا گیا۔

یہ اختلاف دیگر مسائل میں بھی چلے گا چنانچہ عقد اجارہ میں اجرت ادائیگی کی جگہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعین کرنی ضروری ہوگی صاحبین کے نزدیک وہی جگہ متعین ہے جہاں عقد اجارہ ہوا۔ چنانچہ اجرت پر دی ہوئی چیز اگر زمین ہو یا گھر ہو تو زمین اور گھر ادائیگی کے لئے متعین ہے، اگر اجرت پر جانور لیا ہو تو جانور کی روانگی کے شروع میں اجرت دینی ہوگی، اگر کپڑا جو رنگریزی کے لئے دیا گیا ہو تو اسی جگہ اجرت دینا ضروری ہے جہاں کپڑا دیا ہو، صاحبین کے نزدیک عقد کی جگہ سپردگی اور ادائیگی کے لئے متعین ہے بشرط یہ کہ اس جگہ سپردگی ممکن ہو، اگر سپردگی ممکن نہ ہو مثلاً عقد سمندر میں ہوا ہو یا کسی پہاڑ پر ہوا ہو تو یہ جگہ سپردگی کے لئے متعین نہیں ہوگی، البتہ اس کے قریب جو جگہ ہو وہ متعین ہوگی۔

اگر مسلم فیہ کوئی ایسی چیز ہو جس کے لادنے اور لدوانے میں کوئی مشقت اور خرچہ نہ ہو جیسے جواہر موتی وغیرہ تو اس کی سپردگی کی جگہ کے بارے میں حنفیہ سے دو روایتیں مروی ہیں۔

۱..... عقد جس جگہ طے ہوا وہی جگہ سپردگی کے لئے متعین ہے یہ صاحبین کا قول ہے۔

۲..... یہ روایت حنفیہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں بھی مسلم الیہ، رب سلم سے ملاقات کرے وہیں سپرد کر دے، چونکہ جگہیں سبھی برابر ہوتی ہیں، چونکہ وہ چیزیں جن کے اٹھانے میں مشقت نہ ہو جگہ کے بدلنے سے ان کی قیمت میں تفاوت

---

❶..... فتح القدیر ۵/۳۴۳، عقد البیع ص ۱۱۹۔

نہیں پڑتا۔ ❶

اگر خریدار اور فروخت کنندہ نے عقد کی جگہ کے علاوہ کوئی اور جگہ متعین کر دی تو پھر اگر اس چیز کے لادنے لدوانے میں خرچہ ہوتا ہو تو وہ جگہ متعین ہو جائے گی اگر خرچہ نہ ہوتا ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں:

۱..... وہ جگہ متعین نہیں ہوگی جس جگہ چاہے فروخت کنندہ سپرد کر سکتا ہے۔

۲..... وہ جگہ متعین ہو جائے گی، یہی روایت زیادہ صحیح ہے چونکہ اس صورت میں رب سلم کو راستے کے خطرات سے امن ملتا ہے۔

مالکیہ..... کہتے ہیں: مبیع سپرد کرنے کی جگہ کی شرط زیادہ بہتر ہے۔ ❷

شافعیہ..... کہتے ہیں: مسلم فیہ جب کسی ایسی جگہ سپرد کی جائے جو سپردگی کے قابل نہ ہو یا سپردگی کے قابل ہو اور مسلم فیہ کے لادنے میں مشقت اور خرچہ بھی ہو تو اس صورت میں مسلم فیہ کی سپردگی کی کو متعین کرنا شرط ہے، چونکہ ہر جگہ کی غرض میں تفاوت ہوتا ہے، اور اگر عقد کی جگہ سپردگی کے قابل ہو جبکہ مسلم فیہ کے اٹھانے میں کوئی دشواری نہ ہو تو سپردگی کی جگہ کو متعین کرنا شرط نہیں۔ بلکہ عرف عام کے مطابق عقد کی جگہ متعین ہوگی۔ ❸

حنابلہ..... کہتے ہیں: مسلم فیہ کی سپردگی کے لئے جگہ کی تعیین شرط نہیں البتہ اختلاف کی صورت میں عقد کی جگہ متعین ہے۔ ❹

۱۱..... مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو جن کی صفات ضبط میں لائی جا سکتی ہوں یعنی مبیع ایسا مال ہو جو ذمہ میں ثبوت کو قبول کرتا ہو، یہ تبھی ہو سکتا ہے جب مبیع مثلیات میں سے ہو مثلاً مبیع مکیلی ہو یا موزونی ہو یا لیٹر اور گز سے اس کی پیائش کی جاتی ہو یا عددی متقارب ہو جیسے غلہ جات، پھل، آٹا، کپڑے، روئی، لوہا، سیسہ، ادویات، اخروٹ، انڈے وغیرہ، چونکہ مکیلی اور موزونی اشیاء کی مقدار اور وصف کو ضبط میں رکھنا ممکن ہوتا ہے اور اگر ان میں تفاوت ہو بھی تو بہت تھوڑا ہوتا ہے، چونکہ مکیلی اشیاء ذوات الامثال میں سے ہوتی ہیں، رہی بات متقارب کی جو میٹر اور گز سے ناپی جاتی ہوں یا عددی ہوں تو ان میں اگر جہالت ہو بھی تو بالکل معمولی ہوتی ہے جو جھگڑے تک نہیں پہنچاتی۔

اگر مبیع ایسی اشیاء میں سے ہو جس کا وصف ضبط نہیں کیا جا سکتا جیسے عددی متفاوت اشیاء اور میٹر، گز سے ناپی جانے والی متفاوت اشیاء جیسے گھر، زمین، جواہر، موتی، کھالیں، لکڑ، سریا، انار کے دانے، ناشپاتی، خربوزے وغیرہ تو ان میں بیع سلم کرنا جائز نہیں، چونکہ ان اشیاء کے وصف کا ضبط میں لانا ممکن نہیں چونکہ ان اشیاء کی جنس نوع، صفت، مقدار کو بیان کرنے کے بعد بھی جہالت فاحشہ باقی رہتی ہے جو مفضی الی النزاع ہوتی ہے، چونکہ ان اشیاء کی اکائیوں میں مالیت کے اعتبار سے زبردست تفاوت ہوتا ہے، چنانچہ ایک جوہر اور دوسرے جوہر میں، ایک موتی اور دوسرے موتی میں، ایک جانور اور دوسرے جانور میں، ایک کھال اور دوسری کھال میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے۔ اسی تفاوت کی وجہ سے اور بڑا چھوٹا ہونے کی وجہ سے قیمت بھی مختلف ہوتی ہے، یوں بیع کا وقوع مجہول چیز پر ہوگا اور مجہول چیز کی بیع جائز نہیں ہوتی۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے، ملاحظہ رہے کہ حنفیہ عددی متقارب اشیاء میں بیع سلم کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں خواہ وہ انہیں پیمانے سے ناپ کر دیا جائے یا وزن کر کے یا گنتی کر کے، رہی بات عددی متفاوت کی سو ان میں حنفیہ بیع سلم کو ناجائز قرار دیتے ہیں نہ وزن سے جائز ہے نہ گنتی سے۔ ❺

مالکیہ..... کہتے ہیں: بیع سلم ان چیزوں میں سے بھی صحیح ہے جن کا وصف ضبط کیا جائے اور ان میں بھی جائز ہے جن کا وصف ضبط میں نہ لایا جاتا ہے جبکہ رب سلم نے کسی متعین چیز کی شرط رکھی ہو جس کی جنس، صفت، مقدار متعین ہو وہ چیز موزونی ہو تو وزن کے ساتھ دی جائے، مکیلی ہو تو پیمانہ کے ساتھ لیٹر یا گز سے ناپی جاتی ہو تو ناپنے کے ساتھ سپرد کی جائے، یا عددی ہو تو گنتی کر کے، چونکہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی شرط

---

❶..... فتح القدیر ۳۴۲/۵، البدائع ۲۱۳/۵. ❷ القوانین الفقھیة ص ۲۷۰. ❸ مغنی المحتاج ۱۰۴/۲. ❹ غایة المنتھی ۸۰/۲. ❺ المبسوط ۱۳۱/۱۲، البدائع ۲۰۸/۵، فتح القدیر ۳۲۴/۵، رد المحتار ۲۱۳/۴ الفوائد البھیة ص ۳۵.

یہ ہے کہ مسلم فیہ کو ضبط میں لایا جاسکے، اور مسلم فیہ کا ضبط عادت وعرف کے موافق ہوتا ہو وزن سے یا کیل سے یا عدد سے یا ذراع سے، رہی بات عددی متقارب اشیاء کی تو ان میں بیع سلم گنتی کر کے جائز ہے چونکہ ان میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ ❶

شافعیہ...... کہتے ہیں: جن اشیاء کی صفت ضبط کی جاسکے ان میں بیع سلم صحیح ہے اور جن کی صفت ضبط میں نہ لائی جاسکے ان میں بیع سلم جائز نہیں۔ جبکہ عددی متقارب اشیاء جیسے اخروٹ وغیرہ تو ان میں بیع سلم وزن، کیل اور ذراع کے ساتھ صحیح ہے جبکہ گنتی کے ساتھ صحیح نہیں چونکہ عددی اشیاء مختلف ہوتی ہیں، لہٰذا گنتی کر کے جائز نہیں جیسے خربوزے۔ رہی بات عددی متفاوت کی سو ان میں بیع سلم وزن کے ساتھ جائز ہے جیسے خربوزے، بینگن، ککڑی، ناشپاتی، انار وغیرہ، چونکہ یہ اشیاء تفاوت کی وجہ سے کیل سے ضبط میں نہیں لائی جاسکتیں، نیز ان میں گنتی کافی نہیں ہوگی، چونکہ ان میں بکثرت تفاوت ہوتا ہے لہٰذا ان میں وزن ہی مقرر ہے۔ ❷

حنابلہ...... کہتے ہیں: ان اشیاء میں بیع سلم صحیح ہے جو وصف سے ضبط کی جاسکتی ہوں جیسے مکیلی اور موزونی اشیاء، ان چیزوں میں صحیح نہیں جو ضبط میں نہ لائی جاتی ہوں۔ رہی بات عددی متفاوت کی ان میں دو صورتیں ہیں:

۱...... ان میں بیع سلم صحیح ہے اور ان کے افراد چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے ضبط میں لائے جاسکتے ہیں۔

۲...... یہ کہ بیع سلم صرف وزن کے ساتھ صحیح ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ ❸

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب تر ہے البتہ عددی متقارب اشیاء میں اور عددی متفاوت اشیاء میں اختلاف ہے، مالکیہ نے ان اشیاء میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے جن کا وصف ضبط میں لایا جاسکتا ہو۔

اب میں کچھ ایسی مبیعات کا تذکرہ کروں گا جن کا ضبط وصف کی شرط سے کوئی ثمرہ نکل پاتا ہے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

جانور میں بیع سلم...... وزن کے ساتھ چکیوں اور چربیوں میں بلا اختلاف بیع سلم جائز ہے، جبکہ جانور میں بیع سلم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: جانور خواہ جس حالت میں ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے، ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور میں بیع سلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ❹ عقلی دلیل یہ ہے کہ مالیت کے اعتبار سے جانوروں میں شدید اختلاف اور تفاوت پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جانور کو ضبط میں لانا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے اگرچہ جملہ اوصاف بیان کر دیئے جائیں، جانور میں پایا جانے والا اختلاف جھگڑے تک پہنچا دیتا ہے، جیسے عددی متفاوت میں ہوتا ہے۔ ❺

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: جانور میں بیع سلم جائز ہے، ان فقہاء نے بیع سلم کو قرض پر قیاس کیا ہے کہ جانور کو قرض پر لیا جاسکتا ہے، چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان اونٹ قرضہ میں لیا۔" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں ادھار خرید یں۔ ❻ یہ بیع سلم ہے قرضہ نہیں چونکہ اس میں مدت بھی ہے اور اضافہ بھی ہے۔

---

❶...... بداية المجتهد ۲/۲۰۰ حاشية الدسوقی ۳/۲۰۷، المنتقى على المؤطا ۴/۲۹۲۔ ❷ المهذب ۱/۲۹۷ مغنی المحتاج ۲/۱۰۷۔ ❸ المغنی ۴/۲۷۶۔ ❹ اخرجه الحاكم والدار قطنی عن ابن عباسؓ قال الحاكم حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه والصحيح ان فی اسناده اسحاق بن ابراهيم جوتی وهو واهی الحديث قال عنه ابن حبان منكر الحديث ياتی عن الثقات بالموضوعات۔ ❺ المبسوط ۱۲/۱۳۱، فتح القدير ۵/۳۲۷، البدائع ۵/۲۰۹۔ ❻ راوی الحديث الاول ابوداؤد والدارقطنی والبيهقی من طريقه ومكن فی اسناده ابن اسحاق وقد اختلف عليه فيه والحديث الثانی رواه ابوداؤد

رہی بات جانور میں بیع سلم کرنے سے متعلق ممانعت والی حدیث کی چنانچہ ابن سمعانی نے اصطلام میں لکھا ہے کہ "یہ حدیث ثابت نہیں اگر چہ حاکم نے روایت کی ہے۔" البتہ ان فقہاء کے نزدیک جانور میں بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ جانور کی نوع، عمر، نر و مادہ ہونے، رنگ، قد و قامت وغیرہ بیان کئے ہوں۔ ❶

بمعہ ہڈی گوشت میں بیع سلم

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ...... کہتے ہیں: بمعہ ہڈی کے گوشت میں بیع سلم جائز نہیں چونکہ اس میں دو وجہوں سے جہالت پائی جاتی ہے جو نزاع تک پہنچا دیتی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ گوشت میں فربہی اور لاغری کا پہلو ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ ہڈیوں کے کم اور زیادہ ہونے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ہڈی سے گوشت الگ کر لیا جائے تب بھی بیع سلم گوشت میں جائز نہیں، چونکہ فربہی اور لاغری کے حوالے سے اس میں جہالت ہے، ثبوت حکم کے لئے بس اتنا کافی ہے چونکہ دو مستقل علتوں کے ساتھ معلل حکم ایک علت کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتا ہے جیسے دونوں علتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ❷

صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: گوشت میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ گوشت کی صفات ذکر کر کے ضبط میں لائی جائیں مثلاً گوشت کی جنس بیان کی جائے کہ آیا بکری کا ہوگا یا گائے کا، نوع بیان کی جائے کہ نر کا گوشت ہوگا یا مادہ کا، پھر اگر نر کا ہو تو وہ نر خصی ہو یا حرامی، باہر چرنے والا یا گھر پر چارا کھانے والا، اس کی عمر بیان کر دی گئی ہو کہ گوشت دو سالہ کا ہوگا یا جذعہ کا، اس کی صفت بیان کی گئی ہو کہ فربہ ہوگا یا لاغر یا درمیانہ، کس جگہ کا گوشت چاہئے، ران کا، دستی اور شانے کا یا پہلو کا، اس کی مقدار بھی بیان کی گئی ہو کہ دس کلو مثلاً اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بیع سلم کرے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے۔" بظاہر یہ حدیث ہر موزونی چیز کی اباحت کے متعلق ہے، نیز جب جانور میں بیع سلم جائز ہے تو گوشت میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

مچھلی میں بیع سلم...... جمہور کے نزدیک مچھلی میں بیع سلم ایسے ہی ہے جیسے گوشت میں، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں اختلاف ہے، البتہ صحیح روایت جسے مذہب کا درجہ دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹی مچھلیوں میں کیل یا وزن کے ساتھ بیع سلم جائز ہے، اس میں نمک لگی مچھلی اور تازہ مچھلی، دونوں برابر ہیں۔ چونکہ چھوٹی مچھلیوں میں فربہی اور لاغری کے اعتبار سے زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ مچھلی میں ہڈی کا اختلاف بھی نہیں ہوتا برخلاف گوشت کے۔

رہی بات "بڑی مچھلیوں کی تو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ جس طرح بھی وزن ہو بیع سلم جائز ہے۔" ❸

کپڑوں میں بیع سلم...... کپڑے ان اشیاء میں سے ہوتے ہیں جو عددی متفاوت ہوتی ہیں، حنفیہ کے نزدیک از روئے قیاس کپڑوں میں بیع سلم جائز نہیں، چونکہ کپڑے ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں۔ ❹ چونکہ ان میں فاحش قسم کا تفاوت ہوتا ہے۔ البتہ استحساناً کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ جب جنس، نوع، صفت اور کپڑے کی موٹائی باریکی بیان کر دی گئی ہو، اور لمبائی چوڑائی کی بیان کر دی گئی ہو، یوں لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر کپڑوں کو مثلی اشیاء کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

اگر ریشم کا کپڑا ہو تو اس کے وزن کے بیان کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض مشائخ کا اصح قول یہ ہے کہ ریشمی کپڑے کا وزن

---

❶ ...... على الموطا ۲۹۳/۴، بداية المجتهد ۲۰۰/۲ حاشية الدسوقی ۲۰۷/۳، مغنی المحتاج ۱۱۰/۲ المغنی ۲۰۸/۴ ...... المبسوط ۱۳۳/۲، البدائع ۲۱۰/۵ فتح القدير ۳۳۳/۵، ردالمحتار ۲۱۴/۴ ❷ المبسوط ۱۳۸/۱۲، البدائع ۲۱۱/۵، فتح القدير ۳۳۳/۵، ردالمحتار ۲۱۳/۴ ❸ ❹ یعنی ان کی مثل نہیں ہوتی چونکہ کپڑوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

بیان کرنا ضروری ہے، چونکہ ریشمی کپڑے میں وزن مقصود ہوتا ہے، اور ریشم کی قیمت وزن کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے۔ (۱)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کپڑوں میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، (۲) چنانچہ ابن منذر کہتے ہیں: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے۔ (۳)

بھوسے میں بیع سلم...... حنفیہ کی نزدیک بھوسے کے گھٹے بنا کر بیع سلم جائز نہیں چونکہ ایک گھٹے اور دوسرے گھٹے میں فاحش قسم کا تفاوت ہوتا ہے البتہ تاجروں کے متعین بنائے ہوئے بنڈلوں میں بیع سلم جائز ہے چونکہ بھوسے کے بنڈلوں میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، یہی حکم لکڑیوں کے گھٹوں میں بھی چلے گا چنانچہ لکڑیوں میں بیع سلم جائز نہیں خواہ گھٹے بنا کر دی جائیں یا وزن کر کے۔ (۴)

روٹیوں میں بیع سلم...... گنتی کر کے روٹیوں میں بالاتفاق بیع سلم جائز نہیں، چونکہ روٹیوں میں بڑی چھوٹی ہونے کے اعتبار سے فحش تفاوت پایا جاتا ہے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وزن کر کے بھی روٹیوں میں بیع سلم جائز نہیں۔ چونکہ روٹیوں کے پکنے میں تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا ایسی جہالت باقی رہ جاتی ہے جو جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے۔ نوادر ابن رستم میں ہے: عدم جواز امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے اور یہی شافعیہ کا قول ہے، چونکہ روٹیوں میں آگ کا عمل مختلف ہوتا ہے جو ضبط میں نہیں لایا جا سکتا، جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے بشرط یہ کہ نوع متعین ہو، وزن متعین ہو اور مدت بھی متعین ہو۔ (۵)

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: روٹیوں میں بیع سلم جائز ہے ان کی دلیل عموم حدیث ہے۔ کہ ''جو شخص بیع سلم کرے وہ متعین کیل اور متعین وزن میں بیع سلم کرے۔'' چنانچہ حدیث میں ہر طرح کی مکیلی، موزونی اور عددی چیز کی بیع سلم کو مباح قرار دیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ روٹی میں آگ کا عمل عادۃً متعین ہوتا ہے جو روٹی کے خشک اور تر ہونے سے ضبط میں لایا جا سکتا ہے لہٰذا روٹیوں میں بیع سلم جائز ہے۔ (۶)

روٹیوں کا قرض...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: روٹیوں کا قرض لینا جائز نہیں نہ وزن کر کے نہ گنتی کر کے، جیسے بیع سلم جائز نہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے وزن کر کے روٹیوں کو قرض میں لینا جائز قرار دیا ہے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وزن کر کے اور گنتی کر کے دونوں طرح روٹیوں کا قرض لینا جائز قرار دیا ہے چونکہ لوگوں کو اس کی حاجت پیش آتی ہے اور یہ قرض لوگوں میں متعارف بھی ہے، اگرچہ روٹیاں ذوات الامثال میں سے نہ بھی ہوں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ (۷)

مالکیہ کہتے ہیں: وزن اور گنتی کر کے دونوں طرح روٹیوں کا قرض جائز ہے چونکہ روٹیوں میں مماثلت ہوتی ہے اور اگر تھوڑا تفاوت ہوتا بھی ہے تو لوگ اس کے متعلق چشم پوشی برت لیتے ہیں۔ (۸)

شافعیہ اور حنابلہ کی دو روایتیں ہیں اصح روایت یہ ہے کہ گنتی کر کے روٹیوں کا قرضہ لینا جائز ہے اور وزن کر کے لینا بھی جائز ہے اس پر اہل امصار کا اجماع ہے اور ہر زمانہ میں اس پر تعامل رہا ہے کسی نے انکار بھی نہیں کیا۔ (۹) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: ہمارے پڑوسی روٹیاں قرضہ میں دیتے ہیں اور واپسی میں کمی بیشی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں چونکہ اس سے لوگوں کے منافع متعلق ہیں اور اس سے وہ زیادتی مراد نہیں جو سود ہو۔ (۱۰)

---

(۱)......المبسوط ۱۳۳/۱۲ فتح القدیر ۳۵۳/۵، البدائع ۳۰۹/۵۔ (۲) القوانين الفقهية ص ۲۶۹ مغنى المحتاج ۱۰۷/۲، غاية المنتهى ۷۴/۲۔ (۳) المغنى ۲۷۶/۴۔ (۴) المبسوط ۱۴۱/۱۲، البدائع ۲۰۹/۵۔ (۵) البدائع ۲۱۱/۵، المهذب ۲۹۷/۱۔ (۶) المغنى ۲۷۷/۴، الميزان للشعرانى ۷۴/۲۔ (۷) تحفة الفقهاء ۱۹/۲، الدرالمختار ۱۹۵/۳، فتح القدير ۲۹۹/۵۔ (۸) حاشية الدسوقى ۲۲۲/۳۔ (۹) المهذب ۳۰۴/۱، مغنى المحتاج ۱۱۹/۲، المغنى ۳۱۹/۴۔ (۱۰) وكره ابو بكر الشافعي باسناده عن عائشة رضى الله تعالى عنها.

شافعیہ کے نزدیک بیع سلم کی شرائط...... میں حنفیہ کے مقابل شافعیہ کے نزدیک بیع سلم کی شرائط مختصراً ذکر کروں گا۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... بیع سلم کے عاقدین میں وہی شرائط ملحوظ ہوں گی جو عقد بیع میں بائع اور مشتری میں ہوتی ہیں۔ یعنی بلوغ، عقل، اختیار، البتہ نابینا شخص کی بیع سلم صحیح ہے، چونکہ مسلم فیہ ذمہ میں موصوف ہوتی ہے۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک مبیع کو نہ دیکھنے کی وجہ سے نابینا کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔

۲..... ایجاب وقبول میں وہی شرائط ملحوظ ہونی چاہئیں جو بیع کے ایجاب وقبول میں ہوتی ہیں، یعنی مجلس متحد ہو ایجاب وقبول میں موافقت ہو، البتہ بیع سلم میں اتنا اضافہ ہے کہ ایجاب وقبول میں سلم یا سلف کا لفظ استعمال کیا جائے۔

ان دولفظوں کے بغیر بیع سلم درست ہی نہیں ہوتی، یہ بھی ہے کہ بیع سلم خیار شرط سے خالی ہونی چاہئے اور عقد قطعی ہو چونکہ اگر خیار شرط رکھ لیا گیا تو رأس المال مجلس میں سپرد نہیں کیا جاسکے گا بلکہ وہ بھی ادھار ہو جائے گا۔ جبکہ یہ ممنوع ہے۔

۳..... یہ بھی شرط ہے کہ رأس المال کی مقدار اور صفت متعین ہو اور مجلس عقد میں ہی سپرد کر دیا جائے اور سپردگی عاقدین کے جدا ہونے سے قبل ہو تاکہ بیع سلم بیع الدین بالدین کے معنی میں نہ ہو۔

۴..... مسلم فیہ میں یہ شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔

اول...... یہ کہ باعتبار وصف کے مسلم فیہ کو ضبط میں لانا ممکن ہو تاکہ ممکنہ جہالت ختم ہو جائے اور اس کے افراد میں تفاوت نہ ہو اگر ہو بھی تو بہت معمولی تفاوت ہو۔

دوم...... یہ کہ مسلم فیہ کی جنس، نوع، قدر اور صفت متعین ہو۔

سوم...... یہ کہ مسلم فیہ دوسری اجناس کے ساتھ مخلوط نہ ہو جیسے گندم جو کے ساتھ مخلوط نہ ہو۔

چہارم...... یہ کہ مسلم فیہ ذمہ میں دین ہو، اگر دین نہ ہوئی تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

پنجم...... یہ کہ مسلم فیہ بمعہ بیان کردہ نوع کے مدت کے اندر سپرد کرنے پر قدرت ہو، مسلم فیہ جو طے ہو چکے اس کو کسی دوسری چیز سے تبدیل کرنا جائز نہیں، جیسے گندم کو گھی سے بدل دیا اور کپڑوں کو لوہے سے بدل دیا۔ جو چیز مدت پوری ہونے پر کامیاب ہو اس میں بیع سلم کرنا صحیح نہیں جیسے سردیوں میں انگوروں کی بیع سلم کرنا۔

ششم...... جس مدت میں مسلم فیہ کو سپرد کرنا واجب ہو وہ مدت متعین کر لی گئی ہو نیز مدت کی تحدید ہو تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے، لہٰذا مدت کی جہالت یا بغیر مدت کے ذکر کے بیع سلم صحیح نہیں ہے، جیسے مثلاً کسی شخص کے سفر سے لوٹنے یا فصل کی کٹائی کو مدت میں مقرر کر لینا۔

ہفتم...... جس جگہ مسلم فیہ کو سپرد کرنا ہو وہ جگہ متعین ہو جبکہ عقد والی جگہ سپردگی کے قابل نہ ہو یا سپردگی کے قابل تو ہو لیکن مسلم فیہ کی منتقلی میں کلفت اور خرچہ ہوتا ہو۔

چوتھا مقصد: بیع سلم کا حکم...... بیع سلم کا مقتضی یہ ہے کہ مسلم فیہ میں رب سلم کی ملک ثابت ہو جاتی ہے لیکن ثبوت ملک مؤجل ہوتی ہے، جبکہ رأس المال میں مسلم الیہ کی فی الحال ملک ثابت ہو جاتی ہے، عوام الناس کی ضرورت اور حاجت کے پیش نظر بیع سلم کے حکم کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن حکم کا ثبوت تب ہوگا جب مخصوص شرائط جو اوپر مذکور ہوئیں کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

پانچواں مقصد: بیع اور سلم میں وجوہِ اختلاف...... عقد سلم میں جب مخصوص شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو طبعاً اس بات کا تقاضا

ہے کہ چندوجوہ کے اعتبار سے سلم، بیع سے مختلف ہے۔ یہ وجوہ درج ذیل ہیں:

ا۔ رأس المال اور مسلم فیہ کا مجلس عقد میں استبدال...... اس سے مراد یہ ہے کہ رأس المال کے بدلہ میں ایسی چیز لے جو اس کی جنس سے نہ ہو۔ اس بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے رأس المال کا تبادلہ جائز نہیں، رہی بات ثمن کی سو اگر ثمن ذمہ میں دین ہو تو اس کا تبادلہ جائز ہے چونکہ بیع سلم میں رأس المال پر قبضہ کرنا شرط ہوتا ہے جبکہ تبادلہ سے حقیقۃً قبضہ حاصل نہیں ہوتا چونکہ اس وقت مسلم الیہ رأس المال کا متبادل قبض کرے گا جبکہ کسی چیز کا متبادل اس چیز کا غیر ہوتا ہے، رہی بات بیع میں ثمن کی سو اس میں قبضہ شرط نہیں، بلکہ متبادل ثمن کے قائم مقام ہوگا، اسی طرح صرف کے بدلین کا تبادلہ بھی جائز نہیں چونکہ صرف کے بدلین پر قبضہ شرط ہوتا ہے۔

رہی مسلم فیہ کے تبدیل کرنے کی بات سو قبضہ سے پہلے مسلم فیہ کا تبادلہ بھی جائز نہیں جیسے معین مبیع کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہوتا چونکہ مسلم فیہ منقول مبیع ہوتی ہے اگرچہ وہ دین ہی کیوں نہ ہو، جبکہ مبیع منقول کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔ ❶

اگر عقد سلم فسخ ہو جائے یا عاقدین بیع سلم کا اقالہ کرلیں تو موجود رأس المال کے ساتھ کسی دوسری چیز کو خریدنا جائز نہیں یہاں تک کہ رب سلم پورے کے پورے رأس المال پر قبضہ نہ کرلے، یہ تینوں علمائے احناف کا قول ہے اور اس میں انہوں نے استحسان کو حجت بنایا ہے ❷ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم صرف مسلم فیہ لو یا رأس المال لو ❸ عقلی وجہ یہ ہے کہ اقالہ تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتی ہے یہاں تیسرا شریعت ہے۔ رأس المال کو مبیع تصور کیا جائے گا جب رأس المال اور مبیع میں مشابہت ثابت ہوئی تو مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں اسی طرح جو چیز اس کے مشابہ ہے اس میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اقالہ کے بعد رب سلم رأس المال کا متبادل لے سکتا ہے یعنی رأس المال مسلم الیہ کے پاس رہے اور رب سلم اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز خرید لے۔ برابر ہے کہ رأس المال کوئی معین چیز ہو یا نقدی رقم ہو، یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے چونکہ رأس المال اقالہ کے بعد مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہو جاتا ہے لہٰذا جس طرح باقی دیون کا تبادلہ جائز ہے۔ اسی طرح رأس المال کا متبادل لینا بھی جائز ہے۔ لیکن حدیث اور مذکور بالا معقول دلیل سے امام زفر پر رد کیا گیا ہے۔ ❹

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع صرف میں اقالہ کے بعد بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا متبادل لینا جائز ہے چونکہ بدل صرف متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ مثلاً عاقدین نے دیناروں کے بدلہ میں دراہم کی خرید وفروخت کی پھر اقالہ کر دیا تو عقد میں دیئے ہوئے نقود کے بدلہ میں قبضہ سے پہلے کوئی اور چیز لینا جائز ہے بشرطیکہ مجلس اقالہ سے جدا ہونے سے پہلے اس چیز پر قبضہ کرلیا جائے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیع سلم میں اقالہ کی صورت میں مجلس اقالہ میں رأس المال پر قبضہ کرنا اقالہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں چونکہ اقالہ بالکلیہ از سر نو عقد سلم نہیں ہوتا چونکہ بیع سلم میں مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کرنا اس لئے شرط ہے تاکہ بیع الکالی بالکالی (بیع الدین بالدین) سے احتراز ہو جائے، جبکہ مسلم فیہ اقالہ سے ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا مسلم الیہ پر لازم نہیں ہوتی تاہم بیع الدین کا تحقق نہیں ہوگا لہٰذا قبضہ بھی شرط نہیں۔ ❺

رہی بات بیع صرف کی سو اقالہ صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے چونکہ جب ہم اقالہ کو بیع جدید متصور کریں گے جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، تو بھی بیع صرف ہی ہوگی لہٰذا قبضہ شرط ہے، اور اگر عاقدین کے حق میں اقالہ کو فسخ تصور کریں جیسا کہ امام ابو حنیفہ

---

❶...... البدائع ۵/۲۰۳۔ ❷ اگر مسلم فیہ طعام ہو تو امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۵ الالمام ۳/۱۱۷۔ ❸ رواہ الدارقطنی۔ نیل الاوطار ۵/۲۲۷ ونصب الرایۃ ۴/۵۱۔ ❹ فتح القدیر مع العنایۃ ۵/۳۴۶ رد المحتار ۴/۲۱۸۔ ❺ فتح القدیر المرجع السابق، ردالمحتار ۴/۲۱۹۔

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو یہ شرع کی تقدیر کی رو سے بیع ہے چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اقالہ غیر عاقدین کے حق میں بیع جدید ہے، لہٰذا جب اقالہ بیع ہے تو بدلین پر قبضہ واجب ہوگا تا کہ بیع الدین بالدین کی ممانعت سے احتراز ہو جائے۔ ❶

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بیع سلم شروع ہی سے عقد فاسد ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے تبادلہ جائز ہے چونکہ فساد کی صورت میں بیع سلم نہیں ہوگی لہٰذا تبادلہ جائز ہوگا جیسے بھی دیون میں جائز ہے۔

مسلم فیہ اور رأس المال کا تبادلہ دوسرے مذہب میں بھی جائز نہیں۔ ❷

۲۔ بعض سلم کا اقالہ...... جب رب سلم کچھ رأس المال اور کچھ مسلم فیہ پر مدت پوری ہونے کے بعد یا پہلے مسلم الیہ کی اجازت سے قبضہ کرلے تو یہ جائز ہے گویا جتنا رأس المال واپس لیا اس میں سلم کا اقالہ ہوگا اور بقیہ رأس المال میں سلم ہوگی، یہ جمہور علماء کا قول ہے، چونکہ رأس المال کا واپس لینا اقالہ ہے، اگر کل عقد میں اقالہ کیا جائے تو بھی جائز ہے اسی طرح کچھ سلم میں بھی اقالہ جائز ہے، اقالہ، فسخ عقد اور اصل سے عقد کو اٹھا لینا ہے۔

امام مالک اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں عقد فاسد ہوگا، رب سلم بقیہ رأس المال بھی واپس لے لے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "تم صرف مسلم فیہ یا رأس المال لو۔" لہٰذا جب عاقدین میں سے ہر ایک سلم کا کچھ کچھ حصہ لے لیں تو گویا نہ ایک عاقد نے سلم کو پورا کیا نہ دوسرے نے نیز جب رأس المال کے کچھ حصہ کو لے لیا گیا تو گویا فسخ عقد کو اختیار کیا گیا لہٰذا کل سلم فسخ ہوگی گویا دو اختیار ہیں یا تو کل میں اقالہ کیا جائے یا کل سلم طے پائے۔ ❸ جمہور نے مالکیہ کے اس موقف کو رد کیا ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ حدیث میں رأس المال اور مسلم فیہ کے علاوہ کسی اور چیز کو لینے سے منع کیا گیا ہے۔

رہی بات بیع کی چنانچہ اگر عاقدین بیع کے کچھ حصہ میں اقالہ کر دیں اور کچھ حصہ میں اقالہ نہ کریں تو یہ بالاتفاق جائز ہے، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ رب سلم نے اگر سارا رأس المال لے لیا اور مسلم الیہ کی رضامندی سے لیا یا پوری بیع سلم کا اقالہ کر دیا یا دونوں نے رأس المال پر باہمی صلح کرلی تو یہ اقالہ صحیح ہوگا اور سلم فسخ ہوگی۔

اگر رب سلم نے مدت پوری ہونے سے قبل رأس المال کا کچھ حصہ واپس لے لیا تا کہ مسلم الیہ بقیہ مسلم فیہ جلد از جلد سپرد کر دے تو یہ شرط کسی طرح صحیح نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقالہ صحیح ہوگا، چونکہ یہ شرط مدت کے معاوضہ ہونے کے معنی میں ہو جائے گی اور یہ شرط فاسد ہے جبکہ اقالہ شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا چونکہ اقالہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فسخ ہے اقالہ تو صحیح ہوگا شرط باطل ہو جائے گا بخلاف بیع کے چنانچہ بیع شرائط فاسدہ سے متاثر ہوتی ہے چونکہ معاملۂ بیع میں شرط فاسد سود کا سبب بنتی ہے، رہی بات اقالہ کی سو یہ معاملہ بیع کو اٹھا دینا ہے اس میں سود کا تصور نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط فاسد سے اقالہ باطل ہو جاتا ہے اور عقد سلم سارے کا سارا مقررہ مدت تک باقی رہتا ہے چونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقالہ بیع جدید جبکہ معاملۂ بیع شرط فاسد سے باطل ہو جاتا ہے چونکہ اس میں سود ہوتا ہے۔ ❹ اقالہ کی بحث میں فریقین کے دلائل آیا چاہتے ہیں۔

۳۔ رأس المال سے بری الذمہ کرنا...... مسلم الیہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ رب سلم (خریدار) کو اس کی رضامندی اور قبول کے

---

❶......البدائع ۲۰۸/۵ ردالمحتار ۲۱۹/۴۔ ❷القوانین الفقهیة ص ۲۶۹ مغنی المحتاج ۱۱۵/۲ غایة المنتهی ۸۰/۲۔
❸المبسوط ۱۳۰/۱۲ المنتقی علی المؤطا ۳۰۲/۴ حاشیة الدسوقی ۲۱۵/۳ المهذب ۳۰۲/۱ المغنی ۳۰۳/۴ غایة المنتهی ۸۱/۲ مغنی المحتاج ۱۰۳/۲۔ ❹البدائع ۲۰۷/۵ تحفة الفقهاء ۲۱/۲ القوانین الفقهیة ص ۲۷۰۔

بغیر رأس المال سے بریٔ الذمہ کردے، اگر رب سلم نے قبول کرلیا تو ابراء (بری الذمہ کردینا) صحیح ہوگا لیکن بیع سلم باطل ہوگی چونکہ ابراء کی وجہ سے رأس المال پر قبضہ نہیں ہو پائے گا اور جب رب سلم نے ابراء کو چھوڑ دیا عقد سلم درست ہوگا۔

رہی بات عقد بیع (معاملہ خرید وفروخت) کی سو اگر فروخت کنندہ نے خریدار کو مبیع (خرید کردہ سامان) کے ثمن سے بریٔ الذمہ کردیا تو بغیر قبول کے بھی ابراء صحیح ہوگا البتہ رد کرنے سے رد ہو جائے گا چونکہ ابراء میں تبرع کے طور پر تملیک کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ احسان جتلانے کے ضرر سے گریز کرنے کے لئے لازم نہیں ہوتا۔

معاملہ سلم اور معاملہ خرید وفروخت میں فرق یہ ہے کہ معاملہ خرید وفروخت کے صحیح ہونے کے لئے ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے جبکہ معاملہ سلم کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کرلیا جائے۔

چنانچہ اگر فریق ثانی کے قبول کے بغیر ہی ابراء صحیح ہوتا تو عقد سلم فریق ثانی کی رضا کے بغیر ہی فسخ ہو جاتا جبکہ یہ جائز نہیں چونکہ عاقدین میں سے تنہا ایک عاقد کو فسخ عقد کا اختیار حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ابراء بھی صحیح نہیں بخلاف ثمن کے چنانچہ ثمن سے بریٔ الذمہ کردینے پر فسخ بیع کا ترتب نہیں ہوتا چونکہ ثمن پر قبضہ کرنا شرط نہیں۔ اگر رب سلم نے مسلم فیہ سے بریٔ الزمہ کردیا تو یہ مسلم الیہ کے قبول کے بغیر بھی جائز ہے چونکہ مسلم فیہ پر قبضہ شرط نہیں۔ لہٰذا مسلم فیہ سے بریٔ الذمہ کرنا مسلم الیہ کے قبول کے بغیر بھی صحیح ہے چونکہ دین سے بریٔ الذمہ کرنے میں شرعاً قبضہ شرط نہیں، لہٰذا رب سلم ابراء کا مالک ہوگا۔ جبکہ خرید کردہ سامان (مبیع) سے بری الذمہ کرنا صحیح نہیں چونکہ مبیع معین چیز ہوتی ہے جبکہ ابراء اسقاط ہے اور معین اشیاء کا اسقاط معقول نہیں۔[1]

۴۔ رأس المال یا مسلم فیہ کا حوالہ کفالہ اور رہن..... موجود شخص پر رأس المال کا حوالہ جائز ہے، کفالہ اور اس کے بدلہ میں رہن رکھنا بھی جائز ہے، اسی طرح مسلم فیہ میں بھی حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز ہے، یہ جمہور حنفیہ کے نزدیک ہے؟ چونکہ ان معاملات کا رکن بمعہ شرائط پایا جاتا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسلم فیہ کا حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز ہے جبکہ رأس المال کا حوالہ، کفالہ اور رہن رکھنا جائز نہیں، چونکہ کفالہ، حوالہ اور رہن ایسے معاملات ہیں جو ایسے حق کی توثیق کے لئے مشروع ہوئے ہیں جو مجلس عقد سے مؤخر ہونے کا احتمال رکھتا ہو جبکہ رأس المال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے لہٰذا رأس المال میں یہ معاملات جائز نہیں، لیکن امام زفر پر رد کیا گیا ہے کہ دونوں طرح کے حقوق میں توثیق کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا اس میں عقد جائز ہے۔

عقد سلم میں واجب ہے کہ مسلم الیہ محال علیہ (حوالہ کی ذمہ داری جس پر ڈالی گئی ہو) یا کفیل سے رأس المال قبضہ کرلے، اگر فریقین کے مجلس عقد سے جدا ہونے سے پہلے رہن ضائع ہو جائے تو اس میں شرط یہ ہے کہ رہن کی قیمت رأس المال کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو، چونکہ رہن کی صورت میں مسلم الیہ کا حق رہن کی قیمت کی طرف منتقل ہو جائے گا، چنانچہ جب رہن کی قیمت رأس المال کے مساوی ہو یا اس سے زائد ہو تو رأس المال پر قبضہ ہونے کے بعد عاقدین کا افتراق ثابت ہو جائے گا۔ چونکہ رہن پر قبضہ قبضہ وصولی ہوتا ہے، اگر رہن ضائع ہو جائے تو ضمان متعین ہو جائے گا اور مرتہن اور راہن میں مقاصہ ہوگا یعنی مسلم الیہ اور رب سلم کے درمیان۔

اگر رہن کی قیمت رأس المال سے کم ہو تو رہن کی بقدر عقد تمام ہو جائے گا اور بقیہ میں باطل ہوگا۔ جب رب سلم اور مسلم الیہ قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد سلم باطل ہو جائے گا اگر چہ محال علیہ اور کفیل مسلم الیہ کے ساتھ باقی رہیں، البتہ اگر مسلم الیہ رب سلم کے ساتھ رہے اور محال علیہ اور کفیل چلے جائیں عقد سلم باطل نہیں ہوگا چونکہ اصل اعتبار عاقدین کے جدا ہونے کا ہے چونکہ قبضہ حقوق عقد میں سے ہے اور عقد کی اساس عاقدین ہوتے ہیں۔

---

[1]..... البدائع ۵/ ۲۰۳ فقہاء کے ہاں ایک معروف قاعدہ ہے کہ معین اشیاء کی ملکیت اسقاط کو قبول نہیں کرتی، اگر کوئی ساقط کرے بھی تو ساقط نہیں ہوگی۔

رہن میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر متعاقدین جدا ہو گئے اور رہن پر قبضہ نہ ہوا تو عقد سلم باطل ہو جائے گا چونکہ رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا، مسلم الیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ رہن کو واپس کرے۔

یہ ساری بحث عقد صرف (بیع النقد بالنقد) میں بھی چلتی ہے اور یہ تفصیل رأس المال کے متعلق ہے۔

مسلم فیہ کے اعتبار سے......اگر حوالہ کفالہ یا رہن مسلم فیہ کے اعتبار سے ہو تو محیل محض عقد حوالہ سے بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے، اور مدت پوری ہونے پر محال علیہ کے ذمہ سپردگی واجب ہوگی، اس وقت رب سلم محال علیہ سے سپردگی کا مطالبہ کرے گا محیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ کفالہ کی صورت میں رب سلم کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو اصیل سے مطالبہ کرے چاہے کفیل سے مطالبہ کرے، رہن کی صورت میں رب سلم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مرہون چیز کو روک لے یہاں تک کہ مسلم فیہ حاصل کرلے۔ ❶

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک مجلس عقد میں غیر موجود رأس المال کا حوالہ، کفالہ، ابراء اور اس کے بدلہ میں رہن رکھنا جائز نہیں، چونکہ رأس المال پر قبضہ کرنا بیع سلم کے صحیح ہونے کی اساسی شرط ہے، البتہ مالکیہ نے تین دن تک تاخیر سے رأس المال پر قبضہ کرنے کی اجازت دی ہے، شافعیہ نے تو غلو کردیا ہے کہ محال علیہ کا مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ کو جائز قرار نہیں دیا الا یہ کہ بذات خود رب سلم رأس المال پر قبضہ کرے، پھر مسلم الیہ کے سپرد کردے، چونکہ حوالہ کا حق محال علیہ کے ذمہ پہنچ جاتا ہے۔

خلاصہ......حنفیہ کی نزدیک مسلم فیہ کا حوالہ جائز ہے، جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے، مالکیہ کے نزدیک مسلم فیہ اگر از قسم طعام ہو تو حوالہ ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن یا کفیل لینا جائز ہے چونکہ ان میں فائدہ ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے ان کی دلیل ابوداؤد اور ابن ماجہ کی حدیث ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ اسے کسی دوسری چیز کی طرف نہ پھیرے۔"

۵۔ کھوٹے رأس المال پر قبضہ......اگر مسلم الیہ نے رأس المال پر قبضہ کیا اور پھر اسے معیاری نہ پایا مثلاً رأس المال زیوف ہو یا نبہرجہ ہوں یا مستحق ہوں یا ستوقہ ہوں یا عیب دار ہوں۔ ❷ رب سلم اس کی تصدیق کرتا ہوگا یا تکذیب کرتا ہوگا۔

اگر رب سلم تصدیق کرلے......تو مسلم الیہ واپس کرنے کا حق رکھتا ہے، پھر رأس المال یا تو کوئی معین چیز ہوگی جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہو یا دین ہوگا جو متعین ہونے سے متعین نہ ہوتا ہو۔

ا: اگر رأس المال معین چیز ہو......لیکن مسلم الیہ نے رأس المال میں کسی دوسرے کا استحقاق ❸ پایا یا عیب دار پایا، پھر اگر مستحق (استحقاق رکھنے والا) اجازت دے دے تو عقد جائز ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔ اگر مسلم الیہ عیب سے راضی ہو تب بھی عقد جائز ہے، ورنہ عقد سلم باطل ہو جائے گا۔ برابر ہے کہ عیب پر آگاہی عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، عقد سلم باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استحقاق کی وجہ سے رأس المال کا قبضہ ٹوٹ چکا اور اب رأس المال کے قائم مقام کسی اور چیز کو بنانا بھی ممکن نہیں چونکہ رأس المال معین چیز ہے گویا عاقدین بغیر قبضہ کے جدا ہوئے یعنی مجلس عقد میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا لہٰذا بیع سلم باطل ہوگی۔

---

❶......المبسوط ۱۲/۱۵۱، البدائع ۵/۲۰۳۔ ❷ دراہم کی چار قسمیں ہوتی ہیں (۱) جیاد جو خالص چاندی کے ہوں اور ہر کوئی ان سے معاملہ کرتا ہو (۲) زیوف: وہ دراہم جنہیں بیت المال رد کردے لیکن تجار انہیں لے لیتے ہوں ان سے معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بائع کو اطلاع کرنا ضروری ہے۔ (۳) نبہرجہ۔ جو کسی دوسرے ملک میں بنیں اور تجار انہیں رد کردیں۔ (۴) ستوقہ ایسے دراہم جن پر چاندی کی قلعی چڑھی ہو اور اندر پیتل ہو، جیاد قدرے بہتر ہوتے ہیں پھر نبہرجہ پھر مستوقہ (رد المحتار ۴/۲۲۸) ❸ استحقاق سے مراد یہ ہے کہ رأس المال کل یا بعض کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔

عقد کی اجازت دینے کی صورت میں عقد سلم اس لئے صحیح ہوتا ہے کہ رأس المال پر قبضہ صحیح ہوتا ہے گویا عاقدین مجلس عقد سے رأس المال پر قبضہ ہونے کے بعد جدا ہوئے۔ ❶

۲: رأس المال اگر دین ہو......اور مسلم الیہ نے اس پر قبضہ کرلیا پھر رأس المال کو غیر معیاری پایا پھر یا تو مجلس عقد ہی میں رأس المال کو غیر معیاری پایا ہوگا، یا مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد۔

اول......اگر مجلس عقد میں رأس المال کو غیر معیاری پایا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱......اگر رأس المال میں کوئی دوسرا استحقاق رکھتا ہو تو قبضہ کا صحیح ہونا مستحق کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مستحق نے اجازت دے دی تو قبضہ صحیح ہوا اگر اجازت نہ دی تو قبضہ باطل ہے۔

۲......اگر رأس المال کو ستوقہ پایا۔ تو عقد جائز نہیں ہوگا اگر چہ مسلم الیہ انہیں قبول ہی کرلے، چونکہ یہ رأس المال اس کے حق کی جنس میں سے نہیں ہوں گے، چونکہ اس کا حق کھرے اور خالص دراہم میں ہے جبکہ ستوقہ دراہم میں سے نہیں ہوتے، گویا قبضہ سے پہلے ہی رأس المال کو قبول کرلیا گیا یہ ایسا ہی ہے جیسے دراہم کی جگہ کپڑا تبدیل کرلیا جائے اور پہلے دراہم رأس المال ٹھہرے پھر کپڑے کو رأس المال بنا دے۔ یہ جائز نہیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اگر مسلم الیہ نے ستوقہ کو قبول نہ کیا اور واپس کردیا اور اس کی جگہ کوئی دوسری چیز قبضہ کرلی تو عقد جائز ہوجائے گا چونکہ مسلم الیہ نے جب رأس المال کو رد کردیا تو قبضہ ٹوٹ گیا گویا سرے سے قبضہ ہوا ہی نہیں اور قبضہ کو اختتام مجلس تک مؤخر کردیا گیا۔

۳......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو زیوف یا نبہرجہ پایا اگر انہیں قبول کرلیا تو عقد جائز ہوگا چونکہ زیوف اس کے حق کی جنس میں سے ہیں اور یہ دراہم ہیں، لیکن کھوٹ ہونے کی وجہ سے ان میں عیب ہے اور جودت (عمدگی) کی صفت فوت ہے اگر مسلم الیہ راضی ہو تو گویا رب سلم کو عیب سے بریٔ الذمہ کردیا، اور وہ خود نقصان کے ساتھ اپنا حق قبضہ کرنے پر رضامند ہے۔ اگر مسلم الیہ نے دراہم نبہرجہ کو واپس کردیا اور مجلس عقد ہی میں کوئی دوسری متبادل چیز لے لی تو یہ جائز ہے چونکہ اس نے اپنے حق کے بمثل چیز کو مجلس میں لے لیا گویا قبضہ مؤخر ہوا۔ ❷

دوم......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو مجلس عقد سے جدا ہونے کے بعد غیر معیاری پایا تو اس کی یہ صورتیں ہیں۔

۱......اگر رأس المال میں کسی دوسرے کا استحقاق ہو تو قبضہ مستحق کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مستحق (صاحب استحقاق) نے اجازت دے دی تو عقد جائز ہوگا اگر رد کردیا تو عقد باطل ہوگا۔

۲......اگر مسلم الیہ نے رأس المال کو ستوقہ یا رصاص پایا تو بیع سلم باطل ہوجائے گی چونکہ ستوقہ دراہم کی جنس میں سے نہیں ہوتے، چونکہ ستوقہ کو لوگوں کے معاملات میں رواج نہیں ملتا، گویا مسلم الیہ کے حق کی جنس میں سے ہوں گے ہی نہیں نہ اصلاً نہ وصفاً، گویا مجلس عقد رأس المال پر قبضہ کئے بغیر ہی برخاست ہوگئی، لہٰذا عقد سلم باطل ہوگا اور مجلس کے بعد قبضہ سے جائز نہیں ہوگا۔

۳......اگر رأس المال کو زیوف یا نبہرجہ پایا اور مسلم الیہ نے ان کو قبول بھی کرلیا تو بیع سلم صحیح ہوگی چونکہ زیوف اس کے حق کی جنس میں سے ہیں، چونکہ یہ دراہم ہیں لیکن عیب دار ہیں ان میں کھوٹ ہے عمدگی کی صفت فوت ہے۔ جب مسلم الیہ رضامند ہے تو گویا نقصان کے ساتھ اپنے حق پر قبضہ کرنے پر وہ راضی ہے۔ اگر مسلم الیہ نے ان زیوف دراہم کو قبول نہ کیا بلکہ رد کردیا تو علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مجلس عقد میں اگر متبادل دے دیا تو عقد درست ہوجائے گا اگر متبادل نہ دیا تو بیع سلم باطل ہوجائے گی۔

اگر مجلس عقد میں زیوف کی جگہ جیاد (معیاری) دراہم دے دیئے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بقدر بیع سلم باطل ہوجائے خواہ مقدار

---

❶......البدائع ۵/۲۰۴. ❷البدائع ۵/۲۰۴.

قلیل ہو یا کثیر، امام ابوحنیفہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، چونکہ زیوف مسلم الیہ کے حق میں سے ہیں اصلاً نہ کہ وصفاً اسی لئے اس کا حق فوت ہونے کی وجہ سے واپس کرنے کا حق اسے ملا ہے، جس کا مدار وصف پر ہے، گویا اس کا حق اصل اور وصف دونوں میں ہوا، جب بھرپور حق نہ ملا اور قبضہ کئے ہوئے مال پر رضامند بھی نہ ہوا تو یہ واضح ہو گیا کہ اس نے اپنے حق پر قبضہ نہیں کیا، لہٰذا بیع سلم باطل ہو جائے گی۔
جبکہ استحسان کا تقاضا ہے کہ بیع سلم باطل نہ ہو یہی صاحبین کا قول ہے، چونکہ زیوف کا قبضہ صحیح واقع ہوا ہے، چونکہ مسلم الیہ نے اپنے حق کی جنس پر قبضہ کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسلم الیہ انہیں قبول کر لیتا تو جائز ہوتا ہاں! البتہ کھوٹ کی وجہ سے جودت کی صفت مفقود ہے، جبکہ عیب دار چیز قبضہ صحیح ہونے کے مانع نہیں ہوتی، مجلس رد میں تبادلہ کی اجازت دی گئی ہے چونکہ رد کو عقد کے ساتھ ایک گونا مشابہت ہے لہٰذا مجلس رد کو مجلس عقد کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ ❶

یہ ساری تفصیل تب ہے جب مسلم الیہ سارے رأس المال کو زیوف (کھوٹا) یا نبھرجہ (غیر مقبول) پائے، اگر کچھ رأس المال کو زیوف پائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجلس رد میں زیوف کو جیاد (عمدہ) سے بدلنا اچھا سمجھتے ہیں۔
چنانچہ اگر وہ قلیل مقدار میں تھے اور مجلس عقد میں تبدیل کر لئے گئے تو عقد کل رأس المال میں صحیح ہوگا اگر وہ کثیر مقدار میں ہوں تو رد کی گئی مقدار کے بقدر عقد باطل ہو گیا چونکہ قلیل مقدار میں کھوٹ سے احتراز ناممکن ہوتا ہے۔
قلیل مقدار اور کثیر مقدار میں حد فاصل کیا ہوگی؟ اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایات مختلف ہیں، اصح روایت یہ ہے کہ ایک تہائی اور اس سے زیادہ کا شمار کثیر مقدار میں ہے تہائی سے کم قلیل کے حکم میں ہے۔ ❷
یہ تفصیل رأس المال کے متعلق ہے۔

مسلم فیہ کا حکم.....اگر رب سلم مسلم فیہ میں کوئی عیب پائے جبکہ مسلم فیہ پر قبضہ کر لیا ہو، رب سلم کو خیار حاصل ہوگا۔ چاہے تو اسے قبول کر لے چاہے رد کر دے اور عیب سے پاک مسلم فیہ لے، چونکہ رب سلم کا حق عیب سے پاک مسلم فیہ میں ہوتا ہے عیب دار میں نہیں ہوتا، ❸ لیکن خیار رؤیت اور خیار شرط بیع سلم میں ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا پہلو: اگر رب سلم مسلم الیہ کی تکذیب کرتا ہو.....یعنی رب سلم انکار کرتا ہو کہ وہ دراہم جو اس نے دیئے تھے وہ نہیں ہیں جبکہ مسلم الیہ دعویٰ کرتا ہو کہ یہ وہی دراہم ہیں اس کی چھ صورتیں ہیں۔
اگر مسلم الیہ نزاع سے پہلے قبضہ کا اقرار کرے اور کہے تم نے جیاد (عمدہ) دراہم پر قبضہ کیا ہے یا کہے تم نے میرے حق پر قبضہ کیا ہے یا کہے تم نے رأس المال پر قبضہ کر لیا ہے یا کہے تم نے دراہم وصول کر لئے ہیں یا کہے تم نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے یا صرف کہے تم نے قبضہ کر لیا ہے اور ساتھ کچھ نہ کہے۔

۱.....پہلی چار صورتوں میں جب مسلم الیہ نے دراہم زیوف پائے تو اس کے بعد اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوگا۔
مسلم الیہ رب سلم سے حلف لینے کا حق بھی نہیں رکھتا چونکہ جیاد پر قبضہ کرنے کے اقرار سے اس کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے اور دعویٰ میں تناقض آتا ہے جبکہ تناقض صحت دعویٰ کے مانع ہے جبکہ حلف دعویٰ صحیح میں لیا جاتا ہے۔
۲.....اگر مسلم الیہ نے کہا: میں نے دراہم پر قبضہ کر لیا ہے پھر کہا وہ تو زیوف ہیں قیاس کا تقاضا ہے کہ رب سلم کا قول معتبر ہو کہ زیوف دراہم میں سے ہوں ہی نہیں۔ ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی، مسلم الیہ کے ذمہ گواہ ہوں گے کہ یہ وہی دراہم ہیں جن پر اس نے قبضہ کر لیا ہے، چونکہ مسلم الیہ کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی قبضہ کئے ہوئے ہیں اور ان میں عیب تھا، رب سلم انکار کرتا ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے ساتھ قسم

---

❶.....البدائع ۵/۲۰۵۔ ❷ تحفۃ الفقہاء ۲/۲۷۔ ❸ المرجع السابق۔

بھی لی جائے گی۔ استحسان میں یہ تفصیل ہے کہ قول مسلم الیہ کا معتبر ہوگا اور ساتھ اس سے قسم لی جائے گی اور رب سلم کے ذمہ گواہ ہوں گے جو یہ گواہی دیں کہ رب سلم نے جید (عمدہ) دراہم دیئے تھے، چونکہ رب سلم اپنے انکار کے ساتھ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس نے مسلم الیہ کا حق دے دیا ہے، اور حق جید دراہم میں ہے جبکہ مسلم الیہ اپنے دعویٰ کہ دراہم کھوٹے ہیں سے اپنے حق کے قبضہ کرنے کا منکر ہوتا ہے لہٰذا قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا ساتھ قسم بھی اٹھائے گا کہ اس نے اپنا حق قبضہ نہیں کیا۔ یہ واضح ہے کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہوتے ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ اس نے حق دے دیا ہے۔

پہلی چار صورتوں میں یہی قیاس کا مقتضا ہے البتہ یہاں ایک چیز پہلے ہو چکی۔

۳.....اگر مسلم الیہ نے کہا: میں نے دراہم پر قبضہ کرلیا، پھر کہا: میں نے وہ زیوف (کھوٹے) پائے ہیں اس صورت میں مسلم الیہ کا قول معتبر ہوگا۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ البتہ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر کہا میں نے دراہم ستوقہ پائے تو اس کی تصدیق کی جائے گی بخلاف اس کے کہ جب کہا میں نے دراہم پر قبضہ کرلیا اور پھر کہا میں نے انہیں ستوقہ پایا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا چونکہ مسلم الیہ کے قول ''میں نے قبضہ کرلیا'' میں مطلق قبضہ کا اقرار ہے ستوقہ دراہم پر بھی تو قبضہ کیا جاتا ہے، جب اس نے کہا میں نے ستوقہ پر قبضہ کیا تو اس کا دعویٰ نہیں ٹوٹے گا اور جب کہا میں نے دراہم پر قبضہ کیا ہے تو دعویٰ ٹوٹ جائے گا کہ میں نے ستوقہ پر قبضہ کیا چونکہ ستوقہ دراہم کی جنس کے خلاف ہوتے ہیں۔ ❶

۲: عقد استصناع (آرڈر پر مال تیار کروانا یا سلائی دینا)

تمہید.....اسلام نے ماضی، حال، مستقبل میں اقتصادی اور معاشی معاملات، عقود اور واقعات کے متعلق لوگوں پر واضح کر دیا ہے بلکہ عوام الناس کے مصالح اور حوائج کے پیش نظر ہم آہنگی کی راہیں استوار کی ہیں، تاکہ عوام الناس کی جملہ ضروریات حق وانصاف کے ساتھ قائم ودائم رہ سکیں، مبادلہ جات اور معاوضہ جات کے مقابلہ میں ہونے والی ادائیگیوں میں برابری رہ سکے، اس ہم آہنگی کا مظہر واضح ہے جو اصول استنباط اور اجتہاد کے مطالب ومصادر سے ماخوذ ہے، چنانچہ مقتضائے فقہ بھی یہی ہے، اصطلاح میں ''نئے پیش آنے والے واقعات اور عملی مسائل کا ادلہ تفصیلیہ (کتاب اللہ وسنت، اجماع وقیاس) سے استنباط فقہ ہے۔

اس واقعی پہلو کی نمایاں مثال یہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں بار بار پیش آنے والے معاملات کی مشروعیت جو نصوص اور قواعد عامہ سے مستثنیٰ ہیں جیسے عقد سلم اور عقد استصناع تاکہ لوگوں کو اپنی ضروریات اور حوائج میں کوئی مشقت پیش نہ آئے اور بآسانی اپنا معاملہ طے کرسکیں، اور اس مقصد کے حصول میں انہیں کسی قسم کی عداوت اور حق تلفی مول نہ لینی پڑے چونکہ حاجت ضرورت کے مقام پر اتر آتی ہے اور مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے جبکہ اسلام آسانی کا دین ہے تنگی کا نہیں۔

ماضی میں استصناع کا دائرہ کار اتنا وسیع نہیں تھا اس کا دارومدار گھریلو صنعت، جوتا سازی میں اور گھریلو اثاثہ اجات تک منحصر تھا جبکہ عصر حاضر میں استصناع عالمی شہرت کا حامل معاملہ بن چکا ہے اور اس کے ساتھ بڑے بڑے مصالح متعلق ہیں جیسے بحری بیڑوں کا بنانا، بڑی بڑی فیکٹریوں میں ہوائی جہاز اور دیگر آلات کی صفت گری وغیرہ عصر حاضر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اسی لئے تجارتی معاملات میں روز افزوں ترقی ہوتی جارہی ہے۔

خاکۂ بحث.....اس بحث میں تین محور ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶.....تحفة الفقهاء ۲/۲۸۔

پہلا محور......اس میں یہ امور شامل بحث ہیں:

۱......استصناع کی تعریف۔

۲......استصناع کا معنی آیا کہ یہ محض ایک وعدہ ہے یا بیع (معاملہ خرید وفروخت) ہے۔

۳......استصناع کی مشروعیت کی دلیل۔

۴......شرائط جو استصناع کے ساتھ لاحق ہیں یا اس سے الگ ہیں اور حکم استصناع میں ان شرائط کے مؤثر ہونے کی حد۔

۵......استصناع کا حکم اور صفت وکیفیت۔

دوسرا محور......استصناع اور عقد سلم۔

۲......ان دونوں معاملات میں پایا جانے والا علاقہ (تعلق)۔

۳......استصناع اور سلم کی شرائط۔

تیسرا محور: (موضوع گفتگو): ا...... صنعتی میدان میں استصناع کے اثرات۔

پہلا محور: (موضوع گفتگو)

استصناع کی تعریف......استصناع باب استفعال سے ہے، اس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے لغت میں استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور صنعت تیار کنندہ (صانع) کا اپنی صنعت اور حرفت میں عمل ہے۔ (یعنی کسی چیز کو آرڈر پر تیار کروانا استصناع ہے) مصباح المنیر، مختار الصحاح اور القاموس المحیط میں یہی لغوی معنی بیان کیا گیا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں۔ "**طلب العمل من الصانع فی شئی مخصوص علی وجه مخصوص**۔"[1]

دوسری تعریف یہ بھی ہے۔ "**ھو عقد مع صانع علی عمل شئی معین فی الذمة**"[2] یعنی استصناع ایسی چیز کی خریداری کا عقد ہے جسے صنعت کار تیار کرتا ہے، اس چیز کا میٹیریل (خام مال) اور کام (کاریگری) صنعت کار کی طرف سے ہوتا ہے، اگر میٹیریل آرڈر دہندہ (خریدار) کی طرف سے ہو تو یہ استصناع نہیں رہے گا بلکہ اجارہ بن جائے گا۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ معقود علیہ صرف خام (مال کی تیاری) ہوتا ہے چونکہ استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور وہ تیار کنندہ کا عمل ہوتا ہے۔

مثال۔ ......جیسے کوئی شخص (خریدار، مستصنع) کسی میکر (تیار کنندہ، صنعت کار) جیسے بڑھئی، لوہار موچی پیشہ ور لوگوں سے متعین اوصاف کی کوئی متعین چیز تیار کرائے، متعین چیز جیسے گھریلو سامان فرنیچر، زیورات وغیرہ اور اس کے ثمن (قیمت) بھی متعین ہوں، بشرط یہ کہ لوگوں کا اس میں تعامل ہو جیسے ٹوپی، موزہ وغیرہ۔ عقد استصناع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے، خریدار اور گاہک کو مستصنع (آرڈر دہندہ) کہا جاتا ہے اور تیار کنندہ یعنی بائع کو صانع کہا جاتا ہے جو چیز تیار کروائی جارہی ہو اسے مصنوع کہا جاتا ہے۔

عقد استصناع بیع سلم سے مشابہت رکھتا ہے چونکہ استصناع میں معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے۔ مصنوع (تیار کردہ مال) بوقت عقد صانع یعنی تیار کنندہ کے ذمہ لازمی ہوتی ہے، البتہ استصناع اور سلم میں یہ فرق ہے کہ استصناع میں ثمن (رأس المال) پیشگی دینا واجب نہیں، اور تیاری مال کی مدت متعین کرنا بھی واجب نہیں، نیز مصنوع (تیار کردہ مال) بازاروں میں کھلے عام نہ ملتا ہو بلکہ آرڈر پر تیار کیا جاتا ہو۔

---

[1]......ردالمحتار لابن عابدین ۴/۲۲۱۔ [2] المجلة م ص ۱۲۴۔

نیز استصناع اجارہ کے بھی مشابہ ہے لیکن فرق یہ ہے کہ تیار کردہ مال کا میٹیریل ضائع ہوتا ہے۔

استصناع کا معنی:

کیا یہ وعدہ ہے یا مبیع ہے؟......استصناع کی تخریج میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ حتمی بیع ہے یا محض وعدۂ بیع ہے، یا اجارہ ہے، اگر بیع ہے تو مبیع کیا ہے؟ تیار کردہ مال ہے یا وہ عمل ہے جو تیار کنندہ سے صادر ہوا۔

حاکم شہید مروزی، صفار، محمد بن سلمہ اور صاحب منثور کہتے ہیں: استصناع وعدہ ہے اور جب مال تیار ہو جاتا ہے اس کے بعد تعاطی سے بیع ہوتی ہے، اسی لئے تیار کنندہ کو اختیار ہے کہ وہ مال تیار نہ کرے اور عمل نہ کرے نیز اسے مجبور بھی نہیں کیا جائے گا، بخلاف بیع سلم کے، آرڈر دینے والے کو بھی اختیار ہے کہ وہ تیار کردہ مال کو قبول نہ کرے اور رجوع کر لے، یوں معاملہ لازمی نہیں ہوگا۔

لیکن حنفی مذہب میں راجح یہ ہے کہ استصناع تیار کردہ مال کی بیع ہے، تیار کنندہ کے عمل کی بیع نہیں، اور یہ وعدہ بیع اور اجارہ نہیں، (یعنی تیار کنندہ کو مزدوری پر نہیں لیا جاتا) چنانچہ اگر تیار کنندہ نے ایسی چیز لائی جسے وہ بنا تا نہیں یا وہ چیز مشروط اوصاف کے مطابق عقد سے پہلے ہی بنا ڈالے تو یہ جائز ہے، استصناع کے وعدہ نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استصناع کی بحث میں قیاس اور استحسان کو بیان کیا ہے یہ دونوں وعدہ میں نہیں چلتے، نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے استصناع کو ان چیزوں میں جائز قرار دیا ہے جن میں تعامل ناس ہو، جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل نہ ہو ان میں استصناع کو جائز قرار نہیں دیا، اگر استصناع وعدہ ہوتا تو ہر چیز میں جائز ہوتا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شراء (خریداری) کا نام دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: جب مستصنع (خریدار) تیار کردہ مال کو دیکھے تو اسے خیار حاصل ہوگا، چونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جو اس نے دیکھی نہیں، نیز تیار کنندہ قبضہ کرنے سے دراہم کا مالک بن جاتا ہے اگر استصناع محض وعدہ ہوتا تو دراہم کا مالک نہ بنتا، خریدار اور تیار کنندہ میں سے ہر ایک کے لئے خیار کا ثبوت اس لئے نہیں کہ استصناع بیع نہیں، چونکہ عاقدین کو خیار بیع مقایضہ میں ملتا ہے، کہ عاقدین ایک دوسرے کی چیز کو نہ دیکھیں نہ ہر ایک کو خیار رؤیت ملے گا، یہاں بھی مستصنع (خریدار) کے لئے خیار کا ثابت ہونا خصوصیات بیع میں سے ہے، لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جواز بیع ہے، جواز وعدہ نہیں، اس کے بیع ہونے پر یہ امر بھی مرتب ہوتا ہے کہ تیار کنندہ کو عمل پر مجبور کیا جائے گا اور خریدار اس سے رجوع نہیں کر سکتا اگر محض وعدہ ہی ہوتا تو لازم نہ ہوتا۔

ابوسعید برادعی کا موقف......ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں استصناع میں معقود علیہ عمل اور کاریگری ہے۔ چونکہ لغت میں استصناع کا معنی طلب صنعت ہے اور یہ عمل ہے۔

لیکن حنفی مذہب میں راجح یہ ہے کہ معقود علیہ تیار کردہ چیز ہے محض عمل نہیں۔ اگر تیار کنندہ نے مشروط اوصاف کے مطابق مال تیار کیا اور مستصنع (خریدار) اس سے راضی رہا تو عقد جائز رہے گا، برابر ہے تیار کنندہ نے خود مال تیار کیا ہو یا کسی دوسرے نے تیار کیا ہو اگر محض عمل معقود علیہ (مبیع) ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ باشائے علماء وجود مستقبل میں ہوتا ہے ماضی میں نہیں، لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ معقود علیہ وہ مبیع ہے جس میں عمل کی شرط ہو۔

چونکہ استصناع طلب صنعت ہے، لہٰذا جس میں عمل کی شرط نہ ہو وہ استصناع نہیں۔ گویا اسم کا ماخذ ہی مدلول پر دلیل ہے، نیز اگر مبیع ذمہ میں ہو تو یہ عقد سلم ہے جبکہ مبحوث عنہ تو استصناع ہے، اسماء کا مختلف ہونا معانی کے مختلف ہونے پر دلیل ہے۔ البتہ اگر تیار کنندہ نے پہلے سے تیار شدہ مال مطلوب شرائط کے عین مطابق پیش کیا اور گاہک نے بخوشی اسے قبول کر لیا تو یہ جائز ہے، البتہ عقد اول سے اس کا جواز نہیں ہوگا بلکہ عقد ثانی سے جواز ہوگا اور عقد ثانی باہمی رضامندی سے بیع تعاطی ہے۔ ❶

---

❶......المبسوط ۱۲/۱۳۸، البدائع ۵/۲، فتح القدیر ۵/۲۵۵۔

استصناع کی مشروعیت کی دلیل......فقہائے حنفیہ کی رائے ہے کہ قیاس اور قواعد عامہ تو اس بات کے مقتضی ہیں کہ استصناع جائز نہ ہو، چونکہ بیع سلم کی طرح استصناع بھی معدوم چیز کی بیع ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہوتی، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس نہ ہو، لہٰذا بیع صحیح نہیں ہوگی۔

استصناع کو اجارہ قرار دینا بھی ممکن نہیں چونکہ اس میں اجیر کی ملک میں پائے جانے والے عمل پر اجارہ ہوگا اور یہ جائز نہیں، گویا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے کہے تم اپنا یہ مال اس جگہ سے فلاں جگہ تک اٹھا کر لے جاؤ تمہیں دس روپے مزدوری ملے گی، یہی امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن ان آئمہ کے نزدیک بیع سلم کے قواعد پر استصناع جائز ہے، اس میں وہی شرائط عائد ہوں گی جو بیع سلم میں ہوتی ہیں، چنانچہ اہم شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں پورا ثمن سپرد کرنا ہوگا جبکہ مالکیہ کے نزدیک ایک دو دن پیشگی دینے میں کوئی مانع نہیں، ان کے نزدیک تیار کردہ مال کی سپردگی کے لئے تحدید مدت بھی واجب ہے جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے ورنہ عقد فاسد ہوجائے گا، ان آئمہ کی نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ عامل یعنی تیار کنندہ متعین نہ کیا جائے اور تیار کردہ مال کو بھی متعین نہ کیا جائے، جیسے بیع سلم کی شرائط میں، ان شرائط کے پیش نظر تین صورتوں میں مقدار استصناع فسخ ہوجائے گا۔ یہ کہ تیار کردہ مال کی سپردگی کی مدت متعین نہ ہو، تیار کنندہ متعین نہ ہو اور تیار کردہ مال متعین نہ ہو، چونکہ اگر متعین کردیا تو وہ معین ہوجائے گا اور ذمہ میں نہیں رہے گا، اور بیع سلم کے صحیح ہونے کی شرط ہے کہ مسلم فیہ ذمہ میں دین (قرض) ہو۔ یہی شرط استصناع میں بھی ہوگی۔ ❶

شافعیہ کے نزدیک استصناع صحیح ہے برابر ہے تیار کردہ مال سپرد کرنے کی مدت کی تحدید کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو جیسے ہاتھوں ہاتھ لے لے ہوجائے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک بیع سلم جو ہاتھوں ہاتھ ہو جائز ہے۔ ❷

حنفیہ کا مذہب ہے کہ استصناع استحساناً جائز ہے چونکہ استصناع لوگوں میں متعارف ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے، ہر زمانے میں تعامل رہا ہے اور اس پر کسی کی نکیر بھی نہیں آئی گویا اس پر اجماع ہے، اس نوعیت کے تعامل کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں مندرج ہے۔ ''میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔'' ❸ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے۔ ❹

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوانے کے لئے عقد استصناع کیا اور آپ نے سینگی بھی لگوائی پھر سینگی لگانیوالے کو مزدوری دی، باوجود یہ کہ سینگی لگانے کا عمل اور خون چوسنے کی باریاں کسی کے نزدیک لازمی نہیں ہیں۔ مشکیزے سے پانی پینا بھی اس کی مثال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام کے بارے میں سنا آپ نے شلوار پہن کر حمام میں داخل ہونے کی اجازت دی اور اس کی کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی، حمام میں داخل ہونے پر صحابہ اور تابعین کے دور سے لوگوں کا تعامل ہے، اس میں پانی کی مقدار کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا نہ ہی حمام میں ٹھہرنے کی مدت بیان کی جاتی ہے، بسا اوقات معدوم کو موجود کا حکم دے دیئے جاتا ہے۔ ❺

وہ شرائط جو استصناع کو لاحق ہوتی ہیں یا اس سے الگ ہیں اور استصناع میں ان شرائط کے مؤثر ہونے کی حد:

استصناع کے جائز ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک تین شرائط ہیں اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو عقد فاسد ہوجائے گا پھر یہ بیع فاسد کے حکم میں ہوجاتی ہے چنانچہ قبضے سے ملک منتقل ہوجاتی ہے اور گاہک کو ملک خبیث حاصل ہوجاتی ہے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں،

---

❶......مواهب الجليل للحطاب ۵۳۹/۴، الشرح الكبير ۲۱۷/۳ الشرح الصغير ۲۸۷/۳۔ ❷الاشباہ والنظائر للسيوطی ص ۸۹ العرف والعاده ص ۱۳۱۔ ❸رواه احمد والطبرانی وابن ماجه (۱۷۷/۱، المقاصد الحسنه للسخاوی ص ۴۶۰) ❹حديث موقوف علی ابن مسعود وله طرق ورواه احمد والبزار والطبرانی فی الكبير ورجاله ثقات۔ ❺المبسوط للسرخسی ۱۳۸/۱۲ البدائع ۲۵ فتح القدير ۲۵۵/۵۔

نظام شریعت کے احترام کے لئے سبب فساد کو دور کرنا واجب ہوتا ہے، یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... جو چیز تیار کروانی ہے اس کی جنس متعین کردی گئی ہو اس کی نوع، مقدار اور صفت بھی متعین ہو، چونکہ وہ چیز مبیع کے حکم میں ہے لہٰذا اس کا متعین ہونا ضروری ہے۔ اگر مذکورہ عناصر میں میں ایک عنصر بھی نہ پایا گیا تو عقد فاسد ہو جائے گا چونکہ ایسی جہالت جو جھگڑے تک پہنچا دے عقد کو فاسد کر دیتی ہے، چنانچہ اس شرط کے پیش نظر اگر کسی شخص نے سائی (آرڈر) پر برتن تیار کرانا چاہا اور دھات متعین کی، جنس بیان کردہ، سائز متعین کیا، صحیح اوصاف اور تعداد متعین کردی تو عقد صحیح ہوگا اگر ان امور میں سے ایک چیز بھی مخفی رکھی عقد فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر گاڑی سائیدار بنوانی ہے تو اس کے جملہ امور اور اوصاف بیان کر دیئے جائیں تا کہ جہالت اور نزاع کا دفعیہ ہو جائے۔

۲..... جو چیز آرڈر پر تیار کروانی ہے اس پر لوگوں کا تعامل ہو (یعنی اس چیز کے بنوانے کا لوگوں میں عام رواج ہو) جیسے زیورات، جوتے، برتن، گھریلو فرنیچر اور دوسرا ساز وسامان۔ ایسی چیزوں میں استصناع جائز نہیں جن میں استصناع عوام الناس کے ہاں متعارف نہ ہو جیسے کپڑے، سودا سلف، شہد، وغیرہ۔ البتہ اس صفت کی حامل اشیاء میں بیع سلم جائز ہے بشرط یہ کہ بیع سلم کی شرائط پوری ہوں اگر ان چیزوں میں سلم کی شرائط پائی جائیں تو استصناع باطل ہو جائے گا اور بیع سلم درست ہوگی، چونکہ معاملات میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ اور مبانی کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بیع سلم غیر مثلی اشیاء میں جائز ہے جیسے کپڑے، قالینیں اور ٹاٹیں وغیرہ۔ ہمارے زمانے میں کپڑوں میں استصناع جائز ہے چونکہ لوگوں میں اس کا رواج ہے۔ زمانے ور جگہ کے مختلف ہونے سے رواج بھی مختلف ہوتا ہے۔

۳..... یہ کہ عقد استصناع میں مدت کی تحدید نہ کی جائے، اگر متعاقدین نے تیار کردہ مال کی سپردگی کے لئے کوئی مدت متعین کردی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا اور عقد سلم بن جائے گا اور اس میں شرائط سلم کا اعتبار ہوگا مثلاً ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا لازمی ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ استصناع میں جب مدت مقرر کرلی گئی تو گویا اس عقد میں سلم کا معنی اور علت پائی گئی جبکہ عقود (معاملات) میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، الفاظ کی صورت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اسی لئے اگر ایسی چیز میں مدت کی تحدید کی گئی جس میں استصناع جائز نہیں جیسے جولا ہے کے اپنے ذاتی سوت سے کپڑا بنوایا یا درزی سے کپڑا لے کر اسی سے سلوایا تو عقد استصناع عقد سلم بن جائے گا۔

تحدید مدت سے مراد کیا ہے؟..... مدت ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مقرر کرنا صحیح نہیں اگر ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کی پھر اگر اتنی سی مدت کا لوگوں میں رواج ہو تو استصناع صحیح ہوگا۔ یا مدت کی تحدید سے مقصد جلد بازی ہو اور تیار کنندہ کو مہلت نہ دینا ہو مثلاً جیسے گاہک کہے: کل تک مال تیار کر دینا۔ اگر مدت کی تحدید سے مراد تیار کنندہ کو مہلت دینا ہو یا مدت مقرر کرنا ہو تو استصناع صحیح نہیں۔ اور سلم بھی صحیح نہیں اگر ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کردی۔ ❶

خلاصہ..... یہ ہے کہ ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت مقرر کرنا سلم ہے اور ایک مہینہ سے کم مدت مقرر کرنے میں تعامل نہیں لہٰذا استصناع ہے ہاں البتہ اگر جلد کے لئے مدت ذکر کی گئی تو صحیح ہے۔

صاحبین ؒ کہتے ہیں: یہ شرط غیر معتبر ہے اور عقد ہر حال میں استصناع ہے خواہ مدت کی اس میں تحدید کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، چونکہ استصناع میں عرف وعادت تحدید مدت کی ہے۔ گویا تحدید مدت کی شرط صحیح ہے، یہ قول روزمرہ عملی زندگی کے مطابق ہے لہٰذا اس قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

مجلّہ کے آرٹیکل ۳۸۹ میں یوں وضاحت کی گئی ہے۔ "ہر وہ چیز جس کے استصناع کا تعامل ہو (یعنی لوگوں میں رواج ہو) تو مطلقاً اس میں استصناع صحیح ہے البتہ وہ چیز جس کے استصناع کا تعامل نہ ہو اور اگر اس میں مدت کی تحدید کردی جائے تو عقد، سلم بن جائے گا، اس وقت

---

❶..... المبسوط ۱۲/۱۳۹، البدائع ۵/۳ فتح القدير ۵/۳۵۵ الدر المختار ۴/۲۲۲

اس میں بیع سلم کی شرائط کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر سلم میں مدت کی تعیین نہ کی گئی تو استصناع ہوگا۔ اگر تیار کردہ مال کو پیش کرنے کی مدت مقرر کی گئی پھر مدت گزر گئی اور تیار کنندہ مال تیار نہ کر سکا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ گاہک کو اختیار حاصل ہوگا چاہے تو انتظار کرے چاہے عقد فسخ کر دے جیسا کہ عقد سلم میں یہی اصول مقرر ہے۔ ❶

شرائط لاحقہ..... حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد کی شرط لاحق، عقد میں داخل شرط کی مانند ہوتی ہے بشرط یہ کہ وہ شرط صحیح ہو، اگر شرط فاسد ہوئی تو عقد کے ساتھ لاحق ہو جائے گی اور عقد کو فاسد کر دے گی جس طرح عقد میں داخل شرط عقد کو فاسد کر دیتی ہے، یہ ساری تفصیل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین ؒ کہتے ہیں: شرط فاسد عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی بلکہ عقد صحیح ہی رہتا ہے، اور شرط لغو ہو جاتی ہے، صاحبین ؒ نے یہ موقف اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ عقد سلامت رہے۔

استصناع کا حکم اور صفت..... یہاں حکم سے مراد عقد استصناع پر مرتب ہونے والا اثر ہے، استصناع کے مندرجہ ذیل احکام ہیں۔

۱..... استصناع کا حکم اثر نوعی اور اثر جوہری کے معنی میں ہے جو اس عقد پر مرتب ہوتا ہے۔ اور وہ گاہک کی ملک کا ثبوت ہے یعنی ذمہ میں جو مال تیار کرنا ہے اس میں گاہک کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس چیز کے بدلہ میں جو مال (قیمت، ثمن) دیا جاتا ہے اس میں تیار کنندہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

۲..... عقد استصناع کی صفت (کیفیت) یہ ہے کہ مال تیار کرنے سے پہلے یہ عقد لازمی نہیں ہوتا اسی طرح مال تیار کرنے کے بعد بھی لازمی نہیں ہوتا، یعنی تیار کنندہ اور گاہک کے حق میں لازم نہیں ہوتا، گویا عاقدین کو اختیار ہوتا ہے کہ عقد نافذ کریں یا فسخ کریں یا دیکھنے سے پہلے عدول کر جائیں۔ اگر تیار کنندہ نے گاہک کے دیکھنے سے پہلے تیار کردہ مال فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے چونکہ عقد غیر لازم ہے اور معقود علیہ عین تیار کردہ مال نہیں ہے بلکہ اس کی مثل ذمہ میں واجب ہے۔

۳..... اگر تیار کنندہ بنائی ہوئی چیز گاہک کے پاس لایا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا چونکہ وہ راضی ہے کہ یہ چیز گاہک کی ہو، اس لئے تو وہ لے کر آیا ہے گویا استصناع کا حکم تیار کنندہ کے حق میں ملک لازم کا ثبوت ہے جب گاہک اسے دیکھ لے، اور اس سے راضی ہوا سے خیار حاصل نہیں ہوگا یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔

البتہ گاہک کے اعتبار سے عقد کا حکم یہ ہے کہ جب تیار کنندہ مشروط صفت کے مطابق مال تیار کر کے لائے تو اس کے حق میں ملک ثابت ہو جائے گی لیکن لازم نہیں ہوگی، جب گاہک اسے دیکھے گا اسے خیار حاصل ہوگا، چاہے تو لے لے چاہے چھوڑ دے، امام ابوحنیفہ ؒ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فسخ ہو جائے گا۔ چونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جو دیکھی نہیں لہٰذا اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا۔ بخلاف تیار کنندہ کے چونکہ وہ بائع ہے اس نے بن دیکھے چیز فروخت کی ہے لہٰذا اسے خیار نہیں حاصل ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب گاہک نے مال دیکھ لیا تو عقد لازم ہو جائے گا اور اسے خیار نہیں ملے گا۔ بشرط یہ کہ جب مال بیان کردہ صفت، طلب اور شرط کے موافق ہو، چونکہ تیار کردہ مال بمنزلہ مبیع اور مسلم فیہ کے ہے لہٰذا اسے خیار رؤیت نہیں ملے گا، تاکہ تیار شدہ مال میں تیار کنندہ کا نقصان نہ ہو، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس صفت پر تیار شدہ مال کو نہیں لیتا، البتہ اس رائے پر اعتراض کیا گیا ہے کہ گاہک کا نقصان تیار کنندہ کے نقصان سے زیادہ ہے جب گاہک کا خیار ہی باطل کر دیا جائے۔

چونکہ کاریگر تو کسی بھی کیفیت اور صفت پر مال تیار کر سکتا ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ چونکہ جب گاہک اس مال سے راضی نہیں ہوگا تو تیار کنندہ کسی دوسرے کو فروخت کر دے گا اور مثل قیمت لے لے گا، اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوسری بیع کا محض احتمال ہی ہے اور

---

❶..... عقد البیع ص ۱۲۳

تیار کنندہ کا نقصان غالب ہے لہٰذا لزوم بیع واجب ہے تا کہ تیار کنندہ کا نقصان نہ ہو۔

اسی وجہ سے میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو مجلّہ میں اختیار کیا ہے چنانچہ دفعہ ۳۹۲ میں میں نے لکھا ہے کہ عقد استصناع لازم ہوتا ہے، طرفین میں سے کسی کو بھی رجوع کا حق نہیں ہاں البتہ تیار شدہ مال اگر بیان کردہ اوصاف کے خلاف ہو تو وصف مرغوب کے نہ ہونے پر گاہک کو اختیار حاصل ہوگا۔

میرے اندازے کے مطابق یہ رائے جو میں نے مجلّہ میں اختیار کی ہے درست وصواب ہے تا کہ عاقدین کو جھگڑوں میں پڑنے سے روکا جاسکے، اور تیار کنندہ کو نقصان سے بچایا جاسکے۔ جبکہ تیار شدہ مال کے صحیح، نوع اور کیفیت کے مختلف ہونے سے لوگوں کی اغراض بھی مختلف ہوجاتی ہیں۔ نیز یہ رائے عقود کی قوت ملزمہ کے اصول کے ساتھ بھی متفق ہے اور عصر حاضر کی بڑی بڑی صنعتوں جیسے بحری جہازوں اور ہوائی جہازوں کی صنعتیں کے مناسب بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ جب صنعت کاری کی یہ حالت ہو تو عقد کا غیر لازمی ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔

۴.....تیار کردہ مال کے ساتھ گاہک کا حق اسی وقت متعلق ہوگا جب تیار کنندہ گاہک کو مال پیش کردے، اسی اصول کے مطابق تیار کنندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متعین گاہک کے علاوہ کسی کو بھی تیار کردہ مال فروخت کرسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دوسرا المحور (موضوع گفتگو)

استصناع اور سلم......استصناع کی تعریف پہلے ہوچکی ہے کہ یہ کسی کاریگر (صنعت کار) کے ساتھ کسی معین چیز کے تیار کرنے کا عقد ہے بایں طور کہ خام مال تیار کنندہ کی طرف سے ہوتا ہے جیسے جوتے، برتن اور فرنیچر وغیرہ تیار کروانا، اور تیار کردہ مال میں ایسا وصف بیان کیا جائے جو جہالت کو ختم کردے۔

جبکہ بیع سلم کی تعریف ہے۔ ”بیع آجل بعاجل“ یعنی سلم میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا ہے اور مبیع لینے کی تاریخ (مدت) مقرر کرلی جاتی ہے جیسے کوئی تاجر کسی زمیندار سے دس بوریاں گندم خریدے قیمت سے پہلے دے دے اور گندم متعین مدت پر وصول کرے۔

دونوں عقدوں میں علاقہ......استصناع اور سلم میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں میں معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے جسے بغرض حاجت جائز قرار دیا گیا ہے، اور اس پر لوگوں کا تعامل بھی ہے، البتہ عقد سلم کا باعث بائع کی شدید حاجت ہے چونکہ اسے نقدی مال کی اشد ضرورت ہوتی ہے تا کہ اپنے اوپر اپنے اہل وعیال اور زرعی پیداوار پر خرچہ کرے اس کے پاس فی الوقت رقم موجود نہیں ہوتی تو یا وہ شدید ضرورت کی وجہ سے پیشگی نقدی مال لے لیتا ہے اور مبیع بعد میں خریدار کو دے دیتا ہے اسی لئے بیع سلم کو مفلسوں کی بیع کہا جاتا ہے۔

رہی بات استصناع کی سو وہ ایک تجارتی عقد ہے جو تیار کنندہ کے لئے نفع کا باعث ہوتا ہے اور وہ گاہک کی حاجت کو پورا کرتا ہے گویا عقد استصناع کا باعث گاہک کی حاجت برآری ہے۔ اب میں یہاں دونوں عقدوں کے درمیان مختصراً چند فرق بیان کروں گا۔

اول......بیع سلم میں مبیع دین ہوتا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے، مبیع یا تو مکیلی چیز ہوگی یا موزونی یا ذراع اور میٹر سے ناپی جانے والی ہوگی یا عددی متقارب جیسے اخروٹ اور انڈے ہوگی۔ جبکہ استصناع میں مبیع معین چیز ہوتی ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوجاتی ہے، استصناع میں بیع دین نہیں ہوتا جو ذمہ میں واجب ہو، جیسے جوتا، برتن اور گھریلو فرنیچر وغیرہ۔

دوم......عقد سلم میں مدت کی تعیین شرط ہے چنانچہ عقد سلم جمہور کے نزدیک بغیر مدت کے صحیح ہی نہیں ہوتا، یہ مدت ایک مہینہ یا اس سے زائد ہو، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استصناع میں مدت مقرر کی ہی نہیں جائے گی، اگر استصناع میں مدت مقرر کی گئی تو وہ سلم

ہو جائے گی، بیع سلم میں خیار شرط نہیں ہوتا، صاحبین کے نزدیک استصناع میں مدت کی تحدید صحیح ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ شافعیہ نے فی الحال عقد سلم کو جائز قرار دیا ہے اس میں دوسرے آئمہ کا اختلاف ہے۔

سوم..... عقد سلم عقد لازم ہوتا ہے اسے فسخ کرنا جائز نہیں کسی ایک عاقد کے کہنے پر، البتہ دونوں کے اتفاق سے فسخ کرنا جائز ہے، رہی بات عقد استصناع کی سو یہ عقد غیر لازم ہوتا ہے، ایک عاقد دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی اسے فسخ کر سکتا ہے۔ تیار کنندہ اگر مشروط صفت کے مطابق مال پیش کر دے گا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا جبکہ گاہک کا خیار باقی رہتا ہے۔

چہارم..... عقد سلم میں یہ شرط ہے کہ رأس المال سارے کا سارا عقد مجلس میں قبضہ کر لیا جائے، استصناع میں یہ شرط نہیں، بلکہ استصناع میں لوگ صرف بیعانہ دینے پر اکتفاء کرتے ہیں یا ثمن کا ایک جزو مثلاً نصف، تہائی، چوتھائی حصہ دیتے ہیں، جو کہ حنابلہ کے مذہب کے مطابق ہے، عملی اعتبار سے اس آخری فرق کو اہم قرار دیا گیا ہے۔

استصناع اور سلم کی شرائط..... دونوں عقدوں میں ثمن کا از روئے جنس، نوع، مقدار، اور صفت متعین ہونا لابدی ہے، ورنہ جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا۔ جمہور کے نزدیک فقط بیع سلم میں رأس المال کا پیشگی دینا شرط ہے اور عاقدین کے مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل رأس المال پر قبضہ کرنا بھی شرط ہے، البتہ امام مالک نے تین دن تک رأس المال میں تاخیر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، چونکہ تین دن کی تاخیر معجّل کے حکم میں ہے چونکہ قریب الشئی کو شئی کا حکم ملتا ہے۔ جبکہ عقد استصناع میں رأس المال کو پیشگی دینا شرط نہیں بلکہ عادۃً رأس المال دے دیا جاتا ہے یا رأس المال کا کچھ حصہ مجلس عقد کے علاوہ کہیں اور دے دیا جاتا ہے۔ اور بقیہ رأس المال تیار شدہ مال کے حصول تک مؤخر ہوتا ہے۔

رہی بات دونوں عقدوں میں مبیع یعنی مسلم فیہ اور تیار کردہ مال کی سو دونوں عقدوں میں ضروری ہے کہ اس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار متعین ہو چونکہ مبیع کا متعین ہونا شرط ہے۔

دونوں عقدوں کا سود پر مشتمل ہونا جائز نہیں مثلاً بیع سلم میں ثمن اور مبیع ایک ہی جنس کے ہوں جیسے گندم کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو، خواہ ربوا الفضل ہو یا نسیئہ جائز نہیں۔

عقد سلم میں خیار شرط کا ثابت نہیں ہوتا بلکہ بغیر خیار کے عقد کا قطعی ہونا ضروری ہے، رہی بات عقد استصناع کی تو وہ عقد غیر لازم ہوتا ہے چیز تیار کرنے کے عمل سے پہلے اس میں خیار ثابت ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمل سے فارغ ہونے کے بعد بھی خیار حاصل رہتا ہے البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ عمل صنعت کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

رہی بات خیار رؤیت اور خیار عیب کی سو یہ دونوں رأس المال میں ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ رأس المال قیمتی چیز ہو یا مثلی چیز ہو، رہی بات مسلم فیہ کی سو باتفاق حنفیہ اس میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہوتا یہاں تک کہ مسلم فیہ پہلے کی طرح دین نہ ہو جائے۔ جبکہ مسلم فیہ میں خیار عیب کا ثبوت صحیح ہے چونکہ خیار عیب قبضہ تمام ہونے سے مانع نہیں ہوتا جس سے قبضہ تمام ہوتا ہے۔

دونوں عقدوں میں سپردگی کی جگہ کا متعین کرنا ضروری ہے بشرطیکہ مبیع کے لادنے اور اٹھانے میں مشقت ہوتی ہو اور خرچہ ہوتا ہو۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک عقد کی جگہ سپردگی کے لئے متعین ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عقد سلم میں شرط ہے کہ مسلم فیہ کی جنس بازاروں میں دستیاب ہو اور بوقت عقد بمعہ نوع وصفت کے مدت پوری ہونے تک پائی جائے، اور اس کی رسد میں انقطاع کا احتمال نہ ہو جیسے غلہ جات، جبکہ عقد استصناع میں یہ شرط نہیں۔ اسی طرح باقی مذاہب میں جمہور کے نزدیک بیع سلم میں یہ شرط نہیں بلکہ سپردگی کی مدت پوری ہونے کے وقت مسلم فیہ کا موجود ہونا کافی ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مسلم فیہ کی صفت کا ضبط میں لانا ممکن ہو یعنی مسلم فیہ مثلی چیز ہو (یعنی مکیلی ہو یا موزونی

ہو یا ذراع سے ناپی جاتی ہو یا عددی متقارب ہو) جیسے کپڑے، معدنیات، خشک خوشبوئیں، مصالحہ جات شہتیر جبکہ ان کا طول عرض اور موٹائی بیان کی گئی ہو۔ان چیزوں میں بیع سلم جائز نہیں جن کی صفت ضبط میں لانا ناممکن ہو جیسے گھر، پلاٹ، جوہر، موتی، کھالیں، لکڑ، چونکہ ان چیزوں کی مالیت میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے۔

رہی بات عقد استصناع کی سو دونوں قسم کی اشیاء میں صحیح ہے بشرطیکہ لوگوں کا ان پر تعامل ہو، مالکیہ نے ان چیزوں میں سلم کو جائز قرار دیا ہے خواہ وصف کو ضبط میں لانا ممکن ہو یا ممکن نہ ہو۔ جبکہ حنفیہ نے استحسانا بعض غیر مثلی اشیاء میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے۔ جیسے کپڑے، قالینیں وغیرہ۔

کچی اور پکی اینٹوں میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ رب سلم سانچہ متعین کر دے چونکہ جب اینٹوں کا سانچہ متعین کر دیا جائیگا تو اینٹوں میں تفاوت بہت کم رہ جائے گا جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا اینٹوں کو عددی متقارب کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔

بیع سلم ان چیزوں میں بھی جائز ہے جن پر لوگوں کا تعامل ہو اور ان چیزوں میں بھی جائز ہے جن پر لوگوں کا تعامل نہ ہو جبکہ استصناع میں ضابطہ یہ ہے کہ صرف ان چیزوں میں استصناع صحیح ہے جن میں لوگوں کا تعامل ہو (یعنی رواج ہو) جن چیزوں میں رواج نہیں ان میں استصناع بھی جائز نہیں۔ جیسے کوئی شخص جولاہے کو آرڈر دے کہ وہ ذاتی اون سے چادر تیار کر دے، چونکہ قیاساً استصناع کی اجازت نہیں بلکہ استصناع تو لوگوں کے تعامل اور رواج سے ثابت ہے لہٰذا استصناع تعامل کے ساتھ مخصوص ہے۔تعامل کے علاوہ چیزوں میں استصناع متروک ہے اور قیاس پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ البتہ ہمارے زمانے میں کپڑے تیار کرنے کا رواج عام ہے لہٰذا کپڑوں میں عقد استصناع [1] جائز ہے، چونکہ شہروں اور زمانے کے بدلنے سے تعامل بھی مختلف ہوتا ہے۔

تیسرا محور: (موضوع)

صنعتی تحریک کی سرگرمیوں میں استصناع کا اثر...... ماضی میں عملی زندگی میں استصناع کا اہم کردار رہا ہے اس سے صنعت کار کو فائدہ ہوا اور زبردست تجربہ اور مہارت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے صنعت کو ترقی ملی اور نئی نئی راہیں کھلیں اور صنعت میں نئے نئے طریقے رائج ہوئے، استصناع کا ذوق رکھنے والا اپنی رغبت اور خوشی کے مطابق مال حاصل کرنے کے قابل ہوا، نہ صرف استصناع میں جدت آئی بلکہ اس کے معیار نے بھی زبردست ترقی کی۔ اور ایسے ایسے فنون چشم فلک نے دیکھے جن کا محض تصور ہی کیا جاسکتا تھا۔پھر عصر حاضر میں استصناع میں وسعت آئی اور اب اسے صرف جوتے، کھال بانی، گھریلو سامان سازی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ استصناع نے جدید صنعتوں کا بھی احاطہ کر لیا ہے جو عصر حاضر میں زبردست اہمیت کی حامل ہیں جیسے ہوائی جہازوں کی صنعت، بحری جہازوں کی صفت، گاڑیوں اور ریلوے کی صنعت اور دیگر صنعتی تحریک، دستکاری اور چھوٹے آلات سے تیار کی جانے والی اشیاء بھی اس دوڑ میں شامل ہو چکی ہیں، ہر صنعتی تحریک معاشرتی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔

استصناع کا معاملہ صرف مختلف اقسام کی صنعتوں تک محدود نہیں کہ جب تک معیارات اور شرائط کو ضبط میں لانا ممکن ہو تو استصناع بھی ممکن ہو بلکہ استصناع عمارات اور رہائشی گھروں کو بھی شامل ہے اور رہائشی عمارتوں کو غالب ہے۔استصناع کی واضح مثال گھروں، عمارتوں اور رہائشی فلیٹس کی خرید و فروخت ہے جو مقررہ اوصاف کے حامل نقشہ پر ہوتی ہے، فی الواقع ان اشیاء کی خرید و فروخت محض وعدہ کی بنیاد پر نہیں جو نتیجۃً بیع کو لازمی ہوتا ہو، چنانچہ عقد کو صحیح شمار کیا جاتا ہے جب عقد کی تمام شرائط بیان کر دی جائیں اور عمارت کا نقشہ

---

[1]..... چنانچہ عام کپڑوں کے متعلق تو استصناع مشکل ہے البتہ واسکٹ، پتلون وغیرہ میں خاص کپڑا استعمال ہوتا ہے جو عموماً درزی لوگ رکھتے ہیں اور آرڈر پر مال تیار کر دیتے ہیں۔

پیش کر دیا جائے، تاکہ جھگڑے تک پہنچانے والی جہالت باقی نہ رہے۔ اوصاف کو ضبط میں لانا آسان ہو چکا ہے، سائز اور حیثیت کا پتا لگانا، عمارت کی نوع کو متعین کرنا بھی آسان ہے، برابر ہے عمارت کی خرید وفروخت نقشہ پر ہو یا جگہ پر لیکن شرائط اور اوصاف، نوع کے درجات پر اتفاق ہو، ثمن کی ادائیگی حسب عادت ہوتی ہے قسطوں پر بھی اور یکمشت بھی، ادائیگی کی ہر قسط کو ثمن کا حصہ شمار کیا جاتا ہے، ان قسطوں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہاں البتہ اگر عقد فسخ ہو جائے تو پھر قسطوں پر زکوٰۃ ہوگی، مبیع کی سپردگی کی مدت محض جلد بازی کے لئے ذکر کی جاتی ہے چونکہ عاقدین کو درمیانی مدت میں طرح طرح کی مشکلات پیش آنے کا امکان ہوتا ہے، عقد استصناع کو عقد سلم کی اساس پر صحیح قرار دینا دشوار ہے، چونکہ عقد کے وقت پورے ثمن کو سپرد کرنا مشروط ہوتا ہے اور حکومت نقشے پر خرید وفروخت کو صحیح اور لازم سمجھتی ہے۔

ٹھیکیداری نظام میں سپردگی کی ایک تاریخ پر اتفاق کر لیا جاتا ہے اور سپردگی میں اگر تاخیر ہو تو جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے، جرمانہ جائز ہے اور اسے ''شرط جزائی'' (تعزیری شرط) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے مقرر کیا تھا اور سعودی عرب میں کبار علماء کے بورڈ نے بھی ۱۳۹۴ھ میں اس کی تائید کی ہے چنانچہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے خوش دلی سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی اور اس میں اسے مجبور نہیں کیا گیا تو وہ شرط اس پر لازم ہو جائے گی۔ ❶

۳: عقد صرف:

صرف کی تعریف..... صرف کا لغوی معنیٰ، زائد ہونا ہے۔ چنانچہ نفلی عبادت کو بھی صرف کہا جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

من انتمٰی الٰی غیر ابیه لا یقبل اللّٰہ منه صرفاً ولا عدلاً ای لا نفلاً ولا فرضاً

یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا اللہ تعالیٰ اس کی نفلی نماز قبول فرمائیں گے اور نہ ہی فرض نماز۔ ❷

شرعی تعریف..... بیع النقد۔ یعنی سونے کی بیع سونے کے بدلہ میں یا چاندی کی بیع چاندی کی بیع یا سونے کے بدلہ میں چاندی کی بیع یا چاندی کے بدلہ میں سونے کی بیع۔ ❸

بیع صرف جائز ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال ربویہ (سودی اموال) کی بیع ایک دوسرے کے بدلہ میں جائز قرار دی ہے بایں طور کہ جب جنس ایک ہو تو مماثلت ضروری ہے اگر جنس الگ الگ ہو تو تفاضل کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

عقد صرف کی چار شرائط: (۱)..... عاقدین کے افتراق بالابدان سے قبل قبضہ عقد صرف میں شرط ہے کہ دونوں عاقدین ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے بدلین پر قبضہ کر لیں، یہ شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ ربا نسیئہ سے بچا جا سکے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''سونے کے بدلے میں سونا برابر سرابر ہو، ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو، چاندی کے بدلے میں چاندی برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو۔'' ❹ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے۔ کہ ''سونے چاندی میں سے موجود کے بدلہ میں غائب کی خرید وفروخت نہ کرو۔'' ❺ اگر بدلین پر قبضہ کرنے سے پہلے عاقدین جدا ہو گئے تو حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا اور دوسرے آئمہ کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔ چونکہ عقد صرف میں قبضہ شرط ہے۔ تاکہ بیع الکالی بالکالی نہ ہو اور سود نہ ہو جائے، جبکہ بیع صرف میں قبضہ شرط ہے خواہ جنس متحد ہو یا مختلف ہو۔

---

❶..... اعلام الموقعین ۳/۴۰۰۔ ❷ صاحب قاموس کہتے ہیں حدیث میں صرف کا معنی توبہ ہے اور عدل کا معنی فدیہ ہے، وهذا الحديث رواه الطبرانی عن عمرو بن عوف، وقال الهيثمی فيه كثير بن عبدالله والجمهور علی تضعيفه۔ ❸ فتح القدير مع العناية ۵/۲۸۴، البدائع ۵/۲۱۵، رد المحتار ۴/۲۴۴، مغنی المحتاج ۳/۲۵ غاية المنتهیٰ ۲/۵۹۔ ❹ رواه الجماعة الا البخاری من حديث عبادة بن الصامت (نصب الراية ۴/۴) ❺ هذا اللفظ رواية عند مالك (نصب الراية ۴/۵۶، نيل الاوطار ۵/۱۹۰)

افتراق بالا بدان کی تفسیر......اس کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین کے بدن مجلس عقد سے جدا ہو جائیں، چنانچہ ایک عاقد مجلس عقد سے اٹھ کر ایک طرف چل پڑے اور دوسرا دوسری طرف، یا ایک عاقد اٹھ کر چلا جائے اور دوسرا مجلس ہی میں بیٹھا رہے۔ اگر دونوں عاقدین مجلس عقد میں بیٹھے رہیں اور ہلیں نہیں تو افتراق ثابت نہیں ہوگا اگر چہ مجلس طویل ہو جائے چونکہ عاقدین کے بدن جدا نہیں ہوئے، اگر مجلس میں دونوں سو گئے یا دونوں بے ہوش ہو گئے یا مجلس سے اٹھ کر دونوں اکٹھے ایک طرف چل دیئے ایک میل تک اکٹھے چلتے رہے اور جدا نہ ہوئے تو افتراق بالا بدان نہیں ہوگا۔ ❶

۲.....جنس متحد ہونے پر بدلین میں مماثلت ہو۔ اگر بدلین ایک ہی جنس سے ہوں جیسے سونے کے بدلے میں سونا اور چاندی کے بدلے میں چاندی تو ضروری ہے کہ بدلین وزن میں برابر سرابر ہوں، اگر چہ کھوٹے اور کھرے ہونے میں مختلف ہوں، یعنی ایک بدل دوسرے سے عمدہ اور کھرا ہو چونکہ حدیث گزر چکی ہے کہ سونے کے بدلے میں سونا برابر سرابر ہو، یعنی سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابر فروخت کیا جائے، نیز فقہی قاعدہ ہے کہ جید اور ردی برابر ہیں۔ ❷

۳.....یہ کہ عقد قطعی ہو اور اس میں خیار شرط نہ ہو، چنانچہ عاقدین میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ عقد صرف میں خیار شرط رکھے، چونکہ عقد صرف میں قبضہ شرط ہوتا ہے۔ جبکہ خیار شرط ثبوت ملک یا تمام ملک سے مانع ہوتا ہے، اور خیار قبضے کے لیے بھی مخل ہوتا ہے۔ اگر عقد صرف میں خیار شرط رکھا گیا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اگر صاحب خیار نے مجلس عقد ہی میں جدا ہونے سے قبل خیار ساقط کر دیا تو عقد جائز رہے گا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک عقد فاسد درستی کی طرف نہیں ہوتا۔ اگر بحالت خیار مجلس میں باقی رہے اور پھر خیار پر ہی جدا ہو گئے تو عقد فاسد رہے گا۔

یہ خیار عیب اور خیار رؤیت کے بخلاف ہے چونکہ یہ دونوں خیار ثبوت ملک کے مانع نہیں لہٰذا تمام قبضہ کے مانع نہیں۔ چنانچہ اگر عاقدین جدا ہو گئے درحالیکہ عقد صرف میں خیار عیب یا خیار رؤیت ہو تو یہ جائز ہے، ہاں البتہ بیع صرف میں خیار رؤیت کا تصور نہیں چونکہ عقد صرف کا انعقاد مثل پر ہوتا ہے عین پر نہیں۔ ❸

۴.....عقد میں تنجیز ہو یا عقد میں مہلت نہ دی گئی ہو۔ یعنی عقد صرف میں یہ شرط بھی ہے کہ عقد میں عاقدین کی طرف سے کوئی مدت مقرر نہ کی گئی ہو، اگر کوئی مدت مقرر کر دی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ چونکہ عاقدین کے جدا ہونے سے قبل بدلین پر قبضہ کرنا واجب ہے۔ جبکہ مدت مقرر کرنے سے قبضہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اگر صاحب مدت نے جدا ہونے سے قبل مدت ساقط کر دی تو عقد جائز ہو جائے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ملاحظہ......آخری دو شرطیں قبضہ کی شرط سے متفرع ہوتی ہیں چنانچہ عقد صرف میں اموال ربویہ کے مبادلہ کی صورت میں قبضہ شرط ہے، مالکیہ وغیرہ نے عقد صرف میں وکالت اور حوالہ کو جائز قرار نہیں دیا چونکہ ان دونوں معاملوں کی صورت میں بدل صرف پر قبضہ کرنے میں تاخیر ہوگی جو عقد صرف کی مقتضاء کے خلاف ہے۔ عقد صرف میں مدت کی تعیین کے عدم جواز پر دلیل احادیث ربا میں جو پہلے گزر چکی ہیں۔ چنانچہ ان احادیث میں قبضہ کو واجب قرار دیا گیا ہے، شیخین کی حدیث میں ہے۔ ”جس عقد میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس عقد میں ادھار ہو تو وہ سود ہے۔“

قبضہ کی شرط پر مرتب ہونے والے امور......مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل صرف کے عوضین پر جب قبضہ ضروری ہے تو اس پر

---

❶......البدائع ۲۱۵/۵. ❷قال الزيلعي عن هذا الحديث غريب واه معناه يوخذ من اطلاق حديث ابی سعيد الخدری الذی اخرجه مسلم (نصب الراية ۳۶/۴) ❸مختصر الطحاوی ص ۷۵، فتح القدير ۳۶۷/۵، البدائع ۲۱۹/۵ الدرالمختار ۳۴۶/۴.

ابراء، ہبہ، تبادلہ اور ثمن صرف کا مقاصہ کا عدم جواز مرتب ہوتا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ❶

۱۔ ابراء، ہبہ...... دو شخص دینار کے بدلے میں دینار کی خرید و فروخت کا معاملہ کریں ان میں سے ایک شخص اپنا دین مستحق کے حوالے کر دے اور پھر اپنے معاملہ کار کو دینار سے بری الذمہ کر دے یا اس کو ہبہ کر دے یا اسے صدقہ کر دے۔ اگر دوسرے معاملہ کار نے ابراء اور ہبہ قبول کر لیا تو دین کی پابندی اور التزام ساقط ہو جائیگا اور عقد صرف بھی باطل ہو جائے گا چونکہ دین سے بری الذمہ کر دینے میں قبضے کا تحقق نہیں ہوتا جبکہ عقد صرف میں قبضہ شرعاً لازمی ہوتا ہے، یہاں ابراء کی وجہ سے قبضہ ثابت نہیں ہوا لہٰذا عقد صرف باطل ہو جائے گا۔

اگر دوسرے عاقد نے برأت قبول نہ کی تو ابراء صحیح نہیں اور عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا۔ چونکہ بدل صرف پر قبضہ کرنا واجب ہے، جبکہ دین سے بری الذمہ کرنا اسقاط ہے۔ اور جب دین ساقط کر دیا جائے تو اس کا قبضہ مقصود نہیں ہوتا، جب بری الذمہ کرنے کا یہ نتیجہ ہو تو یہ فسخ عقد کے معنی میں ہوگا، جبکہ فسخ عقد عاقدین کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، جب عقد صحیح ہو چکا تو اس کے بعد عاقد واحد کے ارادہ سے فسخ نہیں ہوگا جب ابراء (بری الذمہ کرنا) صحیح نہیں تو عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا اور مجلس میں جدا ہونے سے قبل بدلین پر قبضہ سے تمام ہو جائے گا۔

اگر بری الذمہ کرنے والے نے یا ہبہ کرنے والے نے یا صدقہ کرنے والے نے بری، ہبہ اور صدقہ کی ہوئی چیز کے لینے سے انکار کر دیا تو اسے قبضے پر مجبور کیا جائے گا چونکہ قبضہ کے انکار سے عقد فاسد ہو جائے گا یا فسخ ہو جائے گا جبکہ عاقد واحد فسخ عقد یا دوسرے کے عقد کو فاسد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

۲۔ بدل صرف کا تبادلہ...... عقد صرف کے کسی ایک معاملہ کار (متصارف) نے بدل صرف تبدیل کرنا چاہا جیسے دینار کے بدلہ میں کوئی اور چیز دے دی یا قبضہ سے قبل بدل صرف کو ہبہ کر دیا یا فروخت کر دیا تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، عقد صرف اپنے حال پر جوں کا توں باقی رہے گا۔ چونکہ بدل صرف پر قبضہ کرنا شرعی شرط ہے، جبکہ تبادلہ کی صورت میں قبضہ فوت ہو جاتا ہے۔ جب تبادلہ صحیح نہیں ہوا تو عقد صرف اپنے حال پر باقی رہے گا، اگر ایک بدل کا قبضہ تمام ہو جائے تو دوسرے بدل کا قبضہ واجب ہوگا۔

اگر ایک عاقد نے دوسرے عاقد کو اعلیٰ مال دیا یا گھٹیا (ردی) مال دیا لیکن دونوں کے مال کی جنس ایک ہی ہو اور دوسرا جسے یہ مال دیا گیا ہو وہ اس سے راضی ہو تو یہ جائز ہے، یہاں ادائیگی کو تبادلہ نہیں کہا جائے گا۔ چونکہ دراصل جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہے وہ لینے والے کے حق کی جنس میں سے ہے، اموال ربویہ میں اعلیٰ وادنیٰ برابر ہوتے ہیں نیز جب لینے والا ادنیٰ ہی پر راضی ہو تو یہ وصولی حق ہے تبادلہ نہیں۔

اسی اصول کے مطابق اگر صاحب حق نے اپنے حق سے گھٹیا یا کھوٹ والا دینار لیا جو لوگوں کے ہاں اسی اصل کی جنس میں سے سمجھا جاتا ہو تو یہ صحیح ہے، نقدی اموال کی ایک خریدار سے دوسرے ہاتھ میں خرید و فروخت باطل ہے۔

۳۔ بدل صرف کا حوالہ، کفالہ اور اس کے بدلہ میں رہن...... کسی ایک متصارف کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے حق کو قبضہ کرنے کے لئے کسی شخص پر حوالہ کرے بشرط یہ کہ محال علیہ مجلس عقد میں موجود اور حاضر ہو۔ بدل صرف کی جگہ رہن دینا بھی جائز ہے، ادائیگی حق کے لئے کفیل مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن ان احوال میں یہ شرط ہے کہ عقد صرف کی مجلس میں حق پر قبضہ فعلاً تمام ہونا چاہیے، حوالہ اور کفالہ میں حوالگی فعلی طور پر ہو اور رہن کی صورت میں مرتہن کے قبضہ میں رہن ہلاک ہونے سے حوالگی عمل میں آئے یہ شرط از روئے فقہ متفق علیہ ہے۔ ❷

---

❶ ...... البدائع ۵/۲۱۸. ❷ القوانین الفقهية ص ۲۵۰

یہی معنی حنفی فقہاء کے ہاں مقرر ہے چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: اگر صاحب حق نے محال علیہ سے ایک حق قبضہ کرلیا یا کفیل سے قبضہ کیا یا مرتہن کے پاس رہن ضائع ہوگیا اور عقد صرف کی مجلس میں رہن ہلاک ہوا تو عقد صرف اپنے حال پر صحیح ہوگا۔ اگر متصارفین قبضہ تمام ہونے سے پہلے جدا ہوجائیں یا رہن ضائع نہ ہوتو عقد صرف باطل ہوجائے گا۔ مجلس عقد کے باقی رہنے میں بقائے عاقدین کا اعتبار ہے اور ان کے جدا ہونے کا اعتبار ہے، محال علیہ اور کفیل کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں چونکہ حق پر قبضہ کرنا حقوق عقد میں سے ہے، لہٰذا مجلس عقد کا تعلق نفس عاقدین کے ساتھ ہے لہٰذا عاقدین کی مجلس کا اعتبار ہے۔

اگر عاقدین نے کسی اور شخص کو وکیل بنالیا جو ان کی طرف سے نقد کا معاملہ کرے تو اس میں موکلین کی مجلس کے باقی رہنے کا اعتبار ہوگا، وکیل کی مجلس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ چونکہ قبضہ عقد کے حقوق میں سے ہے لہٰذا عاقدین کے ساتھ متعلق ہوگا۔

۴۔ ثمن صرف اور بیع سلم کے رأس المال میں مقاصد...... مقاصد کا لغوی معنی مساوات اور مماثلت ہے، قصاص بھی اسی مادہ سے ہے، زیادتی کرنے والے سے اس کی زیادتی اور ظلم کے بقدر بدلہ لینا قصاص کہلاتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک مقاصد کا معین قیود کے ساتھ لغوی معنی مراد ہے۔ اگرچہ بعض مالکیہ نے مقاصد کی یوں تعریف کی ہے۔ ''تمہارے مقروض پر جو تمہارا قرض ہو اس میں سے کچھ اس قرض کے برابر ساقط کردو جو اس کا تمہارے اوپر ہو'' ابن جزی نے اس کی تعریف پوری کی ہے۔ ''قرض کو قرض سے منہا کرنا مقاصہ ہے۔ (یعنی ایک مقروض کہے کہ میں نے تمہیں جو قرض دیا ہے اس کے بدلہ میں اسی کے برابر میرا قرض منہا کردو) مقاصد کی دو قسمیں ہیں:

۱...... مقاصہ جبریہ ۲...... مقاصہ اختیاریہ یا اتفاقیہ۔

مقاصہ جبریہ کی امثال...... جو بنفسہٖ واقع ہو کہ مدیون پر جتنا قرضہ ہو اس کے بقدر دائن کے پاس اس کا مال ہو، جو جنس وصفت میں قرضہ کے مماثل ہو، اگر دونوں دین مقدار میں برابر سرابر ہوں تو دونوں دین ساقط ہوجائیں گے یا دونوں دین میں تفاوت ہوتو جتنی مقدار برابر ہوگی وہ ساقط ہوجائے گی چنانچہ قلیل کے بقدر کثیر ساقط ہوجائے گا اور زائد مقدار باقی رہ جائے گی۔

مقاصہ جبریہ کی چار شرائط:

۱۔ تلاقی حقین...... یہ کہ ایک شخص دوسرے کی بنسبت دائن بھی ہو اور مدیون بھی ہو۔

۲۔ تماثل دینین...... دونوں دین جنس، نوع اور صفت کے اعتبار سے متحد ہوں، دونوں کی مدت، جودت (کھرا اور عمدہ ہونا) ادنیٰ ہونا وغیرہ ایک جیسا ہو۔

۳۔ انتفائے ضرر...... یعنی مقاصہ جبریہ کے واقع ہونے پر مدیون یا مرتہن یا باقی قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

۴۔ اس مقاصہ پر کوئی شرعی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو جیسے عقد سلم کے رأس المال پر قبضہ سے پہلے عاقدین کا جدا ہونا، قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں کوئی تصرف کردینا عقد صرف میں بدلین پر قبضہ نہ کرنا۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مقاصہ جبریہ کا وقوع تبھی ہوگا جب چاروں شرائط پائی جاتی ہوں، جبکہ مالکیہ نے ان شرائط کو عائد نہیں کیا۔

مقاصہ اتفاقیہ کی مثال...... مقاصہ اتفاقیہ یہ ہوتا ہے کہ جو دونوں حق والوں کی باہمی رضامندی سے طے پائے یعنی ایک کا دین (قرضہ) ہو اور دوسرے کی کوئی معین چیز ہو، اس امر پر دونوں کا اتفاق ہو کہ ان میں سے ایک دوسرے سے حق کا مطالبہ نہیں کرے گا، مالکیہ مقاصہ اتفاقیہ کے اس صورت میں قائل ہیں جب جنس مختلف ہو یا اخلاف مختلف ہوں بشرطیکہ اس مقاصہ پر کوئی ممانعت مرتب نہ ہوتی ہو، یہ بات طے شدہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے آئمہ نقدین یعنی سونا چاندی اور جو دینار و درہم کے ہم مثل ہو میں مختلف جنس کا اعتبار کرتے ہیں۔

چنانچہ نقدین (سونا چاندی) میں مقاصہ اتفاقیہ مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، چونکہ اختلاف جنس کی صورت میں مالکیہ مقاصہ کے قائل ہیں۔ ❶ رہی بات عصر حاضر کے کرنسی نوٹوں کی خواہ کاغذی نوٹ ہوں یا دھات کے بنے سکے ہوں جنہیں فلوس (سکوں) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ سب جنس واحد کے حکم میں ہیں۔ چونکہ عرف میں انہیں جنس واحد سمجھا جاتا ہے نیز ابن ابی لیلیٰ کی رائے بھی یہی ہے۔ بعض مشائخ حنفیہ کا یہی مختار مذہب ہے۔ ❷

اس مقدمہ اور تمہید کے بعد ہم عقد صرف اور عقد سلم میں مقاصہ کے حکم سے بحث کریں گے۔

عقد صرف میں مقاصہ کا حکم...... اگر دو شخصوں نے آپس میں عقد صرف کیا اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو دس دراہم کے بدلہ میں ایک دینار فروخت کیا اور بائع نے دس دراہم پر قبضہ نہ کیا، جبکہ فروخت کنندہ کے دس دراہم خریدار کے ذمہ قرضہ تھے، فروخت کنندہ نے مقاصہ کا ارادہ کیا تو کیا مقاصہ واقع ہوگا؟ سو اس میں تین صورتیں ہیں۔

اول...... یہ کہ عقد صرف کے ہونے سے قبل قرضہ تھا، یعنی عقد صرف کے ہونے سے قبل فروخت کنندہ کے ذمہ دس دراہم تھے جو یا تو قرضہ کی مد میں سے تھے یا غصب کی مد سے یا خرید وفروخت کی مد سے۔ اگر متصارفین (عقد صرف کرنے والے یعنی فروخت کنندہ اور خریدار) مقاصہ کا ارادہ کریں یعنی ایک دینار کے بدلہ میں جو دس دراہم ہیں انہیں ذمہ میں واجب دس دراہم کے بدلہ میں منہا کرنا چاہیں تو ایسا کرنا استحساناً جائز ہے بشرطیکہ دونوں عاقدین باہمی رضامندی سے مقاصہ کریں، جبکہ قیاس کی رو سے یہ مقاصہ جائز نہیں اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اگر دونوں میں سے کوئی ایک مقاصہ پر راضی نہ ہو اور ان میں سے ایک منکر ہو تو مقاصہ جائز نہیں اس پر حنفیوں کا اتفاق ہے۔

وجہ قیاس...... کا حاصل یہ ہے کہ عقد صرف میں بعینہ بدل صرف پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ مقاصہ کی صورت میں بدل صرف کا متبادل حاصل ہوتا ہے چونکہ متصارف پر جو چیز واجب ہوتی ہے ادائیگی اس کی نہیں ہو پاتی، اور مقاصہ میں دینار کے ثمن جو متصارف پر واجب ہوتے ہیں ان کے متبادل لیتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بدل صرف کے متبادل کوئی اور عوض لے لیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

وجہ استحسان...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جب متصارفین نے تقاضہ کرلیا تو گویا مقاصہ کے ضمن میں صرف کا عقد اول فسخ ہو چکا اور دوسرا عقد صرف جو منعقد ہوا وہ پہلے عقد کا نہیں ہے۔ اور اس کے ثمن دس دراہم ہیں جو سابقہ دین ہیں، اگر یہ تقدیر نہ نکالی جائے تو مقاصا بدل صرف کا متبادل ہوگا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے دو شخص دو ہزار سے خرید وفروخت کریں پھر اس عقد کو فسخ کر کے پندرہ سو پر جدید بیع کرلیں لامحالہ دوسرے عقد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پہلے عقد کو فسخ قرار دینا ضروری ہے۔

دوم...... اس کا حاصل یہ ہے کہ عقد صرف کے وجود میں آنے کے بعد قبضہ ضمان سے دین ثابت ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ جیسے دینار کا فروخت کنندہ خریدار سے دس دراہم بطور قرضہ لے یا تو بالفعل دس دراہم لے یا اس سے غصب کرلے، اس صورت میں مقاصہ متصارفین پر زبردستی (جبر) کرتے ہوئے ہوگا اگرچہ باہمی رضامندی سے تقاضا نہ بھی کریں چونکہ متصارف کی جانب سے بالفعل قبضہ پایا گیا۔

سوم...... یہ کہ دین عقدِ صرف سے مؤخر عقد سے ثابت ہو جیسے دینار کا خریدار دینار کے فروخت کنندہ سے دس دراہم کے بدلہ میں کپڑا خرید لے، اس صورت میں اگر متصارفین مقاصہ نہیں کریں گے تو باتفاق روایات مقاصہ واقع نہیں ہوگا۔ اور اگر مجلس عقد میں دس کے بدلہ میں

---

❶...... المقاصد فی الفقۃ الاسلامی للاستاذ محمد سلام مذکور ص ۴، ۱۴، ۲۳ القوانین الفقهیة ص ۲۹۲ غایة المنتهی ۲/۸۲۔ ❷رد المحتار ۴/۲۵۰۔

دس کا مقاصہ کرلیں تو اس میں دو روایتیں ہیں، چنانچہ امام سرخسی کی مختار روایت کے مطابق مقاصہ جائز نہیں چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مقاصہ کو دَین سابق میں جائز قرار دیا ہے اور دَین لاحق میں جائز قرار نہیں دیا۔ ❶

دوسری روایت جو کہ صحیح بھی ہے ❷ کے مطابق مقاصہ واقع ہو جائے گا اس کی وجہ یہی ہے جو وجہِ استحسان ہے کہ جب دونوں عاقدین مقاصہ کا قصد کرلیں تو عقد اول کا اقالہ ہوگا اور عقد جدید طے پائے گا جب عقد صرف کو باطل کر دیا تو گویا عقد جدید طے پایا، یوں مقاصہ صحیح ہوگا۔ چونکہ عقود فسخ میں نقود متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے خواہ عقد و فسخ دین کا ہو یا عین کا۔

خلاصہ.....پہلی اور تیسری صورت میں مقاصہ اختیاری واقع ہوگا اور دوسری صورت میں مقاصہ جبری واقع ہوگا۔

عقد سلم کے رأس المال کا مقاصہ.....یعنی رب سلم کا مسلم الیہ کے ذمہ مال ہو جو رأس المال کے برابر ہو تو کیا رأس المال اور ذمہ میں پڑے قرضہ کے درمیان مقاصہ ہوگا؟ اس کی تین صورتیں ہیں۔

ا.....اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی سابقہ عقد سلم کا دین واجب ہوا ہو، جیسے مثلاً رب سلم نے مسلم الیہ کو دس دراہم میں کپڑا فروخت کیا ہو، اور دس دراہم پر قبضہ نہ کیا ہو پھر دونوں نے عقد سلم کرلیا، مثلاً رب سلم نے دس دراہم کے بدلہ میں گندم لینی ہو، چنانچہ اگر عاقدین دونوں دین (یعنی سابقہ دین اور رأس المال کا دین) کا مقاصہ کریں تو استحساناً صحیح ہے، اگر ان میں سے کسی ایک نے انکار کر دیا ہے تو مقاصہ صحیح نہیں ہوگا، اس صورت میں قیاس عدم جواز کا مقتضی ہے اور یہی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

وجہ قیاس.....کا حاصل یہ ہے کہ عقد سلم کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ رأس المال پر قبضہ کرلیا جائے جبکہ مقاصہ کی صورت میں بالفعل قبضہ نہیں ہوتا یوں شرط نہ پائی گئی تو عاقدین کے جدا ہونے پر عقد سلم باطل ہو جائے گا۔

وجہ استحسان.....عقد سلم میں رأس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ مطلوب ہوتا ہے لیکن جب مقاصہ طے پا گیا تو اس سے واضح ہوا کہ عقد سلم میں رأس المال پر (یہاں) بالفعل قبضہ مقصد نہیں بلکہ بطور مقاصہ بھی قبضہ کافی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے فروخت کنندہ اور خریدار ثمن یا مبیع میں اضافہ کرنے پر اتفاق کرلیں۔

۲.....اس کا حاصل یہ ہے کہ دین عقد سلم سے مؤخر کسی ضمان کے قبضہ کی وجہ سے واجب ہوا ہو جیسے غصب یا قرضہ لیا گیا۔ چنانچہ اس صورت میں رب سلم اور مسلم الیہ کے درمیان جبراً مقاصہ واقع ہوگا۔ جیسا کہ عقد صرف میں ہوتا ہے چونکہ غصب اور قرضہ کا قبضہ حقیقتاً قبضہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر دونوں دین برابر سرابر ہوں تو مقاصہ کو رأس المال کے قبضہ کا نائب (قائم مقام) سمجھا جائے گا۔

۳.....اس کا حاصل یہ ہے کہ دین کسی ایسے عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہو جو عقد سلم سے متاخر ہو مثلاً مسلم الیہ نے رب سلم کے لئے کوئی چیز خریدی ہو تو اس صورت میں مقاصہ صحیح نہیں ہوگا اگرچہ دونوں اتفاق کرلیں، ہاں البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شاذ روایت جواز کی منقول ہے۔ چونکہ مقاصہ دونوں دین کے وجود کا مقتضی ہے، جبکہ عقد سلم کے انعقاد کے وقت صرف دین واحد ہوتا ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ عقد سلم فی الحقیقت قبضے کا مقتضی ہے جبکہ مقاصہ کی صورت میں یہ حال نہیں۔ یہ ساری تفصیل علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی بدائع میں مذکور ہے چنانچہ انہوں نے مقاصہ کی صورت میں رأس المال اور بدل صرف میں برابری رکھی ہے۔

---

❶.....الحدیث رواہ احمد واصحاب السنن عن ابن عمر، کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں مقام بقیع میں دیناروں کے بدلہ میں اونٹ فروخت کرتا ہوں اور پھر دیناروں کی بجائے دراہم لے لیتا ہوں۔ اور دراہم کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور پھر دینار نئے لیتا ہوں، آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اس دن کے نرخوں سے لو بشرطیکہ تمہارے جدا ہونے وقت تمہارے درمیان کچھ باقی نہ رہے۔ (نیل الاوطار ۵/۱۵۶) ❷البدائع ۵/۲۰۶۔

لیکن اس مسئلہ میں سارادارومدار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جامع صغیر وغیرہ پر ہے جو کہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے۔ [1]

چنانچہ حنفیہ نے بدل صرف اور عقد سلم کے رأس المال میں فرق کیا ہے اور عقد سلم کے رأس المال کا کسی دوسرے دین کے ساتھ مقاصہ جائز قرار نہیں دیا۔ برابر ہے کہ عقد سلم سے پہلے کسی عقد کی وجہ سے دین واجب ہوا ہو یا عقد سلم کے بعد۔ چونکہ مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہوتی ہے اگر عقد سلم کے رأس المال اور مسلم الیہ پر واجب دین میں مقاصہ صحیح ہو اس حیثیت سے کہ یہ دین رأس المال بن جائے تو عاقدین شرعی ممانعت کے مرتکب ہو جائیں گے اور یہ دین کا دین سے تبادلہ ہے چونکہ رأس المال مقاصہ سے متعین نہیں ہوتا۔

یہ بدل صرف کے مقاصہ کے خلاف ہے جو دین متقدم یا دین متاخر کے ساتھ ہو چونکہ وہ مبیع جو دین (یعنی ثمن) کے مقابل ہو وہ عین ہوتی ہے یہ دین نہیں ہوتی یعنی مجلس عقد میں اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں یوں مقاصہ جو بدل صرف کا اس مبیع کے ساتھ ہوتا ہے یہ دین کے بدلہ میں عین کے تبادلہ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے۔ بخلاف عقد سلم کے رأس المال کے مقاصہ کے چونکہ وہ دین کے بدلہ میں دین کا مبادلہ ہوتا ہے اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔

صرف اور مبادلۂ زر جو کہ قرض پر قائم ہو..... اب یہاں ایک اہم مسئلہ سے بحث کرنا ضروری ہے وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں رقوم کی منتقلی کا مسئلہ ہے، یہ معاملہ عموماً ایک شخص اور صراف (منی چینجر، کیشئر) کے درمیان طے پاتا ہے۔ مثلاً عرب ممالک سے ملازمین بینک کے ذریعہ اپنے ملکوں اور شہروں میں رقوم منتقل کرتے ہیں، اور طلبہ کے سرپرست بیرونی ممالک میں طلبہ کو مختلف اداروں کے ذریعہ رقوم بھیجتے ہیں اس کے علاوہ بھی مختلف صورتیں ہیں جو آئے روز بینکوں اور دوسرے کرنسی اداروں میں ملکی وغیر ملکی سطح پر تحویل زر کے ضمن میں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ بیرونی ممالک میں رقوم کی منتقلی کی صورت میں رقوم کا تبادلہ ہوتا ہے اور قبضہ کسی دوسرے ملک یا دوسرے شہر میں عمل میں آتا ہے۔ آیا کہ یہ عمل مشروع ہے یا غیر مشروع؟

ملحوظ رہے کہ کاغذی کرنسی سونے اور چاندی کے حکم میں ہے جیسا کہ بہت ساری اسلامی فقہی انجمنوں اور بڑے بڑے علماء کی کمیٹیوں نے اس قرارداد کو پاس کیا ہے تاکہ احکام شرعیہ کی تطبیق دی جاسکے۔

جبکہ ایک قسم کے سکوں کی تحویل دوسرے سکوں کے بدلہ میں جو قبضہ سے خالی ہو اور بطور ادھار ہو حرام ہے برابر ہے کہ یہاں کسی طرف مال زیادہ ہو یا نہ ہو چونکہ ادھار اور قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربانسیئہ ہے جبکہ نقود کی ادھار بیع حلال ہے۔ خواہ نرخ برابر کے ہوں یا زیادہ ہوں۔

بنابریں واجب ہے کہ بینک یا کیشئر کے ساتھ عقد صرف (کرنسی کالین دین) نقد ہو اور ادھار لمحہ بھر کے لئے بھی نہ ہو، یہ معاملہ بالفعل سرزد ہونا چاہئے چونکہ صراف (کیشئر) مجلس عقد ہی میں متبادل زر کی حوالگی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے لیکن متبادل زر پر بالفعل قبضہ نہیں ہوتا بلکہ قبضہ حکمی حقیقی قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے، پھر اس کے بعد عقد جدید رونما ہوتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جب رقم دوسرے شہر میں پہنچ جاتی ہے، یہ معاملہ عقد قرض کی بنیاد پر ہوتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عقد جائز ہے جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں۔ جیسا کہ قرض کی بحث میں آیا چاہتا ہے۔

عقد صرف کی بحث میں مقاصہ کی تین صورتوں میں سے دوسری صورت میں میں نے بیان کیا ہے۔ کہ ''یہ جائز ہے کہ دینار کا فروخت کنندہ خریدار سے دس دراہم قرضہ میں لے اور بالفعل انہیں سپرد کردے، یوں متصارفین پر جبر کرتے ہوئے مقاصہ واقع ہوگا گو متصارفین مقاصہ پر باہمی رضامند نہ ہوں، چونکہ متصارف کی طرف سے بالفعل قبضہ ہو چکا۔

---

[1] ..... الجامع الصغير ۹۲، تبيين الحقائق ۴/ ۱۴۰، المبسوط ۱۴/ ۲۰، بحث المقاصة للاستاذ محمد سلام مذكور ص ۱۰۷.

اس کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ قرض دہندہ بینک یا صراف (کیشئر، منی چینجر) سے رسید لیتا ہے جس سے اس کا حق مستحکم ہو جاتا ہے اور بینک بدل قرض کا ضامن ہوتا ہے، البتہ ہونے والے اخراجات پر بینک اجرت یا کمیشن لے لیتا ہے تاکہ دوسرے ملک یا شہر میں رقم منتقل کرسکے۔

صرف وتحویل کے معاملات کا قیام قرض پر ہے، میرے نزدیک اس معاملہ کے صحیح ہونے کے یہ دو طریقے ہیں واللہ اعلم۔

رہی بات اندرون ملک بذریعہ ڈاک رقوم کی منتقلی کی جو کہ کسی ادارہ کے ساتھ تبادلہ رُقوم کے بغیر ہوتی ہے بلا اختلاف جائز ہے۔

الف.....اگر اہلکار کو رقم بطور امانت سپرد کی گئی تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اہلکار ضامن نہیں ہوگا ہاں البتہ اس سے تعدی یا کوتاہی ہوئی تو ضامن ہوگا۔ اور اگر ایک دوسرے سے مخلوط ہوگئیں یا حوالہ جات ایک دوسرے سے خلط ہوگئے تو اس کا ضمان ادارے پر آئے گا۔

ب.....اگر رقم بطور قرض دی گئی اور ساتھ یہ شرط نہ لگائی گئی کہ فلاں شخص کو پہنچائی ہے پھر قرض کے بعد اہلکار سے یہ رقم طلب کی گئی تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

ج.....اگر رقم اس شرط پر دی گئی کہ رقم فلاں شہر میں فلاں شخص تک پہنچانی ہے پھر اگر قرض دہندہ نے قرض لینے والے کے مال سے راستے کے خطرات سے حفاظت کا قصد نہ کیا تو حوالگی بالاتفاق جائز ہے، اگر راستے کے خطرات کے ضمان کا قصد کیا تو جمہور کے نزدیک عقد صحیح نہیں جیسے سفتجہ (ہنڈی) صحیح نہیں، جیسا کہ قرض کی بحث میں گزر چکا ہے۔ البتہ حنابلہ کے نزدیک معاملہ جائز ہے۔

کسی دوسری نقدی کی صورت میں قرض کی ادائیگی.....حنابلہ نے صراحت کی ہے [1] کہ ایک نقد کا دسرے نقد کے بدلہ میں عوض جو اس دن کے ریٹ کے مطابق ہو صحیح ہے، منتہیٰ میں لکھا ہے: ادائیگی میں ایک نقد کی جگہ دسرا نقد دے دینا صحیح ہے، بشرطیکہ ایک نقد حاضر کر لیا گیا ہو یا عاقد کے پاس امانت ہو اور دوسرا نقد (مال) ذمہ میں واجب ہو، اور یہ تبادلہ اس دن کے ریٹ کے ساتھ ہو، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کی ادائیگی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ شرح منتہیٰ میں لکھا ہے۔ ''ہماری دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں بقیع میں اونٹ فروخت کرتا ہوں اور دیناروں کے ساتھ فروخت کرتا ہوں پھر دیناروں کی بجائے دراہم لے لیتا ہوں اور دراہم کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور پھر ان کی جگہ دینار لے لیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تم اس دن کے ریٹ کے ساتھ لو اور جب جدا ہو جاؤ تو تمہارے درمیان کسی کا حق باقی نہ رہے۔'' ایک اور روایت میں ہے۔ ''میں دیناروں کے بدلہ میں فروخت کرتا ہوں اور ان کی جگہ چاندی لے لیتا ہوں، چاندی کے بدلہ میں (اونٹ) فروخت کرتا ہوں اور ان کی جگہ دینار لے لیتا ہوں۔'' [2]

یہ بھی فرمایا ہے کہ ''جس شخص پر دینار قرض ہوں اور پھر وہ الگ الگ (تھوڑے تھوڑے) دراہم دے کر قرضہ چکا دے، ہر نقدی مال قرض کے حساب کے مطابق ہو تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔''

۴: بیع الجزاف (اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت).....روزمرہ زندگی میں اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنے کا عام معمول ہے، اس لئے اب میں بیع جزاف کا معنی، مشروعیت کی دلیل اور اس کی اہم صورتوں کا حکم بیان کروں گا۔ اسی طرح نقود اور زیورات وغیرہ کی بیع کا حکم اور شرائط بھی بیان کروں گا۔

جزاف کا معنی.....جزاف جیم کی تینوں حرکات (ضمہ، فتحہ اور کسرہ) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جبکہ کسرہ زیادہ فصیح اور مشہور ہے، جزاب

---

[1].....المعتمد فقه الامام احمد بن حنبل دارالخیر دمشق ۱/۴۳۱۔ [2] حدیث ضعیف اخرجه ابو داؤد والترمذی واحمد وغیرهم۔

فارسی کا لفظ ہے جو عربی میں مستعمل ہے۔ ”کسی چیز کے مشاہدہ اور رؤیت کے بعد کیل، وزن اور گنتی کے بغیر اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جزاف کہلاتا ہے۔“ دراصل جزف، اکثر کے معنی میں ہے، اس کا مرجع مساہلت یعنی چشم پوشی ہے، علامہ شوکانیؒ نے جزاف کی یوں تعریف کی ہے۔ ”ایسی چیز کی بیع جس کی مقدار تفصیلاً معلوم نہ ہو۔ ❶

جزاف کی مشروعیت کی دلیل...... اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت کرنے کے جواز پر مختلف احادیث ہیں ان میں سے دو حدیثیں ذیل میں لائی جاتی ہیں۔

۱...... حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی متعین ناپی ہوئی مقدار کے ساتھ کھجوروں کے ڈھیر جس کی مقدار ناپ تول سے متعین نہ ہو کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم والنسائی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی دوسری جنس کے ثمن کے بدلہ میں اندازہ کے ساتھ کھجور... کی بیع جائز ہے، اگر ثمن کھجوریں ہی ہوں یعنی کھجوروں کے بدلہ میں اندازہ سے کھجوریں ہی ہوں تو بیع حرام ہوگی۔

چونکہ یہ معاملہ ربا الفضل پر مشتمل ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی ایک عوض کے مجہول ہونے سے کمی زیادتی کا شبہ قوی ہو جاتا ہے، اور جو چیز مظنۂ حرمت ہو اس سے اجتناب برتنا واجب ہوتا ہے۔ یہ طے شدہ ہے کہ کھجوریں اموال ربویہ میں سے ہیں۔

۲...... ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالائی بازار میں اندازے کے ساتھ غلہ کی خرید وفروخت کرتے تھے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ غلہ منتقل کرلیں۔ (رواہ الجماعۃ الا الترمذی وابن ماجہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کا اقرار کیا ہے، ہاں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

فقہاء کے نزدیک بیع جزاف کا حکم...... بیع جزاف کا حکم دو صورتوں میں واضح ہو جاتا ہے۔ غلے کے ڈھیر کی بیع، نقود اور زیورات کی بیع۔

غلہ کے ڈھیر کی بیع...... آئمہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ غلہ کے ڈھیر کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے۔ البتہ اس کی تفصیلات میں آئمہ کا اختلاف ہے، جسے میں ذکر کروں گا۔ جمع شدہ غلے کو ڈھیر کہا جاتا ہے، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: اندازہ کے ساتھ غلہ کے ڈھیر کی خرید وفروخت جائز ہے جبکہ غلے کی مقدار کا علم نہ ہو، ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ ❷ اس کی دلیل واضح ہے چنانچہ حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں۔

مذاہب کی تفصیلات:

اول: حنفیہ کا مذہب...... فقہائے حنفیہ کہتے ہیں: ❸ اگر کسی شخص نے غلہ کے متعین ڈھیر میں سے ایک قفیز درہموں کے ساتھ فروخت کیا یا کپڑوں کی گٹھڑی دراہم کے ساتھ فروخت کی جبکہ کپڑوں کی تعداد معلوم نہیں، یا غلے کا ڈھیر فروخت کیا لیکن غلے کی ... وں ❹ کا علم نہ ہو کہ وہ کتنے ہیں تو بیع جائز ہے، چونکہ اس میں تھوڑی سی جہالت ہے جو جھگڑے کا باعث نہیں بنتی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

---

❶...... نیل الاوطار ۱۶۰/۵۔ ❷المغنی ۱۲۳/۴۔ ❸البدائع ۱۵۸/۵ فتح القدیر ۸۸/۵، الدر المختار ۲۹/۴، تبیین الحقائق للزیلعی ۵/۴ اللباب شرح الکتاب للمیدانی ۷/۲ تحفۃ الفقہاء ۶۳/۲ مختصر الطحاوی ص ۷۹۔ ❹قضیز غلہ ناپنے کا پیمانہ ہے، جو ۱۲ اصاع کے برابر ہے۔ اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کلو کے برابر ہوتا ہے۔ گویا ایک قفیز تقریباً چالیس کلو یعنی ایک من کے برابر ہوتا ہے۔

جس شخص نے غلے کا ڈھیر فروخت کیا کہ ہر قفیز ایک درہم کے بدلہ میں، تو اس صورت میں صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی جبکہ بقیہ غلہ میں بیع موقوف ہوگی یہاں تک مجلس عقد میں جہالت ختم کردی جائے، اور جہالت دو طریقوں سے ختم ہوگی یا تو ڈھیر میں پڑے قفیزوں (پیمانوں) کی تعداد متعین کردی جائے یا مجلس عقد ہی میں غلے کو ناپ لیا جائے۔ جبکہ مجلس کی مختلف ساعتیں ساعت واحد کے حکم میں ہوتی ہیں، اگر مجلس برخاست ہونے کے بعد ڈھیر کی مقدار کا پتہ چلا تو فساد بیع پختہ ہو جائے گا اور اس کے بعد بیع صحیح نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ثمن اور مبیع (فروخت کردہ سامان) مجہول ہیں یعنی نہ غلے کی مقدار معلوم ہے اور نہ ہی ثمن کی مقدار، جبکہ جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ لامحالہ ڈھیر میں کم از کم ایک قفیز تو یقینی ہے لہٰذا ایک قفیز میں بیع صحیح ہوتی، جب کل مبیع میں قفیزوں کی تعیین سے جہالت جاتی رہی یا پیمانے سے ناپ کر جہالت ختم کردی تو اس صورت میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ خریدار کے حق میں تفریق صفقہ ہوا ہے البتہ بائع کو خیار نہیں ملے گا چونکہ معقود علیہ کی تجزی کا صدور بائع کی طرف سے ہوا ہے چونکہ قبل ازیں اس نے قفیزوں کی تعداد متعین نہیں کی۔ گویا وہ اسی طرح بیع کرنے پر راضی تھا۔ خریدار کو اس صورت میں خیار حاصل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی چیز خریدی جو اس نے دیکھی نہ ہو پھر اسے دیکھ لے اور دیکھنے سے جہالت جاتی رہے۔

صاحبینؒ..... کہتے ہیں: پورے ڈھیر میں بیع صحیح ہے چونکہ فی الجملہ اشارہ کرکے مبیع متعین ہو جاتی ہے اور یہ مقرر ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے مشار الیہ کی مقدار کا معلوم اور متعین ہونا شرط نہیں، جبکہ ثمن کی جہالت بھی ایسی نہیں جو باعث ضرر ہو چونکہ غلہ کی مقدار معلوم کرنے سے ثمن کی مقدار بھی معلوم ہو جاتی ہے یعنی مجلس عقد ہی میں پیمانے سے غلہ کو ناپ لیا جائے۔

صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے چونکہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے، صاحب ہدایہ نے صاحبین کے قول کو راجح قرار دیا ہے چونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کے بعد صاحبین کی دلیل بیان کی ہے۔ دوسرے آئمہ مذاہب کا بھی یہی قول ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ان کی دلیل کو راجح قرار دیا ہے۔

یہ غلہ اور اس کے مشابہ مثلی اشیاء کے ڈھیر کی خرید وفروخت کا حکم ہے، رہی بات قیمتی ❶ اشیاء کی سو ان کا حکم مندرجہ ذیل ہے۔

سو جس شخص نے بکریوں کا ریوڑ فروخت کیا بایں طور کہ ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں مثلاً تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کل ریوڑ میں بیع فاسد ہوگی، اصح قول کے مطابق اگرچہ مجلس عقد میں بکریوں کی تعداد معلوم ہو جائے، چونکہ بوقت عقد جہالت راسخ ہو چکی ہے۔ اس وقت ایک بکری کی بیع بھی صحیح نہیں ہوگی چونکہ بکریوں کے افراد میں تفاوت ہوتا ہے، بخلاف غلے کے ڈھیر کے اس میں سے ایک قفیز کی بیع صحیح ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا، چونکہ غلے کے اجزاء میں تفاوت نہیں ہوتا لہٰذا مثلی اشیاء میں جہالت جھگڑے کا باعث نہیں بنتی۔ لیکن قیمتی اشیاء میں یہ جہالت جھگڑے کا باعث بن جاتی ہے چونکہ قیمتی اشیاء کے افراد اور اکائیوں میں مماثلت نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کپڑے کا تھان فروخت کیا کہ ہر میٹر سو روپے میں لیکن تھان میں کتنے میٹر کپڑا ہے اس کی تعیین نہ کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے کپڑے میں بیع فاسد ہوگی یہی حکم عددی متفاوت اشیاء جیسے اونٹ، بیل، بھینس، غلام وغیرہ کا ہے۔

صاحبین کہتے ہیں قیمتی اشیاء میں بیع صحیح ہے چونکہ جہالت کو ختم کرنا ممکن ہے اور آخر میں مبیع کی تعداد معلوم کی جا سکتی ہے۔ ❷

خلاصہ..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مثلی اشیاء میں مجہول المقدار ڈھیر کی خرید وفروخت میں صرف واحد پیمانے کی بیع کو جائز قرار

---

❶ ..... مثلی اشیاء جو پیمانے سے ناپی تولی جائیں یا جن کا وزن ہوگا ہو جیسے، سونا، چاندی، یا عددی متقارب ہوں جیسے اخروٹ انڈے قیمتی اشیاء وہ ہیں جن کے افراد میں تفاوت ہو اور ہر فرد کی قیمت علیحدہ ہو۔ جیسے جانور، زمین، گھر، درخت وغیرہ۔ ❷ المراجع السابقه فتح القدير ص ۹۰، الزيلعي ص ٦ اللباب ص ۷۔

دیتے ہیں اور قیمتی اشیاء میں ایک پیمانے میں بھی بیع جائز نہیں سمجھتے، جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ صاحبین کے نزدیک پورے ڈھیر یا ریوڑ کی بیع جائز ہے خواہ مبیع مثلی ہو یا قیمتی ہو، چونکہ جہالت بوقت انعقاد صحت عقد کے مانع ہوتی ہے جو عقد کے آخر میں ختم ہوسکتی ہے۔

برتن یا مجہول المقدار وزن کے ساتھ خرید وفروخت......حنفیہ نے اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ خرید وفروخت کی ایک اور صورت کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ اس میں محض صورۃً کیل اور وزن ہو حقیقۃً نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی متعین برتن کے ساتھ ناپ کر بیع کر لی جبکہ برتن کی مقدار مقرر معلوم نہ ہو بشرط یہ کہ برتن ایسا ہو جس میں کمی بیشی کا احتمال نہ ہو، البتہ اگر برتن ایسا ہو جس میں غلے کے دانے گھس جاتے ہوں جیسے چھاپہ، ٹوکری، کھاری وغیرہ تو اس سے ناپ کر خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہاں البتہ پانی کے مشکیزے کے ساتھ ناپ کر بیع کرنا جائز ہے اور یہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحساناً جائز ہے، چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعین مشکیزے کو بھر کر خرید وفروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ حنفیہ نے متعین پتھر کے ساتھ وزن کر کے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ پتھر کی مقدار غیر معلوم ہو، اس میں شرط یہ ہے کہ پتھر اچٹتا نہ ہوتا کہ ملنے سے ٹوٹ ٹوٹ کر کم نہ ہو، البتہ اگر ایسی چیز سے وزن کر کے خرید وفروخت کی جو خشک ہونے سے ہلکی ہو جاتی ہو، جیسے ککڑی، خربوز وغیرہ تو اس صورت میں بیع جائز نہیں ہوگی۔ [1]

جس ڈھیر کی مقدار کی تحدید کر لی گئی ہو اس میں کمی بیشی کی حالت......جس شخص نے غلے کا ڈھیر خریدا کہ ڈھیر میں سو قفیز (من) ہیں اور ہر قفیز ایک درہم کے بدلہ میں ہے، خریدار نے تحدید کردہ مقدار سے کم پایا تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا، چاہے تو موجود مقدار کے حصہ کے بقدر ثمن دیکر قبضہ کرلے چونکہ مثلی مبیع کے اجزاء پر ثمن کی تقسیم ممکن ہے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے چونکہ اس صورت میں تفریق صفقہ لازم آتا ہے اور خریدار کی رضا تمام نہیں ہوگی، تفریق صفقہ کا سبب یہ ہے کہ عقد پورے مجموعہ پر وارد ہوا ہے جب مجموعہ میں کمی واقع ہوئی تو لامحالہ صفقہ متفرق ہو جائے گا۔ ہر مکیلی اور موزونی چیز جس کی تبعیض (اجزاء الگ الگ کرنے) میں کوئی نقصان نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر خریدار نے متفق علیہ مقدار ڈھیر کو زیادہ پایا تو زائد مقدار بائع کا حق ہے چونکہ عقد تو متعین مقدار پر واقع ہوا ہے زائد مقدار عقد میں داخل ہی نہیں لہٰذا زائد مقدار بائع کا حق ہے۔

اگر کسی شخص نے کپڑا خریدا بایں طور کہ یہ کپڑا دس ذراع (میٹر مثلاً) ہے اور دس دراہم میں فروخت کیا گیا، یا زمین خریدی جو سو ذراع ہے اور سو دراہم میں خریدی لیکن یہ تعیین نہیں کی کہ ہر ذراع کے اتنے ثمن ہیں، پھر خریدار کی تحدید کردہ مقدار سے مبیع کم پائی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو تحدید کردہ کل ثمن کے ساتھ خرید لے چاہے تو ترک کردے، چونکہ خریدار کو تفریق صفقہ کا سامنا ہے۔ غلے اور کپڑے، زمین کی حالتوں میں فرق یہ ہے کہ غلے میں مقدار مبیع کا اساسی جزو ہے وصف نہیں چنانچہ غلے کے ہر جزو کے مقابلہ میں ثمن کا جزو ہوتا ہے، رہی بات کپڑے یا زمین میں مقدار ذراع کی سو یہ وصف ہے چونکہ ذراع طول اور عرض سے عبارت ہے جبکہ وصف غیر مقصود ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتے ہاں البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا چونکہ وصف مرغوب فیہ جو عقد میں مشروط تھا وہ فوت ہوا ہے۔

اگر خریدار نے کپڑے یا زمین کے ذراعوں (فٹوں) کی تحدید سے زائد پایا تو زائد مقدار خریدار کا حق ہے اور فروخت کنندہ کو خیار بھی نہیں ملے گا چونکہ ذراع وصف ہے جو مقصود نہیں، چونکہ ذراع تابع محض ہے۔ اور توابع کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے لیکن خریدار اسے عیب سے پاک پائے تو بائع کو خیار نہیں ملے گا۔

یہ تفصیل تب ہے جب ذراع مقصود نہ ہو اگر ذراع مقصود بنالیا گیا مثلاً فروخت کنندہ نے یوں کہا، میں نے یہ زمین تمہیں فروخت کر دی

---

[1] ......فتح القدیر ص ۸۶، الزیلعی ص ۵ اللباب ص ۷ رد المحتار ۲۹/۴۔

بایں طور کہ یہ سوذراع ہے اور سو دراہم میں فروخت کی کہ ہر ذراع ایک درہم کے بدلہ میں ہے۔ پھر خریدار نے زمین کم پائی تو اسے خیار حاصل ہو گیا اگر چاہے تو مبیع کی مقدار کے حصہ کے بقدر ثمن دے کر قبضہ کر لے (یعنی اگر نوے ذراع نکلی تو نوے درہم دے) چونکہ اگر چہ ذراع وصف ہے جو تابع ہوتا ہے لیکن صورت مذکورہ میں ذراع کا مستقلاً ذکر آیا تو گویا اسے اصل کا درجہ حاصل ہو گیا اور خریدار چاہے تو بیع ترک کردے۔ اگر زمین تحدید کردہ مقدار سے زائد پائی تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا چاہے تو پوری زمین قبضہ کر لے بایں طور کہ ہر ذراع ایک درہم سے خریدے یا اگر چاہے تو بیع فسخ کردے تا کہ زائد مقدار کے لینے کے ضرر کا دفعیہ ہو جائے۔

دوم: مالکیہ کا مذہب...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجہول المقدار غلہ کے ڈھیر کو پیمانے کی بنیاد پر فروخت کرنا جائز ہے یعنی ہر پیمانے مثلاً ایک درہم میں، ناپنے کے بعد جتنے پیمانے ہوں انہی کے حساب سے قیمت چکائی جائے، مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی مانع نہیں کہ مبیع خواہ مثلی ہو یا قیمتی ہو یا عددی ہو چنانچہ ان کے نزدیک غلہ، کپڑا، غلام جانور سب میں بیع جزاف جائز ہے۔ ❶ بخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمتی اشیاء میں بیع جزاف جائز نہیں۔ اس کی مزید تفصیل بیع جزاف کی شرائط میں آیا چاہتی ہے۔

سوم: شافعیہ کا مذہب...... شافعیہ کہتے ہیں: ڈھیر میں سے ایک صاع کی خرید وفروخت جائز ہے جبکہ عاقدین کو معلوم ہو کہ ڈھیر میں کتنے صاع غلہ ہے مثلاً دس صاع۔ تاکہ غرر نہ ہو پائے، جیسا کہ اصح مذہب کے مطابق جملہ صاع مجہول ہونے کی صورت میں بیع صحیح ہوتی ہے، نیز مبیع کی جہالت ختم بھی کی جاسکتی ہے۔ جبکہ زمین یا کپڑا جس کی مقدار معلوم نہ ہو کہ کتنے ذراع ہے تو اس میں سے ایک ذراع کی بیع صحیح نہیں ہے جیسے بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح جس ڈھیر کی مقدار مجہول ہو کہ اس میں کتنے صاع غلہ ہے اس کی بیع صحیح ہے بایں طور کہ بیان کر دیا جائے کہ ہر صاع ایک درہم کے بدلہ میں، یا بائع کہے: میں نے یہ ڈھیر تمہیں فروخت کر دیا، اگر چہ قفیزوں کی مقدار معلوم نہ ہو۔ یا کہے: میں نے یہ گھر یا یہ کپڑا تمہیں فروخت کر دیا اگر چہ معلوم نہ ہو کہ کتنے ذراع ہیں۔ چونکہ مبیع مشاہد یعنی سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے، اسی طرح جہالت کا غرر ختم ہو سکتا ہے اور یہ جہالت جملہ ثمن کے لئے باعث ضرر نہیں۔ غلے کے ڈھیر کی مثال یہ بھی ہے مثلاً کہے: میں نے تمہیں یہ زمین یا یہ کپڑا فروخت کر دیا کہ ہر ذراع ایک درہم کے بدلہ میں یا کہا یہ بکریاں فروخت کر دیں کہ ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تخمینے کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت کو میں مکروہ سمجھتا ہوں چونکہ درحقیقت ڈھیر کی مقدار مجہول ہوتی ہے۔

اگر غلے کا ڈھیر سو درہم میں فروخت کیا کہ ہر صاع ایک درہم کے بدلہ میں یا زمین یا کپڑا سو درہم میں فروخت کیا کہ ہر ذراع ایک درہم میں پھر اگر اجمال اور تفصیل میں موافقت ہوئی (یعنی ناپنے پر سو صاع یا ذراع نکلے) تو بیع صحیح ہوگی، اگر مبیع کے سو صاع یا سو ذراع نہ نکلے بلکہ کم یا زیادہ نکلے لہٰذا صحیح مذہب کے مطابق بیع صحیح نہیں چونکہ اجمال اور تفصیل میں موافقت نہیں۔ غلے کے ڈھیر کو ثمن بنا کر کسی اور چیز کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس میں مشاہدہ کافی ہے لیکن مکروہ ہے چونکہ بسا اوقات اس طرح کی بیع میں ندامت بھی ہو جاتی ہے۔ ❷

خلاصہ...... شافعیہ مالکیہ کی طرح غلے کی ڈھیر کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیتے ہیں خواہ مبیع مثلی ہو یا قیمی، جبکہ اگر ڈھیر کی اجمالی مقدار متعین ہو تو مالکیہ اور شافعیہ نے حنفیہ سے اختلاف کیا ہے چنانچہ اگر اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہ ہو تو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بیع باطل ہو جاتی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک بیع صحیح ہے، البتہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا جیسا کہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ فی الجملہ امام شافعیؒ کے اصح

---

❶ ......بدایۃ المجتھد ۲/۱۵۸، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۱۸۔۲۰۔ ❷ مغنی المحتاج ۲/۱۶، المھذب ۱/۲۶۴، المجموع ۹/۳۴۰۔

قول کے مطابق تخمینہ کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت مکروہ ہے، امام نووی اور دوسرے مجتہدین نے اسی قول کو قطعی قرار دیا ہے چونکہ اس بیع میں غرر ہے۔ ❶

چہارم: حنابلہ کا مذہب......حنابلہ نے ڈھیر کی خرید وفروخت (اندازہ کے ساتھ) کو جائز قرار دیا ہے اگر چہ فروخت کنندہ اور خریدار ڈھیر کی مقدار سے ناواقف ہوں۔ برابر ہے کہ مبیع غلہ ہو یا کپڑا ہو یا جانور ہو، حنابلہ کے نزدیک غلہ کے ڈھیر، یا کپڑے یا بکریوں کے ریوڑ کی بیع صحیح ہے بایں طور کہ ہر قفیز یا ہر ذراع یا ہر بکری ایک درہم کے بدلہ میں، چونکہ مشاہدہ سے مبیع معلوم کی جاسکتی ہے، چنانچہ ڈھیر کو پیمانے سے ناپ لیا جائے اور قفیزوں کی تعداد سے ثمن کا حساب لگایا جاسکتا ہے۔ برتن میں پڑی چیز سمیت برتن کو فروخت کرنا جائز ہے کہ ہر رطل مثلاً دس درہم میں، اس میں شرط یہ ہے کہ برتن کے وزن کو ساقط کیا جائے۔ ❷

خلاصہ......اوپر مذکور ہوا ہے کہ اندازہ کے ساتھ ڈھیر کی خرید وفروخت کو فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ فروخت کنندہ کہے ”میں نے تمہیں یہ ڈھیر فروخت کر دیا کہ ہر قفیز ایک درہم کے بدلہ میں۔ گو عاقدین کو بوقت عقد ڈھیر کی مقدار معلوم نہ ہو، ڈھیر کی طرح ہر مکیلی، موزونی اور معدودی چیز خواہ مثلی ہو یا قیمی اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے، یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی اور اس کے علاوہ میں بیع باطل ہے۔ چونکہ جملہ ثمن مجہول ہیں لہٰذا بیع صحیح نہیں جیسے کسی چیز کی بیع اس کی رقم کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمی اشیاء میں بیع جزاف صحیح نہیں۔

نقود، زیورات اور سونے چاندی سے آراستہ سامان کی خرید وفروخت......اگر بدلین (معقود علیہ اور ثمن) مختلف اجناس کے ہوں (یعنی سونے کے بدلہ میں چاندی خریدی جارہی ہو) تو تخمینہ اور اندازہ سے بیع جائز ہے، اگر بدلین کی جنس متحد ہو (یعنی معقود علیہ اور ثمن ایک ہی جنس سے ہوں) تو تخمینہ سے بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ اس صورت میں عقد ربا (سود) پر مشتمل ہوگا، ❸ اس لئے کہ جب پیمانے یا وزن سے مقدار معلوم نہ ہوئی تو کمی بیشی کا امکان قوی تر ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز مظنۂ حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے، اور اجتناب تب ہی ہوگا جب کیلی چیز کو پیمانہ سے ناپ لیا جائے اور موزونی چیز کا وزن کر لیا جائے، گویا یوں کہا جائے گا کہ تخمینہ کے ساتھ اموال ربویہ کی ایک ہی جنس کی خرید وفروخت کہ ایک ہی جنس معقود علیہ بھی ہو اور ثمن بھی، بیع جائز نہیں اور اموال غیر ربویہ کی بیع تخمینہ کے ساتھ جائز ہے، چونکہ اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت میں سود کا احتمال ہے، سود کے معاملہ میں احتمال حقیقت کے حکم میں ہے لہٰذا اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت ممنوع ہے۔

اصول......اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ نقود کی بیع کا اصول یہ ہے کہ وہ اموال ربویہ جن کی خرید وفروخت تفاضل (یعنی ایک بدل کم اور دوسرا زائد ہو) کے ساتھ جائز ہے ان میں بیع جزاف بھی جائز ہے اور جن اموال ربویہ کی تفاضل کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں ان میں بیع جزاف بھی جائز نہیں۔ ❹ یہ ظاہر ہے کہ یہ اصول مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہے، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک مثلاً غلہ کی بجنسہ یا نقد کی بجنسہ خرید وفروخت اندازہ کے ساتھ جائز نہیں اگر چہ بدلین برابر سرابر ہی کیوں نہ ہوں چونکہ حدیث میں کھجوروں کے ڈھیر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کی معلوم المقدار کھجوروں کے بدلہ میں خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے۔ ❺ اس اصول سے مندرجہ ذیل دو صورتیں واضح ہوتی ہیں۔

ا......جب سونے کے بدلہ میں سونا اور چاندی کے بدلہ میں چاندی کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت کی جائے تو بیع جائز نہیں ہوگی

---

❶......المجموع ۹/۳۴۳۔ ❷ المغنی ۴/۱۲۳، غایۃ المنتہیٰ ۲/۱۲۔ ❸ سونے کے بدلہ میں سونا یا چاندی کے بدلہ میں چاندی کی خرید وفروخت ہو تو دونوں کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے سر مو برابر بھی اگر کمی بیشی ہوتی تو سود ہو جائے گا۔ ❹ تحفۃ الفقہاء ۳/۳۹۔ ❺ مغنی المحتاج ۲/۲۵، المغنی ۴/۱۵، القوانین الفقہیۃ ص ۲۴۶۔

چونکہ سونا چاندی اموال ربویہ میں سے ہیں اور بجنسہ اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں اور تفاضل حرام ہے، اور بیع جزاف میں کسی ایک عوض کے زائد ہونے کا احتمال ہے جو حقیقت کے حکم میں ہے۔ اگر مجلس عقد میں عوضین کا وزن کیا گیا اور دونوں عوض وزن میں برابر سرابر ہے تو بیع استحساناً جائز ہوگی، چونکہ مجلس عقد حالت انعقاد عقد کے حکم میں ہے۔ اگر مجلس برخاست ہونے کے بعد عوضین کا وزن کیا گیا جو برابر رہا تو بیع فاسد ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہوگی بشرطیکہ عوضین وزن میں مساوی ہوں، چونکہ بیع کے صحیح ہونے کے مانع احتمال تھا جو واضح ہو چکا کہ زائد کوئی عوض نہیں۔

۲...... اگر سونے چاندی کی مخالف جنس کے ساتھ خرید وفروخت کی (یعنی سونے کے بدلہ میں چاندی خریدی) تو بیع جزاف صحیح ہوگی چونکہ جب جنس مختلف ہوں تو تفاضل جائز ہے لیکن مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا واجب ہوگا جیسے اتحاد جنس کی صورت میں مجلس عقد میں قبضہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں مذکور بالا دونوں صورتوں سے مندرجہ ذیل مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

چنانچہ جب دو شریکوں کے درمیان مشترک اموال ربویہ تقسیم ہو رہے ہوں تو اندازہ کے ساتھ جنس واحد کی تقسیم جائز نہیں البتہ مختلف الجنس میں جائز ہے (مثلاً اندازہ کے ساتھ چاول کا ایک ڈھیر ایک شریک کو دے دیا جائے اور دوسرا ڈھیر دوسرے شریک کو یہ جائز نہیں ہاں البتہ ایک شریک کو چاول کا ڈھیر اور دوسرے کو گندم کا ڈھیر دیا جا سکتا ہے)۔

چونکہ دو شریکوں کے درمیان مشترک مال کی تقسیم بیع یا مبادلہ کے حکم میں ہے چونکہ ہر شریک جو مال لیتا ہے وہ دوسرے شریک کے حصہ کا عوض لیتا ہے، یہ من وجہ (ایک طرح سے) مبادلہ ہے اور من وجہ علیحدگی ہے۔

اگر تلواروں کی خرید وفروخت تلواروں کے بدلہ میں ہو یا پیتل کے برتنوں کی بیع پیتل کے تنوں کے ساتھ ہو اور بیع جزاف ہو اور اگر گنتی کی بنیاد پر خرید وفروخت ہو تو بیع صحیح ہوگی چونکہ گنتی عددی اشیاء میں علت ربا نہیں بلکہ علت تو کیل اور وزن ہے، لہٰذا تفاضل جائز ہے سود نہیں ہوگا۔ اور اگر ان چیزوں کا وزن کیا جاتا ہو تو بیع جائز نہیں چونکہ اموال ربویہ کی بجنسہ بیع کی جا رہی ہے جو جائز نہیں۔

اگر ملاوٹ والی چاندی کو کسی دوسری دھات کے ساتھ فروخت کیا جائے یا ملاوٹ والے سونے کو فروخت کیا جائے تو شریعت میں اعتبار غلبہ کا ہے، چنانچہ اگر چاندی غالب ہو تو ملاوٹ والا مال چاندی تصور ہوگا اور اگر سونا غالب ہو تو سونا ہوگا۔ چنانچہ اگر ملاوٹ زدہ چاندی جس میں چاندی کا غلبہ ہو جو خالص چاندی کے ساتھ فروخت کی جا رہی ہو تو برابر واجب ہوگی چونکہ دونوں طرح کی چاندی تھوڑی سی ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتی چونکہ ملاوٹ کے بغیر چاندی کو ڈھالنا مشکل ہوتا ہے، بسا اوقات ملاوٹ طبعی ہوتی ہے اس صورت میں طبعی ملاوٹ اور مخلوط ملاوٹ میں امتیاز کرنا دشوار ہوتا ہے لہٰذا قلیل ملاوٹ والی چاندی کو ردی چاندی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا، جبکہ اموال ربویہ کے مبادلہ میں جید اور ردی برابر ہوتے ہیں، ان میں ملاوٹ کو کالعدم کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

اگر ملاوٹ غالب ہو تو سونے چاندی پیتل کے حکم میں ہوں گے پھر اگر ملاوٹ زدہ سونے چاندی کی خرید وفروخت پیتل کے ساتھ کی جا رہی ہو تو برابری سرابری اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ضروری ہوگا۔

اگر چاندی اور ملاوٹ یا سونا اور ملاوٹ مساوی مساوی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ خرید وفروخت اور قرض لینے دینے میں کس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے اگر سونے چاندی کا اعتبار کیا جاتا ہے تو بیع اور قرضہ وزن کر کے جائز ہوگا اور اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں ہوگی۔

بیع صرف کی صورت میں ملاوٹ زدہ مال کا حکم ملاوٹ غالب کا حکم ہوگا، چنانچہ اگر خالص چاندی، ملاوٹ والی چاندی سے زائد ہو تو بیع جائز ہوگی یہاں تک کہ چاندی چاندی کے مقابل ہوگی اور زائد چاندی کھوٹ کے مقابل ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے چاندی اور پیتل سے بنی ہوئی چیز کو چاندی کے ساتھ فروخت کیا جائے، اگر خالص چاندی کھوٹ والی چاندی سے کم ہو یا چاندی کی مقدار معلوم نہ ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ

کسی ایک عوض میں سود کا احتمال ہے۔ ❶

سونے یا چاندی سے آراستہ تلوار کو اگر فروخت کیا جائے جبکہ ثمن میں سونا یا چاندی ہو تو آراستگی میں لگے سونا چاندی اور ثمن میں مماثلت کا ہونا ضروری ہے، گویا تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے سونا چاندی سے ثمن زیادہ ہوں تو بیع جائز ہوگی، تا کہ تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے سونے یا چاندی کے مقابلہ میں سونا چاندی ہو اور زائد ثمن دستہ اور تلوار کے مقابلہ میں ہو، چونکہ مبیع پر ثمن کی تقسیم کا اصول حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب مبیع میں مختلف اشیاء شامل ہوں ان میں سے کچھ ثمن کی جنس میں سے ہوں اور کچھ ثمن کی جنس میں سے نہ ہوں، تو ثمن کو اسی کی جنس کی مبیع کی طرف پھیرا جائے گا جو بجنسہ مبیع کے وزن کے برابر ہوتا کہ حتی الامکان عقد کو صحیح کیا جا سکے، چونکہ مسلمانوں کے معاملات جہاں تک ہو سکے درستی اور صواب کی طرف لائے جائیں، یہاں عقد اسی صورت میں صحیح کیا جا سکتا ہے جب ثمن بجنسہ مبیع کے وزن کے برابر ہوں، بقیہ ثمن کو دوسری جنس کی طرف پھیرا جائے گا۔ ❷

اگر ثمن تلوار سے جڑے زیور کے برابر ہو یا کم ہو تو بیع جائز نہیں، چونکہ یہ بیع ربا الفضل پر مشتمل ہوگی، چونکہ تلوار کا دستہ اور پر تلا مبیع ہوں گے بغیر کسی عوض کے اور یہی سود ہے۔

اگر ثمن کی مقدار مجہول ہو یا ثمن کی مقدار کی تعیین میں تاجروں کا اختلاف ہو پھر اگر یہ واضح ہو جائے کہ ثمن تلوار کے ساتھ جڑے ہوئے زیور سے زائد ہو تو حنفیہ کے نزدیک بیع جائز ہوگی بشرطیکہ مجلس عقد ہی میں ثمن کی وضاحت ہو جائے، اگر مجلس عقد کے بعد وضاحت ہو تو بیع جائز نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عقد صحیح ہوگا جیسے بیع جزاف میں ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

بنا بریں ایک اور فقہی قاعدہ ہے کہ ”جب نقدی مال غیر نقدی مال کے ساتھ ملا کر بجنسہ نقد کے ساتھ فروخت کیا جیسے چاندی سے آراستہ چیز کو دراہم کے بدلہ میں فروخت کیا تو اس میں یہ شرط ہے کہ ثمن جڑی ہوئی چاندی سے زائد ہو تا کہ کچھ ثمن جڑی ہوئی چاندی کے بدلہ میں ہو اور کچھ ثمن بقیہ چیز کے بدلہ میں ہو، اگر ثمن زائد نہ ہو تو بیع باطل ہوگی۔ اگر ثمن جڑی ہوئی چاندی کے برابر ہوں یا کم ہوں یا ان کی مقدار مجہول ہو تو بیع باطل ہوگی، اگر ثمن زیور کی جنس میں سے نہ ہو تو محض قبضہ کرنا شرط ہوگا اور تفاضل بھی جائز ہوگا جیسا کہ آیا چاہتا ہے۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ جب ثمن آراستہ چیز میں لگے سونا چاندی سے زائد ہوں تو بیع صحیح ہونے کے لئے عقد مجلس ہی میں قبضہ شرط ہوگا۔

اگر بغیر قبضہ کے عاقدین جدا ہو گئے یا ایک عاقد نے قبضہ کر لیا اور دوسرے نے قبضہ نہ کیا تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے۔

الف..... اگر تلوار کے ساتھ جڑے سونا چاندی کو بغیر کسی ضرر اور نقصان کے علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

ب..... اگر ضرر اور نقصان کے بغیر سونا چاندی کو علیحدہ کرنا ممکن ہو تو تلوار میں بیع جائز ہو جائے گی جبکہ تلوار کے ساتھ جڑے سونے چاندی کی بیع فاسد ہوگی، چونکہ جڑے ہوئے سونا چاندی کے بقدر بیع صرف ہے اور تلوار میں بیع مطلق ہے، صحت صرف کے لئے فقط قبضہ شرط ہے۔ اگر بغیر نقصان کے زیور الگ ہو جائے تو گویا زیور اور تلوار دو جدا جدا چیزیں ہوئیں تو ایک میں عقد جائز ہوگا دوسری میں نہیں۔

اگر زیور بغیر ضرر اور نقصان کے علیحدہ نہ ہو تو پورے کا پورا عقد فاسد ہوگا، زیور کے اعتبار سے اس لئے چونکہ قبضہ نہیں ہوا اور تلوار کے اعتبار سے اس لئے چونکہ ایسی چیز کی بیع ہوئی ہے جس کی حوالگی بائع کے نقصان کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتی، اس صفت کی جو بیع بھی ہو وہ فاسد ہوتی ہے جیسے چھت میں لگے شہتیر کی بیع، اگر چار و نا چار زیور علیحدہ کر کے تلوار خریدار کو سپرد کر دی جائے تو عقد صحیح ہو جائے گا۔

سابقہ دو شرطیں جو عقد صرف میں پائی جانی ضروری ہیں کہ خیار شرط سے عقد صرف پاک ہو اور کوئی عوض ادھار پر نہ ہو، اب اگر سونا یا چاندی سے آراستہ تلوار جنس مخالف سونا چاندی کے بدلہ میں فروخت کی (یعنی تلوار سونے سے آراستہ کی گئی تھی اور چاندی کے ساتھ فروخت کی گئی) جبکہ زیور کے وزن سے ثمن کا وزن زیادہ ہو، دونوں میں سے کسی ایک نے خیار شرط کی قید رکھی ہو یا خریدار نے ثمن کی

❶..... تبیین الحقائق ۴/ ۱۴۰۔ ❷ البدائع ۵/ ۲۱۷، تحفۃ الفقہاء ۳/ ۴۱، الدر المختار ۴/ ۲۴۷۔

ادائیگی بطور ادھار رکھی ہو پھر کسی ایک عوض کا قبضہ مکمل نہ ہونے سے قبل متعاقدین جدا ہو جائیں تو عقد مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق فاسد ہوگا۔

الف..... اگر زیور تلوار سے بغیر نقصان ہوئے الگ نہ ہوتا ہو تو زیور میں بیع بسبب خیار یا ادھار کے فاسد ہوگی اور تلوار میں بھی فاسد ہوگی چونکہ عقد میں اسے الگ انفرادی طور اگر قبضہ کے بعد متعاقدین جدا ہوئے یعنی خیار باطل کر دیا یا ادھار کے دست کش ہو گئے تو عقد جائز ہو جائے گا لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ب..... اگر زیور تلوار سے بغیر نقصان اور ضرر کے الگ ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوگا چونکہ صفقہ (سودا) صحیح اور فاسد پر مشتمل ہوگا جبکہ فساد نفس معقود علیہ میں ہوگا۔ ایسی صورت میں فساد پوری بیع میں پھیل جاتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تلوار میں بیع جائز ہوگی، اور زیور میں باطل ہوگی، چونکہ سودا صحیح اور فاسد پر مشتمل ہے اور فاسد اثر کرتا ہے لہٰذا بیع صحیح میں صحیح ہوگی اور فاسد میں فاسد۔

ج..... اگر کسی شخص نے سنار سے چاندی کا کڑا دراہم کے ساتھ خریدا اور دونوں بدلین وزن میں برابر ہے دونوں عاقدوں نے قبضہ کر لیا اور جدا ہو گئے، یا دو آدمیوں نے آپس میں عقد صرف کیا یعنی سونا کے بدلے میں سونا اور چاندی کے بدلہ میں چاندی خریدی اور عوضین برابر سرابر رکھے، قبضہ بھی مکمل ہو گیا پھر جدا ہوئے، پھر ایک عقود نے دوسرے کو کوئی زائد چیز دی جیسے دوسرے نے قبول کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خود کمی اور بیشی باطل اور لغو ہوگی جبکہ عقد صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کمی جائز ہے جو ہبہ کے بمنزلہ ہے اور زیادتی باطل ہے۔

منشائے اختلاف یہ ہے کہ شرط فاسد جو عقد پر وارد ہو اور اس کا تذکرہ عقد سے مؤخر ہو تو کیا یہ شرط عقد میں اثر کرے گی یا نہیں؟ [1]

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط عقد کے ساتھ مل جائے گی اور عقد کو فاسد کر دے گی، اور انعقاد عقد کے بعد اگر معقود علیہ یا ثمن میں کمی زیادتی ہوئی تو یہ کمی زیادتی صلب عقد کے ساتھ جا ملے گی تو گویا عقد شروع ہی سے اس کمی زیادتی پر مشتمل پایا گیا، اور اموال ربویہ میں تفاضل کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا چونکہ عوضین کی جنس ایک ہے لہٰذا سود متحقق ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک شرط فاسد عقد کے ساتھ نہیں ملی البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصل کا التزام کیا ہے اور کمی اور زیادتی دونوں کا اعتبار ساقط کیا ہے اور یوں بیع اول صحیح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زیادتی اور کمی میں فرق کیا ہے کہ زیادتی باطل ہے جبکہ کمی جائز ہے چونکہ زیادتی اگرچہ صحیح ہو اصل عقد کے ساتھ ملحق ہے لہٰذا عقد کو فاسد کر دے گی اور یوں زیادتی باطل ہے۔

اگر بدلین کی جنس مختلف ہو مثلاً دس دراہم کے وزن کے برابر کا چاندی کا کڑا ایک دینار سے فروخت کیا یا دس درہم کے بدلہ میں ایک دینار خریدا پھر کسی عاقد نے دوسرے کو ایک درہم زائد دیا اور دوسرے نے اسے قبول کر لیا یا ایک درہم کم کر دیا تو کمی زیادتی حنفیہ کے ہاں بالاتفاق تو جائز ہے اور کمی زیادتی اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوگی۔ چونکہ سود کا پایا جانا صحت عقد کے مانع تھا اور یہاں جنس مختلف ہے تفاضل جائز ہے البتہ مجلس میں قبضہ شرط ہے اگر عاقدین قبضہ سے پہلے جدا ہوئے تو بقدر اضافہ عقد باطل ہو جائے گا چونکہ اضافہ جب اصل عقد کے ساتھ ملا تو گویا عقد کی زیادتی دونوں پر وارد ہوا اور ثمن صرف کا جز بن گیا۔

رہی بات کمی کی سو مجلس میں قبضہ شرط نہیں چونکہ کمی اگر اصل عقد کے ساتھ ملحق ہو جائے تو عوضین میں تفاضل آ جاتا ہے جو عقد پر مؤثر نہیں ہوتا چونکہ اختلاف جنس کی صورت میں اموال ربویہ میں تفاضل جائز ہے۔ البتہ عاقد پر واجب ہے کہ کمی واپس کرے چونکہ کمی جب اصل عقد

---

[1]..... البدائع ۲۱۶/۵، الدر المختار ۲۴۶/۴۔

کے ساتھ ملحق ہوئی تو واضح ہو چکا کہ عقد کمی کی ہوئی مقدار پر شروع ہی سے واقع نہیں ہوا، لہٰذا واپسی واجب ہے۔

بیع جزاف کی شرائط: ... مالکیہ نے بیع جزاف کی سات شرائط ذکر کی ہیں جنہیں میں مختصراً ذکر کروں گا۔ ❶ وہ یہ ہیں۔

۱...... یہ کہ بوقت عقد یا عقد سے قبل مبیع آنکھوں سے دیکھی ہوئی ہو، اور عاقدین مبیع سے مطمئن ہوں، ان دیکھی چیز کی بیع جزاف صحیح نہیں ہوتی، نابینا شخص اگر اندازہ سے بیع کرے اس کی بیع بھی صحیح نہیں، بعض مبیع کو دیکھ لینا کافی ہے، ڈھیر کو اوپر اوپر سے دیکھ لینا کافی ہے، اگر دیکھنے میں مبیع کے خراب ہونے کا خدشہ ہو جیسے سربمہر ڈبے میں بند سرکہ وغیرہ تو بن دیکھے ان کی بیع جائز ہے لیکن اس کی صفات (کوالٹی) بیان کرنا ضروری ہے۔

یہ شرط حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان متفق علیہ ہے، ❷ علامہ زیلعیؒ کہتے ہیں: غلے کے ڈھیر کا مشاہدہ کر لینا کافی ہے، اور جزاف کے جائز ہونے کی اس میں یہ شرط ہے کہ ڈھیر ممتاز ہو یعنی مشترک نہ ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ کی عبارت اس طرح ہے: ڈھیر میں مشاہدہ کافی ہے، چونکہ جہالت اور غرر وغیرہ مشاہدہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

۲...... بائع اور مشتری دونوں مبیع کی مقدار سے نابلد ہوں اگر عقد کے بعد عاقدین میں سے کسی ایک کو مبیع کی مقدار کا علم ہو گیا تو دوسرے کو اختیار حاصل ہوگا، اگر بوقت عقد دونوں ڈھیر کی مقدار کے معاملہ میں برابر ہوں تو عقد فاسد ہو جائے گا چونکہ دونوں عاقدین کے عقد کا انعقاد غرر پر ہوتا ہے اور ان دونوں نے کیل اور وزن کو چھوڑ دیا ہوتا ہے۔ اگر مبیع موجود ہو تو رد کی جائے گی، ورنہ خریدار پر قیمت لازم ہوگی۔ ❸ اس خیار کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرط شرط لزوم ہے شرط صحت نہیں۔

ابن جزی نے حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اس شرط میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن شافعیہ نے موافقت کی صراحت کی ہے۔ ❹ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ جب بائع کو ڈھیر کی مقدار کا علم ہو تو وہ ڈھیر کو فروخت نہیں کرتا، اگر اس کی مخالفت کی اور مبیع کی مقدار کا علم ہونے کے باوجود ڈھیر کو فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی، لازم ہوگی لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

۳...... یہ کہ اندازہ اور تخمینہ کے ساتھ بیع ہر ایسی چیز میں ہو جس سے مقصود کثرت ہو اس کے افراد اور اکائیاں مقصود نہ ہوں چنانچہ مکیلی اور موزونی اشیاء جیسے غلہ جات، لوہا، ناپی جانے والی اشیاء جیسے کپڑا زمین وغیرہ میں بیع جزاف صحیح ہوگی، معدودی اشیاء میں بیع جزاف صرف اس صورت میں جائز ہے جب گنتی میں مشقت ہوتی ہو، شرط میں جو مذکور ہوا کہ بیع جزاف میں مقصود آحاد (افراد اور اکائیاں) نہ ہوں، اس سے یہی مراد ہے۔

بنا بریں معدودی اشیاء کی بیع تب جائز ہوگی جب معدودی اشیاء کے افراد کی قیمت قلیل ہو جیسے انڈے، سیب، کینو، انار، خربوزہ وغیرہ، ایسی معدودی اشیاء جن کے افراد علیٰحدہ علیٰحدہ مقصود ہوں ان کی اندازہ کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہر فرد کی علیٰحدہ گنتی اور تعیین قیمت ضروری ہے، جیسے غلام، کپڑے اور جانور، اگر افراد کا قصد نہ کیا گیا ہو تو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے۔

خلاصہ...... اگر عددی اشیاء کو بلا مشقت گنا جا سکتا ہو تو اندازہ کے ساتھ ان کی خرید و فروخت جائز نہیں خواہ ان اشیاء کے افراد کا قصد کیا جائے یا قصد نہ کیا جائے، خواہ ثمن قلیل ہو یا کثیر، اگر عددی اشیاء کی گنتی مشقت کے ساتھ کی جاتی ہو اور پھر اس کے افراد کا قصد نہ کیا جاتا ہو تو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہے خواہ اس کے ثمن قلیل ہوں یا کثیر۔ اور اگر افراد کا قصد کیا گیا ہو تو پھر اگر ثمن قلیل ہو اندازہ کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور اگر ثمن قلیل نہ ہو تو جائز نہیں۔ ❺

---

❶ ...... الشرح الكبير للدردير ۳/۲۰ بداية المجتهد ۲/۱۵۷ مواهب الجليل ۴/۲۸۵ الشرح الصغير ۳/۳۵، الغرر في العقود ص ۲۳۴۔ ❷ تبيين الحقائق ۴/۵ المهذب ۲۶۵، المغني ۴/۱۲۳۔ ❸ القوانين الفقهية ص ۲۴۲۔ ❹ المجموع ۹/۳۴۳۔ ❺ حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للدردير، ۳ ص ۲۱

حنفیہ کے ہاں مذہبی اختلاف مذکور ہو چکا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع جزاف صرف مثلی اشیاء یعنی مکیلی اور موزونی میں محصور ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک بیع جزاف مکیلی، موزونی، مذروعی (جیسے کپڑے زمین وغیرہ) عددی متقارب اور عددی متفاوت میں بھی جائز ہے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے چونکہ اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے۔

فی الجملہ شافعیہ اور حنابلہ بھی مکیلی، موزونی، مذروعی اور عددی اشیاء میں بیع جزاف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۴..... یہ کہ مبیع کا بالفعل اندازہ کیا جائے، ایسی چیز کی اندازہ کے ساتھ خرید وفروخت جائز نہیں جن کا اندازہ کرنا دشوار ہو جیسے زندہ چڑیاں، برجوں میں رہنے والے کبوتر اور بڑے دڑبہ میں رہنے والے چوزے، ہاں البتہ اگر خریدنے سے پہلے اندازے کے ساتھ اونگھتے وقت پتہ چل سکے تو اس وقت بیع جزاف جائز ہوگا۔

عاقدین بذات خود تخمینہ لگانے کی اہلیت رکھتے ہوں یا وکیل مقرر کر کے اندازہ کرا سکتے ہوں۔ اس شرط میں شافعیہ نے بھی موافقت کی ہے چنانچہ ان کے ہاں بھی مقرر ہے کہ حتی الامکانی حد تک اندازے سے ڈھیر کی مقدار معلوم ہونی چاہئے، نیز شافعیہ نے چھتے میں گھسی ہوئی شہد کی مکھیوں کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ جب داخل ہوتے اور نکلتے وقت دکھائی دیتی ہوں اور اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ سبھی نکلی ہیں۔ ❶

۵..... یہ کہ مبیع اتنی زیادہ مقدار میں نہ ہو کہ حد وشمار ہی سے باہر ہو اگر مبیع بہت زیادہ ہو تو اندازہ کے ساتھ اس کی خرید وفروخت ممنوع ہے۔ برابر ہے کہ مبیع مکیلی ہو یا موزونی، یا عددی ہو، اگر مبیع نہایت قلیل مقدار میں ہو تب بھی اندازہ کے ساتھ اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہاں البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ اگر مبیع عددی ہو، چونکہ گننے میں کوئی مشقت نہیں ہوئی۔ ❷ البتہ اگر بیع مکیلی یا موزونی ہو اور قلیل مقدار میں ہو عاقدین اس کی مقدار سے نابلد ہوں تو اندازے سے فروخت کرنا جائز ہے۔

۶..... یہ شرط بھی ہے کہ جس جگہ مبیع (سامان خرید وفروخت) پڑی ہو وہ جگہ ہموار ہو اگر جگہ ہموار نہیں بلکہ اس جگہ میں چھوٹے نشیب وفراز ہوں تو غرر جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا، البتہ اگر فروخت کنندہ اور خریدار کا خیال ہو کہ غلہ کے ڈھیر والی جگہ ہموار ہے بعد میں معلوم ہو کہ جگہ درمیان سے اوپر ابھری ہوئی ہے تو خریدار کو خیار حاصل ہوگا، اگر جگہ میں نشیب ہو یعنی گڑھا ہو تو بائع کو خیار حاصل ہوگا۔

شافعیہ نے اس شرط میں مالکیہ کے ساتھ اتفاق کیا ہے، چنانچہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ جب غلے کا ڈھیر ایسی جگہ ہو جہاں نشیب وفراز (ابھار اور گڑھے) ہوں تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

حنابلہ کے ہاں بھی یہ شرط ہے جیسا کہ مالکیہ کے ہاں ہے کہ خریدار کو خیار حاصل ہوگا جب پتہ چلے کہ ڈھیر ناہموار جگہ پر ہے، اگر معلوم ہو کہ غلہ کے ڈھیر تلے گڑھا ہے تو بائع کو خیار حاصل ہوگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شرط حنفیہ کے ہاں بھی معتبر ہے چونکہ ان کے نزدیک اگر کسی متعین برتن کے ساتھ ناپ کر غلہ وغیرہ دیا جاتا ہو اس میں یہ شرط ہے کہ اس برتن میں کمی زیادتی کا احتمال نہ ہو مثلاً وہ برتن لکڑ کا ہو یا لوہے کا، البتہ اگر برتن میں کمی زیادتی کا احتمال ہو یا اس میں غلہ گھس جاتا ہو جیسے چھاپہ ٹوکری اور کاری ؤغیرہ تو اس صورت میں بیع جائز نہیں اس شرط سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں بھی یہ شرط ہے کہ ڈھیر کی جگہ ہموار ہونی چاہئے۔ ❸

۷..... یہ کہ عقد واحد، جزاف اور مکیل پر مشتمل نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو آدھی مبیع کی خرید وفروخت تخمینہ کے ساتھ ہو اور آدھی مبیع کی کیل پیمانے سے یا ایک عقد میں ایک جنس کی بیع تخمینہ کے ساتھ ہو اور دوسری جنس کی کیل کے ساتھ بیع ہو یا آدھی زمین کی بیع تخمینہ سے ہو اور آدھی کی بیع

---

❶..... المجموع ۹/۲۵۳ المهذب ۱ ص ۲۶۵ ❷ ورنہ بازاروں میں شام کے وقت سبزی فروش بچی ہوئی سبزی کو اندازے کے ساتھ فروخت کر دیتے مثلاً ان ٹماٹروں کے دس روپے دو اور لے جاؤ یہ جائز ہے۔ ❸ تبیین الحقائق ۴/۵ فتح القدیر ۵/۸۶۔

ناپ کر ہو، چنانچہ غلہ کے اس ڈھیر اور اس کے ساتھ دس مد گندم دوسری کی بیع صحیح نہیں اسی طرح اس ڈھیر کی اندازہ کے ساتھ بیع اور اس کے ساتھ ناپ کر زمین کی بیع صحیح نہیں۔ اسی طرح اس زمین کی بیع تخمینہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ سو میٹر دوسری زمین کی بیع جائز نہیں۔ ان صورتوں کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ مجہول المقدار چیز کی جہالت معلوم المقدار چیز میں اثر کرتی ہے۔

البتہ اگر صفقہ واحدہ (ایک ہی سودے) میں دو چیزیں جمع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اصل پر فروخت کی جائے تو بیع جائز ہے۔ جیسے مثلاً معلوم المقدار غلے کی ڈھیر کی بیع اور اس کے ساتھ مجہول المقدار زمین کی بیع اور دونوں چیزوں کی بیع ایک ہزار دینار میں طے پائے، یہ بیع جائز ہے چونکہ دونوں چیزوں کو اصل پر فروخت کیا جا رہا ہے یعنی زمین کو بھی تخمینہ کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے اور غلہ کے ڈھیر کو بھی تخمینہ کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ❶

۵: ربا (سود)

خاکہ موضوع..... ربا (سود) جو کہ ممنوعہ بیوع کی ایک قسم ہے اس کے متعلق گفتگو درج ذیل مقاصد پر ہوگی۔

پہلا مقصد..... ربا (سود) کی تعریف اور اس کی حرمت کے دلائل۔

دوسرا مقصد..... ربا کی مختلف انواع۔

تیسرا مقصد..... سود کی علت کے بارے میں فقہاء کے مذاہب۔

چوتھا مقصد..... علت ربا میں اختلاف کے اثرات۔

پہلا مقصد: ربا کی تعریف اور ربا کی حرمت کے دلائل

لغوی معنی..... ربا کا لغوی معنی زائد ہونا، بڑھنا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ..... الحج ۲۲/۵

جب ہم نے زمین پر پانی اتارا تو وہ تازہ ہوئی اور ابھری (بڑھی)۔

آیت میں "رَبَتْ" کا معنی "زَادَتْ وَ نَمَتْ" ہے۔ دوسری جگہ ہے:

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ..... النحل ۱۶/۹۲

کہ ایک فرقہ دوسرے سے زیادہ چڑھ رہا ہوتا ہے۔

یعنی ایک فرقہ کے افراد دوسرے سے زیادہ ہونا۔ چنانچہ بولا جاتا ہے "أربٰى فلان على فلان" یعنی ایک شخص دوسرے سے کسی چیز کو زائد رکھتا ہے۔ ❷

شرعی تعریف..... ربا کی حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے:

الزيادة في اشياء مخصوصة

یعنی مخصوص اشیاء میں زائد (مقدار) لینا سود ہے۔

کنز الدقائق میں حنفیہ کے ہاں یہ تعریف کی گئی ہے "فضل مال بلاعوض في معاوضه مال بمال"۔ مال کے بدلہ میں

❶..... الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي ۳/۲۳۔ ❷ مغني المحتاج ۲/۲۱، نهاية المحتاج ۳/۳۹۔

مال کے معاوضہ میں بلاعوض زائد مال لینا سود ہے۔ زائد مال خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً ہو دونوں کو یہ تعریف شامل ہے۔ اور ربانسیۂ اور بیوع فاسدہ کو بھی یہ تعریف شامل ہے، چونکہ اعتبار یہ ہے کہ کسی ایک عوض میں مدت حکماً زائد مال ہے جو کسی محسوس مادی عوض کے بدلہ میں نہیں۔

سود کی حرمت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے.....فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔۔۔۔۔۔البقرۃ ۲/۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے جبکہ خرید وفروخت کو حلال رکھا ہے۔

دوسری جگہ فرمان ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔۔۔۔۔۔البقرۃ ۲/۲۷۵

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح اٹھیں گی جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ البقرۃ ۲/۲۷۸۔۲۷۹

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اور اگر تم سود سے توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

سود کی حرمت ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی۔

سنت سے.....حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی سات چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک سود خوری بھی بیان فرمائی۔ ❶ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے گواہ اور کاتب پر لعنت کی ہے۔ ❷ حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے تہتر (۷۳) مفاسد ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ خفیف مفسدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کر لے اور سب سے زیادہ گھناؤنا سود کسی مسلمان کی عزت خراب کرنا ہے۔'' سود کے متعلق بقیہ احادیث علت ربا میں آیا چاہتی ہیں۔

اجماع.....پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سود حرام ہے، ماوردی کہتے ہیں: حتیٰ کہ شریعت میں کبھی حلال نہیں کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ ۔۔۔۔۔۔النساء ۴/۱۶۱

اور وہ (اہل کتاب) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں اس سے باز رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ❸

اسلام میں جو سود حرام کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ربانسیۂ، زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب صرف اسی کو سود سمجھتے تھے، یہ وہ مال ہوتا ہے جو ادائے قرض کی تاخیر پر لیا جاتا ہے، قرضہ خواہ کسی مبیع کے ثمن ہوں یا قرض محض ہو۔

دوسرا ربا البیوع ہے۔ جو چھ اجناس میں ہوتا ہے یعنی سونا، چاندی، گندم، جو، نمک اور کھجوریں، سود کی اس قسم کو ''ربا الفضل'' کہا جاتا ہے،

---

❶.....اخرجه مسلم عن ابی هريرةؓ. ❷رواه ابوداؤد وغيره. ❸مغنی المحتاج ۲/۲۱، المهذب ۱/۲۷۰ المغنی ۴/۱، المبسوط ۱۲/۱۰۶ فتح القدير ۵/۲۷۴ حاشية قليوبی وعميرة ۲/۱۶۶.

البتہ سونے چاندی کی وہ اشیاء جن کا استعمال مباح ہے جیسے انگوٹھی، زیورات وغیرہ ان میں ابن قیم نے اضافہ (زیادتی) کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ زائد مال زیورات وغیرہ کی بنوائی کے بدلہ میں ہو جائے اور لوگوں کو اس کی حاجت بھی ہوتی ہے۔ [1]

ربا النسیئہ ...... جو کہ خرید و فروخت سے متحقق ہوتا ہے، حنفیہ نے ربا نسیئہ کی یوں تعریف کی ہے کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں مدت کا زائد ہونا یا اختلاف جنس کی صورت میں دو مکیلی اور موزونی اشیاء میں کسی ایک عوض کا ادھار ہونا ربا نسیئہ ہے، یعنی ایک ہی جنس کی اشیاء بجنسہ فروخت کی جائیں کیل اور وزن میں اضافہ ہو اور قبضہ میں تاخیر ہو، جیسے مثلاً گندم کا ایک صاع فروخت کیا جائے اور بدلہ میں ڈیڑھ صاع ایک ماہ کے بعد لیا جائے، یا جیسے گندم کا ایک صاع فروخت کیا جائے اور بدلہ میں ایک مہینہ کے بعد جو کے دو صاع لئے جائیں یا مثلاً ایک رطل کھجوریں فی الحال دی جائیں اور بدلہ میں ایک رطل کھجوریں ادھار لی جائیں، یہ صورتیں اختلاف جنس اور اتحاد جنس کی موزونی اور مکیلی ہونے کی صورت میں ہیں غیر مکیلی اور غیر موزونی اشیاء کی اتحاد جنس کی صورت میں مثال یہ ہے جیسے ایک سیب کی بیع ادھار ایک ماہ بعد دو سیبوں کے بدلہ میں، مذکورہ بالا سبھی مثالوں میں ربا نسیئہ پایا جاتا ہے چونکہ کسی ایک عوض میں زائد مال پایا جاتا ہے جبکہ اس کے مقابل میں کچھ نہیں ہوتا، قدر کے مساوی ہونے میں حرمت کا سبب قیمت کا زائد ہونا ہے چونکہ عادۃً عاقد ادھار کو تبھی تسلیم کرتا ہے جب قیمت زائد ہو اور معجّل چیز عادۃً مؤجل سے زائد ہوتی ہے، جیسے عین، دین سے افضل ہے۔

ابن عباس، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، زبیر، ابن جبیر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب تھا کہ صرف ربا نسیئہ حرام ہے چونکہ شیخین کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام سود صرف نسیئہ ہے۔ لیکن وہ احادیث جن میں ربا الفضل کی حرمت کا بیان آیا ہے ان سے ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہب کا رد ہوتا ہے، اسی لئے جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے۔ پھر ربا کو دونوں اقسام کی حرمت پر تابعین کا اجماع ہوا ہے، لہٰذا اختلاف ختم ہو گیا۔

اوپر حدیث کے متدل کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ گندم کی بیع ادھار جو کے بدلہ میں کیسی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: کہ سود تو صرف نسیئہ میں ہے۔ ”گویا راوی نے سوال نہیں سنا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا۔“ یہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ سب سے زیادہ خطرناک سود، ربا نسیئہ ہے جس کا وقوع بہت زیادہ ہے اور اس کی سزا بھی سخت ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ ”لا عالم فی البلد الا فلان“ یعنی شہر میں تو صرف فلاں شخص عالم ہے۔ حالانکہ شہر میں دوسرے علماء بھی موجود ہوتے ہیں۔ گویا حدیث میں کمال کی نفی کی گئی ہے۔ اصل ربا کی نفی نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک ربا نسیئہ کی تین اقسام:

ا۔ ربا الفضل ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ جنس واحد کا ایک عوض دوسرے سے زائد ہو اور ادھار نہ ہو، سود کی یہ قسم متحد الجنس بدلین میں پائی جاتی ہے جیسے ایک من گندم کے بدلہ میں دو من گندم یا ایک گرام سونے کے بدلہ میں دو گرام سونا۔ خرید و فروخت کی یہ صورت بالاتفاق سود ہے چنانچہ شیخین کے ہاں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ سونے کو سونے کے بدلہ میں نہ فروخت کرو مگر برابر سرابر ایک عوض دوسرے سے زائد مت رکھو، چاندی کو چاندی کے بدلہ میں نہ فروخت کرو مگر برابر سرابر، ایک عوض کو دوسرے سے زائد نہ رکھو۔

۲۔ ربا الید ...... اس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف الجنس دو اشیاء کی بیع کی جائے بایں طور کہ ایک عوض پر قبضہ تاخیر سے ہو (یعنی ایک عوض ادھار ہو) جیسے گندم کے بدلہ میں جو فروخت کئے جائیں لیکن گندم پر ایک ماہ بعد قبضہ کرنا ہو، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ربا کی یہ قسم ربا نسیئہ میں

---

[1] ...... اعلام الموقعین ۲/۱۴۰۔

داخل ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک دین پر عین کا زائد ہونا ربا نسیئۃ ہے۔اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو شیخین کے ہاں ہے کہ سونے کے بدلہ میں سونا سود ہے الا یہ کہ ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو۔

۳۔ربا نسیئۃ......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مدت تک ادھار پر خرید وفروخت ہو اور مدت پوری ہو جانے پر عوض زائد کر دینا اور مدت کے مقابلہ میں ثمن کی ادائیگی کا نہ ہونا، برابر ہے کہ ایک ہی جنس میں ہو یا دو مختلف جنسوں میں، خواہ برابر ہوں یا زیادت کے ساتھ، اس کے حرام ہونے کی دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔کہ ”جب یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جیسے چاہو فرخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔“ اسی طرح شیخین کے ہاں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ”ان اجناس میں سے موجود جنس کو ادھار کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔“ مسلم کی روایت میں ہے۔کہ ”برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔“

شافعیہ کے نزدیک ربا الید اور ربا نسیئۃ تبھی پایا جائے گا جب بدلین (مبیع اور ثمن) مختلف الجنس ہوں، ربا الید اور ربا نسیئۃ میں فرق یہ ہے کہ ربا الید قبضہ کی تاخیر کی صورت میں متحقق ہوتا ہے جبکہ ربا نسیئۃ عقد میں مدت (ادھار) کے ذکر کرنے سے متحقق ہوتا ہے، یعنی شافعیہ نے ربا نسیئۃ کو ایسی بیع میں مقصور رکھا ہے جس میں ادھار ہو جبکہ ربا الید نقدی بیع میں ہوتا ہے لیکن قبضہ میں تاخیر ہوتی ہے۔

خلاصہ......ربا نسیئۃ مقابل زیادت میں دین کی تاخیر ہے یا اموال ربویہ کی بجنسہ بیع میں کسی ایک بدل کے قبضہ میں تاخیر کا ہونا ربا نسیئۃ ہے، ربا الفضل یہ ہے کہ اموال ربویہ کی بجنسہ خرید وفروخت ہو ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو لیکن کوئی ایک عوض زائد ہو۔[1] اگر کسی تاجر نے اپنے سامان کے بارے میں کہا: اگر تم نقدی خرید و تو پانچ سو میں اور اگر ایک مہینہ کے ادھار پر خرید و تو چھ سو میں۔ادھار پر یہ خرید وفروخت جائز ہے، چونکہ اس میں سود نہیں ہے، بدلین کی جنس الگ الگ ہے۔بعض علمائے زیدیہ اسے بھی حرام قرار دیتے ہیں چونکہ اس میں بھی صورۃً سود ہے۔

سود کے ذرائع اور شبہات......ابن کثیر رقم طراز ہیں کہ: مخابرہ یعنی مزارعت (زمین کو بٹائی پر دینا)، مزابنہ (ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے بدلہ میں درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو خریدنا) اور محاقلہ (خوشوں کے نکلے ہوئے غلے کے بدلہ میں خوشوں میں پڑے ہوئے دانوں کو خریدنا) کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ سود کا دروازہ بند رہے چونکہ خشک ہونے سے قبل دو چیزوں میں برابری ظاہر نہیں ہو سکتی، اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مماثلت (برابری) سے ناواقفیت حقیقت میں تفاضل ہے۔اسی لئے فقہاء نے ایسے اسباب ہی کو حرام قرار دیا ہے جو سود تک پہنچا دیتے ہیں......الخ[2]

تیسرا مقصد: علت ربا کے بارے میں فقہاء کے مذاہب......سات منصوص علیہا اصناف میں ربا الفضل کے حرام ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ یہ ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجوریں، کشمش اور نمک، چنانچہ اتحاد جنس کے وقت تفاضل حرام ہے، ان کے علاوہ بقیہ اشیاء میں سود کے ہونے پر اختلاف ہے۔ظاہریہ نے تو سود کو انہی اصناف سبعہ پر مقصور رکھا ہے۔

ایک جماعت نے ہر مکیلی اور موزونی چیز جو بجنسہ خریدی یا بیچی جارہی ہو میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے یہ امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ایک جماعت نے سود کو نقدین (سونا چاندی) اور غلہ جات کے ساتھ مخصوص کیا ہے اگر چہ یہ چیزیں مکیلی اور موزونی نہ ہوں۔یہ امام شافعی کا مذہب ہے، ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے، ان کے نزدیک طعام یعنی غلہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو خوراک، تفکہ یا تداوی (علاج) کے طور پر استعمال کی جاتی ہو۔

ایک جماعت نے سود کو غلہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے بشرط یہ کہ غلہ مکیلی یا موزونی ہو، یہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے۔

---

[1]......اصول البیوع الممنوعۃ ص ۹۵. [2] تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۲۷

یہ سود بھی سد ذرائع کی وجہ سے ممنوع قرار پایا ہے تا کہ ربا نسیئہ تک رسائی نہ ہونے پائے، مثلاً ایک شخص نے سونا فروخت کیا اور مدت مقرر کردی پھر خریدار بدلہ میں چاندی دے اور کچھ زائد مقدار بھی ساتھ دے دے۔

سود کی پہلی قسم یعنی ربا نسیئہ نص قرآنی سے حرام ہے اسے ربائے جاہلیت بھی کہا جاتا ہے، سود کی دوسری قسم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نیز ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر قیاس بھی کیا گیا ہے چونکہ اس میں بلاعوض زیادتی پائی جاتی ہے، سنت نے ربا کی تیسری صورت کا اضافہ بھی کیا ہے اور وہ ''بیع النساء'' ہے وہ بھی حرام ہے یعنی جب اموال ربویہ کی اصناف مختلف ہوں تو ادھار کی صورت میں سود کا اعتبار کیا گیا ہے چونکہ کسی ایک عوض میں نساء (ادھار) زیادتی کا مقتضی ہے۔

عقد ربا کا حکم..... خواہ ربا الفضل ہو یا ربا النسیۃ ہو جمہور کے نزدیک حرام اور باطل ہے۔ اس کے اثرات مرتب نہیں ہوں گے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہے۔

دوسرا مقصد: ربا کی مختلف انواع

..... جمہور کے نزدیک ربا البیع کی دو قسمیں ہیں:

۱..... ربا الفضل ۲..... ربا النسیہ۔ ❶

ربا الفضل..... حنفیہ نے ربا الفضل کی یہ تعریف کی ہے۔

جنس واحد کی صورت میں..... ''عقد بیع میں معیار شرعی سے عین مال کا زائد ہونا ربا الفضل کہلاتا ہے۔'' تعریف میں معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے۔ تعریف میں مشروط کی قید ذکر نہیں کی گئی جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، چونکہ بیع (خرید وفروخت) اور قرضہ میں زائد مال سود ہی ہے خواہ وہ مشروط ہو یا نہ ہو، عین مال کی قید سے مراد یہ ہے کہ ربا الفضل کے متحقق ہونے میں مقدار اور کمیت کو دیکھا جائے گا نہ کہ قیمت کو، اور معیار شرعی کی قید سے مذروعی (میٹر اور فٹ وغیرہ سے ناپی جانے والی اشیاء) اور معدودی اشیاء سے احتراز ہو گیا، چنانچہ مذروعی اور معدودی اشیاء میں سود نہیں ہوتا جیسا کہ قیمتی اشیاء مثلاً جانور، قالینیں، گھریلو اثاثہ جات، زمین، درخت اور گھروں وغیرہ میں سود متحقق نہیں ہوتا، ان میں زیادتی حرام نہیں ہوگی لہٰذا ایک ہی جنس میں قلیل کے مقابلہ میں کثیر لینا جائز ہے، چونکہ قیمتی اشیاء کا تعلق مقدار سے نہیں ہوتا اور مقدار سے مکیلی اور موزونی اشیاء ہوتی ہیں۔ بلکہ ربا تو مکیلی اور موزونی اشیاء میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر پانچ میٹر کپڑے کو دس میٹر کپڑے کے بدلہ میں فروخت کیا یا ایک انڈے کے بدلہ میں دو انڈے فروخت کئے یا ایک بکری کے ساتھ دو بکریاں فروخت کیا تو یہ جائز ہے البتہ مجلس عقد میں قبضہ شرط ہوگا، اگر کوئی ایک بدل ادھار رہا تو بیع جائز نہیں ہوگی چونکہ ''ربا النساء'' کی حرمت کے لئے صرف جنس کا یکجا ہونا کافی ہے۔

بالفاظ دیگر ربا الفضل کی یوں بھی تعریف کی جاسکتی ہے کہ یہ اموال ربویہ کی بمثلہ خرید وفروخت ہے بایں طور کہ کسی ایک مثل میں زیادتی ہو۔

خلاصہ..... اموال ربویہ کی بجنسہ اگر خرید وفروخت کی جائے تو برابری واجب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک برابری کا اعتبار متعارف پیمانوں سے کیں جائے گا چنانچہ عرف میں جو چیز موزونی ہو تو جب اسی جنس کا اسی جنس کے ساتھ تبادلہ کیا جارہا ہو تو وزن کے اعتبار سے برابر واجب ہے اور جو چیز عرف میں مکیلی ہو تو کیل پیمانے کے اعتبار سے برابر واجب ہے۔

نقدین یعنی سونا چاندی یا جوان کے قائم مقام ہو جیسے کاغذی کرنسی ان میں سود حرام ہے خواہ سونا چاندی ڈھلا ہوا ہو یا ڈھلا ہوا نہ ہو اسی لئے دراہم کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ چاندی کی ڈلی اور دراہم برابر ہیں۔

---

❶ البدائع ۱۸۳/۵، بدایۃ المجتہد ۱۲۹/۲، حاشیہ الدسوقی ۴۷/۳، المغنی ۱/۴، اعلام الموقعین ۱۳۵/۲۔

ایک جماعت نے سود کو قوت یعنی خوراک کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ابن قیم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ میں اہم مذاہب کو یہاں بیان کروں گا۔

۱۔ حنفیہ کا مذہب...... حنفیہ کہتے ہیں ربوالفضل کی علت یا ضابطہ جس کے ذریعہ اموال ربویہ کی پہچان ہو سکے وہ دو چیزیں ہیں (۱) کیل یا وزن (۲) اور اتحاد جنس، جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو تفاضل اور نساء دونوں حرام ہوں گے۔ ❶ چنانچہ حدیث میں بیان کردہ چار اشیاء یعنی گیہوں، جو، کھجوریں اور نمک میں کیل (پیمانہ) ہے اور سونا چاندی میں علت وزن ہے۔ الغرض ربا الفضل تب متحقق ہوگا جب دونوں چیزیں اکٹھی ہوں اور وہ قدر اور جنس ہیں۔ قدر سے کیل اور وزن کو تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ربا الفضل اس وقت ہوگا جب کسی چیز کو مجنسہ اور بقدرہ فروخت کیا جائے اور کسی ایک طرف مال زائد بھی ہو جیسے سونے کے بدلہ میں سونا بمعہ کچھ زیادتی۔ چنانچہ زائد مال سود ہوگا چونکہ ایک طرف بھی سونا ہے اور دوسری طرف بھی سونا ہے اور دونوں بدلین موزونی ہیں، قدر سے یہی چیز مراد ہے، بنا برایں اموال مثلیہ یعنی مکیلی اور موزونی اشیاء میں سود ہوتا ہے، رہی بات اموال قیمیہ کی جیسے جانور، گھر، قالینیں، دریاں، جواہر اور موتی وغیرہ سو ان میں سود نہیں ہوتا چنانچہ ایک بکری دو بکریوں کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔ چونکہ قیمتی اشیاء مقدرات میں سے نہیں ہوتیں۔

اس میں اصل الاصول حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحیح روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کے بدلہ میں سونا برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو، زائد سود ہے، چاندی کے بدلہ میں چاندی برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد چاندی سود ہے، گندم کے بدلہ میں گندم برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہے۔ جو کے بدلہ جو برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہوگا کھجوروں کے بدلہ میں کھجوریں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو زائد سود ہے، نمک کے بدلہ میں نمک برابر سرابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اور زائد نمک سود ہوگا۔

بنا برایں ربا الفضل مقدارات مثلیہ یعنی مکیلی اور موزونی اشیاء کے ساتھ خاص ہوگا، مذروعی اور معدودی اشیاء میں سود نہیں ہوگا اور قیمتی اشیاء جیسے جانور، زمین، گھر اور درخت وغیرہ سو ان میں سود نہیں ہوگا، چونکہ قیمی اشیاء مقتدرات میں سے نہیں ہیں یعنی ان کی ناپ تول کا مقیاس اور معیار معین نہیں۔

لہٰذا کثیر کے بدلہ میں قلیل کو فروخت کیا جا سکتا ہے چنانچہ ایک گائے کے ساتھ دو گائیں فروخت کی جا سکتی ہیں، چونکہ ربا الفضل تو یہ ہے کہ دو متجانس چیزوں میں سے ایک زائد ہو اور زیادتی مقدار اور کیت میں ہو، جبکہ قیمی اشیاء مقدرات میں سے نہیں ہیں۔ ❷

حرمت سود کی حکمت...... یہ ہے کہ لوگوں کو غبن اور دھوکہ سے دور رکھا جا سکے اور لوگوں کا نقصان نہ ہو اس کی تحریم کی اصل سدِ ذرائع ہے چونکہ جب لوگ ایک درہم دو دراہم کے بدلہ میں فروخت کریں گے اور ایسا اتحاد جنس کی صورت میں کیا جاتا ہے تاکہ دو انواع میں تفاوت ہو یعنی جودت (عمدگی) میں یا ڈھلائی اور کرنسی میں یا ثقل اور خفت میں تفاوت کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، یوں پیشگی منافع کے ساتھ موخر منافع مندرج ہو جاتا ہے وروہ ربا نسیئہ ہے، اگر دو مختلف جنسیں ہوں مثلاً گندم آج دے دی اور ایک مہینہ کے بعد جو لینی ہو یہ بھی سود ہے سد ذرائع کے قبیل میں سے ہے تاکہ اختلاف جنس کی صورت میں ربا نسیئہ کا جواز نہ نکال لیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص سونا قرض میں لے گا جو ایک مدت تک کے لئے ہو پھر سود میں چاندی دے دے، اس لئے شریعت نے واضح مقیاس مقرر کیا ہے۔

---

❶ البدائع ۵/۱۸۳، فتح القدير ۵/۲۷۴، مختصر الطحاوی ص ۷۵، المبسوط ۱۲/۱۱۰ الدرالمختار ۴/۱۸۶.

❷ المدخل ص ۱۳۹، الدر المختار ۴/۱۸۵. فتح القدير ۵/۱۷۲، الدر المختار ۴/۱۸۹، الفروق للقرافی ۳/۲۶۴، القوانين الفقهية ص ۲۵۴، مغنی المحتاج ۲/۲۴، المغنی ۴/۱۷ الأم ۳/۷۰. ذكرها الحنفية حديثا وهو غريب نصب الراية (۴/۳۶)

بسا اوقات سبب تحریم سدِ ذرائع نہیں بھی ہوتا ہے جیسے قلیل عمدہ چیز کے بدلے کثیر ردی چیز کو لینا اس صورت میں زائد عقد اور جودت (عمدگی) کے مقابلہ میں ہوگی، باوجود یہ کہ یہ حرام ہے چونکہ اس میں بہت بڑا دھوکا ہے۔ ❶

ربا الفضل کا معاملات میں بہت قلیل وقوع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص گندم کا ایک مزدودو کے بدلہ میں خریدے، یعنی خریدار اور فروخت کنندہ دونوں ہاتھوں ہاتھ گندم دے دیں۔

سود صرف ایسی چیزوں پر مقصور نہیں جن میں نفع اندوزی ہو، زمانۂ جاہلیت میں سود سرمایہ کاری میں بھی لیا جاتا تھا چنانچہ مقروض قرض دہندہ کو اصل سرمایہ کے ساتھ سودی فائدہ بھی دیتا تھا جس پر دونوں کا اتفاق ہوتا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم ربا میں محتاج فقیر اور سرمایہ کار دونوں کو برابر رکھا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اصل سرمایہ سے زائد مال دیا یا زائد مال لیا اس نے سود لیا، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے پر برابر لعنت کی ہے۔ ❷

ربا الفضل کی مقدار...... غلہ جات کی وہ مقدار جن میں سود متحقق ہوتا ہے وہ نصف صاع اور اس سے اوپر ہے چونکہ شریعت میں نصف صاع سے کم مقدار کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اگر غلہ نصف صاع سے کم ہو تو اس میں زیادتی جائز ہے، چنانچہ گندم کی ایک لپ کے بدلہ میں دو لپیں خریدنا جائز ہے، ایک سیب کے بدلہ میں دو سیب خریدنا جائز ہے، چونکہ نصف صاع سے کم مقدار ایسی نہیں جو مساوات کے لئے معیار قرار دی جاسکے اس لئے ربا الفضل نصف صاع سے کم مقدار میں متحقق نہیں ہوگا۔

موزونی اشیاء (سونا، چاندی) کی وہ مقدار جس میں سود متحقق ہوتا ہے وہ جو کا دانہ ہے، یعنی سونا چاندی اگر جو کے دانہ کے برابر ہوں تو اس میں سود ہوگا اس سے کم میں سود نہیں۔

لیکن اس کم مقدار والی بیع میں شرط ہے کہ بدلین کی تعیین ہو اگر دونوں بدلین یا بدل واحد غیر معین ہو تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی۔

نوع علت...... جب بھی یہ علت یعنی قدر مع الجنس متحقق ہوگی معاملہ سود پر مشتمل ہوگا برابر ہے معاملہ غلے کا ہو یا کسی اور چیز کا، ربا الفضل کی حدیث میں گندم اور جو بیان ہوئے ہیں ان پر ہر ایسی چیز کو قیاس کرلیا گیا ہے جو کیل (پیمانہ) سے فروخت کی جاتی ہوں جیسے مکئی، چاول، تل، وغیرہ، سونے اور چاندی پر ہر ایسی چیز قیاس کرلی گئی ہے جو وزن کے ساتھ فروخت کی جاتی ہو جیسے سیسہ، پیتل، لوہا، اسٹیل وغیرہ۔ رہی بات ان اشیاء کی جو کیل اور وزن سے فروخت نہیں کی جاتیں جیسے معدودی اور مذروعی اشیاء سوان میں ربا الفضل نہیں ہوگا چنانچہ ایک انڈا دو انڈوں کے بدلہ میں فروخت کرنا صحیح ہے ایک میٹر کپڑا دو میٹر کپڑے کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن قبضہ شرط ہوگا۔

اموال ربویہ کا پیمانہ اور معیار...... ملحوظ رہے کہ شارع نے جس چیز کو مکیلی قرار دیا ہے مثلاً گندم، جو، کھجور اور نمک وہ مکیلی ہی رہے گی اور جس چیز کو موزونی قرار دیا ہے وہ موزونی ہی رہے گی، اس میں تغیر کبھی نہیں ہوگا اگرچہ مکیلی چیز میں کیل سے ناپ تول کرنے کا رواج اور تعامل ختم ہوجائے۔ یہ جمہور حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کیل کرنے کا آلہ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے۔ چنانچہ گندم کی بیع گندم کے ساتھ مساوی وزن کے ساتھ صحیح نہیں ہوگی، سونے کی بیع سونے کے بدلہ میں یا چاندی کی بیع چاندی کے بدلہ میں مساوی کیل کے ساتھ صحیح نہیں ہوگی بلکہ گندم میں کیل کا ہونا ضروری ہے اور سونا چاندی میں وزن کا ہونا ضروری ہے چونکہ نص شرعی عرف عام سے زیادہ قوی ہے، اور اقویٰ کو ادنیٰ کے بدلہ میں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ میں نے اشارہ کردیا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ اموال ربویہ خواہ منصوص علیہ ہو یا نہ ہوں میں مقیاس عرفی معتبر ہے اور مقیاس

---

❶ ...... الموافقات ۲/۴۲، القیاس لابن قیم ص ۱۱۴، اعلام الموقعین المرجع السابق الفقه عمل المذاهب الأربعه ۲/۲۴۷۔ ❷ حکم ودائع النبوک اللدکتور علی السالوس ص ۶۴

(آلۂ ناپ تول) عرف سے بدل جاتا ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ اموال ربویہ میں تساوی کے لازم ہونے پر جو نص وارد ہوئی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مقیاس متعارف کی رعایت رکھی گئی ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں: جب لوگوں کی عادات کیل اور وزن میں مختلف ہو جائیں تو اس شہر کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں عقد طے پایا ہو، یہ تفصیل تو ان اشیاء کے متعلق ہے جن پر نص وارد ہوئی ہے، رہی بات غیر منصوص علیھا اشیاء کی (یعنی حدیث میں بیان کردہ چھ چیزوں کے علاوہ کی) سو بازاروں میں رواج اور تعامل کے مطابق لوگوں کی عادات اور عرف پر انہیں محمول کیا جائے گا۔ ❶

عمدہ اور ردی مال......ملحوظ رہے کہ سودی مال عمدہ اور ردی برابر ہوتے ہیں چنانچہ اگر عمدہ کے بدلہ میں ردی مال کی خرید وفروخت ہو تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے، چونکہ اموال ربویہ میں جودت (علیحدگی) کا اعتبار ساقط ہے نیز قاعدہ شرعیہ بھی ہے کہ ''اموال ربویہ خواہ عمدہ ہوں یا ردی (گھٹیا) وہ برابر ہیں۔ ❷ اس کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے شیخین نے روایت کیا ہے کہ ''اموال ربویہ میں سے ایک دوسرے میں زیادتی نہ ہو۔'' اس کی حکمت یہ ہے کہ گھٹیا مال کے بدلہ میں عمدہ مال کے تبادلہ سے شریعت کا بنایا ہوا قانون نہ ٹوٹنے پائے اور وہ قانون تفاضل کی ممانعت کا ہے۔ چونکہ عادۃً لوگ تفاوت کی وجہ سے ایک ہی جنس کے اموال تبدیل کرتے ہیں۔ اگر ایک ہی جنس کی ایک چیز کا دوسری چیز جو اسی جنس کی ہو سے تبادلہ کی کھلی اجازت دی گئی ہوتی تو ربا الفضل حرام نہ ہوتا، شبہ الربا کی وجہ سے عمدہ کو ردی سے بدلنا ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ ذرائع کا دروازہ ہی بند رہے۔ ❸ اسی لئے مالکیہ نے بیع مراطلہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مراطلہ: بصنفہ وزن کر کے نقد (سونا چاندی) کی بیع کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس موقع پر بدلین میں عمدگی اور گھٹیا ہونے میں اختلاف ہوتا ہے۔

سونا چاندی سے زیورات اور دوسری اشیاء بنانے میں کوئی حرج نہیں جب ان اشیاء یا زیورات کو سونا چاندی ہی سے خریدا جا رہا ہو تو وزن میں برابری کا ہونا واجب ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے سونے کی ڈلی کے بدلہ میں سونے کے زیورات فروخت کئے تو وزن میں برابری ہونا واجب ہے اگر کسی ایک عوض میں زیادتی ہوئی تو وہ حرام ہوگی چونکہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ سونے کو سونے کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، الا یہ کہ برابر سرابر ہوں اور چاندی کو چاندی کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، الا یہ کہ برابر سرابر ہوں۔ سونا اور چاندی خواہ ڈھلے ہوئے ہوں یا نہ ہوں دونوں برابر ہیں۔

ربا نسیئہ کی علت......ربا نسیئہ کو ربا الجاہلیت بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ربا الفضل کے تحقق کے لئے دو چیزوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے (۱) قدر (۲) اور جنس، تاہم ربا نسیئہ کسی ایک چیز کے پائے جانے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے یعنی کیل اور وزن (قدر) پایا جائے یا جنس متحد ہو ❹ اس کی مثال یہ ہے مثلاً ایک شخص موسم سرما میں ایک صاع گندم خریدے اور بدلہ میں ڈیڑھ صاع گندم موسم گرما میں دے، چنانچہ نصف صاع گندم کے مقابل میں کوئی مبیع نہیں، نصف مدت ادھار کے مقابل ہے، اسی تاخیر اور ادھار کی وجہ سے اسے ربا النسیئہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تاخیر اور ادھار کے مقابلہ میں کسی ایک عوض میں زیادتی سود ہے خواہ مقدار متحد ہو یا مختلف، اہل جاہلیت میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے لین دین کرتا اور قرضہ کی ادائیگی کے لئے مدت مقرر کر دیتا، پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو دائن مدیون سے کہتا یا تو میرا قرض چکا دو یا مجھے سود دو، مدیون یا تو قرضہ چکا دیتا یا مدت بڑھا دیتا اور اصل سرمایہ کے ساتھ کچھ زائد مال دینے کا معاہدہ کر لیتا، اس سود میں مدیون کو ستانا ہوتا اور اسے نقصان پہنچانا ہوتا چونکہ بسا اوقات قرضہ مقروض کے کل مال کو محیط ہو جاتا تھا۔ بنا بریں جب صرف قدر پائی جائے جیسے جو کے بدلہ میں گندم خریدی یا صرف جنس پائی جائے جیسے ایک سیب دو سیبوں کے بدلہ میں فروخت کیا تو اس صورت میں نساء (ادھار) حرام ہوگا اگرچہ بدلین مقدار

---

❶......الموافقات ۴/۴۲، القياس لا بن قيم ص ۱۱۴ اعلام الموقعين المرجع السابق، الفقه على المذاهب الاربعة ۲/۲۴۷۔
❷حكم وودائع البنوك للدكتور على السالوس ص ۶۴۔ ❸اعلام الموقعين ۲/۱۴۳، مصادر الحق للسنهوری ۳/۲۰۶۔ ❹البدائع ۵/۱۸۳، فتح القدير ۵/۲۷۹، مختصر الطحاوی ص ۷۵۔

مین برابر سرابر ہوں، یہاں تک کہ نمک کے بدلہ میں نمک ادھار پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ چونکہ جنس واحد ہے۔ گویا ربا الفضل تب متحقق ہوگا جب دونوں چیزیں یعنی قدر اور جنس پائی جائیں اگر ایک ہی چیز پائی گئی تو ربا نسیئہ متحقق ہوگا۔

بسا اوقات ربا النسیئہ کے لیے جنس کا متحد ہونا کافی ہے اور اس صوت میں قدر کا اعتبار نہیں ہوگا چنانچہ دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ گندم فروخت کرنا صحیح نہیں، نہ دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب اور نہ ہی دو خربوزوں کے بدلہ میں ایک خربوزہ۔ چونکہ جنس متحد ہے، بخلاف ربا الفضل کے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

جب جنس منتفی ہو جیسے جو کی دو لپوں کے بدلہ میں گندم کی ایک لپ تو راجح مذہب کے مطابق لوحلال ہے خواہ نقدی نقدی ہو یا ادھار ہو۔ چونکہ علت نہیں پائی گئی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ذکر کی گئی ہے کہ یہ سب حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جو کثیر میں حرام ہے وہ قلیل میں بھی حرام ہے۔

حرمت کی حکمت...... ربا نسیئہ کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں بے چین لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے اور مجبوروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و مدد کی فضیلت سے دست کش ہونا ہے، اگر نقود سود کے تعامل سے لین دین کا محور بن جائیں تو اموال کی تقویم کا معیار ہی مختل ہو جائے گا، جب ربا نسیئہ کو غلہ جات میں جائز قرار دے دیا جائے تو لوگ منافع جات کی دوڑ دھوپ میں لگ جائیں گے اور غلہ کا وجود گرانی کا شکار بن جائے گا اور یوں لوگوں کی خوراک میں زبردست ضرر واقع ہو جائے گا۔ ❶

بینکوں کا سود...... اس موضوع کی وضاحت بحث کے آخر میں آیا چاہتی ہے۔ یہاں سود کی بحث میں بھی اس پر گفتگو کرنا ضروری ہے، چنانچہ آج کل بینکوں میں ربا النسیئہ کا عام رواج ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک مال قرضہ پر دیتا ہے جو ایک مدت تک کے لئے ہوتا ہے، بینک مقروض سے سات فیصد یا پانچ فیصد یا ڈھائی فیصد کے حساب سے سالانہ یا مہینہ وار فائدہ لیتا ہے یہ تو باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانا ہے اور اس میں سود کی مضرت بالکل واضح ہے اس منافع کی حرمت بعینہ سود کی حرمت ہے۔ اور اس کا گناہ سود کا گناہ ہے، ❷ یعنی یہ ربا نسیئہ ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ...... البقرۃ ۲/۲۷۹

اگر تم توبہ کر لو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔

لوگوں کے عرف میں سود تو بس وہی ہے جو مال کی تاخیر پر نفع لیا جائے یہ ربا نسیئہ ہے جو اہل جاہلیت میں رائج تھا، رہی بات ربا الفضل کی سو وہ تو نادر الوقوع ہے، چنانچہ حدیث سابق یعنی ”سود تو بس نسیئہ ہی ہے۔“ سے یہی مراد ہے، اور حدیث میں ربا نسیئہ کے زیادہ خطرناک ہونے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

یہ بھی معلوم ہے کہ بینک کے ساتھ تجارت اور سرمایہ کاری کرنا ممنوع ہے، چنانچہ بینک کا دارومدار اس پر ہے کہ بینک مودعین (ودیعت/امانت رکھنے والوں) سے مال بطور قرض لیتا ہے اور پھر دوسرے لوگوں کو یہی مال قرض دیتا ہے اور مودعین کو ودیعتوں سے حاصل ہونے والا فائدہ دیتا ہے اور مقروض لوگوں سے فائدہ (منافع) لیتا ہے، دونوں منافعوں میں اساسی فرق بینک کی آمدنی ہے۔ چنانچہ بینک دیون (قرضہ جات) میں تجارت کرتا ہے اور لوگوں کو قرض دیتا ہے۔ ❸

---

❶ ......المقیاس لابن قیم ص ۱۱۴، الفقہ علی المذاهب الاربعة ۲/۲۴۶، اعلام الموقعین ۲/۱۳۷، الدرالمختار ۴/۱۸۹، فتح القدیر ۵/۲۷۸۔ ❷ الفقہ علی المذاهب الاربعة ۲/۲۴۷، اصول البیوع الممنوعة ص۱۱۸۔ ❸ حکم ودائع البنوک وشهادات الاستشهاد فی الفقهه الاسلامی للدکتور علی السالوس ص ۴۰۔

جنس متحد اور مختلف..... میں نے پہلے وضاحت کردی ہے کہ بجنسہ جنس کی بیع جو تفاضل کے ساتھ ہو (جیسے ایک من گندم ڈیڑھ من گندم کے بدلہ میں فروخت کرنا) حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر جنس مختلف ہو تو تفاضل جائز ہے البتہ پرندوں کے گوشت میں تفاضل جائز ہے جیسے حلال چڑیوں کے گوشت کی خرید وفروخت، چونکہ پرندوں کا گوشت مال ربویہ نہیں ہے چونکہ نہ ہی اسے وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور نہ ہی کیل کر کے۔ البتہ مرغی اور مرغابی کا گوشت اس سے مستثنیٰ ہے چونکہ عادۃً مرغی کے گوشت کا وزن کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تفاضل حرام ہوگا۔

ضابطہ..... حنفیہ کی نزدیک اختلاف جنس کا ضابطہ یہ ہے کہ اصل کے اختلاف کا اعتبار کیا جائے گا جیسے کھجور کا سرکہ انگور کے سرکہ کے ساتھ۔ گائے کا گوشت بھیڑ کے گوشت کے ساتھ، یا مقصود مختلف ہو جیسے بھیڑ کی اون اور بکری کے بال چنانچہ دونوں جنسوں کے بالوں سے مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔ یا صنعت تبدیل ہو جیسے روٹی گندم کے ساتھ چنانچہ روٹی عددی چیز ہے اور گندم مکیلی چیز ہے۔ بنا برایں اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت اور دودھ کا اعتبار کیا جائے گا ان سب کی جنس مختلف ہوگی، اور ان میں تفاضل جائز ہے گندم، جو، مکئی وغیرہ مختلف اجناس ہیں، روٹی، گندم یا آٹے کے ساتھ دو مختلف جنسیں ہیں، چربی گوشت کے ساتھ دو جنسیں ہیں۔ مطبوخ تیل اور غیر مطبوخ تیل دو جنسیں ہیں، چونکہ دونوں جنسوں کا مقصد جدا جدا ہے۔ ❶

حنفیہ کے دلائل..... حنفیہ نے سود کی علت قدر اور جنس قرار دی ہے چنانچہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے عوضین کا مساوی ہونا شرط ہے اور تفاضل حرام ہوا، یہ غیر منصوص علیھا اشیاء میں ہوگا جیسے گچ اور لوہا وغیرہ، دو چیزوں کے درمیان تساوی (برابری) اور مماثلت صورۃً و معنیً ہوگی۔ چنانچہ قدر (کیلی اور وزن) کے متفق ہونے سے صورۃً مماثلت متحقق ہوتی ہے اور جنس سے معنیً مماثلت متحقق ہوتی ہے، چونکہ اموال میں مجانست مالیت کی یکسانیت سے عبارت ہے چنانچہ قفیز قفیز کا مماثل ہے اور دینار دینار کا، لہٰذا زائد قفیز ایسا مال ہوگا جو عوض متقابل سے خالی ہوگا، عقد معاوضہ میں اس سے احتراز ممکن ہے، لہٰذا زائد سود ہے، یہ معنی غلہ جات اور نقود کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایسی مکیلی چیز میں پایا جاتا ہے جو بجنسہ فروخت کی جارہی ہو اور ہر ایسی موزونی چیز میں پایا جاتا ہے جو بمثلہ مبادل ہو۔ ❷

بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ حدیث سابق میں مثلاً گندم سے مراد مال متقوم ہے چونکہ خرید وفروخت مال متقوم کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور مال متقوم کی مالیت صرف کیل سے معلوم کی جاتی ہے گویا کیل کا ثبوت مقتضائے نص سے ہوا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ ”موزون سونا سونے کے بدلہ میں اور مکیلی گندم گندم کے بدلہ میں.....الخ“ سود سے چھٹکارا پانے کا راستہ عوضین میں مماثلت کا ہونا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ کیل اور وزن میں مماثلت ہو، ایک لپ اور ایک سیب مماثلت کو قبول نہیں کرتے، لہٰذا یہ سودی اموال میں سے نہیں ہوں گے۔

ملحوظ رہے کہ گندم کی تمام انواع واوصاف خواہ جس شہر کی ہو جنس واحد ہے، جو کا بھی یہی حال ہے ان دونوں کا آٹا، کھجوریں، نمک، کشمش، انگور، سونا اور چاندی کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ مکیلی اور موزونی چیز کی بجنسہ خرید وفروخت تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہوگی اگرچہ نوع اور صفت میں برابری ہو۔ ❸

۲۔ **مالکیہ کا مذہب**..... مالکیہ کہتے ہیں سونے اور چاندی میں ربا کے حرام ہونے کی علت ثمنیت ہے اور غلہ جات میں ربا نسیئہ اور ربا الفضل کی صورت میں علت بھی مختلف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ربا نسیئہ میں غلہ جات میں علت ربا مطعومیت ہے بایں طور کہ تداوی اور علاج نہ ہو، برابر ہے قوت (خوراک) اور ذخیرہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، جیسے انوع واقسام کی سبزیات اور تازہ پھل مثلاً ککڑی، لیموں، خربوز، گاجر،

---

❶..... فتح القدیر ۵/۲۹۷ الدر المختار ۴/۱۹۳۔ ❷ المبسوط ۲/۱۱۶، البدائع ۵/۱۸۴ فتح القدیر ۵/۲۷۷۔ ❸ البدائع ۵/۱۸۷ المبسوط ۱۲/۱۲۲۔

مولی، سیب، کیلا، غیرہ۔ جبکہ غلہ جات میں ربا الفضل ن علت دو چیزیں ہیں (۱) قوت (۲) اور ذخیرہ یعنی غلہ خوراک کے طور پر کھایا جاتا ہو اور اگر انسان اسی کو کھاتا رہے تو زندہ رہ سکے، جیسے جملہ غلہ جات گندم، مکئی، چاول وغیرہ، قوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس غلہ میں خوراک بننے کی صلاحیت ہو جیسے مصالحہ جات سرکہ، تھوم، تیل، پیاز وغیرہ۔

ذخیرہ ہونے کے قابل ہونے کا معنی یہ ہے کہ غلہ ایک مدت تک پڑے رہنے سے خراب نہ ہو، ظاہر مذہب میں مدت کی کوئی حد نہیں ہر جگہ اور زمانہ کی عادت کے موافق مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ گویا اس کا دارومدار عرف پر ہے۔

دلیل...... ثمنیت، مطعومیت اور قوت وادّخار کو علت قرار دینے پر مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حرمت کا حکم معقولی ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو دھوکا نہ دیں اور لوگوں کے اموال محفوظ رہیں، تو واجب ہے کہ یہ اصول معایش میں پایا جائے، اصول معایش سے مراد اقوات (خوراکیں) ہیں جیسے گندم جو، چاول، مکئی، کھجور، کشمش، انڈے، تیل، سبزیات، دالیں جیسے ماش، لوبیا چنا، مسور، مونگ وغیرہ، لہٰذا اصول معایش میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔❶

اتفاقِ جنس اور اختلاف جنس...... ملحوظ رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ گندم، جو، سلت (چھلکے سے صاف جو) کو صنف واحد قرار دیتے ہیں۔ مکئی اور چاول کو صنف واحد قرار دیتے ہیں، سبزیات، ماش، مسور، چنا کو صنف واحد میں رکھتے ہیں، بنابریں گندم اور جو میں تفاضل جائز نہیں ہوگا جبکہ گندم اور مکئی میں تفاضل جائز ہوگا (یعنی ایک من گندم کے بدلہ میں ڈیڑھ من مکئی لی جاسکتی ہے) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گوشت کی تین اصناف ہیں، چارپایوں کا گوشت ایک صنف ہے، پرندوں کا گوشت ایک صنف ہے اور مچھلیوں کا گوشت ایک صنف ہے۔❷

۳۔ شافعیہ کا مذہب...... شافعیہ کہتے ہیں: سونے اور چاندی میں علت ربا نقدیت یا ثمنیت ہے یعنی سونا اور چاندی اشیاء کا ثمن بن رہے ہوں خواہ ڈھلے ہوئے سکے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں سونے اور چاندی میں بنانے کی قیمت کا اعتبار نہیں، اگر کسی شخص نے سونے کے بدلہ میں زیورات خریدے تو اعتبار کمیت میں برابر کا ہوگا قیمت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا، سونے اور چاندی میں علت ربا سے مقصود اثمان کی جنسیت ہے جو غالب غالب احوال میں سمجھی جاتی ہو، یہ ثمنیت کا پہلو دوسرے سکوں سے منتفی ہوگا چنانچہ پیتل، سلور وغیرہ کے سکوں میں ثمنیت کی علت نہیں ہوگی البتہ ان کا شمار سامان تجارت میں سے ہوگا۔ اس لئے نہیں کہ یہ اشیاء کی قیمتیں ہیں چونکہ برتن، سونے کی ڈلی، اور زیورات میں بھی سود ہوتا ہے۔ آج کل ساری معاملات کاغذی کرنسی سے طے پاتے ہیں اور اشیاء کا غالب ثمن یہی بنتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ان میں بھی سود ہوگا اور یہی رائے مذہب حنفیہ کے موافق ہے۔ باقی اصناف اربعہ میں علت طعمیت ہے، یعنی وہ اناج کھایا جاتا ہو وہ مطعوم ہو، مطعوم تین امور کو شامل ہوتا ہے۔

اول...... کہ اناج سے مقصد خوراک ہو جیسے گندم، جو، ان کے ساتھ وہ اشیاء بھی شامل ہیں جو ان کے معنی میں ہوں جیسے چاول، مکئی، اور وہ اناج جس کی زکوٰۃ واجب ہو۔

دوم...... یہ کہ مطعوم سے تفکہ کا قصد کیا جائے یعنی وہ مطعوم پھل کے طور پر کھایا جاتا ہو جیسے کھجور اور وہ چیزیں بھی اس کے ساتھ ملحق ہوں گی جو کھجور کے معنی میں ہوں جیسے کشمش اور انجیر وغیرہ۔

---

❶...... المنتقى على المؤطا ۴/۱۵۸، بداية المجتهد ۲/۱۳۱، حاشية الدسوقى ۳/۴۷، الحطاب ۴/۳۴۶، الفقه على المذاهب الاربعة ۲/۲۵۱. ❷ القوانين الفقهية ص ۲۵۳.

سوم......اس سے قصد اصلاح طعام اور بدن ہو یعنی مطعوم کا استعمال علاج کے لئے ہو چنانچہ حدیث میں نمک کو بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ وہ چیزیں ملحق کی جائیں گی جو اس کے معنی میں ہوں گی جیسے قدیم ادویات مثلاً سنا، سقمونیا، زنجبیل وغیرہ۔

بنابریں ان چیزوں میں کوئی فرق نہیں جو غذا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں یا بدن کے لئے صالح ہوں چنانچہ غذائیں حفاظت صحت کے لئے ہوتی ہیں اور ادویات بحالی صحت کے لئے ہوتی ہیں اور مطعوم کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خوراک، تفکہ یا علاج کا مقصد لیا جائے گویا شافعیہ کے نزدیک علت ربا طعم اور ثمنیت ہے، چنانچہ جو چیز مطعوم نہیں جیسے لوہا اور کپڑے وغیرہ ان چیزوں کی جب بجنسہ خرید و فروخت کی جائے تو تفاضل کے ساتھ جائز ہے جیسے سامان تجارت میں تفاضل جائز ہے، چونکہ مذکورہ اشیاء ثمن نہیں ہیں اور وہ اشیاء جو غالباً انسانوں کی خوراک نہ ہو اس میں سود حرام نہیں ہے۔

شافعیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ جب کوئی حکم اسم مشتق کے ساتھ معلق کیا جاتا ہے تو مشتق منہ (مادہ) اس حکم کی علت بنتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا المائدۃ۵/۳۸

چوری کرنے والی مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس آیت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ قطع ید کی علت سرقہ (چوری) ہے۔ جب یہ اصول مقرر ہے تو معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ طعام کے بدلہ میں طعام برابر سرابر ہو۔[1]

حدیث سے معلوم ہوا کہ طعم علت ہے یہ علت سبھی مطعومات کو شامل ہوگی یہ وصف زیادہ مناسب ہے چونکہ اشیاء اربعہ جو حدیث میں بیان کی گئی ہیں ان میں پایا جاتا ہے اور یہ وصف زیادہ خطرے کی خبر دیتا ہے چونکہ زندگی کا دارومدار طعام پر ہے۔

اسی طرح ثمنیت مناسب وصف ہے اور یہ بھی زیادہ خطرے کی خبر دیتا ہے چونکہ نقدین یعنی سونا چاندی کی شدت سے ضرورت پڑتی ہے سونے چاندی کے قائم مقام کاغذی کرنسی ہے لہٰذا ثمنیت کا وصف اس میں بھی پایا جاتا ہے، جبکہ یہ عرف ماضی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد مذہب کے خلاف ہے۔ حنفیہ نے جو علت میں قدر کا وصف مقرر کیا ہے وہ اشیاء میں زیادہ خطرے کی خبر نہیں دیتا۔

بنابریں جب طعام کے بدلہ میں طعام یا نقد کے بدلہ میں نقد کی خرید و فروخت کی جا رہی ہو اور جنس واحد ہو جیسے گندم کے بدلہ میں گندم، چاندی کی بدلہ میں چاندی تو بیع کے صحیح ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱......مدت مقرر نہ کی جائے یعنی بیع حالی ہو اور کوئی بدل ذمہ میں ادھار نہ رہے۔

۲......یقینی مماثلت ہو جو کسی بھی معیار شرعی سے قائم ہو۔

۳......مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل قبضہ ہو جائے، قبضہ کی شرط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے مستفاد ہے آپ نے "یدا بید" کی قید لگائی ہے۔

اگر جنس مختلف ہو جیسے گندم اور جو تو تفاضل جائز ہوگا اس میں یہ شرط ہے کہ ادھار نہ ہو اور مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل قبضہ ہو چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلہ میں، چاندی چاندی کے بدلہ میں، گندم گندم کے بدلہ میں، جو جو کے بدلہ میں، کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں، نمک نمک کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو جب یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید و فروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو اس سے قبضہ کی شرط نکالی گئی ہے اور جب طعام کسی اور چیز کے ساتھ فروخت کیا جا رہا

---

[1]......رواہ مسلم واحمد عن معمر بن عبداللہ (نصب الرایۃ ۴/۳۷، نیل الاوطار ۵/۱۹۳، التلخیص الحبیر ص ۲۳۵).

ہو جیسے گندم کپڑے کے ساتھ تو مذکورہ بالا تین شرائط عائد نہیں ہوں گی یعنی سود نہیں ہوگا اسی طرح ایک جانور دو جانوروں کے ساتھ خریدا جا سکتا ہے اس میں بھی سود نہیں اصل یہ ہے کہ جانوروں میں مطلق سود نہیں چونکہ اسی حالت میں جانور نہیں کھائے جاتے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں خریدا ہے۔

اتحاد جنس اور اختلاف جنس...... ایسی دو چیزیں جو اصل خلقت ہی سے کسی خاص نام میں متفق ہوں جیسے کھجور، انجیر تو یہ دو انواع ہوں گی، یعنی کھجوروں کی تمام اقسام جنس واحد ہیں انجیر کی جملہ اقسام جنس واحد ہیں، کشمش کی جملہ انواع جنس واحد ہیں، یا ایسی دو چیزیں جو اصل میں متحد ہوں جیسے دو قسم کی گندم کا آٹا جنس واحد ہوگا۔ اور ایسی دو چیزیں جو نام میں اصل خلقت سے مختلف ہوں جیسے گندم، جو، کھجوریں اور کشمش یا دو چیزیں دو اصل سے نکالی گئی ہوں جیسے مختلف اجناس کے آٹے، سرکہ جات، تیل، گوشت، دودھ چنانچہ یہ ان کی جنس مختلف ہیں۔

بنابریں مختلف انواع واقسام کی گندم کا آٹا جنس واحد ہے، مختلف اقسام کے جو آٹا کا جنس واحد ہے مختلف انواع واقسام کا سونا جنس واحد ہے مختلف اقسام کی چاندی جنس واحد ہے۔ مختلف اقسام کی کھجوریں جنس واحد ہیں اسی طرح کشمش جنس واحد ہے، کھجور کا سرکہ، انگور کا سرکہ، گائے کا گوشت، بھیڑ کا گوشت، اخروٹ کا تیل، بادام کا تیل، گائے کا دودھ، بھیڑ کا دودھ الگ الگ جنسیں ہیں۔

لہٰذا ان میں سے ایک جنس کی بیع دوسری جنس کے ساتھ بمعہ تفاضل جائز ہے، پرندوں کے انڈے مختلف اجناس ہیں، جگر، تلی، دل، چکی، مغز مختلف اجناس ہیں اگر چہ یہ ایک ہی جانور کے ہوں چونکہ ان اشیاء کے نام اور صفات مختلف ہیں، پیٹھ کا گوشت، بطن، کا گوشت، زبان، سر، پائے مختلف اجناس ہیں۔ زرد رنگ کا خربوز ہرے رنگ کا خربوز ککڑی اور کھیرا الگ الگ جنس ہیں، جبکہ مختلف انواع کی چڑیاں جنس واحد ہیں، بطخ الگ جنس ہے۔ مختلف اقسام کے کبوتر جنس واحد ہیں، خشک اور تر چیز جس کی اصل ایک ہو جیسے انگور اور کشمش، چھوہارے اور کھجور وہ جنس واحد ہیں۔ جو چیز اصل سے نکالی جائے جیسے گندم سے آٹا، میدہ، سوجی وغیرہ تو وہ جنس واحد ہیں، جانوروں کے گوشت مختلف اجناس ہیں، بھیڑ اور بکری جنس واحد ہے گائے اور بھینس جنس واحد ہے، مختلف جانوروں کے دودھ مختلف اجناس ہیں جیسے مختلف جانوروں کے گوشت مختلف اجناس ہیں۔

حنابلہ کا مذہب...... علت ربا کے حوالہ سے اس مذہب میں تین روایتیں ہیں: مشہور روایت مذہب حنفیہ جیسی روایت ہے یعنی قدر مع الجنس۔ چنانچہ ہر مکیلی اور موزونی چیز جو بجنسہ بیچی اور خریدی جارہی ہو اس میں سود چلے گا برابر ہے وہ چیز مطعوم ہو یا غیر معطوم ہو جیسے غلہ جات، اشنان، نورہ، روئی، اون، مہندی، عصفر، لوہا، پیتل وغیرہ۔

اور ایسا مطعوم (کھائی جانے والی چیز) جس کا کیل ہوتا ہو اور نہ ہی وزن ہوتا ہو اس میں سود نہیں ہوگا، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار دو دیناروں کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، ایک درہم دو درہموں کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، ایک صاع دو صاع کے بدلہ میں فروخت نہ کرو، چونکہ مجھے تمہارے اوپر سود کا خوف ہے، اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں اگر کوئی شخص ایک گھوڑا، بہت سارے گھوڑوں کے بدلہ میں فروخت کرے تو اس میں بھی سود ہوگا؟

آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو جائے۔ ❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب دو چیزوں کا برابر سرابر وزن کیا جائے اور وہ ایک نوع کی ہوں اور ایک ہی نوع کی دو چیزوں کا برابر سرابر کیل کیا جائے“ اور جب انواع مختلف ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔ ❷

---

❶..... رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر بنحوہ قال الھیثمی وفیہ ابوجناب وھو ثقة ولکنہ مدلس (جامع الاصول ۱/۴۶۹، مجمع الزوائد ۴/۱۱۳، نصب الرایة ۴/۵۶)۔ ❷ رواہ الدار قطنی عن الحسن عن عبادة وانس وبن مالک (نیل الاوطار ۵/۱۹۳)

البتہ حنابلہ کا حنفیہ کی ساتھ اس چیز میں اختلاف ہے کہ ہر مکیلی اور موزونی چیز کی جب بجنسہ خرید وفروخت ہو تو تفاضل حرام ہوگا خواہ اس کی مقدار قلیل ہی کیوں نہ ہو جیسے ایک کھجور دو کھجوروں کے بدلہ میں، سونے اور چاندی میں چاول کے دانے سے کم مقدار میں بھی سود ہوگا، البتہ پانی میں سود نہیں اور اس چیز میں بھی سود نہیں جس کا عرف میں وزن نہ کیا جاتا ہو جیسے پیتل، لوہا اور روئی کی مصنوعات۔

حنابلہ کی دوسری روایت مذہب شافعیہ جیسی ہے۔

تیسری روایت......سونے چاند کے علاوہ بقیہ اشیاء میں علت ربا مطعومیت ہے بشرط یہ کہ مطعوم مکیلی یا موزونی ہو، جو مطعوم مکیلی یا موزونی نہ ہو اس میں سود نہیں ہوگا۔ جیسے سیب، انار، خوبانی، خربوزہ، امرود، ناشپاتی، آلو بخارا، ککڑی، انڈے، اخروٹ، اور جو چیز مطعوم نہیں اس میں بھی سود نہیں ہوگا جیسے زعفران، اشنان، لوہا، سیسہ وغیرہ، یہ سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ❶ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ سود صرف ان چیزوں میں ہے جن کا کیل اور وزن کیا جاتا ہو اور جو کھائی جاتی ہوں یا پی جاتی ہوں۔ ❷

اتحاد جنس اور اختلاف جنس......اس موضوع میں حنابلہ کا مذہب شافعیہ کے مذہب جیسا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں۔ ہر دو انواع جو خاص نام میں جمع ہوں تو وہ جنس واحد ہیں جیسے کھجوروں کی مختلف انواع جنس واحد ہیں اا ور دو چیزیں جن کی جنس متحد ہو تو ان میں شریعت کا حکم ثابت ہوگا یعنی تفاضل حرام ہوگا اگر چہ انواع مختلف ہوں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ”کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں۔ چنانچہ کھجور کی جنس میں مساوات کا اعتبار کیا گیا ہے۔“ جب یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو۔ ایک روایت میں ہے۔ ”جب دو جنس مختلف ہوں......“ ایک اور روایت میں ہے۔ ”الا یہ کہ الوان (جنسیں) مختلف ہوں۔

جب اسم خاص میں دو چیزیں مشترک ہوں اور ان کی اصلیں مختلف ہوں تو وہ الگ الگ جنس ہوں گی یعنی ہر دو چیزیں جن کی اصل واحد ہو تو ان کی جنس بھی واحد ہوگی اگر چہ ان کے مقاصد الگ الگ ہوں، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ بنا برایں سب کی سب کھجوریں جنس واحد ہیں، چونکہ اسم خاص ان سب کو جامع ہے۔

گلاب کا تیل، بنفشہ، یاسمین کا تیل اصل واحد سے ماخوذ ہوتا ہے اور وہ شیرہ ہے جو جنس واحد ہے، جملہ آٹے، روٹیاں، سرکہ جات، تیل، گوشت، دودھ، پنیر، گھی، مختلف اشیاء کا شیرہ مختلف اجناس ہیں چونکہ ان کی اصلیں مختلف ہیں۔ گندم کا آٹا اور جو کا آٹا الگ الگ جنسیں ہیں، اسی طرح انواع واقسام کے مختلف تیل جیسے مچھلی کا تیل، سرسوں کا تیل، بیجوں کا تیل مختلف جنسیں ہیں۔

۵۔ ظاہریہ کا مذہب......ظاہریہ اور ابوبکر بن طیب کہتے ہیں: ربا (سود) غیر معلل ہے یعنی ربا کی کوئی علت نہیں، سود انہی اشیاء کے ساتھ خاص ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہیں (یعنی سود مخصوص بالمنصوص علیہ ہے)، ❸ ظاہریہ کے اس قول کی بنیاد یہ ہے چونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں اور شارع نے بیان کردیا ہے کہ سود اصناف ستہ میں چلتا ہے، ان چھ کے علاوہ باقی چیزیں مباح الاصل ہوں گی۔

خلاصہ......غلہ جات میں سود کی علت حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قدر اور جنس ہے، مالکیہ کے نزدیک قوت وادخار ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم وثمنیت ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک غیر نقدین اور غیر مطعومات میں زیادتی حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مکیلی اور غیر موزونی اشیاء میں زیادتی کا

---

❶......رواہ الطبرانی فی الکبیر بنحوہ قال الهیثمی وفیہ ابو جناب وھو ثقة ولکنہ مدلس (جامع الاصول ۱/۴۶۹، مجمع الزوائد ۴/۱۱۴ نصب الرایة ۴/۵۶) ❷رواہ الدارقطنی عن الحسن عن عبادة وانس وابن مالک۔ (نیل الاوطار ۵/۱۹۳)
❸المحلّی لابن حزم ۸/۸۶۴

جواز اس لئے ہے کہ انسانی زندگی کا اصل دار و مدار ان پر نہیں لہٰذا ان کی چنداں ضرورت بھی پیش نہیں آتی اور ان اشیاء میں منافع جات کی صورت میں کوئی زیادہ نقصان بھی نہیں ہوتا۔

ترجیح......ابن رشد مالکی کہتے ہیں: فقہاء کی بیان کردہ علل میں اچھی طرح غور و خوض کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کی بیان کردہ علت دوسری علل کی مقابلہ میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے، یہ اس لئے کہ حرمت ربا سے شریعت کا مقصد دھوکا دہی کا دفعیہ ہے، جبکہ معاملات میں عدل یہ ہے کہ معاملات میں مساوات ہو، اسی لئے جب مختلف الذوات اشیاء میں برابری کا ادراک مشکل ہے تو دینار اور درہم کو ان اشیاء کی تقویم کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے، مختلف الذوات اشیاء سے مراد غیر موزونی اور غیر مکیلی اشیاء ہیں جیسے کپڑے، جب ان اشیاء میں برابری ہے اور برابری دو چیزوں میں سے ایک کی قیمت کی نسبت اسی کی جنس کی طرف ایسی ہے جیسے کسی دوسری چیز کی قیمت کی نسبت اسی کی جنس کی طرف تو یہ اشیاء جب ایک دوسری کے بدلہ میں فروخت کی جارہی ہوں تو برابری واجب ہے، جبکہ مکیلی اور موزونی اشیاء میں برابری (عدل) کیل اور وزن میں تساوی سے ہوسکتی ہے [1] البتہ فقہائے حنفیہ کی رائے کے مطابق اموال ربویہ کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

ابن قیم نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، ان کی بیان کردہ علت قوت و ادخار ہے اور نقدین میں ثمنیت ہے جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے، جبکہ پیتل اور لوہا اموال ربویہ میں سے ہیں، بجنسہ ان کی خرید و فروخت ادھار یا تفاضل کے ساتھ جائز نہیں اور جب جنس مختلف ہو تو تفاضل جائز ہے نساء یعنی ادھار جائز نہیں۔

چنانچہ وزن کو علت قرار دینے میں کوئی مناسبت نہیں بخلاف ثمنیت کو علت قرار دینے کے، جبکہ دراہم اور دینار مبیعات کا ثمن ہیں ثمن وہ معیار ہوتا ہے جس سے اموال کی تقویم معلوم ہوتی ہے لہٰذا واجب ہے کہ معیار ایسا باضابطہ ہونا چاہئے جس میں زرہ برابر اونچ نیچ نہ ہوتا کہ لوگوں کے معاملات فاسد نہ ہوں اور اختلاف نہ واقع ہو لہٰذا دراہم اور دینار تجارت کے لئے میدان صالح نہیں ہیں۔ [2]

ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے چونکہ انہوں نے اجتماعی اقتصادیات کا اعتبار کیا ہے جس سے انہیں اصل موضوع تک رسائی ملی ہے اور ایسے واضح معنی کی واقفیت جس کی واقفیت ان کے نزدیک ضروری ہے، رہی بات حنفیہ کے اعتبار کی سو وہ منطقی اعتبار ہے جو اصل کے قریب تر ہے۔ [3]

اصول ربا......ابن رشد مالکی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: اصول ربا پانچ ہیں:

۱......انظرنی ازدك یعنی مجھے مہلت دے میں تمہیں زائد مال دوں گا۔

۲......تفاضل۔

۳......نساء۔

۴......وضع کرو اور جلدی دو۔

۵......قبضہ کرنے سے پہلے غلہ کی بیع، ان پانچ میں سے دو کی وضاحت ضروری ہے۔

قاعدہ: انظرنی ازدك...... بالاتفاق یہ حرام ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کا کسی دوسرے شخص پر دین ہو، دائن وصولی میں تاخیر کر دے اور یہ شرط لگا دے کہ مدیون دین کی مقدار بڑھا کر دے گا یہ جاہلیت کا سود ہے، برابر ہے دین غلہ ہو یا نقدی مال ہو، خواہ قرضہ ہو یا بیع کی صورت میں ہو، یعنی دائن مدیون کو ادھار پر سامان فروخت کرے اور ادائیگی ثمن کے لئے مدت مقرر کر دے اور نقدی ثمن کی نسبت ادھار زائد ہو۔

---

[1]......بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۳۱ [2] اعلام الموقعین ۲/ ۱۳۷ [3] مصادر الحق ۳/ ۱۸۴۔

قاعدہ: ضع وتعجل......یعنی قرضہ اصل مقدار سے کم لاؤ اور جلدی لاؤ، اس کا حاصل یہ ہے کہ قرض دہندہ مقروض سے کہے کہ میرا قرضہ جو تمہارے ذمہ ہے اصل مقدار سے کم لاؤ اور فی الحال لاؤ یوں اصل سرمایہ میں جو کمی کی جارہی ہے وہ تعجیل (فی الحال لانے) کے مقابل میں ہے اور یہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے، چونکہ ذمہ میں واجب مال میں کمی کرنا زائد مال کے مشابہ ہے چونکہ دینے والے نے زمانہ کو ثمن کا بدل بنادیا ہے۔

اس قاعدہ کی مزید تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ دین ہو جس کی ادائیگی کی مدت ابھی پوری نہ ہوئی ہو، چنانچہ دائن مدت پوری ہونے سے پہلے ادائیگی کا مطالبہ کردے اور اصل سرمایہ میں کچھ کمی کردے (مثلاً کہے چلو تمہارے پاس اگر فی الحال اصل سرمایہ جو دس ہزار ہے وہ دستیاب نہیں تو آٹھ ہزار لاؤ اور ابھی لاؤ) یہ حرام ہے۔ اسی طرح اگر کچھ دین کا فی الحال مطالبہ کرلے اور کچھ کی مدت مقرر کردے۔ اسی طرح مدت سے پہلے کچھ دین نقدی لے اور کچھ دین کے بدلہ میں سامان لے لے [1] یہ صورتیں حرام ہیں۔ البتہ اگر مدت پوری ہوجانے کے بعد ایسا کیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ دین مؤجل میں مدت پوری ہونے سے پہلے دین کے بدلہ میں سامان دینا جائز ہے اگرچہ سامان کی قیمت دین سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ [2]

ایک دوسرے کے ساتھ اموال ربویہ کے مبادلہ کی شرائط......جب اموال ربویہ کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ ہورہا ہو تو کبھی یہ تبادلہ حرام ہے اور کبھی حلال ہے چنانچہ جب جنس متحد ہو جیسے سونے کے بدلہ میں سونا، چاندی کے بدلہ میں چاندی، گندم کے بدلہ میں گندم، مکئی کے بدلہ میں مکئی تو تبادلہ کے حلال ہونے کے لئے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱......بدلین اگر مکیلی ہوں تو کیل کے اعتبار سے مماثلت ضروری ہے اگر بدلین موزونی ہوں تو وزن کے اعتبار سے مماثلث ضروری ہے اگر بدلین معدودی ہوں تو عدد کے اعتبار سے مماثلت (برابری) ضروری ہے۔ چنانچہ اگر ایک مد گندم کے بدلہ میں ایک مد گندم ہو، ایک رطل سیب کے بدلہ میں ایک رطل سیب ہو اور پانچ اخروٹ کے بدلہ میں پانچ اخروٹ ہوں تو بیع جائز ہوگی، مماثلت کا اعتبار خرید وفروخت کے آلات کی برابری سے ہوگا، مکیلی اشیاء میں کیل کا اعتبار ہے، موزونی اشیاء میں وزن کا اعتبار ہے، اسی طرح خشک اور تر کی صورت میں نمی اور خشکی کا بھی مماثلت میں اعتبار ہوگا چنانچہ تر کھجوریں چھوہاروں کے بدلہ میں فروخت نہیں کی جائیں گی، انگور کشمش کے بدلہ میں فروخت نہیں کئے جائیں گے، البتہ اس میں وقت کا خیال رکھا جائے گا۔

۲......عقد میں سپردگی کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی جائے بلکہ مجلس عقد میں ہاتھو ہاتھ قبضہ ہوجائے اور کوئی بدل ذمہ میں ادھار نہ رکھا جائے۔

۳......عاقدین کے جدا ہونے سے قبل مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ہوجائے۔

یہ تین شرائط ماقبل کی احادیث سے مستفاد ہیں چنانچہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ ''مثلاً بمثل'' اس میں تماثل کی شرط ہے۔ ''یدا بید'' اس میں ادھار نہ ہونے اور قبضہ کی شرط ہے۔

اگر ان تین شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو تبادلہ حرام ہوگا۔ البتہ اگر جنس مختلف ہو اور علت متحد ہو جیسے چاندی کے بدلہ میں سونا یا جو کے بدلہ میں گندم تو دو شرطوں کے ساتھ تبادلہ حلال ہوگا۔

۱......یہ کہ عقد فی الحال ہو ادھار نہ ہو۔

۲......مجلس عقد ہی میں بدلین پر قبضہ کرلیا جائے۔

---

[1]......سامان سے مراد نقدی مال کے علاوہ روزمرہ استعمال کی دوسری اشیاء ہیں۔ [2] القوانین الفقهية ص ۲۵۲ بداية المجتهد ۲/۱۲۷، اعلام الموقعين ۲/۱۳۵ الربا والمعاملات في الاسلام للشيخ رشيد رضا ص ۷۰۔

اختلاف جنس کی صورت میں مماثلت (برابری) شرط نہیں جو کہ حدیث گزر چکی ہے کہ ”جب یہ اجناس مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔“

اگر جنس بھی مختلف ہو اور علت (یعنی قدر) بھی مختلف ہو جیسے سونا یا چاندی یا کاغذی کرنسی کے بدلہ میں گندم خریدی یا کھجوریں خریدیں تو تبادلہ جائز ہے خواہ نقدی ہو یا ادھار ہو مثلاً دس گرام چاندی سے ایک مد گندم خریدی، خواہ مجلس عقد میں قبضہ ہو یا نہ ہو، خواہ ادھار ہو یا نقدی، اس کی دلیل شیخین کی روایت ہے جو حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل مقرر کیا وہ عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: اللہ کی قسم ساری کھجوریں ایسی نہیں۔ ہم دو صاع کھجوروں کے بدلہ میں یہ عمدہ کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع کے بدلہ میں دو صاع لیتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایسا مت کرو، بلکہ ردی کھجوریں دراہم کے ساتھ فروخت کرو پھر انہی دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو۔

اگر اموال ربویہ کا غیر ربوی اموال کے ساتھ مبادلہ ہو جیسے سونے کے بدلہ میں عام معدنیات، کپڑے کے بدلہ میں غلہ یا کاغذی کرنسی کے بدلہ میں چاول اور مکئی وغیرہ تو مطلقاً بیع جائز ہوگی اس میں اوپر بیان کردہ تین شرائط کی کوئی پابندی نہیں چونکہ یہ عقد ربوی نہیں چونکہ بدلین میں سے ایک مال غیر ربوی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ نوع علت مختلف ہے۔

تر کھجوروں کی بیع چھوہاروں کے بدلہ میں اور تازہ غلے کی بیع پرانے غلہ کے بدلہ میں شرعاً ممنوع ہے چونکہ بدلین میں مماثلت نہیں ہوگی، جبکہ بدلین اموال ربویہ میں سے ہیں، درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کی اندازہ کے ساتھ بیع جو ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ ہو یا کشمش کے بدلہ میں انگوروں کی بیع، بیع مزابنہ ہے جو ممنوع ہے، خوشوں سے نکلے ہوئے دانوں کی بیع خوشوں میں پڑے ہوئے، دانوں کے ساتھ جو اندازے سے ہو بیع محاقلہ جو ممنوع ہے۔

البتہ بیع عرایا کی رخصت دی گئی ہے، فقہاء کے ہاں عرایا کی تفسیر مختلف ہے اس کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے۔

چوتھا مقصد: اختلاف علت ربا کے مرتبات...... شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان علت ربا کے اختلاف پر بہت سارے امور مرتب ہوئے ہیں، ان میں سے بعض امور ربا الفضل کے متعلق ہیں اور بعض ربا نسیۂ کے متعلق ہیں۔

وہ امور جو ربا الفضل کے متعلق ہیں...... اس کے اثرات مندرجہ ذیل صورتوں میں ظاہر ہوں گے۔

ا...... غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز جو مطعوم ہو جب بجنسہ اس کی خرید وفروخت ہو تو اس میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوتا ہے، جیسے گندم کی دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ کی بیع، دو خربوزوں کے بدلہ میں ایک خربوزے کی بیع، دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب کی بیع، دو انڈوں کے بدلہ میں ایک انڈے کی بیع، دو اخروٹوں کے بدلہ میں ایک اخروٹ کی بیع وغیرہ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ علت قدر معدوم ہے، چونکہ شریعت میں مکیلی اشیاء کے معیار کا نصف صاع سے کم میں اعتبار نہیں کیا گیا جبکہ موزونی اشیاء یعنی سونا چاندی میں حبہ سے کم میں اعتبار نہیں کیا گیا اس لئے کہ حبہ سے کم کی کوئی قیمت نہیں ہوئی۔ (1)

جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا طعم ہے اور مذکور بالا صورت میں یہ علت پائی جا رہی ہے، اور ان کے نزدیک مطعومات کی ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت حرام ہے چونکہ حدیث میں ہے۔ ”طعام کے بدلے میں طعام برابر سرابر ہو۔“ مطعومات کی خرید وفروخت میں مساوات حرمت سے چھٹکارا پانے کا ایک ذریعہ ہے، جہاں مساوات ثابت نہیں ہوگی حرمت ثابت ہوگی چونکہ مساوات اصل ہے لہٰذا دو لپوں کے ساتھ ایک لپ کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

(1) المبسوط ۱۲/۱۱۴ فتح القدير ۵/۲۷۸، البدائع ۵/۱۸۵، رد المحتار ۴/۱۸۸۔

حنفیہ کی مقرر کردہ علت یعنی قدر کی رو سے یہ جائز ہے۔ ❶

۲..... مکیلی چیز جو غیر مطعوم ہو، کی بجنسہ بیع یا موزونی چیز جو نہ مطعوم ہو نہ نقد ہو کی بجنسہ بیع کی صورت میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسے دوقفیز جص کے بدلے میں ایک قفیز جص یا ایک رطل لوہا دو رطل لوہے کے بدلہ میں وغیر ذالک۔ یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے چونکہ علت ربا پائی گئی اور وہ جص کی صورت میں کیل مع الجنس ہے اور لوہے کی صورت میں وزن مع الجنس ہے۔ ❷

جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا معدوم ہے ان کے ہاں علت طعم وثمنیت ہے، حنفیہ کا شافعیہ کے ساتھ اس میں اتفاق ہے کہ اگر چاول کے دوقفیز کے بدلہ میں چاول کا ایک قفیز فروخت کیا تو یہ ناجائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت ربا کیل مع الجنس پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک طعم مع الجنس پائی گئی۔ ❸

اس میں بھی اتفاق ہے کہ دو رطل زعفران کے بدلہ میں ایک رطل زعفران یا دو رطل شکر کے بدلہ میں ایک رطل شکر فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ حنفیہ کے نزدیک وزن اور جنس پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک طعم اور جنس پائی گئی۔

شرط جنس کے بعض متعلقہ پہلوؤں میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ آٹے کی بیع آٹے یا غلہ کے ساتھ:

حنفیہ..... ایک جنس سے حاصل کئے ہوئے آٹے کی خرید وفروخت اسی جنس کے ساتھ صحیح نہیں چنانچہ گندم کے آٹے کی بیع گندم کے ساتھ صحیح نہیں، مکئی کے آٹے کی بیع مکئی کے دانوں کے ساتھ صحیح نہیں، خواہ دونوں میں برابری ہو یا نہ ہو، چونکہ دانوں کے ساتھ آٹے کی خرید وفروخت میں برابری متحقق نہیں ہوسکتی۔

البتہ ایک جنس سے نکلے ہوئے آٹے کو دوسری جنس کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے جیسے گندم کے آٹے کو جو یا مکئی کے بدلے میں فروخت کردیا، یہ بیع صحیح ہے چونکہ جنس مختلف ہے البتہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ شرط ہے۔

اگر ایک جنس کے آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ کی جارہی ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دونوں آٹے ناپ تول میں برابر ہوں اور باریک اور موٹا ہونے میں بھی برابر ہوں۔

روٹی کی بیع گندم کے بدلہ میں یا آٹے کے بدلہ میں یا اس کے برعکس جائز ہے، تساوی اور تفاضل دونوں طرح سے جائز ہے، چونکہ روٹی الگ جنس ہے اور گندم الگ۔ اگرچہ روٹی گندم اور آٹے کی بنتی ہے لیکن پکانے کے بعد مکیلی نہیں رہتی جبکہ گندم اور آٹا مکیلی چیزیں ہیں لہٰذا روٹی، گندم اور آٹے میں جنس اور قدر ایک نہیں رہتی۔ ایک دوسرے کی بیع ادھار پر بھی جائز ہے اس میں بدلین پر قبضہ شرط نہیں البتہ تعیین شرط ہے۔ ❹

مالکیہ..... کہتے ہیں غلہ اور آٹا کی ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت صحیح نہیں ہے الا یہ کہ برابر سرابر ہوں اور کسی طرف اضافہ نہ ہو، اگر گندم آٹے کے بدلہ میں فروخت کی تو یہ بیع بھی صحیح ہوگی جب وزن میں برابر ہوں۔

اگر جنس مختلف ہو جیسے مکئی کا آٹا گندم کے بدلہ میں فروخت کیا تو یہ بیع تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے۔ البتہ مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہوگا۔ اسی طرح گندم کے بدلہ میں روٹی کی خرید وفروخت صحیح ہے چونکہ جب روٹی پک کر تیار ہوچکی تو وہ الگ جنس ہوگی۔ رہی بات بمثلہ آٹے کی بیع کی سو وہ صحیح نہیں۔ ❺

---

❶..... فتح القدیر۔ ❷المبسوط ۱۲/۱۱۴، البدائع ۱۸۵/۵، فتح القدیر ۲۷۹/۵، الدر المختار ۱۸۸/۴۔ ❸ایک قفیز تقریباً ۲۸ کلو گرام ہوتا ہے۔ ❹البدائع ۱۸۹/۵، فتح القدیر ۲۸۸/۵، الدر المختار ورد المحتار ۱۹۴/۴، الفقہ علی المذاهب ۲۵۴/۲۔ ❺بدایة المجتهد ۱۳۶/۲، حاشیة الدسوقی ۵۲/۳، الفقہ علی المذاهب ۲۵۳/۲۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ صحیح نہیں چنانچہ گندم کے آٹے کی بیع گندم کے آٹے کے ساتھ صحیح نہیں چونکہ یقینی مماثلت ان میں نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جب کسی پیمانے میں ناپنے کے لئے آٹا ڈالا جائے تو وہ اوپر ابھر آتا ہے دبانے سے دب جاتا ہے، پھر بعض آٹے باریک ہوتے ہیں اور بعض موٹے ہوتے ہیں۔

اسی طرح گندم کے آٹے کی بیع گندم کے دانوں کے ساتھ صحیح نہیں جیسے روٹی کی بیع آٹے یا دانوں کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی، البتہ روٹی کی خرید وفروخت روٹی کے ساتھ جائز ہے اور آٹے کے ساتھ آٹے کی بیع جائز ہے بشرطیکہ جنس مختلف ہو جیسے مثلاً جو کی روٹی کے بدلہ میں گندم کی روٹی فروخت کی یا مکئی کے آٹے کے بدلہ میں گندم کا آٹا فروخت کیا چونکہ جنس مختلف ہے اس لئے جائز ہے۔ ❶

حنابلہ...... کہتے ہیں: دانوں سے ماخوذ آٹے کی بیع دانوں کے بدلہ میں مطلقاً جائز نہیں چونکہ جنس واحد کی اسی جنس کے ساتھ خرید وفروخت میں تساوی شرط ہے، دانوں کے بدلہ میں روٹی کی بیع صحیح نہیں۔

البتہ ایک ہی جنس کے آٹے کی بیع اسی جنس کے آٹے کے ساتھ جائز ہے جیسے حنفیہ کہتے ہیں، بشرطیکہ برابری ہو۔ ❷

خلاصہ...... ایک ہی جنس کے آٹے کے بدلہ میں آٹے کی خرید وفروخت میں دو رائیں ہیں۔

۱...... جائز ہے، یہ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے۔

۲...... جائز نہیں یہ شافعیہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔

۲۔ گوشت کے ساتھ جانور کی خرید وفروخت...... امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسا جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کو اسی جنس کے گوشت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، چونکہ یہ موزونی چیز (گوشت) کی بیع غیر موزونی (جانور) کے ساتھ ہو رہی ہے، یہ بیع جیسے بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ تعیین ہو چونکہ جانور مال ربوی نہیں ہے۔ ❸

جبکہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: ایسا جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کو اسی جنس کے گوشت کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ذبح شدہ بکری زندہ بکری کے بدلہ میں فروخت کرنا جائز نہیں۔ ❹ ان کی دلیل سعید بن مسیب رحمہ اللہ علیہ کی مروی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کے ساتھ جانور کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے ❺ ایک اور روایت بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ (جانور) کو مردہ (جانور) کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، ❻ نیز عقلی دلیل یہ ہے کہ گوشت ایسی نوع ہے جس میں سود پایا جاتا ہے، ایسی اصل کے ساتھ اسے فروخت کیا جارہا ہوتا ہے جس میں سود کی ایک قسم پائی جارہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جائز نہیں جیسے تلوں کے تیل کے بدلہ میں تلوں کی خرید وفروخت۔ نیز یہ ایسی چیز ہے جس میں مماثلت ضروری ہے جبکہ مماثلت یہاں مجہول ہے، اور مماثلت کی جہالت حقیقت میں تفاضل ہے جو جائز نہیں۔ ❼

رہی بات زندہ جانور کے بدلہ میں زندہ جانور کی خرید وفروخت کی سو یہ جائز ہے، تفاضل کے ساتھ بھی جائز ہے خواہ جنس واحد ہو یا مختلف جیسے دو بکریوں کے ساتھ ایک بکری اور اونٹ کے بدلہ میں بکری، چونکہ جانور مال ربوی نہیں ہے اس لئے کہ بعینہ اسی حالت میں جانور کو نہیں کھایا جاتا، نیز جانور جنس ثمن میں سے بھی نہیں ہے رہی بات گوشت کے سوا گر ایک ہی جنس کا گوشت ہو تو مماثلت کی شرط کے ساتھ جائز ہے

---

❶...... المہذب ۱/۲۷۱ مغنی المحتاج ۲/۲۳، الفقہ علی المذاہب ۲/۲۵۵۔ ❷ المغنی ۴/۲۴، الفقہ علی المذاہب ۲/۲۵۵۔ ❸ فتح القدیر ۵/۲۹۰ الدر المختار ۴/۱۹۲، البدائع ۵/۱۸۹۔ ❹ بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۶، حاشیۃ الدسوقی ۳/۵۴ مغنی المحتاج ۲/۲۹ اعلام الموقعین ۲/۱۴۵۔ ❺ رواہ مالک فی الموطا۔ ❻ رواہ البیہقی عن رجل من اہل المدینۃ (نصب الرایۃ ۴/۳۹) ❼ تخریج الفروع علی الاصول ص ۷۱۔

اور ادھار نہ ہو اور مجلس عقد ہی میں قبضہ کر لیا جائے۔ چونکہ گوشت اموال ربویہ میں سے ہے اور اگر جنس مختلف ہو جیسے گائے کے گوشت کے بدلہ میں بھیڑ کا گوشت تو پھر تفاضل جائز ہے لیکن ادھار نہ ہو اور مجلس عقد ہی میں قبضہ کر لیا جائے۔

ربا نسیئہ میں شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کے اثرات درج ذیل صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اول.....بعض ایسے اختلافی امور ہیں جو علت ربا میں اصل اختلاف کی طرف راجع ہیں چنانچہ حنفیہ کے نزدیک کیل یا وزن (یعنی قدر) ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم ہے۔

جب کوئی شخص گندم کا ایک قفیز جو کے ایک قفیز کے بدلہ میں نسیئہ مؤجل (ادھار) فروخت کرے تو یہ بالاتفاق جائز نہیں چونکہ ربا کی علت پائی جاتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک کیل (قدر) ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم ہے۔ ثمرۂ اختلاف دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

۱.....غیر مطعوم (جو کھائی نہ جاتی ہو) کی خرید وفروخت میں۔ چنانچہ اگر ایک قفیز نورہ (پاؤڈر) کے بدلہ میں ایک قفیز جص (گچ) فروخت کیا جو بیع سلم کے طریقہ سے ہو اور ذمہ میں ادھار ہو تو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت ربا یعنی کیل (قدر) پائی گئی اور شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ علت ربا یعنی طعم نہیں پائی گئی۔ اگر لوہے کے بدلہ میں لوہے کی بیع سلم ہوئی یعنی بطور قیمت لوہا پہلے دے دیا اور ایک ماہ بعد اتنا ہی لوہا لینا قرار پایا، تو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت ربا یعنی وزن (قدر) پایا گیا جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک علت ربا یعنی طعم نہیں پایا گیا۔ اور نہ ہی ثمنیت پائی گئی۔

اگر ایک رطل زعفران کے بدلہ میں ایک رطل شکر فروخت کی اور زعفران ذمہ میں ادھار ہو تو یہ بیع بالاتفاق جائز نہیں چونکہ علت ربا وزن جو حنفیہ کے نزدیک ہے اور طعم جو شافعیہ کے نزدیک ہے پائی جارہی ہے۔

اگر دراہم یا دینار یا کاغذی کرنسی پہلے دے دی اور مقررہ مدت کے بعد زعفران لینا قرار پایا یعنی بیع سلم کی یا روٹی میں بیع سلم کی یا لوہے میں بیع سلم کی تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے چونکہ علت ربا معدوم ہے اور وہ قدر مع الجنس ہے چنانچہ جنس بھی ایک نہیں اور قدر بھی ایک نہیں چونکہ ثمن اور مبیع کا وزن جدا جدا ہے، لہٰذا علت نہیں پائی گئی اس لئے سود بھی نہیں ہوگا۔

اگر سونے میں چاندی کے ساتھ بیع سلم کی یعنی چاندی پہلے دے دی اور سونا ادھار رہا تو بالاتفاق یہ بیع ناجائز ہوگی چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت وزن پائی جارہی ہے اور شافعیہ کے نزدیک علت ثمنیت پائی جارہی ہے۔

۲.....مطعوم کی بیع مطعوم کے ساتھ ہو اور قدر مختلف ہو۔ اگر کسی شخص نے گندم دی اور تیل لینا چاہا جو ذمہ میں ادھار رہے تو یہ بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے چونکہ گندم مکیلی چیز ہے اور تیل موزونی چیز ہے۔ لہٰذا ان دونوں کی قدر مختلف ہے، شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ علت یعنی طعم پائی جارہی ہے۔ [1]

دوم.....بعض ایسے اختلافی امور ہیں جو اختلاف جنس کی طرف راجع ہیں کہ آیا جنس علت ربا ہے یا نہیں؟

اشارۃً پہلے گزر چکا ہے کہ تنہا جنس حنفیہ کے نزدیک علت ربا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، چونکہ علت ربا کیل اور وزن بمعہ جنس ہے، چنانچہ ہر علت میں دو موثر وصف پائے جاتے ہیں اور علت انہی دونوں اوصاف سے مکمل ہوتی ہے، گویا ان دونوں میں سے ہر وصف کے لئے شبهة العلیت موجود ہے اور شبهة العلیت سے شبهة الحکم ثابت ہوتا ہے یعنی جنس علت کا رکن ہے محض شرط نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تنہا جنس ربا نسیئہ کی حرمت کی علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، چونکہ جنس محل تحریم ہے یا علت ربا میں جنس فقط ایک شرط ہے اور حکم بسا اوقات شرط کے ساتھ بھی گھومتا ہے جیسے حکم رجم احصان کی شرط کے ساتھ گھومتا ہے۔ اس میں سبب یہ ہے کہ

[1].....البدائع ۱۸۶/۵۔

علت حکم کے مناسب وصف کا اسم ہے لہٰذا حکم کی ایسی علت تجویز کی جائے گی جو مقصد کے مناسب ہو اور وہ علت ''طعم'' ہے جس سے انسانی زندگی کی بقاء ہے اور ''ثمنیت'' ہے جس سے اموال کی بقاء ہے اور اموال کا لوگوں کے مصالح کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اس میں جنسیت کا کوئی اثر نہیں لہٰذا جنس شرط قرار پائی۔ ❶ اس پر مندرجہ ذیل امور مرتب ہوتے ہیں۔

ایک اخروٹ کے بدلہ میں ایک اخروٹ میں بیع سلم، ایک انڈے کے بدلہ میں ایک انڈے میں بیع سلم، ایک سیب میں سیب کے بدلہ میں بیع سلم اور ایک لپ غلہ کے بدلہ میں ایک لپ غلہ میں بالاتفاق بیع سلم جائز نہیں ہوگی چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت یعنی جنس پائی گئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک علت یعنی طعم پائی گئی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ہروی کپڑے کے ساتھ ہروی کپڑے میں بیع سلم جائز نہیں ہوگی چونکہ جنس متحد ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے چونکہ ان کے نزدیک تنہا جنس حرمت ربا کے لئے کافی نہیں ہے۔

البتہ ہروی کپڑے کے بدلہ میں مروی کپڑا (جو مرو میں بنتا ہو) میں بیع سلم کرنا بالاتفاق جائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک جنس معدوم ہے اور شافعیہ کے نزدیک طعم اور ثمنیت معدوم ہے۔ اگر فلوس کے ساتھ فلوس میں بیع سلم کی تو یہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ جنس پائی گئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی جائز نہیں چونکہ ثمنیت پائی گئی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تنہا جنس کے متحد ہونے سے سود حرام ہے جیسے جانور کے ساتھ جانور کی ادھار پر خرید و فروخت۔ عقد بیع بدلین میں مساوات کا مقتضی ہے جبکہ فی الحال جو چیز دی جارہی ہے اور جو چیز ذمہ میں ادھار ہے ان میں مساوات نہیں۔ چونکہ عین دین سے بہتر ہے، اور جو چیز معجّل ہوتی ہے وہ مؤجل سے قیمت میں بڑھی ہوتی ہے۔ یہ معنی مطعومات اور اثمان میں پایا جاتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''سود تو صرف نسیۂ میں ہے۔'' نص مطلق ہے اس میں مطعوم اور ثمن میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ لہٰذا علی الاطلاق سود ہوگا چونکہ حنفیہ کے نزدیک علت ربا پائی گئی ہے اور وہ جنس ہے۔ ❷

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ادھار پر جانور کی جانور کے ساتھ خرید و فروخت جائز نہیں ہے البتہ یہ حکم ان جانوروں میں ہے جن کے منافع مشابہ ہوں جیسے دودھ دینے والی بکری دودھ دینے والی بکری کے ساتھ فروخت کی جائے، اور اگر منافع جدا جدا ہوں تو ادھار پر بیع جائز ہے جیسے عمدہ نسل کا اونٹ دو اونٹوں کے بدلہ میں فروخت کیا جائے جو بوجھ لادنے میں کام آتے ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں: سونا چاندی، ماکول و مشروب کے علاوہ بقیہ اشیاء کی خرید و فروخت میں قبضہ سے پہلے جدا ہونا حرام نہیں۔ یعنی ادھار اور نساء حرام نہیں۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لشکر کی تیاری کا حکم دیا لیکن اونٹ کم ہو گئے، تاہم آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں صدقہ کے اونٹ لے لوں، چنانچہ میں دو اونٹوں کے بدلہ میں ایک صدقہ کا اونٹ لیتا تھا۔ ❸ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ ادھار پر فروخت کیا اور بدلہ میں بیس (۲۰) اونٹ لئے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار اونٹوں کے بدلہ میں ایک اونٹ فروخت کیا اس موضوع کے بہت سارے آثار صحابہ سے مروی ہیں۔ ❹

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی چار روایتوں میں سے اصح روایت شافعیہ جیسی ہے یعنی جانور کی خرید و فروخت بجنسہ تساوی اور تفاضل کے ساتھ جائز ہے، ائمہ کا اتفاق ہے کہ جانور کے ساتھ جانور کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو یعنی خرید و فروخت نقدی ہو ادھار نہ ہو۔

---

❶ فتح القدیر ۵/ ۲۷۶، المبسوط ۱۲/ ۱۲۲، مختصر الطحاوی ص ۷۵، المھذب ۱/ ۲۷۱۔ ❷ البدائع ۵/ ۱۸۶ ❸ کتاب الربا والمعاملات فی الاسلام للسید رشید رضا ص ۹۷، ۹۹ ومقدمۃ ص ۵ للاستاذ بھجت البیطار، راجع نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ للمؤلف لمعرفۃ الفرق بین الضرورۃ والحاجۃ۔ ❹ اخرجہ احمد وابو داؤد والدار قطنی بمعناہ والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط مسلم ورواہ البیھقی فی [illegible] عن عمرو بن شعیب [illegible]

جاہلی ربا نسیۂ...... مذکور بالا تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ جاہلی ربا نسیۂ لذاتہ حرام ہے تاکہ طرفین میں سے کسی کو زیادہ غبن لاحق نہ ہو چونکہ مختلف اسباب کی وجہ سے اشیاء کے نرخ میں ہنگامی قسم کا اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور سرمایہ کاری میں مدیون دین کی ادائیگی سے عاجز ہوتا ہے۔ جبکہ ربا الفضل اس لئے حرام ہے تاکہ ربا نسیۂ کا ذریعہ نہ بن جائے، جو چیز حرام لذاتہ ہو وہ صرف کسی ضرورت کے موقع پر مباح ہو پاتی ہے جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت اور جو چیز سد اًللذرائع حرام ہو وہ حاجت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے یا کسی مصلحت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے۔ اور تنہا مسلمان ضرورت اور حاجت پر قدرت پا سکتا ہے۔ ❶

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ربا الفضل صرف اس لئے حرام نہیں کہ یہ ربا نسیۂ کا وسیلہ اور ذریعہ ہے بلکہ یہ بھی حقیقۃً ربا ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ یہ عین ربا ہے" جب بلال رضی اللہ عنہ نے ایک صاع عمدہ کھجوروں کے بدلہ میں دو صاع ردی کھجوریں فروخت کیں۔ نیز بسا اوقات لوگوں کو بے وقوف بنا کر مختلف اصناف میں سرمایہ کاری بھی کرنا مقصود ہوتی ہے اور یوں سود کا معاملہ ہو جاتا ہے۔

ربا القرض؟...... جس طرح خرید و فروخت میں ربا الفضل اور ربا نسیۂ چلتا ہے اسی طرح قرض میں بھی سود چلتا ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو بطور قرض ایک حد تک مال دیا اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ مقروض متعین اضافہ کے ساتھ قرضہ واپس کرے گا، یا مقروض پر ماہانہ یا سالانہ منافع کی شرط لگادی جاتی ہے جو اصل سرمایہ کے ساتھ دیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل سودی بینکوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے، یہ سب حرام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ... البقرۃ ۲/ ۲۷۵

اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ البقرۃ ۲/ ۲۷۹

اگر تم توبہ کرلو تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تمہارے اوپر ظلم کیا جائے۔

یعنی اصل سرمایہ کے ساتھ زائد منافع لے کر مقروض پر ظلم نہ کرو اور اصل سرمایہ میں کمی کرکے تمہارے اوپر ظلم نہ کیا جائے، بلکہ بغیر کمی زیادتی کے تمہارے لئے اصل سرمایہ ہے۔ بخاری و مسلم کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ تعالیٰ نے سود کو سات مہلکات میں سے قرار دیا ہے۔ دنیا جہان میں جہاں بھی سود ہو وہ حرام ہے خواہ دار الاسلام میں ہو یا دار الحرب میں ہو اس کی حرمت برابر ہے، چونکہ سود کی حرمت مطلق ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص اور تقیید نہیں۔

البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ حربی سے خیانت اور دھوکہ دہی سے ہٹ کر کسی طرح بھی مال حاصل کرنا جائز ہے اگرچہ فاسد معاملات ہی کے ذریعہ کیوں نہ حاصل کیا جائے جیسے سود، چونکہ حربی کا مال مباح ہے اور غیر معصوم ہے بلکہ حربی کا مال مباح الاصل ہے اور حربی نے اپنا مال سودی معاملات میں اپنے اختیار سے لگا رکھا ہوتا ہے لہٰذا موجب کے زائل ہونے سے ممانعت جاتی رہے گی۔ ❷

غیر مسلم ممالک کے بینکوں سے حاصل کئے گئے سود کا حکم...... اس رائے کی آڑ میں بعض مسلمان پھیل گئے ہیں چنانچہ انہوں نے غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں اپنا سرمایہ بطور ودیعت رکھ دیا اور ان سے مالی منافع کو مباح سمجھ لیا حالانکہ یہ ان لوگوں کی سخت اور

❶ الربا والمعاملات فی الاسلام للسید رشید رضا ص ۹۷، ۹۹۔ ❷ شرح السیر الکبیر ۳/ ۲۹۳، ۴/ ۱۱۹، المبسوط ۱۰/ ۹۵۔

زبردست غلطی ہے اور عمل باطل ہے، یہ سود قطعی طور پر حرام ہے۔ چونکہ حنفیہ کی مذکور بالا رائے ربا العقود یعنی معاملات خرید وفروخت کے متعلق ہے نہ کہ بینکوں کے سود اور منافع جات کے متعلق نیز مذکور رائے کے مطابق حربی کو نقصان پہنچانا اور اس کی معیشت کو کمزور کرنا مقصود ہے جبکہ غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں جو سرمایہ رکھا جاتا ہے یہ بطور ودیعت اور امانت رکھا جاتا ہے جیسے غیر مسلم ممالک کے بینک سرمایہ کاری پر لگاتے ہیں، بلکہ اس سے تو غیر مسلم ممالک کی معیشت اور زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

نیز حنفیہ کی رائے میں حربی کے مال کی تخصیص کی گئی ہے اور حربی وہ ہوتا ہے جس کے ملک کے ساتھ فعلاً یا حکماً ہماری جنگ ہو اور یہ صورت یہودیوں اور اسلامی ممالک کی غاصب غیر مسلم اقوام کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتی چونکہ دوسرے غیر مسلم ممالک کے ساتھ امن وسلامتی کے ہمارے معاہدے ہیں جن کی نگرانی اقوام متحدہ کے مختلف ادارے کر رہے ہیں۔

غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں مسلمانوں کا مال رکھنا..... غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا اپنا مال رکھنا جو کہ بطور ودیعت ہو شرعاً ناجائز ہے۔ چونکہ اس سرمائے سے غیر مسلم ممالک کو تقویت ملتی ہے اور اس سے ان کی معیشت مضبوط ہوتی ہے، جبکہ غیر مسلم ممالک اس سرمائے کا معمولی منافع ہمیں دیتے ہیں بلکہ اکثر سرمائے تو منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں جو اصل مالکوں کو نہیں مل پاتے، اس سے غیر مسلم ممالک کے بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا اور زیادہ ممنوع اور حرام ہے۔

بنا بریں ان اموال سے حاصل ہونے والا منافع قطعی طور پر حرام ہے اور مالکان کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ نیز اپنے پاس موجود حلال اموال کے ساتھ اسے ملانا بھی جائز نہیں۔ بایں ہمہ ان اموال کو غیر مسلم ممالک میں چھوڑ دینا بھی صحیح نہیں تا کہ انہیں ہمارے اوپر قوت حاصل نہ ہو، اگر وہیں چھوڑ دیا جائے تو ہم ظلم کی مدد کرنے والے ہو جائیں گے بلکہ غیر مسلم ممالک میں سرمائے سے حاصل ہونے والے منافع جات کو قبضہ میں لے لیا جائے اور اسلامی ممالک میں مصالح عامہ میں اسے صرف کیا جائے، مثلاً سڑکیں بنائی جائیں، پل تعمیر کئے جائیں، ہسپتال بنائے اور اسکولوں کی عمارتیں کھڑی کی جائیں، جامعۃ الازہر کی فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

بینکوں کے منافع جات

حرام، حرام، حرام..... عصر حاضر میں ابلاغ کے مختلف ذرائع، کتابچوں، اور رسائل میں کچھ قلمکاروں کی طرف سے فتاویٰ نشر کئے جا رہے ہیں، جن میں سود کے میدان میں تجدید اور اجتہاد کو اہمیت دی جا رہی ہے یہ قلمکار اس کام کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بینکوں کے جملہ منافع جات کی اباحت کے قائل ہیں، بقول ان کے چونکہ عصر حاضر میں بینک اہم اقتصادی ضرورت بن چکے ہیں اور بینکوں کے ذریعہ کھاتہ داروں کے سرمایہ جات، صنعتی، زرعی اور تجارتی کاروبار ہائے زندگی میں بغیر قرض دہندگی کے استعمال ہوں گے اور سرمایہ کاروں سے کچھ منافع لیا جائے گا اور بینکوں میں بطور ودیعت سرمایہ رکھنے والوں کو اس میں سے کچھ دیا جائے گا گویا بینک طرفین کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

بینکوں کے منافع جات کی حمایت میں جو مقالات لکھے گئے ان میں سے ایک مقالہ سید فہمی ہویدی کا ہے جو مجلہ عربی شمارہ ۳۴۱ شعبان ۱۴۰۷ مطابق اپریل ۱۹۸۷ میں شائع ہوا، انہوں نے ایک عالم کا قول بھی نقل کیا ہے جس میں بینکوں میں رکھی گئی امانتوں کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا ہے اور فقہی اصول "کل قرض جر نفعاً فھوربا" (یعنی ہر وہ قرضہ جو منافع لائے وہ سود ہے) پر اعتماد کو کالعدم قرار دیا گیا ہے چونکہ یہ اصول حدیث نہیں ہے۔ نیز اس سے استدلال کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

ان میں سے انہی عالم کا ایک فتویٰ بھی ہے میری مراد ڈاکٹر عبدالمنعم نمر ہیں انہوں نے روزنامہ ''الاھرام'' بروز جمعرات ۲۷ شوال ۱۴۰۹ مطابق ۶ جنوری ۱۹۸۹ء میں فتویٰ جاری کیا جس میں بینکوں کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا۔

ان میں سے ایک فتویٰ مصر کے مفتی ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کا ہے انہوں نے اس فتویٰ میں بینکوں کی آمدنی کو مباح قرار دیا ہے اور یہ فتویٰ ۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو نشر کیا گیا۔ سب سے بڑی آفت تو مذکور مفتی مصر کا بیان ہے جو ربیع ۱۴۱۰ مطابق نومبر ۱۹۸۹ میں جاری کیا گیا جس میں سودی منافع جات کو حلال قرار دیا گیا، پھر ۱۹۹۱م میں یہ بیان جاری کیا کہ روئے زمین پر بینکوں کے جملہ منافع جات حلال ہیں۔ ❶

اب میں یہاں مرحلہ وار ہونے والی سود کی حرمت کو بیان کروں گا اور احادیث نبویہ بیان کروں گا جن کے ثبوت میں قطعاً کوئی شک نہیں، ان کے ساتھ ممالک عربیہ کے قوانین بھی ذکر کروں گا پھر جن کی منافع جات کے قائلین کے شبہات کا معارضہ پیش کروں گا۔

قانون سازی میں درجہ بندی...... درجہ بندی اور مرحلہ واری کی رعایت احکام شریعت کی خصوصیات میں سے ہے، چنانچہ اسلام نے یکمشت شراب کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ حرمت شراب کے چار مرحلے ہیں پھر آخر میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹۰، ۹۱ "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ......" نازل ہوئی۔

زنا کی سزا کے متعلق دو مرحلے گزرے، پہلے مرحلہ میں عورتوں کو قید کرنے اور مردوں کی پٹائی کرنے کا حکم آیا جو سورۃ النساء کی دو آیات ۱۵، ۱۶ میں بیان ہوا پھر دوسرے مرحلہ میں حتمی طور پر کوڑوں کی سزا مقرر کردی گئی جس کا بیان سورۃ النور کی آیت "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ...... الآیۃ" میں ہوا ہے۔

اسی طرح حرمت سود چار مرحلوں سے گزری ہے۔

اول...... سب سے پہلے یہودی سودخوروں کے فعل کی قباحت کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ...... المائدہ/ ۴۲

یہ کان لگا کر جھوٹ باتیں سننے والے ہیں اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ وَ بِصَدِّھِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَثِیْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُھُوْا عَنْہُ وَ اَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾ النساء/ ۱۶۰، ۱۶۱

غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو پہلے ان پر حلال تھیں، اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے اموال ناحق طریقہ سے کھاتے تھے اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دوم...... دوسرے مرحلہ میں سود اور زکوۃ میں فرق کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَیتُم مِن رِبًا لِیَربُوَا فِی أموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما آتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فأولئک ھم المضعفون

اور یہ جو تم سود دیتے ہوتا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو کئی گناہ بڑھا لیتے ہیں۔

سوم...... تیسرے مرحلہ میں زمانہ جاہلیت کے مشرکین عرب کے سودی طریقہ کار کی مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو ان مشرکین کی نقل

❶ ...... پاکستان میں بھی اس طرح کے فتاویٰ کی بازگشت عرصہ تک سنی جاتی رہی ہے خصوصاً مودودی صاحب کے فتویٰ اور مقالہ کو بنکاروں نے بطور حجت پیش کیا۔

کرنے سے منع کیا گیا چنانچہ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ...... آل عمران ۳/ ۱۳۰

اے ایمان والو کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ۔

آیت میں نہی حالت مضاعفت (چند در چند) پر مقصود نہیں ہے یہ تو بیان واقع کے لئے ایک قید ہے اور اس زمانہ میں عرب میں سود خوری کے اس طریقہ کار کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو ایک مدت تک کے لئے قرضہ دیتا پھر جب مدت پوری ہو جاتی اور مرہون (مقروض) ادائیگی سے عاجز ہوتا تو قرض دہندہ اس سے کہتا یا قرضہ ادا کرو یا مجھے سود دو۔ قرض دہندہ سود کے مقابل میں مدت بڑھا دیتا، یہ تو بعینہ وہی طریقہ کار ہے جو عصر حاضر میں بینکوں میں رائج ہے مثلاً بینک ۷% یا ۹% منافع دیتا ہے اور لیتا ہے۔ اگر مدیون قرض ادائیگی سے عاجز آ جائے تو دوسرے سال فائدہ بڑھا دیا جاتا ہے پھر تیسرے سال اور بڑھا دیا جاتا ہے ھلم جرا بالآخر منافع اصل سرمائے کے برابر ہو جاتا ہے یہ فائدہ مرکبہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر قائلین کو تنبہ نہیں ہوا، بلکہ یہ منافع تو جاہلی سود سے بدتر ہیں۔

چہارم..... چوتھے مرحلہ میں سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا حتیٰ کہ سود خوروں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہوا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾ البقرۃ ۲/ ۲۷۵-۲۷۶

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل کر دیا ہو، یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ "بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ سودی معاملات سے باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے اور اس کی باطنی کیفیت کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ البقرۃ ۲/ ۲۷۸، ۲۷۹

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی کسی کے ذمہ باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم سود سے توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اس قرانی واضح دوٹوک حکم کے بعد کثیر احادیث میں حرمت کا حکم آیا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث ہے جس میں سود خوری کو موبقات سبع میں سے قرار دیا گیا ہے، مسلم وغیرہ کے ہاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ "انما الربا فی النسیئۃ" یا "لا ربا الا فی النسیئۃ" یعنی سود تو ہے ہی نسیئہ میں، ابوداؤد وغیرہ نے ابن مسعود اور جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے گواہوں اور سود کے کاتب پر لعنت کی ہے۔ اسی طرح ربا البیوع کی حدیث جو اصناف ستہ کے متعلق ہے اور مسلم وغیرہ نے اسے روایت کیا جو کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''سونا سونے کے بدلہ میں چاندی چاندی کے بدلہ میں، گندم گندم کے بدلہ میں، جو جو کے بدلہ میں کھجوریں کھجوروں کے بدلہ میں، نمک نمک کے بدلہ میں برابر سرابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو، اگر یہ احناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو خرید وفروخت کرو بشرط یہ کہ ہاتھوں ہاتھ قبضہ ہو۔'' جصاص رحمہ اللہ احکام القرآن میں رقم طراز ہیں: ہمارے نزدیک یہ حدیث متواتر ہے چونکہ اس کو روایت کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے، نیز اس حدیث کے معمول بہا ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اسی طرح حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر مفاسد ہیں اس کا معمولی مفسدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرلے.....الحدیث۔

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سود حرام ہے ماوردی کہتے ہیں۔'' یہاں تک کہا گیا ہے کہ سود کبھی بھی کسی شریعت میں حلال نہیں ہوا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ......النساء ۴/۱۶۱

اور وہ (یعنی یہودی) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں سود سے منع کیا گیا تھا۔

یعنی کتب سابقہ میں انہیں سود سے منع کیا گیا تھا۔

ربا حرام......وہ سود جو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱......ربا نسیہ: جس کے سوا اہل عرب جاہلیت میں کسی اور قسم کو سود سمجھتے ہی نہیں تھے۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

۲......ربا البیوع یعنی وہ سود جو حدیث میں بیان کردہ اجناس ستہ کی خرید وفروخت میں ہوتا ہے، اسے ربا الفضل بھی کہا جاتا ہے، ربا الفضل کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے تا کہ ربا نسیہ تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنے یا ربا القرض کا ذریعہ نہ بنے، مثلاً ایک شخص نے ایک مدت تک کے لئے ادھار سونا فروخت کیا پھر زائد مقدار کے ساتھ چاندی دے یہ ربا نسیہ ہے جو بیوع میں پایا جارہا ہے یہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب اصناف معینہ میں کسی ایک بدل میں تاخیر کر دی جائے یا ادھار کر دیا جائے اصنافِ معینہ جو شافعیہ کے نزدیک علت طعم میں آتی ہوں اور مالکیہ کے نزدیک قوت وادخار کی علت میں آتی ہوں اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کیل اور وزن میں آتی ہوتی، چنانچہ ربا نسیہ زمانہ کے ساتھ زیادتی ہے، ربا نساء بلا زیادتی کے تاخیر ہوتی ہے اور ربا الفضل بلا تاخیر زیادتی ہے۔ چنانچہ جو کے ساتھ گندم کی خرید وفروخت میں سود نہیں بشرطیکہ مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ کرلیا گیا ہو، جیسے مطعومات کو کاغذی کرنسی کے بدلہ میں فروخت کرنے میں سود نہیں، لیکن اگر ایک کلو گندم آج دی گئی اور اس کے بدلہ میں ایک مہینہ بعد ایک کلو گندم لی گئی تو اس میں سود ہے چونکہ جنس متحد ہے۔

اسی طرح اگر ادھار کاغذی کرنسی کے بدلہ میں زیورات خریدے گئے یعنی زیورات پر قبضہ کرلیا گیا لیکن روپے ادھار رہے تو اس میں بھی سود ہوگا چونکہ ثمنیت کی علت شافعیہ کے نزدیک پائی گئی ہے۔

ہر زیادتی سود نہیں .... اموال میں زیادتی سود ہے اسی طرح قرضے میں .... زیادتی یا عرف کے مطابق کی زیادتی سود ہے جو حرام ہے .... مشروط زائد مال دے دینا سود نہیں .... کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود دیا ہے اور .... خیرکم احسنکم قضاء ....

....

بینکوں کا سود..... بینکوں کا سود یا بینکوں کے منافع جات ربانسیہ میں سے ہیں برابر ہے کہ منافع بسیط ہو یا مرکب ہو چونکہ بینکوں کا اصل کام قرضہ جات دینا اور لینا ہے، چنانچہ اگر بینک کسی دوسرے شخص سے قرضہ لے تو اسے ۴% یا ۵% کے حساب سے منافع دیتا ہے اور اگر کوئی شخص بینک سے قرضہ لے تو بینک ۹% یا ۱۲% کے حساب سے فائدہ لیتا ہے، یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ بینک تو کھاتہ دار (مودع) اور قرض لینے والے کے درمیان محض ایک واسطہ ہے، اور اس وساطت کے مقابلہ میں بینک کمیشن لیتا ہے، چونکہ بینک سرمایہ کاری کی ترقی سے روکا گیا ہے اور مودع (بینک میں مال رکھنے والا) بینک کے ساتھ نفع اور نقصان میں شریک نہیں ہوتا اور بینک قرضہ لینے والے کے خساروں اور فوائد میں شریک نہیں ہوتا۔

جبکہ سود کی مضرت بینکوں کے فوائد میں متحقق ہے لہٰذا بینکوں کے منافع جات حرام ہیں، حرام ہیں، حرام ہیں۔

جیسے عام سود حرام ہے، ان کا گناہ سود کا گناہ ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ...... البقرۃ ۲/ ۲۷۹

اگر تم توبہ کرلو تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔

آج کل لوگوں کے عرف میں سود کا اطلاق صرف اسی مال منافع پر ہوتا ہے جو قرضہ کی تاخیر سے ملے اور یہ جاہلی سود کے مشابہ ہے۔

ربانسیہ عقد صرف اور عقد قرض میں اب بھی پوری طرح وقوع پذیر ہے مثلاً ڈالروں کے بدلہ میں دراہم خریدے لیکن کسی ایک پر قبضہ نہ کیا یا کوئی دینار مثلاً قرض میں لئے اور ۵ فیصد فائدہ دینا قرار پایا یا مال کی ایک قطعی مقدار کا مثلاً سو دینار یا ہزار دینار اصل سرمایہ کے ساتھ دینے کا معاہدہ کرلیا، رہی بات ربا الفضل کی سو وہ نادر ہے لیکن ربانسیہ کا دروازہ بند رکھنے کے لئے ربا الفضل بھی حرام ہے۔

بینکوں کے سود کی حرمت نص قرآن، سنت اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے، رہا یہ فقہی اصول "کل قرض جر نفعاً" جی ہاں یہ حدیث نہیں لیکن یہ اصول صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے ثابت ہے کہ صحابہ ایسے قرض سے منع فرماتے تھے جو اپنے ساتھ سود کو کھینچ کر لائے، صحابہ کا منع کرنا سنت نبویہ سے مستفاد تھا وہ اس طرح کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور سلف سے منع فرمایا ہے۔ سلف لغت حجاز میں قرضہ کو کہا جاتا ہے، اس حدیث کی وضاحت اس مثال سے ہوتی ہے مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو اس شرط پر ایک ہزار دینار قرضہ میں دیئے کہ مقروض اسے اپنا گھر فروخت کرے گا یا مقروض اسے عمدہ دینار واپس کرے گا یا اسے زائد مال دے گا، زائد مال قطعی طور پر حرام ہے جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ بشرط یہ کہ زائد مال مشروط ہو یا ان کے ہاں قرضہ میں متعارف ہو، البتہ اگر زائد مال مشروط بھی نہ ہو اور متعارف بھی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ سود نہیں، اس قاعدہ۔ "کل قرض جر نفعاً فهو ربا" کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ ایسے قرضہ کے متعلق ہے جس میں نفع کی شرط لگائی گئی ہو یا اس پر عرف جاری ہو چنانچہ امام کرخی نے یہی لکھا ہے۔

اسی طرح بینکوں میں ودیعت کے طور پر مال رکھنا اور یہ معاہدہ کرنا کہ حاصل شدہ منافع جات سے سرکاری ٹیکسز ادا کئے جائیں یا منافع جات فقراء میں تقسیم کئے جائیں گے سوا ایسا کرنا حرام ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے، مسند امام احمد میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی حرام طریقہ سے مال کماتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس میں سے صدقہ کرتا ہے کہ وہ قبول کیا جائے، وہ اس مال کو اپنے پیچھے چھوڑے گا تو وہ اس کے سامان دوزخ ہی میں اضافے کا سبب بنے گا، اللہ تعالیٰ برائی کے ذریعہ برائی کو نہیں مٹاتا البتہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو مٹاتا ہے اور اللہ تعالیٰ گندی چیز سے گندی چیز کو نہیں مٹاتا۔ ہاں البتہ اگر غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں سرمایہ رکھا ہو تو اس سے حاصل شدہ منافع جات کو غیر مسلموں کے لئے نہ چھوڑا جائے بلکہ وہاں سے نکال کر مصالح عامہ میں اسے صرف کرنا چاہئے مثلاً سڑکیں، راستے، اسکولز، ہسپتال وغیرہ تعمیر کئے جائیں، غیر

مسلموں کے پاس نہ چھوڑا جائے تاکہ انہیں ہمارے اوپر تقویت حاصل نہ ہو یا اس منافع سے عوامی بیت الخلاء تعمیر کئے جائیں چنانچہ ازھر کی افتاء کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ صادر کیا ہے۔ نیز اس تجویز میں اھون الشرین کو اختیار کرنا ہے۔

ممالک عربیہ کے قوانین میں حاصل ہونے والے فوائد...... بلاد عربیہ میں قوانین کی عبارتیں مختلف ہیں جو کہ بینکوں سے حاصل ہونے والے منافع جات کے حرام ہونے یا مباح ہونے پر ہیں لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بایں ہمہ عرب میں بینکاری نظام اور حاصل شدہ فوائد کا کاروبار پوری طرح موجود ہے، اس موقع پر مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، چنانچہ ایک رجحان کی رو سے بینکوں کے منافع جات کو مطلقاً جائز قرار دیا گیا ہے جیسے مجلہ الالتزامات، عقود تونسیہ، قانون موجبات اور عقود لبنانی، ان میں فوائد کو جاری رکھنے پر وضاحت ہے اور فائدہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ترکی میں بھی ایسا ہی کیا جارہا ہے چنانچہ ترکی کے حالیہ وزیراعظم کی زبان سے یہ بیان جاری ہوا ہے کہ شرح سود میں کھلی چھوٹ ہے۔

جبکہ دوسرے رجحان کی رو سے سود کو چند قیود کے ساتھ جائز قرار دیا گیا ہے جیسے کہ مصر اور سوریہ کے سول قانون میں ہے۔" جائز نہیں کہ سود اصل سرمائے کو تجاوز کر جائے اور یہ بھی جائز نہیں کہ سود آخری حد سے بھی آگے نکل جائے۔ اس کا نفاذ عدالتی مطالبہ سے ہوگا۔ مصری قانون دفعہ ۲۲۶ اور عراقی قانون دفعہ ۱۷۱ میں سود کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ سول اور دیوانی سطح پر ۴% کے حساب سے اور کمرشل سطح پر ۵% کے حساب سے، مغربی قانون دفعہ ۸۷۰ میں وضاحت ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سود کی پابندی باطل ہے اور اس سے عقد باطل ہوگا، جزائری سول قانون جو ۱۹۷۵ء میں نافذ ہوا کے دفعہ ۴۵۵، ۴۵۶ میں صراحت ہے کہ افراد کے درمیان قرضہ کا لین دین بغیر کسی اجرت کے ہوگا اور جو معاہدہ بھی اس کے خلاف ہو وہ باطل ہوگا۔ لیکن اس قانون میں بینکوں اور دوسرے سعودی اداروں کے ساتھ سودی کاری کے معاملہ کو جائز رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لیبی قانون دفعہ ۴۷ مجریہ ۱۹۷۲ء میں اشخاص اور بینکوں کے درمیان سود کو مباح رکھا گیا ہے جبکہ نجی سطح پر لوگوں کے درمیان سود کو ممنوع رکھا گیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین میں یہ فرق روا نہیں رکھا گیا، چنانچہ سود کی حرمت میں فرد اور حکومت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ شرعی حکم سب کے لئے برابر ہے، ورنہ حکومت کے لئے جائز ہے کہ وہ شخصی معنوی حیثیت کی آڑ میں اسلام کے حرام کردہ حکم کو اپنے لئے جائز کردے پھر ظلم، غبن، قتل اور باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال کو ہتھیانا حکومت کے لئے کوئی ممنوع نہ ہو۔

حالانکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید سے کتاب الخراج میں فرمایا ہے۔" کہ حکمران کے لئے جائز نہیں کہ وہ ناحق کسی سے کوئی چیز ہتھیائے ہاں البتہ ثابت شدہ حق کے ساتھ لے سکتا ہے۔"

اسی رجحان کے مطابق اردنی قانون جو عثمانی نظام میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں جاری کیا گیا اس میں سود کی انتہائی حد ۹% مقرر کی گئی، اردن کے سول قانون دفعہ ۶۴۰ میں وضاحت کی گئی ہے کہ قرضہ میں منافع کی شرط باطل ہے لیکن عقد صحیح ہے۔ عرب امارات کے قوانین میں بھی اسی قسم کا معمول ہے، چنانچہ ابوظہبی کے قانون میں سول معاملات اور کمرشل معاملات میں برابری رکھی گئی ہے، اعلیٰ اتحادی محکمہ نے دفعہ ۱۴ کی تشریح ۱۹۷۹ء میں بطور دستور دفعہ ۶۱، ۶۲ یوں کی ہے۔ کہ" البتہ محکمہ کی متعین کردہ سودی شرح سے زائد سود جائز نہیں، عرب امارات کے قانون دفعہ ۱۴ا میں صراحت ہے کہ قرض میں زائد منافع کی شرط باطل ہے اور معاملہ صحیح ہے لیکن عرب امارات کے تعزیراتی قانون دفعہ ۴۰۹ میں ہے کہ مرتکب کو تین ماہ سے زائد مدت کے لئے حبس (قید) میں رکھا جائے گا اور اس پر دو ہزار درہم کا جرمانہ عائد کیا جائے گا یعنی ایسا شخص جو نجی طور پر کسی دوسرے سے ربانسیئہ کا معاملہ کرے خواہ سول معاملہ ہو یا کمرشل معاملہ ہو، اس میں ہر ایسا سودی فائدہ داخل ہے جو صریح ہو یا مخفی ہو۔" اس قانون کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بینکوں کے ساتھ سودی معاملہ تعزیرات سے مستثنیٰ ہے۔

البتہ سوڈان کے قانون دفعہ ۱/۲۷۹، ۲۸۱ اور کویت کے قانون ۱/۷/۵۴ میں صراحت ہے کہ سود یا ظاہری منافع ممنوع

ہے۔'' قرضے کا لین دین بغیر نفع کے ہوگا اور قرضہ کے لین دین میں جو شرط بھی فائدہ پر مبنی ہو باطل ہے۔'' لیکن کویت کے کمرشل قانون کے دفعہ ۱۰۲ میں ہے کہ دائن کو حق ہے کہ وہ کمرشل قرضہ میں منافع کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ سوڈان اور سعودیہ میں یہی قانون معمول بہا ہے۔

قائلین اباحت کے شبہات: ا.....بینکوں کے منافع جات کو مباح قرار دینے والوں کا دعویٰ ہے کہ بینکوں سے حاصل ہونے والا منافع اضعافاً مضاعفہ (چند در چند) نہیں ہوتا بلکہ یہ منافع قلیل تناسب سے ملتا ہے جو ۴% یا ۷% یا ۹% ہوتا ہے، لہٰذا حرمت سود کا حکم یعنی۔ ''وَحَرَّمَ الرِّبٰا'' ان منافع جات کو شامل نہیں ہوگا اور یہ وہ سود نہیں جو اہل عرب کے ہاں مروج تھا۔ اس دعویٰ پر ردیوں ہے کہ آیت میں جو سود بیان کیا گیا ہے یہ وہ مروج سود نہیں جو سورت آل عمران میں بیان کیا گیا ہے، وہ تو جاہلی مضاعف سود ہے، بلکہ قرآن وسنت میں سود کی مختلف انواع کی جو تفصیل آئی ہے وہ ربا الفضل اور ربا نسیئہ ہے جو ربا البیوع اور ربا القرض کو شامل ہے، محض ربا المضاعف نہیں ہے۔ بلکہ ہر زائد مال سود ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ

اور اگر تم توبہ کرلو تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ان الفاظ کے ساتھ مؤکد کیا ہے:

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

نہ تم ظلم کرو اور نہ ہی تمہارے اوپر ظلم کیا جائے۔

نیز آیت کریمہ ''حَرَّمَ الرِّبٰا'' میں ''الربا'' کا الف لام جنس کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس ربا کو حرام کردیا ہے خواہ وہ جس نوع کا ہو، پھر احادیث صحیحہ میں اس جنس کی مراد کو واضح کیا گیا ہے یعنی مخصوص اموال میں زیادتی، بیع، قرض اور صرف۔ لیکن فقہاء کے درمیان علت ربا میں اختلاف ہوا ہے چنانچہ فریق اول حنفیہ اور حنابلہ ہیں انہوں نے کیل اور وزن کو علت قرار دیا ہے لہٰذا سود ہر اس جنس کو شامل ہوگا جو کیل سے فروخت کی جاتی ہو جیسے گندم اور جو، اور ہر اس چیز کو بھی شامل ہوگا جو وزن کر کے فروخت کی جاتی ہو جیسے روئی، لوہا، سونا اور چاندی۔

دوسرا فریق مالکیہ ہیں انہوں نے مطعومات کی علت ربا قوت اور ادخار کو قرار دیا ہے یعنی مطعوم غالب احوال میں انسانوں کی خوراک ہو اور ایک سال تک ذخیرہ رکھا جاسکتا ہو الغرض مدت کی تحدید بحسب عرف وعادت ہے۔

تیسرا فریق شافعیہ ہیں انہوں نے طعم کو علت ربا قرار دیا ہے یہ علت ہر ایسی چیز کو شامل ہے جسے انسان خوراک، پھل اور علاج کے طور پر استعمال کرتا ہو، فریق ثانی اور ثالث کا اس پر اتفاق ہے کہ نقدین میں علت ربا ثمنیت ہے یعنی وہ چیز اشیاء کا ثمن بن سکتی ہو۔

سرمایہ کاری اور ظلم علت ربا نہیں بلکہ یہ تو ایک حکمت ہے جس کے ساتھ شرعی حکم مربوط نہیں ہوتا، لہٰذا حکمت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے چونکہ اسے ضبط میں لانا ناممکن ہے، پھر تو یہاں تک کہا جائے گا کہ جب سرمایہ کاری اور ظلم نہ ہو جیسے زرعی پیداوار کے لئے قرضہ جات، فیکٹری لگانے کے لئے قرضہ، عمارت کھڑی کرنے کے لئے قرضہ اور دیگر پیداوری، ذرائع کے لئے قرض لینا اور ان مدات سے لیا گیا سودی منافع جائز ہے۔ پھر بینکوں کا سود مرکب ہوگا اور اضعافاً مضاعفہ کی سطح پر آجائے گا۔

اس اثر بھی صحیح نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقط ربا الجاہلیت کو حرام قرار دیتے تھے اور ربا الفضل اور ربا نسیئہ کو حرام قرار نہیں دیتے تھے، جیسا کہ سنہوری کو وہم ہوا ہے۔

۲..... بینکوں کے منافع جات کی اباحت کے قائلین کا دعویٰ ہے کہ لفظ ''ربا'' شریعت میں مجمل ہے بعض عرب اسے کچھ سمجھتے ہیں اور بعض کچھ، یہ قائلین اپنی رائے کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آیت ربا قرآن کے آخر میں نازل ہوئی ہے جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت کرنے سے پہلے رخصت ہوگئے، لہٰذا تم سود اور شبہ سود کو چھوڑ دو۔

لیکن ان قائلین کی یہ شدید خطا ہے چونکہ شریعت قران اور سنت صحیحہ کا نام ہے، جبکہ قران نے جنس ربا کو حرام قرار دیا ہے، اس کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے۔ ''فدعوا الربا والريبه'' یعنی سود بھی چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔ نیز احادیث صحیحہ میں فرمان باری تعالیٰ ''وحرم الربا'' کی مراد کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع عمدہ کھجوروں کے بدلہ میں دو صاع ردی کھجوریں لینے کو عین ربا قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے پس منظر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ عرب میں عام ہوتا تھا، اور اہل عرب کے ہاں اسے بیع تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس بات پر دال ہے کہ یہ عقد ربا حرام پر مبنی ہے اور بیع حلال نہیں ہے، جیسا کہ قران میں وارد ہونے والا لفظ ربا معاملہ کی اس نوع کو بھی شامل ہے، بنا برایں یہ کہنا کسی طرح روا نہیں کہ سود ربا الجاہلیت کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اضعافاً مضاعفہ ہے اور ربا کی دوسری انواع کی حرمت مشکوک ہے اور اگر اسے حرام سمجھا بھی جائے تو ربا الجاہلی سے کمتر ہے۔ جیسا کہ سید رشید رضا نے کہا ہے۔

۳..... بعض معاصرین جیسے ڈاکٹر دوالیبی کا دعویٰ ہے کہ حرام ربا قرضہ جات کا ربا ہے جو ضرورت کے وقت حاجت مند لوگ لے لیتے ہیں اور چند در چند واپس کرتے ہیں، البتہ وہ قرضہ جات جو مالدار لوگ سرمایہ کاری کے لئے لیتے ہیں اور پھر اسی صنعتی یا زرعی یا تجارتی پیداوار میں صرف کرتے ہیں جس سے انہیں بھاری مقدار میں منافع ہوتا ہے، پھر یہ لوگ کچھ منافع کے ساتھ قرضہ واپس کرتے رہتے ہیں یہ سود حرام ربا میں سے نہیں ہے چونکہ یہاں محتاج کی حاجت کی علت نہیں پائی جا رہی۔ سب سے پہلے اس نظریہ کو ۱۹۵۱ء میں یہودی فکر اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے مرعوب ہو کر اچھالا گیا، میں نے اس نظریہ کی تردید یوں کی ہے کہ حکم منضبط علت کی ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ حکمت کے ساتھ چونکہ حکمت ایک شخص کے الگ ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے الگ۔ جبکہ سود کو سرمایہ کاری اور ظلم کے ساتھ مربوط کرنا ایک تشریعی حکمت ہے حکم کی علت نہیں حالانکہ شریعت نے جنس ربا کو حرام قرار دیا ہے اور قرض صارفہ اور سرمایہ کاری کے قرض میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ اسلام نے شروع ہی سے ربا کی انواع کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالدار شخص تھے اور ان کا سود ساقط کر دیا گیا۔

۴..... قائلین اباحت کا دعویٰ ہے کہ پیداواری قرضہ جات کا فائدہ/سود مصلحت کے تحت ہے لہٰذا یہ فائدہ جائز ہے اگرچہ اس میں مفسدہ ہے، اس کے ساتھ ایک عالم کا اپنی طرف سی گھڑا ہوا ایک قاعدہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جب کوئی مصلحت کسی مفسدہ کے معارض ہو تو مصلحت مقدم ہوگی، یہاں قومی وسائل کو کام میں لانے کا تصور ہے اور اس میں مزدور طبقہ کے لئے روزگار فراہم کرنے کی مصلحت ہے نیز اس میں قرض دہندہ اور قرض دینے والے کا فائدہ ہے، یہ تو مصلحت ہے اور مفسدہ صرف سود کا ہے۔

لیکن قائلین اباحت کی یہ صریح غلطی ہے چونکہ مذکور بالا من گھڑت قاعدہ کے مقابلہ میں شرعی قاعدہ ہے کہ ''درأ المفاسد مقدم علی جلب المصالح'' یعنی پہلے مفسدہ سے نمٹا جائے گا اور مصلحت کو پس پشت رکھا جائے گا، مصلحت پر تو اس وقت عمل کیا جائے گا جب مصلحت کسی شرعی نص کے معارض نہ ہو نیز مصلحت پر عمل کی راہ اس وقت ہموار ہوتی ہے جب نص، اجماع اور قیاس کی دلیل مفقود ہو۔ جبکہ پیداواری قرضہ جات کے مفاسد محض خیالی مصالح سے اکثر اور زیادہ خطرناک ہیں، نیز سرمایہ کار پیداوار کی مقدار سے حاصل شدہ فائدہ کو بڑھا دیتا ہے، جس سے اشیاء کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے اور گرانی نرخ میں تو عوام الناس کا نقصان ہے، نیز حاصل ہونے والا فائدہ اصل سرمائے کی ترقی میں لگا دیا جاتا ہے، اور اس میں دولت مالداروں ہی کے پاس منجمد ہو کر رہ جاتی ہے اور یوں غنی اور فقیر میں واضح تفاوت جوں کی توں رہتی ہے۔

۵.....قائلین اباحت کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ بینکاری عصر حاضر میں اقتصادی ضرورت بن چکی ہے اس سے مستغنی نہیں رہا جا سکتا، مگر یہ نکتہ بھی سبز باغ دکھانے کے مترادف ہے اور نرا دھوکا ہے چنانچہ اشتراکی نظام میں بنکاری فوائد کا نظام موجود نہیں۔ نیز اسلامی بینک جن کی تعداد عصر حاضر میں پچاس سے زائد ہو چکی ہے نہایت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ ان اسلامی بینکوں کو قائم ہوئے ابھی صرف ۱۳ سال ہوئے ہیں، یہ تو اقتصادی نظام کے قیام پر نمایاں دلیل ہے اور یہ نظام سودی منافع جات سے پاک بھی ہے یہ کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں کہ بینکوں کے منافع جات پر لوگوں کا عرف چل پڑا ہے، واضح رہے عرف قانون سازی کا ایک قاعدہ ہے لیکن سودی فوائد کا عرف محض فاسد ہے چونکہ یہ نصوص شرعیہ کے متصادم ہے۔

۶.....افراط زر کی آڑ میں سود کا عذر پیش کرنا بھی کسی طرح صحیح نہیں، کہ سرمایہ کار کو وسیع پیمانے پر فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ اس میں سے کچھ دیتا ہے، یہ بھی محض مغالطہ ہے جو نصوص کے خلاف ہے، سود سود ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ اور فائدہ کو مفقود قیمت کا عوض قرار دینا بھی صحیح نہیں چونکہ درحقیقت فائدہ مرور زمانہ کے ساتھ استعمال نقدی کا نرخ ہے قیمت مفقودہ کا عوض نہیں، جس طرح سود فعلاً افراط زر کا سبب ہے لیکن اس کا کوئی پیداواری نتیجہ نہیں ہوتا جیسا کہ ماہرین اقتصادیات کے ہاں یہ طے شدہ ہے۔

۷.....فکری انحطاط اور علمی کم مائیگی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی کا وزن نہیں کیا جاتا لہٰذا کاغذی کرنسی اموال ربویہ میں سے نہیں بلکہ کرنسی نوٹ کا حکم سامان تجارت جیسا ہے، نیز قائلین اباحت کی طرف سے یہ بازگشت بھی سننے میں آتی ہے کہ کاغذی کرنسی فلوس کے حکم میں ہے جن میں سود نہیں ہوتا، لیکن یہ نری جہالت ہے اور نقود کی حقیقت سے محض ناواقفی ہے، چونکہ کرنسی نوٹ اشیاء کے اصطلاحی ثمن ہیں، برابر ہے ثمن معدنی ہوں یا کوئی اور چیز، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دیناروں کے بدلہ میں ایک دینار فروخت مت کرو، (نیل الاوطار ۵ / ۳۰۳) جبکہ فلوس میں قوت نقود نہیں پائی جاتی اور نہ ہی یہ نقود کا بدل ہیں۔ بلکہ فلوس تو تجارتی سامان کے حکم میں ہیں اور سامان اور اشیاء کی قیمت فلوس سے نہیں لگائی جاتی بلکہ سونا چاندی سے لگائی جاتی ہے، فلوس سے صفت سود اس لئے کشید کرلی گئی ہے کہ ان میں قوت نقد کالعدم ہے اور فلوس کو کمتر سمجھا جاتا ہے جیسے دو لپوں کے بدلہ میں ایک لپ گندم یا دو سیبوں کے بدلہ میں ایک سیب، میں سود نہیں چونکہ یہ مقدار معیار سے بہت کم ہے، اور فلوس میں بھی معیار کالعدم ہے (فلوس سے مراد پیتل، سلور، لوہا وغیرہ کے سکے ہیں) ماضی میں فلوس کو خرید و فروخت میں اس لئے رواج ملا کہ وہ اشیاء جن کی قیمت نہایت ارزاں تھی ان کی خریداری کو آسان تر بنایا جاسکے۔ اور لوگوں کو خریداری میں کوئی دشواری نہ ہو۔

۸.....بینکوں کا فائدہ جو صاحب مال کو دیا جاتا ہے اس کی مقدار متعین ہوتی ہے جو حرام ہے، اس مقدار میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور نقصانات کی صورت میں صاحب مال پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا نیز اس فائدہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فائدہ اصل سرمایہ سے مستفاد ہے اور اصل سرمایہ مشروع امور مثلاً صناعت، تجارت اور زراعت میں لگایا جاتا ہے۔

بنا برایں مجلّہ ''العربی'' میں کچھ ایسے گمراہ فتاویٰ بھی منظر عام پر آئے ہیں جن میں سیونگ بینک کے منافع جات کو مباح قرار دیا گیا ہے، سیونگ نظام حکومتی اعتماد پر جاری ہوتا ہے اور حکومت رقوم کو فکس کرنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، اسی طرح بینک کے آمدنی سرٹیفکیٹ جو لوگوں کو اپنے اموال بینکوں میں ودیعت رکھنے پر ملتے ہیں اور ان کی قیمت کے برابر لوگوں کو سرٹیفکیٹ یا چیک مل جاتے ہیں پھر مدت مقررہ پر منافع مل جاتا ہے، ان دونوں قسم کے منافع جات کو مباح قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں چونکہ سیونگ نظام اور سرٹیفکیٹ ''کل قرض جر نفعًا'' کے قبیل میں سے ہیں، یہ عاریت نہیں چونکہ عاریت میں مستعار چیز کو بعینہ واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

نیز نقود کا عاریہ حقیقت میں قرض ہے، یہ ودیعت بھی نہیں چونکہ امین کے لئے جائز نہیں کہ وہ امانتوں کو کام میں لائے اگر امانتوں کو استعمال میں لایا تو ضامن ہوگا، سیونگ اور سرٹیفکیٹ کو شرکت مضاربت بھی نہیں کہا جاسکتا چنانچہ مضاربت میں رأس المال پیشگی دے دیا جاتا

ہے اور دوسرے فریق کی طرف سے عمل ہوتا ہے اور منافع طے شدہ تناسب کے ساتھ تقسیم ہوتا ہے۔ جبکہ بینک رأس المال کے تناسب سے منافع کی ایک حد مقرر کر دیتا ہے یہ حد فعلی منافع کی نسبت کے اعتبار سے نہیں ہوتا، شرکت مضاربت میں مضارب رب المال کا شریک ہوتا ہے اور شریک ضامن نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس کی طرف سے تعدی ہو یا کوتاہی ہو، جبکہ بینک رأس المال کا ضامن ہوتا ہے اور اس کے ضامن ہونے پر باقاعدہ معاہدہ اور شرط ہوتی ہے۔ محض تبرعاً ضامن نہیں ہوتا، پھر منافع میں بغیر قطعی مقدار کی تحدید کی شرکت ضروری ہے اور مضاربت میں خسارہ رب المال پر بھی آتا ہے جبکہ بینکوں میں خسارہ کھاتہ داروں پر نہیں پڑتا۔ بسا اوقات بینکوں کو قرضہ بھی دینا پڑتا ہے چنانچہ مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ قرضہ دے، نیز پیداوار یا منافع کی قطعی مقدار کو متعین کرنا جائز نہیں اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ شرکات، مساقات، مزارعت، مضاربت وغیرھا میں قطعی مقدار کی تخصیص کسی طرح جائز نہیں، چونکہ اس میں غرر ہے یعنی نفع کے ہونے اور نہ ہونے کا احتمال ہے اور منافع کے تناسب میں بھی احتمال ہے۔ چنانچہ رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہر کے اوپر کی زمین کے بدلہ میں زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے سونا اور چاندی کے ساتھ زمین کو کرائے پر دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کہ بینکوں میں دھرا سرمایہ ہمیشہ نفع ہی دیتا ہے اور خسارہ نادر الوقوع ہے لہٰذا غرر یسیر (یعنی معمولی) ہے جو قابل برداشت ہے اور عقد باطل نہیں ہوگا۔

چونکہ کلام غرر کی مقدار میں ہے غرر کی مقدار فاحش ہے اور نادر الوقوع اور عدیم الوقوع میں کلام نہیں ہے، چونکہ بینک کا جب خسارہ ہوتا ہے تو وہ فاحش قسم کا خسارہ ہوتا ہے معمولی نہیں ہوتا۔ [1]

واضح رہے "العربی" میں ایک عالم کے مقالہ جس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے میں بیمہ زندگی کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے اور اس میں بھی غرر کو بہت معمولی مقدار سے ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ یہ بھی واقع کے خلاف ہے۔

چونکہ غرر کی مقدار فاحش ہے ہاں البتہ وقوع کا پیش آنا یا نہ آنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ لقمان ۳۱/۳۴

کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی متنفس کو یہ پتہ ہے کہ کون سی زمین میں اسے موت آئے گی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر بات سے باخبر ہے۔

خلاصہ..... بینکوں کے منافع جات شرعاً حرام ہیں اور ان کی حرمت قرآن، سنت، اجماع صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، ان کی اباحت کا قول ادلۂ شرعیہ یعنی کتاب وسنت اور ادلۂ اجتہادیہ یعنی اجماع وقیاس کے متصادم ہے اور غیر فقہی قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

جبکہ مفتی مصر ڈاکٹر سید طنطاوی نے قبل ازیں بینکوں کے منافع جات کی حرمت کا فتویٰ جاری کیا تھا اور اب ان کا جدید فتویٰ قدیم فتویٰ کے متصادم ہے۔

اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کا حکم:

اسلامی بینک؟...... یہ ایک ایسا مالی ادارہ ہوتا ہے جو لوگوں کے اموال جمع کرتا ہے اور اموال کو سرمایہ کاری میں لگا کر اقتصادی ترقی کا باعث بنتا ہے، اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی اور اسلامی طریقۂ تعاون سے اس کا اہم کردار ہو سکتا ہے بشرطیکہ جملہ کارروائی اصول شرعیہ کے

---

[1] ..... جی ہاں چشم فلک نے دیکھا کہ ۲۰۰۸م کے معاشی بحران میں مغربی اور یورپی دنیا کے ہزاروں بینک دیوالیہ ہو کر بند ہو گئے جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ بے روزگار ہو گئے، یہ خسارہ معمولی نہیں تھا بلکہ یہ خسارہ اتنا فاحش تھا کہ ہندسوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ جبکہ اسلامی بینکوں کا ذرہ برابر نقصان نہیں ہوا چونکہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

موافق ہو۔ دراصل اسلامی بینک کا قیام اس لئے عمل میں آیا تاکہ سودی معاملات اور شرعاً ممنوعہ عقود سے اجتناب کیا جاسکے اور حاصل ہونے والے منافع جات کو حسب اتفاق تقسیم کیا جاسکے اور مجبور و محتاج کو قرض حسنہ کے طریقہ سے نوازا جاسکے یوں یہ اقتصادی اور اجتماعی اعتبار سے اسلام کی طرف ایک دعوت ہے۔

اسلامی بینکوں کے امتیازات...... اسلامی بینکوں اور تجارتی، سودی بینکوں میں نمایاں امتیازات پائے جاتے ہیں، بعض امتیازات کا دارومدار ودیعت اور قرضہ کے لین دین پر ہے۔ چنانچہ اسلامی بینکاری نظام شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم ہے اور شریعت اسلامیہ کا فقہی میدان سرسبز وشاداب ہے، سب سے زیادہ اہمیت اس امر کی ہے کہ اسلامی بینکاری اسلامی نظام معیشت پر قائم ہے جبکہ سودی بینکاری سرمایہ دارانہ نظام معیشت پر قائم ہے۔ جس کی اساس محض سود ہے تاہم بعض امتیازات درج ذیل ہیں۔

ا: اسلامی بینکاری اسلامی عقیدہ کے ساتھ مربوط ہے...... ایک مسلمان حلال وحرام کے حوالے سے اپنے جملہ تصرفات میں اصول شرعیہ کا پابند ہے۔ اس کا اقدام ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جو حلال ہو اور اس کی حلت پر اس کا دل مطمئن ہو اور حرام سے وہ اجتناب کرتا ہے چونکہ دین اور شریعت اس کے آگے آڑ بن جاتی ہے لہٰذا وہ قطعاً ایسا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا جس سے قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہو، چنانچہ قرآن نے واضح طور پر سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی فرق نہیں کہ سود کون سا ہے ربا نسیۂ ہے یا ربا الفضل ہے یا بینکوں کا سود، گویا سب حرام ہے برابر ہے خرید وفروخت میں سود ہو یا قرض میں خواہ قرض صارف ہو یا پیداواری۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال رکھا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس ربا کو حرام کیا ہے اس میں سود کے جملہ انواع شامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے سود کو مٹانے کی دھمکی سے ڈرایا ہے چنانچہ فرمان ہے۔ ''يمحق الله الربا ويربي الصدقات'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کو سرے سے چھوڑنے کا حکم دیا ہے اگرچہ سود کی مقدار قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ فرمان ہے۔ ''يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا مابقي من الربا ان كنتم مؤمنين!'' اے ایمان والو اگر تم واقعی سچے مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سود کی باقی مقدار کو چھوڑ دو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا سود خوروں کے ساتھ اعلان جنگ ہے فرمان ہے:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اگر تم سود خوری سے باز نہیں آؤ گے تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے اور اگر تم توبہ تائب ہو جاؤ تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا۔ (سورۃ البقرہ، ۲۷۹)

اعلان جنگ اسلام میں زبردست سزا سمجھی جاتی ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سود کی حرمت احکام میں سب سے زیادہ ہے اور سود کا جرم نہایت قبیح اور شنیع ہے چونکہ سود خور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عداوت کا مستحق ہوتا ہے۔

حلال وحرام کے اس قاعدہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی بینک سرمایہ کاری، تمویل اور درآمدگی میں ایسا مال نہ رکھے جو شرعاً حرام ہو جیسے شراب اور اسلامی بینک سودی معاملہ، ذخیرہ اندوزی، تعزیر، غش، دھوکا دہی جیسے گھناؤنے جرائم سے قطعاً اجتناب کرے ... بات سودی بینکاری کی سو اس کا دارومدار سود کے لینے اور دینے پر ہے نیز اس کے ڈانڈے تو براہ راست ذخیرہ اندوزی پر قائم ہیں۔

اسلامی بینک پر یہ بھی لازمی ہے کہ وہ جملہ ذرائع اور ہونے والی سرمایہ کاری پر گہری توجہ دے تاکہ جملہ امور شریعت کے مطابق طے

پائیں اور اسراف سے اجتناب رہے۔ نیز بینک مسلمانوں کی مشروع حاجات اور امت کی مصلحت کی بھی رعایت کرے۔

۲۔ اخلاق حسنہ کی ہمدوشی......اسلامی بینک کے عاملین پر واجب ہے کہ وہ اسلامی بھائی چارہ کے اصول کو اپنائیں اور تنگدست مسلمان بھائی کو تنگدستی سے خلاصی دلائیں، مطالبہ قرض میں ڈراؤ دھمکاؤ سے اجتناب کریں مسلمان کے ساتھ معاملہ کرنے میں خیر خواہی کو پیش نظر رکھا جائے، امانت داری اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، نیز اخلاص چشم پوشی اور قرض حسنہ کو اپنا معمول بنایا جائے، تنگدست مدیون (مقروض) کو مہلت دی جائے، تاکہ فراخی کے نظریہ قرآنی پر عمل ہو سکے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ البقرۃ ۲/۲۸۰

اگر (مقروض) تنگدست ہو تو اسے فراخی تک مہلت دی جائے اور اگر تم صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے، اگر تم ایسا کرو۔

رہی بات غیر اسلامی سودی بینکوں کی سو ان کا نظریہ صرف اور صرف مادیت ہے اخلاق حسنہ سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ یہ بینک مقروض کے حالات کی کوئی رعایت نہیں رکھتے، بس ان کی نظر تو محض منافع جات پر ہوتی ہے اور کھاتہ دار کے معاملہ میں آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں اور مقروض جب قرضہ چکانے کی سکت نہیں رکھتا تو بینک اس کی ملکیت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جو اسلامی بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کے سراسر خلاف ہے۔

۳۔ اجتماعی جذبہ انسانیت؟......سودی بینکوں کا ہدف سود در سود ہے اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہے۔ جبکہ اسلامی بینکاری کا ہدف باہمی امداد و تعاون ہے اور مضرت و نقصان سے دوری ہے قرضہ حسنہ دے کر لوگوں کی حاجت براری ہے اور محتاج و فقیر کو زکوۃ دے کر اس کی معاشی حالت کو بہتر بنانا ہے، اس کی علاوہ طلبہ علم، تعمیر مساجد، اجتماعی بھلائی، فقراء مساکین کی غذاؤں، کپڑوں اور علاج کا بندوبست، حفظ قرآن اور سیرت اسلاف کے مطابق تربیت ان کا مطمح نظر ہے باایں ہمہ زمانہ کے ساتھ ساتھ مفید ترقی بھی اسلامی بینکوں کا ہدف ہے۔

اسلامی بینکوں کو اقتصادی ترقی اور اجتماعی ترقی کے ساتھ مربوط رہنا چاہئے تاکہ متوازن ترقی برقرار رہے یوں اقتصادی ہمواری کے ساتھ کام کی نوعیت آسان تر ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاشرتی تہذیب اور اسلامی آداب کی پابندی ضروری ہے۔ اسلامی اقدار اور روایات کو فروغ دیا جائے چنانچہ غش دھوکا دہی، دھونس دھاندلی، تغریر، تدلیس، جوا، غبن، اجارہ داری سے قطعاً اجتناب کیا جائے باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال نہ کھائے جائیں، باہمی محبت کی روح کو فروغ دیا جائے، لوگوں کے ساتھ جھگڑے اور فساد سے اجتناب کیا جائے، جہاں تک ہو سکے انسانی زندگی کو اعلیٰ پیمانہ پر لانے کی کوشش کی جائے، دین اسلام کو مضبوط بنانے کی جستجو کی جائے، ظاہر و باطن میں خوف خدا کو پلے باندھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ ماحول امانتداری اور سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہو، نیز پیداوار اور منافع جات کی ترقی میں پوری توجہ ہو تا کہ دوسرے نظام ہائے معیشت پر اسلامی نظام معیشت کی برتری قائم رہے۔

۴۔ معاملہ کاروں کے درمیان مساوات، کام کی صفائی اور سرمایہ کاری میں اعتماد......سودی بینکاری نظام میں ان اصولوں کی کوئی پہچان نہیں بلکہ وہاں تو یہ بدی ہے کہ بینک یا ادارہ کی معرفت سے اموال کی تشغیل عمل میں آتی ہے نیز جن لوگوں نے مال رکھا ہوتا ہے ان کے علاوہ اوروں کو قرضہ کی مد میں مال سونپ دیا جاتا ہے جبکہ اسلامی بینکوں میں یہ غیر یقینی ابہام نہیں پایا جاتا، اسلامی بینکوں کے جملہ اعمال وافعال واضح اور نمایاں ہوتے ہیں اور معاملہ کاروں کو بینک پہ پورا بھروسہ ہوتا ہے اور اسلامی بینک کا منافع جات کی قرض دہندگی پر اعتماد نہیں ہوتا اور عقد مشارکت جسے اسلامی فقہ میں شرکت عنان کہا جاتا ہے کی پابندی کی جاتی ہے جو عامل اور صاحب مال کے درمیان ہوتی ہے، یوں صاحب مال اور بینک رأس المال میں حصہ لیتے ہیں پھر متفق تناسب اور شرح کے ساتھ منافع کو تقسیم کر لیا جاتا ہے، جبکہ خسارہ رأس المال کی شرح پر تقسیم ہوتا ہے الا یہ کہ خسارہ تعدی یا کوتاہی کی وجہ سے ہو تو اس کا تاوان عامل پر

پڑتا ہے۔

اموال کی سرمایہ کاری کے معاملہ میں بینک سرمایہ کاری کی ایک اور نوع پر اعتماد کرتا ہے اور وہ شرکت مضاربت ہے، بینک پوری طرح شرکت مضاربت کے ذریعہ سرمایہ کاری کرتا ہے جبکہ مضارب (شریک) عمل پر کمر بستہ ہوتا ہے، بینک اور مضارب کے درمیان فقہ اسلامی کے مطابق شرائط طے ہو جاتی ہیں اور بالا تفاق مضارب نفع میں اپنے حصہ کی تحدید کر لیتا ہے، رہی بات خسارے کی سو تنہا بینک ہی خسارہ برداشت کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مضارب کو پیہم کوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ کاروبار مزید ترقی کرتا رہے الا یہ کہ مضارب کی طرف سے تعدی ہو یا کام میں کوتاہی ہو تو اسے بھی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

البتہ درآمدگی کے حوالے سے بینک کو بیوع کی ایک اور صورت اختیار کرنی پڑتی ہے جیسے فقہی اصطلاح میں بیع مرابحہ کہا جاتا ہے، مرابحہ کا حاصل یہ ہے کہ ثمن اول کے بمعہ کچھ زائد نفع کے چیز کو فروخت کرنا، یہ بیوع امانت کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ بینک گاڑیاں اور سامان تجارت اندرون ملک اور بیرون ملک سے خرید کر مرابحہ کے طور پر آگے فروخت کرتا ہے۔ البتہ بیع مرابحہ میں اگر خیانت واضح ہو جائے تو خریدار کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، بینک سامان تجارت پر معقول نفع رکھ کر آگے فروخت کر سکتا ہے، برابر ہے کہ بیع نقدی ہو یا قسطوں پر ادھار ہو اور مدت مقرر کر لی جائے، جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ادھار یا قسطوں پر خریداری کے نرخ نقدی نرخوں سے زائد مقرر کئے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ ریٹ کی تحدید ہو جو حتمی شکل اختیار کر سکے۔ بینک پلاٹس خرید کر اور عمارتیں بنا کر منافع پر فروخت کر سکتا ہے خواہ نقدی ہو یا قسطوں کے ساتھ، جو صورت بھی ہو متعین ہونی چاہئے۔

رہی بات تحویل اور حوالہ کی جس کے ذریعہ اندرون ملک یا بیرون ملک میں قرضہ کی ادائیگی استوار رکھی جا سکتی ہے، یہ بھی شرعاً جائز ہے جیسا کہ سودی بینکوں میں بھی اس کا رواج ہے۔

تیسرے شخص کو کفیل بنانا بھی جائز ہے، اس کفالت پر بینک کا اجرت لینا بھی جائز ہے چونکہ یہاں عقد کفالت بھی ہے اور وکالت بھی بینک کے اعتبار سے تیسرے آدمی کے ساتھ کفالت ہے اور بینک کے اعتبار سے عامل کے ساتھ وکالت ہے۔ وکالت پر بینک کے لئے اجرت لینا اس وقت جائز ہے جب مقابل میں کوئی چیز نہ ہو چونکہ یہاں عقد کفالت ہے جو کہ عقود تبرعات میں سے ہے، جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ضمان پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جبکہ سودی بینکوں میں اس کے برخلاف ہوتا ہے، یہ حکم شرعی ہے اسلامی بینکوں میں اسے سب سے پہلے اختیار کیا گیا ہے نیز سوڈان کے اسلامی فیصل بینک کے نگران بورڈ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اس بورڈ نے کفالت کی صورت میں اجرت لینے کو جائز رکھا ہے، بشرطیکہ ضمان نامہ کسی چیز کے مقابل میں نہ ہو۔

۵۔ رأس المال کی سرمایہ کاری اور عمل...... اسلامی بینکوں کی کمائی کا دارومدار رأس المال کو کام میں لگانے پر ہے چنانچہ کام بینک یا بینک کے وکلاء کی طرف سے ہوتا ہے اور رب المال شرکت مضاربت یا شرکت عنان کے طور پر شریک ہوتا ہے، شرکت مضاربت اور شرکت عنان کا اکٹھا ہونا جائز ہے، جیسے متعدد مضاربین اور ارباب مال کا اکٹھا ہونا جائز ہے چنانچہ مضارب واحد یا جماعت مضاربین شرکت عنان کے طور پر دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوگی، مضاربت کا دارومدار امانت پر ہے مضارب کو مال کا ضامن ٹھہرانا جائز نہیں ورنہ عقد فسخ ہو جائے گا۔

بینک سے جو شخص قرضہ لے وہ قرضہ حسنہ ہو جس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو چونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرضہ جو نفع لائے وہ سود ہے یعنی جس قرضہ میں نفع کی شرط رکھی گئی تو وہ نفع سود ہے اسی طرح کسی قسم کی منفعت بھی سود کے زمرے میں داخل ہے جیسے مقروض کے مکان سے رہائش رکھنا، قرضہ کے مقابلہ میں کسی قسم کا فائدہ لینا قطعی سود ہے جو حرام ہے۔

بنابرایں اسلامی بینک دوسرے بینکوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرسکتا جس میں بینک کو کسی قسم کا فائدہ دینا پڑے یا لینا پڑے جیسے مثلاً اسلامی بینک سود کی شرط پر دوسرے کسی بینک سے قرضہ لے لے البتہ بغیر فائدہ لئے اسلامی بینک دوسرے بینکوں میں رقوم رکھ سکتا ہے۔ اور جب اسلامی بینک دائن ہو وہ دوسرے بینکوں کو بھی فائدہ نہ دے سودی بینکوں نے اس معاملہ کو قبول کیا ہے۔

سودی بینک دوسرے بینکوں اور عاملوں کے ساتھ صرف سودی معاملہ کرتے ہیں، اس موقع پر ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ سودی بینکوں سے جو شخص قرضہ لیتا ہے بسا اوقات وہ بوجھ تلے دب جاتا ہے اور سود مضاعف (چند در چند) ہو جاتا ہے یعنی مقروض کو فائدہ مرکبہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ جوں جوں سال گزرتے ہیں سود در سود ہوتا جاتا ہے پھر اگر مقروض ادائیگی سے عاجز آجائے تو اس نے اپنی زمین یا باغ یا مکان جو قرضہ کے بدلہ میں رہن رکھا ہوتا ہے تو بینک اسی کو فروخت کر کے اپنا پورا پورا حق وصول کر لیتا ہے۔

۶۔ عاملین کے ساتھ معاملہ کی وسعت...... ہر شخص سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا چنانچہ صرف مالدار طبقہ ہی سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرسکتا ہے چنانچہ سودی بینک بڑے بڑے سرمایہ کاروں کو قرضے دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو قرضہ دیتا ہے جو زمین، جائداد یا مشتری وغیرہ کو ضمان میں پیش کرسکیں۔ جبکہ اسلامی بینک سبھی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے حتیٰ کہ اسلامی بینک مزدور طبقہ اور چھوٹے پیمانے پر تجارت کرنے والوں کے ساتھ بھی معاملہ کرتا ہے۔ نیز ایک نوجوان جو شادی نہیں کرسکتا، مکان نہیں بنا سکتا، اسلامی بینک اس کے ساتھ بھی تعاون کرتا ہے، جس سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۷۔ تخمینۂ کمیشن میں انصاف پسندی...... سودی بینکوں کے ساتھ خواہ جس طرح کا معاملہ کیا جائے وہ ہر صورت میں کمیشن کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ اسلامی بینک عامل کی محنت اور کوشش کو سامنے رکھ کر کمیشن کا مطالبہ کرتے ہیں چنانچہ بینک قرضہ پر ہونے والے بالفعل اخراجات کو لیتا ہے جیسا کہ قرض حسنہ کی ابتداء میں ہونے والے اخراجات کو بینک وصول کرتا ہے، جبکہ بعض بینک جیسے "بینک دبئی الاسلامی" قرض حسنہ پر بھی ہونے والے اخراجات کو وصول نہیں کرتا اور صرف قرضہ واپس لیتا ہے۔

اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا:

حلال ہے یا حرام؟...... مذکور بالا تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی بینک نے اعمال، معاملات اور جملہ کارروائی میں جہت حلال کا التزام کیا ہوا ہے جبکہ اموال کی سرمایہ کاری میں جہت حرام سے اجتناب کرتا ہے اور محتاج کی ضرورت کو قرضہ حسنہ کے ذریعہ پوری کرتا ہے اس پر کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں لیتا، مسلمان کو چاہئے کہ اسلامی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں مطمئن رہے۔

شرعی طور پر معلوم ہے کہ عقد جائز میں مسلمان کا حصہ لینا صحیح ہے، جبکہ معاملات اور عقود میں اصل اباحت ہے جبکہ جو عقد شرعاً ممنوع ہو جیسے عقد فاسد یا عقد باطل مثلاً ایسی بیع جو سود پر مشتمل ہو سے دوری اختیار کرنا لازمی ہے یہاں تک کہ بظاہر کوئی عقد صحیح ہو لیکن نتیجتاً شرعاً ممنوع ہو تو بھی اس میں حصہ لینا حرام ہے چونکہ حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے۔

اسلام ہر ایسے امر کو جائز قرار دیتا ہے جس سے لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہوں اور وہ منافع جو شرعاً معقول ہو اور خمس وثلث سے کمتر ہو اس پر پابندی نہیں، بسا اوقات بعض لوگوں پر سود یا حرام کے معنی میں اشتباہ پڑ جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے، لیکن اسلام نے سود یا مشروط فائدہ کی صراحت سے منع کیا ہے، البتہ مشروع طریقہ کے ساتھ مقصود تک پہنچنا ممنوع نہیں مثلاً نقدی نرخوں سے زائد ادھار یا قسطوں کی خرید وفروخت جائز ہے، جبکہ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ حرام ہے چونکہ اس میں نقدی نرخوں سے زائد نرخ ہیں لیکن فقہاء اسلام نے ضرورت اور حاجت کے لئے

اسے جائز قرار دیا ہے، نیز اس قسم کی بیع سے سرمایہ کاری اور محتاج و بے چین پر تنگی کرنا مقصد نہیں بلکہ اس کے برعکس خریدار کی حاجت کی رعایت بھی ہے چونکہ خریدار پورے ثمن کا مالک نہیں ہوتا وہ تھوڑا تھوڑا اقساط وار ادا کرنا چاہتا ہے جبکہ اسے سامان کی فی الحال ضرورت ہوتی ہے۔

بینکاری کی خدمات اور سروسز پر جو کمیشن لیا جاتا ہے اس کے متعلق یہ وہم کیا جاتا ہے کہ یہ حرام سود ہے جبکہ یہ کام اور عمل کی اجرت ہوتی ہے، بینک کی اہم سروسز جن کے ذریعہ بینک قائم رہتا ہے یہ خدمات اجارہ اور اجرت پر وکالت کی اساس پر جائز ہیں۔ اجارہ کی دو قسمیں ہیں: اشیاء کے منافع جات کا اجارہ اور اشخاص کا اجارہ چنانچہ لوہے کی تجوریوں کا اجارہ اشیاء کے اجارہ میں آتا ہے اور بینک کے ملازمین کا اجارہ اشخاص کے اجارہ میں سے ہے، اس کے علاوہ بقیہ خدمات مثلاً وثیقہ جات اور رسیدات کی لکھائی کی خدمت جملہ حسابات کی تدوین کی خدمت، ریکارڈ محفوظ رکھنے کی خدمت، کیش کے لین دین کی خدمت اور منافع جات اور سرمایہ کاری کی خدمات بھی جائز ہیں ان کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ❶

---

❶ ... عرصہ پندرہ سال سے پاکستان میں بھی اسلامی بینکاری کا نظام رائج ہوا ہے یہ خوش کن اقدام ہے اہل پاکستان نے بڑھ چڑھ کر اسلامی بینکاری میں حصہ لیا ہے، ۲۰۰۸ء میں مظفر آباد آزاد کشمیر میں بھی میزان بینک کی برانچ نے کام شروع کیا ہے، ماشاء اللہ صرف ایک سال کے عرصہ میں اس برانچ نے اتنی زیادہ ترقی کی ہے کہ معاندین وطبقہ آکلین ربا دریائے حیرت وندامت میں ڈوب کر رہ گیا وہ وقت دور نہیں جب آل پاکستان میں اسلامی بینکاری پورے عروج پر ہوگی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کام ابتدائی مراحل میں ہو اس میں کمی کوتاہی رہ جاتی ہے لیکن جوں جوں جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں کوتاہیاں بھی مٹتی جاتی ہیں، تاہم غیر سودی اسلامی بینکاری پاکستان میں ابھی ابتدائی مراحل میں ہے ان شاء اللہ اگر طبقہ علمائے راسخین اس طرف توجہ دیں تو نہ صرف غیر سودی اسلامی بینکاری کی جڑیں مضبوط ہوں گی بلکہ سودی بینکاری کا قلع قمع ہو جائے گا، لوگوں کا کتنا سرمایہ ہے جو یا تو دوسرے سودی بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹس میں پڑا ہوا ہے یا گھریلو تجوریوں میں پڑا زکوٰۃ وصدقات کی مدات میں بلا پیداوار جارہا ہے حالانکہ کتاب وسنت کا حکم یہ ہے کہ اموال کو تجارت (اور سرمایہ کاری) میں لگایا جائے تاکہ زکوٰۃ وصدقات اسے ختم نہ کر جائیں۔ مزا تو تب ہے جب مال بھی بڑھتا رہے اور ساتھ ساتھ زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی بھی ہوتی رہے۔ ہم نے مظفر آباد کے مضافات اور گرد ونواح میں دیکھا کہ لوگوں نے اٹڈ اٹڈ کر غیر سودی اسلامی بینکاری میں حصہ لیا ہے، وہ بھی میدان میں کود آیا جس کے پاس محض پانچ، دس ہزار روپیہ لگا پڑا تھا اور وہ بھی کود ہم یا جس کا شمار طبقہ اغنیاء میں ہوتا تھا، لیکن ایک بدی یہ ہے کہ ان بینکوں میں انگریزی خواں طبقہ کو بطور ملازمین لیا جاتا ہے اگر تجربہ کار افراد کے ساتھ علماء کو بھی لیا جائے تو یقیناً باقی ماندہ کوتاہیاں عنقا ہو جائیں گی اور یوں غیر سودی بینک اہل دنیا کے لئے ایک مثال بن کر ابھریں گے۔

لیکن وائے ناکامی! جہاں پاکستان کے چوٹی کے علماء جو اجتہاد اور استنباط میں درجۂ امامت کے حامل ہیں وہ اسلامی بینکاری کے لئے عملاً کوشاں ہیں وہاں انہی کے ہم پلہ علماء ان پر کیچڑ اچھالتے نظر آتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اختلاف رائے ہر ذی رائے کا اختیاری حق ہے لیکن یہ کہاں جائز ہوا کہ عام فہم اردو زبان میں عوام الناس کو بدظن کرنے کے لئے لٹریچر اور کتابچے چھاپ کر شائع کئے جائیں غیر سودی بینکاری جائز یا ناجائز محض علمی مسئلہ ہے اس پر گفتگو بھی خالص علمی زبان میں ہونی چاہئے تھی جو چار دیواری کے اندر رہتی اور پھر تصفیہ کی اشاعت عمل میں لائی جاتی لیکن اس کی برعکس اول الذکر علماء جو غیر سودی بینکاری کے حامی ہیں نے بارہا علمائے مانعین سے مطالبہ کیا کہ آؤ ہم اپنے تئیں بیٹھ کر معاملہ کو سلجھا لیتے ہیں مگر یہ تمام سعی لاحاصل رہی، بالآخر نوبت اعتراضات بشکل کتاب تک آن پہنچی پھر اس کا جواب بھی ضروری تھا جو منظر عام پر آچکا۔

واللہ اعلم میری ناقص رائے یہ ہے کہ اب اختلاف کا زمانہ نہیں بلکہ افہام وتفہیم کا زمانہ ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو سود کی لعنت سے کس طرح بچا کر غیر سودی سرمایہ کاری پر لگایا جائے، میں نے اعتراض وجواب دونوں کا مطالعہ کیا ہے اور پھر زیر نظر کتاب کا ترجمہ بھی کیا ہے میری ناقص رائے یہی ہے کہ غیر سودی بینکاری کی حمایت کی جائے اور اس میں ہونے والی کوتاہیوں کا خاتمہ کیا جائے۔

فأسئل الله السداد وان يرزق الحلال والا جتناب عن الرباالحرام۔ آمين۔

٦۔ بیوع الأمانت:

مرابحہ، تولیہ اور وضعیہ...... میں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ بدل کے اعتبار سے بیع کی پانچ اقسام ہیں۔

ا۔ **بیع مساومہ**...... اس کا حاصل یہ ہے کہ چیز کو فروخت کرتے وقت پہلی قیمت ملحوظ نہ ہو اور اس کے ذکر کے بغیر خریدار اور فروخت کنندہ کسی قیمت پر راضی ہو جائیں تو یہ بیع مساومہ ہے، یہ بیع معتاد ہے۔

۲۔ **بیع مرابحہ**...... کسی چیز کو پہلی قیمت کا لحاظ رکھتے ہوئے کچھ اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے، مرابحہ کی صورت یہ ہے جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ سامان کا مالک (فروخت کنندہ) خریدار کو بتادے کہ اس نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے اور وہ خریدار سے نفع لے کر فروخت کردے مثلاً یوں کہے: میں نے یہ چیز دس دراہم میں خریدی ہے اور تم مجھے اس پر ایک درہم نفع دے دو یا تو علی التفصیل کہے کہ: ہر دینار پر مجھے ایک درہم نفع دو۔ یا نفع کی قطعی اور تحدیدی مقدار بیان کردے مثلاً کہے مجھے دو درہم نفع دے دو، یا فیصدی اعتبار سے نفع لے مثلاً کہے مجھے پانچ فیصد نفع دے دو۔ ❶

حنفیہ کے نزدیک مرابحہ کی تعریف...... **نقل ملکه بالعقد الاول وبالثمن الاول مع زیادة ربح** یعنی عقد اول سے جو چیز ملکیت میں آئی ہو اسے ثمن اول کے ساتھ منتقل کرنا اور ساتھ زائد نفع بھی ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تعریف...... **هی البیع بمثل رأس المال اوبما قام علی البائع وربح درهم لکل عشرة ونحوذالك** یعنی رأس المال یا اس قیمت کے ساتھ جس پر بائع کو فروخت کردہ سامان پڑا ہو اور ہر دس درہم پر ایک درہم کے نفع کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ ہے۔ ❷

۳۔ **بیع تولیہ**...... کسی چیز کو پہلی قیمت کے ساتھ بغیر نفع کے فروخت کردینا بیع تولیہ ہے گویا فروخت کنندہ خریدار کو اپنی جگہ چیز کا متولی بنا دیتا ہے۔

۴۔ **بیع اشتراک**...... بیع اشتراک بیع تولیہ کی مانند ہے۔ البتہ اس میں مابہ الفرق یہ ہے کہ یہ بعض ثمن کے ساتھ بعض مبیع کی بیع ہے۔

۵۔ **بیع وضیعہ**...... قیمت خرید میں کمی کر کے نقصان کے ساتھ چیز کو فروخت کرنا بیع وضیعہ ہے۔

بیع مرابحہ...... بیع مرابحہ شرعاً جائز عقد ہے، چنانچہ جمہور علمائے صحابہ، تابعین اور ائمہ مذاہب نے اس بیع کے جواز کی رخصت دی ہے، البتہ مالکیہ کی رائے کے مطابق یہ بیع خلاف اولیٰ ہے۔

البتہ جواز کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

ا...... وہ آیات قرآنیہ جو اپنے عموم کے ساتھ بیع کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ" (البقرة ۲/۲۷۵) اور "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ" (النساء ۴/۲۹) چنانچہ بیع مرابحہ بھی عاقدین کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پاتی ہے۔

۲...... ایک صحیح حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو اونٹ خرید لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان میں سے ایک اونٹ مجھے سونپ دو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: بلا قیمت اونٹ آپ کا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر قیمت کے نہیں۔ ❸

---

❶... القوانین الفقهیة لابن جزی ص ۲۶۳۔ ❷مغنی المحتاج ۲/۷۷، المهذب ۱/۲۸۳، المغنی ۴/۱۹۹۔ ❸ذکره البخاری عن عائشه وکذا الامام احمد فی مسنده وابن سعد فی الطبقات وابن اسحاق فی السیرة.

۳.....ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دس گیارہ اور دس بارہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، یعنی ہر دس درہم پر ایک درہم نفع اور ہر دس درہم پر دو درہم کا نفع۔

۴.....اس عقد میں جواز کی شرعی شرائط بھر پور پائی جاتی ہیں اور اس نوع کے تصرف کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جبکہ ماہر (ایکسپرٹ) اشیائے ضرورت سے مستفید ہوسکتا ہے وہ نفع کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہے جبکہ اناڑی اور ناتجربہ کار تجارت کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔

مرابحہ..... چیز کو قیمت خرید پر نفع کے ساتھ فروخت کرنا مرابحہ ہے جیسے فروخت کنندہ کہے میں نے یہ چیز تمہیں ایک سو اور دس روپے میں فروخت کردی۔ لہٰذا یہ ایسا ہے جیسے کہے میں نے دس درہم کے منافع کے ساتھ یہ چیز فروخت کردی۔

مرابحہ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل مقاصد پر گفتگو ہوگی۔

پہلا مقصد.....شرائط مرابحہ۔

دوسرا مقصد.....رأس المال اور اس کے ملحقات اور غیر ملحقات۔

تیسرا مقصد.....وہ امور جن کا مرابحہ میں بیان واجب ہے۔

چوتھا مقصد.....ظاہر ہونے پر خیانت کا حکم۔

ملاحظہ رہے کہ مذکور بالا مقاصد پر گفتگو غیر مرابحہ یعنی تولیہ، اشراک اور وضیعہ کو بھی شامل ہے۔

پہلا مقصد: شرائط مرابحہ.....مرابحہ میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ قیمت اول کا علم ہونا.....بیع مرابحہ میں یہ شرط ہے کہ ثمن اول، ثانی خریدار کو معلوم ہو۔ (یعنی خریدار کو معلوم ہو کہ فروخت کنندہ نے یہ چیز اتنے ثمن میں خرید لی ہے) چونکہ ثمن کا معلوم ہونا صحت بیع کے لئے شرط ہے۔ یہ شرط اخوات مرابحہ یعنی تولیہ، اشراک اور وضیعہ میں بھی کارگر ہے۔ چونکہ ان سب بیوع میں دارومدار ثمن اول یعنی رأس المال پر ہوتا ہے، اگر ثمن اول (یعنی قیمت خرید) معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے یہاں تک کہ مجلس عقد میں ثمن اول کا علم ہوجائے، اگر بغیر علم کے مجلس برخاست ہوگئی تو عقد باطل ہوجائے گا چونکہ اب فساد راسخ ہوچکا ہوگا۔

۲۔ نفع معلوم ہو.....نفع کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے چونکہ نفع ثمن کا حصہ ہے اور ثمن کا معلوم ہونا صحت بیع کے لئے شرط ہے۔

۳۔ یہ کہ رأس المال مثلی ہو.....مثلاً مکیلی ہو یا موزونی ہو یا عددی متقارب ہو، یہ شرط مرابحہ اور تولیہ دونوں میں پائی جانی ضروری ہے برابر ہے کہ بیع بائع اول کے ساتھ مکمل ہو یا کسی اور کے ساتھ، برابر ہے کہ نفع ثمن اول کی جنس میں سے ہو یا نقدی مال کی صورت میں ہو جیسے درہم اور دینار۔ اگر فروخت کردہ چیز ایسی ہو جس کی مثل نہ ہو جیسے سامان تو مرابحہ اور تولیہ کے ساتھ اسے فروخت کرنا جائز نہیں چونکہ مرابحہ اور تولیہ چیز کو پہلی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا ہوتا ہے اور مرابحہ میں نفع کا اضافہ ہوتا ہے۔

بنابرایں اگر ثمن اول غیر مثلی ہو جیسے گھر، کپڑے یا خربوزے ہوں پھر یا تو ایسے شخص کو فروخت کرے گا جس کے قبضہ میں یہ چیز ہو یا ایسے شخص کو فروخت کرے گا جس کے قبضہ میں یہ نہ ہو۔

اگر ایسے شخص کو فروخت کیا جس کے قبضہ میں سامان نہ ہو تو یہ جائز نہیں چونکہ سامان کے بدلہ میں مرابحہ کے ساتھ فروخت کرنا ممکن نہیں چونکہ سامان نہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور نہ اس کی ملکیت ہے۔ اور قیمت کے ساتھ بھی فروخت نہیں کرسکتا چونکہ سامان کی قیمت مجہول ہے جو

معنی تخمینہ یا ظن سے پہچانی جائے گی اور اس میں تاجروں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

اگر مرابحہ کے ساتھ ایسے شخص کو چیز فروخت کی جس کے قبضہ میں سامان ہو یا سامان اس کی ملکیت میں ہو تو پھر اس میں مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

ب.....اگر کسی نے منافع اصل مال کا حصہ جز بنا دیا بایں طور کہا کہ دس کا منافع دسواں حصہ ہے جو (دہ یازدہ) کے نام سے قدیما مشہور ہے تو یہ جائز نہیں، اس لئے کہ اس نے منافع کو عرض کا جز بنا دیا جبکہ عرض اجزاء کے مماثل نہیں، بلکہ عرض کی پہچان تو قیمت سے ہوتی ہے اور یہاں قیمت ہی مجہول ہے اس لئے کہ اس کی پہچان تو جمع کرنے اور گمان سے ہو رہی ہے۔ ❶

ہاں اگر وہ اس کو بطور بیع وضیعہ فروخت کرے یعنی جس کے قبضہ میں اور ملکیت میں عرض ہے تو اس میں حکم مرابحہ کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ اگر اس نے وضیعہ اگر ایسی چیز رکھی جو اصل مال سے ممتاز اور معلوم ہو مثلاً دراہم وغیرہ تو پھر جائز نہیں، کیونکہ اس میں اتنی مقدار کو رأس المال سے الگ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مجہول ہے۔ اور اگر وضیعہ کو رأس المال کی جنس میں سے رکھا، بایں طور کہ دسواں حصہ فروخت میں وضع کر دیا جائے گا یعنی کہ ہر دس میں ایک کم کرایا جائے گا تو پھر دس اجزاء کو رأس المال کے گیارہ اجزاء کے بدلے فروخت کرنا جائز ہے اس لئے کہ الگ کیا گیا حصہ وہ رأس المال میں سے معلوم ہے۔ ❷

۴.....اموال ربویہ میں مرابحہ کی صورت میں ثمن اول کی نسبت سود نہ پایا جائے، مثلاً کسی کیل کی جانے والی چیز یا کسی وزنی چیز کو اس کی جنس کے بدلے برابر سرابر فروخت کیا جائے، پس اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مرابحہ تو نام ہے ثمن اول اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے کا اور اموال ربویہ میں زیادتی سود ہے نہ کہ منافع نیز ان اشیاء کو بطور وضیعہ فروخت کرنا بھی جائز نہیں، البتہ بطور تولیہ، یا شرکت کے طور پر فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں بیعیں مثل ثمن کے ساتھ ہوتی ہیں چاہے پوری مبیع ہو یا بعض، لہٰذا ربا (سود) نہیں متحقق ہوگا، اور اگر جنس تبدیل ہو تو پھر مرابحۃً فروخت کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، مثلاً ایک دینار، دس درہم کے بدلے خریدا پھر ایک درہم منافع یا کسی کپڑے وغیرہ کے عوض فروخت کریا تو یہ جائز ہے۔ ❸

۵.....پہلا عقد صحیح ہونا چاہئے اگر پہلا عقد فاسد ہوا تو بیع مرابحہ جائز نہیں ہوگی، کیونکہ مرابحہ نام ہے پہلے ثمن اور کچھ منافع کے ساتھ فروخت کرنے کا، اور بیع فاسد میں ملکیت تو مبیع کی قیمت یا اس کے مثل کی وجہ سے ہوتی ہے نہ ثمن کے ساتھ مسمیٰ فاسد ہونے کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: رأس المال اور متعلقات وغیرہ.....یعنی رأس المال اور جو چیزیں اس سے ملحق ہیں اور جو اس سے ملحق نہیں۔

رأس المال..... مشتری اول، عقد کے ساتھ جس رقم کو ادا کرنے کا التزام کرتا ہے یعنی جس چیز کے ساتھ وہ مبیع کا مالک بنتا ہے اور عقد کی وجہ سے وہ واجب ہوتی ہے۔ اور جو چیز وہ عقد کے بعد مسمیٰ کے بدلے میں ادا کرتا ہے وہ رأس المال نہیں کہلاتی۔

ثمن اول..... وہ ہیں، جو بیع کی وجہ سے واجب ہوئے ہوں، اور جو بیع کے بعد وہ ادا کرتا ہے تو یہ دوسرے عقد کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں، جسے استبدال کا نام دیا جاتا ہے۔ بس مشتری ثانی پر متفق علیہ ثمن واجب ہوں گے عقد کی وجہ سے نہ کہ وہ جو کسی دوسرے اتفاق کی وجہ سے بعد میں دیئے گئے ہیں، اور اس کی مثال بیع تولیہ ہے، تفصیل اس کی یہ ہے: کہ اگر کسی انسان نے ایک کپڑا دس درہم کا خریدا اور پھر ان کی جگہ پر دینار یا کوئی کپڑا دے دیا تو رأس المال وہ دس درہم ہوں گے نہ کہ دینار یا کپڑا: کیونکہ دس درہم ہی عقد کی وجہ سے واجب ہوئے ہیں اور دینار یا کپڑا وغیرہ تو واجب ثمن کا بدل ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے دس عمدہ اور جید درھموں میں کپڑا خریدا پھر بائع کو دس کھوٹے درہم یا کچھ کھوٹے اور کچھ عمدہ درہم ادا کئے اور بائع نے وہ قبول بھی کر لئے، پھر اس نے اس کپڑے کو مرابحۃً فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو مشتری ثانی

---

❶.....فتح القدیر: ۵/۲۵۴۔ ❷البدائع: ۵/۲۲۱۔ ❸المبسوط: ۱۳/۸۹،۱۲۔

(دوسرے خریدار) پرواجب ولازم ہے کہ وہ عمدہ اور جید ثمن ادا کرے، کیونکہ عقد اول جید درہموں پر ہوا تھا،لیکن اس نے کھوٹے درہم ثمن اول کے بدلے میں دوسرے عقد سے ادا کئے ہیں۔

اگر کسی نے کپڑا خریدا ایسے دس درہم کا جو شہر میں رائج نہیں پھر مرابحۃً فروخت کیا تو اس صورت میں اگر ربح (منافع) مطلقاً ذکر کیا (یعنی کوئی صفت متعین نہیں کی) بایں طور کہا: (میں آپ کو ثمن اول پر ایک درہم منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں) تو مشتری ثانی پر دس درہم ایسے واجب ہوں گے جو شہر میں رائج نہیں اور عقد اول کے ساتھ واجب ہوئے تھے اور منافع شہر میں رائج درہموں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے منافع کو مطلق رکھا تھا اور مطلق سے متعارف مراد ہوں گے جو کہ شہر میں رائج ہیں۔

لیکن اگر اس نے منافع کی نسبت رأس المال کی طرف کی اور کہا (کہ میں آپ کو دس کے منافع کے ساتھ یا گیارہ درھموں پر فروخت کرتا ہوں) تو اس صورت میں منافع اور (رأس المال) دس وہ ثمن اول کی جنس میں سے ادا کرنے ضروری ہیں کیونکہ اس نے منافع کو دس کا جزء بنادیا ہے تو ضرورتاً یہ اس کی جنس میں سے ہوگا۔

وہ اشیاء جو رأس مال سے ملحق ہیں وہ یہ ہیں: ہر قسم کا وہ خرچہ جو سامان وغیرہ پر کیا گیا ہو، اور معقود علیہ پر اس کی وجہ سے زیادتی ہوئی ہو چاہے عین میں یا قیمت میں اور تاجروں کے ہاں اس کو رأس المال میں شمار کیا جاتا ہو، مثلاً دھوبی، رنگ ساز، درزی، دلال، بکریاں ہانکنے والے اور جانوروں کے چارے وغیرہ کی اجرت عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، کیونکہ عرف وعادت حجت ودلیل ہے جیسا کہ ایک اثر میں ہے:"جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہے۔" اور ان چیزوں کو مرابحۃ اور تولیۃً فروخت کیا جائے، البتہ بائع فروخت کے وقت یہ نہ کہے کہ یہ میں نے اتنے میں خریدی ہے بلکہ یہ کہے کہ یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے منافع کے ساتھ آپ کو فروخت کروں گا، تاکہ بات میں جھوٹا نہ ہو۔

وہ اشیاء جو رأس المال سے ملحق نہیں وہ یہ ہیں؟ چرواہے، ڈاکٹر، پچھنا لگانے والے، ختنہ کرنے والے تعلیم قرآن، ادب، شعر، اور کوئی پیشہ سکھانے والے کی اجرت، ان صورتوں میں عقد اول سے جو ثمن واجب ہوئے ان پر مرابحۃً وتولیۃً فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ ''کیونکہ تاجروں کے ہاں ان اخراجات کو رأس المال میں شامل نہیں کیا جاتا اور ایک روایت ہے: جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بری ہی ہے۔''

تیسرا مقصد: مرابحۃً فروخت کرنے کی صورت میں کس چیز کا بیان واجب ہے اور کس کا نہیں؟...... چونکہ بیع مرابحہ اور تولیہ، بیع امانت کہلاتی ہیں۔ اس لئے کہ مشتری، بائع کو ثمن اول کے بارے میں خبر دینے میں بغیر گواہوں اور حلف کے امین سمجھتا ہے۔ لہٰذا صرف خیانت ہی سے نہیں بلکہ اسباب خیانت اور تہمت خیانت سے بھی بچنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ الانفال: ۸/ ۲۷

''مسلمانو! اللہ اور رسول کی (امانت میں) خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم تو (خیانت کے وبال سے) واقف ہو'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں'' اس بناء پر اگر بائع یا مشتری کے قبضہ میں مبیع میں کوئی عیب پیدا ہوگیا اور اس کو مرابحۃً فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ تو حنفیہ کے ہاں اگر عیب کسی آسمانی آفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو عیب بیان کئے بغیر کل ثمن کے ساتھ مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ عیب دار جزو کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہیں تو گویا وہ وہ ثمن دے رہا ہے جو مبیع کی اس حالت کے ہیں جس میں اس کے پاس مبیع پہنچی، پس اس کا عیب بیان کرنا اور نہ بیان کرنا دونوں برابر ہیں۔ امام زفر اور جمہور علماء کے ہاں عیب دار چیز کو عیب بیان کئے بغیر مرابحۃً فروخت جائز نہیں شبہ خیانت کی وجہ سے، اس لئے لوگوں کی اغراض عیب کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں، نیز نئے پیدا شدہ

عیب کی وجہ سے مبیع میں کمی واقع ہوتی ہے۔لیکن اگر عیب مشتری یا کسی دوسرے آدمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہوتو بالاتفاق عیب بیان کئے بغیر مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں۔

اگر مبیع میں کوئی زیادتی واضافہ ہوگیا ہو مثلاً بچہ پیدا ہوگیا، یا پھل لگا، یا اون اور دودھ وغیرہ ہوگیا تو مرابحۃً فروخت کرنا اس کی وضاحت کئے بغیر جائز نہیں کیونکہ نئی پیداشدہ زیادتی حنفیہ کے ہاں مبیع ہے، اور اس کی وجہ سے ثمن میں کمی نہیں کی جائے گی، اور بغیر زیادتی کے ثمن کی عادۃً خبر دی جاتی ہے۔اور اگر کسی نے زمین میں غلہ اگایا تو یہ بتائے بغیر فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ ایسی زیادتی جو مبیع سے پیدا نہ ہو وہ بالاتفاق مبیع شمار نہیں ہوتی۔اگر کسی نے کوئی چیز مثلاً کپڑا دس درہم کا ادھار خریدا تو اس کی وضاحت کئے بغیر مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ادھار میں عادۃً ثمن زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ نقد اور ادھار ہیں مبیع کے ثمن مختلف ہوتے ہیں۔اور اگر کسی پر قرض تھا اس کے بدلے کوئی چیز اس سے خریدی تو اس کی وضاحت کے بغیر بھی مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہے۔اس لئے کہ اس نے اس ثمن کے بدلے اسے خریدا جو اس کے ذمہ پر تھے، نیز دین (قرض) سے ثمن متعین نہیں ہوتے، لیکن اگر اس کسی سے اپنے دین (قرض) کے بدلے میں صلح کرلی اور کوئی چیز لی اب اس چیز کو اس کی وضاحت کے لئے بغیر آگے مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ صلح میں تو کمی کی جاتی ہے اور چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے۔پس اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے تاکہ مشتری کو معلوم ہوجائے کہ چشم پوشی اور کمی ہوتی ہے یا نہ تاکہ تہمت سے بچ سکے برخلاف پہلی صورت میں خریدنے کے کیونکہ خریداری میں تو ثمن کم کروائے جاتے ہیں لہٰذا وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔اگر کسی نے دس درہم کا کپڑا خریدا پھر اس پر کڑھائی وغیرہ کی جو دس درہم سے زیادہ کی ہے پھر اس کپڑے کو مرابحۃً فروخت کیا اور وضاحت نہیں کی تو جائز ہے۔اور یہ خیانت نہ ہوگی، کیونکہ یہ کڑھائی کا تذکرہ کرنے کی وجہ سے سچا ہے البتہ یہ نہ کہے کہ یہ کپڑا میں نے اتنے کا خریدا ہے کیونکہ اس صورت میں جھوٹ ہوگا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب مشتری کو معلوم ہو کہ ثمن اور کڑھائی دو مختلف چیزیں ہیں، لیکن اگر اسے معلوم نہیں تو پھر یہ خیانت ہوگی جس کی وجہ سے مشتری کے لئے خیار ہوگا، اسی طرح اگر کوئی میراث یا ہبہ کی وجہ سے مال کا مالک ہوا پھر ایک عادل شخص نے اس کی قیمت لگائی پھر اس نے اس قیمت پر مرابحۃً فروخت کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنی بات میں سچا ہے۔[1]

چوتھا مقصد: اگر خیانت ظاہر ہو تو اس کا حکم.....جب بیع مرابحہ میں بائع کے اقرار یا کسی دلیل یا قسم سے انکار کی وجہ سے خیانت ظاہر ہو تو یا ثمن کی صفت میں ہوگی یا مقدار میں۔اگر ثمن کی صفت میں خیانت ظاہر ہو بایں طور کہ ادھار کوئی چیز خریدی اور یہ بیان نہیں کیا کہ ادھار خریدی ہے اسے مرابحۃً فروخت کردیا ثمن اول پر یا تولیۃً فروخت کردیا پھر مشتری کو معلوم ہوا تو حنفیہ کے ہاں اس کو اختیار ہے چاہے تو مبیع لے لے یا واپس کردے، کیونکہ مرابحۃً کی بنیاد ہی امانت پر ہے اس لئے کہ مشتری نے بائع کی امانتداری پر اعتماد کیا ثمن اول کی اطلاع میں، پس دوسری بیع خیانت سے بچ جاتی، جب یہ شرط متحقق نہ ہوئی تو خیار ثابت ہوگیا جیسا کہ عیب ظاہر ہوجائے مبیع میں۔اسی طرح جب اس کی وضاحت نہ کی کہ مبیع، بطور صلح لی گئی ہے جب بھی مشتری کو اختیار ہوگا۔اور اگر خیانت مقدار ثمن میں مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کرنے کی صورت میں ظاہر بایں طور کہا کہ میں نے دس درہم کی خریدی ہے اور آپ کو منافع کے ساتھ اتنے ثمن کی ہر چیز فروخت کرتا ہوں یا میں نے دس درہم کی خریدی ہے اور آپ کو تولیۃً دیتا ہوں جتنے کی لی ہے، پھر معلوم ہوا کہ نو درہم کی یہ چیز اس نے خریدی تھی تو اس بارے میں حنفی فقہاء کا اختلاف ہے۔ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اور انہی کا قول حنفیہ کے ہاں راجح ہے کہ مرابحہ کی صورت میں مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن ادا کرکے لے لے چاہے تو چھوڑ دے اور تولیہ کی صورت میں مشتری کو کوئی اختیار نہیں لیکن خیانت کی بقدر ثمن کم کردیئے جائیں گے اور باقی ثمن پر عقد لازم ہوگا۔تولیہ اور مرابحہ میں وجہ فرق یہ ہے کہ مرابحہ میں خیانت کی وجہ سے عقد انہی طبیعت یعنی مرابحہ ہونے سے نکلتا نہیں،

---

[1] ... البدائع: ۵/ ۲۲۴۔

کیونکہ مرابحہ نام ہے ثمن اور منافع کے ساتھ فروخت کرنے کا، اور یہ معنی خیانت ظاہر ہونے کے بعد بھی پایا جاتا ہے پس بعض ثمن رأس المال بن جائے گا اور بعض نفع ہوگا جو رضا مندی کے درمیان مخل ہوگا۔

پس خیار ثابت ہو جائے گا جیسا کہ صفت ثمن میں خیانت کی صورت میں تھا، رہ گیا تولیہ تو اس میں خیانت ظاہر ہونے کی وجہ سے تولیہ، تولیہ نہیں رہتا، کیونکہ بیع تولیہ تو ثمن اول کے ساتھ بغیر زیادتی ونقصان کے فروخت کرنے کو کہتے ہیں، پس جب ثمن اول میں نقصان ظاہر ہوا اور ہم نے مشتری کے لئے خیار ثابت کیا تو اس طرح ہم عقد کو تولیہ ہونے سے نکال کر مرابحہ بنا دیں گے اور یہ تو ایک نیا عقد ہوگا جس پر وہ راضی نہیں اور اس طرح کرنا جائز نہیں لہٰذا ہم نے خیانت مقدار کم کرا دی اور باقی ثمن کے ساتھ عقد کو لازم قرار دیا۔

اور اسی پر یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر مشتری ثانی کے پاس مبیع ہلاک ہوگئی یا اس نے خود مبیع کو واپس لوٹانے سے پہلے ہلاک کر دیا یا اس میں مانع ردکوئی چیز مثلاً عیب پیدا کر دیا تو پھر پورے ثمن کے ساتھ عقد لازم ہوگا اور خیار ساقط ہوگا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مشتری کو مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کوئی اختیار نہیں البتہ مقدار خیانت ثمن کم کر دیئے جائیں گے، اور مقدار خیانت مثال مذکور میں یہ ہے کہ ایک درہم تولیہ کی صورت میں اور ایک درہم مرابحہ کی صورت میں اور ربح کا حصہ یعنی درہم کا دسواں حصہ کم کر دیا جائے، کیونکہ ثمن اول بیع مرابحہ اور تولیہ میں اصل ہیں پس جب خیانت ظاہر ہوگئی تو معلوم ہوا کہ مقدار خیانت کا تسمیہ درست نہیں تو مقدار خیانت تسمیہ لغو ہو جائے گا اور عقد ثمن باقی کے ساتھ لازم ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں مشتری کو مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن دے کر لے لے اور چاہے تو مبیع، بائع کو واپس کر دے دلیل یہ ہے کہ مشتری ثمن مقررہ کے بغیر لزوم عقد پر راضی نہیں، لہٰذا اس کے بغیر عقد لازم نہ ہوگا اور اس کے لئے اختیار ثابت ہوگا، خیانت کی وجہ سے جیسا کہ سلامت مبیع عن العیب کے تحقق کے بعد خیار ہے۔

اور یہ بات یاد رہے کہ حنفیہ کے ہاں لوگوں سے نرمی وشفقت کی وجہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر غبن فاحش ہوا اور عاقدین یا کسی تیسرے شخص مثلاً دلال وغیرہ کی جانب سے دھوکا ہو تو مبیع اور ثمن کا واپس کر دینا جائز ہے اور غبن فاحش کا مطلب یہ ہے کہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو مثلاً دس پر تین زیادہ کر دینا، اور جو اس سے کم ہو وہ غبن یسیر ہے اس میں واپس نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اگر دھوکا نہ پایا جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

شرکت......اشراک کا حکم بیع تولیہ ہی والا حکم ہے لیکن یہ بعض مبیع کا بعض ثمن کے ساتھ تولیہ ہے اور شرکت کتنی مقدار میں ثابت ہوتی ہے اس کی تفصیل بڑی کتابوں سے معلوم کی جائے۔

وضیعہ......بیع وضیعہ جیسا کہ معلوم ہے وہ ثمن اول سے کچھ کم کرے۔ فروخت کرنا اور وہ کمی معلوم ہو اور اس پر مرابحہ کے شرائط واحکام جاری ہوتے ہیں۔

خریدنے کا حکم دینے والے کے لئے مرابحۃً خریدنا......جدید مصارف اسلامیہ ایک متعین معاملہ کو "بیع المرابحہ للامر بالشراء" کہتے ہیں اسے سودی بینکاری کے بدلے میں پیش کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً بینک کے پاس گیا ایک گاڑی خریدنے کے لئے جو متعین اوصاف والی ہے یا خبر رساں آلات، یا طبی آلات یا کسی متعین کام کے آلات خریدنے گیا اب بینک ان اشیاء کو خریدے پھر ادھار متعین رقم پر اس کو فروخت کرے جو کہ نقد کے مقابلہ میں زیادہ ہو اب یہ کام دو وعدوں سے مرکب ہے ایک وعدہ تو عمل کی جانب سے جسے آلہ بالشراء کہا جاتا اور ایک وعدہ مصرف کی طرف سے جو بطریق مرابحہ فروخت کرے گا یعنی متعین نفع پر یا پہلے ثمن سے کچھ زیادہ پر اور یہ معاملہ امام شافعی کی کتاب الام کے نقطہ نظر سے جائز ہے وہ فرماتے ہیں: اگر ایک شخص دوسرے کو سامان دکھائے، اور کہے اسے

خرید دو اور اس پر اتنا نفع کماؤ اس شخص نے اسے خریدا تو یہ خریدنا جائز ہے اور جو اس نے کہا اس میں ربح کماؤ چاہے اس میں بیع کرے یا نہ کرے اس کا اسے اختیار ہے۔

البتہ اصل معاملہ جائز ہے جیسا کہ شوافع نے تصریح کی ہے اس شرط کے ساتھ کہ بینک خریدی گئی چیز کو سپرد کر دے، رہ گیا وعدہ کا لازم ہونا تو اس میں ایک دوسرے مذہب کی تقلید جائز ہے اور وہ مالکی مذہب ہے اگر وعدہ پر مالی التزام میں دخول مرتب ہو اور یہی ابن شبرمہ کی رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر التزامی وعدہ جس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ قرار دیا جاتا ہو تو وہ قضاء اور دیانۃً دونوں طرح پورا کرنا لازم ہے، اور اس کو ممنوع نہیں قرار دیا، اور یہ ممنوع تلفیق میں سے بھی نہیں، کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مسئلے میں اور ہر مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جو اس سے مختلف ایک میں ایک امام کی دوسرے میں دوسرے کی ہو ممنوع نہیں۔ ❶ مالکیہ نے اس قسم کے معاملہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کی کتابوں میں ہے: بیع مکروہ کے باب میں کہ ایک شخص کہے کہ کیا تمہارے پاس فلاں چیز ہے اور تم مجھے اتنے ادھار پر فروخت کر دو تو دوسرا کہے نہیں میرے پاس نہیں بلکہ میں اس کو خریدتا میں تم سے اسے ادھار پر فروخت کرتا ہوں، اور اس میں آپ سے نفع بھی لوں گا پھر وہ خرید لے پھر اس کو فروخت کرے جس پر اس سے وعدہ ہوا ہے۔

اس معاملہ کو ”مؤتمر المصرف الاسلامی الاول“ نے دبئی میں ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں جائز قرار دیا ہے کہ اس طرح کے وعدے دونوں طرفوں سے قضاءً لازم ہیں مالکی مذہب کے مطابق، اور یہ دیانۃً بھی لازم ہیں دوسرے مذاہب کے مطابق اور جو چیز دیانۃً لازم ہو اس کو کسی مصلحت کے تحت قضاءً بھی لازم قرار دینا ممکن ہے، اور قضاء کا اس میں دخل بھی ممکن ہے۔

اور دوسری مؤتمر المصرف الاسلامی کویت ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ میں بیع مرابحہ بالشراء کو بھی صحیح قرار دیا ہے خرید شدہ سامان وغیرہ پر قبضہ کے بعد پھر اس کو منافع کے ساتھ آمر بالشراء کو فروخت کرنا صحیح ہے اور یہ ایک جائز شرعی معاملہ ہے، جب تک کہ اس کو وہ ہلاکت سے پہلے وصول کرے، اور اگر کوئی عیب ہو تو اس کو اس وجہ سے واپس کرنا صحیح ہے۔ اور اس میں تمام ضمان شامل ہوں گے اور جمہور کی رائے کے مطابق قبل القبض فروخت کرنا ممنوع ہے۔ اور مالکیہ نے طعام کے علاوہ باقی چیزیں قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت دی ہے، رہ گیا وعدہ تو یہ آمر کے لیے یا مصرف یا دونوں کے لئے لازم ہے، کیونکہ نہی کہ جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا ہے اس صورت میں ہے جب دونوں میں سے ایک بیع مبہم یا معلق یا مجہول ہو، لیکن اگر مشتری دونوں میں سے ایک کو متعین کر دے تو پھر جائز ہے، یا پھر نہی وارد ہے اس صورت پر جس میں دوسری بیع کی شرط لگائی گئی ہیں مثلاً کہے: کہ میں اپنا گھر آپ کو اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسا گھوڑا فروخت کریں گے۔

۷۔ اقالہ..... جب بیع صحیح ہو لازم ہو اختیار سے خالی ہو اور متعاقدین اس کو ختم کرنے پر راضی ہو تو اس کو اقالہ کے ذریعے سے فسخ کیا جائے گا، اقالہ اگرچہ بیع پر متفرع ہوتا ہے کیونکہ اکثر بیع ہی میں ہوتا ہے، لیکن نکاح کے علاوہ تمام عقود و معاملات میں جاری ہوتا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ ایسا عقد جس سے سابقہ عقد ختم کیا جائے، یہاں پر مشروعیت اقالہ، اس کی تعریف رکن، پھر اس کی ماہیت، حکم اور صحیح ہونے کی شرائط کے بارے میں کلام ہوگا۔

اقالہ کی مشروعیت، تعریف اور رکن..... اقالہ کرنا مستحب و مندوب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد نقل کیا ہے کہ ”جو شخص بیع سے نادم ہو کر اقالہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں کو معاف کریں گے“ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ”جو کسی مسلمان سے اقالہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں کو معاف فرماتے ہیں۔“

---

❶..... یہ بات صاحب کتاب کی درست نہیں اس طرح تو پھر ہر ایک اپنی غرض وخواہش پوری کرنے کے لئے جس مسئلے میں نفس پرستی ہوئی اس کو لے لے گا اور شریعت مسہل ہو کر رہ جائے گی فلیتأمل۔

اقالہ کا لغوی معنی......رفع یعنی ختم کرنا۔

شرعاً......عقد ختم کرنا اگر چہ مبیع کے بعض حصہ ہی میں ہو، مثلاً کسی شخص نے سو رطل گندم، پچاس ''لیرۃ'' (شام کے پچاس روپے) میں فروخت کی اور مشتری کے سپرد کر دی پھر دونوں جدا ہو گئے، اس کے بعد بائع نے مشتری سے کہا مجھے ثمن دو یا وہ گندم دے دو جو میں نے تمہیں دی تھی، مشتری نے دے دی یا کچھ دے دی، تو یہ فسخ ہو گئی۔

رکن......عاقدین میں سے ایک کی جانب سے ایجاب اور دوسرے کی جانب سے قبول اس کا رکن ہے۔

الفاظ عقد......اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اقالہ منعقد ہو جاتا ایسے لفظ سے جس سے ماضی کی تعبیر ہو مثلاً عاقدین میں سے ایک کہے ''اقلت'' اور دوسرا کہے ''قبلت یارضیت'' وغیرہ، اور اگر دونوں میں سے ایک الفاظ ماضی کے ہوں اور دوسرے کے مستقبل کے مثلاً ایک کہے ''أقلتی'' اور دوسرا کہے أقلتك تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے ہاں ان الفاظ سے بھی اقالہ منعقد ہو جائے گا جیسا کہ عقد نکاح میں ثابت ہے۔ کیونکہ اقالہ میں مساوات عادۃً نہیں ہوئی جیسا کہ بیع میں ہوتی ہے لہٰذا اس لفظ کو ایجاب پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ امام محمد کے ہاں اقالہ صرف ماضی کے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے ان کے علاوہ نہیں جس طرح بیع ہے، کیونکہ اقالہ کا رکن ایجاب وقبول ہیں، جیسا کہ بیع کے رکن ہیں اور بیع بھی صرف ماضی کے صیغوں سے منعقد ہوتی ہے۔ اقالہ کے لئے الفاظ متعین نہیں ہیں، دوسرے الفاظ سے ہی اقالہ درست ہے مثلاً ''فاسختتك'' ''ترکت البیع''، ''تارکتك اور رفعت'' وغیرہ سے اسی طرح تعاطی سے بھی اقالہ صحیح ہے اگر چہ ایک ہی جانب سے ہو جیسا کہ بیع میں، جیسے بائع، مشتری کے ''اقلتك'' کہنے پر کپڑے کی قمیص کاٹ لے۔

اقالہ کی ماہیت اور حکم......ماہیت اقالہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ اور اصحاب ظواہر کے ہاں اقالہ بیع ثانی ہے، کیونکہ مبیع، بائع کے پاس اسی طرح واپس آتی ہے جس طرح اس سے گئی تھی پس اس صورت میں یہ عاقدین کی رضا مندی سے پوری ہو جائے گی، اور اس میں وہ کام جائز ہوں گے جو بیع میں جائز ہوتے ہیں اور وہ ناجائز ہوں گے جو بیع میں ناجائز ہوتے ہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اقالہ فسخ بیع ہے، کیونکہ اقالہ تو ختم کرنے اور زائل کرنے کو کہتے ہیں نیز مبیع بائع کی طرف ایسے الفاظ سے واپس آتی ہے جن سے بیع منعقد نہیں ہو سکتی۔

پس عیب کی وجہ سے لوٹانے کی طرح پر فسخ ہے۔ حنفیہ کا آپس میں اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے ہاں (اور ان کا قول حنفیہ کے ہاں راجح اور صحیح ہے) اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے چاہے اقالہ قبضہ سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں ہاں اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو باطل ہو جائے گا جیسے فروخت شدہ جانور بچہ جن دے قبضہ کے بعد اب فسخ متعذر ہے جدا زیادتی کی وجہ سے۔

امام کی فسخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لغوی اور شرعی اعتبار سے اقالہ رفع ہے اور کسی چیز کا رفع اس کا فسخ ہی ہوتا ہے، اور بیع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک راس المال لے رہا ہے بدلے میں اور بیع کا یہی معنیٰ ہے۔ لیکن عاقدین کے حق میں معنی بیع کا اظہار منافات کی وجہ سے ممکن نہیں لہٰذا ہم تیسرے کے حق میں اس کا اظہار کرتے ہیں اس کے مطابق اگر کسی نے گھر خریدا اور اس کا کوئی شفیع تھا اور اس نے بیع کے علم کے باوجود شفعہ طلب نہیں کیا پھر متعاقدین نے اقالہ کیا تو دوبارہ شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا، کیونکہ امام کے حق میں نیا عقد ہے اور تیسرے آدمی سے یہی مراد ہے یہاں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اقالہ متعاقدین اور دوسرے لوگوں کے لئے بیع جدید ہے ہاں اگر بیع قرار دینا متعذر ہو تو فسخ ہوگا، جیسے منقول اشیاء میں قبضہ سے پہلے اقالہ ہو جائے۔ کیونکہ منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں برخلاف زمین کے کہ اس کی قبضہ سے پہلے

بیع امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں بھی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں بھی جائز ہے۔ پس زمین کا اقالہ بیع ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بیع تو مال کو مال کے بدلے میں دینے کا نام ہے یعنی بدل پر قبضہ کرنا اور بدل عطاء کرنا جو کہ یہاں پایا گیا پس اقالہ بیع ہے اس میں بیع کا معنی پایا جارہا ہے اور اعتبار معنی اور مفہوم کا ہے نہ کے ظاہری صورت کا۔

امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں اقالہ فسخ ہے اگر فسخ قرار دینا متعذر ہو تو پھر ضرورۃً بیع قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے درمیان میں ذکر ہوا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اقالہ میں اصل فسخ ہے کیونکہ لغوی اور شرعی اعتبار سے اقالہ نام ہے کسی چیز کا رفع کرنا۔

امام زفر، شوافع اور اکثر حنابلہ کے ہاں اقالہ تمام لوگوں کے حق میں فسخ ہے۔

حنفیہ کے ہاں ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب عاقدین اقالہ کریں ثمن سے زیادہ پر یا کم پر یا کسی دوسری چیز سے یا ثمن میں تاٗجیل کریں۔

تو امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ثمن اول پہ اقالہ درست ہوگا اور جو شرط عاقدین نے لگائی ہے زیادہ یا کم یا مدت یا دوسری جنس کی وہ باطل ہو جائے گی چاہے اقالہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد میں، کیونکہ یہ عاقدین کے حق میں فسخ ہے اور فسخ عقد کی رفع کو کہتے ہیں اور عقد ثمن اول پر واقع ہوا ہے پس اس کا فسخ ہی ثمن اول سے ہوگا، اور شرط فاسد باطل ہو جائے گی پس ثمن اول کے علاوہ کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

اور امام زفرؒ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی اقالہ تمام لوگوں کے حق میں فسخ ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ان حالات میں اقالہ باطل ہو جائے گا شرط فاسد کی وجہ سے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

پس اس بناء پر حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اقالہ میں اضافہ اور کمی جائز نہیں کیونکہ اقالہ فسخ ہے چاہے جس مال میں بھی ہو۔ اور اسی وجہ سے جب اقالہ مکمل ہو گیا پھر مبیع میں کوئی منفصل اضافہ ہوا جو اصل سے پیدا شدہ ہو، مثلاً بکری کا بچہ وغیرہ تو پھر اقالہ ممنوع ہوگا، اور امام مالکؒ کے ہاں اقالہ بیع جدید ہے لہٰذا اس میں اضافہ کمی کرنا جائز ہے جیسے کوئی چیز سو دینار میں فروخت کی پھر بائع نادم ہوا اور اس نے مشتری سے کہا مبیع واپس دے دو دس دینار مزید دوں گا، کیونکہ اقالہ اس صورت میں نئی بیع ہے اور آج کل لوگوں کا عمل بھی اسی قول پر ہے، اور بائع بیع توڑنے پر راضی نہیں ہوتا جب تک کہ مشتری اپنے حق میں کچھ کمی نہ کرے، امام مالک کے ہاں اس طرح اقالہ جائز نہیں کہ کوئی چیز خریدی سو دینار کی ادھار پھر مشتری نادم ہو گیا اس نے بائع سے اس بات پر اقالہ کرنے کا کہا کہ وہ اسے دس دینار نقد دے گا یا کچھ مدت کے بعد دے گا، کیونکہ یہ تو بیع اور قرض کا ایک ذریعہ ہے۔ یا مشتری نے ایک چیز نوے کی فروخت کی اور بائع نے دس قرض کے طور پر لئے لیکن اگر پہلی بیع نقد ہو تو پھر اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اقالہ مذکورہ صورتوں میں درست ہوگا یعنی ثمن میں اضافہ، کمی اور مدت وغیرہ میں کیونکہ یہ بیع جدید ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر اقالہ ثمن اول کے بغیر یا ان سے زیادہ پر ہو تو یہ بیع ہے اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہیں، کیونکہ فسخ تو یہ ہے کہ ثمن اول کے ساتھ ہو۔ اور اگر اقالہ ثمن اول کے مثل یا کم کے ساتھ ہو تو یہ ثمن کا فسخ ہے اس میں کمی کی شرط اور مدت وغیرہ کی شرط باطل ہو جائے گی۔

اقالہ کی شرطیں...... اقالہ صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں۔

پہلی شرط...... عاقدین (اقالہ کرنے والوں) کی رضا مندی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق اس شرط کا سبب ظاہر، اس لئے کہ ان کے ہاں اقالہ بیع ہے اور بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے رضا مندی بھی ہے اور جمہور حنفیہ کے مذہب کے موافق اقالہ چونکہ عقد

کو فسخ کرنا ہے اور عقد عاقدین کی رضامندی سے ہوا تھا لہٰذا اس کا فسخ بھی اسی طرح ہونا چاہئے۔
نیز یہ شرط بالاتفاق ہے۔

دوسری شرط.....عقد صرف کے اقالہ کی صورت میں مجلس میں بدلین پر قبضہ کرنا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اصل (قاعدے) کے موافق یہ واضح ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصل وضابطے کے مطابق اس طرح کہ بدلین پر قبضہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہے اور اقالہ اگرچہ عاقدین کے حق میں تو فسخ ہے لیکن تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہے اور حق شرع یہاں تیسرے کی وجہ سے ہے پس اقالہ اس کے حق میں بیع ہوگا یہ شرط بھی متفق علیہ ہے۔

تیسری شرط.....امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے ہاں عقد کا محل فسخ کا متحمل ہو کیونکہ اقالہ فسخ عقد کا نام ہے ان کے ہاں پس اگر محل عقد فسخ کا متحمل نہ بایں طور کہ اس میں ایسی زیادتی واضافہ کر دیا جو فسخ سے مانع ہے تو اقالہ درست نہ ہوگا اور صاحبین ؒ کے ہاں یہ شرط نہیں کیونکہ امام ابو یوسف ؒ کے ہاں اقالہ، بیع ہے اور بیع میں اضافہ ہو سکتا ہے پس محل عقد اقالہ کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اور امام محمد ؒ کی اصل کے موافق اقالہ اگرچہ فسخ ہے لیکن اگر ممکن ہو اور یہاں ممکن نہیں کیونکہ جب مبیع میں اضافہ ہو جائے تو فسخ متعذر رہے۔

چوتھی شرط.....اقالہ کے وقت مبیع کا باقی ہونا، کیونکہ اقالہ رفع عقد کا نام ہے اور مبیع اس کا محل ہے پس اگر اقالہ کے وقت وہ ساری ہلاک ہو تو اقالہ درست نہیں ہوگا اور اگر بعض ہلاک ہو تو بقدر ہلاک اقالہ درست نہیں ہوگا۔ رہ گیا ثمن کا موجود ہونا تو یہ شرط نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ بیع توڑنا ختم کرنا بیع کے موجود ہونے کا تقاضاً کرتی ہے کیونکہ معدوم کا ختم کرنا محال ہے اور بیع مبیع سے قائم رہتی ہے نہ کہ ثمن سے، کیونکہ اصل تو مبیع ہے اسی وجہ سے مبیع کا بیع کے وقت موجود ہونا شرط ہے برخلاف ثمن کے، تو جب مبیع ہلاک ہو گئی تو حکم بیع کا محل ہی باقی نہیں رہے گا، تو اقالہ کا تصور نہیں ہوگا چونکہ حقیقت میں اقالہ بیع کے حکم کو ختم کرنے کا نام ہے پس جب ثمن ہلاک ہو گیا تو حکم بیع کا محل باقی ہے لہٰذا اقالہ درست ہے۔

اور اقالہ ہی پر انحلال عقد، اس کے آثار کا زائل ہونا، اور حکم کا مرتفع ہونا مرتب ہوتے ہیں۔

دوسری فصل.....قرض

قرض ایسے عام معنی کے اعتبار سے بیع کے مشابہ ہے کیونکہ یہ بھی مال کے بدلے مال کی تملیک ہے اور بیع بھی قرض کی ایک قسم ہے۔
علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ قرض نفس بیع ہے (یعنی خود بیع ہے) لیکن قرافی رحمہ اللہ نے قرض اور بیع میں تین فرق ذکر کئے ہیں جن میں قرض بیع سے تین قواعد شرعیہ میں مختلف ہے۔

۱.....قاعدہ ربا (سود) جبکہ قرض اموال ربویہ میں سے ہو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق کیلی اور وزنی چیزیں ہیں۔ مالکیہ کے ہاں سونا چاندی اور ذخیرہ کی جانے والی چیزیں اور شوافع کے ہاں سونا چاندی اور طعم ہے۔

۲.....قاعدہ مزابنہ: اور وہ معلوم چیز کو اسی کی جنس جو کہ مجہول کے ساتھ فروخت کرنا، اگر قرض غیر مثلی چیزوں میں ہو جیسے حیوان وغیرہ۔

۳.....قاعدہ جو چیز انسان کے پاس موجود نہیں اس کو فروخت کرنا، جبکہ قرض مثلیات میں سے ہو۔ ان مخالفتوں کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے مصالح کی رعایت اور ان کے معروف پیشوں کے باقی رکھنے کے لیے ان پر آسانی کی جائے یہی وجہ ہے کہ قرض اس وقت حرام ہے جب کوئی عمل مقصود نہ ہو مثلاً مقروض کی منفعت وغیرہ۔

قرض کی تعریف، مشروعیت، عاقد، الفاظ قرض، اختیار کا حکم، کن چیزوں میں قرض صحیح ہے اس کا حکم اور اس قرض کا حکم جو منفعت پیدا کرے وغیرہ کے بارے میں کلام ہوگا۔

قرض کی تعریف..... قرض کا لغوی معنی کاٹنا ہے اور جو مال مقروض کو دیا جاتا ہے اسے اسی لئے قرض کہتے کہ وہ قرض دینے والے کے سال کا ایک حصہ ہوتا ہے تو اور اس کو سلف بھی کہتے ہیں۔ حنفیہ کے ہاں اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ مال جو کسی کو اس شرط پر دیا جائے کہ وہ وقت معینہ پر واپس کر دے۔ باقی فقہاء نے بایں طور تعریف کی ہے کہ کسی شخص کا دوسرے کو مال دینا اس کے مثل کے بدلے میں جو اس کے ذمہ میں ثابت ہو اور لئے ہوئے مال کے مثل ہو مقروض کے نفع کے ارادہ سے۔ پس مال چاہے مثلی ہو حیوان ہو اور سامان تجارت ہو ان سب کو شامل ہے۔

قرض کی مشروعیت..... قرض کا لین دین سنت واجماع کی رو سے جائز ہے۔ سنت میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی مسلمان کسی مسلمان کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے تو وہ ایک مرتبہ صدقہ کرنے کی طرح ہے۔''
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج والی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا'' صدقہ دس گنا ہے اور قرض اٹھارہ گنا ہے، تو میں نے جبرائیل سے کہا کہ کیا وجہ ہے قرض، صدقہ سے افضل ہے؟ تو جبرائیل نے کہا، کیونکہ (صدقہ کی صورت میں) سائل سوال کرتا ہے جبکہ اس کے پاس بھی مال ہوتا ہے اور مقروض صرف ضرورت کی وجہ سے قرض لیتا ہے۔''
اور حضرت رافع کی روایت اس قرض کے تحت آرہی ہے جو نفع ساتھ کھینچے۔ نیز مسلمانوں کا قرض کے جواز پر اجماع ہے۔

قرض دینا مقروض کے حق میں مندوب ہے اور مقروض کے لئے مباح ہے ان احادیث سابقہ کی وجہ سے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کے مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکلات دور کریں گے، اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں لگے رہتے ہیں جب تک وہ کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے'' حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں دو دینار قرض دوں پھر وہ مجھے واپس ملیں پھر میں ان دونوں کو قرض دوں پر ان دونوں کے صدقہ کرنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے'' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں'' دو دفعہ قرض دینا ایک دفعہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے'' حنابلہ کے ہاں صدقہ، قرض سے افضل ہے، اور اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جس سے قرض مانگا گیا اور اس نے قرض نہ دیا۔''

عاقد اور الفاظ قرض..... جائز التصرف اشیاء کا قرض دینا درست ہے کیونکہ یہ مال کا عقد ہے لہٰذا بیع کی طرح صرف جائز التصرف اشیاء ہی میں درست ہوگا، اور ایجاب وقبول سے مکمل ہوتا ہے کیونکہ آدمی اس کا مالک بنا ہے لہٰذا بیع اور ہبہ کی طرح ایجاب وقبول کے بغیر درست نہیں ہوگا۔ قرض اور سلف کے الفاظ سے درست ہے کیونکہ شریعت میں یہ الفاظ وارد ہیں، اور ایسے الفاظ سے قرض دینا جن سے قرض کا معنی سمجھا جاتا ہو مثلاً کہے'' میں تمہیں اس کا اس شرط پر مالک بناتا ہوں کہ اس کا بدل تم مجھے واپس دو گے۔''

خیار وغیرہ..... آیا قرض میں خیار اور مدت وغیرہ ثابت ہے، قائلین قرض یعنی شوافع اور حنابلہ کے ہاں نہ خیار مجلس اس کے لئے ہے اور نہ خیار شرط، کیونکہ خیار کا مقصد تو فسخ کرنا ہوتا ہے، جبکہ قرض میں عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہیں فسخ کر دیں لہٰذا خیار کا کوئی معنی نہیں۔ اور جمہور فقہاء کے ہاں قرض میں مدت مقرر کرنا جائز نہیں، پس اگر قرض کو ایک مدت معلوم تک اگر مقرر کیا گیا تو وہ مدت مقرر کرنا درست نہیں بلکہ وہ فی الحال ہوگا، کیونکہ یہ درہم کی درہم کے بدلے بیع کی طرح ہے لہٰذا سود سے بچنے کے لئے مدت مقرر کرنا منع

ہے اور اس اعتبار سے کہ قرض صرف ایک تبرع (نیکی) ہے تو قرض دینے والا فی الحال اس کے بدل کے مطالبے کا حق دار ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو مثلیات میں سے مثل کے واپس لوٹانے کا تقاضا کرتا ہے پس فی الحال بدل کا واپس کرنا واجب ہوگا جیسا کہ اتلاف میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر دین جس کی مدت پوری ہو جائے تو وہ مدت کی وجہ سے مؤجل نہیں ہوگا، اور یہ بیع اور اجارہ کے بدل کے خلاف ہے، جبکہ اس کے لئے مدت معلوم مقرر کی گئی ہو کیونکہ اس صورت میں مدت پوری ہونے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا۔ البتہ حنفیہ کے ہاں چار حالتوں میں قرض کی مدت لازم ہوگی:

پہلی حالت: وصیت...... کہ ایک شخص کسی دوسرے کے لئے مال کے ایک حصہ کی ایک سال تک کے لئے وصیت کرلے تو ورثاء کو مدت پوری ہونے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں۔

دوسری حالت: انکار...... یعنی قرض کا انکار کیا جارہا ہے تو قرض دینے والے نے مدت مقرر کرلی تو اب یہ مدت پوری کرنا لازم ہوگی۔

تیسری حالت: قاضی کا فیصلہ...... یعنی اگر قاضی قرض کے لئے مدت مقرر دے امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کے موافق تو اس صورت میں بھی اس کی پاسداری لازمی ہوگی۔

چوتھی حالت: حوالہ...... بایں طور کے مقروض قرض کا حوالہ کردے اور قرض خواہ اس کے لئے مدت مقرر کرلے یا وہ کسی دوسرے مقروض ومدیون پر حوالہ کردے جس کے دین کی مدت مقرر ہے، اس لئے کہ حوالہ کی وجہ سے محیل (حوالہ کرنے والے) بری ہو جاتا ہے اور محال (یعنی قرض خواہ) کا قرض محال علیہ کے ذمہ ثابت ہو جاتا ہے قرض کی وجہ سے پس درحقیقت یہ دین کی تاجیل ہے نہ کہ قرض۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں قرض کے لئے مدت غیر لازمہ مقرر کرنا صحیح البتہ ان حالات میں لازم ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں، قرض مؤجل ہوگا مدت مقرر کرنے کی وجہ سے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "مسلمان اپنی شروط کے ساتھ ہیں" نیز عاقدین اس عقد میں اقالہ کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے مالک ہیں لہٰذا وہ اس میں اضافہ کرنے کے بھی مالک ہیں، یہ رائے معقول بھی ہے اور واقع کے مطابق بھی ہے۔

کن چیزوں کا قرض درست ہے...... اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ کن چیزوں میں قرض درست ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... مثلی چیزوں میں قرض درست ہے (اور مثلی وہ چیزیں ہیں کے جن میں تفاوت قیمت کے اعتبار سے نہ ہو) جیسے کیل، وزنی اشیاء عددی متقارب مثلاً اخروٹ، انڈے وغیرہ چاندی کے سکے جبکہ ایک قالب کے بنے ہوگے ہوں اور گزوں سے ناپنے والی اشیاء مثلاً کپڑا وغیرہ اور امام محمد کی رائے کے مطابق مفتی بہ قول کی وجہ سے روٹی کو تعداد کے اعتبار سے یا وزن کے اعتبار سے قرض دینا لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور یہی باقی مذاہب کی بھی رائے ہے۔ اور غیر مثلی اشیاء میں قرض جائز نہیں جیسے جانور، لکڑی، زمین اور عددی متفاوت چیزوں میں کیونکہ ان کا مثل واپس کرنا مشکل ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... ہر اس مال کو بطور قرض دینا جائز ہے جس میں بیع سلم جائز ہے یعنی ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہوسکتا ہے چاہے کیلی ہو یا وزنی مثلاً سونا چاندی کا اور کھانے کی چیزیں یا قیمیات میں سے ہو جیسے سامان تجارت، حیوان (جانور) وغیرہ یا عددی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابورافع کی روایت میں ہے کہ "آپ نے ایک دوسالہ اونٹ قرض لیا" اور یہ نہ تو کیلی ہے نہ وزنی، نیز جن چیزوں میں سلم ثابت ہو تو وہ بیع سے ملک میں آجاتی ہیں اور وصف سے منضبط ہوسکتی ہیں لہٰذا کیلی اور وزنی چیزوں کی طرح ان کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ رہ گئی وہ چیزیں جن میں بیع سلم نہیں ہوسکتی مثلاً جواہرات وغیرہ تو اصح صحیح قول کے مطابق ان کا قرض درست نہیں، کیونکہ قرض مثل

کے واپس کرنے کا تقاضا کرتا ہے، اور جو چیزیں قابو میں نہیں آ سکتیں یا وہ نادر الوجود ہیں تو ان کا مثل واپس کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے، اسی وجہ سے جمہور فقہاء کے ہاں ہر اس عین میں جس کی بیع صحیح ہے اس کا قرض دینا بھی صحیح ہے، باندیوں میں چونکہ اعارہ فرج ہوگا (جو کہ صحیح نہیں) نیز منافع کا قرض بھی صحیح اس میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، مثلاً ایک دن وہ اس کے ساتھ کھیتی کٹائے تا کہ دوسرے دن یہ بھی اس کے ساتھ کھیتی کٹائے گا، یا وہ اس کے گھر میں رہے اور یہ اس کے بدلے میں اس کے گھر رہے گا۔ اوران چیزوں میں بھی قرض صحیح نہیں جو ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی مثلاً زمین کا ایک حصہ گھر، دکان یا باغ کا حصہ وغیرہ، کیونکہ قرض مثل کی واپسی کا تقاضا کرتا ہے، اوران اشیاء کا مثل نہیں۔ اور عوض میں جو مماثلت معتبر ہے مالکیہ کے ہاں وہ صفت اور قدر میں مماثلت شرط ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں صورت میں مماثلت معتبر ہے۔ اسی طرح ایسی اشیاء جو شاذ و نادر پائی جاتی ہیں ان کا قرض بھی درست نہیں مثلاً جواہرات وغیرہ کیونکہ واپس کرتے وقت غالباً ان کا پایا جانا ناممکن ہے۔

قرض کا حکم..... طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے ہاں قبضہ سے قرض میں ملکیت ثابت ہو جائے گی اگر کسی شخص نے ایک مد گندم قرض لی قبضہ بھی کر لیا تو اس کی حفاظت اس کے ذمہ ہے، اور اگر قرض خواہ عین کی واپسی کا مطالبہ کرے تو اس کا مثل لوٹانا بھی اس کے ذمہ ہے کیونکہ یہ قرض خواہ کی ملکیت سے نکل گئی ہے اور مقروض کے ذمہ اس کا مثل ثابت ہے نہ کہ عین اگر چہ عین موجود بھی ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جب تک شیئ عین موجود ہے اس وقت تک مقروض اس کا مالک نہیں ہوتا۔

مالکیہ کے ہاں..... قرض، ہبہ، صدقہ، عاریہ وغیرہ میں صرف عقد ہی کی وجہ سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اگر چہ قبضہ نہ ہوا اور مقروض کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا مثل واپس کرے چاہے تو عین واپس کردے نیز وہ چاہے مثلی ہو یا غیر مثلی یہ اس وقت تک ہے جب تک کسی اضافہ وکمی وغیرہ کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہ آئی ہو، لیکن اگر تبدیلی آ گئی ہو تو پھر مثل واپس کرنا واجب ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: قبضہ سے قرض پر ملکیت ثابت ہو جائے گی اور شوافع کے ہاں مقروض مثلی اشیاء میں مثل واپس کرے کیونکہ یہ اس کے حق کے زیادہ قریب ہے اور قیمتی چیزوں میں مثل صوری واپس کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دو سالہ اونٹ قرض لیا تھا اور واپس چار سالہ اونٹ کیا تھا" اور آپ کا ارشاد ہے: تم میں سے بہترین وہ ہیں جو ادائیگی میں اچھے ہوں۔

اور حنابلہ کے ہاں کیلی اور وزنی چیزوں میں مثل واپس کرنا واجب ہے جیسا کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے اور غیر مکیلی وزنی چیزوں میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ قرض لینے کے دن کی قیمت واپس کرنا واجب ہے اور دوسری صورت یہ کہ اس کا مثل جو اس کی صفات کے قریب واپس کرنا واجب ہے۔

ادا کرنے کی جگہ..... ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شہر میں قرض کا لین دین ہوا تھا اسی شہر میں قرض واپس کیا جائے، اور اگر شیئ مقروض وزنی نہ ہو اور راستے کا خوف بھی نہ ہو تو پھر جس جگہ بھی چاہے واپس کر سکتا ہے بصورت دیگر (اسی شہر میں ادائیگی ضروری ہے۔ اور) قرض خواہ پر کسی دوسری جگہ لینا ضروری نہیں۔

قرض کی شرطوں کا خلاصہ..... قرض صحیح ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں۔

۱..... قرض ایجاب وقبول سے مکمل ہونا چاہئے یا جو ایجاب قبول کے قائم مقام ہے مثلاً جمہور کے ہاں تعاطی البتہ شوافع کے ہاں دوسرے عقود کی طرح قرض میں بھی تعاطی کافی نہیں۔

۲..... ایک دوسرے سے عقد کرنے کی اہلیت ہو بایں طور کہ مقروض اور قرض خواہ بالغ، عاقل، سمجھدار اور خود مختار ہوں اور صدقہ تبرع

کرنے کے اہل ہوں کیونکہ قرض تو عقد تبرع (صدقہ) ہے لہٰذا بچے پاگل، بیوقوف اور مکرہ کی جانب سے صحیح نہیں ہوگا، اور نہ ہی ان کے ولی کی جانب سے جبکہ ضرورت اور حاجت نہ ہو، کیونکہ یہ سب اہل تبرع نہیں ہیں۔

۳......حنفیہ کے ہاں قرض کا مال مثلی ہونا چاہئے اور جمہور کے ہاں ہر وہ مال جو ذمہ میں ثابت ہوسکتا ہے یعنی نقدی، غلہ جانور، زمین وغیرہ۔

۴......قرض کے مال کی مقدار معلوم کیل، وزن عدد یا گز وغیرہ تاکہ واپس کرنا آسان ہو، اور ایسی جنس ہو جو کسی دوسری جنس سے مخلوط نہ ہو مثلاً گندم، جو کے ساتھ مخلوط نہ ہو، کیونکہ اس کا بدل واپس کرنا مشکل ہے۔

صحیح اور فاسد شرطیں......ایسی شرائط لگانا جو حق کی مضبوطی کے لئے ہوں صحیح ہے جیسے مال قرض کے ساتھ رہن کی شرط لگانا یا کفیل بنانا، یا عقد قرض پر گواہ بنانا یا قرض لکھ کر رکھنا، یا قاضی کے سامنے اس کا اقرار کرنا وغیرہ جمہور کی ہاں قرض میں مدت مقرر کرنے کی شرط صحیح نہیں اور مالکیہ کے ہاں صحیح ہے کما تقدم۔ اور ایسی شرط جو عقد کے مناسب نہیں لگانا صحیح نہیں جیسے زیادہ واپس کرنے کی شرط یا عیب دار کی جگہ صحیح دینے کی شرط یا گھر وغیرہ فروخت کرنے کی شرط۔ اور فاسد شرط یہ ہے کہ بدل قرض میں زیادہ واپس کرنے کی شرط یا قرض خواہ کو ھدیہ پیش کرنے کی شرط لگانا، جب شرط میں کوئی مصلحت نہ ہو تو اس صورت میں وہ شرط لغو ہوگی عقد کو فاسد نہیں کرے گی جیسے صحیح کی جگہ عیب دار واپس کرنے کی شرط، عمدہ کی جگہ گھٹیا واپس کرنے کی شرط یا یہ شرط لگانا کہ تم کسی دوسرے کو قرض دو۔

مقروض پر کیا واپس کرنا واجب ہے......اگر مال مثلی ہے تو مقروض پر اس کا مثل واپس کرنا بالاتفاق واجب ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی حضرات کے ہاں مثل صوری واپس کرنا جبکہ قرض مال ہو قیمتی جیسے بکری کے بدلے بکری دینا جو اوصاف میں پہلی بکری کے مشابہ ہو۔

قرض واپس کرنے کا وقت......مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد قرض خواہ جب بھی چاہے قرض کے لئے اس کو وصول کرسکتا ہے کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کے لئے مدت مقرر کرنا درست نہیں، جبکہ مالکیہ کے ہاں جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس پر قرض وصول کیا جاسکتا ہے اس سے پہلے نہیں کیونکہ ان کے ہاں قرض کے لئے وقت مقرر کیا جاسکتا ہے کما مر۔

قرض سے نفع اٹھانا......حنفیہ کے ہاں راجح قول کے مطابق ہر وہ قرض جو نفع اندوز ہو وہ حرام ہے جبکہ نفع حاصل کرنے کی شرط لگائی گئی ہو، لیکن اگر نفع مشروط نہ ہو یا عام طور پر متعارف نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اسی وجہ سے مرتہن دائن کا شے مرھون سے نفع اٹھانا جائز نہیں جبکہ مشروط ہو یا متعارف ہو لیکن اگر اس طرح نہ ہو تو پھر نفع اٹھانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر راہن اجازت دے دے تو حلال ہے۔ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں اسی طرح ہے۔

اور بعض کے ہاں اگر چہ راہن اجازت بھی دے دے تب بھی نفع اٹھانا جائز نہیں، یہ قول شریعت مطہرہ کی روح کے موافق ہے حرمت ربا میں۔ قرض خواہ کے ہدیہ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ شرط کے ساتھ ہو ورنہ نہیں۔

مالکیہ کے ہاں جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ فاسد ہے کیونکہ یہ سود ہے اور مقروض کی کسی بھی چیز سے فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے جیسے اس کی سواری پر سوار ہونا، قرض کی وجہ سے اس کے گھر کھانا کھانا، نہ کے بطور مہمان نوازی اسی طرح اگر مقروض قرض موخر کرنے کی غرض سے ھدیہ دے اور قرض سے پہلے اسے ھدیہ دینے کی عادت نہ تھی تو یہ ھدیہ قرض خواہ کے لئے حرام ہے۔ اگر کسی جدید بات مثلاً قرابت یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ہو تو یہ ہدیہ دین اور قرض کی وجہ سے نہ ہوگا، اور حرمت کا تعلق لینے دینے دونوں سے ہے لہٰذا اگر اس کے پاس ہدیہ موجود ہے تو واپس کرنا واجب ہے اور اگر باقی نہیں تو پھر اگر مثلی ہے تو اس کا مثل اور اگر قیمتی ہے تو اسکی قیمت ادا کرنا واجب ہے یہ اس وقت ہے

جبکہ قرض باقی ہو لیکن اگر دین ادا کر دیا ہے اب اگر مقروض نے قرض سے زیادہ رقم دی اور قرض بھی کسی خرید وفروخت کی وجہ سے تھا تو مطلقاً جائز چاہے اداشدہ قرض افضل ہو صفت ومقدار کے اعتبار سے اور چاہے دوران مدت یا اس سے پہلے یا بعد میں ادا کیا ہو اور اگر دین کی ادائیگی قرض کی وجہ سے ہوئی اور پھر وہ زیادہ ادا کیا شرط، وعدے یا عادت کی وجہ سے تو وہ زیادتی مطلقاً منع ہے، لیکن اگر بغیر کسی شرط، وعدے یا عادت کے زیادہ دیا تو مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے اور افضل صورت ہے ادائیگی کی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسالہ اونٹ قرض لیا تھا اور اس کے بدلے میں عمدہ اونٹ دیا تھا ''کما سیأتی'' اور افضل مقدار میں اختلاف ہے مدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ کم مقدار جائز ہے۔ جبکہ ابن حبیب نے مطلقاً اجازت دی ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی ہاں...... ایسا قرض جائز نہیں جو نفع کھینچے، مثلاً ایک ہزار اس شرط پر قرض دے کہ وہ اپنا گھر فروخت کرے گا، یا اس کو ان سے عمدہ یا زیادہ واپس کرے گا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بیع اور قرض سے منع فرمایا ہے'' اور ''سلف'' اہل حجاز کی لغت میں قرض کو کہتے ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب، ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ وہ ایسے قرض سے منع فرماتے تھے جس سے نفع اٹھایا جائے۔ نیز قرض چونکہ منفعت اور قربت کا عقد ہے بس جب اس میں (قرض خواہ کے لئے) نفع کی شرط لگائی گئی تو یہ اپنے وضع سے نکل جائے گا، قرض صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی چاہے نفع نقد ہو یا عین، زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اگر کسی نے کسی کو قرض دیا بغیر کسی شرط کے پھر مقروض نے اس کے بدلے میں عمدہ اور اچھا یا مقدار میں زیادہ ادائیگی کی یا قرض خواہ کو اپنا گھر فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے اور قرض خواہ کے لئے اس کے وصول کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دوسالہ اونٹ قرض لیا، صدقے کے اونٹ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا (میں نے اونٹ تلاش کے لئے مجھے دوسالہ اونٹ نہ ملا تو) میں نے عرض کی کہ چارسالہ اونٹ ہی ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی اس کو دے دو اس لیے کہ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ادائیگی کے اعتبار سے اچھے ہیں۔ ❶ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ''میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تھا آپ نے اس کی ادائیگی کی اور مجھے زیادہ عطاء فرمایا'' اور یہ قرض سے نفع اٹھانے کی نہی ہے یہ حدیث نہیں جیسا کہ حافظ الزیلعی رحمہ اللہ (جن کی) نصب الرایۃ میں اس وضاحت کی ہے اور حاشیہ سابقہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ❷

نیز اس کا مطلب جیسا کہ امام کرخی رحمہ اللہ (حنفی) نے لکھا کہ ایسا قرض جس میں نفع کی شرط ہو یا عرف میں اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ وہ قرض جس کے بدلے میں زیادہ واپس کیا جاتا ہو اس میں دو قول ہیں شوافع کے ہاں صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں دو روایتیں میں ان میں اصح یہ ہے کہ جائز ہے بغیر کراہت کے۔

خلاصہ...... یہ کہ قرض کا لین دین دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

۱...... کہ اس کے ذریعے نفع حاصل نہ کیا جائے اب اگر قرض خواہ کا اس میں فائدہ ہے تو بالاتفاق منع ہے اور یہ متعارف بھی نہ ہو، اور اگر مقروض کا نفع ہے تو جائز ہے اور اگر دونوں کا نفع ہے تو جائز نہیں کیونکہ ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہو تو اس میں اختلاف ہے اور یہ سفتجہ کی حالت میں ہے۔ جس کا تذکرہ آنے والا ہے وہ یہ کہ قرض دینا اگر راستے کے خوف کی وجہ سے ہو تو جائز ہے بایں طور کہ کسی کو قرض دے دے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کو واپس کر دے گا جیسا کہ اس صورت میں جائز ہے جب مقروض کو نفع ہو رہا ہو مثلاً بھوکا ہے یا گھن لگے ہوئے دانے فروخت کرنا قرض خواہ کو مہنگائی کی وجہ سے اور جدید قول میں اس کی اجازت دی ہے ان کے جدا ہونے کی وجہ سے۔

۲...... قرض کے ساتھ کوئی دوسرا عقد نہ ہو جیسے بیع وغیرہ۔ ''کتب خمسہ میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ قرض اور بیع اکٹھے

---

❶...... رواہ احمد ومسلم واصحاب السنن الاربعہ۔ ❷ یعنی الفقہ الاسلامی وادلتہ کے ۵ / ۳۷۹۵ نمبر (۱) میں وضاحت ہے۔

جائز نہیں۔“

رہ گیا ہدیہ تو قرض خواہ کو مالکیہ کے ہاں ھدیہ قبول کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے وہ تاخیر کرے گا۔ جبکہ جمہور کے ہاں اگر ہدیہ کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو جائز ہے، جیسا کہ قرض خواہ اور مقروض کا باہمی اس طرح ہدیہ کا سلسلہ ہوتا ہو تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ھدیہ دین کی وجہ سے نہیں۔

یہ بات یادر ہے کہ سیونگ بینک (بچت فنڈ) میں اور منافع کی سندوں میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس کا حکم قرض کا ہے یا حکومتی واؤچر جنہیں ٹریزری بونڈ کہا جاتا ہے حکومت ان پر سیونگ بینک میں مال جمع کرنے پر سودی فائدے دیتی ہے اور اس کی مالک بن جاتی ہے اور اس میں جس طرح چاہے تصرف کرتی ہے اور سودی قرض وغیرہ دے کر اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ تو یہ فائدہ حاصل کرنا اس طرح رقم جمع کروا کر جائز نہیں بعض مفتیوں نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ ودیعت ہے یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ قرض اور ودیعت میں کوئی نسبت نہیں نیز اگر یہ مال ودیعت ہو تو پھر شرعاً اس سے فائدہ حاصل کرنا اس میں سرمایہ کاری کرنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ مودع تو صرف اس کی حفاظت کا مالک ہوگا نہ کہ اس میں تصرف کا لیکن مودع جب ودیعت میں تصرف کی اجازت دے دے تو وہ قرض بن جاتا ہے، کیونکہ اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، جبکہ بینک تو مودع (مال رکھنے والے) کے مال کا مالک بن جاتا ہے اور اس سے اس کے مثل لوٹانے کا عہد کرتا ہے۔ اسی طرح سالانہ منافع لینا بھی جائز نہیں اس لئے کہ شرکت میں یہ جائز نہیں اور خاص کر کے شرکت مضاربت میں تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ منافع طے شدہ فکس نہ ہو بلکہ نفع اور نقصان میں دونوں برابر کے شریک ہوں تو پھر اس سے سرمایہ کاری کرنا جائز ہوگا۔

کرنٹ اکاؤنٹ...... کا حکم بھی یہی ہے کہ یہ ایک قرض کا عقد ہے جو مودع، بینک کے ساتھ کرتا ہے باوجود اس کے کہ بینک اس پر سود نہیں دیتا، لیکن وہ اس رقم کو سودی قرضوں پر آگے دیتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے ناجائز کاموں میں لگاتا ہے، اگر کوئی مسلمان مجبور ہو اور کسی اجنبی ملک میں اپنے مال کی حفاظت کی غرض سے یہ اکاؤنٹ کھلوائے تو اس کے لئے اس کی اجازت ہے اس لئے کہ ضرورت اور اضطرار میں ممنوع چیز کی گنجائش ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت بقدر ضرورت ہی اس کی اجازت ہوتی ہے۔

سفتجہ...... یہ ایک مالی معاملہ ہے اس میں ایک شخص دوسرے سے کسی شہر میں قرض لیتا ہے تاکہ وہ کسی دوسری شہر میں قرض خواہ یا اس کے نائب کو دے دے گا، یا اس کا کوئی نائب یا دائن دوسرے شہر میں ادا کر دے گا۔

حنفیہ کے ہاں سفتجہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے سقوط خطر طریق کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو کہ اصل عقد میں مشروط ہوتا ہے یا عرف میں ایسا ہوتا ہے، صاحب ہدایہ نے فرمایا: سفتجہ مکروہ ہے اور یہ قرض ہے جس سے مقروض راستے کے خطرہ کو دور کرنے کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور یہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس میں نفع ہو“۔ (1)

شوافع کے ہاں بھی سفتجہ ممنوع ہے کہ یہ بھی ایسے قرض میں سے ہے جس سے قرض خواہ نفع اٹھا دیا ہے ”سقوط خطر طریق“۔ (2)

مالکیہ کے ہاں بھی یہی حکم ہے کہ عام حالات میں یہ ممنوع ہے کیونکہ قرض یہ نفع ہے البتہ حالت ضرور میں گنجائش ہے۔ (3)

اور حنابلہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ اگر بغیر کسی بدل کے ہو تو جائز ہے ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن قدامہ نے مطلقاً اس کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہاں نفع صرف قرض خواہ کو نہیں ہو رہا بلکہ دونوں نفع اٹھا رہے ہیں۔ (4)

سرمایہ کاری کی صورتیں...... سرمایہ کاری کی تین قسمیں ہیں أ، ب، ج۔

پہلی قسم: الف...... پہلی قسم میں وہ سندات آتی ہیں جن میں دس سال تک قرض رہتا ہے پھر دس سال بعد رہ رقم بمع سود صاحب

(1)...... الهداية مع الفتح القدير: ۴۵۲/۵۔ (2) المهذب: ۳۰۴/۱۔ (3) الشرح الكبير: ۲۲۵/۳۔ (4) أعلام الموقعين: ۳۹۱/۱۔

قرض کو واپس کرتے ہیں اور یہ دس سال کا اکٹھا مکمل سود ہوتا ہے جو شروع میں طے شدہ ہوتا ہے جس کا باقاعدہ اعلان ہوتا ہے۔

دوسری قسم: ب......وہ اکاونٹ ہوتے ہیں جن میں ماہانہ یا سالانہ یا چھ ماہ بعد سود دیا جاتا ہے اس میں اصل قرض بھی اپنی اصل حالت میں رہتا ہے اور اس پر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مقرر شدہ سود لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں قرض شمار ہوتی ہیں اور ان میں منافع سود ہوتا ہے اور دونوں سودی قرض ہیں۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں باقی بنکی معاملات کی طرح چاہے صرف بطور کرنٹ اکاؤنٹ رکھیں یا سرمایہ کاری کے طور پر۔

تیسری قسم: ج......اس صورت میں مقرر سود تو نہیں دیا جاتا لیکن ایک خاص رقم بذریعہ قرعہ اندازی دی جاتی ہے اس صورت میں بعض علماء پھسل گئے ہیں اور انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس بناء پر کہ مال چونکہ سارا رب المال کی طرف سے ہوتا ہے اور منافع سارا عامل کے لئے ہوتا ہے جو کہ صاحب مال کی طرف سے تبرع ہے اور احسان ہے اور مالکیہ کے ہاں مشہور مذہب میں یہ جائز ہے۔ التقنین المالکی کی کتاب ص ۳۰۰ سے اس کی اباحت اور اسے سیو کرنے پر دو وجہوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ معاملہ شریعت اسلامی کے نزول کے وقت نہیں تھا، تو یہ مسکوت عنہ کے قبیل سے ہوا، لہٰذا شرعاً مباح ہوگا، کیونکہ یہ معاملہ صاحب مال اور عامل دونوں کے لئے نفع بخش ہے، اور دونوں میں سے کسی کا کوئی نقصان نہیں اور غالب یہی ہے کہ عامل کو اپنے حصہ سے زیادہ نفع ملتا ہے۔ اور حکم شرعی کثیر غالب پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ قلیل اور نادر الوجود پہ جو کہ خسارہ کا احتمال ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ معاملہ بطور قرض ہے اور قرض بالاجماع جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ بھی قرض کی ایک قسم ہے اور اس میں منافع کے مزید جزء شائع ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی جاتی ہے کیونکہ عام قرض کا معاملہ لوگوں کے درمیان ہوتا رہتا ہے اور یہ معاملہ حکومت کے ساتھ ہوتا ہے!؟

حق بات یہ ہے کہ یہ تیسری صورت بھی حوالہ قمار ہونے کی بناء پر حرام ہے کیونکہ اسے مختلف رقم کے اعتبار سے مجموع سود سے تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ قرض خواہوں کی کم تعداد پر یہ مشتمل ہو جسے قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے، اور اس میں غبن واضح ہے، کیونکہ قرض خواہ بھی اپنے تھوڑے قرض کے باوجود کئی ہزار دینار روغیرہ لے لیتا ہے اور کئی ہزار قرض دینے والا کچھ بھی وصول نہیں کر پاتا۔

تیسری فصل......اجارہ

بیع وغیرہ دوسرے عقود کی طرح عقد اجارہ کے احکام جن کا نفس عقد تقاضا کرتا ہے شریعت اسلامی میں بیان کئے گئے ہیں اور اجارہ، بیع سے مختلف ہے کیونکہ اس میں مدت مقرر ہوتی ہے جبکہ بیع میں مدت سے مقرر ہونے والی بات نہیں بلکہ بیع ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے اور بیع میں شئی کی ذات ہی کی ملکیت کا انتقال ہوتا ہے۔

عقد اجارہ ان اہم عقود میں سے ہے جن کا تعلق عملی زندگی سے زیادہ ہے لہٰذا میں اس کی اہم خصوصیات کا اور احکام کو درج ذیل مباحث میں بیان کروں گا:۔

پہلی بحث......اجارہ کا جواز، اس کا رکن اور معنی۔

دوسری بحث......شرائط اجارہ۔

تیسری بحث......اجارہ کی صفت (طریقہ) اور حکم۔

چوتھی بحث......اجارہ کی قسمیں اور ان کے احکام۔

پانچویں بحث......شیئی مستاجرہ کا ضمان، اجیر (مزدور) کا ضمان، اور عین کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس کی اجرت کا ساقط ہونا۔

چھٹی بحث......اجارہ میں عاقدین کا اختلاف۔

ساتویں بحث:......عقد اجارہ کی انتہا۔

پہلی بحث: اجارہ کی مشروعیت (جواز) رکن اور معنی......حضرت ابوبکر اصم، اسماعیل بن علیہ، حسن بصری، قاشانی، نہروانی اور ابن کیسان رحمہم اللہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء کا اجارہ کے جائز ہونے پر اتفاق ہے، البتہ مذکورۃ الصدر حضرات اجارہ کے جواز کے قائل نہیں دلیل ان کی یہ ہے کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے اور عقد کے وقت منافع پر قبضہ نہیں ہوسکتا یہ تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل ہوتا ہے اور معدوم چیز کی بیع نہیں ہوسکتی اور مستقبل کے اعتبار سے کسی چیز کی بیع جائز نہیں، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے اس پر رد کیا ہے اور فرمایا کہ منافع اگرچہ حالت عقد میں معدوم ہوتا ہے لیکن اکثر وصول ہوجاتا ہے اور شریعت نے اس منافع کا جو غالباً وصول ہوجائے اعتبار کیا ہے یا جس کا وصول ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔

جمہور نے عقد اجارہ کے جواز پر قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ......الطلاق: ۶۵/۶

اگر وہ (بچے کو) تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی دودھ پلائی دو۔

نیز حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ......القصص ۲۸/۲۶-۲۷

پھر ان دو (عورتوں میں سے ایک نے (اپنے باپ سے) کہا کہ اباجان! ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے (اور اس شخص میں ظاہراً دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں) (اس پر شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک اس (مہر) پر تمہارے نکاح میں دوں کہ تم آٹھ برس میری نوکری کرو، اور اگر تم دس (برس) پورے کردو تو تمہارا احسان ہے۔

اس آیت سے استدلال کرنا بایں طور صحیح ہے کہ یہ شرائع من قبلنا میں سے جو منسوخ نہ ہو تو ہمارے لئے بھی مشروع ہے۔

احادیث میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔“ اجرت ادا کرنے کا حکم اجارہ صحیح ہونے کی دلیل ہے، نیز آپ کا ارشاد ہے: ”جو کوئی مزدور اور نوکر رکھے تو اس کو اس کی اجرت بتادے“ سعید ابن مسیّب نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں ہم نالیوں کے قریب والی کھیتی پر زمین کرائے پر لیتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے، چاندی کے بدلے کرائے پر لیا کریں“ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے (حجام) کو اجرت دی“۔

اجماع......امت نے صحابہ کرام کے زمانے میں اجارہ کے جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے جبکہ اصم اور ابن علیہ وغیرہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، چونکہ جس طرح لوگوں کو عین اشیاء کی ضرورت ہے اسی طرح منافع کی بھی ضرورت ہے، پس جن عین اشیاء کی بیع جائز ہے تو منافع کا اجارہ بھی جائز ہے۔

اجارہ کا رکن اور معنی......حنفیہ کے ہاں اجارہ کا رکن ایجاب وقبول ہیں اور یہ اجارہ، استیجار، اکتراء اور اکراء وغیرہ الفاظ سے منعقد ہوتا ہے۔ جمہور کے ہاں اجارہ کے چار ارکان ہیں، عاقدین (اجرت پر لینے والا، اور مزدور) ایجاب وقبول کے صیغے، اجرت اور نفع ومنافع۔

اجارہ کا لغوی اور شرعی معنی ایک ہی ہے یعنی منافع کی بیع، حنفیہ نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اجارہ، منافع کو عوض کے بدلہ دینے کا نام ہے، اور جس طرح بیع کو معلق کرنا صحیح نہیں اسی طرح اجارہ کو معلق کرنا بھی صحیح نہیں۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اجارہ کی نسبت مستقبل کی طرف کرنا جمہور فقہاء کے ہاں درست ہے جبکہ بیع اس کے برعکس ہے۔ شوافع بیع کی طرح، عین شیئ کے اجارہ کی نسبت مستقبل کی طرف کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے۔

البتہ اجارہ کی نسبت ذمہ کی طرف کرنے کی اجازت دیتے ہیں، مثلاً میں اپنا سامان فلاں شہر میں مہینہ کے شروع میں پہنچانے کی ذمہ داری آپ کی لگاتا ہوں۔ کیونکہ دین تاجیل کو قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی چیز کی بیع سلم کردی جائے مدت معلوم تک، اسی شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق عین کا اجارہ بھی درست ہے کہ مالک مدت جدیدہ کے لئے مزدور وغیرہ کو اجرت پر رکھ لے جبکہ اس کی پہلی مدت ابھی ختم نہ ہوئی ہو کیونکہ دونوں مدتیں متحد ہیں۔

شوافع نے اجارہ کی تعریف یہ کی ہے کہ اجارہ ایسے منافع پر عقد ہے کہ جو معلوم بھی ہو مقصود بھی ہو مباح بھی ہو اور خرچ کرنے کے قابل بھی ہو اور اس کی اباحت عوض معلوم کے بدلے میں ہو۔ تعریف کے فوائد قیود یہ ہیں: "**منفعة**" سے "عین" نکل گیا کیونکہ کسی عین کا عقد بیع یا ہبہ ہوتا ہے، "**مقصودة**" کے الفاظ سے غیر مقصود اور تھوڑا نفع نکل گیا مثلاً کسی بائع کو "**لاتتعب**" کہنے کے لئے اجارہ پر رکھنا، "**معلومة**" کے الفاظ سے مضاربت اور جعالہ (یعنی نامعلوم کام کی اُجرت والی صورت نکل گئی اور "**قابلة للبذل والإباحة**" کے الفاظ سے "**منفعة بضع**" نکل گئی کیونکہ اس کے عقد کو اجارہ نہیں کہتے، اور آخری قید "**بعوض**" کی سے منافع کا ھبہ، اس کی وصیت، شرکت اور عاریت نکل گئے۔

مالکیہ کے ہاں اجارہ......کسی مباح چیز کی منافع کا مالک بنانا ہے عوض کے بدلے مدت معلوم تک اور یہی حنابلہ نے بھی تعریف کی ہے۔ پس جب اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے تو اکثر فقہاء درخت اور انگور وغیرہ کو پھلوں کے لیے اجارہ پر دینے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ پھل اعیان میں سے ہیں۔ جبکہ اجارہ تو منافع کی بیع کا نام ہے نہ کہ عین کی بیع کا۔ بکری کو دودھ، گھی اون اور بچوں کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں کیونکہ یہ سب عین اشیاء ہیں عقد اجارہ کی مستحق نہیں۔ اسی طرح نہر، یا کنویں، یا جوہڑ اور چشمہ کے پانی کا اجارہ بھی درست نہیں کیونکہ پانی عین ہے۔ ایسے قلعہ یا گنجان درختوں والی جگہ کو جہاں پانی ہو مچھلیوں کے لئے یا بانس یا شکار وغیرہ کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ ساری چیزیں عین ہیں۔ اسی بنیاد پر کسی حوض یا جھیل کو مچھلیاں شکار کرنے کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں۔ چراگاہ کو اجار پر لینا جائز نہیں کیونکہ گھاس عین ہے اس میں اجارہ نہیں ہوسکتا۔ جمہور فقہاء کے ہاں سانڈ کو جفتی کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ اس سے مقصود نسل ہوتی ہے جو کہ پانی (منی) کے ذریعہ ہے اور یہ عین ہے نیز احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کو نسل کشی (جفتی) کے لئے کرائے پر لینے سے منع فرمایا ہے "**نهى عن عسب الفحل**" یہاں مجاز مرسل کے طور پر "**الفحل**" سے پہلے "**الكراء**" کا لفظ حذف کردیا گیا ہے جیسا کہ "**واسأل القرية**" (یوسف ۱۲/۸) (میں "**أهل**" کا لفظ محذوف ہے) درہم، دینار، کیلی اور وزنی اشیاء کو اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ ان سے نفع خرچ کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، جبکہ اجارہ میں عقد منفعت کا ہوتا ہے نہ کہ عین کا، پس قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ "ہر وہ چیز جس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھایا جاسکتا ہے تو اس کا اجارہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔"

البتہ دائی دودھ پلانے والی کے اجارہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ضرورت کی بناء کمایائی پر اور مالکیہ نے سانڈ کو جفتی کے لئے کرائے پر لینے کی اجازت دی ہے، نیز حمام کے استعمال کی اجرت اکثر علماء کے ہاں جائز ہے۔

اعیان کے اجارہ میں ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے......ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس اصل پر فقہاء نے بنیاد رکھی ہے (یعنی کہ عقد اجارہ میں منافع کا اعتبار ہے نہ کہ اعیان کا) وہ اصل ہی فاسد ہے، اس پر نہ کتاب اللہ کی دلالت ہے نہ سنت کی نہ اجماع کی اور نہ ہی قیاس صحیح کی، بلکہ جن پر اصول دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اعیان جو وقتاً فوقتاً تھوڑے تھوڑے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی اصل بھی باقی رہتی ہے ان کا حکم منافع کا ہے جیسے درخت کے پھل، جانوروں کا دودھ، کنویں کا پانی وغیرہ، یہی وجہ ہے وقف میں عین اور منفعت دونوں برابر ہیں جس طرح منفعت کا وقف مثلاً رہائش کا وقف جائز ہے اسی طرح عین کا وقف یعنی بکری وغیرہ کا دودھ کے لئے جائز ہے۔ اسی طرح یہ دونوں تبرعات یعنی عاریت میں دونوں برابر ہیں سامان سے فائدہ اٹھا کر واپس کرنا، بکری وغیرہ کا دودھ پی کر واپس کرنا، اور قرض میں بھی برابر ہیں دراہم وغیرہ سے فائدہ اٹھانا پھر ان کا بدل واپس کرنا، پس اجارہ بھی اسی طرح ہے کبھی منفعت کا ہوگا کبھی عین کا جو تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہو اصل باقی رہتے ہوئے جیسے بچے کو دودھ پلانے والی (دایہ) کا دودھ اور کنویں کا پانی کیونکہ یہ ایسے اعیان ہیں کہ تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتے ہیں اور اصل ان کی باقی رہتی ہے تو یہ منافع کی طرح ہوگے، اور ان کے درمیان جامع عقد مقصود ہے چاہے یہ عین ہو یا منفعت۔

دوسری بحث: اجارہ کی شرطیں......اجارہ میں بیع کی طرح چار شرطیں ہیں، یعنی شروط انعقاد، شروط نفاذ، شروط صحت، شروط لزوم، یہاں میں بعض شروط کا تذکرہ کروں گا اور باقیوں کی طرف اشارہ کروں گا جنہیں بیع میں ذکر کر دیا ہے۔

شرائط انعقاد......یہ تین قسم کی ہیں، بعض کا تعلق عاقد کے ساتھ ہے، بعض کا تعلق عقد کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق مکان عقد سے ہے۔ میں صرف عاقد سے متعلق شرائط کے تذکرہ پر اکتفاء کروں گا۔ انمیں سے ایک عقل ہے یعنی عاقد عاقل ہونا چاہئے لہٰذا مجنون اور غیر ممیّز بچے کا اجارہ، بیع کی طرح منعقد نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں بلوغ نہ انعقاد اجارہ کی شرط ہے، نہ ہی نفاذ اجارہ کی پس اگر کسی تمیز کرنے والے بچے نے اپنے مال یا نفس کا اجارہ کیا اور وہ اس میں ماذون تھا تو اس کا عقد نافذ ہوگا، اور اگر وہ مجور ہے تو پھر اس کا تصرف ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں بیع اور اجارہ کے لئے ممیّز ہونا شرط ہے اور بلوغ نفاذ کے لئے شرط ہے اگر صبی ممیّز نے اپنے نفس یا سامان کا اجارہ کیا تو اس کا عقد درست ہے، لیکن ولی کی رضا مندی پر یہ موقوف رہے گا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں مکلّف ہونا یعنی عاقل بالغ ہونا انعقاد اجارہ کے لئے شرط ہے، کیونکہ یہ عقد تملیک ہے جو کہ بیع کے مشابہ ہے۔

شرائط نفاذ......عقد اجارہ کے نفاذ کے لئے ملکیت اور ولایت شرط ہے لہٰذا فضولی کا اجارہ منعقد نہ ہوگا ملکیت اور ولایت نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اس کا عقد مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا جیسا کہ بیع میں برخلاف شوافع اور حنابلہ کے۔

اور اجازت اس اجارہ کے لئے صحیح ہوگی جس کی یہ شرائط ہیں کہ معقود علیہ موجود ہو جب فضولی نے عقد کیا اور مالک نے اجازت دے دی اور اگر نفع اٹھانے سے پہلے عقد کی اجازت دے دی تو اجارہ جائز ہے اور معقود علیہ قائم ہونے کی وجہ سے اجرت مالک کی ہوگی۔ اور اگر نفع اٹھانے کے بعد اجازت دی تو اجارہ جائز نہیں ہوگا اور اجرت عاقد کے لئے ہوگی، کیونکہ منافع ماضی میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا پس اجارہ کے وقت معدوم شمار ہوا اس کے بعد عقد باقی نہیں رہے گا کیونکہ محل باقی نہیں لہٰذا اجارہ درست نہیں عاقد فضولی غاصب شمار ہوگا سپرد کرنے کی وجہ سے جیسا کہ بیع میں ہم نے ذکر کیا۔

حنفیہ کہتے ہیں جب غاصب شیئی مغصوب کو اجرت پر دے دے پھر مالک کہے میں نے اس کی اجازت دے دی جو تو نے اجارہ پر دی اب اگر اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تھی تو غاصب کو اجرت ملے گی کیونکہ معقود علیہ معدوم ہوگیا اور معدوم چیز کو اجازت لاحق نہیں ہوتی، اور اگر اجازت کچھ مدت گذرنے کے بعد ہوئی تو اجرت ساری امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مالک کو ملے گی کیونکہ جب کچھ مدت باقی ہے تو عقد باطل نہ ہوگا پس اجازت کا محل ہے امام ابو یوسف مدت کی طرف دیکھتے ہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں گذری ہوئی مدت کی اجرت غاصب کی ہے اور باقی مدت کی اجرت مالک کی ہے، کیونکہ منافع جس پر عقد ہوا ہے اس کے تمام اجزاء مستقل حیثیت رکھتے ہیں، پس جب کچھ مدت اجارہ کی گذر گئی تو اجارہ کے وقت گذری ہوئی مدت میں اجارہ معدوم ہے اس کے ساتھ اجازت کا الحاق نہیں کیا جا سکتا منہدم ہونے کی وجہ سے امام محمد معقود علیہ پر نظر رکھتے ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے جب کوئی کسی کی زمین غصب کرے اور زراعت کے لئے اجرت پر دے دے اور مالک زمین اجارہ کی اجازت دے دے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات کا اضافہ فرمایا ہے کہ اگر غاصب مزارعت کے لئے دے دے تو پھر تفصیل ہے، اگر کھیتی کے خوشے تیار تھے لیکن خشک نہیں ہوئے اور مالک زمین نے اجازت دے دی تو مزارعت جائز ہے اور غاصب کو کھیتی میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ مزارعت شئی واحد کی طرح ہے اور اس میں عمل میں جدائی نہیں ہوتی، پس عقد کی اجازت اس کے مکمل ہونے سے پہلے ایسی ہی ہے جیسے ابتداء عقد میں۔ اور اگر کھیتی خشک ہوگئی تھی تو مزارعت کا عمل ختم ہوگیا، پس عقد کی اجازت اس کو لاحق نہیں ہوگی، اس صورت میں کھیتی غاصب کے لئے ہوگی۔

صحت اجارہ کی شرائط...... اجارہ کی صحت کی چند شرطیں ہیں، جو عاقد، معقود علیہ، محل معقود علیہ اجرت اور نفس عقد سے تعلق رکھتی ہیں یہ ہیں:

ا۔ عاقدین کی رضامندی...... بیع کی طرح اجارہ میں بھی عاقدین کی رضامندی شرط ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ......النساء: ۴/۲۹

اجارہ بھی تجارت ہے کیونکہ اس میں بھی مبادلۃ المال بالمال کا معنی پایا جاتا ہے، اس شرط کا تعلق عاقد سے ہے اور آنے والی شرط معقود علیہ سے متعلق ہے:

۲۔ منفعت جو معقود علیہ ہے وہ معلوم ہو اس طرح کے نزاع ختم ہو جائے، اگر مجہول ہو اور منازعت کی طرف لے جانے والی ہو تو عقد صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جہالت سپرد کرنے اور قبضہ کرنے سے مانع ہے لہٰذا عقد سے مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

معقود علیہ کا علم ہونا تاکہ منفعت کا محل بیان ہو جائے اور مدت اور عمل بھی اگر کاریگر یا عمال ہے۔

رہ گیا محل منفعت کا بیان تو یہ شے مستاجرہ کی پہچان سے حاصل ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا میں تمہیں اپنے ان دو گھروں میں سے ایک اجارہ پر دیتا ہوں یا ان دو سواریوں میں سے ایک یا دو صنعتوں میں سے ایک دیتا ہوں تو اجارہ درست نہیں کیونکہ معقود علیہ حد سے زیادہ مجہول ہے۔ اگر کسی نے دوسرے سے خشک نہر یا زمین میں سے معلوم جگہ اس بات کے لئے اجارہ پر لی کہ وہ اس سے پانی گذار کر اپنی زمین کی سیرابی کے لئے لے جائے گا تو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ نہر میں پانی کی مقدار کی زیادتی کے اعتبار سے مختلف ہے، زیادہ پانی نہر کے لئے نقصان دہ ہے اور نقصان دہ مستثنیٰ ہے اور جو مضر نہیں وہ قابو میں نہیں پس معقود علیہ مجہول ہوگیا۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جائز ہے، کیونکہ اجارہ جائز ہونے سے مانع

زمین کے حصہ کی جہالت ہے، جبکہ تعیین سے جہالت ختم ہوگئی۔

رہ گئی مدت کی وضاحت.....تو گھروں، مارکیٹوں، دکانوں اور مرضع (دائی) کے اجارہ میں ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر معقود علیہ کی مقدار معلوم نہیں ہوگی جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کھڑا ہوگا۔

اکثر علماء اور شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق اجارہ مدت کم ہو یا زیادہ ہر اعتبار سے صحیح ہے، کیونکہ یہ کہتے ہیں اتنی مدت کا اجارہ صحیح ہے جس میں عین باقی رہے اہل تجربہ لوگوں کی رائی کے موافق، زیادہ مدت کی تعیین اجارہ میں مقرر نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں۔ حنفیہ کے ہاں اجارہ کی ابتداء مدت کی تعیین شرط نہیں جب اجارہ مطلق ہو، ابتداء معلوم نہ ہو تو عقد کے بعد کا زمانہ یعنی جو مہینہ عقد کے بعد آئے رہی اجارہ کے لئے متعین ہے۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی ابتداء کا وقت معلوم ہونا شرط ہے جو کہ عقد کے بعد ہو کیونکہ اس کو متعین نہ وقت کی جہالت ہے جو معقود علیہ کی جہالت کا سبب ہوگا۔ اگر اجارہ ایک ماہ یا کئی مہینوں یا کئی معلوم سالوں کے لیے ہو، مہینے کے شروع میں تو مہینے کا اعتبار چاند کے اعتبار سے (یعنی اسلامی کیلنڈر سے) کیا جائے گا۔ اور اگر اجارہ مہینے کے درمیان ہوا ہے تو پھر مہینے ان میں دونوں سے حساب ہوگا یعنی تیس دن شمار کریں گے کیونکہ درمیان میں چاند کا اعتبار کرنا مشکل ہے لہٰذا دنوں کے حساب سے مدت شمار کی جائے گی اسی طرح اگر کئی مہینے اور کئی سالوں کا اجارہ ہو تو اگر شروع ماہ سے ہو تو پھر پورے سال کے مہینے چاند کے اعتبار سے شمار ہوں گے کیونکہ یہی اصل ہے اور اگر مہینہ کے درمیان سے اجارہ ہوا ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اور ایک روایت میں امام ابو یوسف کے ہاں بھی پورا سال دنوں کے اعتبار سے شمار ہوگا۔ یہاں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک اور روایت بھی ہے اور یہی امام محمد کی رائے بھی ہے اور شوافع کا مذہب بھی یہی ہے کہ: اگر کسی نے ایک گھر ایک سال کے لئے مہینے کے درمیان اجارہ پر لیا اب یہ اس مہینے کے باقی دن دنوں کے حساب سے گذارے اور پہلے مہینے کے علاوہ جو مہینے بچے ہیں سال کے یعنی گیارہ مہینے وہ چاند کے اعتبار سے پورے کرے، کیونکہ دونوں کی طرف ضرورت کی وجہ رجوع ہوا تھا، اور ضرورت صرف پہلے مہینے میں تھی۔ اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ پہلا مہینہ دنوں کے حساب سے پورا کرے گا تو ضرورت کی وجہ سے دوسرے مہینے کو بھی دنوں کے اعتبار سے شروع کرنا پڑے گا تو اسی طرح سال کے آخر تک کرنا پڑے گا۔

ماہانہ اجارہ.....شوافع نے مدت کی وضاحت وتعیین میں سختی سے کام لیا ہے ان کے ہاں صحیح قول کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنا گھر اس طرح اجرت پر دیا کہ ہر مہینے کا ایک دینار، یا ہر دن کا ایک دینار یا ہر ہفتے کا یا ہر سال اتنے درہموں پر تو یہ اجارہ باطل ہو جائے گا، کیونکہ ہر مہینے ایک نئے عقد کی ضرورت ہوگی کیونکہ ہر مہینہ معین اجرت کی وجہ سے جدا ہے، اور نیا عقد پایا نہیں گیا لہٰذا عقد باطل ہوگا، اور یہ سب مدت اجارہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ہے پس یہ ایسے ہی ہے ”اگر وہ کہے ایک مدت تک یا ایک مہینے تک اجارہ پر دیتا ہوں“ (یعنی جس طرح یہاں اجارہ باطل ہے اسی طرح پہلی صورتوں میں بھی)۔

جمہور فقہاء کے ہاں پہلے مہینے کا اجارہ صحیح اور لازم ہوگا اور باقی مہینوں کا اجارہ مہینہ شروع ہونے کے بعد لازم ہوگا جبکہ وہ اجارہ پر رہے ورنہ نہیں، کیونکہ نئے مہینے میں عقد یہ اتفاق کی وجہ سے اجرت مقرر ہونے اور اس کے استعمال کی رضامندی ابتداءً عقد کرنے کے مترادف ہے، یہ بیع تعاطی کی طرح ہو جائے گا۔ ❶

اور صنعت وحرفت وغیرہ کے کاریگروں کے اجارہ میں کام کا بیان اس لئے ضروری ہے تاکہ جہالت نہ ہو اس لئے کہ کام اگر مجہول ہوگا

---

❶.....البدائع: ۱۸۲/۴، تبیین الحقائق: ۱۲۲/۵۔

تو اس سے نزاع ہوسکتا ہے تو عقد فاسد ہو جائے گا، لہٰذا اگر کسی نے کام کرنے والے کو اجرت پر لیا اس کا کام مثلاً کپڑے سلائی کرنا، بکریاں چرانا، زمین کھودنا وغیرہ نہ بتایا تو عقد جائز نہیں۔ اور اگر اجیر (مزدور) اجیر مشترک ہے تو پھر اس کے کام کو اشارہ تعیین سے بیان کرنا ضروری ہے یا اس کے کام کی جنس، نوعیت، مقدار اور صفت وغیرہ بیان کی جائے، اگر کسی نے کھودنے والے کو کنواں کھونے کے لئے اجرت پر لیا تو کنواں کھونے کی جگہ، کنویں کی گہرائی، نوعیت اور عرض چوڑائی وغیرہ بیان کر ضروری ہے، کیونکہ کنواں کھودنے کا کام ان چیزوں کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔❶

مدت اور عمل کی تعیین...... جب منافع کا اجارہ ہو مثلاً گھروں کا تو مدت کی تعیین ضروری ہے اور جب کسی کام کے لئے اجارہ ہو مثلاً کپڑے سلائی کرانا وغیرہ تو اس میں کام کی تعیین ضروری ہے، اب آیا مدت اور عمل دونوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

حنفیہ کے ہاں منافع کے اجارہ میں عمل (کام) کی تعیین شرط نہیں، اگر کسی نے گھر یا دکان اجرت پر لی اور اس میں کیا کام کرے گا اس کو بیان نہ کیا تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اس میں خود رہے اور کوئی اور بھی ساتھ رکھے، اسی طرح اس کو یہ بھی اجازت ہے کہ وہ آگے کسی اور کو اجارہ پر دے دے یا عاریت کے طور پر دے دے نیز اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اس میں سامان وغیرہ رکھے البتہ اتنی بات ہے کہ عمارت کو کسی ایسے کام کے لئے استعمال نہ کرے جس سے عمارت کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا جس سے عمارت کمزور ہوسکتی ہے پس اس میں لوہار، دھوبی، اور آٹا پیسنے کا کام کرنے والوں کو نہیں رکھ سکتا، کیونکہ عقد مطلقاً ہوا ہے تو عرف سے مقید ہوگا۔ (ہاں اگر انہی کاموں کے لئے اجرت پر لے وہ الگ بات ہے)

کام کے اجارہ میں مثلاً مشترک چرواہے کو اجارہ پر لیا ہے تو اس میں مدت اور وقت کی تعیین ضروری ہے کیونکہ جس کام پر عقد ہو رہا ہے وہ وقت بتلائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا اور مشترک دھوبی یا درزی کے اجارہ میں وقت بیان کرنا شرط نہیں کیونکہ وقت بیان کئے بغیر بھی معقود علیہ معلوم ہے اور اجیر خاص کے اجارہ میں جو کام اس نے کرنا ہے اس کی نوعیت، مقدار اور صفت وغیرہ بیان کرنا شرط نہیں بلکہ صرف وقت بیان کر شرط ہے، اسی طرح دائی کے اجارہ میں بھی وقت کی تعیین شرط ہے لیکن جہاں پر مدت اور کام دونوں جمع ہو جائیں وہاں کیا کیا جائے اس بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب مدت اور وقت متعین ہوگیا تو اب کام متعین کرنا جائز نہیں، جبکہ صاحبینؒ کے ہاں دونوں متعین کرنا ضروری ہیں، اس بناء پر اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں تمہیں اجارے پر لیتا ہوں کہ آپ آج ہی مجھے کپڑے سلائی کر دیں، یا یہ کپڑے آج ہی کاٹ دیں، یا آج ہی روٹیاں پکا کر دیں، تو امام صاحب کے ہاں اجارہ فاسد ہوگا اور صاحبین کے ہاں جائز، اور جب کسی نے سواری کسی شہر تک جانے کے لئے کرائے پر لی اور دن بھی متعین کئے تو امام صاحبؒ کے ہاں اجارہ فاسد ہے صاحبینؒ کے ہاں جائز۔

صاحبینؒ کی دلیل...... کہ معقود علیہ تو عمل اور کام ہے جو کہ مقصود بھی ہے۔ پس عمل معلوم ہے اور مدت ذکر کرنے سے جلدی کرانا مقصود ہے، لہٰذا مدت معقود علیہ نہیں ہے۔ اس کا ذکر عقد کے جواز سے مانع نہیں، پس جب اجارہ کام کا ہوا اور اجیر وقت پورا ہونے سے پہلے کام سے فارغ ہوگیا تو اس کو پوری اجرت ملے گی، اور اگر آج فارغ نہیں ہوا تو کل بھی کام کرے۔

امام صاحبؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ معقود علیہ (جس چیز پر عقد ہوا ہے) وہ مجہول ہے، کیونکہ عقد کرنے والے نے دو چیزیں ذکر کی ہیں ایک عمل (کام) دوسری مدت، اور ان میں سے ہر ایک چیز معقود علیہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور معقود علیہ کی جہالت عقد کے فاسد ہونے کی موجب ہے، یہ اس لئے کہ عمل اور مدت میں جمع ممکن نہیں معقود علیہ ہونے کے اعتبار سے، دونوں کا حکم مختلف ہے، کیونکہ مدت پر عقد

---

❶......البدائع: ۱۸۴/۴، المبسوط: ۴۷/۱۶۔

تو بغیر کام کے اجرت واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اجیر، اجیر خاص ہوگا، اور عمل یہ عقد، کام کرنے پر اجرت کا تقاضہ کرتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اجیر، اجیر مشترک ہوگا، پس معقود علیہ ان دونوں میں سے ایک چیز ہوگی، اور ان دونوں میں سے کوئی دوسرے سے اولیٰ نہیں لہٰذا معقود علیہ مجہول ہوگیا۔

حنابلہؒ کے ہاں:...... جب اجارہ کسی عمل مثلاً دیوار بنانے، قمیص سلانے، یا متعین جگہ تک بار برداری پر ہو، اگر اجرت لینے والے کا عمل منضبط ہوسکتا ہے مثلاً جانور ہے تو اس کے اجارہ میں مدت اور عمل کی تعیین جائز ہے۔ کیونکہ اجرت لینے والے کا عمل ہے اسی کی وجہ سے وہ اجرت کا مستحق ہے۔ لیکن اگر اجرت لینے والے کا کوئی کام نہ ہو جیسے گھر اور زمین وغیرہ تو اس کا اجارہ صرف مدت کی تعیین پر درست ہوگا، جب مدت متعین ہوگئی تو کام کی تعیین جائز نہیں کیونکہ ان دونوں کو جمع کرنے سے اجارہ میں دھوکہ ہوگا، کیونکہ بسا اوقات وہ مدت ختم ہونے سے پہلے کام سے فارغ ہوجائے گا، اب اگر اسے باقی وقت بھی کسی کام میں لگائے رکھا تو عقد پر زیادتی ہوگی، اور اگر وقت ختم ہونے پر کام مکمل نہ ہوا تو یہ بعض کام کو چھوڑنے والا ہوگا، اور اگر اس کے بعد بھی کیا تو مدت مقررہ کے بعد کرنے والا ہوگا، اگر نہ کیا تو جس کام پر عقد ہوا تھا اسے پورا نہ کرنے والا شمار ہوگا، یہ دھوکا ہے اس سے بچنا ممکن ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں:...... عمل (کام) کے اجارہ مثلاً کپڑے وغیرہ سلائی کروانے میں وقت اور کام کو جمع کرنا جائز نہیں لہٰذا کپڑے سینے کی مدت مقرر کرنا درست نہیں کہ وہ درزی سے کہے آج یا ایک ہفتے کے بعد اور سینے میں اس سے اجارہ فاسد ہوجائے گا، کیونکہ اس میں دھوکا ہوسکتا ہے کہ شاید آج یا ایک ہفتہ میں سلائی مشکل ہو، اور کام مؤخر ہوجائے یا کام پہلے ہوجائے جیسا کہ کوئی ایک قفیز گندم کو بیع سلم کے طور پر لے اور کہے اس کا وزن اتنا ہے، تو یہ عقد صحیح نہیں ہوا اس لئے کہ وزن بڑھ بھی سکتا ہے اور کم بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ دھوکا نہ ہو اور عقد کو مدت مقرر کرنے سے خالی چھوڑ دیا جائے۔

۳۔ معقود علیہ حقیقت اور شریعت کے اعتبار سے مقدور التسلیم ہو:...... حقیقۃ متعذر التسلیم چیز کا اجارہ درست نہیں جیسے بدکے ہوئے اونٹ کا اجارہ اور گونگے کا اجارہ گفتگو کے لئے، یا شرعاً سپرد کرنا مشکل ہو جیسے حائضہ کا اجارہ مسجد کی صفائی کے لئے، اور ڈاکٹر کا اجارہ صحیح دانت نکالنے کے لئے، جادوگر کا جادو کی تعلیم کے لئے، اور یہ بالاتفاق ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام زفر اور حنابلہ کے ہاں مشترک چیز کا اجارہ شریک کے بغیر جائز نہیں کہ اپنے گھر کا کچھ حصہ اجارہ پر دے یا شریک کے بغیر مشترک گھر کا ایک حصہ اجارہ پر دے چاہے وہ حصہ معلوم ہو یا مجہول کیونکہ مشترک چیز کا نفع سپرد کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کی مکمل سپردگی ہی اس کا استیفاء ہے، اور مشترک چیز بذات خود سپرد نہیں کی جاسکتی، کیونکہ یہ کل میں ایک حصہ ہے، بلکہ اس کی سپردگی دوسرے کے ساتھ ہوسکتی ہے جبکہ وہ دوسرا حصہ معقود علیہ نہیں ہے لہٰذا شرعاً اس کی سپردگی نہیں ہوسکتی، البتہ شریک کو اجارہ پر دینا امام ابوحنیفہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ معقود علیہ مقدور التسلیم ہے مہایات کے بغیر بھی اس لئے کہ پورے گھر کی منفعت مستاجر کی ملک میں دو مختلف سببوں سے پیدا ہوتی ہے، بعض ملکیت کی وجہ سے اور بعض اجارہ کی وجہ سے، اور وہ اشتراک جو عارضی ہو یہ اجارہ میں اثر انداز نہیں امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت کے مطابق، کیونکہ اجارہ جائز ہونے سے مانع وہ اشتراک ہے جس کی وجہ سے سپردگی ممکن نہ ہو، اور سپردگی کی طاقت بقاء عقد اور اس کے دوام کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ ہر وہ چیز جو ابتداء عقد میں شرط ہو وہ انتہاء عقد میں بھی شرط ہو ایسا نہیں ہے۔

صاحبین اور جمہور فقہاء کے ہاں، مشترک چیز کا اجارہ مطلقاً جائز ہے چاہے شریک سے ہو یا کسی اور سے، کیونکہ مشترک بھی نفع ہے اور سپردگی ممکن ہے خالی کرنے یا باری مقرر کر لینے کی صورت میں، جیسا کہ یہ بیع میں جائز ہے اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے۔

سُپردگی کی قدرت کی شرط پر حنفیہ کے ہاں کچھ مسائل مرتب ہوتے ہیں:

(الف)......اگر کسی نے کسی کے گھر سے گذرنے کا راستہ کرائے پر لیا اور گذرنے کا وقت معلوم ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز نہیں اور صاحبین کے ہاں جائز ہے، کیونکہ امام صاحب کے ہاں مشترک چیز کا اجارہ فاسد ہے صاحبین کے ہاں جائز ہے۔

(ب)......اگر کسی نے گھاس والی زمین ایک سال کے لئے کرائے پر لی تو یہ اجارہ جائز نہیں بلکہ فاسد ہے کیونکہ زمین کو نقصان کے بغیر سپرد کرنا ممکن نہیں اور وہ رطبۃ (گھاس) اکھاڑنا ہے اور انسان کو اپنے آپ پر نقصان کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا، بس اس کی منفعت شرعاً سپردگی کے قابل نہیں، اجارہ جائز نہیں۔ لیکن اگر زمین والے نے وہ گھاس کاٹ کر زمین خالی کر کے دی تو پھر عقد جائز ہے مانع زائل ہو گیا، یہ ایسے ہی جیسے کوئی شخص چھت میں لگے شہتیر کو خریدے بائع اس کو نکال کر مشتری کے حوالے کر دے تو عقد جائز ہے اور ان دونوں صورتوں میں مشتری کو یہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

(ج)......اگر کسی نے ایک شخص بیع وشراء کے لئے اجارہ پر لیا تو یہ اجارہ جائز نہیں، کیونکہ بیع وشراء ایک آدمی سے پورے نہیں ہوتے، بلکہ دو شخص (عاقدین) بائع ومشتری ضروری ہیں اور ایک شخص سے یہ کام نہیں ہو سکتا، بس اس طرح اجارہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اجیر اپنے نفس کو منفعت پہنچانے پر قادر نہیں اور مستاجر بھی استیفاء پر قادر نہیں بس یہ عقد ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی کسی کو لکڑیاں اٹھانے کے لئے اجرت پر لے اور وہ لکڑیاں اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اگر مستاجر نے بیع وشراء کے لئے مدت مقرر کر لی مثلاً ایک ماہ تک کے لئے تا کہ اس کے لئے خرید وفروخت کرے تو عقد جائز ہے، کیونکہ اجارہ مدت کی منفعت پر ہوا ہے اور مدت معلوم ہے۔

(د)......سانڈ وغیرہ کو جفتی کے لئے کرائے پر لینا، شکاری کتے یا باز کو شکار کے لئے کرائے پر لینا درست نہیں، کیونکہ ان کی جو منفعت ہے وہ مستاجر وصول نہیں کر سکتا، اس لئے کہ اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ سانڈ پر جفتی کے لئے زبردستی کرے، یا کتے اور باز کو زبردستی شکار پر بھیجے۔

یہ جمہور علماء یعنی حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔ البتہ امام مالک فرماتے ہیں اگر مدت معلوم ہو تو عقد بھی جائز ہے باقی منافع کے اجارہ کی طرح۔

۴۔ معقود علیہ کا نفع شرعاً مباح ہو۔ مثلاً: کتاب کا اجارہ پڑھنے اور دوسری جگہ لے جانے کے لئے، یا گھر کا اجارہ رہائش کے لئے، جال شکار کے لئے وغیرہ۔

اس شرط پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس پر یہ مسائل متفرع ہیں۔ گناہ پر اجارہ جائز نہیں، جیسے کسی انسان کو کھیل کود جادو کی تعلیم، حرام اشعار کی تعلیم، بدعت کی ترویج والی کتب کی اشاعت کے لئے اجارہ پر لینا، اور گانا گانے کے لئے میراثن (اداکارہ) نوحہ کرنے والی کو رونے کے لئے کرائے پر لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجارہ گناہ پر ہے، اور معصیت عقد سے اجارہ کا استحقاق نہیں رکھتی، البتہ گانے اور نوحہ کو لکھوانے پر اجارہ صرف حنفیہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ حرام تو گانا گانا اور رونا ہے ان کو لکھنا نہیں، پس قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ گناہ پر اجارہ جائز نہیں۔

اسی طرح کسی شخص کے قتل کے لئے کسی کو کرائے پر لینا یا جیل میں ڈالنے کے لئے، یا اس کو ظلماً مارنے کے لئے یا کسی دوسرے ظلم کے لئے لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ کے کام کے لئے اجارہ ہے۔ پس شرعاً معقود علیہ سپردگی کے قابل نہیں۔ لیکن اگر کام کسی حق کی بناء پر ہو مثلاً کسی نے کسی کا کوئی عضو کاٹنے کے لئے کسی کو اجارہ پر لیا تو یہ جائز ہے، اور اس کی سپردگی ممکن ہے کیونکہ کاٹنے کی جگہ معلوم ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں قصاص کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں، کیونکہ قتل گردن مارنے کا نام ہے بسا اوقات صرف گردن کٹے گی جو کہ مشروع ہے۔ اور کبھی گردن کے سوا کوئی جگہ کٹے گی جو کہ ممنوع ہے، کیونکہ یہ تو مثلہ ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے ہاں قصاص لینے کے لئے اجارہ پر لینا جائز ہے، کیونکہ قصاص گردن کاٹنے سے حاصل ہو گی اور گردن معلوم ہے پس معقود علیہ مقدور التسلیم ہے۔

اسی طرح ذمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسلامی ممالک میں کسی مسلمان سے گھر لے اور لوگوں کی عبادت گاہ بنائے یا اس میں شراب فروخت کرے، کیونکہ یہ گناہ پر اجارہ ہے، یہ جمہور علماء کی رائے ہے، امام ابوحنیفہ عراق کے دیہاتوں میں عبادت خانہ کے لئے اجارہ پر لینے کے جواز کے قائل ہیں، کیونکہ ان کے زمانے میں دیہات کے اکثر لوگ اہل ذمہ مجوس تھے، پس یہ مسلمانوں کی توہین اور استخفاف کی طرف لانے والی چیز نہیں۔

۵۔ جو کام کروایا جارہا ہے وہ اجیر پر قرض یا واجب پہلے سے نہ ہو: عقد سے پہلے اگر اجیر پر کوئی چیز قرض یا واجب ہے تو اجارہ درست نہیں، کیونکہ یہ ایسا کام کرے گا جو اس کے ذمہ پہلے سے ہے لہٰذا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، کمسن جس پر قرض ہے وہ اس کی ادائیگی کردے، اسی طرح عبادات وطاعات پر اجارہ درست نہیں جیسے نماز، روزہ، حج امامت، اذان، تعلیم قرآن وغیرہ پر کیونکہ فرائض میں تو فرض عمل پر اجارہ ہے اور اذان، اقامت، امامت، تعلیم قرآن اور علم وغیرہ کا اجارہ لوگوں کے جماعت سے نماز پڑھنے قرآن کی تعلیم سے متنفر ہونے کا سبب ہے، روایت میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آخری بات جو آپ علیہ السلام نے فرمائی وہ یہ کہ ''مؤذن ایسا ہونا چاہئے جو اذان پر اجرت نہ لیتا ہو۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں بالاتفاق ہے۔

اور اس بارے میں حنفیہ کے قواعد میں سے یہ ہے کہ ''جسے اطاعت پر اجارہ سے لیا گیا ہو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا'' ''نیز جو پہلے سے اجر کا مستحق ہو اس کا اجارہ جائز نہیں'' اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایک مہینے گھر کی خدمت کا اجارہ کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ اس کے ذمہ پہلے سے خدمت ہے۔''

پھر بعد میں متاخرین نے تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اپنے زمانے میں۔

امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا: تعلیم قران پر اجارہ جائز ہے، کیونکہ یہ عمل معلوم اور بدل معلوم کا اجارہ ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی شادی میں مہر جو اسے قران یاد تھا وہ رکھا، پس قران کا عوض جائز ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ صحیح حدیث ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو فاتحہ دم کی اور اس پر اجرت لی اور وہ ٹھیک ہو گیا اس سلسلے میں جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور آپ سے استفسار کیا، تو آپ نے فرمایا: ''کہ تم نے حق پر اجرت لی ہے، ان بکریوں میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔'' صاحب کنز الدقائق الحنفی فرماتے ہیں ''آج کل فتویٰ تعلیم قران کی اجرت کے جواز پر ہے اور یہی متأخرین مشائخ بلخ کا مذہب ہے۔

مالکیہ نے اذان جبکہ اس کے ساتھ امامت بھی ہو اور مسجد میں رہائش بھی ہو تو اس کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے البتہ صرف نماز کی اجرت ان کے ہاں بھی جائز نہیں غیر واجب افعال پر قیاس کرتے ہوئے، جیسا ان کے ہاں اور شوافع کے ہاں حج کا اجارہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے حج کو دوسرے کی طرف سے برقرار رکھا، فرائض کی امامت میں شوافع کے ہاں اجرت لینا جائز نہیں اور صرف امامت جبکہ ساتھ اذان نہ ہو پر اجرت مالکیہ کے مشہور قول میں جائز نہیں۔

لغت کی تعلیم ادب، حساب، خطاطی، فقہ اور حدیث وغیرہ کی تعلیم پر نیز مساجد کی تعمیر، پلوں، اور مورچوں کی تعمیر پر بالاتفاق اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہ کام نہ فرض ہیں نہ واجب، کبھی یہ بطور قربت ہوتے ہیں کبھی نہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... غسل میت پر اجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ غسل واجب ہے، اور قبر کھودنے پر اور جنازہ اٹھانے پر اجرت لینا جائز ہے، شوافع نے میت کی تجہیز اور دفن پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے، تجہیز، غسل اور کفن دینے کو شامل ہے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہیں، اور واجب

متعین مضطر کی طرح نقصان نہیں پہنچاتا، کیونکہ اس کے لئے کھانا متعین ہوتا ہے بدل کے ساتھ۔ اپنی ہی بیوی کو اسی سے پیدا شدہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ بچے کی خدمت پر اجارہ ہے اور دودھ اس کے تابع ہے، تو اجارہ ایک واجب چیز پر ہو گیا جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔

۶۔ اجیر اپنے عمل سے فائدہ نہ اٹھائے، اگر فائدہ اٹھائے گا تو اجارہ جائز نہیں، پس طاعات پر اجارہ درست نہیں کیونکہ اطاعت بجالانے والا اپنے لئے کام کرنے والا ہے، جیسا کہ اس طرح اجارہ جائز نہیں کہ ایک شخص گندم پیس کر دے اور اسی آٹے سے اپنی اجرت لے، یا تلوں سے تیل نکال کر دے اور اسی میں سے کچھ قبل اجرت رکھے، کیونکہ آجر اپنے عمل سے نفع اٹھا رہا ہے یعنی پیسنے اور تیل نکالنے کے عمل سے۔ پس یہ اپنے لئے کرنے والا ہوا، اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "قفیز طحان" سے منع فرمایا ہے" یہ ہے کہ کسی شخص کو معلوم وزن کے ساتھ گندم وغیرہ دی جائے کہ پیس کر دو اور اسی میں سے ایک قفیز رکھ لو، شوافع کی بھی یہی رائے ہے، اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے، نیز اس میں شرائط اجارہ میں سے ایک شرط مفقود ہے وہ یہ کہ عقد کے وقت اجرت دینے پر قادر ہونا۔ اس بارے میں حنفیہ کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ "اجیر کے عمل سے حاصل شدہ چیز کو اجرت مقرر کرنا مفسد عقد ہے۔"

حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں:...... اگر کیل معلوم ہو تو یہ جائز ہے اور حدیث قفیز طحان ان کے ہاں ثابت نہیں ہے۔ اور اسی میں سے ہے کہ گندم وغیرہ گاہنے اور اٹھا کر لے جانے والے کو اسی میں سے اجرت دینا حنابلہ کے ہاں جائز ہے۔

۷۔ منفعت مقصودہ ہو اور اس کو اجارہ کے ذریعے حاصل بھی کیا جاتا ہو، اور لوگوں کا عمل اس پر جاری ہو پس درختوں کو کپڑے اوپر ڈال کر خشک کرنے کے لئے اور ان سے سایہ حاصل کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز نہیں، کیونکہ درخت سے اس قسم کا نفع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

عمل معقود علیہ کی شرائط...... وہ یہ کہ اگر منقولی چیز ہے تو اس پر قبضہ ہونا چاہئے اگر قبضہ میں نہ ہو تو پھر اس کا اجارہ درست نہیں، آپ علیہ السلام نے منع فرمایا ہوا ہے اس چیز کی بیع سے جو قبضہ میں نہ ہو، اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے نہی اس کو بھی شامل ہوگی۔ اور اگر جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے وہ غیر منقولی ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو "بیع فاسد" کی بحث میں ذکر کیا ہے۔

اجرت کی شرطیں...... اجرت کی دو ہی شرطیں ہیں۔

پہلی شرط...... کہ اجرت مال متقوم اور معلوم ہو اس میں علماء کا اتفاق ہے اور اس شرط سے جن چیزوں سے احتراز ہے وہ معلوم شدہ ہیں عقد بیع میں ان کی وضاحت ہو گئی ہے۔ اور اجرت کے علم کے بارے میں دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو کسی کو اجرت پر رکھے اسے اس کی اجرت بتا دے" اور اجرت کا معلوم ہونا، اشارہ، تعیین اور بیان ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور اجرت ادا کرنے کی جگہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے جبکہ اس چیز کا بوجھ اور اس میں مشقت ہو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اور صاحبین کے ہاں یہ شرط نہیں بلکہ جہاں عقد ہوگا وہی جگہ اجرت کے لئے متعین ہے۔ اجرت معلوم ہونے کی شرط پر یہ تفریع ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو معلوم اجرت، اور کھانے کے ساتھ اجارہ پر لیا، یا کسی سواری کو معلوم اجرت، اور چارہ کے ساتھ اجارہ پر لیا تو اس طرح جائز نہیں، کیونکہ کھانا اور چارہ بھی اجرت میں شامل ہیں اور ان کی مقدار معلوم نہیں تو اجرت مجہول ہوگئی۔ مالکیہ نے خدمت کے لئے اجیر رکھنے، اشیاء خورد ونوش اٹھانے کے لئے سواری، اور کپڑے وغیرہ کے لئے خادم رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، تعامل الناس کی وجہ سے اسی طرح دائی کو اجارہ پر رکھنا وغیرہ۔

دائی کا اجارہ...... اگر دائی اجرت پر لی اور اس کی اجرت کھانا اور کپڑے مقرر کئے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اجارہ جائز نہیں صاحبین

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، کیونکہ اجرت ''طعام اور کسوۃ'' مجہول ہیں البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ استحساناً اس کے جواز کے قائل ہیں نص قرآنی کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ...... البقرۃ: ۲/۲۳۳

اللہ تعالیٰ نے رضاعت میں حرج کی مطلقاً نفی کر دی ہے اور اس حالت میں اجرت کی جہالت منازعت کی طرف مفضی نہیں۔ کیونکہ عادۃً دائیوں کے ساتھ چشم پوشی اور وسعت والا معاملہ کیا جاتا ہے اولاد کی شفقت کی وجہ سے تو یہ گندم کے ڈھیر کے قفیز کی جہالت کے مشابہ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اگر اجرت معقود علیہ کا حصہ اور جزو ہو: تو جمہور کے ہاں اجارہ فاسد ہوگا اگر کھال اتارنے والے نے کھال کے بدلے میں اجارہ کیا اور پیسنے والے نے بھوسی یا ایک صاع آٹے کے بدلے اجارہ کیا، تو اجارہ فاسد ہے کیونکہ نامعلوم کھال صحیح سلامت اترے گی یا نہیں اور وہ موٹی ہوگی یا باریک، اور پیسے ہوئے آٹے کی کیا مقدار ہوگی کبھی کبھی دانے صاف ہوتے ہیں تو عوض کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ درست نہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈ کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے۔

مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے، کیونکہ اجارہ معلوم حصہ پر کیا گیا ہے اور پیمائی کی اجرت بھی معلوم ہے اور حدیث کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ قفیز کی مقدار مجہول ہے۔ ان کی موافقت ہادویہ، زیدیہ میں سے امام یحییٰ، مزنی اور حنابلہ نے کی ہے جبکہ اجرت آٹے کے اعتبار سے معلوم ہو، اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ کھال اتارنے کے بدلے کھال لینے والی صورت کا اجارہ فاسد ہے کیونکہ وہ کھال اتارنے کے بعد اس کا مستحق ہوگا اور کھال اتارنے میں صحیح سالم اترے گی یا کٹی ہوئی اس کا علم نہیں؟ لہٰذا یہ اجارہ فاسد ہے اسی طرح بھوسی کے بدلے آٹا پیسنے کا اجارہ بھی فاسد ہے کیونکہ بھوسی کی مقدار معلوم نہیں ہاں اگر معلوم مقدار پر اجارہ کیا تو پھر جائز ہے جیسا کہ اتری ہوئی کھال کے بدلے کھال اتارنے کا اجارہ جائز ہے۔

مقابل الخلو (خالی کرنے کا عوض، حقوق مجردہ کا بدلہ)...... آج کل جو رقم لی جاتی ہے جسے فروغ یا قبضہ نہ ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے میرے اندازے کے مطابق اس کی شریعت میں ممانعت نہیں پس مالک یعنی موجر کے لئے جائز ہے کہ وہ مستاجر سے ایک متعین مقدار مال کی لے لے جو خلو یا فروغ کے بدلہ میں ہو اور اس لی ہوئی رقم کو اجرت عقد میں معجّل شمار کیا جائے گا اور اس کے علاوہ جو رقم ماہانہ یا سالانہ دی جائے گی تو وہ اجرت کا دوسرا حصہ شمار ہوگی جو اجرت کی تکمیل کرے گی۔

باقی جو مستاجر اپنا حق چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کے لئے اپنے نفع میں سے اور اس کے بدلے وہ دوسرا نفع اٹھاتا ہے اور اس کا قائم مقام ہوتا اس کے بدلے میں یہ جو کچھ لیتا ہے یہ بھی اگر مدت اجارہ کے اندر اندر ایسا کیا تو جائز ہے۔ ورنہ غصب اور حرام ہے۔ شوافع نے اپنے کلام میں عقد بیع کے صیغوں سے بحث کرتے ہوئے اس مفہوم کی تصریح کی ہے: کہ قبضہ منتقل کرنے میں الفاظ کی شرط بعید نہیں ہے، یعنی زمین میں کھاد ڈالنے کے حق سے ہٹنے کے لئے مثلاً یوں کہے: کہ میں اس اختصاص سے اپنے ہاتھ کھینچتا ہوں اور قبضہ منتقل کرنے کے عوض بدلہ لینا جائز ہے، جیسا کہ وظائف سے دست بردار ہونے میں۔ البتہ یہ سب چیزیں مدت اجارہ کے باقی ہونے کے ساتھ شرعاً مقید ہیں۔ اور مستاجر کا دست بردار ہونا کسی دوسرے کے لئے کسی عوض کے بدلے مدت ختم ہونے کے بعد مالک کی رضامندی پر موقوف ہے۔

باوجود اس کے کہ حنفی مذہب میں حقوق مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں جیسے حق شفعہ اسی طرح حق کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، لیکن حنفیہ میں سے اکثر حضرات نے وظائف سے دست بردار ہونا مال کے بدلے میں جائز قرار دیا ہے، جیسے امامت، خطابت، اذان وغیرہ اور اس فتویٰ کو ضرورت عرف اور باری چھوڑنے پر قیاس کیا ہے، کیونکہ یہ سارے صرف اسقاط حق ہیں اور اس بات پر قیاس کیا کہ اوقاف کا متولی اپنے آپ کو

قاضی کے سامنے معزول کرسکتا ہے، اور اس معزولی ہی میں سے ہے کہ اپنے آپ کو کسی وظیفہ وغیرہ سے فارغ کرنا، اور اس دست برداری میں عرف میں عوض لیا جاتا ہے۔ ❶

میں نے مالکی علماء متاخرین کا ایک رسالہ جس کا نام (جملة تقاير وفتاویٰ فی الخلوات والا نزالات عندا التونیسین) ہے یہ مالکیہ کے مفتی ابراہیم الریاحی رحمہ اللہ کا ہے جو تیونس کے رہنے والے ہیں (المتوفی: ۱۲۶۶ھ) اور شیخ محمد بیرم الرابع التونسی، شیخ الشاذلی بن صالح باس تیونس میں مالکیہ کے مفتی ہیں، اور شیخ محمد السنوسی تیونس کے قاضی اس میں انہوں نے عرف اور عادت کی وجہ سے ''خلو'' یعنی حقوق مجردہ کے معاوضہ کو جائز قرار دیا ہے، نیز اس لئے بھی کہ مستاجر منفعت کا مالک ہے، تو اس کو اس کا عوض لے کر دست بردار ہونا بھی جائز ہے جیسے کہ اجارہ جائز ہے، اور عاریت کی طرح بغیر عوض کے دست بردار ہونا بھی جائز ہے۔ اور فاسینیوں کا فتویٰ نقل کیا ہے خلو کی بیع کے جواز میں، اور شیخ محمد بیرم نے فرمایا: اور خلو کے مشابہ مغارست (درخت لگانا) ہے صرف اتنی بات ہے کہ خلو سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تعلق منفعت سے ہے۔

قرارداد مجمع الفقہ الاسلامی فی جدۃ: رقم (۶) لعام ۱۴۰۸ھ الموافق ۱۹۸۸ء.....اس قرارداد کو یہاں پر نقل کرنا مستحسن ہے اور میں اس میں مجلس مضامین (ڈرافٹنگ کمیٹی) کا رئیس تھا۔

پہلی بات.....جب مالک اور مستاجر اس بات پر متفق ہوجائیں کہ مستاجر، مالک کو مقررہ اجرت سے زائد رقم دے گا (جسے بعض علاقوں میں ''خلو'' سے تعبیر کرتے ہیں) تو اس متعین رقم کے دینے سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں اس شرط پر کہ متعین مدت اجارہ کی اجرت کا جزو اس کو شمار کیا جائے، اور فسخ کی صورت میں اس رقم پر بھی اجرت کے احکام جاری ہوں گے۔

دوسری بات.....جب مالک اور مستاجر مدت اجارہ میں اس بات پر اتفاق کرلیں کہ مالک، مستاجر کو بقیہ مدت منفعت کے چھوڑنے پر کچھ رقم دے گا، تو یہ رقم دینا بھی شرعاً جائز ہے، کیونکہ یہ مستاجر کی دست برداری کا بدلہ ہے جو اس کی رضا سے مالک کو فروخت کردیا ہے۔ لیکن اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی اور صراحتاً یا ضمناً عقد اجارہ کی تجدید نہیں کی گئی تو پھر بدل خلو جائز نہیں کیونکہ مالک اپنی ملک کا زیادہ حق دار ہے مستاجر کے حق کے ختم ہونے کے بعد۔

تیسری بات.....اگر پہلے کرایہ دار یعنی مستاجر اور دوسرے مستاجر کے درمیان مدت اجارہ کے دوران اتفاق ہوجائے کہ مستاجر اول باقی مدت سے دست بردار ہوجائے، اور مقررہ اجرت سے زائد رقم پر تو یہ بدل خلو بھی شرعاً جائز ہے۔ لیکن اس میں عقد اجارہ کی مالک اور مستاجر اول کے درمیان ہونے بات چیت کا لحاظ کیا جائے، اور احکام شرع کے قوانین کے مقتضاء کے موافق ہو۔ اور طویل مدت کے اجاروں میں اختلاف ہے کیونکہ عقد اجارہ کی تصریح میں بعض قوانین میں گنجائش ہے۔ لہٰذا مستاجر کے لئے جائز نہیں کہ وہ عین چیز کو دوسرے مستاجر کو دے دے اور اس کا عوض لے لے ملک کی رضامندی کے بغیر۔

اور جب مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد مستاجر اول اور ثانی کے درمیان اتفاق ہوگیا تو اس صورت میں بدلہ لینا جائز نہیں کیونکہ مستاجر اول کا حق عین کی منفعت سے ختم ہوچکا ہے۔

چوتھی بات کہ اجرت معقود علیہ کی جنس منفعت سے نہ ہو.....جیسے رہائش کا اجارہ رہائش سے، خدمت کا اجارہ خدمت سے، سواری کا اجارہ سواری سے، زراعت کا زراعت سے اور یہ شرط حنفیہ کے ہاں رہا (سوں یہ متفرع ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اتحاد جنس کا

---

❶.....الدر المختار و ردالمحتار: ۱۵/۴۔

اعتبار کرتے ہیں ربا نسیہ کے عقد کے حرام ہونے میں، جیسا کہ ربا کی بحث میں گذرا، اور چونکہ ان کے ہاں اجارہ میں یہ عقد تھوڑا تھوڑا کر کے منافع کے پیدا ہونے کے ساتھ منعقد ہوتا ہے، پس منفعت بوقت عقد معدوم ہے، تو عاقدین میں سے ایک کا قبضہ متاخر ہوا، تو ربا نسیۂ پایا گیا۔ ❶ اور ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ شوافع کے ہاں منفرد جنس کا عقد سود کی وجہ سے حرام نہیں ہوتا، پس ان کے ہاں یہ عقد جائز ہوگا اور ان کے ہاں یہ شرط نہیں۔

عقد کی شرط...... یہ ہے کہ عقد ایسی شرط سے خالی ہو جس کا عقد نہ تقاضا کرتا ہو اور نہ ہی وہ اس کے مناسب ہو پس اگر مالک نے اس شرط پر کسی کو گھر کرائے پر دیا کہ ایک مہینہ مالک گھر میں رہے گا پھر مستاجر کو دے گا یا زمین اس شرط پر اجرت پر دی کہ پہلے مالک اس میں کھیتی کرے گا پھر مستاجر کو دے گا، یا سواری اس شرط کے ساتھ اجرت پر دی کہ مالک ایک ماہ اس پر سواری کرے گا پھر مستاجر کو دے گا تو یہ اجارہ فاسد ہے، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کا نہ عقد تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی یہ عقد کے مناسب ہے۔ بلکہ اس میں ایک زائد منفعت ہے جو متعاقدین میں سے ایک کے لئے عقد میں مشروط ہے جس کے مقابلہ میں عوض نہیں پس یہ سود ہے، یا اس میں شبہ ربا ہے یہ مفسد عقد ہے۔ ❷ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یا اجارہ جائزہ ہے۔

لزوم اجارہ کی شرطیں...... عقد اجارہ کی بقاء کے لئے دو شرطیں لازم ہیں:

پہلی شرط...... جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے وہ ایسے عیب سے پاک ہو جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو: پس اگر کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہیں تو مستاجر کو اختیار ہے چاہے کل رقم دے کر اجارہ باقی رکھے یا پھر فسخ کردے، جیسے کسی اجرت پر دیے ہوئے جانور میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی یا وہ لنگڑا ہو گیا یا گھر کی عمارت گر گئی وغیرہ کیونکہ معقود علیہ تو منافع ہے جو تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتا ہے، پس جب شئی مستاجر میں عیب پیدا ہو گیا تو یہ ایسے ہے جیسے قبضہ سے پہلے پیدا ہوا ہو تو اس کی وجہ سے خیار ثابت ہوگا جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔ اور اگر گھر سارا گر گیا، یا پن چکی کا پانی ختم ہو گیا یا زمین کا پانی ختم ہو گیا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا، کیونکہ معقود علیہ باقی نہ رہا، اور ہلاک ہونا فسخ عقد کا موجب ہے، البتہ حنفیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق عقد فسخ نہ ہوگا البتہ حق فسخ ثابت ہوگا، کیونہ معقود علیہ ختم ہو گیا اس طور پر کہ اس کا واپس آنا متصور ہے، پس یہ ایسا ہے ہے جیسے کسی نے کوئی چیز خریدی اور وہ قبضہ سے پہلے بھاگ گئی، اور اس شے مستاجر سے فی الجملہ نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً خیمہ وغیرہ۔ اور اگر عیب عقد اجارہ فسخ کرنے سے پہلے ختم ہو گیا، بایں طور کہ مریض صحیح ہو گیا یا جانور سے لنگڑا پن ختم ہو گیا یا مالک نے گری ہوئی دیوار بنادی تو مستاجر کا حق فسخ کا اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ جس کی وجہ سے خیار ثابت ہو رہا تھا وہ ختم ہو گیا، اور عقد قائم ہے، پس اختیار ختم ہوگا۔ اور حق فسخ مستاجر کے لئے اس وقت ثابت ہوگا، جبکہ عیب ایسا ہو جس کی وجہ سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں نقصان معقود علیہ کی طرف لوٹتا ہے، اور اگر عیب ایسا ہے جس سے نفع اٹھانے میں کوئی خلل نہیں جیسے دار کی دیوار جس کا رہائش کے ساتھ تعلق نہیں تو پھر حق فسخ نہ ہوگا۔

مستاجر اس وقت عقد فسخ کر سکتا ہے جبکہ موجر بھی موجود ہو اور اگر موجر موجود نہیں اور مستاجر نے کوئی ایسا کام کیا جو فسخ پر منتج ہوتا ہے تو اس صورت میں مستاجر کو فسخ کا حق نہیں، کیونکہ عقد کو صرف عاقدین یا ان کے قائم مقام کی موجودگی میں فسخ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ گھر کے گر جانے وغیرہ کی صورت میں مستاجر گھر سے نکل سکتا ہے چاہے موجر موجود ہو یا نہ ہو، اور یہ فسخ ہونے کی دلیل ہے، اور اسی طرح مستاجر کے لئے حق فسخ اس وقت بھی ثابت ہوتا ہے جب منافع میں سودا مختلف ہو جائے جبکہ وہ حاصل اکٹھے ہوں، کیونکہ سودا معقود علیہ یعنی منافع میں متفرق ہو گیا،

❶..... البدائع: ۱۹۴/۴ (۲)..... البدائع: ۱۹۴/۴۔

اور تفرق سودا سے خیار ثابت ہوتا ہے، اس کی مثال یہ کہ ایک شخص دو گھروں کو ایک ہی سودے میں اجرت پر لے لے پھر موجر ایک گھر دینے سے انکار کر دے، تو مستاجر کو اختیار ہے کہ وہ عقد فسخ کر دے کیونکہ سودے میں تجزی ہو گئی ہے۔

دوسری شرط...... ایسا عذر پیدا ہونا جس کی وجہ سے اجارہ فسخ کرنا پڑھے مثلاً عاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے عذر یا شئی ماجور میں کوئی عذر ہو جائے تو عاقد کے لئے عقد کو فسخ کرنے کو اختیار ہے۔ میں ان اعذار کو بیان کرتا ہوں جو فسخ کے ہیں:

اجارہ فسخ کرنے کے عذر...... حنفیہ کے ہاں عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ عذر کے وقت ضرورت فسخ کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر عذر کی موجودگی میں بھی عقد کے لزوم کا اصرار ہو تو صاحب عذر کو ضرر و تکلیف لاحق ہو گی جس کا وہ عقد کے ساتھ التزام نہیں کر سکتا، اور عذر کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز جس کی وجہ سے عقد باقی رکھنے میں عاقد کو نقصان ہو اور فسخ کے بغیر وہ عذر ختم نہ ہوتا ہو۔ ابن عابدین (علامہ شامی) نے فرمایا: ہر وہ عذر کہ جس کے ساتھ معقود علیہ کی وصولیابی اپنی ذات یا مال کے نقصان کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس میں حق فسخ ثابت ہو جاتا ہے۔

جمہور علماء کے ہاں:...... اجارہ، بیع کی طرح عقد لازم ہے، لہٰذا تمام لازمی عقود کی طرح یہ بھی فسخ نہ ہو گا، کسی بھی عاقد کی جانب سے بغیر کسی موجب کے جیسے عیب ہونا، یا محل منفعت کا ختم ہونا، وغیرہ۔

شوافع کے الفاظ یہ ہیں...... اجارہ کسی عقد کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا مثلاً حمام میں مستاجر کے لئے روشنی کا نہ ہونا، یا گھر اجارہ پر لینے والے کا سفر کرنا، سواری کا بیمار (خراب) ہو جانا، کیونکہ معقود علیہ میں خلل نہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا متبادل ممکن ہے، ہاں معقود علیہ کے فوت ہونے کی صورت میں اجارہ فسخ ہو گا اور یہ منفعت ہے جیسے گھر کا منہدم ہونا، یا خاص سواری اور چیز خاص کا مر جانا، اور یہ فسخ بھی مستقبل کے اعتبار سے ہو گا نہ کہ ماضی کے اعتبار سے یا اجارہ پر لی جانے والی چیز میں عیب کا پایا جانا، سواری کا نہ چلنا یا بھاگنا یا اس کا پاگل ہونا، یا ملتے وقت پیٹھ موڑنا، یا لنگڑا ہونا، روشنی کم ہونا جذام یا برص وغیرہ ہونا۔

خلاصہ...... منفعت معقود علیہ کے استیفاء کے لئے بالاتفاق اجارہ فسخ کیا جائے گا اور اس فسخ کی یہ دو حالتیں ہیں: عین شئی کے اجارے میں شئی موجرہ کا ہلاک ہونا، اور مدت صغیرہ میں شئی موجرہ کو سپرد نہ کرنا، اور عذرات کی وجہ سے اجارہ فسخ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے ہاں عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جائے گا جبکہ جمہور کے ہاں نہیں، عاقدین میں سے کسی ایک کے مر جانے کی صورت میں اجارہ فسخ کرنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے ہاں فسخ کیا جائے گا جبکہ جمہور کے ہاں نہیں۔ مالک کی ملکیت سے شیئی موجود کے نکلنے کی وجہ سے بالاتفاق اجارہ فسخ نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ کسی نے گھر کرائے پر لیا پھر مالک نے اسے ہبہ کر دیا یا کسی کو فروخت کر دیا۔

حنفیہ نے ان اعذار کو جو موجب فسخ ہیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مستاجر کی جانب سے عذر...... مستاجر کا مفلس ہو جانا، یا اس کا کسی پیشے کو چھوڑ کر کھیتی باڑی کی طرف منتقل ہونا یا زراعت سے تجارت کی طرف منتقل ہونا، یا ایک پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنا، اس لئے کہ مفلس یا ایک پیشے سے دوسرے پیشے کی طرف منتقل ہونے والا اس عمل سے بغیر نقصان کے نفع نہیں اٹھا سکتا، اور اس کو پہلا پیشہ برقرار رکھنے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح سفر بھی ہے یعنی اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا، کیونکہ مسافرت کے ساتھ عقد کو باقی رکھنے میں مستاجر کا نقصان ہے۔

اسی پر یہ مسائل متفرع ہیں کہ جب مستاجر کو نفع، کسی ایسے نقصان جو اس کی ملکیت، یا بدن میں لاحق ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، تو اس کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے، جیسے کسی نے کسی شخص کو کپڑے دھونے اور استری کرنے کے لئے یا کپڑے سینے کے لئے یا اس کا گھر لیا، یا اس کو کھیتی بونے کے لئے یا درخت کاٹنے کے لئے اجرت پر رکھا، یا اپنی ملکیت میں کوئی عمارت بنانے یا کنواں کھودنے یا پچھنے لگوانے یا فصد کھلوانے یا دانت نکالنے وغیرہ کے لئے اجرت پر رکھا، پھر اس کو یہ صورت ظاہر ہوگی کہ وہ یہ کام نہ کروائے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ اجارہ فسخ کردے اور مذکورہ اشیاء میں سے کسی کے کروانے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بات اس کے سامنے ظاہر ہوگئی کہ اس کام میں اس کے لے مصلحت نہیں، پس یہ کام نقصان کے ساتھ باقی رہا۔

۲۔ **موجر کی جانب سے عذر**...... ایسا قرض (دین) اس کے ذمے ہونا کہ وہ ان اشیاء کو فروخت کرنے کے بغیر اس کی ادائیگی پر قادر نہیں اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ قرض گواہوں کے ذریعے یا اقرار کے ذریعے اجارہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہو، یا اجارہ گواہوں اور اقرار وغیرہ کے ذریعہ ثابت ہو، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اوپر دین کا اقرار جھوٹ موٹ نہیں کرسکتا، البتہ صاحبین کے ہاں اقرار کے ذریعے دین کا ثبوت اجارہ کے بعد قابل قبول نہیں کیونکہ اس اقرار میں متہم ہے مثلاً موجر نے کوئی چیز خریدی پھر اس کو اجارہ پر دے دی اس کے بعد عیب کا علم ہو، تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اجارہ فسخ کردے اور عیب کی وجہ سے واپس کردے، البتہ سفر اور کسی شہر سے دوسرے شہر میں موجر کا منتقل ہونا اس کے فسخ اجارہ کا عذر شمار نہیں ہوتا البتہ عقار وغیرہ کے اجارہ کا فسخ اس کے لئے مباح ہے، اس لئے کہ اس کی عدم موجودگی میں عقد کی منفعت کی وصولیابی میں کوئی نقصان نہیں۔ البتہ بوجھ اٹھانے والے اور اونٹ کے مالک (ساربان) کا ایسا بیمار ہونا کہ اس کی وجہ سے وہ بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کو عذر شمار کیا جائے گا، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی چیز بغیر نقصان کے ان کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، اور نقصان سے عقد کا استحقاق نہیں۔

البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاصل'' میں نقل کیا ہے کہ اونٹ کے مالک (ساربان) کا بیمار ہونا عذر نہیں۔ کیونکہ ساربان کا بذات خود اونٹوں کے ساتھ جانا عقد کی وجہ سے نہیں اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ روانہ کردے۔

۳۔ کرائے پر (اجارہ پر) لی جانے والی چیز کی جانب سے عذر

مثلاً پہلے کی مثال...... کسی شخص نے ایک بستی میں کام کرائے پر لیا، تاکہ ایک معلوم مدت تک اس سے فائدہ اٹھائے پھر اہل بستی وہاں سے ہجرت کر گئے تو اس پر موجر کے لئے اجرت واجب نہیں ہوگی، اور دوسرے کی مثال: غلام ماجور کی آزادی مثلاً کسی نے اپنا غلام ایک سال کے لئے کرائے پر دیا پھر جب چھ ماہ گذرے اس نے اس کو آزاد کردیا تو غلام کو اختیار ہوگا چاہے تو اجارہ باقی رکھے یا فسخ کردے، شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ اجارہ فسخ نہ کرے کیونکہ اس کی گردن پر ہے، اور منافع کا مولی مالک نہیں ہے آزادی کے وقت، تو گویا آزادی ایسی گردن پر واقع ہوئی جس کا نفع مسلوب ہے، اُصح یہ ہے کہ آزادی کے بعد غلام کو اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں، کیونکہ اس کے آقا نے اپنی خاص ملکیت میں تصرف کیا ہے، جو توڑی نہیں جاسکتی، اور اُصح یہ ہے کہ وہ اپنے آقا پر آزادی کے بعد اجرت میں رجوع نہیں کرے گا، اور دوسرے کی دوسری مثال: عامل موظف جو عمل کرتا ہے پھر اس کو قانونی طور پر عمل سے منع کردیا گیا۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی شرائط کا خلاصہ:

۱۔ **عاقدین کا عقد کے اہل ہونا**...... عاقدین یعنی موجر اور مستاجر دونوں کا بالغ، عاقل جو کہ مجور نہ ہو ہونا شرط ہے۔ لہٰذا بچے مجنون اور مجور علیہ کا اجارہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کو نہ اپنے اوپر ولایت ہے نہ اپنے مال پر۔

۲۔صیغہ (الفاظ)...... اجارہ ایجاب قبول یا ان کے قائم مقام یعنی تعاطی اگر اس پر عرف جاری ہو مکمل ہوتا ہے ''توشیخ'' نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ آیا امام نووی رحمہ اللہ نے اجارہ میں تعاطی کو اختیار کیا ہے یا نہیں جیسا کہ بیع میں ظاہر یہی ہے کہ تعاطی کو اختیار نہیں فرمایا کیونکہ اس میں عرف نہیں برخلاف بیع کے۔

البتہ صیغہ میں ایجاب کے ساتھ قبول کا ہونا شرط ہے اور درمیان میں سکوت یا اجنبی کلام کے ذریعے زیادہ فصل نہیں ہونا چاہئے اسی طرح شرط کے ساتھ معلق نہیں ہونا چاہئے مثلاً اگر فلاں آ گیا تو میں اپنا گھر تجھے اجارہ پر دوں گا وغیرہ۔

۳۔منافع...... منافع کا شرعاً یا عرفاً قیمتی ہونا شرط ہے، لہٰذا کھیل لعولعب کے آلات کا اجارہ جائز نہیں، اور اصح قول کے مطابق کتے کو شکار یا چوکیداری کے لئے اجارہ پر لینا صحیح نہیں، اسی طرح کسی شخص کو ''لاتتعب'' کے الفاظ کہنے کے لئے اجارہ پر لینا صحیح نہیں اگر چہ سامان کی ترویج ہی اس سے ہوتی ہو۔اسی طرح تزئین کے لئے دراہم ودنانیر کو اجارہ پر لینا جائز نہیں اور منفعت میں یہ بھی شرط ہے کہ موجر اس کے سپرد کرنے پر قادر بھی ہو پس کسی کی غصب شدہ چیز کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔

اور ایسی زمین کو جس مین پانی نہ ہو یا عام بارش زراعت کے لئے کافی نہ ہو زراعت پر اجارۃً دینا جائز نہیں۔

حائضہ اور نفاس والی عورت کو مسجد کی خدمت کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں۔اور یہ بھی شرط ہے کہ منفعت مستاجر کو حاصل ہو نہ کہ موجر کو، پس ایسی عبادتوں اور قربانیوں کا اجارہ جائز نہیں جن کے لئے نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ان میں نیابت ہوسکتی ہو، جیسے نماز، روزہ، کیونکہ ان کا نفع یعنی ثواب موجر کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ مستاجر کی طرف اور یہ کہ منفعت میں ارادۃً عین کی وصولیابی نہ ہو، پس باغ کا اجارہ پھل حاصل کرنے کے لئے جائز نہیں اور بکری کا اون یا دودھ حاصل کرنے کے لئے اجارہ جائز نہیں۔نیز یہ کہ منفعت ذات اور مقدار وصفت کے اعتبار سے معلوم ہو، محل منفعت، اس کی ذات اور صفت بیان ہو، اور اس کا فرمانے کے حساب سے اندازہ جیسے گھروں کا اجارہ رہائش کے لئے ایک سال تک، یا عمل کے ذریعہ مقدار ہو جسے کپڑے سینے کے لئے اجارہ یا دیوار لیپائی کے لئے کھانا پکانے کے لئے۔یا قدرت اور کام میں سے ایک چیز، جسے کسی شخص کو کپڑے سینے کے لئے یا گاڑی کو سواری کے لئے، اور مقدار زمانے یعنی ایک دن یا ایک ماہ سے مقرر کی جاسکتی ہے، اور عمل کی متعین مکان تک پہنچانے کی مثلاً فلاں کھیت یا دمشق یا مکہ تک پہنچانا، زمانے اور عمل دونوں کو اکٹھے مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسے کسی شخص کو کپڑے سینے کے لئے ایک دن اجارہ پر لینا، کیونکہ عمل بھی تو متعین وقت کو نہیں گھیرتا اور کبھی اس سے زیادہ وقت لیتا ہے لہٰذا اس میں دھوکہ ہے، جو صحت عقد سے مانع ہے، دھوکے کی وجہ سے کیونکہ کام وقت سے پہلے یا بعد تک ہوسکتا ہے۔

۴۔اجرت...... اجارے کی اجرت میں بھی وہی شرائط ہیں جو بیع میں ثمن کے لئے ہیں بایں طور کہ حلال ہو، پس اگر کتا یا خنزیر یا مردار کی کھال یا شراب وغیرہ ہو تو اجارہ جائز نہیں، کیونکہ یہ نجس العین ہیں۔اور یہ کہ اجرت سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، پس اگر اجرت ایسی چیز ہے جس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا، نفع بخش نہ ہونا یا تو اس کے خسیس ہونے کی وجہ سے ہوگا جیسے حشرات الارض یا ایذاء وتکلیف کی وجہ سے جیسے چیر پھاڑ کر کھانے والے حیوانات یا اس کا استعمال شرعاً حرام ہونے کی وجہ سے جیسے آلات لہولعب، بت، تصاویر وغیرہ۔اور یہ کہ اجرت سپرد کی جاسکتی ہو، پس ہوا میں پرندہ پانی میں مچھلی وغیرہ اجرت کے طور پر رکھنا صحیح نہیں اسی طرح شئی مغصوب سوائے غاصب کے یا اس سے نکالنے والے کے صحیح نہیں۔

اور یہ کہ عاقدین کو اجرت معلوم ہو پس گاڑی کا اجارہ ایندھن اور سواری کا اجارہ چارہ مقرر کرنا صحیح نہیں کیونکہ اجرت معلوم نہیں، اسی طرح عامل کا کھیتی کے ایک حصہ پر اجارہ کرنا بھی صحیح نہیں، اسی طرح جمعہ اور مساجد وغیرہ کے لیے مال اور چندہ کرنے والے کو اسی مال میں سے اجرت دینا صحیح نہیں، اسی طرح دلال کو گھر کی قیمت میں سے مثلاً سو روپے میں سے دو روپے دینا صحیح نہیں کیونکہ ان صورتوں میں اجرت معلوم

نہیں۔باقی یہ چندہ وغیرہ کرنے والے عاملین صدقہ کی دلیل سے جو لینے کی کوشش کرتے ہیں یہ غیر مشروع اور حرام ہے کیونکہ صدقہ کرنے والا تو فقراء مساکین یا مساجد وغیرہ کے لئے دے رہا ہے نہ کہ ان عاملین کے جیب بھرنے کے لئے اگر یہ سفر وغیرہ کی تکالیف برداشت کئے بغیر لیں گے تو یہ ظلم اور جھوٹ شمار ہوگا۔

تیسری بحث......اجارہ کی صفت اور اس کا حکم

صفت اجارہ......حنفیہ کے ہاں اجارہ عقد لازم ہے البتہ کسی عذر کی بناء پر اس کو فسخ کرنا جائز ہے دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ......''اپنے اقراروں کو پورا کرو۔'' المائدہ:۵/۱

اور فسخ کرنا اصل کے اعتبار ایفاء اقرار وعقد نہیں۔جمہور علماء کے ہاں اجارہ ایسا عقد لازم ہے جو صرف ان ہی وجوہات کی بنا پر فسخ ہوسکتا ہے جن سے دوسرے عقود لازمہ فسخ ہوسکتے ہیں مثلاً عیب پایا جانا،منفعت کے محل کا ختم ہوجانا،دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ......''اپنے اقراروں کو پورا کرو۔'' المائدہ:۵/۱

نیز اجارہ منافع پر عقد ہے جو نکاح کے مشابہ ہے اور یہ عقد معاوضہ ہے بیع کی طرح فسخ نہیں ہوگا۔اسی اختلاف پر مرتب ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاقدین یعنی مستاجر اور موجر میں سے کسی ایک کی فوت کی وجہ سے اجارہ فسخ ہوجائے گا،اس لئے کہ اگر عقد کو باقی رکھا جائے تو پھر منفعت جس کا مستاجر عقد کی وجہ سے مالک ہوا تھا یا اجرت جس کا موجر عقد کی وجہ سے مالک ہوا تھا بغیر عقد کرنے والے کے رہ جائیں گے اور یہ جائز نہیں،کیونکہ مورث سے وارث کی طرف انتقال منفعت یا اجرت مملوکہ میں متصور نہیں،اس لئے کہ عقد اجارہ منافع پر یکے بعد دیگرے منعقد ہوتا رہتا ہے۔

اگر ہم اس کے منتقل ہونے کے قائل ہوجائیں تو یہ ایسی بات ہوگی کہ مورث جس کا مالک نہیں وہ وارث کی طرف منتقل ہورہی ہے،کیونکہ شئی عین کی ملکیت تو وارث کی طرف منتقل ہوتی ہے اور منافع تو وارث کی ملکیت میں پیدا ہوگا،جس کا مستاجر مستحق نہیں اس لئے کہ اس کے وارث کے ساتھ عقد نہیں کیا۔

مالکیہ،شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کے مرجانے کی وجہ سے فسخ نہیں ہوتا،کیونکہ اجارہ عقد لازم ہے اور عقد معاوضہ ہے پس عاقد کی موت سے بیع کی طرح فسخ نہیں ہوگا۔

عقد اجارہ میں خیار......عین کے اجارہ میں خیار عیب ثابت ہے مثلاً زرعی زمین کے کنویں کا پانی ختم ہوجانا،گاڑی کے اسٹیرنگ وہیل کا خراب ہوجانا۔ذمہ کے اجارہ میں خیار عیب ثابت نہیں۔اور موجر پر لازم ہے کہ جب عین عیب دار ہوجائے تو اس کا متبادل پیش کرے،نیز عقد اجارہ میں خیار مجلس اور خیار شرط ثابت نہیں،کیونکہ اجارہ عقود مغرورہ میں سے ہے اور خیار بھی غرر ہے تو ایک غرر دوسرے غرر سے نہیں ملایا جاسکتا۔

اجارہ کا حکم......صحیح اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اس کی منفعت میں مستاجر کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور مقرر شدہ اجرت میں موجر کی ملکیت ثابت ہوگی،کیونکہ اجارہ بھی عقد معاوضہ ہے اس لئے کہ یہ منفعت کی بیع ہے۔[1]

اور فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ جب مستاجر منفعت کو پورا پورا وصول کرے تو اجرت مثل اس طور پر واجب ہوگی کہ مقررہ اجرت سے زیادہ نہ ہو،مطلب یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجرت مثل اور مقررہ اجرت میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے جبکہ کسی شرط فاسد کی وجہ سے اجارہ فاسد ہوا ہو

[1]......البدائع:۴/۲۰۱

نہ کہ مسمی کی جہالت کی وجہ سے اور نہ ہی مقرر نہ کرنے کی وجہ سے کیونکہ ان دوصورتوں میں اجرت مثل ہی ہوگی چاہے جتنی بھی ہو۔ ❶ امام زفر، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ہاں اجارۂ فاسدہ میں اجرت مثل ہی واجب ہے چاہے جتنی بھی ہو جیسا کہ بیع میں اسی طرح ہے جب بیع فاسد ہو جائے تو۔ ❷ میں عنقریب اجارۂ صحیحہ کے ثبوت کا حکم آنے والے مطلب میں اجارہ کی دوقسموں کے بیان میں واضح کروں گا۔

چوتھی بحث......اجارہ کی دوقسمیں اوران کے احکام

اجارہ کی دوقسمیں ہیں:

۱......منافع کا اجارہ یعنی معقود علیہ منافع ہو۔

۲......عمل کا اجارہ یعنی معقود علیہ عمل (کام) ہو۔

منافع کے اجارہ کے احکام......منافع کا اجارہ جیسے گھروں دکانوں، پلاٹوں سواریوں، کپڑوں اور زیور کا پہننے کے لئے برتنوں کا استعمال کے لئے اجارہ، جائز ہے مباح منافع پر اجارہ کرنا، البتہ حرام منفعت کا اجارہ جائز نہیں کیونکہ یہ حرام ہیں لہٰذا ان پر اجرت وعوض لینا جائز نہیں جیسے مردار، اور خون وغیرہ اس میں سب علماء کا اتفاق ہے۔

اجارہ کے ثبوت حکم کی کیفیت......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں محل عقد یعنی منفعت میں تھوڑا تھوڑا کر کے جیسا جیسا اس کا وجود ہو حکم اجارہ ثابت ہوتا جائیگا۔ کیونکہ اس کی وصولیابی تھوڑی تھوڑی کر کے ہوتی ہے۔ ❸

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اسی وقت اجارہ کا حکم ثابت ہوگا اور مدت اجارہ کو تقدیراً موجود شمار کیا جائے گا یا کہ یہ عین اور موجود شئی ہے۔ ❹ اسی اختلاف پر یہ مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

۱......اجرت اگر مطلق ذکر کی تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں صرف عقد ہی سے اس میں ملکیت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور معاوضہ جب بغیر کسی شرط کے ذکر ہو تو وہ عوضین پر عقد کے بعد ملک کا تقاضا کرتا ہے جیسے کہ بائع بیع کی وجہ سے ثمن کا مالک ہو جاتا ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں صرف عقد سے اجرت میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ جز و جز و کر کے اس میں منافع کے قبضہ کے ساتھ ساتھ ملکیت ثابت ہوگی، پس موجر اجرت کے مطالبہ کا استحقاق تدریجاً رکھتا ہے، کیونکہ وہ معاوضہ جس میں کوئی شرط ذکر نہ ہو جب اس میں کسی ایک عوض پر ملکیت ثابت نہ ہو تو دوسرے عوض میں بھی ملکیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ عاقدین کے عقود میں برابری مطلوب ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں اجرت کب واجب ہوتی ہے؟ تین چیزوں میں سے ایک چیز کی وجہ سے اجرت واجب ہوتی ہے اور موجر اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

۱..... اجرت ارجنٹ بطور شرط رکھی گئی ہو عقد میں۔

۲......بغیر شرط کے ارجنٹ ادا کر دینا کیونکہ مستاجر کا اجرت تاخیر سے دینے میں اس کا حق ثابت ہوجاتا ہے پس وہ اس کے حق کو ارجنٹ ادائیگی سے باطل کر کے مالک بن سکتا ہے، جیسے اس پر کسی کا قرض ہو مؤجل تو وہ اس کو فوراً ادا کر دے۔

۳..... معقود علیہ یعنی منافع کی وصولی جو کہ تھوڑی تھوڑی ہوتی ہے یا وصولیابی کی قدرت یعنی شی عین مستاجر کے سپرد کر دینا، یا چابیاں دے دینا، کیونکہ مستاجر اس صورت میں عوض کا مالک ہو جاتا ہے اور موجر بھی عوض کا [illegible] اس کے مقابلہ میں معاوضہ مطلقہ میں عاقدین کے درمیان برابری ثابت کرنے کی وجہ سے۔ جب عاقدین کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اجرت مدت اجارہ مکمل ہونے کے

❶..... البدائع: ۱۹۵/۴ ❷ مغنی المحتاج ۳۵۸/۲ ❸ البدائع ۲۰۱/۴ ❹ المغنی لابن قدامہ ۵/۴۰۲

بعد واجب وثابت ہوگی تو اس طرح بھی جائز ہے، اس لئے کہ اجرت میں تاجیل ہے جیسا کہ ثمن میں بھی ہوتی ہے۔لیکن اگر عقد اجارہ میں کوئی شرط نہ لگائی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک متقدم ایک موخر۔ البتہ قول متقدم جو پہلا ہے یہی امام زفر کا قول بھی ہے وہ یہ کہ اجرت مدت اجارہ کے آخر میں واجب ہوتی ہے کیونکہ مدت کا منافع ہو یا مسافت کا معقود علیہا ہونے میں دونوں برابر ہیں پس جب تک اس نے سب کا سب نفع حاصل کرلیا تو اس کے بدلے کچھ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ اور امام صاحب کا قول متاخر جو کہ مشہور بھی ہے اور یہی صاحبین کا بھی قول ہے: وہ یہ کہ اجرت تھوڑی تھوڑی کر کے ثابت وواجب ہوتی ہے جیسے ایک دن گزرے متاجر اجرت سپرد کردے کیونکہ اجرت پر ملکیت منافع کے اعتبار سے آتی ہے اور منافع میں ملکیت تھوڑی تھوڑی کر کے وقتاً فوقتاً وقت گذرنے سے ہوتی ہے پس اجرت پر ملکیت بھی اسی طرح ثابت ہوئی[1] پس اس قاعدے کی وجہ سے اجرت وقتاً فوقتاً سپرد کرنا واجب ہوتی ہے جو متعذر کو مشکل ہے لہٰذا استحساناً یومیہ یا ایک مدت کے اعتبار سے لازم کی گئی ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اجرت کی معجّل یا موجل ہونے کے اعتبار سے تو ان حضرات نے لکھا ہے کہ اگر اجارہ، اجارۂ ذمہ ہو تو اس میں مجلس عقد ہی میں اجرت سپرد کرنا شرط ہے، کیونکہ یہ بیع سلم کے رأس المال کی طرح ہے گویا کہ متاجر کہتا ہے کہ میں آپ کو دس لیرے (رومی کرنسی کے) دوں گا آپ میرا یہ سامان فلاں جگہ تک پہنچادیں یا یہ کہتا ہے میں آپ سے اجرت پر لیتا ہوا لخ، کیونکہ اجرت کا موخر کرنا بیع الدین بالدین کے قبیل سے ہے۔ اور اگر اجارہ اجارۂ عین ہے پھر اگر اس میں اجرت متعین ہے مثلاً میں آپ کو اجرت پر لیتا ہوں ایک سال کے لئے اس مجموعی رقم کے بدلے، تو اس کو مؤجل کرنا صحیح نہیں اور اگر اجرت ذمہ میں ہے مثلاً کہا: اس مجموعے کی صفحات کے ساتھ تو اس کو معجّل اور مؤجل ادا کرنا اور بوقت اطلاق معجّل ادا کرنا واجب ہے، جیسا کہ عقد بیع میں حالاً اور موجل۔

۲...... مذکورہ خلاف پر ہی اجرت کے واجب ہونیکی کیفیت بھی متفرع ہے کہ حنفی اور مالکیہ کے ہاں موجر پر واجب ہے کہ عقد کے فوراً بعد شی مستاجرہ کو سپرد کردے، تاکہ متاجر اس چیز کی منفعت کا مالک بن گیا ہے، اور وہ اجرت کی وصولی تک اس کو روک کر نہیں رکھ سکتا، کیونکہ صرف عقد سے ان کے ہاں اجرت واجب نہیں ہوتی، پس یہ یومیہ طور پر اجرت کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے کیونکہ معقود علیہ یعنی منافع بھی متاجر اسی طرح وصول کررہا ہے گویا منافع بھی معدوم ہے تو اس پر اجرت واجب نہیں اور یہ بیع کے برعکس ہے کیونکہ بیع میں عقد کے بعد ثمن دینا واجب ہیں۔

۳......اور اسی اختلاف کے مطابق حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مستقبل کی طرف منسوب اجارہ جائز ہے، مثلاً وہ دوسرے شخص کو کہے کہ میں اپنا گھر تجھے فلاں مہینے کے شروع سے کرائے پر دیتا ہوں، یا پھر تمہیں ایک سال کے لئے کرائے پر رمضان المبارک کے شروع سے دیا، جبکہ عقد رجب میں ہورہا ہے، کیونکہ عقد اجارہ تھوڑا تھوڑا کر کے منعقد ہوتا ہے، معقود علیہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ پس عقد منفعت کے پائے جانے کے وقت ضمنی دلالت سے ہوگا، جبکہ یہ مستقبل کے اجارہ کی اجازت صرف اجارہ میں ضرورت کی وجہ سے ہے نہ کہ بیع میں۔ اور حنفیہ کے مذہب کے موافق اگر موجر، اجارہ پر دیئے ہوئے گھر کو فروخت کرے تو متاجر کے لئے اس کا خریدنا صحیح نہیں اگر وہ وقت نہ بھی آیا ہو جس کی طرف عقد اجارہ کو منسوب کیا ہوا ہے۔ حنابلہ نے اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے کہ بایں طور کہ یہ مدت مستقبل میں ہے تو اس کے ساتھ کسی اور سے عقد کرنا درست ہے لہٰذا اکیلے اس سے بھی عقد کرنا درست ہے اور سپرد کرنے کی قدرت کی شرط تو وجوب تسلیم کے وقت ہے جیسا کہ مسلم فیہ میں ہوتا ہے۔

اور شوافع کے ہاں:...... عین کا اجارہ منفعت مستقبلہ کے لئے درست نہیں جیسے گھر کا اجارہ آئندہ سال کے لئے یا سال کے لئے جو آئندہ کل سے شروع ہو، جب تک مدت عقد کے ساتھ متصل نہ ہو اجارہ درست نہیں کیونکہ اجارہ منفعت کی بیع ہے اور اس کے جواز کی

[1]...البدائع: ۴/ ۲۰۱۔

صورت ان کے ہاں یہ ہے کہ منافع کی مدت کو تقریری موجود مان لیا جائے عقد کے بعد، اس لئے کہ حکم عقد کے محل کا موجود ہونا ضروری ہے، تو منافع کو عین شمار کیا جائے گا، اور ایسے عین کی طرف عقد کی اضافت جو عین بعد میں پایا جائے گا صحیح نہیں، جیسا کہ عین کی بیع میں، البتہ اجارہ ذمہ اس میں منفعت کو مؤجل کرنا درست ہے مستقبل میں مدت معلوم ہو مثلاً میں آپ کے بوجھ کو مکہ پہنچانے کا ذمہ اپنے لئے لازم کرتا ہوں فلاں مہینے کے شروع میں۔ یہاں منافع کے اجارہ کے اور احکام بھی ہیں جو میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں وہ درج ذیل ہیں۔

اجارہ پر دی گئی شے سے نفع اٹھانے کی کیفیت...... جب کسی آدمی نے گھر، دکان یا اس طرح کی کوئی چیز منزل وغیرہ کرائے پر لی تو اس سے وہ جس طرح بھی چاہے نفع اٹھا سکتا ہے یعنی خود اس میں رہائش اختیار کرے یا کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے یا عاریۃً دے دے، نیز اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس میں وہ اپنا سامان رکھے یا کسی دوسرے کا سامان رکھوائے سوائے اس کے کہ اس میں کسی لوہار، دھوبی، آٹا پیسنے والے کو آٹے کے لئے اور ایسے استعمال کے لئے دے کہ جس سے عمارت کمزور ہوتی ہو جدید آلات وغیرہ کے لئے دینا صحیح نہیں ہوگا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اجارہ نفع حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، گھر وغیرہ رہائش کی صورت میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور رہائشی اعتبار سے لوگوں میں عادۃً کوئی تفاوت نہیں ہوتا، پس متعین کرنے کے بغیر بھی سب سے بہتر فائدہ معلوم ہے رہ گیا لوہار وغیرہ کا صحیح نہ ہونا، کیونکہ مطلق عقد لوگوں کے درمیان متعارف نفع کی طرف لوٹتا ہے، اور پیشہ ور حضرات کے آلات سے عمارت پر اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے عین اجارہ کی چیز کو نقصان ہوتا ہے اور اجارہ تو منفعت کی بیع کا نام ہے نہ کہ عین کی بیع کا اور یہ کہ مستاجر نفع کا مالک ہوتا ہے تو اس کو اختیار ہے اس سے خود نفع اٹھائے یا کسی دوسرے کو نفع کے لئے دے دے بطور اجارہ یا اعارہ۔

رہ گیا زمین کا اجارہ تو اس میں زراعت، درخت، عمارت وغیرہ بنانے کے اعتبار سے اس کی وضاحت ضروری ہے، ورنہ اجارہ فاسد ہوگا، اسی طرح اگر اجارہ زراعت کے لئے ہو تو پھر جو کچھ ہونا ہے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے، یا اس طرح اجارہ کرے کہ جو چاہے گا بوئے گا۔ ورنہ اجارہ فاسد ہوگا، اس لئے کہ زمین کے منافع عمارت کی تعمیر، زراعت اور جو کچھ بویا جائے اس کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور بیج زمین میں مختلف تاثیر کرتے ہیں۔

اور سواریوں (جانوروں) کے اجارہ میں دو چیزوں میں سے ایک چیز کا بیان کرنا ضروری ہے، مدت کا بیان یا جگہ کا بیان اگر ان دو میں سے ایک کی تعین نہ کی تو اجارہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اس کا بیان بھی ضروری ہے کہ سامان لادنا ہے یا سواری کرنی ہے، کیونکہ یہ دونوں فائدے مختلف ہیں، اور اسی طرح اس چیز کا بیان بھی ضروری ہے کہ اس پر کیا لادے گا اور کون سواری کرے گا، کیونکہ بوجھ محمول کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اور لوگ سواری کرنے میں متفاوت ہوتے ہیں، پس اس کا بیان نہ کرنا نزاع کی طرف لے جانے والا ہے، تو اجارہ فاسد ہوا اور جس وقت مستاجر منفعت کو عقد فاسد سے حاصل کرے گا تو اس پر قیاس کے اعتبار سے اجر مثل واجب ہوگا، کیونکہ اس نے عقد فاسد سے منافع حاصل کیا، جیسا کہ ہم ”حکم الاجارہ“ میں جان چکے ہیں، مگر استحساناً اجرت مسمی واجب ہوگی، کیونکہ مفسد عقد وہ جہالت ہے جو منازعت کی طرف لے جانے والی ہے اور وہ زائل ہو چکی، اور علت مفسدہ کے ختم ہونے سے فساد ختم ہو جاتا ہے۔

عین مستاجرہ کی درستگی...... کبھی کبھی گھر وغیرہ اصلاح درستگی کا محتاج ہوتا ہے مدت اجارہ میں مثلاً دیواروں کی لیپائی، پانی ٹپکنے کی جگہوں کا بند کرنا، اور صحیح اوزار کا خراب ہو جانا، اب اس اصلاح درستگی کو کون کرے گا یہ کس کے ذمہ لازم ہے؟ تو حنفیہ کے ہاں مالک مکان موجر اکیلا اس کی درستگی کا ذمہ دار ہے نہ کہ مستاجر کہ وہ اس کی دیواروں کی لیپائی کرائے، پانی آنے کی جگہوں کو بند کرے، اور جو چیز عمارت وغیرہ کی گر جانے، یعنی اس کو قابل نفع بنانا مالک کا کام ہے، کیونکہ گھر مالک کی ملکیت میں ہے، اور ملکیت کی اصلاح مالک کے ذمہ ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ اسے درست کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مالک کو اپنی مملوکہ چیز کی درستگی کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا، اور مستاجر کے لئے خیار ہے

اجارہ فسخ کرنے کا، کیونکہ یہ خلل عیب شمار ہوتا ہے معقود علیہ میں۔ اسی طرح موجر وہ ایک کے ذمہ ہے کنویں اور نالی وغیرہ کے ڈول کو درست کرنا، اگرچہ وہ مستاجر کے عمل سے بھر جائے لیکن اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اور مستاجر کے ذمہ وہ مٹی اٹھانا لازم ہے جو جھاڑوں وغیرہ کے ذریعہ جمع ہوگئی ہے جبکہ مدت اجارہ ختم ہو، کیونکہ مٹی اس کے عمل سے جمع ہوتی ہے تو یہ ایسا مٹی کی طرح ہوگئی جو گھر میں رکھی گئی ہو۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مستاجر ہی ذمہ دار ہو ڈول وغیرہ یا نالی وغیرہ کے بھر جانے کی صورت میں نکالنے کا، کیونکہ اس کا بھر جانا اس کے عمل سے ہے، پس کوڑا کرکٹ اور راکھ اٹھانے کی طرح یہ بھی وہ اٹھائے، مگر حنفیہ استحسان سے اس کے نکالنے کو مالک مکان کے ذمہ لگاتے ہیں عرف وعادت کی وجہ سے، کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ جو چیز زمین میں پوشیدہ ہو اس کا نکالنا مالک کے ذمہ ہے، اگر مذکورہ بالا اشیاء مستاجر نے درست کریں تو وہ اس میں متبرع شمار ہوگا، اس سے رقم کا حساب نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے غیر کی مملوکہ چیز کو اس کی طلب کے بغیر درست کیا ہے لیکن اگر اس نے یہ کام مالک یا اس کے نائب کے کہنے پر کیا تو پھر اس کی اجرت شمار ہوگی۔ ❶

مدت اجارہ ختم ہونے پر مستاجر کی ذمہ داریاں...... جب مدت اجارہ ختم ہوجائے تو مستاجر کے ذمہ بعض ذمہ داریاں ہیں ان میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

پہلی ذمہ داری...... مستاجر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گھر اور دکان وغیرہ کی چابی مدت اجارہ ختم ہونے کی بعد مالک کو دے دے۔

دوسری ذمہ داری...... اگر کسی شخص نے جانور وغیرہ ایک خاص شہر سے سواری یا سامان لادنے کے لئے لیا معلوم جگہ تک آنے جانے کے لئے تو مستاجر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس جگہ پر واپس پہنچائے جہاں سے اس نے لیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ اس کے ذمہ زادراہ واجب ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مسافت عقد کو شامل ہے، کیونکہ عقدہ اجارہ جانور کو واپس اس جگہ تک پہنچانے پر ہی ختم ہوجاتا ہے، اگر وہ جانور کو اپنے گھر لے گیا، اور اس کو ٹھہرائے رکھا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا تو یہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے تعدی کی ہے موضع عقد سے دوسری جگہ لے جانے میں۔ اگر مستاجر نے کہا: میں اس پر فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سوار ہوکر جاؤں گا اور واپس اپنے گھر آؤں گا۔ تو پھر مستاجر کے ذمہ مالک کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری نہیں، کیونکہ جب وہ اپنے گھر واپس آ گیا تو مدت اجارہ ختم ہوگیا، تو جانور اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر رہ گیا تو ودیعت کی طرح اس کو واپس کرنا لازم نہیں۔ اور اگر اس نے جانور کرائے پر لیا کہ وہ اس پر سوار ہوکر کسی بھی شہر میں وقت معلوم میں جائے گا، وقت گذر گیا تو مستاجر پر اس کا مالک کو لوٹانا واجب نہیں کہ وہ اس کے گھر پہنچائے، بلکہ موجر و مالک کے ذمہ ہے کہ وہ مستاجر کے گھر سے خود لے کر آئے، کیونکہ منفعت جو مستاجر نے حاصل کی وہ عوض کے بدلے تھی، اور وہ اجرت ہے جس کا موجر مستحق ہے پس مستاجر کے ذمہ واپس کرنا واجب نہیں تو ودیعت کی طرح یہ اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے اس کو کئی دن تک اپنے پاس روکے رکھا اور وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا، تو یہ کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا، برخلاف مستعیر اور غاصب کے کیونکہ یہ دونوں مالک تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ مستعیر عاریت سے نفع اٹھا رہا ہے بغیر عوض کے، اور غاصب کا مغصوب چیز میں کوئی حق نہیں۔ ❷

کام (عمل) کے اجارہ کے احکام...... کام کا اجارہ یہ ہے کہ معلوم عمل پر عقد کیا جائے مثلاً تعمیر عمارت، قمیض وغیرہ سینا سامان (بوجھ) ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، کپڑے رنگنا، جوتے سینا وغیرہ۔

اجیر کی دو قسمیں ہیں:

۱...... اجیر خاص ۲...... اجیر مشترک

---

❶...... البدائع: ۲۰۸/۴۔ ❷ البدائع: ۲۰۹/۴۔

اجیر خاص......وہ شخص ہے جو کسی ایک ہی آدمی کا کام کرے معلوم مدت تک اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے مستاجر کے علاوہ کسی دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں۔ اور اجیر مشترک وہ ہے جو عام لوگوں کا کام کرے جیسے رنگ ساز، لوہار، داغ لگانے والا یا کپڑے پریس کرنے والا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لئے تمام لوگوں کا کام کرنا جائز ہے، اور مستاجر اس کو کسی دوسرے کے کام سے منع کرنے کا مجاز نہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ دائی (دودھ پلانے والی) جیسے دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لی جاتی ہے وہ اجیر خاص کے حکم میں ہے، اس کے لئے کسی دوسرے بچے کو دودھ پلانا جائز نہیں۔ اگر اس نے کسی دوسرے بچے کو بھی اس بچے کے ساتھ دودھ پلایا تو یہ نافرمانی ہے، اور اگر اس بچے کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر یہ گناہ گار ہوگی۔

اور اس کے لئے دونوں بچوں کو دودھ پلانے کی اجرت ہوگی استحساناً، کیونکہ عقد مطلق دودھ پلانے پر ہوا ہے، اور یہ پایا گیا۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے اجرت نہ ہو، کیونکہ عقد اس کے عمل پر ہوا ہے لہٰذا غیر کے لئے عمل کرنے کی وجہ سے اجرت کی مستحق نہیں ہونا چاہئے۔

دائی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو دودھ دھوئے اور اس کی پرورش کرے جس چیز کا وہ محتاج ہے مثلاً غسل کرنا، کپڑے دھونا، اس کے لئے کھانا پکانا، اور بچے کے باپ کے ذمہ کھلانے کا خرچہ ہے، اور اسی طرح جس چیز کی بچے کو ضرورت ہے مثلاً تیل، خوشبو وغیرہ، باقی جو ''اصل'' (امام محمد کی کتاب) میں ہے کہ دائی کے ذمہ بچے کو خوشبو لگانا اور تیل لگانا ہے یہ اس علاقے کے لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

شوافع کے ہاں اجارہ کی دو قسمیں......شوافع کے ہاں اجارہ کی دو قسمیں ہیں:

ا......عین کا اجارہ ۲......ذمہ کا اجارہ۔

ا۔عین کا اجارہ......یہ ہے کہ جو کسی متعین چیز کی نفع سے متعلق ہو مثلاً یہ گھر، یہ گاڑی وغیرہ، اور اس میں تین شرطیں ہیں ا۔ اجرت متعین ہو، ۲۔ یا اجرت معلوم ہو لہٰذا ''ان دو گھروں میں سے ایک گھر کو اجارہ پر دیتا ہوں'' کے الفاظ سے اجارہ درست نہیں ہوگا، ۳۔ جس چیز کا اجارہ ہو رہا ہے متعاقدین نے اس کو دیکھا بھی ہو، پس اس گھر یا گاڑی کا اجارہ درست نہیں ہوگا جس کو عاقدین نے دیکھا نہ ہو، ہاں اگر اتنی مدت پہلے اس کو دیکھا تھا کہ اس مدت میں اس میں کوئی تبدیلی واقع ہونا ممکن نہ ہو تو درست ہے، نیز اجارہ کو مستقبل کی طرف مضاف نہ کیا جائے، جیسے گھر کا اجارہ آئندہ ماہ سے یا آئندہ سال ہے۔

۲۔ اجارہ ذمہ......وہ اجارہ جو موجر کے ذمہ کے نفع سے متعلق ہو، جیسے جانور یا کسی گاڑی کو کسی دوسری جگہ تک لے جانے کے لئے کرائے پر لینا، یا ایک خاص مدت تک کے لئے لینا، یا کسی متعین کام کو کرنا مثلاً عمارت تعمیر کرنا، کپڑے سینا، وغیرہ اس میں دو شرطیں ہیں۔ ا۔ اجرت نقد ہو، کیونکہ یہ اجارہ بیع سلم سے منافع کی پس رأس المال کو سپرد کرنا شرط ہے، ۲۔ عین مستجارہ کو متعین کرنا جنس، نوع اور صفت کے اعتبار سے جیسے گاڑی، کشتی، بڑی یا چھوٹی یا نئی یا پرانی۔

پانچویں بحث......شئی مستجارہ کا ضمان، اجیر کا ضمان اور عین کے ہلاک ہونے سے اس کی اجرت کے ساقط ہونے کا بیان

یہاں پر عین کے اجیر کا ضمان اور شئی مستاجرہ کے جس کو کوئی بھی فائدے کے لئے لے اس کے ضمان کے متعلق بات ہوگی۔

شئی مستاجرہ کا ضمان......منافع کے اجارہ میں مستاجر کے عین کے قبضہ کو قبضہ امانت شمار کیا جاتا ہے، پس اس کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر کوئی نقصان ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ اور نفع اٹھانا مقتضی عقد اور اس کی شرائط اور عرف سے مقید ہوگا۔

اجیر کا ضمان...... یہ بات معلوم ہے کہ اجیر کی دو قسمیں ہیں، خاص اور عام، اجیر خاص (تو وہ ہے جو مدت کے اندر اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دے تو اجرت کا مستحق ہوتا ہے چاہے کام نہ بھی کرے) جیسے گھروں میں نوکر اور کوٹھیوں کے چوکیدار وغیرہ تمام مذاہب کے آئمہ (یعنی حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اس شئی کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کو کام کرنے کے لئے دی گئی ہے، کیونکہ اس کا قبضہ وکیل اور مضارب کی طرح امانت کا قبضہ ہے، جیسے کسی شخص نے درزی کو اجرت پر لے لیا یا لوہار کو ایک دن یا ایک ماہ کے لئے کہ وہ صرف اس کا کام کرے گا، پس وہ چیز جو اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوگی اس کا یہ ضامن نہیں ہوگا، جب تک اس کی طرف سے کوتاہی اس کی حفاظت میں نہ پائی گئی ہو، چاہئے اس کے ہاتھ سے وہ چیز ضائع ہو جائے یا دوران کام ضائع ہو جائے۔ اور اجیر عام وہ ہے جو تمام لوگوں کا کام کرتا ہو یا جو اجرت کا مستحق کام کرنے کی وجہ سے ہوتا ہو، نہ کہ نفس سپرد کرنے کی وجہ سے۔ جیسے کاریگر، رنگ ساز دھوبی وغیرہ، اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ، زفر، حسن بن زیاد، صحیح مذہب کے مطابق حنابلہ اور امام شافعی ان کے صحیح قول کے مطابق البتہ یہ بات ہے کہ اس بات پر فتویٰ نہیں دیتے لوگوں کے فساد کی وجہ سے کہ اجیر مشترک کا قبضہ بھی قبضہ امانت ہے جیسے اجیر خاص، پس جو کچھ اس کے پاس تلف ہوگا وہ اس کا ضامن نہ ہوگا ہاں اگر کوتاہی اس کی طرف سے ہو تو پھر ضامن ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ضمان صرف توری کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ البقرۃ: ۲/ ۱۹۳

اب تعدی نہیں پائی گئی اس اجیر سے، کیونکہ یہ قبضہ کی وجہ سے اجازت یافتہ ہے، ہلاک ہونا اس کا سبب نہیں۔

صاحبینؒ اور امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے کہ اجیر مشترک کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگا وہ اس کا ضامن ہوگا اگر چہ اس کی کوتاہی بغیر ہی ہو ہاں اگر ہلاک عام آگ کی وجہ سے یا غرق غالب کی وغیرہ کی وجہ سے ہو یہ حضرات حضرت عمر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ بغدادی نے حنفیہ کی بعض کتابوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے کیونکہ لوگوں کے حالات تبدیل ہوئے ہیں اور کسی کی وجہ سے لوگوں کے مال محفوظ رہ سکتے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں...... اجیر مشترک پر ضمان ہوگا ان اعیان کا جن میں اس کے عمل کا دخل ہو، اور جو چیز اس کے ہاتھ سے تلف ہوا گر چہ اس میں اس کی کوتاہی نہ بھی ہو، جبکہ چیز بھی ایسی ہو کہ اس کا پوشیدہ رکھنا ممکن ہو، پس دھوبی اس کپڑے کا ضامن ہوگا جو اس کے ہاتھ سے پھٹے گا اور کھانے پکانے والا جو کھانا ضائع ہو اس کا ضامن ہوگا، اور روٹیاں پکانے والا جو روٹیاں ضائع ہوں گی ان کا ضامن ہوگا، اور قلی ضامن ہوگا اس بوجھ کا جو اس سے گرے گا، یا اس کے پھسلنے سے جو مال ضائع ہوگا، اونٹ بان (ساربان) اپنی قیادت کی وجہ سے جس چیز کو تلف کرے گا اس کا ضامن ہوگا اور اس اسی کے چھوٹ جانے کی وجہ سے جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے۔ اور ملاح اس کا ضامن ہوگا، جو اس کے ہاتھ سے تلف ہوگی یا اس کا جس سے کشتی باندھی جاتی ہے اور ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، قبضہ والے کے اوپر ضمان ہے چونکہ وہ واپس نہ دے دے اور وہ حدیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رنگ ساز اور سونا ڈھالنے والے کو ضامن قرار دیتے تھے، اور فرماتے تھے ”لوگ اس کے بغیر درست نہیں ہوتے“ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ اجیر مشترک کو ضامن قرار دیتے تھے، لوگوں کے مالوں کی احتیاط کی وجہ سے، نیز اس وجہ سے بھی کہ اجیر مشترک نے عین کو قبضہ کیا ہے منفعت کے لئے استحقاق کے بغیر لہٰذا مستاجر کی طرح ضامن ہوگا، اور اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے ہاں طعام والا اجیر جو کچھ اٹھایا ہے اس کا ضامن ہوگا، سد الذرائع۔

امانت سے ضمان میں چیز کب تبدیل ہوتی ہے...... شئی ماجور جیسے رنگنے کے لئے کپڑے یا سینے کے لئے یا کشتی میں موجود مال یا سواری پر لادا ہوا مال وغیرہ پر اجیر کا قبضہ امانت ہے اور یہ اس عام قاعدے کی وجہ سے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی موافقت کرنے

والے علماء کے ہاں ہے۔اسی بناء پر درج ذیل حالتوں میں امانت،ضمانت میں تبدیل ہوتی ہے:❶

پہلی حالت......حفاظت چھوڑ دینا کہ اجیر سامان کی حفاظت نہ کرے تو اس پر ضمان وتاوان لازم ہوتا ہے جیسا کہ مودع ودیعت کی حفاظت چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہے۔

دوسری حالت......تلف کرنا اور فاسد کرنا، جب اجیر اس میں کوتاہی کرے بایں طور کہ جان بوجھ کر اس کو ہلاک کر دے یا کپڑے کوٹنے میں مبالغہ کرے اور وہ پھٹ جائیں تو ان صورتوں میں ضامن ہوگا چاہے اجیر خاص ہو یا عام۔

اور اگر اجیر اس کو ضائع کرنے میں کوتاہی نہ کرے بلکہ غلطی سے وہ ضائع ہو جائے اس کے عمل کی وجہ سے تو اب اگر اجیر اجیر خاص ہے تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا،اور اگر اجیر مشترک (عام) ہے جیسے دھوبی جب کپڑے کوٹے اور وہ پھٹ جائیں یا اس کو کیمیکل ڈالے جس کی وجہ سے کپڑے جل جائیں یا ملاح کشتی کو جان بوجھ کر غرق کر دے یا قلی (بوجھ اٹھانے والا) زمین پر پھینک دے اور سامان ضائع ہو جائے، ہاں مشترک چرواہا جانوروں کو ہانکتے ہوئے بعض جانوروں کو مارے تو اس میں کوئی ہلاک ہو جائے تو ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور صاحبین کا ہاں ضمان تاوان ہوگا۔اس لئے کہ جس کام کی اجازت تھی وہ عمل صحیح تھا نہ کہ عمل مفسد کی،اور اس لئے بھی کہ عقل مند شخص اپنے مال کے ضائع ہونے پر راضی نہیں ہوتا،اور فاسد کے مقابلہ میں اجرت کا التزام نہیں کرتا،پس حکم مقید ہوگا اصلاح کے پہلو سے دلالۃً۔

شوافع اور امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں ان تمام صورتوں میں اجیر کی طرف سے اگر کوتاہی اور تعدی نہ پائی جائے تو اجیر ضامن نہ ہوگا،اس لئے کہ وہ فی نفسہ ماذون ہے اپنے عمل میں اگر اس کو اس کی اجازت نہ ہو تو پھر اس فساد سے بچنا ممکن نہیں،اس لئے کہ اس کے اختیار ہی میں نہیں ا س کام کو بغیر حرج کے پورا کرنا اور حرج منفی ہے۔❷

اجیر مشترک کا شاگرد......اگر ان مذکورہ بالا حالتوں میں اجیر عام کے شاگرد کے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع ہو جائے،تو اس شاگرد پر کوئی ضمان نہیں،بلکہ ضمان وتاوان اس کے استاد پر ہوگا اس لئے کہ اصل میں وہی جواب دہ ہے،تو گویا اس نے یہ خود کیا۔اگر شاگرد نے کپڑوں کو سفیدی کرتے ہوئے زیادہ رگڑا یہاں تک کہ کپڑے پھٹ گئے تو یہ شاگرد ضامن ہوگا کیونکہ کپڑوں کو رگڑنے کی اجازت نہ تھی۔اگر شاگرد کے ہاتھوں چراغ گر کر سفیدی والے کپڑے جل گئے تو اس صورت میں تاوان معلم (استاد) پر ہوگا،نہ کہ شاگرد پر کیونکہ چراغ لانے لے جانے کی اجازت ہے تو استاد ہی اس کا جواب دہ ہوگا،گویا کہ یہ کام اس نے خود کیا،اسی طرح اگر شاگرد سے کپڑے کوٹنے کی موسلی گر کر کپڑے پھٹ گئے تو تاوان استاد پر ہوگا،کیونکہ سفیدی کرنے کے کام سے ہے لہٰذا فعل اسی کی طرف منسوب ہوگا۔اگر وہ کپڑے جن پر موسلی گر گئی ہے ودیعت تھے تو ضمان شاگرد پر ہوگا،کیونکہ استاد سے شاگرد کے اسی کام کے بارے میں سوال ہو سکتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور استعمال کر سکتا ہے وہ صرف کاریگری کے پیشے سے متعلق۔❸

دانت نکالنے والا،سینگی لگانے والا اور ختنہ کرنے والا......یہ بات ذہن میں رہے کہ ان کا حکم پہلے حالات کے حکم سے مختلف ہے،جب یہ حضرات اپنا کام کریں پھر ان کے عمل کا اثر سرایت کر جائے اور وہ بندہ مر جائے تو ان کے ذمہ تاوان نہیں،کیونکہ اس سے بچنا ان کی طاقت میں نہیں۔❹

تیسری حالت......مستاجر اگر موجر کی شرائط کی مخالفت کرے صراحۃً دلالۃً تو یہ مخالفت تاوان واجب ہونے کا سبب بن جائے گی۔اور مخالفت کی کئی صورتیں ہیں یا تو جنس میں مخالفت ہوگی یا مقدار میں یا صفت میں یا مکان اور زمانے میں اور یہ مخالفت یا تو جانوروں کے اجارہ میں ہوگی یا کاریگروں کے اجارہ میں۔

---

❶......البدائع ۴/۲۱۱۔ ❷مغنی المحتاج: ۲/۳۵۱۔ ❸مجمع الضمانات بغدادی: ۴۳۔۴۵۔ ❹فتح القدیر: ۷/۲۰۶۔

جانوروں کے اجارہ میں مخالفت...... جانور کا نقصان یا تو ہلکے پن یا بوجھل بن کی وجہ سے ہوگی یا جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

(الف)......اگر جانور کا نقصان ہلکے پن یا بوجھ پن کی وجہ سے ہوتو، اگر لادی جانے والی چیز اس کے مثل ہے جس پر موجر اور مستاجر دونوں متفق ہیں یا اس سے کم ہے تو جانور کے ہلاک ہونے کی صورت میں مستاجر پر کوئی تاوان نہیں، اس لئے کہ لادی جانے والی چیز کی تعیین کی صورت میں کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ہی اس میں مخالفت ہے برابر ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے۔ اور اگر لادی جانے والی چیز متفق علیہ وزن سے زیادہ ہے، اب اگر وہ اس جنس کے علاوہ ہے جس کا کہا گیا تھا، مثلاً جو کی جگہ پر گندم لاددی اور جانور ہلاک ہوگیا تو مستاجر قیمت کا ضامن ہوگا، اور اس کے ذمہ اجرت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے جس کی موجر کی طرف سے اجازت نہیں تھی، اور اس وجہ سے کہ اجرت اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے اس لئے کہ ضمان واجب ہوا ہے اس کے غاصب ہونے کی وجہ سے تو غاصب پر اجرت نہیں ہوتی۔ ❶ اور اگر وہ چیز جو متفق علیہ وزن سے بوجھل ہے اسی جنس میں سے ہے جس پر اتفاق ہوا تھا، مثلاً گیارہ رطل لاددیئے، دس رطلوں کی جگہ پر اب اگر جانور صحیح سالم رہا تو مستاجر کے ذمہ صرف وہی اجرت ہے جو مقرر ہوئی تھی، اور اس کے ذمہ ضمان نہیں لیکن اگر جانور ہلاک ہوگیا، تو مستاجر کے ذمہ دو چیزیں ہیں ایک تو جانور کی قیمت کا گیارہواں حصہ اور دوسرے طے شدہ اجرت، اس لئے کہ جانور اسے فصل کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے جس کی اجازت بھی تھی اور ایسے کی وجہ سے بھی جس کی اجازت نہ تھی لہٰذا نقصان کو اسی مقدار میں گیارہ حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا، لہٰذا زیادہ مقدار کا ضامن ہوگا۔

(ب)......اگر جانور جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو مثلاً کسی نے ایک جانور روئی کی گٹھری لادنے کے لئے کرائے پر لیا اور اس پر لوہے کی گٹھری یا اس سے کم وزن لاددیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہوگیا تو مستاجر اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ روئی کا بوجھ جانور کی پیٹھ پر پھیل جاتا ہے، جبکہ لوہے کا بوجھ ایک ہی جگہ پر جمع رہتا ہے جس کی وجہ سے جانور کی پیٹھ زچ ہوجاتی ہے اور اس سے وہ زخمی ہوتا ہے، پس اس کی اس کو اجازت نہ تھی تو یہ غاصب ہوا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس پر اجرت نہ ہوگی، جیسا کہ گزر چکا۔ اسی پر متفرع ہے یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے اپنے سوار ہونے کے لئے جانور کرائے پر لیا، پھر اس نے کسی دوسرے کو سواری کے لئے دے دیا بوجھ میں اس سے بھاری یا ہلکا تھا اگر جانور ہلاک ہوگیا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ یہاں پر مخالفت بوجھل اور ہلکے ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ماہر اور ماہر نہ ہونے کے اعتبار سے ہے چونکہ اس اعتبار سے لوگوں میں واضح تفاوت پایا جاتا ہے۔ اور اگر جانور لیا اپنے سوار ہونے کے لئے پھر ساتھ ایک اور کو بھی سوار کرلیا، تو نصف قیمت کا ضامن ہوگا، یہ بھی اس صورت میں جبکہ جانور پر دو کا سوار ہونا ممکن ہو، کیونکہ اتلاف اس صورت میں اجازت شدہ اور غیر اجازت شدہ عمل کی وجہ سے ہوا ہے۔ لیکن اگر جانور دو کے سوار ہونے کا متحمل نہ تھا اور دو سوار ہوگئے تو پوری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ دوسرے کو سوار کرنے کی وجہ سے نقصان ہوا۔

اگر کسی نے جانور زین کے اوپر والے کمبل کے ساتھ کرائے پر لیا پھر اس کمبل کو اتار دیا اور زین ڈال دی تو اس پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ زین کا نقصان کمبل سے کم ہے، اس لئے کہ زین جانور کی پیٹھ کا کم نقصان کرتی نہ کے کمبل۔ اگر کسی نے گدھا لیا زین سمیت پھر اس پر ایک اور زین ڈال دی اب اگر وہ پہلی زین کی طرح ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ دو زینوں میں نقصان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، لیکن اگر اس پر اس نے گھوڑے والی زین ڈالی تو ضامن ہوگا، کیونکہ وہ بڑی ہوتی ہے جس کی وجہ سے نقصان زیادہ ہوتا ہے گویا یہ جانور ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی نے گدھا زین سمیت کرائے پر لیا اور اس سے زین اتار دی اور اس پر پالان رکھ دیا جس کی وجہ سے گدھا مر گیا تو امام محمدؒ

❶ المبسوط: ۱۵/۱۴۷۔

کی کتاب ''اصل'' میں ہے کہ زین سے جتنی مقدار پالان کی زیادہ ہے اس مقدار کا ضامن ہوگا۔ اور جامع صغیر میں امام محمدؒ نے حنفیہ کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق پوری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ پالان بوجھل ہونے میں۔ زین سے کہیں کم نہیں۔ بلکہ یہ اس سے مختلف صرف اس اعتبار سے ہے کہ اس کے ذریعہ جانور کی پیٹھ زیادہ زخمی ہوتی ہے بنسبت زین کے، اور مختلف ہو یا جب بوجھ کے اعتبار سے نہ ہو تو ضمان پوری چیز کا ہوتا ہے جو ہلاک کرنے والی ہے۔ اور صاحبین کے ہاں زیادہ مقدار کا ضامن ہوگا، کیونکہ پالان اور زین دونوں میں سے ہر ایک پر سوار ہوا جاتا ہے عادۃً ان میں اختلاف بوجھل اور ہلکے ہونے کے اعتبار سے ہے، کیونکہ پالان زیادہ بوجھل ہے، لہٰذا بقدر بوجھ ضامن ہوگا، اگر کسی نے خالی گدھا بغیر زین کے کرائے پر لیا، پھر اس پر زین رکھ کر سواری کی جس کی وجہ سے وہ مرگیا تو یہ ضامن ہوگا، کیونکہ زین بوجھل ہوتی ہے جانور کے لئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اسے شہر کے اندر کے لئے کرئے پر لے، اور یہ گدھا بھی ایسا ہو کے عام طور پر شہر میں اس پر بغیر زین کے سواری کی جاتی ہو، لیکن اگر اس نے شہر سے باہر کے لئے کرائے پر لیا تو پھر ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ گدھے پر ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لئے زین اور بانوں استعمال ہوتا ہے اور جسیم شخص عادۃ بغیر زین کے سواری نہیں کرے پس زین دلالۃً ماذون فیہ ہے لہٰذا ضامن نہیں ہوگا۔

(ج).....اگر مخالفت جگہ کے اعتبار سے ہو بایں طور کہ ایک مخصوص جگہ تک کے لئے جانور سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرائے پر لیا، اور پھر اس جگہ سے آگے نکل گیا، تو کل قیمت کا ضامن ہوگا۔

(د).....اگر مخالفت وقت اور زمانے کے اعتبار سے ہو۔ بایں طور کہ مخصوص وقت تک کے لئے جانور سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرائے پر لیا پھر طے شدہ وقت سے زیادہ وقت لگایا اور اس کے پاس وہ ہلاک ہوگیا تو بھی قیمت کا ضامن ہوگا غاصب ہونے کی وجہ سے اور کاریگروں کے اجارہ میں یعنی جولا ہے، درزی، رنگ ساز وغیرہ کے اجارہ میں تو اگر جنس کی حالت میں مخالف ہو بایں طور ایک شخص نے اگر رنگ ساز کو ایک متعین رنگ کرنے کے لئے کپڑے دیئے اور اس نے دوسرا رنگ کردیا، تو کپڑے والے کو اختیار ہے چاہے تو رنگ ساز سے کپڑوں کی قیمت لے لے اور چاہے تو رنگ ساز سے کپڑے لے لے اور جو زیادہ رنگ اس نے لگایا اس کی قیمت دے دے اور اسی طرح اگر کسی نے درزی کو سوتی کپڑا دیا قمیض سینے کے لئے درزی نے واسکٹ یا کوٹ بنادیا تو اب کپڑے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو سوتی کپڑے کی قیمت درزی سے لے لے یا اس سے سلا ہوا کوٹ ہی لے لے اور اجرت مثل دے دے۔

(ہ).....اگر مخالفت صفت میں ہو بایں طور کہ رنگ ساز کو ایک متعین رنگ کرنے کے لئے کپڑے اور اس نے اسی رنگ کی جنس میں سے کوئی دوسرا رنگ کردیا تو کپڑے والے کو اختیار ہے چاہے قیمت لے لے یا وہی کپڑا لے لے اور اجرت مثل دے دے۔

اسی طرح اگر مقدار میں اختلاف ہو مثلاً ایک شخص جولا ہے کو دھاگہ دے ایک خاص موٹائی میں بننے کے لئے اور اس نے زیادتی یا نقصان میں مخالفت کی تو زیادہ موٹا ہونے کی صورت میں کپڑے (دھاگے) والے کو اختیار ہے چاہے تو دھاگے کے برابر قیمت لے لے یا دھاگہ لے لے اور اجرت مقررہ کردے۔ اور باریک بننے کی صورت میں دو روایتیں ہیں ایک کتاب ''الاصل'' کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کپڑا لے لے اور اس کے حساب سے جولاہے کو اجرت دے دے اور دوسری روایت میں کہ کپڑے والا اجرت مثل دے دے ان سب کے دلائل بدائع الصنائع وغیرہ میں دیکھ لئے جائیں اور اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو دوسری کتب کھنگالی جائیں۔

عمل (کام) کے اجارہ میں عین کے ہلاک ہونے سے اجیر کی اجرت کا ساقط ہونا..... ماقبل میں ہم اجیر مشترک کے بارے میں جمہوری رائے جان چکے ہیں کہ اس کا قبضہ، قبضہ امانت ہوتا ہے، پس وہ عین کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا یہ الگ بات ہے اگر اس نے تعدی اور کوتاہی کی تو ضامن ہوگا۔ اور جمہور کے علاوہ یعنی مالکیہ اور حنفیہ میں سے صاحبین کے ہاں اجیر مشترک کا

، قبضہ ضمان ہے: وہ ہلاک شدہ شئی کا ضامن ہوگا اگرچہ اس کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر ہو۔ رہ گیا عین، مستاجرہ کا ضمان تو اس بارے میں کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہیں کہ شئی مستاجرہ اجیر کے قبضہ میں امانت ہے اگر بغیر کوتاہی کے وہ ہلاک ہوجائے یا اس میں کوئی عیب ہوجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ عین پر قبضہ نفع اٹھانے کے لئے ہے جس کا وہ مستحق ہے لہٰذا یہ امانت ہوتی اور اس بناء پر کہ اجیر قبضہ کون سا ہے اب بات یہ ہے کہ اجارۂ عمل کی صورت میں اگر عین ہلاک ہوجائے تو کیا اجرت ساقط ہوگی یا نہیں۔

شوافع کے ہاں...... شافعیہ کے ہاں جب اجیر مستاجر کی ملک میں یا اس کی موجودگی میں کام کرے تو اس پر اجرت واجب ہے کیونکہ ں کے قبضہ میں ہے پس جب وہ کام کرے گا تو گویا وہ چیز اس کو سپرد کرنے والا ہوگا، لیکن اگر کام اجیر کے قبضہ میں ہو تو اس چیز کے ہلاک نے کی وجہ سے اجرت کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ اپنا کام اس نے سپرد نہیں کیا۔

حنفیہ کے ہاں...... بھی یہی حکم ہے لیکن ان کے مذہب کے موافق کچھ تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ حنفیہ کہتے ہیں وہ عین جس میں کام کر رہا ہے یا تو اجیر کے قبضہ میں ہوگی یا مستاجر کے قبضہ میں۔ [1]

اگر عین شئی اجیر کے قبضہ میں ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں: ا...... اگر اجیر کے کام کا اثر عین میں ظاہر ہوتا ہو جیسے سلائی، یزی، سفیدی وغیرہ کرتا تو مطلوب سپرد کرنے پر اجرت واجب ہوگی، اگر وہ شئی ہلاک ہوگئی سپرد کرنے سے پہلے اجیر کے ہاتھ میں جرت ساقط ہوجائے گی، کیونکہ معقود علیہ پر اثر یعنی کپڑے کا سلا ہوا ہونا سپرد نہیں کیا گیا اور عوض اس اثر کے مقابل تھا تو یہ بیع کی ح ہے۔

۲...... اور اگر اجیر کے کام کا ظاہری اثر عین میں نہ ہو جیسے قلی، ملاح وغیرہ تو کام مکمل ہونے پر اجرت واجب ہوگی اگرچہ وہ شئی کو مالک سپرد نہ بھی کرے، کیونکہ عوض (اجرت) عمل کے مقابل ہے، پس جب مدت اجارہ مکمل ہو تو وہ عمل سے فارغ ہوگیا تو وہ عین کو مالک کے رکرنے والا شمار ہوگا تو عمل مکمل ہونے کے بعد عین کے ہلاک ہونے سے اجرت ساقط نہ ہوگی۔

عین کو اجرت کی وصولی تک روکے رکھنا...... ان دونوں حالتوں کے حکم کے مختلف ہونے کی وجہ سے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عمل کا میں اثر ہو تو اجیر کو اجرت وصول کرنے تک عین کو روکنے کا حق ہے، کیونکہ بدل (اجرت) اثر مطلوب کے عوض میں ہے۔ اور جس عمل کا میں اثر نہ ہو تو اس کو روک بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ عمل معقود علیہ عین شئی میں نہیں اسی وجہ سے حنفیہ کے ہاں اگر قلی اپنی اجرت کی وصولی کے سامان کو روکے رکھے یہاں تک کہ اس کے پاس وہ ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن ہوگا، کیونکہ عین (سامان) اس کے قبضہ میں امانت تھا جب نے اس کو روک لیا تو غاصب ہوگیا لہٰذا ضامن ہوگا۔

اگر عین شئی مستاجر کے قبضہ میں ہو...... بایں طور کہ اجیر، مستاجر کی ملکیت میں یا اس کی ملک وغیرہ ہی میں کام کرے تو اجیر عمل فارغ ہونے کے بعد اجرت کا مستحق ہوگا اگر کام مکمل کرلیا اور اگر کام مکمل نہیں ہوا کچھ ہوا تو اس کی مقدار اجرت کا مستحق ہوگا اور جو کام ہوچکا دکرنے والا ہوگا اور وہ مطالبہ کا مالک ہوگا مدت اجارہ میں۔

پس اگر کسی نے کوئی شخص دیوار بنانے کے لئے اجرت پر رکھا، گھر میں یا اپنی ملکیت میں بایں طور کہ اپنے گھر میں کمرہ بنانے یا چھت ، یا دفتر بنانے یا کنواں کھودنے، یا قناۃ بنانے یا نہر بنانے کے لئے اجرت پر لیا اس نے کچھ کام کر دیا تو اس کو بقدر عمل اجرت کے مطالبے کا ہے، لیکن اس کو کام مکمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر عمارت گر گئی یا کنواں خراب ہوگیا یا دفتر گر گیا اب اگر یہ کام مکمل ہونے

---

[1] البدائع: ۴/۲۰۴۔

کے بعد گرے تو اجرت ساقط نہ ہوگی اور اگر مکمل ہونے سے پہلے گر گئے تو بقدر عمل اجرت کا مستحق ہوگا۔

یہ مسئلہ اس مسئلے کے برخلاف ہے کہ جب مستاجر کی ملک میں یا اس کے قبضہ میں کام نہ کرے، کیونکہ اس صورت میں کام مکمل کرنے تک اجرت موقوف رہے گی، جب اجیر عمل کو مستاجر کے سپرد نہیں کرے گا تو مستاجر قبضہ کرنے والے شمار نہ ہوگا اور معقود علیہ کے خراب ہونے کی وجہ سے اجرت ساقط ہوگی یا سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہونے کی وجہ سے۔

اسی وجہ سے جب کسی نے کسی کو اینٹیں بنانے کے لئے اپنی ملکیت یا قبضہ میں اجرت پر لیا تو اینٹیں بنانے والا اجرت کا مستحق نہ ہوگا اور مستاجر بھی قابض شمار نہ ہوگا یہاں تک کہ اینٹیں خشک نہ ہو جائیں اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ان کو اکٹھا نہ کر دیا ہو، کیونکہ یہ معمار اس کے عمل کا اتمام ہے، اور صاحبین کے قول کے مطابق جب تک اینٹوں کو تہ بہ تہ نہ رکھے اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ اس پر اس کا کام ختم ہوتا ہے۔ اسی خلاف کی وجہ سے اگر اینٹیں نصب کرنے سے پہلے ضائع ہو گئیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اور اگر تہ بہ تہ رکھنے سے پہلے ضائع ہو گئیں صاحبین کے ہاں اجرت کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ عمل مکمل ہونے سے پہلے ضائع ہوئی ہیں۔

اور اگر اینٹیں مستاجر کی ملک یا قبضہ میں نہیں بنا رہا تو جب تک مالک کو اینٹیں سپرد نہ کر دے اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اور سپرد کرنا یہ ہے وہ مستاجر اور اینٹوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نصب کے بعد ''وصاحبین'' کے ہاں تہ بہ تہ رکھنے کے بعد کیونکہ اینٹیں مستاجر کے قبضہ میں بنیں گی کہ عمل اس تک پہنچایا ہوا مراد لیا جائے، لہٰذا عمل سے فارغ ہونے کے بعد درمیان سے رکاوٹ ہٹانا ضروری ہے۔

اور اسی کی مثل ہے جب انسان درزی کو اپنے گھر میں سلائی کے لئے لائے اب اگر اس نے قمیص کا کچھ حصہ سے دیا تو اس کے لئے اجرت نہیں ہوئی کیونکہ یہ عمل منتفع نہیں جب اس سے فارغ ہوا پھر وہ ضائع ہو یا تو اس کی اجرت دی جائے گی اور اس پر امام صاحب کے قول کے مطابق ضمان نہیں ہوگا کیونکہ مالک کی موجودگی میں وہ اپنا عمل سپرد کرنے والا ہے اور صاحبین کے ہاں عین کا ضامن ہوگا اگر مالک کو سی کر نہ دے تو ضمان سے بری نہ ہوگا اب اگر وہ ہلاک ہو گیا تو چاہے تو کپڑے کی قیمت دے دے اور اجرت نہ ملے گی اور چاہے سلے ہوئے کپڑے کی قیمت دے دے تو اس کو اجرت ملے گی۔

چھٹی بحث...... عاقدین کا اجارہ میں اختلاف

جب عاقدین عقد اجارہ میں بدل، مبدل کے سلسلے میں اختلاف کریں اور یہ اجارہ صحیح ہی ہو تو یہ اختلاف یا تو منافع حاصل کرنے سے پہلے ہوگا یا منافع حاصل کرنے کے بعد۔ اگر منافع حاصل کرنے سے پہلے اختلاف ہو تو دونوں کو حلف دیا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جب دو خرید و فروخت کرنے والے اختلاف کریں تو دونوں حلف اٹھائیں اور وہ چیز واپس کر دیں۔'' اب چونکہ اجارہ بھی بیع کی ایک قسم ہے اس کو بھی حدیث شامل ہوگی جب حلف اٹھائیں گے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر کوئی ایک حلف سے انکار کرے گا تو اس کے ذمہ دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔ اگر دونوں نے اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دیئے، اب اگر اختلاف بدل میں ہے تو موجر (مالک) کے گواہ معتبر ہوں گے۔ کیونکہ یہ زیادہ اجرت ثابت کر رہے ہیں اور اگر اختلاف مبدل میں ہو تو مستاجر کے گواہوں پر فیصلہ ہوگا، کیونکہ یہ نفع زیادہ ثابت کر رہے ہیں۔

اور اگر اختلاف مستاجر کے کچھ منفعت حاصل کرنے کے بعد ہو مثلاً کچھ مدت وہ مکان میں سکونت اختیار کرنے کے بعد یا سواری پر سوار ہو کر کچھ سفر طے کرنے کے بعد بات کرتا ہے تو پھر مستاجر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ، اور دونوں قسمیں اٹھائیں گے اجارہ فسخ ہو جائے گا باقی

میں، کیونکہ عقد منافع پر ہوتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے جس طرح منافع پیدا ہوتا رہے تو سارا معقود علیہ منفعت کے اجزاء تھے ابتداء ہی سے لہٰذا باقی مدت اور مسافت کو علیحدہ شمار کیا جائے گا اس میں قسم اٹھائیں گے دونوں۔ اور اگر ان دونوں میں اختلاف مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد ہوا ہو یا اس مسافت تک پہنچنے کے بعد ہوا تو عقد مکمل شمار ہوگا دونوں حلف نہیں اٹھائیں گے اور بات مستاجر کی معتبر ہوگی بدل میں قسم کے ساتھ موجر پر قسم نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں کو قسم دینا اجارہ فسخ کرنے کے لئے ہے اور یہاں منافع موجود ہی نہیں کہ عقد فسخ، لہٰذا تحالف نہیں ہوگا۔

اگر درزی اور کپڑے والا اختلاف کریں، کپڑے والا کہے کہ میں نے تمہیں کہا تھا قباء بنانی ہے اور درزی کہے: آپ نے قمیص بنانے کا کہا تھا یا کپڑے والا کہے میں نے سرخ رنگ کرنے کا کہا تھا اور آپ نے زرد رنگ کر دیا اور رنگ ساز کہے نہیں، بلکہ آپ نے زرد رنگ ہی کہا تھا، تو بات کپڑے والے کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی یہ شوافع کے مذہب میں ظاہر قول ہے، کیونکہ اصل اجازت تو مالک کی جانب سے ہوتی ہے اگر وہ مطلقاً ہی انکار کر دے تو اسی کی بات معتبر ہوگی تو اسی طرح اگر وہ اجازت کی صفت میں انکار کرے، جب مالک ان حالات میں قسم کھالے تو درزی ضامن ہوگا، یعنی مالک کو اختیار ہے چاہے تو درزی کو ضامن بنائے یا چاہئے تو درزی کو اجرت مثل دے کر کپڑے لے لے اور رنگ ساز والی صورت میں بھی اسی طرح اختیار ہے۔

اگر جولاہے اور کپڑے والے کا اختلاف ہو جائے، اجرت میں، کپڑے والا کہے آپ نے بغیر اجرت کے بنا کر دیئے ہیں اور جولاہا کہے اجرت پر بنا کر دیئے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں کپڑے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ اس کے کام کی قیمت کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس کا عمل عقد کی وجہ سے قیمتی ہوتا ہے اور ضمان کا بھی انکار کر رہا ہے، جبکہ جولاہا اس کا دعویٰ کر رہا ہے تو بات منکر کی معتبر ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اگر یہ معاملہ ان کے درمیان پہلے اجرت پر ہوتا رہا ہے تو اب بھی جولاہے (بننے والے) کے لئے اجرت ہوگی، ورنہ نہیں، کیونکہ پہلے جو معاملہ ہوا ہے وہ اجرت طلب کرنے میں مددگار ہے جس کی وجہ سے ان کی عادت ظاہر ہو جائے گی۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر بنانے والا (جولاہا) اجرت کے ساتھ بنانے میں مشہور ہو تو پھر اس کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ اس نے دکان کھولی ہی اجرت پر کام کرنے کے لئے ہے جو اجرت پر کام کرنے کے لئے نص ہے ظاہر پر حکم ہونے کی وجہ سے، صاحب ھدایہ نے ھدایہ میں فرمایا: قیاس کا تقاضا بھی وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کیونکہ مالک منکر ہے اور صاحبینؒ کے استحسان کا جواب یہ ہے کہ ظاہر حال سے استدلال دفع حق کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اثبات حق کے لئے جبکہ اس مسئلہ میں اثبات حق مطلوب ہے اور یہ صرف ظاہر حال یا قرنیہ سے استدلال کر کے ثابت کرنا کافی نہیں بلکہ گواہوں اور اقرار کی طرح مضبوط دلیل کی ضرورت ہے۔

شوافع کہتے ہیں: اگر اختلاف موجر اور مستاجر میں ہلاکت یا عیب کے سلسلے میں ہو تو مستاجر کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ امین ہے اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی اور اگر واپس لوٹانے میں اختلاف ہے بایں طور کہ مستاجر شئی عین کے موجر کے پاس لوٹانے کا دعویٰ کرے اور موجر اس کا انکار کرے تو موجر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ اصل نہ لوٹانا ہے تو قول منکر کا ہوگا قسم کے ساتھ۔

ساتویں بحث......عقد اجارہ کا ختم ہونا

۱.....صفت الاجارہ کی بحث میں یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ وراثت موجود مملوک میں جاری ہوتی ہے اور یہ بات کے اجارہ میں منافع تھوڑا تھوڑا کر کے پیدا ہوتا ہے تو عورت کی موت کے وقت یہ معدوم ہوگا اس کا مملوک نہیں ہوگا، اور جب تک مالک نہ ہو تو اس کی وراثت جاری کرنا وارث کے ساتھ تجدید عقد سے ہی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں تا کہ عقد مالک کے ساتھ قائم ہوا گر وکیل اجارہ فوت ہو جائے تو اجارہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ عقد اجارہ اس کے لئے نہیں تھا، بلکہ عاقد کے لئے تھا، اگر دائی یا بچہ مر جائے تو اجارہ ختم ہو جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک معقود لہ ہے۔ جمہور کے ہاں عاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے

سے اجارہ ختم نہیں ہوتا ہے کیونکہ بیع کی طرح یہ بھی عقد لازم ہے، یعنی مستاجر کی وجہ سے بیک وقت ہی منافع کا مالک ہوجاتا ہے لہٰذا اس کی وراثت ہوگی لیکن دائی یا بچے کے فوت ہونے کی وجہ سے اجارہ فسخ ہوجائے گا کیونکہ محل کے فوت ہونے کی وجہ سے منفعت فوت ہوگئی جوکہ دائی ہے کیونکہ معقود علیہ کو وصول کرنا متعذر ہے، کیونکہ اس بچے کے لئے غیر کو قائم مقام بنانا ممکن ہے۔

۲.....اقالہ سے بھی اجارہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ اجارہ معاوضہ مال بالمال ہے یہ اقالہ کا محتمل ہے جیسے بیع۔

۳.....اگر شئی موجرہ معین ہو اور وہ ہلاک ہوجائے جیسے معین گھر یا متعین سواری تو اجارہ ختم ہوجائے گا، اسی طرح جس چیز پر اجارہ ہو وہ ہلاک ہوجائے مثلاً درزی کو دیے ہوئے کپڑے یا رنگ کے لئے دیئے ہوئے کپڑے ہلاک ہوجائیں تو بھی اجارہ ختم ہوجائے گا کیونکہ ہلاکت کے بعد معقود علیہ کی وصولی ممکن نہیں تو عقد باقی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اگر مطلق جانوروں کا اجارہ ہو بوجھ یا سواری کے لئے مستاجر نے جانور سپرد کردیئے پھر وہ ہلاک ہوگئے تو اجارہ باطل نہ ہوگا بلکہ موجر کے ذمہ ہے کہ وہ ان کے علاوہ دوسرے جانور مہیا کرے تاکہ سامان اٹھایا جاسکے اور موجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں اس لئے کہ اجارہ ایسی منفعت پر ہوا ہے جو ذمہ میں ہے اور موجر اس کو پورا کرنے سے عاجز بھی نہیں اور سامان دوسری جگہ منتقل کرتا ہے اور یہ مسئلہ بالاتفاق ہے چاروں ائمہ کے ہاں۔ ❶ امام زیلعی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کی رائے کو لیتے ہوئے فرمایا: اصح یہ ہے کہ اس حالت میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ منافع اس طور پر ضائع ہوا ہے کہ اس کی واپسی متصور ہے، اور عمارت گرنے کے بعد کہ اس حالت میں اجارہ فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ منافع اس طور پر ضائع ہوتے ہیں کہ اس کی واپسی متصور ہے، اور عمارت گرنے کے بعد اس کا صحن استعمال میں آسکتا ہے خیمہ وغیرہ گرا کر اور ظاہر بات یہی ہے کہ حنفیہ کے ہاں یہی اصح رائے ہے، یعنی اجارہ بڑی قوت سے بھی فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ گھر کا منعدم ہو مکمل طور پر دلیل اس کی وہ جس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا اور ابن عابدین علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے کہ اگر گھر خراب ہوجائے تو پوری اجرت ساقط ہوجائے گی اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا جب تک مستاجر اس کو فسخ نہ کرے اور یہی اصح ہے، اور ابن عابدین رحمہ اللہ نے مزید اضافہ فرمایا کہ سارے گھر کے منعدم ہونے پر مستاجر، موجر کی عدم موجودگی میں بھی فسخ کرسکتا ہے، اور موجر اس وقت تک فسخ نہیں کرسکتا جب تک مستاجر فسخ نہ کرے کیونکہ خیمہ وغیرہ لگانے کی صلاحیت اس جگہ میں ہے۔

۴.....مدت ختم ہونے پر بھی اجارہ ختم ہوجائے گا ہاں اگر عذر ہو تو پھر نہیں، اس لئے کہ جو چیز ایک غایت کے لئے ثابت ہو تو غایت کے پائے جانے کے وقت وہ ختم ہوجاتی ہے پس اجارہ مدت ختم ہونے پر ختم ہوجائے گا ہاں اگر وہاں کوئی عذر ہو بایں طور کہ مدت ختم ہوگئی لیکن زمین میں کھیتی ہے جو کاٹی نہیں گئی تو کاٹنے تک اجرت مثل پر وہ کھیتی چھوڑی جائے گی اور مدت ختم ہونے پر اجارہ کا ختم ہونا فقہاء کے درمیان متفقہ فیصلہ ہے۔

چوتھی فصل......انعام کا وعدہ

اس فصل میں ہم جعالہ کی تعریف اس کی مشروعیت اس کے صیغے، اس کے اور اجارہ عمل کے درمیان فرق، اس کی شرائط، صفت، حکم اس میں کمی زیادتی اور عامل اور رب المال کے اختلاف کا تذکرہ کریں گے۔

تعریف......جعالہ، جعل اور جعلیت کا لغوی معنی ہے وہ چیزیں جو انسان کو کسی کام کے کرنے پر دی جاتی ہے اور قانونیین کے ہاں اس کو انعام کا وعدہ کہتے ہیں یہ عقد لازم ہے منفرد طور پر۔ اور شر۔ سی متعین یا مجہول کام جس کا معلوم کرنا مشکل ہو کے بدلے میں معلوم بدلہ عوض دینا۔ ❶ مالکیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے: ❷ یہ اجارہ ہے ایک ایسی منفعت کے بدلے میں جس کا حاصل ہونے کا گمان ہو، مثلاً کہنے والے

❶.....البدائع: ۱۹۶/۴، ۲۲۳، المغنی: ۴۱۵/۵۔

کا کہنا: جس نے میرا بدکا ہوا جانور واپس لا کر دیا یا میرا گم شدہ سامان لا کر دیا یا میرے لئے یہ دیوار بنائی یا یہ کنواں اتنا کھودا کہ اس میں پانی آجائے یا مجھے قمیض سی کر دی تو اس کے لے اتنی رقم ہے۔

اسی میں سے وہ رقم بھی ہے جو پہلے کام کرنے والے یا گھوڑ دوڑ میں سبقت کرنے والوں کے لئے مقرر ہوتی ہے، یا قائد جس متعین رقم یا حصے کا التزام کرے مال غنیمت میں سے اس شخص کے لئے جو قلعے پر مضبوطی دکھائے یا ہوائی جہاز گرائے۔

اسی انعام میں سے ہے وہ وعدہ جو کسی خاص بیماری سے شفاء پر ڈاکٹر کے لئے خاص کیا جاتا ہے، یا استاد کے لئے بچے کو حفظ کرانے پر اور فقہاء اس کی مثال بدکے ہوئے جانور کو واپس لانے اور بھاگے ہوئے غلام کو لانے سے دیتے ہیں۔

انعام کی مشروعیت......حنفیہ کے ہاں مطلقاً جعالہ کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں دھوکہ ہے چونکہ عمل ہی مجہول ہے اور مدت بھی یہ قیاس کیا ہے ان تمام اجاروں پر جن کے لئے عمل اجرت اور مدت وغیرہ شرط ہیں، البتہ بھگوڑے غلام کو لانے پر انہوں نے استحسانا اجازت دی ہے اگر چہ یہ بلا شرط بھی ہو مسافت سفر یا اس سے زیادہ موت کی اور جعل کے مقدار چالیس درہم ہیں مدت سفر کے نفقہ کے برابر اگر اس سے کم ایام میں وہ واپس لوٹا دے تو پھر اس کے حساب سے اس کو انعام ملے گا پس اگر اس نے دو دن کی مسافت میں واپس لا کر دیا تو اس کو دو ثلث (۲/۳) ملے گا اور اگر ایک دن میں لا کر دیا تو اس کو (۱/۳) ملے گا، اور اگر اس سے بھی کم وقت میں کسی نے لا کر دیا تو مثلاً اپنے ہی شہر سے واپس لے کر آیا تو اس کو عمل کی بقدر اجرت ملے گی اور عمل اس کا بھگوڑے غلام کو مالک تک پہنچانا ہے، پس انعام دینا مالک کے مال کی حفاظت ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں انعام دینا جائز ہے استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد جس میں یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ان کے بھائیوں کے ساتھ ذکر ہے:

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝ یوسف ۱۲/ ۷۲

”وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا گلاس کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لئے ایک بار شتر (انعام) اور میں اس کا ضامن ہوں۔“

نیز اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جو فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کی اجرت سے متعلق ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک عرب قبیلے کے ہاں گئے انہوں نے ان کی ضیافت نہ کی اسی دوران اس قبیلے کے ایک سردار کو سانپ نے ڈس لیا تو انہوں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں کوئی دم کرنے والا ہے تو صحابہ نے کہا جب تک تم ہمیں اس کی اجرت نہیں دو گے ہم دم نہیں کریں گے تو انہوں نے انہیں کافی ساری بکریاں دیں اس صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کی اور اس پر تھوکا جس کی وجہ سے وہ شخص ٹھیک ہو گیا جب صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو آپ اس پر مسکرائے اور ان کی خوش طبعی کے لئے فرمایا ان بکریوں میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔ [1] (رواہ الجماعۃ الا النسائی)

عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے ضرورت انعام مقرر کرنے کی داعی ہے جو شخص بدکے ہوئے جانور یا بھگوڑے غلام کو یا ایسا کام کرے جس کو مالک نہیں کر سکتا تو انعام دینا جائز ہے جیسے اجارہ اور مضاربت ہیں البتہ انعام میں عمل اور مدت کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا جبکہ اجارہ میں اس سے ہوتا ہے، کیونکہ جعالہ لازم نہیں جبکہ اجارہ لازم ہے اور اس میں مدت کی تعیین کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ منفعت کی مقدار معلوم ہو سکے، اور نیز اس لئے بھی کہ انعام میں اتفاقاً رخصت ہے کیونکہ اس میں جہالت بھی ہوتی ہے اور اذن شارع کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔

الفاظ (صیغے) انعام......انعام چونکہ ایک شخص کے ارادہ سے ہوتا ہے لہٰذا یہ صرف انہی صیغوں سے متحقق ہوگا جو تعریف میں ذکر ہوئے ہیں اور یہ انعام دینے والے کی طرف سے ہوں گے اور ایسی الفاظ جو واضح طلب کے ذریعہ عمل کی اجازت پر دلالت کرنے والے ہوں اور عوض بھی معلوم ہونا چاہئے عادۃً مقصود بھی ہو، اگر کسی نے بغیر اجازت کے کوئی کام کیا یا انعام دینے والے نے اس کو اجازت دی اس کے علاوہ کسی دوسرے نے کام کر دیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، اس لئے کے پہلے شخص نے وہ کام تبرعاً کیا ہے اور دوسری صورت میں متعین شخص نے کام نہیں کیا اور انعام دینے والے کا اس چیز کا مالک ہونا شرط نہیں کسی دوسرے شخص کا انعام کا اعلان کرنا صحیح اور وہ چیز واپس لانے والا مستحق ہوگا، اسی طرح عامل کا قبول کرنا شرط نہیں اگر چہ انعام دینے والا اس کو متعین کر دے کیونکہ انعام ایک جانب سے التزام کا نام ہے جیسا کہ واضح ہوا پس کسی ایک متعین کے لئے بھی انعام صحیح ہے اور غیر متعین کے لئے بھی جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ انعام دینے والا کسی ایک کے لئے ایک متعین چیز مقرر کر دے اور باقی لوگوں کے لئے دوسری چیز۔

انعام اور اجارہ عمل میں فرق......انعام، اجارہ عمل سے چار اعتبار سے مختلف ہے اجارہ عمل یعنی عمارت کی تعمیر، سینے کے کپڑے اور کوئی چیز ایک متعین جگہ سے دوسری جگہ لے جانے سے۔

پہلا فرق......منفعت کی وصولی انعام دینے والے کے لئے کام پورا ہونے سے پہلے مکمل نہیں ہوگی مثلاً بدکا ہوا جانور واپس کرنا، اور مریض کا ٹھیک ہونا۔ اور جارہ میں اجیر کے عمل کی مقدار منفعت کی وصولی پائی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر انعام میں منفعت کام تمام کرنے سے پوری ہوتی ہے، اور اجارہ میں ایک حصہ عمل کا مکمل ہونے سے منفعت مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر عامل انعام کی صورت میں کام مکمل کرنے سے پہلے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا جبکہ اجیر اجارہ میں کچھ کام بھی کر دے تو اس کی بقدر مستحق اجرت ہوتا ہے۔

دوسرا فرق......انعام ایک ایسا عقد ہے کہ اس میں دھوکا ہو سکتا ہے اور عمل اور مدت کی جہالت بھی اس میں جائز ہے جبکہ برخلاف اجارہ کے کیونکہ انعام میں کبھی عمل معلوم ہوتا ہے اور کبھی مجہول جیسے گم شدہ جانور کا لوٹانا اور کنویں کا کھودنا کہ اس میں پانی آ جائے، جیسے انعام میں عمل معلوم و مجہول سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح مدت میں بھی جہالت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، رہ گیا اجارہ تو اس میں عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے جیسے سلائی اور تعمیر عمارت اور مدت کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، جب اجارہ مدت کے اعتبار سے ہو تو اجیر کے ذمہ لازم ہے کہ پورا وقت کام میں لگائے اور اس کے بعد کام لازم نہیں رہ گیا انعام اس میں عمل ضروری ہے مدت کی قید نہیں۔

تیسرا فرق......انعام میں اجرت پہلے دینے کی شرط لگانا صحیح نہیں برخلاف اجارہ کے۔

چوتھا فرق......انعام ایک غیر لازم عقد ہے برخلاف اجارہ کے کہ وہ لازم عقد ہے فسخ نہیں ہو سکتا۔

انعام کی شرطیں......انعام میں درج ذیل شرائط ہیں:

پہلی شرط......عقد کا اہل ہونا، شوافع اور حنابلہ کے ہاں انعام دینے والے کے لئے چاہے وہ مالک ہو یا نہ ہو شرط یہ ہے کہ تصرف کر سکتا ہو (یعنی بالغ عاقل سمجھدار) بچے مجنون اور مجبور کا انعام درست نہیں رہ گیا عامل اگر وہ متعین ہے تو عمل کی اہلیت اس میں شرط ہے، اگر وہ عمل سے عاجز ہے تو پھر درست نہیں جیسے بچہ کہ کام کرنے پر قادر نہیں کیونکہ منفعت موجود نہیں اور اگر غیر معین ہے تو اس کے لئے انعام کے اعلان کا ہونا کافی ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں تمیز کرنے والے بچے کا عامل بننا صحیح ہے رہ گیا مکلّف ہونا تو وہ شرط لازم ہے۔

دوسری شرط......انعام معلوم مال ہونا چاہئے اگر انعام مجہول ہوا تو عقد فاسد ہوگا کیونکہ عوض مجہول ہے، مثلاً جس نے میری کار یا لی

❶......البخاری، نیل الاوطار : ۲۸۹/۵۔

اس کے لئے کپڑا ہے یا اس کو راضی کر دے گا وغیرہ پانے والی کو اجرت مثل ملے گی جیسے اجارہ فاسدہ میں ہوتا ہے، اور اگر انعام کوئی حرام چیز ہو جیسے شراب یا غصب شدہ چیز تو بھی عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ شراب ذاتی طور پر نجس ہے اور مغصوب شئی پر دینے کی قدرت نہیں۔

تیسری شرط...... منفعت حقیقۃً معلوم اور شرعاً اس سے نفع اٹھانا جائز ہو۔ پس کسی شخص سے جن اتارنے کو انعام میں رکھنا یا جادو اتارنے کو انعام بنانا جائز نہیں کیونکہ جن کا نکل جانا یا نہ نکلنا معلوم کرنا مشکل ہے، یا جادو اترا یا نہیں یہ معلوم کرنا متعذر ہے، جیسا کہ اس چیز کو بطور انعام دینا جائز نہیں جس کا نفع اٹھانا حرام ہے جیسے گانا گانا، مزامیر نوحہ اور تمام حرام آلات لہو لعب، اس میں قاعدہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس پر اجارہ میں عوض لینا جائز ہے تو انعام میں اس کو بطور انعام لینا بھی جائز ہے اور جس چیز پر اجارہ میں عوض لینا جائز نہیں تو انعام میں بھی اس کو بطور انعام لینا جائز نہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ......المائدۃ: ۵/ ۲

گناہ اور ظلم کے کاموں میں مددمت کرو۔ اور مالکیہ نے اضافہ کیا ہے اس بات کا کہ ہر وہ چیز جس میں انعام جائز ہے جیسے صحراء میں کنویں کھدوانا، تو اس میں اجارہ بھی جائز ہے اس کا عکس جائز نہیں، پس ہر وہ چیز جس میں اجارہ جائز ہو اس میں انعام بھی جائز ہے ایسا نہیں۔ جیسے کپڑے فروخت کرنا، ایک ماہ کی خدمت کرنا ملکیت میں کنواں کھدوانا، ان میں اجارہ صحیح ہے انعام صحیح نہیں، اجارہ عام مطلق ہے معقود علیہ کے اعتبار سے اور انعام صحیح نہ ہونے کی وجہ مذکور ہوئی کہ انعام وہاں ہی ہوتا ہے جہاں جاعل (انعام دینے والے) کو نفع کام مکمل ہونے پر ہی ہو، اور ان کاموں میں انعام دینے والے کو نفع ہوتا ہے چاہے کام مکمل ہو یا نہ ہو۔ جو عبادات بدنیہ جن کا نفع کرنے والوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، جیسے نماز، روزہ اور دوسرے نیکی کے کام ان میں انعام لینا جائز نہیں۔

اور جن عبادات کا نفع دوسروں کو بھی ہوتا ہو جیسے اذان، فقہ کی تعلیم، قرآن کی تعلیم، قضاء وافتاء تو ان پر انعام اور اجرت لینا جائز ہے دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر دم والی حدیث سابقہ ہے اور مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ انعام دینے والے کے لئے منفعت مقصود کا ثابت ہونا ضروری ہے پس جس نے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے ایک دینار انعام رکھا کو پہاڑ پر چڑھنے والے کے لئے کوئی چیز نہیں اس کا التزام اور اس کا انعام درست نہیں اور شوافع نے عمل میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں تکلیف ہو ورنہ کسی چیز کا مستحق نہ ہوگا اس لئے کہ جس چیز میں تکلیف نہیں اس کا کوئی عوض بھی نہیں۔

چوتھی شرط...... مالکیہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ انعام کا اعلان کرنے والا کوئی مدت مقرر نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی حضرات کہتے ہیں کہ عمل اور مدت دونوں کو جمع کرنا صحیح ہے مثلاً جو میرے لئے ہر کپڑا ایک دن میں سی دے اس کے لئے اتنا انعام ہے پس اگر وہ اس مدت میں اس کام کو کر گیا تو اس کے لئے وہ انعام ہوگا، اور کوئی چیز لازم نہ ہوگی اور اگر اس مدت میں کام نہ کیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا برخلاف اجارہ کے۔

پانچویں شرط...... مالکیہ میں سے قاضی عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ایک پانچویں شرط بھی رکھی ہے وہ یہ کہ انعام تھوڑے کام پر ہونا چاہئے اگر چہ وہ متعدد ہوں جیسے بہت سارے اونٹ بدک گئے اور مالکیہ نے یہ شرط بھی رکھی ہے نقد رقم کا ہونا انعام میں ضروری نہیں اگر نقد کی شرط لگالی تو عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ تو قرض ہو گیا جس میں نوع کا احتمال ہے البتہ بغیر شرط کے انعام پہلے دینے سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

انعام کا حکم اور انعام کے استحقاق کا وقت...... انعام جائز قرار دینے والے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انعام، اجارہ کے برخلاف عقد جائز غیر لازم ہے۔ انعام مقرر کرنے والے اور عامل دونوں کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

البتہ فسخ جائز ہونے کے وقت میں ان کا اختلاف ہے، مالکیہ کے ہاں: کام شروع کرنے سے پہلے فسخ کرنا جائز ہے اور لازم ہو جائے گا مقرر کرنے والے کے ذمہ جب کام شروع ہو گیا، رہ گیا عامل اس پر کوئی چیز بھی لازم نہیں کام سے پہلے بعد اور شروع کرتے وقت۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں: انعام مقرر کرنے والا اور معین عامل جب چاہیں فسخ کر سکتے ہیں جیسے کہ تمام عقود جائز شرکت وکالت وغیرہ کام مکمل ہونے سے پہلے اب اگر کام شروع کرنے سے پہلے مالک یا عامل متعین نے عقد فسخ کر دیا یا عامل نے کام شروع کرنے کے بعد فسخ کر دیا تو ان دونوں حالتوں میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں اس نے کوئی کام نہیں کیا اور دوسری صورت میں مالک کی غرض پوری نہیں ہوئی اگر مالک نے کام شروع ہونے کے بعد فسخ کیا تو عامل کے لئے اس کے ذمہ اس کے عمل کی بقدر اجرت مثل ہے شوافع کے اصح قول کے مطابق۔ کیونکہ اس عوض کی وجہ سے کام کیا ہے اور اس کو اس کے عمل کی اجرت سپرد نہیں کی گئی جیسا کہ مضاربت میں رب المال کام شروع کرنے کے بعد اسے فسخ کر دے تو عامل انعام یا اجرت معین کا مستحق ہوگا کام مکمل کرنے پر لیکن اگر عامل کام مکمل کرنے سے پہلے فسخ کر دے تو کسی چیز کا بھی مستحق نہ ہوگا۔ اگر مالک نے گم شدہ سامان واپس لانے کے لئے ایک مکان متعین کر دیا اور عامل نے اس سے قریب ترین جگہ پر وہ مال پہنچا دیا تو اس کو انعام کا حصہ ملے گا جیسا کہ شوافع کے ہاں ایسا ہی ہے۔

اگر دو شخص سامان واپس کرنے میں شریک ہوں گے تو دونوں انعام میں بھی شریک ہوں گے کیونکہ دونوں نے اسے لوٹایا ہے۔ اگر عامل نے وہ چیز واپس لا دی تو انعام حاصل کرنے کی غرض سے اسے روکے رکھنا جائز نہیں جیسا کہ اس پر مالک کی اجازت سے خرچ کیا ہوا مال لینے کے لئے نہیں روک سکتا، کیونکہ انعام کا مستحق ہی وہ اس شئی کو سپرد کرنے سے بنتا ہے نہ کہ رکنے سے۔

عامل صرف صاحب عمل کی اجازت سے انعام کا مستحق ہوتا ہے وہ بھی عمل سے فارغ ہونے کے بعد جیسا کہ مریض کا صحت یاب ہونا قراۃ وکتابت سکھانا، ورنہ نہیں۔

انعام میں کمی بیشی کرنا..... شوافع اور حنابلہ کے ہاں مالک انعام کے لئے انعام میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، کیونکہ انعام ایک ایسا جائز عقد ہے جو لازم نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں مضاربت کی طرح کمی بیشی جائز ہے البتہ شوافع عمل اور کام سے فارغ ہونے سے پہلے اس کو جائز قرار دیتے ہیں چاہے کام شروع کرنے سے پہلے کرے یا شروع کرنے کے بعد، مثلاً کہے جو میری فلاں چیز واپس لائے گا اس کے لئے دس روپے ہیں پھر کہے پانچ ہیں یا اس کا عکس، اس کا فائدہ کام شروع کرنے کے بعد ظاہر ہوگا، تو اس صورت میں اجرت مثل واجب ہوگی، کیونکہ یہ کمی یا زیادتی کی ترمیم اعلان سابق کو فسخ قرار دینا ہے۔ اور مالک کی جانب سے فسخ اجرت مثل کا تقاضا کرتا ہے۔ البتہ حنابلہ نے اس ترمیم کو کام شروع کرنے سے پہلے کے ساتھ مقید کیا ہے اس کے لئے کام کرنا جائز ہے۔

مالک اور عامل کے اختلاف کا حکم...... جب مالک اور عامل کے درمیان اختلاف ہو جائے اب کس کی تصدیق ہوگی بمعہ قسم اس میں تفصیل ہے، اگر اختلاف انعام مقرر کرنے میں ہو کہ ان میں سے ایک اس کا انکار کرے تو انکار کرنے والے کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ مثلاً عامل کہے میرے لئے انعام مقرر کیا گیا تھا، اور مالک انکار کرے تو مالک کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ، کیونکہ اصل یہ ہے کہ انعام مقرر نہ ہو، لیکن اگر کام کی تقسیم میں اختلاف ہو مثلاً گم شدہ گاڑی تلاش کرنا یا سامان تلاش کرنا، یا اختلاف ہو کام کرنے والے کے بارے میں تو عامل کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی، کیونکہ عامل ایسی چیز کا دعویٰ کر رہا ہے جس کی اصل نہ ہونا ہے لہٰذا منکر کی تصدیق ہوئی اسی طرح انکار کرنے والے کی تصدیق ہوگی جب عامل کی کوشش میں اختلاف ہو جائے بایں طور کہ مالک کہے اس نے واپس نہیں لائی بلکہ خود واپس آیا ہے تو مالک کی تصدیق قسم کے ساتھ ہوگی کیونکہ اصل نہ لوٹانا ہے۔ اگر دونوں کا اختلاف انعام کی مقدار میں ہو جائے یا مسافت یا جگہ کی تعیین میں تو مالکیہ

اور شوافع کے ہاں دونوں قسم اٹھائیں گے اور عقد فسخ کر دیا جائے گا اجرت مثل واجب ہوگی جیسا کہ اگر دونوں عقد اجارہ میں اختلاف کریں۔ اور حنابلہ کے ہاں مالک کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ اصل اس زیادہ رقم کا نہ ہونا ہے جس میں اختلاف ہے اور اس لئے بھی کہ اصل عوض میں بھی مالک کا قول معتبر ہے لہٰذا اس کی مقدار میں بھی اسی کا قول معتبر ہوا جیسا کہ مضاربت میں رب المال کا اعتبار ہے۔ نیز وہ اس زیادتی کا منکر ہے جس کا عامل دعویٰ کرتا ہے اور اصل اس سے بری ہونا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں حلف اٹھائیں جیسا کہ بیع وشراء کرنے والے جب ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں یا اجیر اور مستاجر اجرت کی مقدار میں اختلاف کریں اگر دونوں حلف اٹھائیں جیسا کہ بیع وشراء کرنے والے جب ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں یا اجیر اور مستاجر اجرت کی مقدار میں اختلاف کریں اگر دونوں نے حلف اٹھالیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور اجرت مثل واجب ہوگی۔

انعام اور اجارہ میں وجہ اختلاف......اجارہ اور انعام پانچ وجوہ سے اختلاف ہے۔

۱......انعام غیر متعین عامل کے لئے بھی درست ہے، جبکہ اجارہ مجہول سے درست نہیں۔

۲......انعام مجہول کام پر بھی درست ہے جبکہ اجارہ صرف معلوم کام کا درست ہے۔

۳......انعام میں عامل کا قبول کرنا شرط نہیں، کیونکہ یہ صرف ایک کے ارادہ سے ہوتا ہے، اور اجارہ میں اجیر کا قبول کرنا ضروری ہے۔

۴......جعالہ (انعام) ایک جائز غیر لازم عقد ہے جبکہ اجارہ عقد لازم ہے اسے دونوں کی رضامندی کے بغیر فسخ نہیں کیا جا سکتا۔

۵......انعام میں کام سے فارغ ہونے سے پہلے اس کا مستحق نہیں ہوتا اگر جلدی کی شرط لگائی تو فاسد ہو جائے جبکہ اجارہ میں تعجیل اجرت کی شرط جائز ہے۔

پانچویں فصل......شرکتوں کے بیان میں

اس میں دو بحثیں ہوگی ایک مالوں میں شرکت، اور دوسری شرکت مضاربت۔

پہلی بحث......شرکت اموال

تمہید شرکت کی تعریف اور اس کی مشروعیت......شرکت کا لغوی معنی ملانا ہے یعنی دو مالوں کو آپس میں اس طرح ملانا کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے ممتاز نہ ہو، پھر جمہور کے ہاں ایک خاص عقد پر اس کا اطلاق ہونے لگا اگرچہ دو حصے نہ بھی ملے ہوں، کیونکہ یہ عقد ہی اختلاط کا سبب ہے [1] اور شرکت کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں۔ مالکیہ کے ہاں دونوں کا مال میں تصرف کرنے اذن ہے یعنی کہ دو شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اجازت دے اسی مال میں تصرف کی جو ان دونوں کا ہے جس میں دونوں کے تصرف کا حق باقی ہو اور حنابلہ کے ہاں شرکت، حق یا تصرف میں اجتماع کا نام ہے۔ شوافع کے ہاں: مشترک طور پر دو یا زیادہ آدمیوں کا کسی چیز میں استحقاق کا ثبوت۔ حنفیہ کے ہاں: شرکت، شریکوں کا اصل مال اور منافع میں شریک ہونے کا عقد ہے۔ یہ سب سے عمدہ تعریف ہے کیونکہ اس کو حقیقت شرکت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ ایک عقد ہے اور باقی تعریفیں یا تو شرکت کے مقصد یا اس کے اثر یا اس پر مرتب ہونے والے نتیجہ کے اعتبار سے ہیں۔

شرکت کی مشروعیت......شرکت کی مشروعیت قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

---

[1]......فتح القدیر مع العنایہ: ۵/۳۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ......النساء ۴/ ۱۲

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ص:۳۸/ ۲۴

احادیث سے ثبوت...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب تک ایک ساتھی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے تو میں ان دونوں کا تیسرا شریک ہوں جب کوئی خیانت کرے تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں'' رواہ ابوداؤد والحاکم وصحح اسنادہ۔ (۱) مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ میں ان دونوں کی حفاظت اور مدد کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کی ان کے مالوں میں مدد فرماتے ہیں اور ان کی تجارت میں برکت نازل کرتے ہیں، جب خیانت ہوتی ہے تو ان سے برکت اور مدد اٹھالی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں مبعوث ہوئے کہ لوگ آپس میں شرکت کا معاملہ کرتے تھے اس پر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا۔ جیسا کہ بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے۔ (۲) نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تک دو شریک خیانت نہ کریں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان پر ہوتا ہے۔ (۳) مسلمانوں کا شرکت کے جواز پر اجماع ہے البتہ اس کی اقسام میں اختلاف ہے، اسی وجہ سے شرکت کی تمام اقسام پر بات ہوگی۔ اس کی مشروعیت کی یہ ہے کہ لوگوں کو ایسے مال کے بڑھانے اور سرمایہ کاری کرنے میں تعاون کی قدرت اور بڑی بڑی صنعتی، تجارتی اور زرعی [illegible]ریاں بنانے کی اجازت ہے جو ایک شخص نہیں کرسکتا۔

شرکت کی قسمیں...... شرکت کی دو قسمیں ہیں:

۱..... شرکت املاک یہ قوانین کے اعتبار سے جبری شرکتیں ہیں۔

۲..... شرکت عقد یہ قوانین کے اعتبار سے اختیاری شرکتیں ہیں۔

۱۔ شرکت املاک...... یہ ہے کہ دو شخص بغیر عقد شرکت کیے کسی شئی کے مالک ہوجائیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختیاری شرکت...... وہ شرکت ہے جو دو شریکوں کے عمل سے پیدا ہوجائے مثلاً دونوں کوئی چیز خرید لیں، یا دونوں کو کوئی چیز ہبہ کی گئی ہو، یا دونوں کو وصیت میں ملے، دونوں اسے قبول کرلیں، پس خریداروں، موہوب اور جن دونوں کی لئے وصیت ہے، یہ اس چیز میں شرکت املاک کے اعتبار سے مشترک ہیں۔

۲۔ جبری شرکت...... وہ شرکت جو کسی کے لئے ثابت ہوجائے اپنے عمل کے بغیر جیسے دو آدمی کسی چیز کے وارث ہوجائیں تو شئی موروث ان دونوں میں شرکت ملک کے اعتبار سے مشترک ہوگی۔

شرکت ملک کی دونوں قسموں کا حکم...... یہ ہے کہ شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ کے اعتبار سے اجنبی ہے اس کے لئے دوسرے کے حصہ میں تصرف بغیر اجازت کے جائز نہیں، اس لئے کہ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کے حصہ میں کوئی ولایت حاصل نہیں۔

۲۔ شرکت عقود...... مال اور منافع میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا عقد کرنا اور یہی حنفیہ کی سابقہ تعریف بھی ہے، حنابلہ کے ہاں اس

کی پانچ قسمیں ہیں:

ا.....شرکت عنان ۲.....شرکت مفاوضہ ۳.....شرکت ابدان

۴.....شرکت وجوہ ۵.....مضاربت

حنفیہ نے اس کی چھ قسمیں کی ہیں:

ا.....شرکت اموال ۲.....شرکت اعمال

۳.....شرکت وجوہ پھران میں سے ہر قسم یا تو مفاوضہ ہوگی یا عنان۔ خلاصہ یہ کہ فقہاء میں سے مالکیہ اور شوافع کے ہاں شرکت کی چار قسمیں ہیں:

ا.....شرکت عنان ۲.....شرکت مفاوضہ ۳.....شرکت ابدان ۴.....شرکت وجوہ۔

شرکت عنان کے جائز اور صحیح ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، باقی اقسام کی مشروعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔شوافع، اصحاب ظواہر اور امامیہ، شرکت عنان اور مضاربت کے علاوہ باقی شرکتوں کو باطل قرار دیتے ہیں، جبکہ حنابلہ شرکت مفاوضہ کے علاوہ باقی تمام شرکتوں کو جائز قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ شرکت وجوہ اور حنفیہ کی تعریف کے مطابق شرکت مفاوضہ کے علاوہ تمام شرکتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔حنفیہ اور زیدیہ تمام شرکتوں کو متعین شرائط ہونے کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔ میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق شرکت عقود کی تقسیم آئندہ مذکورہ مقاصد میں بحث کروں گا، اور شرکت مضاربت کو الگ طور پر مستقل بیان کروں گا۔

پہلا مقصد.....شرکت عقود کے منعقد ہونے کی کیفیت کے بیان میں۔

دوسرا مقصد.....شرکت عقود کی شرائط۔

تیسرا مقصد.....شرکت عقود کے احکام۔

چوتھا مقصد.....عقد شرکت اور شریک کے قبضہ کی نوعیت۔

پانچواں مقصد.....عقد شرکت باطل کرنے والی چیزیں۔

چھٹا مقصد.....شرکت فاسدہ۔

پہلا مقصد: شرکت عقود کے منعقد ہونے کی کیفیت.....حنفیہ کے ہاں شرکت عقود کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں بایں طور کہ دو شریکوں میں سے ایک دوسرے کو کہے، میں تمہیں فلاں، فلاں چیز میں شریک کرتا ہوں، اور دوسرا کہے۔ میں نے قبول کیا اور اس کی تین قسمیں ہیں: شرکت اموال، شرکت وجوہ، شرکت اعمال وغیرہ عنقریب ان میں سے ہر قسم کی تعریف ذکر کروں گا۔ جمہور کے ہاں شرکت کے ارکان تین ہیں، عاقدین، معقود علیہ اور الفاظ وصیغے۔

پہلی بات: شرکت اموال کی تعریف.....یہ کہ دو آدمی مال میں شریک ہو جائیں اور دونوں کہیں: ہم دونوں اس مال میں خرید وفروخت کے اعتبار سے اکٹھے شریک ہیں۔ یا مطلقاً کہیں: جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مناع دیا وہ اس شرط کے ساتھ ہمارے درمیان مشترک ہوگا، یا ایک یہ کہے اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں مفاوضہ، اور عنان۔

ا۔ **شرکت عنان**.....یہ کہ دو آدمی اپنے مال میں اس طور پر شریک ہوں کہ وہ اس مال میں تجارت کریں گے اور منافع دونوں کے

درمیان تقسیم ہوگا۔ یہ بالا جماع جائز ہے، ابن منذر نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

البتہ اس کی بعض شرطوں میں اختلاف ہے جیسا کہ اس کے نام کی علت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے اس کو عنان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ دونوں شریکوں میں اصل یہ ہے کہ وہ دونوں مال اور تصرف میں شریک ہوں جیسے جب دو گھڑ سوار اپنے گھوڑوں اور رفقاء میں برابر ہوں تو ان دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں برابر ہوں گی۔ اور شرکت عنان میں بھی دو آدمی اپنے معلوم مال میں شریک ہوتے ہیں اور باقی مال میں منفرد ہوتے ہیں یہ دونوں جس مال میں شریک ہوتے ہیں اس میں برابر ہوتے ہیں۔ فراء نے کہا: یہ عن الشئی سے مشتق ہے (یعنی جب کوئی چیز پیش کی جائے جب کوئی ضرورت پیش آئے تو کہا جاتا ہے مجھے حاجت پیش ہے۔ شرکت عنان کو بھی اس وجہ سے عنان کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی ہر ایک اپنے شریک کو مال پیش کرتا ہے یا تجارت وغیرہ کے اعتبار سے اپنے حصے پیش کرتے ہیں۔ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عنان الدابہ کے لفظ سے مشتق ہے اور یہ وہ رسی ہے جس سے جانور کو کھینچا جاتا ہے، گویا دونوں شریک ایک دوسرے کی گردن کھینچ رہے ہیں مطلقاً تصرف کی اجازت نہیں شرکت کی اقسام میں سے یہ قسم لوگوں کے درمیان جاری ہے، کیونکہ شرکت عنان میں نہ مال میں برابری شرط ہے نہ ہی تصرف میں، پس دو شریکوں میں سے ایک کا مال اگر زائد ہو تو یہ جائز ہے جیسا کہ یہ جائز ہے کہ دونوں میں سے ایک ہی مسؤل ہو، اسی وجہ سے اس میں کفالت نہیں سوائے اس تصرف کے جس کے بارے میں عقد کیا ہے اس میں ہی ان سے مطالبہ ہوگا، باقی شریک کے تصرفات کے بارے میں اس سے سوال نہیں ہوگا اس کے باوجود منافع میں وہ دونوں برابر ہوں یا الگ الگ یہ جائز ہے، پس منافع اسی شرط کے مطابق تقسیم ہوگا جس پر دونوں متفق ہوں گے اور خسارہ صرف اصل مال کے اعتبار سے ہوگا، اس قاعدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے کہ منافع شرط کے مطابق اور نقصان مالیت کے اعتبار سے۔

۲۔ شرکت مفاوضہ......اس قسم کو شرکت مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ اصل مال، منافع اور تصرف میں دونوں برابر ہوتے ہیں۔ ھدایۃ میں ہے: کیونکہ یہ شرکت تمام تجارتوں میں عام ہے اور ہر ایک شرکت کے معاملہ کو دوسرے کو سپرد کرتا ہے مطلقاً، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تفویض سے ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے تصرف کو دوسرے کے سپرد کرتا ہے ہر حال میں موجودگی اور عدم موجودگی میں۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں مفاوضہ دو آدمیوں کا بات چیت میں برابر سے ہے، اور شریعت میں ہر اعتبار سے۔ اور اصطلاح میں مفاوضہ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا اس بات پر عقد کرنا کہ وہ شریک ہیں کام میں اس شرط پر کہ دونوں مال، تصرف اور نفع اور مذہب کے اعتبار سے شریک ہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے، بیع وشراء میں یعنی تجارتی حقوق میں ہر وہ چیز لازم ہے جو ایک پر ہے اور جو ان میں سے ایک پر لازم ہے وہ دوسرے پر بھی لازم ہے یعنی تجارت سے متعلقہ حقوق وواجبات میں دونوں ایک دوسرے کے ضامن ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ وکیل ہے، اور جو اس کے ذمہ ہے اس میں بمنزلہ کفیل۔ یہ دونوں اصل مال اور نفع میں برابر کے شریک ہیں لہٰذا ایک کا مال دوسرے سے زیادہ ہو یہ صحیح نہیں۔ مثلاً ایک ہزار دینار کا مالک ہو دوسرا پانچ سو کا، اور اگر سارا مال تجارت میں نہ ہو، یعنی یہ جائز نہیں کہ مال شرکت میں سے وہ دونوں کچھ باقی رکھیں، سوائے اس کے کہ وہ اس کو شرکت میں داخل کردیں، اور تصرف میں برابری شرط ہے لہٰذا بچے اور بالغ شرکت درست نہیں، مسلمان اور کافر کے درمیان بھی درست نہیں۔ اسی طرح ایک کا تصرف دوسرے سے زیادہ ہو یہ بھی درست نہیں۔ جب مکمل برابری پائی جائے گی تو شرکت منعقد ہوگی ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل اور عقد کا کفیل ہوگا، اور اس سے تمام تصرفات کے بارے میں پوچھا جائے گا، جب بھی ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی یا کوئی ایک مال کا مالک ہوا کہ وہ شرکت میں لگ سکتا ہے تو شرکت مفاوضہ، شرکت عنان میں تبدیل ہوجائے گی، برابری نہ ہونے کی وجہ سے اسی بناء پر یہ شرکت دونوں شریکوں کے درمیان ان کے سارے مال میں حقوق یعنی وراثت رکاز اور لقطہ میں اشتراک چاہتی ہے اور جو ان پر واجبات ہیں جن کا ان میں سے ہر ایک التزام کرتا ہے

تجارتی قرض، ضمان غصب، تلف شدہ چیز کی قیمت جانور کی جنایت کی دیت، کپڑے وغیرہ کی دیت اور اس طرح کے دوسرے تاوان مالی وغیرہ طرفین کے ہاں۔

بالفاظ دیگر شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے اس اشتراک کی بنیاد پر جس کا ہر ایک شریک مالک ہوتا ہے ایسے مال سے جس کا رأس المال ہونا شرکت کے لئے صحیح ہے اور وہ موجود نقدی ہے اور اس میں منافع اور اصل مال میں برابری کے ساتھ، اور یہ کہ ہر شریک دوسرے کے مال میں عمل کرے گا اپنی رائے سے۔ جب ایک شریک نے بھی اس مال کا اختصاص کر لیا جو شرکت کے عقد میں اصل مال بن سکتا ہے جیسے نقدی وغیرہ تو پھر یہ شرکت مفاوضہ نہ رہے گی، اگرچہ اس کے الفاظ ہی سے اس کا انعقاد ہوا ہو کیونکہ برابری نہیں ہے مال میں، ہاں اگر ان میں سے کوئی ایک کسی سامان یا کسی کے دین کو اپنے لئے خاص کر لے یا زمین کی مالیت کا جو مملوک کی صحت میں مؤثر نہیں، کیونکہ ان میں سے ہر چیز اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتی کے اس پر شرکت ہو سکے تو یہ اختصاص اس کا ایسا ہے جیسا زوجہ کا، پس جب ایک شریک وراثت وغیرہ سے کسی مال کا مستحق ہوا تو اگر وہ مال نقدی ہے یعنی درہم دنانیر اور اس کا بالفعل قبضہ بھی مکمل ہو گیا تو شرکت مفاوضہ فاسد ہو جائے گی البتہ جب سامان یا زمین وغیرہ پر قبضہ کیا تو شرکت مفاوضہ فاسد نہیں ہو گی۔

حنفیہ اور زیدیہ اس شرکت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں: "کہ جب تم شرکت مفاوضہ کرو تو اچھی طرح برابری کرو۔" نیز آپ نے فرمایا: "شرکت مفاوضہ کیا کرو کیونکہ اس میں بہت برکت ہے" نیز لوگوں کا اس میں تعامل رہا ہے ہر زمانے میں بغیر کسی نکیر کے، رہ گئی اس میں وہ جہالت جو وکالت پر مبنی ہونے کی وجہ سے مجہول شئی کے خریدنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کفالت مجہولہ تو یہ اس کو برداشت کر سکتی ہے، کیونکہ یہ تبعاً ثابت ہوتی ہے، اور تبعاً تصرف صحیح ہے مقصوداً درست نہیں جیسا کہ مضاربت میں اسی طرح ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی وکالت کو متضمن ہے مجہول الجنس چیز کے خریدنے پر۔

مالکیہ شرکت مفاوضہ کی اجازت دیتے ہیں اس مفہوم کے علاوہ جیسے حنفیہ ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ شرکت مفاوضہ اس طور پر منعقد ہو کہ ہر ایک شریک اصل مال میں مستقل طور پر تصرف کرنے والا ہو دوسرے شریک کی رائے لئے بغیر چاہے وہ حاضر ہوں یا غائب، چاہے بیع ہو یا شراء، لینا ہو یا دینا، کرائے پر ہو یا دیا جائے، ضمان ہو یا وکالت وکفالت، قرض ہو یا تبرع، اور اس کے علاوہ چیزیں جو تجارت میں تصرف کی محتاج ہیں اور ہر شریک پر دوسرے شریک کا عمل لازم ہوگا، اور یہ صرف اس مال پر ہوگی جس پر عقد تمام ہوا، نہ کہ وہ مال جس کے وہ منفرداً مالک ہوئے ہیں وہ شرکت میں داخل نہیں ہوگا۔ باقی جب اس طور پر شرکت کا عقد کریں کہ ہر ایک منفرداً اصل مال میں تصرف کرے اور اس کو سارے شریکوں کے ساتھ کام کرنا پڑے تو یہ ان کے ہاں شرکت عنان ہے۔ اس مفہوم کے مطابق شرکت مفاوضہ جو مالکیہ کے ہاں ہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ شرکت مفاوضہ کا وہ مفہوم جسے حنفیہ اور زیدیہ ذکر کرتے ہیں اسے حنابلہ شوافع اور جمہور فقہاء جائز قرار نہیں دیتے، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس کے بارے میں شریعت کا حکم نہیں۔

نیز اس برابری کا پایا جانا جو اس شرکت میں مطلوب ہے ایک مشکل کام ہے، نیز اس میں بہت دھوکا ہے اور جہالت، کیونکہ اس میں وکالت اور کفالت مجہول ہے لہٰذا صحیح نہیں جیسے بیع غرر۔ اور اس میں غرر کی وضاحت یوں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس کا التزام کرے گا جس کا دوسرے نے کیا، اور کبھی ایسی چیز کو بھی التزام کرنا پڑے گا جس کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا، اسی وجہ سے شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر شرکت مفاوضہ باطل نہ ہو تو میں دنیا میں پھر کوئی باطل نہیں جانتا" رہ گئی گذشتہ حدیث تو وہ معروف نہیں اور نہ ہی اسے اصحاب سنن نے روایت کیا۔ بلکہ اس میں جو کچھ ہے اس سے یہ عقد مراد نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں مفاوضہ مراد ہو اسی وجہ سے اس کی وجہ بھی مروی ہے کہ جھگڑا مت کرو، کیونکہ جھگڑا شیطان کی طرف سے ہے۔ واقع یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ کا حنفیہ والا

مفہوم متعذر نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

دوسری بات: شرکت وجوہ کی تعریف...... دو صاحب وجاہت شخص شرکت کریں کہ ان کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں ادھار اپنے ذمہ خریدیں گے اور اس کو نقد فروخت کریں گے، لوگوں کے ہاں ان کی دید کی وجہ سے پس وہ دونوں کہیں ہم دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ ادھار خرید کر نقد فروخت کریں گے، اس پر جو اللہ تعالیٰ ہمیں منافع عطا کریں گے وہ ہمارے درمیان طے شدہ تناسب کے ساتھ ہوگا۔ اور اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں، کیونکہ اسے ادھار صرف لوگوں کے درمیان وجاہت کی وجہ سے خرید سکتے ہیں، اور شرکت علی الذمہ کے نام سے مشہور ہے بغیر صنعت ومال کے۔

یہ حنفیہ، حنابلہ اور زیدیہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جس میں ہر شریک اپنے ساتھی کا بیع وشراء میں وکیل ہوتا ہے اور ان دونوں کی ایک دوسرے کی وکالت اس بات پر کہ ان کے درمیان شئی مشتری صحیح ہے۔ پس اسی طرح وہ شرکت جو اس کو متضمن ہے۔ اور یہ بھی اس طور پہ کہ تمام زمانوں میں لوگ یہ معاملہ کرتے رہے بغیر انکار کے، خلاصہ یہ کہ جس چیز پر کام کے اعتبار سے یہ متفق ہوں تو اس کا عقد شرکت منعقد کرنا بھی صحیح ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، ظاہریہ، امامیہ، لیث، ابوسلیمان، اور ابوثور کے ہاں یہ شرکت باطل ہے، کیونکہ شرکت یا تو مال سے متعلق ہوتی ہے یا عمل سے اور اس مسئلہ میں یہ دونوں معدوم ہیں۔ ایسا مال نہیں پایا جا رہا جو شرکاء کے درمیان مشترک ہو، نیز اس میں غرر بھی ہے، اس لئے کہ ہر ایک شریک اپنے ساتھی کو غیر متعین صنعت کے کسب کا معاوضہ دے گا، یا عمل مخصوص کا پس منافع، مال کی بڑھوتری نہ ہوا، اور عمل کے مقابل، لہٰذا اس کا استحقاق نہیں ہوگا۔ پہلی رائے کے مطابق، دو شریکوں کا اپنے حصہ میں کسی چیز کی ملکیت میں جدائی ڈالنا درست ہے، پس ایک کے لئے نصف یا نصف سے زیادہ درست ہے۔ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں، اور ان کے درمیان منافع حصہ ملکیت کے اعتبار سے ہوگا، اور کسی ایک کا اپنے حصے سے زیادہ منافع لینا جائز نہیں، کیونکہ اس شرکت میں منافع خریدے ہوئے سامان کے ثمن کے ضمان کے بقدر ہوتا ہی، اور ضمان ملک کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہٰذا منافع بھی اسی اعتبار سے ہوگا، اگر منافع، ضمان سے بڑھا دیا تو یہ بغیر مقابل کے زیادہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، رہ گیا نقصان تو وہ شرکاء پر بقدر ضمان ہوگا بالاتفاق۔

تیسری بات: شرکت اعمال وابدان کی تعریف...... یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح شریک ہوں کہ وہ اپنے ذمہ کام لیں گے اور اس کی کمائی دونوں کے درمیان ہوگی، مثلاً سلائی، لوہار رنگ سازی وغیرہ، دونوں کہیں: ہم دونوں شریک ہیں کہ یہ کام کریں اس میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ ہمیں اجرت دیں یہ ہمارے درمیان طے شدہ شرط کے مطابق ہوگی، اور یہ مشہور ہے شرکت عمال اور سارے پیشوں میں جیسے درزی، بڑھئی، دلال، وغیرہ تا کہ ان کی کمائی ان دونوں کے درمیان برابر یا تفاوت کے ساتھ ہوگی، چاہے ان کا پیشہ ایک ہو جیسے بڑھئی، یا مختلف ہو جیسے درزی اور بڑھئی، اور یہ معاملہ آج کا عام ہے لوہاروں اور بڑھیوں کے درمیان، اور نقب لگانے کی شرکت اور شرکت تفریغ وشحن وغیرہ شرکت اعمال میں سے ہیں۔

یہ شرکت مالکیہ، حنفیہ، حنابلہ اور زیدیہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود منافع حاصل کرنا ہے، یہ وکالت سے ممکن ہے اور لوگوں میں اس کا تعامل بھی ہے، نیز یہ شرکت بالمال یا عمل بھی ہے، جیسا کہ مضاربت میں۔ اور یہ یہاں ایک عمل ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں، حضرت عمار اور حضرت سعد نے بدر کے دن شرکت کی حضرت سعد نے دو قیدی بنائے اور عمار کوئی بھی قیدی نہ بنا سکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی اور یہ شرکت لڑائی میں مال کے اعتبار سے ہے البتہ مالکیہ

اس شرکت کی صحت کے لئے اتحاد صنعت و پیشہ کی شرط لگاتے ہیں۔ اگرچہ کام دو جگہوں میں ہی ہو، پس ایک ہی صنعت میں اہل صرف کی شرکت جائز ہے، اور دو مختلف صنعتوں اور پیشوں والوں کی شرکت جائز نہیں ہاں اگر دونوں کا کام لازم ملزوم ہو کہ ایک کے کام کا وجود دوسرے کے کام پر موقوف ہو، جیسے بننا اور دھاگہ نکالنا، مالکیہ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عقد میں اتفاق ہو، منافع تقسیم ہونے کے اعتبار سے کہ بقدر عمل منافع ملے، اور اس کے بعد تبرع سے کچھ نقصان نہیں۔ اگر منافع میں تفاوت کی شرط لگائی تو شرکت فاسد ہو جائے گی، اور عرفاً منافع اور عمل میں قربت کافی ہے، اور کام میں کم تفاوت نقصان دہ نہیں، جبکہ منافع دونوں کے درمیان برابر سرابر ہو۔

حنابلہ بھی اس شرکت کے جواز کے قائل ہیں یہاں تک مباح العامہ چیزوں میں بھی جواز کے قائل ہیں جیسے لکڑیاں اور گھاس وغیرہ لیں۔ پس ان کے ہاں جس میں دو شریک بدنوں کے اعتبار سے شریک ہوں وہ مباح میں بھی ہو سکتے ہیں جیسے گھاس، شکار، اور دار الحرب میں جاسوسی، اور مقتولین جنگ کا سلب، البتہ ان کے ہاں دلالوں کی شرکت جائز نہیں۔ شوافع، امامیہ اور حنفیہ میں سے امام زفر اس شرکت کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں شرکت مالوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ عمل کے ساتھ، کیونکہ عمل کو منضبط نہیں کیا جا سکتا، اس میں غرر ہے اور عدم انضباط، اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کا ساتھی کمائے گا بھی یا نہیں۔ اور بسا اوقات ایک شریک سارا کام کرتا ہے جبکہ دوسرا کچھ بھی نہیں کر پاتا، تو اس میں عمل کا ثمرہ تقسیم کرنے میں غبن ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بدن اور منافع کے اعتبار سے ممتاز ہے، لہٰذا فوائد میں بھی ممتاز ہوگا، جیسا کہ دونوں اگر لکڑیاں چننے میں یا شکار میں یا سارے مباحات میں شریک ہو جائیں۔ یہ تو جائز نہیں یہاں کے حنفیہ کے ہاں بھی کیونکہ شرکت کا مقتضیٰ وکالت ہے، اور مباح چیز کی ملکیت میں وکالت درست نہیں، کیونکہ یہ تو استیلاء سے مالک بنا ہے۔

دوسرا مقصد: شرکت عقود کی شرائط..... علماء حنفیہ نے شرکت عقود میں شرائط لگائی ہیں، بعض وہ ہیں جو تمام انواع شرکت عقود کو شامل ہیں اور بعض خاص ہیں۔

پہلی قسم: شرکت عقود کی عام شرطیں..... شرکت عقود کی صحت کے لئے یہ شرائط ہیں۔

ا۔ **قابلیت وکالت**..... وہ یہ کہ عقد شرکت میں معقود علیہ یہ تصرف قابل وکالت ہو، کیونکہ شرکت کا حکم ہے کہ منافع حاصلہ و تجارت وغیرہ سے ہوا ہے میں اشتراک کا ثبوت، اور تجارت سے حاصل شدہ منافع اس وقت تک مشترک نہیں ہو سکتا جب تک ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بعض مال شرکت میں وکیل نہ ہو، اور دوسرے بعض میں عامل نہ ہو۔ اسی بناء پر یہ شرکت ہر شریک سے دوسرے کے لئے بیع و شراء کا تصرف اور عمل قبول کرنا طلب کرتی ہے، اور وکیل غیر کی اجازت سے تصرف کرنے والا ہے۔ اور یہ کہ شرکت کی مختلف انواع کے باوجود یہ وکالت کو متضمن ہے۔ لہٰذا شرکت میں قابلیت وکالت شرط ہے، اور یہ کہ ہر ایک شریک وکالت اور توکیل کا اہل ہونا چاہئے۔ اور جن چیزوں میں وکالت جائز نہیں برخلاف جمہور کے یعنی مباحات پر قبضہ وغیرہ۔

۲..... منافع طے شدہ طریقہ سے معلوم ہونا چاہئے۔ بایں طور کہ ہر شریک کا منافع کا حصہ معلوم تناسب سے ہو مثلاً سو میں دس، تین یا پانچ فیصد، اگر منافع مجہول ہوا تو شرکت فاسد ہوگی، کیونکہ منافع ہی معقود علیہ ہے، اور معقود علیہ کی جہالت فساد عقد کو واجب کرتی ہے۔

۳..... منافع ایک عام حصہ ہو متعین نہ ہو، اگر متعین منافع کسی ایک کے لئے خاص کر دیا مثلاً دس یا سو، تو شرکت فاسد ہوگی، کیونکہ عقد منافع میں اشتراک کے تحقق کا تقاضا کرتا ہے اور یہ جائز ہے کہ منافع متحقق نہ ہو اس مقدار متعین کے جو شریکوں کے درمیان ہے پس خاص کرنا شرکت کے منافی ہے۔

دوسری قسم: شرکت اموال کے ساتھ خاص شرطیں..... شرکت اموال کے لئے خاص شرطیں ہیں چاہے وہ شرکت عنان ہو یا مفاوضہ اور وہ یہ ہیں۔

ا..... مال شرکت عین اور موجود ہونا چاہئے یا تو عقد کے وقت یا خریداری کے وقت یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے، پس رأس المال کا دین ہونا جائز نہیں اور نہ غیر موجود مال، کیونکہ شرکت کا مقصد منافع ہے۔ اور یہ مکمل ہوتا ہے تصرف سے، اور دین اور غیر موجود مال میں تصرف نہیں ہوسکتا، پس شرکت کا مقصود ثابت و محقق نہیں ہوگا۔ نیز مدیون بسا اوقات دین نہ دے اور کبھی غائب مال کو حاضر نہ کرے۔ اسی بناء پر اگر کسی نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے، اور اس سے کہا اس کے برابر اپنے بھی لگا، ان کے ذریعے خرید و فروخت کر، جو نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان ہوگا، اب اس نے ایک ہزار نکالے اور ان کے ذریعہ خریداری کی تو جائز ہے، پس اس طور پر اہم یہ ہے کہ مال خریداری کے وقت حاضر ہونا چاہئے عقد کے وقت شرط نہیں، کیونکہ شرکت خریداری سے تمام ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت حاضر ہونا ضروری ہے۔

کیا دونوں مالوں کو ملانا شرط ہے؟...... جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے ہاں دونوں مالوں کو مکس کرنا خلط کرنا ضروری نہیں، کیونکہ شرکت عقد سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے، اور عقد کا مورد وہ عمل ہے، اور منافع اس کا نتیجہ ہے، اور مال اس کے تابع ہے، لہٰذا مضاربت کی طرح مال کو یہاں بھی خلط ملط کرنا شرط نہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ شرکت تصرف پر عقد ہے۔ اور اس میں وکالت کا مفہوم ہے، اور دونوں کی وکالت خلط سے پہلے بھی جائز ہے۔

پس شرکت بھی اسی طرح جائز ہے، شرکاء جب تصریح کردیں کہ ان میں سے ایک ان دراہم کا یہ خریدے گا اور دوسرا دنانیر کے ذریعہ فلاں چیز خریدے گا اور شئی مشتری ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی تو یہ صحیح ہے، البتہ مالکیہ کے ہاں اختلاط کی شرط نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مالک الگ بھی نہ کریں من کل الوجوہ بلکہ حسًا یا حکمًا اختلاط ہونا چاہئے مثلاً دونوں مال ایک صندوق میں ہوں، یا دونوں کے قبضہ میں ظاہر ہوں۔

امام زفر، شوافع اور اصحاب ظواہر کے ہاں...... دونوں مالوں کو اس طرح خلط ملط کرنا کہ وہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوسکیں یہ شرط ہے، اور یہ اختلاط عقد سے پہلے ہونا چاہئے، اگر بعد العقد اختلاط ہوا تو اَصح قول کے مطابق صحیح نہیں کیونکہ شرکت کا مطلب اختلاط ہے، اور دو مالوں کے ممتاز ہونے کے ساتھ اختلاط متحقق نہیں ہوگا لہٰذا شرکت کا معنی ثابت نہیں ہوگا، اور احکام شرکت میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں مال خرچ ہوں، اگر خلط سے پہلے کسی ایک کا مال ہلاک ہوگیا تو وہ صرف اسی کا ہلاک ہوگا، اور یہ مقتضائے شرکت میں سے نہیں۔ اسی اختلاف پر مرتب ہے کہ جمہور کے ہاں شرکت صحیح ہے جبکہ دونوں مال مختلف الجنس ہوں مثلاً درہم، دینار وغیرہ یا ایک ہی جنس کے ہوں لیکن مختلف صفت کے جیسے تازہ گندم اور پرانی گندم یا سفید اور سیاہ گندم یا سفید اور سرخ کیونکہ ان کے ہاں خلط شرط نہیں۔

جبکہ شوافع اور امام زفر کے ہاں یہ درست نہیں کیونکہ ان میں تمیز ممکن ہے، اگرچہ اس میں تنگی و مشکل ہے کیونکہ ان کے ہاں دونوں مالوں کا اختلاط ضروری ہے تاکہ تمیز نہ ہوسکے، اور یہ مختلف الجنس والصفت مال سے حاصل نہیں۔

ابن رشد مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: سمجھداری یہ ہے کہ مال کو مختلط کرنا شریکوں کے عمل میں افضل واتم ہے کیونکہ خلوص اس میں جس طرح اس کے لئے پایا جاتا ہے اسی طرح اس کے ساتھی کے لئے بھی ہے۔

۲..... یہ کہ راس المال مطلق ثمن ہوں یعنی گذشتہ زمانہ میں درہم و دینار اور آج کل رائج نقدی اور یہ شرط جمہور علماء کے ہاں ہے، لہٰذا سامان میں شرکت جائز نہیں مثلاً زمین یا منقولی اشیاء، کیونکہ یہ ذوات الامثال میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ ذوات القیم میں سے ہیں، جو کہ عین کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

اور اس میں شرکت منافع کی جہالت کو مستلزم ہے تقسیم مال کے وقت، کیونکہ رأس المال سامان کی قیمت ہے نہ کہ سامان، اور قیمت مجہول ہے، اس کی پہچان سمیٹنے اور اٹکل سے ہے جو کہ قیمت کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے، منافع مجہول ہو گیا، جو تقسیم کے وقت جھگڑے کی طرف لے جائے گا، پھر یہ بات بھی ہے کہ شرکت وکالت کو متضمن ہے، اور عروض میں وکالت درست نہیں، اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا: اپنا گھر یا سامان فروخت کر و اس طور پر کہ اس کے ثمن ہمارے درمیان تقسیم ہوں گے تو اس طرح کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس پر صرف اس کی ولایت ہے نہ کہ دوسرے کی البتہ اگر کہا: اپنے مال میں سے سو درہم کی فلاں چیز خرید و جو خرید و گے ہمارے درمیان مشترک ہوگی یا میں اپنے مال میں سے ایک ہزار درہم کی کوئی چیز خرید تا ہوں جو خریدوں گا وہ ہمارے درمیان ہوگی، تو یہ جائز ہے، کیونکہ شرکت نقدی میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں رأس المال کا نقدی ہونا شرط نہیں جیسے دراہم و دنانیر میں شرکت جائز ہے اسی طرح عروض و سامان میں بھی جائز ہے چاہے ایک جنس کا ہو یا مختلف الجنس ہو، اور سامان کی شرکت قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ شرکت معلوم رأس المال پر عقد کا نام ہے لہٰذا یہ نقود کے مشابہ ہوگئی۔

اس شرط کے مطابق یہ مسئلہ حنفیہ کے راجح روایت اور حنابلہ کے ہاں مرتب ہوگا کہ سونے چاندی کی ڈلی اور سونے چاندی کے پانی چڑھے ہوئے ٹکڑے میں شرکت درست نہیں چونکہ یہ عروض کی طرح ہیں۔ البتہ حنفیہ کی دوسری روایت کے مطابق ان چیزوں میں شرکت جائز ہے کیونکہ یہ ثمن مطلق کی طرح ہیں اور اس کا مدار لوگوں کے تعامل پر ہے، جب وہ اس کے ذریعہ معاملہ کریں تو ان کا حکم نقود کا ہوگا، اگر معاملہ نہ کریں تو پھر ان کا حکم عروض کا سا ہوگا۔ رہ گئے شوافع تو وہ ان چیزوں میں شرکت جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کو مثلیات میں شمار کرتے ہیں۔

فلوس (پیتل کے سکے) میں شرکت جائز نہیں شیخین کی مشہور روایت کے مطابق کیونکہ جب اس کا رواج ختم ہو جائے تو یہ عروض کے حکم میں ہیں۔ اور اگر ان کا رواج ہو تو پھر بھی یہ شیخین کے ہاں ثمن مطلق نہیں (یعنی ثمنیت کی صفت ان کو لازم نہیں) کیونکہ یہ متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ اور عاقدین کی اصطلاح سے مبیع بن جاتے ہیں جب یہ متعین ہونے کی وجہ سے ثمن مطلق نہیں ہیں معاوضات کے عقد میں۔ تو ان کو شرکت میں سارے عروض کی طرح رأس المال بنانا بھی درست نہیں، یہی مذہب ہے شوافع، حنابلہ اور مالکیہ میں سے ابن القاسم کی، کیونکہ کبھی تو یہ رائج ہوتے ہیں اور کبھی ان کا رواج ختم ہو جاتا ہے لہٰذا سامان کے مشابہ ہوں گے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جو فلوس رائج ہوں انہیں شرکت میں رأس المال بنانا درست ہے کیونکہ اصل کے اعتبار سے ان کو ثمن مطلق مانا جاتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں ثمنیت ان کو لازم ہے۔

مثلیات میں شرکت؟...... وزنی، کیلی اور عددی متقارب اشیاء جو ثمن مطلق نہیں جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ مثلیات میں شرکت: شوافع اور مالکیہ کے ہاں ان میں شرکت جائز ہے، کیونکہ شوافع عددی متقارب کو مثلیات میں شمار کرتے ہیں، لہٰذا ان میں شرکت شوافع کے اظہر قول کے مطابق درست ہے، اور اس لئے بھی کہ جب کیلی اور وزنی چیزیں اپنی جنس سے مختلف ہو جائیں تو ان کے درمیان تمیز ختم ہو جاتی ہے، یہ نقدین (سونا، چاندی) کے مشابہ ہو گئے۔

اور مالکیہ ان چیزوں میں جب اختلاط ہو جائے تو قیمت کے اعتبار سے شرکت جائز قرار دیتے ہیں، نہ کہ فروخت کے وقت قیمت۔ جیسا کہ عروض میں ہوتا ہے، کیونکہ دو قسم کے غلوں کے اختلاط میں علیحدگی کرنا متعذر رہے، برخلاف عروض کے، کیونکہ ہر عرض (سامان) کا دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن ہے۔ حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب کے مطابق کیلی، وزنی اور عددی متقارب چیزوں میں بھی تمام عروض کی طرح شرکت جائز نہیں۔

حنفیہ وغیرہ کے ہاں اختلاط سے پہلے، کیلی، وزنی اور عددی متقارب چیزوں میں شرکت جائز نہیں، اس لئے کہ متعین کرنے سے متعین

ہوجاتی ہیں، جب عین ہوں تو عروض کی طرح ہوگئی، اور یہ ثمن مطلق بھی نہیں، اور اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ شرکت کا رأس المال ایسا ہو جو متعین کرنے سے متعین نہ ہوسکے، اگر کسی آدمی نے دوسرے سے کہا اپنی گندم فروخت کرو اس پر جو رقم حاصل ہوگی ہمارے درمیان مشترک ہوگی تو یہ جائز نہیں، ان کو ملانے کے بعد اگر شرکت، دو مختلف الجنس اجناس میں ہو جیسے گندم، چاول، جو وغیرہ تو بھی شرکت جائز نہیں۔ اگر ایک جنس کے ہوں تو بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اس میں شرکت جائز نہیں، بلکہ یہ شرکت املاک بن جائے گی، جبکہ طرفین کے ہاں اختلاط کے بعد شرکت جائز ہے، پس حنفیہ کا مذہب، شوافع کے قریب ہے۔

اس اختلاف کا فائدہ دونوں مالوں کی برابری اور منافع میں کمی، زیادتی کی صورت میں نکلے گا، بایں طور کہ کیلی چیز دونوں شریکوں کے درمیان نصف نصف ہوگی، لیکن ان دونوں نے شرط لگائی کہ منافع ۳ / ا کے حساب سے تقسیم ہوگا، پھر انہوں نے دونوں کو ملالیا، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق دونوں کے درمیان منافع مقدار مال کے اعتبار سے نصف نصف ہوگا، اور امام محمد کے قول کے مطابق جس طرح طے ہوا اس طرح تقسیم ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس اصل پر چل رہے ہیں جو حنفیہ کے ہاں عدم جواز شرکت کی بنیاد ہے کیلی وزنی وغیرہ چیزوں میں اختلاط سے پہلے۔ اور وہ یہ کہ یہ ثمن مطلق نہیں ہر حال میں، بلکہ کبھی تو ثمن ہوتے ہیں اور کبھی مبیع، کیونکہ فی الجملہ فلوس کی طرح یہ متعین کرنے سے متعین ہوجاتے ہیں، اور شرکت کے جواز کی شرط یہ ہے کہ رأس المال ایسا ہونا چاہئے جو متعین کرنے سے متعین نہ ہو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وکالت کا مفہوم جو شرکت کو متضمن ہوتا ہے وہ ان اشیاء میں اختلاط کے بعد ثابت ہے لہٰذا یہ دراہم ودنانیر کے مشابہ ہوئے، برخلاف قبل الخلط کیونکہ وکالت، شرکت کے مقتضیات میں سے ہے اور ان اشیاء میں اختلاط سے پہلے صحیح نہیں۔

ان اشیاء میں جواز شرکت کی تدبیر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ ہے: کہ مالوں کو اس طرح ملالیا جائے کہ شرکت ملک دونوں کے درمیان ہوجائے، پھر اس پر عقد شرکت کریں۔

تیسری قسم: شرکت مفاوضہ کے ساتھ خاص شرطیں...... حنفیہ نے شرکت مفاوضہ کے لئے خاص شرطیں رکھی ہیں جو یہ ہیں:

ا...... یہ کہ دونوں شریک وکالت اور کفالت کے اہل ہوں۔ بایں طور کہ دونوں آزاد ہوں بالغ، عاقل سمجھدار ہوں، اس لئے کہ مفاوضہ کے احکام میں سے ہے کہ جو چیز ایک شریک کے ذمہ حقوق واجبات وغیرہ میں سے لازم ہوگی تجارت میں سے وہ دوسرے کو ذمہ بھی لازم ہوگی، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ کفیل ہوگا، جیسا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے۔

۲...... مشہور روایت کے مطابق رأس المال مقدار اور قیمت کے اعتبار سے ابتداءً وانتہاءً برابر ہونا چاہئے۔

اگر دونوں مال مقدار میں کم زیادہ ہوں کو شرکت مفاوضہ نہ ہوگی، کیونکہ مفاوضہ نام ہی مساوات وبرابری کا ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہوسکے اس میں برابری کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر دونوں مال قیمت کے اعتبار سے کم زیادہ ہوں تو مشہور روایت کے مطابق مثلاً بیع صرف میں نقدین میں تفاضل ہو تو مفاوضہ صحیح نہیں کیونکہ قیمت کا زیادہ ہونا بمنزلہ وزن کے زیادہ ہونے کے ہے۔ لہٰذا مقتضی عقد جو مساوات وبرابری ہے وہ ثابت نہ ہوگی۔

۳...... ہر وہ چیز جو شرکت میں رأس المال بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ شرکت میں داخل ہوگی۔ اگر شرکت میں داخل نہ کی تو مفاوضہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں ابتداء برابری نہیں۔

البتہ وہ چیزیں جن میں شرکت مفاوضہ صحیح نہیں جیسے سامان، زمینیں، دیون اور غیر موجود مال تو ان میں شرکت لازم نہیں جیسے بیویوں اور اولاد میں کمی زیادتی۔

مال میں ایک جنس کا ہونا ضروری اور شرط نہیں جب تک قیمت ایک اور متحد ہو برخلاف زیدیہ کے، اسی بناء پر اگر ایک کا رأس المال سونا ہو اور دوسرے کا چاندی اور دونوں کی قیمت ایک ہو تو شرکت مفاوضہ صحیح ہے، اسی طرح دونوں مالوں کا اختلاف بھی شرط نہیں، برخلاف امام زفر کے۔

۴۔ **شرکت مفاوضہ**..... میں منافع میں برابری پس اگر دونوں نے منافع میں کمی بیشی کی شرط رکھی تو شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، برابری نہ ہونے کی وجہ سے۔

۵..... شرکت مفاوضہ تمام مباح تجارتوں میں ہو۔ کسی ایک شریک کا ایک تجارت خاص کر لینا دوسرے کے علاوہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اس اختصاص کی وجہ سے مفاوضہ کا معنی یعنی برابری ختم ہو جائے گی، اس شرط کی بناء پر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں شرکت مفاوضہ دو مسلمانوں میں ہو سکتی ہے، ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان درست نہیں۔ کیونکہ ذمی کافر ایسی تجارت کر سکتا ہے جو مسلمان کے لئے جائز نہیں جیسے شراب اور خنزیر کی تجارت۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں شرکت مفاوضہ مسلمان اور کافر دونوں کے درمیان ہو سکتی ہے کیونکہ اہلیت میں دونوں برابر ہیں۔

۶..... شرکت مفاوضہ کے لفظ کے ذریعہ ہو، اس لئے کہ مفاوضہ کے لئے ایسی شرائط میں جو اس لفظ کے علاوہ میں نہیں لہٰذا مفاوضہ یا اس کے قائم مقام الفاظ سے یہ شرکت درست ہے۔ یہ تمام شرکت مفاوضہ کی شرائط ہیں جب بھی ان میں سے ایک شرط نہ پائی جائے گی تو یہ شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ شرکت عنان میں یہ شرائط نہیں۔ پس شرکت عنان میں کفالت کی اہلیت شرط نہیں اسے آدمی کے ساتھ بھی شرکت عنان درست ہے جس سے کفالت درست نہیں جیسے بچہ ماذون التجارۃ، اسی طرح رأس المال میں بھی برابری شرط نہیں۔ لہٰذا شریکین کے راس المال میں تفاضل کے باوجود صحیح ہے۔ اور اسی طرح اگر ایک کے پاس کچھ اور مال ہو اور وہ عقد شرکت میں داخل نہ کرے تو بھی درست ہے۔ اسی طرح تجارت میں بھی عموم شرط نہیں، لہٰذا عام اور خاص تجارت مثلاً غلہ، لوہا وغیرہ میں بھی جائز ہے۔ اسی طرح مسلمان اور ذمی دونوں کے ساتھ جائز ہے، کیونکہ شرکت عنان میں برابری شرط نہیں اسی طرح منافع میں بھی برابری شرط نہیں، اس میں کمی بیشی اور برابری دونوں صورتیں جائز ہیں۔

ہمارے استاذ الشیخ علی الخفیف نے فرمایا: فی الواقع جس شرکت مفاوضہ کی طرف حنفیہ گئے ہیں اس کو شرکت واقعی شمار نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے وجود کے لئے پائے جانے کے وقت بقا نہیں۔ اس لئے کہ شرکاء بچے مالوں میں برابری کی شرط اور ہر شریک کا اسی مال کے ساتھ اختصاص کہ رأس المال کا شرکت میں تمام مراحل میں پایا جانا طویل عرصہ تک ممکن نہیں۔ اگر ہر شریک اپنے ان نقود پر دائمأر ہے بھی جن پر اس شرکت کے ابتداء ہوئی ہے اور اس کی بعد اس میں زیادتی کا نہ ہونا ایک مشکل معاملہ ہے۔

چوتھی قسم: شرکت اعمال کی شرطیں..... اگر شرکت اعمال مفاوضہ ہو تو اس میں مفاوضہ کی مذکورہ بالا شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً اہلیت کفالت، منافع میں برابر، اور لفظ مفاوضہ کی رعایت وغیرہ۔ اور اگر شرکت اعمال ہو تو اس کے لئے مفاوضہ کی کوئی شرط ضروری نہیں، صرف وکالت کی اہلیت شرط ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس چیز میں وکالت جائز ہے اس میں شرکت بھی جائز ہے اور جس چیز میں وکالت جائز نہیں اس میں شرکت بھی جائز نہیں۔ جب کسی صنعت کو کوئی آلہ استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو کسی ایک شریک کا استعمال ثبوت شرکت میں کوئی اثر نہیں کرے گا، اور یہ اس شرط پر ہے کہ اس کا عمل غیر کے اجارہ میں نہ ہو، البتہ اگر وہ اس کو اجارہ پر لے تو اس کی اجرت خاص اسی کے لئے ہوگی مشترک نہ ہوگی، کیونکہ اجرت اس کے مملوکہ آلہ کے مقابل وعوض ہے۔ لہٰذا اس کے لئے خاص ہوگی۔ اسی بناء پر ایسے دو آدمیوں کے درمیان شرکت فاسد ہوگی کہ ایک کا خچر ہو اور دوسرے کا اونٹ، اور وہ دونوں اس کو اجارہ پر دیں، جیسا کہ عنقریب شرکت فاسدہ میں اس کا ذکر ہوگا، اور یہ سب شرائط، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ہیں۔

پانچویں قسم: شرکت وجوہ کی شرطیں...... اگر شرکت وجوہ مفاوضہ ہو تو اس میں دونوں شریکوں کا کفالت کے اہل ہونا، اور خریدی گئی چیز میں ہر ایک کے ذمہ نصف ثمن لازم ہونا، اور خرید کردہ چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہونا، اور منافع کا نصف نصف ہونا، اور مفاوضہ کے لفظ سے اس کا انعقاد کرنا شرط ہے، اس لئے کہ یہ شرکت دونوں شریکوں کی درمیان مکمل مساوات پر قائم ہے۔ اور اگر شرکت وجوہ عنان ہو تو اس میں مفاوضہ والی شرائط کا ہونا شرط نہیں خرید کردہ شئی میں تفاضل صحیح ہے اور اس کے ثمن بقدر ملک ہوں گے اسی طرح ربح ومنافع بھی ثمن کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اگر کسی ایک کے لئے اس کے حصہ سے زیادہ منافع کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہوگی، اس لئے کہ منافع تو خرید کردہ چیز کے ثمن کے ضمان کے اعتبار سے مقرر ہوتا ہے۔

تیسرا مقصد: شرکت عقود کے احکام...... شرکت عقود یا صحیح ہوگی یا فاسد اگر فاسد ہو وہ یہ کہ اس میں جو صحت کی شرائط ہیں ان میں سے کسی ایک کا نہ پایا جانا، لہٰذا ہم شرکت صحیحہ کے جو احکام ذکر کریں گے اس حوالہ سے فاسد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں، اگر شرکت فاسد ہوگئی تو منافع اصل مال کی مقدار اعتبار سے تقسیم ہوگا، اور ہر شریک دوسرے پہ اپنے عمل کی اجرت کے متعلق اس کے مال سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ مقرر اجرت عقد فاسد میں ساقط ہوجاتی ہے اور اگر شرکت صحیح ہو یعنی اس میں صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں تو ان کا حکم شرکت کی اقسام، کے اعتبار سے پہچانا جائے گا جیسا کہ آنے والے احکام سے ظاہر ہے۔

پہلی بات: شرکت عنان فی المال کے احکام

۱۔ عمل کی شرط...... شرکت عنان میں دونوں شریک آپس میں دونوں ہر کام کی ذمہ داری ڈال سکتے ہیں اور یہ بھی کرسکتے ہیں کہ کام صرف ایک کرے، مثلاً: یہ شرط ہو کہ دونوں خرید وفروخت کریں گے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں جو نفع دیا وہ دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب کے اعتبار سے ہوگا، یا یہ شرط ہو کہ ایک ہی خرید وفروخت کرے گا دوسرا نہیں۔

۲۔ منافع کی تقسیم...... منافع رأس المال کے اعتبار سے برابر سرابر یا کم زیادہ رکھا جاسکتا ہے اگر رأس المال دونوں کا برابر سرابر ہو تو منافع بھی برابر سرابر ہوگا، چاہے کام دونوں کے ذمہ ہو یا ایک کے، کیونکہ منافع کا استحقاق حنفیہ کے ہاں یا تو مال یا عمل یا ضمان کے التزام سے ہوتا ہے، اب راس المال میں برابری ہے، تو منافع میں بھی برابر ہونی چاہئے۔

امام زفر کے علاوہ حنفیہ کے ہاں رأس المال کے برابر ہونے کے باوجود منافع میں کمی زیادتی کرنا صحیح ہے اس شرط کے ساتھ کہ کام دونوں کریں یا کام وہ کرے جس کے لئے زیادہ منافع طے ہوا ہے، کیونکہ منافع کا استحقاق یا تو مال کی وجہ سے ہوتا ہے یا کام (عمل) یا ضمان کی وجہ سے اور اس حالت میں زیادہ منافع زیادہ عمل کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ بسا اوقات ایک شریک زیادہ ماہر اور تربیت یافتہ ہوتا ہے اور زیادہ کام کرنے والا اور قوی ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے شریک کے اعتبار سے زیادہ منافع کا مستحق ہوگا دلیل حدیث ہے ”کہ منافع طے شدہ تناسب کے ساتھ اور نقصان مالیت کی مقدار کے اعتبار سے برداشت کرنا ہوگا۔ ❶ اگر کم نفع لینے والے پر عمل کی شرط لگائی تو اس طرح شرکت جائز نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ایک شریک کو بغیر کام اور ضمان کے زیادہ منافع دینے کی شرط ہے جبکہ منافع کا استحقاق تو صرف مال یا عمل یا ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح شرکت درست نہیں جب سارا منافع ایک شریک کے لئے طے کردیا جائے، یہ بات یاد رہے عمل سے مراد اس کا وجود شرط نہیں بلکہ شرط عمل کافی ہے۔ ❷ حنابلہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے کہ دونوں شریک منافع میں کمی زیادتی کرسکتے ہیں ❸ رہ گیا نقصان تو بالاتفاق وہ رأس المال کی مقدار کے اعتبار سے ہوگا۔

---

❶ نصب الراية: ۳/۴۷۵۔ ❷ فتح القدير: ۵/۲۱۔ ❸ المغني: ۵/۲۷۔

مالکیہ شوافع، ظاہریہ، اور حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ کے ہاں: شرکت عنان کی صحت کے لئے شرط ہے کہ منافع اور نقصان راس المال کی مقدار کے حساب سے ہو، کیونکہ منافع ان دونوں کے مال کی بڑھوتری ہے اور نقصان ان دونوں کے مال کا ہے۔

لہٰذا دونوں بقدر مالیت ہوں گے، یعنی منافع، نقصان کے مشابہ ہے، پس جیسے ایک شخص کے لئے خسارہ برداشت کرنے کے شرط لگانا جائز نہیں اسی طرح ایک خاص حصے منافع کی شرط لگانا بھی جائز نہیں۔ پس منافع اور خسارہ دونوں مال کے تابع ہیں۔ اسی پر مرتب ہے اگر دونوں شریکوں، منافع اور خسارہ میں کمی زیادتی کی شرط لگائی مال کے برابر ہونے کے باوجود یا منافع اور خسارہ میں برابری کی شرط لگائی جبکہ مال کم زیادہ ہے تو عقد صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد شرکت کے منافی ہے، لہٰذا شرکت صحیح نہیں، جیسا کہ اگر کسی ایک کے لئے منافع کی شرط کی صورت میں صحیح نہیں۔

۳۔ مال شرکت کا ہلاک ہونا..... حنفیہ اور شوافع کے ہاں جب مال شرکت سارے کا سارا یا کسی ایک کا خلط سے پہلے ہلاک ہوجائے تو شرکت باطل ہے۔ کیونکہ معقود علیہ عقد شرکت میں مال ہے اور اسی میں شرکت متعین ہے، جب معقود علیہ ہلاک ہوجائے تو عقد باطل ہوجاتا ہے، جیسے بیع یہ اس وقت ہے جب دونوں مال ہلاک ہوجائیں، رہ گیا ایک کے مال کے ہلاک ہونے پر عقد کا باطل ہونا تو یہ اس لئے کہ اس کا وہ شریک جس کا مال ہلاک نہیں ہوا وہ دوسرے کے مال کے بغیر شرکت پر راضی نہیں ہوگا، جب مقصود فوت ہوگیا کہ دونوں راضی نہیں شرکت یہ تو فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہوجائے گا، جونسا بھی مال ہلاک ہوگا وہ اس کے ساتھی کے مال میں سے ہلاک ہوگا، برخلاف اس صورت کے کہ جب مال ملالیا گیا ہو پھر ہلاک ہو تو مال شرکت میں سے ہلاک شمار ہوگا۔

اگر کسی ایک شریک نے اپنے مال سے کچھ خریدا، اور خریدنے کے بعد دوسرے کا مال ہلاک ہوگیا، تو جو چیز خریدی گئی وہ دونوں کے درمیان ہوگی، کیونکہ اسے شرکت پائے جائے کے وقت خریدا گیا ہے، پس یہ دونوں کی مملوک ہوئی، اس کے بعد مال کا ہلاک ہونا، مالک کے حکم کو تبدیل نہیں کرسکتا، جب خرید کردہ چیز شرکت پر ہے تو وہ شریک اپنے ساتھی سے اس کے ثمن کے حصہ میں رجوع کرے گا کیونکہ اس نے نصف اس کی وکالت کی وجہ سے خریدی اور ثمن اپنے مال سے ادا کئے۔ ❶

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں..... شرکت صرف عقد ہی سے منعقد ہوجائے گی اور اس وجہ سے راس المال شرکاء کے درمیان مشترک ہو جائے گا پس اگر کسی ایک کا مال خلط ملط کرنے سے پہلے یا تصرف سے پہلے ہلاک ہوگیا تو یہ شرکاء کے حساب سے ہوگا۔ ❷

۴۔ مال شرکت میں تصرف..... شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو فروخت کریں، کیونکہ عقد شرکت کی وجہ سے دونوں کی ایک دوسرے کو مال شرکت فروخت کرنے کی اجازت ہے نیز شرکت وکالت کو متضمن ہے، پس دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا مبیع کا وکیل ہوگا۔ اور ہر شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو نقداً فروخت کرے یا ادھار، کیونکہ مطلقاً بیع کی اجازت ہے شرکت کی وجہ سے، نیز شرکت تاجروں کی عادات کے مطابق منعقد ہوتی ہے اور ان کی عادات میں سے ہے نقد فروخت کرنا اور ادھار۔

شوافع کے ہاں ادھار فروخت کرنا جائز نہیں، جبکہ حنابلہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ان میں سے راجح یہ ہے کہ لفظ جائز ہے۔ ❸

اور شریک کو یہ بھی اختیار ہے غبن فاحش کے علاوہ چاہے کم ثمن پر فروخت کرے چاہے زیادہ پر، کیونکہ عقد سے مقصود نفع کمانا ہے جو غبن فاحش سے حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دلالۃً عقد سے مستثنیٰ ہے۔

---

❶..... فتح القدير: ۵/ ۳۳ المبسوط: ۱۱/ ۱۶۷۔ ❷غاية المنتهى: ۲/ ۱۶۶۔ ❸مغنى المحتاج: ۲/ ۲۱۴۔

جب شریک کے پاس نقود (یعنی دراہم ودنانیر ہوں) تو وہ نقد بھی خرید سکتا ہے ادھار بھی، کیلی چیز بھی خرید سکتا ہے اور وزنی بھی، اگر اس نے دراہم و دینار کے ساتھ کوئی چیز ادھار خریدی یا کیلی اور وزنی چیز ادھار خریدی، تو خرید سکتا ہے، کیونکہ شریک خریدنے کا وکیل ہے اور وکیل بالشراء ادھار خریدنے کا بھی مالک ہوتا ہے، نیز اس وقت ثمن ادا کرنا بھی ممکن ہے جو اس کے قبضہ میں مال ہے اس میں سے۔

اگر اس کے پاس دراہم ودنانیر نہ ہوں اور مال شرکت سارا عین ہو یا سامان، پھر وہ دراہم اور دنانیر سے کوئی چیز ادھار خریدے، تو خریدی گئی چیز اس کے لئے ہوگی اس کی شریک کے لئے نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر اس کے ساتھی کے حق میں یہ صحیح ہو تو یہ پھر مال شرکت پر قرض (دین) ہوگا، جبکہ شریک مال شرکت میں بغیر اجازت کے قرض (دین) کا مالک نہیں ہوتا، جیسے مضاربت میں شریک، کیونکہ اس صورت میں رأس المال اس سے زیادہ ہو جائے گا جس میں ساتھی شرکت پر راضی تھا۔ اس کی رضامندی کے بغیر اس طرح کرنا جائز نہیں۔ [1] میں یہاں تصرف کی اہم اقسام ذکر کرتا ہوں:

الف۔ مال شرکت کو بضاعۃً اور ودیعۃً دینا..... شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو بضاعۃً دے دے، کیونکہ شرکت تجار کی عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے اور بضاعۃً مال دینا (یعنی کسی دوسرے کو مال شرکت دینا کہ اس سے کام کرو اور نفع سارا رأس المال کا ہو عامل کو کچھ نہ ملے) تجار کی عادت میں سے ہے اور اس لئے کہ اس کو اختیار ہے کہ بضاعت میں کسی کو کام کے لئے اجرت پر لے لے، تو ابضاع کا اختیار اس کو بدرجہ اولی ہوگا اس لئے کہ جو اعلیٰ کا مالک ہو وہ ادنیٰ کا بھی مالک ہوتا ہے۔ نیز شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کو ودیعت رکھے کیونکہ ودیعت رکھنا بھی تجار کی عادت ہے اور تجارت کی ضرورت بھی ہے۔ شوافع کا اس میں اختلاف ہے اور حنابلہ کی دو روایتیں ہیں۔

ب۔ مال شرکت سے مضاربت کرنا..... شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مال شرکت کسی دوسرے کو مضاربۃً دے دے حنفیہ کے ہاں ظاہر الروایۃ اور اصح یہی ہے، کیونکہ شریک اس بات کا مالک ہے کہ وہ کسی کو اجرت پر لے لے تاکہ وہ مال شرکت میں کام کرے تو مضاربت کے طور پر دینے کا بدرجہ اولیٰ مالک ہے، کیونکہ اجیر اجرت کا مستحق ہے چاہے شرکت سے منافع حاصل ہو یا نہ ہو، جبکہ مضارب اپنے کام کی وجہ سے کسی چیز کا بھی مستحق نہیں ہوتا جب تک مضاربت میں نفع نہ ہو، پس جب شریک اجارہ کا مالک ہے تو مضاربت کے طور پر دینے کا بدرجہ اولی مالک ہونا چاہئے۔

ج۔ بیع وشراء کا وکیل بنانا..... شریک کو اختیار ہے کہ خرید وفروخت کا وکیل بنائے، کیونکہ وکالت مضاربت سے کم ہے نیز وکالت بالبیع والشراء تجارت کے اعمال میں سے ہے، اس لئے کہ تاجر کے لئے تمام تصرفات خود کرنا ممکن نہیں وہ توکیل کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا وکیل بنانا تجارت کی ضروریات میں سے ہے۔

د۔ گروی رکھنا رکھوانا..... شریک کی اجازت سے سامان شرکت کو کسی ایسے دین کی وجہ سے گروی رکھ سکتا ہے جو عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہو یعنی خریدنے کی وجہ سے یا جو کچھ فروخت کیا اس کے بدلے رہن رکھوائے، کیونکہ گروی رکھنا دین کی ادائیگی کے لئے اور گروی رکھوانا دین کی وصولی کے لئے ہے اور یہ وصولی اور ادائیگی کا مالک ہے۔

ہ۔ بضاعت کے ثمن کا حوالہ..... اس کو اختیار ہے کہ بضاعت کے ثمن کا حوالہ قبول کرے یا حوالہ کرے، کیونکہ حوالہ اعمال تجارت میں سے ہے، اس لئے کہ تاجر لوگوں کے مالدار اور تنگ دست ہونے کی وجہ سے حوالہ کا محتاج ہوتا ہے۔

پس حوالہ وصولیابی کا ذریعہ ہے، پس یہ گروی کے معنی میں ہے وصولی کے وثیقہ کے طور پر۔

---

[1] البدائع: ۶/۶۸، رد المحتار: ۳/۳۷۷۔

و۔ **حقوق عقد کا التزام**..... ہر وہ چیز جو حقوق عقد سے متعلق ہے یعنی قبضہ کرنا، سپرد کرنا، اور دعویٰ میں خصومت، تو یہ اس شریک پر لازم ہیں جو عقد کر رہا ہے نہ کے دوسرے شریک پر، اگر کسی نے ان میں سے کچھ چیز فروخت کی تو دوسرے کو ثمن پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں، اسی طرح ہر وہ دین جو کسی کی وجہ سے لازم ہوا عقد میں تو دوسرے کو اس پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں، اور مدیون اس دوسرے کو وصولی سے روک سکتا ہے، کیونکہ قبضہ کرنا حقوق عقد میں سے ہے۔ اور اس کا تعلق عاقد سے ہے اسی طرح کسی ایک شریک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بیع میں یا ادائیگی میں ہونے والے کسی معاملہ میں دوسرے شریک کی طرف سے خصم بنے، کیونکہ خصومت حقوق عقد میں سے ہے، اگر کسی نے کوئی چیز خریدی تو دوسرے سے ثمن کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور شریک کو مبیع پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں لما ذکر۔

ز۔ **مال شرکت کو ساتھ رکھ کر سفر کرنا**..... طرفین، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مال شرکت کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ تصرف کی اجازت مقتضائے عقد سے ثابت ہے اور شرکت مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کے ہاں شریک کی اجازت کے بغیر مال شرکت کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفر میں خطرہ ہوتا ہے لہٰذا غیر کی ملکیت کے ساتھ اس کے اجازت کے بغیر درست نہیں۔

ح۔ **مال شرکت سے تبرع کرنا اور قرض دینا**..... کسی شریک کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ مال شرکت کو ہبہ کرے کیونکہ ہبہ احسان ہے اور یہ شریک کے مال سے احسان کرنے کا مالک نہیں جیسا کہ مال شرکت میں سے قرض دینے کا مالک نہیں، کیونکہ قرض کا فی الحال کوئی عوض نہیں ہوتا یہ تبرع اور احسان کی طرح ہے جبکہ تبرع واحسان کرنے کا یہ مالک نہیں۔ شوافع کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شریک بغیر نقصان کے تصرف کر سکتا ہے جیسے وکیل، ادھار نہیں فروخت کر سکتا غرر کی وجہ سے، اور اس شہر کے علاوہ کی نقود سے نہیں فروخت کر سکتا، غبن فاحش نہیں کر سکتا، مال کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا، اور نہ کچھ حصر کے ساتھ بغیر اجازت کے، کیونکہ شرکت فی الحقیقت وکالت وتوکل ہے۔

دوسری بات: شرکت مفاوضہ فی المال کے احکام..... شرکت عنان میں مذکورہ احکام جن کا بجالانا اور کرنا ایک شریک کے لئے جائز ہے تو شرکت مفاوضہ کے شریکوں کے لئے بھی ان کا کرنا جائز ہے، جب وہ یہ کام کرے گا تو اس کے لئے یہ کرنا جائز ہے، کیونکہ شرکت مفاوضہ، عنان سے اخص ہے، اسی طرح صحت عنان کے لئے جو شرائط ہیں وہی شرکت مفاوضہ کی صحت کے لئے بھی ہیں، اور جس چیز سے شرکت عنان فاسد ہو جاتی ہے اس سے مفاوضہ بھی فاسد ہوگی کیونکہ شرکت مفاوضہ، عنان اور کچھ زیادہ کا نام ہے۔

باقی جو احکام شرکت مفاوضہ کے ساتھ خاص ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ **دین کا اقرار کرنا**..... مفاوضہ کے شریک کے ساتھ خاص ہے کہ وہ اپنے اوپر دین کا اقرار کرے اور شریک پر بھی اور قرض خواہ جس سے چاہے مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے پس اقرار کرنے والے کے ذمہ اپنے اقرار کی وجہ سے اور دوسرے ساتھی کے ذمہ کفالت کی وجہ سے دین لازم ہوگا، اسی طرح شریک کی اجازت کے بغیر رہن رکھنا اور رکھوانا اس کے ساتھ خاص ہوگا، برخلاف شرکت عنان کے۔

۲۔ **تجارتی قرض اور اس کے مثل چیزوں کا التزام**..... یہ بھی اسی طرح خاص ہے کہ ہر وہ چیز تجارتی دین وغیرہ میں سے جو ان میں سے ایک پر واجب ہوگی وہ دوسرے پر بھی واجب ہوگی مساوات ثابت کرنے کے لئے اور ان تمام التزامات کی طرح ہے جو عقد تجارت کی وجہ سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً مبیع کے ثمن بیع صحیح میں اور بیع فاسد میں مبیع کی قیمت، کرائے پر لی گئی چیز کی اجرت، اور جو چیزیں تجارت کے معنی

میں ہیں، جیسے شئی مغصوب کا ضمان، ودیعت اور عاریت کا ضمان جب مخالفت کرے مودع حفاظت کی کیفیت میں، اور ہلاک شدہ چیزوں کا ضمان، اجارہ، رہن رکھنا اور رکھوانا وغیرہ کے ضمان۔

دین تجارت کا ہر شریک پر لازم ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ دین شرکت کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ عقد شرکت کے مقتضیات میں سے ہے بیع اور تجارت کا ہونا، اور ہر شریک دوسرے ساتھی کا کفیل ہے اس چیز میں جو شرکت کی وجہ سے اس پر لازم ہوئی ہے، رہ گیا غصب کا ضمان، تو یہ ضمان تجارت کے معنی میں ہے، کیونکہ ضمان کا اس میں ثابت ہونا اس شئی مضمون کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔تو یہ بیع کے ضمان کے معنی میں ہوگیا، اور ودیعت عاریت وغیرہ میں مخالفت تو ان کا ضمان، غصب کے ضمان کے معنی میں ہے کیونکہ یہ غیر یہ ظلم کرنے کے باب میں سے ہے بغیر مالک کی اجازت کے۔

۳۔ **کفالت مالی کا التزام**......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہر شریک اگر کسی اجنبی شخص سے مالی کفالت کو اپنے ذمہ لے تو دونوں کے ذمہ اس کی کفالت ہوگی، کیونکہ کفالت اگرچہ ابتداءً تبرع اور احسان ہے، لیکن نتیجۃً یہ معاوضہ ہے اس میں کفیل اور مکفول عنہ کے درمیان تملیک اور تملک پایا جاتا ہے، پس کفیل مکفول عنہ سے اس چیز پر رجوع کرے گا جس کا کفیل بنا تھا جبکہ کفالت اس کی طلب پر کی ہو، صاحبین کے ہاں کفالت مالی شریک پر لازم نہیں، کیونکہ یہ تبرع اور احسان ہے دلیل یہ ہے کہ بچے کی طرف سے صحیح نہیں، اور اگر یہ کفیل سے حالت مرض میں ہوا ہو تو ثلث مال سے اس کا اعتبار ہوگا صرف۔

۴۔ **خرید وفروخت کے حقوق کا مطالبہ**......ہر شریک سے خرید فروخت سے متعلق حقوق کا مطالبہ ہوگا، اگر کسی ایک شریک نے کوئی چیز خریدی تو دوسرے سے ثمن کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ خریدنے والے سے کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسرا شریک مبیع پر قبضہ کرسکتا ہے جیسا کہ مشتری کرسکتا ہے، اسی طرح دوسرا شریک کسی عیب کی وجہ سے مبیع بائع کو واپس کرسکتا ہے اور اس کو یہ بھی استحقاق ہے کہ اگر مبیع غیر کی نکلے تو ثمن کا مطالبہ بائع سے کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کسی بات میں جھگڑا ہوجائے تو گواہ پیش کرسکتا ہے، جیسا کہ عیب کے انکار کی صورت میں حلف اٹھاسکتا ہے۔

۵۔ **جنایت انسان، مہر، نفقہ اور گھریلو خرچہ کا ضمان**......کسی انسان کے زخموں کی دیت، مہر، نفقہ، بدل خلع قتل عمد بدل خلع وصلح وغیرہ میں دوسرے شریک سے مطالبہ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسے دیون ہیں جن میں شرکت صحیح نہیں، لہٰذا یہ صرف مباشر کے ذمہ ہوں گے، کیونکہ دیون تجارت کے علاوہ کسی چیز کا التزام شریکوں میں سے کسی نے نہیں کیا، اور یہ چیزیں تجارت سے متعلق نہیں اور نہ تجارت کے معنی میں ہیں، کیونکہ معاوضہ مال بالمال نہیں پایا گیا۔

اسی طرح ہر شریک جو طعام، کپڑے وغیرہ اپنے اہل وعیال کے لئے خریدے گا اور ضروری اشیاء جس میں گھر خریدنا رہائش اور کرائے پر یا سواری وغیرہ حج کے لئے کرائے پر لینا وغیرہ یہ سارے کام جائز ہیں اور ضرورت استحسان کی وجہ سے اس کے ساتھ خاص ہیں، کیونکہ یہ وہ اشیاء ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں، لہٰذا شرکت مفاوضہ سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ دلالت حال سے معلوم شدہ چیز ایسے ہے جیسے شرط ٹھہرائی گئی ہو، لیکن بائع کو اختیار ہوگا کہ خریدی گئی چیزوں کی رقم کا جس شریک سے چاہے مطالبہ کرے، اگرچہ یہ مشتری کے لئے ہی خاص ہیں، لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جن میں شرکت جائز ہے اور ہر شریک اس چیز میں جس میں اشتراک جائز ہو دوسرے کا کفیل ہوتا ہے، البتہ فقہاء کہتے ہیں کہ دوسرا شریک جو ادائیگی کرے گا اس پر اپنے ساتھی سے رجوع کرسکتا ہے، کیونکہ یہ دین کی ادائیگی ہے مال مشترک میں سے دلالۃً اذن کی وجہ سے نہ کہ تبرعاً، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک نے جو کچھ کھانا کپڑے، سالن وغیرہ اپنے اہل وعیال کے لئے خریدا ہے وہ

دونوں کے درمیان مشترک ہو، کیونکہ یہ عقد تجارت میں سے ہے لہٰذا اس کی جنس میں سے ہے جسے شرکت شامل ہے۔

تیسری بات: شرکت وجوہ کے احکام..... شرکت وجوہ مفاوضہ ہو یا عنان اس کی دونوں شریک اس چیز میں جو ان پر واجب ہوئی اور وہ کام جو جائز ہیں اور جو نا جائز ہیں ان میں یہ دونوں شریک شرکت اموال میں مفاوضہ اور عنان کی طرح ہیں اگر مطلق شرکت رکھی تو شرکت عنان ہوگی، کیونکہ مطلق شرکت شرکت عنان کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ حنابلہ اگر چہ شرکت وجوہ کے جواز کے قائل ہیں، لیکن یہ اس کو شرکت عنان پر خاص کرتے ہیں اگر شرکت وجوہ مفاوضہ ہو تو ان کی ہاں یہ جائز نہیں مطلقاً، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے کہ اس کے مثل پر شریعت کا حکم نہیں آیا، اس غرر کی وجہ سے لہٰذا بیع غرر کی طرح یہ بھی صحیح نہیں، اور غرر کی وجہ گذر چکی ہے۔

کیونکہ ان میں سے ہر ایک وہ چیز لازم ہوگی جو دوسرے پر لازم ہو، اور کبھی ایسی چیز بھی لازم ہوگی جس کے کرنے پر وہ قادر ہوتا۔

چوتھی بات: شرکت اعمال کے احکام:

الف۔ اگر شرکت اعمال مفاوضہ ہو..... بایں طور کہ مفاوضہ کا لفظ ذکر ہو یا اس کے قائم مقام لفظ تو پھر ہر شریک پر وہ چیز لازم ہوگی جو اس کے ساتھی پر اس شرکت کی وجہ سے لازم ہوئی ہے، اور اس میں دوسرے سے اس کا مطالبہ ہوگا، اسی طرح ایک شریک کا دین کا اقرار کرنا بھی جائز ہے مثلاً صابن کی قیمت، اشنان کی قیمت کا اقرار، یا مزدور کی مزدوری، یا مکان کا اقرار اپنے پر بھی اور شریک پر بھی اور جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کو اختیار ہے جس شریک سے بھی چاہے دین کا مطالبہ کرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہے، پس اقرار کرنے والے کے ذمہ اس کے اقرار کی وجہ سے دین لازم ہوگا، اور شریک پر کفالت کی وجہ سے۔ اور شرکت مفاوضہ فی الاعمال کی مثال یہ ہے کہ مثلاً دو کاریگر کام قبول کرنے میں شریک ہوں اور دونوں برابر کام کرنے کے ضامن ہوں اور نفع نقصان میں دونوں برابر ہوں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہو اس چیز میں جو اس شرکت کی وجہ سے لازم ہوئی ہے۔

ب۔ اگر شرکت اعمال عنان ہو..... تو جو عمل بھی ایک شریک قبول کرے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا، یہ شرکت مفاوضہ کے مشابہ ہے ضمان عمل کی طرف نسبت کرتے ہوئے استحساناً پس کام کروانے والے کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس سے چاہے کام کا مطالبہ کرے، کیونکہ یہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے، جیسا کہ ہر ایک شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ کام کرانے والے سے ساری اجرت کا مطالبہ کرے، کیونکہ سارا عمل لازم ہے، لہٰذا اس کو ساری اجرت کے مطالبہ کا حق ہے، اور کام کرانے والے کسی بھی شریک کو ادائیگی کرنے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ رہ گیا قیاس تو اس کے مطابق کام کروانے والے کو یہ حق نہیں کہ جس شریک سے چاہئے مطالبہ کرے جیسا کہ جس نے کام نہیں لیا اس کو اجرت کے مطالبے کا حق نہیں اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت عنان ہے نہ کہ مفاوضہ اور شرکت عنان کا حکم یہ ہے کہ جو چیز ایک شریک پر لازم ہو اس کا مطالبہ دوسرے سے نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ استحسان..... یہ ہے کہ یہ شرکت وجوب عمل کا تقاضا کرتی ہے ہر ایک شریک سے، جب ایسا ہی ہے تو یہ ضمان عمل کے وجوب کے مقتضیٰ میں سے ہوا تو یہ مفاوضہ کے معنی میں ہوگی وجوب ضمان کی وجہ سے دوسرے شریک پر، لیکن یہ حقیقت واقعی کے اعتبار سے مفاوضہ نہیں، دلیل یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں (یعنی ہر ایک سے عمل کا مطالبہ اور بدل کا تقاضا) کے علاوہ باقی چیزوں پر شرکت عنان کی احکام لاگو ہوں گے۔ پس جب کسی ایک شریک نے دین کا اقرار کیا مثلاً صابن یا اشنان جو کہ ہلاک کر دیئے گئے کے ثمن، یا کسی مزدور کی مزدوری یا دکان کے کرائے کا مدت اجارہ گزرنے کے بعد تو اس کے ساتھی کے اقرار کی تصدیق صرف اقرار یا قسم کے علاوہ نہیں ہوگی، کیونکہ اقرار کا نصف دوسرے پر یہ تو مفاوضہ کے مقتضیات میں سے ہے اور اس کی تصریح نہیں، ہاں جب مشتری نے ان چیزوں کو استعمال نہ کیا ہو اور مدت اجارہ ختم نہ ہوئی ہو، تو

پھر ایک کا اقرار دوسرے کو لازم ہوگا، اس سے پتا چلا کہ یہ شرکت ہر اعتبار سے مفاوضہ کے حکم میں نہیں، بلکہ صرف وجوب عمل کے اعتبار سے ہے، تو عمل میں ہر شریک دوسرے کا کفیل ہوگا، یہی حنابلہ کا بھی مذہب ہے، زیدیہ کے ہاں یہ شرکت ان کے ہاں وکالت کو متضمن ہے نہ کفالت کو ان کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق۔

ج۔ اس شرکت میں منافع کی تقسیم...... منافع اس شرکت میں ضمان کے اعتبار سے تقسیم ہوگا حقیقۃً عمل کے اعتبار نہیں، اگر ایک شریک نے کام کیا دوسرے نے کسی وجہ سے نہیں کیا بایں طور کہ وہ بیمار ہوگیا، یا اس نے سفر شروع کر لیا، تو اجرت ان دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے ہوگی، کیونکہ اس شرکت میں اجرت کا استحقاق کام کے ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ بالفعل کام کی وجہ سے۔ کیونکہ عمل تو کبھی نفس شریک کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی اس کے علاوہ سے جیسے سلائی کہ اس میں دوسرے آدمی سے مدد لے، تو یہ اجرت کا مستحق ہوگا اگرچہ کام نہ بھی کیا ہو، اور صرف عمل کی شرط اس پر لگانا کافی ہے۔ اس شرکت میں اگر کام کے ضمان میں کمی بیشی کی شرط لگائی گئی ہو تو کمائی میں بھی کمی بیشی کی شرط لگانا جائز ہے، بایں طور کہ ایک کے لئے دو ثلث کمائی (اجرت) کی شرط لگائی گئی ہو اور دوسرے کے لئے ثلث کی اور کام کی بھی شرط ان دونوں پر ایسی ہی ہو، یہ الگ بات ہے کہ جس کے لئے کمائی میں زیادتی کی شرط ہے وہ کام کرے یا نہ کرے، کیونکہ اجرت کا استحقاق اس شرکت میں ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے کام کی وجہ سے نہیں۔ چونکہ جب اصل اجرت کا استحقاق ضمان عمل کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ عمل کی وجہ سے حقیقۃً تو زیادہ اجرت کا استحقاق بھی زیادہ ضمان کی وجہ سے ہوگا نہ کہ زیادہ عمل کی وجہ سے، اگر اس شخص نے زیادہ کام کیا جس کے لئے تھوڑی اجرت مقرر ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ نفع ضمان عمل کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ حقیقۃً عمل کی وجہ سے۔

د۔ خسارہ کی تقسیم...... اس شرکت میں خسارہ اور نقصان بھی بقدر ضمان ہوگا یہاں تک کہ اگر دونوں شریکوں نے یہ شرط لگائی کہ جو بھی کام یہ لیں گے اس میں سے دو ثلث ایک کرے گا اور ایک ثلث دوسرا کرے گا اور خسارہ ان دونوں میں نصف نصف ہوگا، تو یہ شرط جو خسارے کی ہے باطل ہوگی اور شرکت طے شدہ ضمان عمل کے اعتبار سے درست ہوگی، کیونکہ منافع جب بقدر ضمان تقسیم ہوتا ہے تو نقصان بھی بقدر ضمان تقسیم ہوگا۔

اگر کسی ایک نے جنایت کی تو ضمان سب پر ہوگا، کیونکہ جنایت کا ضمان، ضمان عمل کی وجہ سے ہے جبکہ ان دونوں نے عمل کا ضمان لیا تھا۔

چوتھا مقصد: شرکت اور شریک کے قبضہ کی نوعیت

پہلی بات: لزوم شرکت کا حکم...... جمہور فقہاء کے ہاں عقد شرکت جائز غیر لازم ہے، لہٰذا یہ ایک شریک کو یہ اختیار ہے کہ وہ عقد کو فسخ کر دے سوائے اس کے کہ جواز فسخ کی شرائط میں سے یہ شرط ہے کہ دوسرے شریک کو فسخ کا علم ہو، کیونکہ شریک کو بتائے بغیر فسخ کرنا اس کا نقصان ہے، یہی وجہ ہے کہ وکیل کو بتائے بغیر معزول کرنا جائز نہیں، لہٰذا شرکت میں موجود وکالت میں بھی فسخ کا علم ہونا ضروری اور شرط ہے۔

مالکیہ کے ہاں بھی عقد شرکت جائز غیر لازم ہے جیسا کہ ابن رشد رحمہ اللہ نے بدایۃ المجتہد میں اور مقدمات میں نقل کیا ہے۔ لیکن مختصر الخلیل اور اس کے شراح نے ذکر کیا ہے کہ مشہور مذہب یہ ہے کہ عقد لازم ہے، چاہے شرکاء کے مال خلط ہو چکے ہوں یا نہ، اور ابن عبد السلام نے فرمایا کہ مذہب اور فتویٰ عقد لازم ہونے کا ہے، اور یہ تصرف شروع کرنے پر موقوف نہیں۔ اور یہ مالکیہ میں سے سحنون رحمہ اللہ علیہ کی رائے ہے، بعض نے ترجیح اس بات کو دی ہے تصرف یا کام شروع کرنے سے مالکیہ کے ہاں یہ عقد لازم ہو جاتا ہے، اور یہی ہے جس کو خطاب رحمہ اللہ نے ظاہر کیا ہے کہ یہ شرکت اموال میں ہے البتہ شرکت اعمال میں عمل سے لازم ہوتا ہے۔

دوسری بات: شریک کا قبضہ، قبضہ امانت ہے...... فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریک کا مال پر قبضہ، ودیعت کے قبضہ کی طرح، قبضہ امانت ہے، کیونکہ اس نے دوسرے ساتھی کی اجازت سے مال پر قبضہ کیا ہے، نہ اس لئے کہ وہ اس کا ثمن دے گا جیسا کہ خریدنے کے ارادہ سے قبضہ میں ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں تو ثمن دینے کے لئے قبضہ ہوتا ہے، اسی بناء پر اگر مال شریک کے ہاتھ سے ضائع ہو جائے اس کی تعدی کوتاہی کے بغیر تو وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ وہ شریک کی طرف سے حفاظت اور تصرف میں نائب ہے، تو اس کے قبضہ میں ہلاک ہونا ایسا ہی ہے جیسا اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہلاک ہونا نفع کی مقدار اور نقصان کی مقدار کچھ مال ضائع ہونے اور سارا مال ضائع ہونے میں اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اگرچہ وہ مال تجارت نہ بھی ہو، البتہ کوتاہی اور تعدی کی صورت میں تمام امانتوں کی طرح ضامن ہوگا۔

پانچواں مقصد: عقد شرکت باطل کرنے والے کام...... بعض وہ چیزیں ہیں جو تمام شرکتوں کے بطلان پر عام ہیں اور بعض بعض کے ساتھ خاص ہیں، وہ مبطلات جو تمام شرکتوں میں عام ہیں یہ ہیں:

۱...... کسی ایک شریک کا شرکت کا فسخ کر دینا، کیونکہ یہ جمہور کے ہاں عقد جائز غیر لازم ہے کما عرفنا، لہٰذا یہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے، اور مالکیہ کی ہاں دونوں کے اتفاق کے بغیر فسخ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے ہاں عقد لازم ہے، حنابلہ کے ہاں: اگر شرکاء میں سے کسی نے کہا میں اپنے شریک کو معزول کرتا ہوں اگرچہ مال دراہم و دانیز کی شکل میں نہ ہی ہو تو وہ معزول ہو جائے گا، اور معزول اپنے حصہ میں تصرف کر سکے گا، اگر کہا میں شرکت کو فسخ کرتا ہوں، تو دونوں معزول ہو جائیں گے لہٰذا یہ شریک صرف اپنے حصہ میں تصرف کر سکے گا۔

۲...... دونوں میں سے کسی ایک کا مر جانا، اگر کوئی ایک شریک ... گیا تو شرکت فسخ ہو جائے گی ملک کے باطل ہونے کی وجہ سے اور موت کی وجہ سے اہلیت زائل ہونے سے چاہے دوسرے شریک کو اس کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ شریک دوسرے کا وکیل ہے۔ اور مؤکل کی موت، وکیل کے معزول ہونے کی چیز ہے چاہے جانتا ہو یا نہ، کیونکہ موت حکماً معزول کرنے کا نام ہے۔

۳...... (العیاذ باللہ) کسی ایک شریک کا مرتد ہو جانا اور دار الحرب چلے جانا، کیونکہ یہ بھی بمنزلہ موت ہے۔

۴...... شریک کا ہمیشہ کے لئے مجنون ہو جانا، کیونکہ جنون کی وجہ سے وکیل وکالت سے نکل جاتا ہے جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ شرکت، وکالت کو متضمن ہے، بے ہوشی بھی جنون کی طرح ہے اور ہمیشہ کے جنون کی مقدار ایک مہینہ یا آدھا سال ہے۔

وہ مبطلات جو بعض بعض شرکتوں کے ساتھ خاص ہیں:

۱...... شرکت اموال میں کچھ خریدنے سے قبل مال شرکت سارا کا سارا یا کسی ایک شریک کے مال کے ضائع ہونے کی وجہ سے چاہے دونوں مال ایک جنس کے ہوں یا مختلف الجنس ہوں دونوں مالوں کے احتیاط سے پہلے اور اس کا سبب یہ ہے کہ معقود علیہ ایسا مال ہوتا ہے اور شرکت میں مال متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ بیع میں اور یہ سب اس صورت میں ہے جب سارا مال شرکت ہلاک ہو جائے۔

اگر ایک شریک کا مال ضائع ہو تو بھی شرکت باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ شریک دوسرے کے مال کے بغیر شرکت پر راضی نہیں۔ جب اس کا مال ہلاک ہو گیا تو وہ شرکت پر راضی نہیں لہٰذا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے شرکت باطل ہو جائے گی اور اس صورت میں اس کا اپنا مال ہلاک ہوگا کیونکہ جب مال اس کے قبضہ میں ہو تو حکم ظاہر ہے اور اگر ساتھی کے قبضہ میں ہو تو اس کے پاس امانت ہے کما عرفنا۔

اگر مال دوسرے ساتھی کے مال کے ساتھ ملانے کے بعد ہلاک ہو تو بغیر شرکت کے اعتبار سے ہلاک شمار ہوگا، کیونکہ وہ دوسرے سے

ممتاز نہیں لہٰذا دونوں مالوں سے ضائع ہونا شمار ہوگا، اور اسی طرح اگر ایک شریک نے اپنے مال سے کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال کچھ خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو خرید کردہ چیز دونوں کے درمیان مشترک ہوگی طے شدہ شرط کے ساتھ کیونکہ کسی چیز کا مالک ہونا خریدنے سے وقت خرید شرکت ہونے کی وجہ سے مشترک ہوگا، اس کے بعد دوسرے مال کے ہونے سے شرکت کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔

پھر اس شئی کو خریدنے کے بعد دوسرے مال کے ہلاک ہونے کی صورت میں یہ شرکت ہی ہے امام محمدؒ کے ہاں جبکہ حسن بن زیادؒ کا اس میں اختلاف ہے، کیونکہ ان کے ہاں، یہ شرکت ملک ہے، لہٰذا ان میں سے کسی کی بیع اپنے حصے کے علاوہ درست نہیں ہوگی کیونکہ عقد شرکت مال کے ہلاک ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا، جیسا کہ کچھ خریدنے سے پہلے ہلاکت صرف خریداری کا حکم یعنی ملکیت باقی رہے گی پس اس سامان میں ان کی شرکت شرکت ملک ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہی راجح قول ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اس سامان کا فروخت کرنا جائز ہے اور اس کی بیع نافذ ہوگی کیونکہ شرکت خرید کردہ چیز میں مکمل ہے، اور اس کے مکمل ہونے کے بعد شرکت ختم نہ ہوگی جیسا کہ دونوں مالوں سے خریدنے کے بعد ہلاک ہونے کا حکم ہے۔

جب خرید کردہ چیز میں شرکت ہے تو مشتری اپنے ساتھی سے بقدر حصہ ثمن وصول کرنے کا مجاز ہے کیونکہ اس نے نصف اپنے لئے خریدی اور نصف وکیل ہونے کی حیثیت سے دوسرے کے لئے خریدی اور ثمن اپنے مال سے دیئے اس حساب سے اس سے رجوع کرے گا۔
اگر کسی ایک شریک کا مال ضائع ہوگیا اس کے بعد دوسرے نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی، تو دیکھا جائے گا، اگر عقد شرکت میں انہوں نے وکالت کی تصریح کی تھی بایں طور کہ عقد شرکت میں تصریح کی کہ ان دونوں میں سے جو بھی اپنے مال سے کچھ خریدے گا وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، تو پھر خرید کردہ چیز دونوں کی شرط کے مطابق ہوگی اگر چہ شرکت تو باطل ہوگئی لیکن وکالت کی تصریح موجود ہے اور یہ شرکت ملک ہوگی۔ لیکن اگر وکالت کی تصریح نہیں تھی بلکہ صرف عقد شرکت کا تذکرہ کیا تھا تو خرید کردہ چیز اس کی ہوگی جس نے خریدی ہے۔ کیونکہ جب شرکت باطل ہوگئی تو اس کے ضمن میں وکالت بھی باطل ہوگئی۔

۲.....شرکت مفاوضہ میں ابتداء عقد کے وقت رأس المال کا برابر نہ ہونا، کیونکہ دونوں مالوں میں ابتداء عقد سے برابر ہونا اس عقد کے صحیح ہونے کی شرط ہے، پس اس مساوات کا باقی رہنا، اس شرکت کے باقی رہنے کی شرط ہے، کیونکہ یہ شرکت مفاوضہ ہے۔ چاہے ابتداء عقد میں ہو یا درمیان عقد میں۔

جب شرکت مفاوضہ منعقد ہوجائے اور راس المال برابر ہوں دونوں شریکوں کے پھر کوئی ایک کسی مال کا وارث ہوگیا اگر وہ دراہم دنانیر ہیں تو ان میں شرکت درست ہے، تو شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی اس مساوات کے باطل ہونے کی وجہ سے جس کا ہونا ضروری تھا، اسی طرح خریداری سے قبل اگر کسی نے اپنا مال زیادہ کردیا مثلاً ایک کے درہم تھے دوسرے کے دینار کسی ایک کی قیمت خریدنے سے پہلے زیادہ ہوگئی تو شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی۔

چھٹا مقصد: حنفیہ کے ہاں شرکت فاسدہ.....شرکت فاسدہ کا حکم ہم جان چکے اب میں حنفیہ کے ہاں شرکت فاسدہ کی انواع واقسام کا تذکرہ کروں گا۔

پہلی بات.....وہ مباح چیزیں جنہیں قبضہ کرنے سے مالک بن جاتا ہے ان میں شرکت کرنا فاسد ہے مثلاً شکار، لکڑیاں چننا، گھاس کاٹنا، پانی پلانا، پھل چننا، معدنیات نکالنے کے لئے زمین کھودنا وغیرہ اگر دو آدمی ان کاموں کے لئے شرکت کریں کہ جو بھی مباح چیز پائے گا یہ دونوں کے درمیان ہوگی تو یہ شرکت حنفیہ کے ہاں فاسد ہے، جو کچھ جس نے لیا وہ اسی کا ہوگا کیونکہ شرکت میں وکالت پائی جاتی ہے۔ [illegible] مال

لینے کے لئے وکیل بنانا باطل ہے، کیونکہ مؤکل کا مباح چیز لینے کا حکم کرنا صحیح نہیں، ملکیت اور ولایت نہ ہونے کی وجہ سے، اور وکیل مباح کا مالک ہوجائے گا بغیر وکالت کے مؤکل کا نائب نہ ہوگا مباح چیز میں، کیونکہ وکالت ولایت کے اثبات کا نام ہے اور یہ وکیل کے لئے ثابت نہیں اور نہ ہی یہاں پائی جاتی ہے، جب وکالت ثابت نہیں تو شرکت بھی ثابت نہ ہوگی۔ جب مباح چیزوں میں شرکت فاسد ہے تو ہر ایک کی ملکیت اسے قبضہ میں لینے سے ثابت ہوگی اور محفوظ کرنے سے پھر دیکھا جائے گا:

(الف)......اگر دونوں نے اکٹھے اس کو جمع کیا تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی، کیونکہ استحقاق کے سبب میں دونوں برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی برابر ہوں گے۔

(ب)......اگر مذکورہ اشیاء کو ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ لیا تو لی گئی چیز اس کی ملکیت ہوگی، کیونکہ مباح چیزوں میں ثبوت ملکیت لینے اور غلبہ پانے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور ان میں سے ہر ایک لینے اور غلبہ پانے میں اکیلا ہے، لہٰذا ملکیت میں بھی اکیلا ہوگا۔

(ج)......اگر دونوں نے الگ الگ ان چیزوں میں سے کوئی چیز لی تھی پھر اس کو ملا لیا اور فروخت کر دیا اگر وہ چیز کیلی یا وزنی تھی تو پھر ثمن بقدر کیل وزن تقسیم ہوں گے ہر ایک کے اعتبار سے، اگر کیلی یا وزنی نہ تھی تو قیمت کے اعتبار سے ثمن تقسیم ہوں گے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی قیمت لے لے گا، کیونکہ کیلی اور وزنی اشیاء آپس میں مماثل ہیں تو کیل اور وزن کے اعتبار سے ثمن کی تقسیم ممکن ہے، رہ گئی غیر کیلی وزنی اشیاء جو شہادت ہیں، تو عین چیز کے اعتبار سے ثمن تقسیم کرنا ممکن نہیں لہٰذا قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے، اور اگر کیل، وزن اور قیمت معلوم نہ ہو، تو ہر ایک کی اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کر دی جائے گی نصف لی گئی چیز میں اور اگر نصف سے زیادہ کا دعویٰ کرے تو اس کی بات قسم کے بغیر معتبر نہ ہوگی۔

(د)......اگر ایک نے کام کیا اور دوسرے نے اس کے ساتھ تعاون کیا بایں طور کہ ایک نے لکڑیاں کاٹی یا گھاس کاٹا اور دوسرے نے جمع کیا یا ایک نے کاٹ کر جمع کیا اور دوسرے نے اٹھا کر لائی، تو یہ ساری چیزیں کام کرنے والے کے لئے ہوں گی اور تعاون کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی چاہے جتنی بنے امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں، کیونکہ مقرر کردہ مجہول ہے، اس لئے کہ معلوم نہیں لکڑیوں کی کون سی قسم ان کو ملیں، اور کتنی مقدار وہ جمع کریں گے اور دونوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا انہیں کچھ ملے گا بھی یا نہیں، تو مجہول چیز پر راضی ہونا لغو و بیکار ہے، لہٰذا اس کے رضا مندی نصف کی جہالت کی وجہ سے ساقط ہے، وہ عقد فاسد سے منافع حاصل کرنے والا ہے لہٰذا اس کو صرف مثل ملے گی جتنی بھی بنے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو اجرت مثل اس شرط پر ملے گی کہ مقرر نصف یا اس کی قیمت سے زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ وہ اس کے نصف پر راضی تھا۔

اس کے لئے تمام اجارہ فاسدہ کے حکم کو قیاس کیا ہے انہوں نے، کیونکہ ان میں نصف مسمیٰ سے زیادہ نہیں دیا جاتا، یہاں پر بھی معاملہ ایسا ہی ہے، اور ان دونوں میں جامع، اس بات پر رضا مندی ہے کہ مقررہ سے زیادہ نہ ہو لہٰذا زیادہ کا مستحق نہ ہوگا، اس کا حکم ایسا ہو جائے گا جیسے کسی نے کسی شخص سے کہا: اس کپڑے کو فروخت کرو اس کی نصف قیمت تمہیں ملے گی اس نے اس کو فروخت کر دیا تو اس کو اجرت مثل ملے گی جو نصف ثمن سے زیادہ نہ ہو۔ [1]

جمہور کے ہاں اور شوافع کے اظہر قول کے مطابق لکڑیاں چننے، گھاس جمع کرنے اور شرکاء وغیرہ میں شرکت صحیح ہے، اور پہاڑوں اور معدنیات میں سے جو کچھ لیں گے وہ بھی مباح کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں وکیل بنانا جائز ہے، لہٰذا مؤکل کی ملکیت بھی اس میں ہوگی اگر وکیل نے اس کی نیت کی ہو، کیونکہ مباح چیزوں کا مالک ہونا اسباب ملک میں سے ایک سبب ہے۔ یہ خریدنے کے مشابہ ہو گیا شوافع نے ایسا ہی کہا ہے۔ [2]

---

[1]......تبیین الحقائق: ۳/۳۲۳۔ [2] مغنی المحتاج: ۲/۲۱۶، ۲۲۱۔

دوسری بات.....شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شریک کا خچر ہو اور دوسرے کا گدھا مثلاً، اب دونوں اس میں شریک ہوئے کہ وہ دو جانوروں کو کرائے پر لیں گے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس میں سے عطا کیا وہ مشترک ہوگا، ان دونوں نے ایک معلوم اجرت پر معلوم چیز اٹھانے کے لئے کرائے پر لیا۔ تو یہ شرکت فاسدہ ہے، کیونکہ شرکت میں وکالت پائی جاتی ہے، اس طور پر وکالت درست نہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا مؤکل ہے کہ وہ اس کے جانور کو کرائے پر لے تو اس کے لئے نصف اجرت ہے، یہ وکالت باطل ہے، جیسا کہ ایک شخص کہے: کہ اپنا اونٹ اجرت پر دے دو جو اجرت ہوگی وہ ہمارے درمیان آدھی آدھی ہوگی، یہ وکالت فاسد ہے، پس اسی طرح شرکت ہی فاسد ہے کیونکہ وکالت اور شرکت دونوں معنیٰ ہیں، وہ یہ کہ وکالت اس چیز میں ہوتی ہے جس کا وکیل وکالت سے پہلے مالک نہ ہو، جبکہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنے جانور کو فروخت کرے یا اجرت پر دے وکالت سے پہلے پس جب وہ دونوں اپنے جانوروں کو اجرت پر نہیں دے سکتے، لیکن اگر وہ کوئی معلوم سامان اٹھانے کے لئے اجرت معلومہ پر نہیں اور وہ سامان ان پر لادیں تو اجرت بحسب شرط ہوگی، کیونکہ اس صورت میں شرکت صحیح ہے، کیونکہ اس عقد کی وجہ سے وہ سامان مضمون ہوگیا۔

کوئی بھی کام جس سے وہ لے سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب شرکت فاسد ہوگی تو اجارہ صحیح ہے، کیونکہ یہ منافع معلوم پر بدل معلوم کے ذریعہ واقع ہوا ہے، لہٰذا جو اجرت ملے گی پھر خچر اور گدھے کی اجرت کے مثل اس کو تقسیم کرلیں۔

یہاں ایک اور مثال بھی ہے وہ یہ کہ دو آدمیوں کی گاڑیاں ہوں تو ان دو گاڑی والوں کا تقسیم منافع میں اشتراک درست نہیں اس حاصل شدہ منافع پر جو بطور اجارہ لوگوں کو لانے لے جانے میں حاصل ہوا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے منافع کا مالک ہے۔

شوافع بھی اس شرکت کو جائز قرار نہیں دیتے، اس لئے کہ یہ ممتاز اشیاء کے منافع پر ہوا ہے ہر شریک پر دوسرے کے لئے اس کے مال کی بقدر اجرت مثل ہے۔

تیسری بات.....شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنا جانور دے دے تاکہ وہ اس کے ذریعہ کمائی کرے اور اجرت ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی، تو یہ شرکت بھی فاسد ہے منافع سارے کا سارا مالک کا ہوگا، کیونکہ اس اجارہ میں اس نے وکیل کو یہ دیا ہے، تو وکیل کا اجارہ مؤکل کے اجارہ کی طرح ہوتا ہے اسی کے مثل گھر اور کشتی کا اجارہ ہے۔

فساد کا سبب یہ ہے کہ عقد دوسرے کی ملکیت پر اس کی اجازت سے ہوا ہے جب عقد فاسد ہوگیا تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی کیونکہ وہ جانور کے منافع کا عوض چاہتا ہے، عوض فساد عقد کی وجہ سے نہیں ملے گا تو اس کو اجرت مثل ملے گی۔

چوتھی بات.....شرکت فاسدہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدے، دوسرا اس سے کہے مجھے بھی اس میں شریک کرلو، یہ بمنزلہ خرید وفروخت ہے، جو چیز خریدی ہے اس کے نصف میں اگر یہ عقد مشتری اول کے قبضہ سے پہلے تمام ہوا تو شرکت جائز نہیں اس لئے کہ شرکت اور تولیہ قبضہ سے پہلے جائز نہیں جیسا کہ عقد بیع کے تحت معلوم ہوا۔ یہ عقد فاسد ہوگا کیونکہ یہ منقولی مبیع کی بیع ہے قبل القبض، اور یہ جائز نہیں۔ **کما عرفنا سابقاً**۔

اور اگر یہ قبضہ کے بعد ہو تو پھر جائز ہے مشتری پر شریک کے لئے نصف ثمن لازم ہوں گے اگر شریک ثمن کی مقدار نہیں جانتا تو اس کو اختیار ہے جب اسے معلوم ہو چاہے تو مبیع کا حصہ لے لے چاہے چھوڑ دے۔

اگر دو آدمی گھوڑا خریدیں اس میں قبضہ کے بعد کسی تیسرے شخص کو شریک کرلیں تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اس شریک کے لئے نصف حصہ ہو، کیونکہ ان میں سے اگر ہر ایک اپنے حصہ میں اسے الگ طور پر شریک کرتا تو یہ نصف کا حق دار ہوگا، لہٰذا جب اکٹھے شریک کریں گے تو بھی نصف ہی کا مستحق ہوگا۔

استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ شریک کے لئے ثلث ہو، کیونکہ شرکت مساوات اور برابری کا تقاضا کرتی ہے۔ جب دونوں نے ایک شخص سے کہا، ہم تجھے گھوڑے میں شریک کرتے ہیں تو گویا ان دونوں نے کہا ہم تجھے شریک کرتے ہیں اگر ان میں سے ایک نے اپنے اور اپنے ساتھی کے حصہ میں اسے شریک کیا اور اس کے ساتھی نے اس کی اجازت بھی دے دی تو پھر اس نئے شریک کے لئے نصف حصہ ہوگا، اور پہلے دو کے لئے بھی نصف ہوگا، اس لئے کہ جب اس کے شریک نے اپنے حصے میں اسے شرکت کی اجازت دے دی تو اس کا نصف حصہ اس دوسرے نئے کا ہو جائے گا، اور اس نے اپنے حصے میں اس کو شریک کر لیا پس نیا شریک جس کا حق دار بنا وہ نصف حصہ ہے، ان میں سے باقی ہر ایک کے لئے چوتھا حصہ بچا، اور ہر شرکت فاسدہ میں منافع رأس المال کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اور تفاضل کی شرط باطل ہوگی جیسا کہ شرکت کے حکم میں ہم جان چکے ہیں۔

دوسری بحث: شرکت مضاربت..... شرکت کی اقسام میں سے مضاربت، قراض یا معاملہ بھی ہے، اہل عراق کی لغت میں اس کو مضاربت کہتے ہیں، اور اہل حجاز کی لغت میں اسے قراض کہتے ہیں: قراض، قرض سے مشتق ہے اس کا معنی ہوتا ہے کاٹنا، کیونکہ مالک بھی اپنے مال میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر عامل کے سپرد کرتا ہے تاکہ وہ اس میں تصرف کرے اور اسے منافع کا ایک حصہ دیتا ہے۔ یا یہ مقارضہ سے مشتق ہے جس کا معنی برابری ہے، کیونکہ یہ دونوں بھی منافع میں برابر ہوتے ہیں یا یہ کہ مال، مالک کی طرف سے ہوتا ہے اور عمل (کام) عامل کی جانب سے اس طور پر یہ اجارہ کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں عمل کرنے والا اپنے کام کی وجہ سے منافع کا مستحق ہوتا ہے۔

اہل عراق قراض کو مضاربت کہتے ہیں، کیونکہ عاقدین میں سے ہر ایک منافع میں اپنا ایک حصہ مقرر کرتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ عامل سفر وغیرہ کرتا ہے اور سفر کو ''ضربا فی الارض'' کہا جاتا ہے لہٰذا اس سے مضاربت ہے۔

اس عقد کے بارے میں پانچ مقاصد کے تحت بات ہوگی جو یہ ہیں۔

پہلا مقصد..... مضاربت کی تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، اور اس عقد کی نوعیت۔

دوسرا مقصد..... مضاربت کی شرطیں۔

تیسرا مقصد..... مضاربت کے احکام۔

چوتھا مقصد..... رب المال اور مضارب کے اختلاف کا حکم۔

پانچواں مقصد..... مضاربت کو باطل کرنے والی چیزیں۔

پہلا مقصد..... مضاربت کے تعریف، اس کی مشروعیت، رکن، اقسام اور عقد کی نوعیت:

مضاربت کی تعریف..... یہ ہے کہ مالک مال دے عامل کو تاکہ وہ اس سے تجارت کرے اور منافع دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے مشترک ہو۔ اور خسارہ صرف رب المال پر ہوگا، عامل مضارب نقصان میں سے کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوگا وہ تو صرف اپنے کام اور محنت کا خسارہ برداشت کرے گا۔ صاحب کنز نے تعریف اس طرح کی ہے یہ شرکت ہے اس میں ایک جانب سے مال اور دوسری جانب عمل ہوتا ہے۔

پہلی تعریف کے فوائد قیود..... ''یدفع'' سے معلوم ہوا کہ کسی منفعت پر مضاربت کرنا صحیح نہیں مثلاً رہائش کے لئے گھر وغیرہ، کیونکہ یہ دین کے طور پر صحیح نہیں چاہے عامل سے ہو یا کسی اور سے اور ''الربح مشترکا'' سے واضح ہوا کہ وکیل مضارب نہیں بن سکتا، اور منافع میں

عاقدین کے مشترک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رب المال تو اپنے مال کی وجہ سے منافع کا مستحق ہے، کیونکہ یہ اس کے مال کی بڑھوتری ہے اور مضارب اپنے عمل کی وجہ سے منافع کا مستحق ہے جو منافع کے وجود کا سبب ہے، اسی بناء پر اگر سارا نفع رب المال کے لئے طے کر دیا گیا تو یہ عقد مباضعہ ہوگا، اور اگر سارا نفع مضارب کے لئے طے کر دیا گیا تو یہ قرض ہوگا۔

مضاربت کی مشروعیت......تمام مذاہب کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ مضاربت جائز ہے قرآن کریم، سنت، اجماع اور قیاس کی وجہ سے، البتہ دھوکے اور مجہول اجارہ سے یہ مستثنیٰ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ

اور بعض اللہ کا فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں۔ مضارب بھی زمین میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کے لئے چلتا پھرتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ......الجمعۃ: ۶۲/ ۱۰

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے مضاربت کو شامل ہیں۔

احادیث......ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب جب مال مضاربت پر دیتے تو عامل سے یہ شرط رکھتے کہ اس مال کو لے کر سمندر میں سفر نہیں کرنا، کسی وادی میں نہیں ٹھہرنا، اور اس کے ذریعے کسی جانور کو نہیں خریدنا، اگر ایسا کیا تو ضامن ہوگے، ان کی یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ [1]

ابن ماجہ میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزوں میں برکت ہے، ادھار فروخت کرنا، مضاربت اور اپنے گھر کے لئے گندم میں جو ملانا'' [2]

اجماع......صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ وہ یتیم کے مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ [3]

کسی نے بھی نکیر نہیں کی تو یہ اجماع ہوا، اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ، عبیداللہ، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیٹے عراق کی فوج میں گئے، جب واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک عامل سے ان کا گذر ہوا وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے ان کا استقبال کیا اور حضرت سہل کا، اور کہا اگر میں تمہیں ایک معاملے کے بارے میں کہوں اگر تم اسے کرو تو وہ تمہیں نفع دے گا پھر کہا کیوں نہیں! یہاں اللہ تعالیٰ کا مال ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے امیر المومنین کے پاس بھیج دوں، تم دونوں کو قرض دیتا ہوں تم اس سے عراق سے سامان خرید لو پھر مدینہ منورہ میں جا کر اسے فروخت کر دینا راس المال امیر المومنین تک پہنچا دینا اور منافع تم دونوں کا ہوگا، انہوں نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں تو آپ نے ایسا کیا اور حضرت عمر کو خط لکھا ہے کہ ان سے مال وصول کر لینا، جب وہ مدینہ آئے تو انہوں نے اسے فروخت کر کے نفع حاصل کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ساری فوج نے قرض لیا جس طرح تم دونوں نے لیا تو انہوں نے فرمایا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم دونوں امیر المومنین کے بیٹے تھے اس لئے تمہیں قرض دیا گیا، لہٰذا مال اور منافع بیت المال میں جمع کراؤ، حضرت عبداللہ خاموش رہے البتہ عبیداللہ نے فرمایا: اے امیر المومنین اگر مال ضائع ہو جاتا تو ہم ضامن تھے، انہوں نے فرمایا جمع کراؤ، عبداللہ خاموش رہے عبیداللہ نے جواب دیا، مجلس میں ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ اسے مضاربت قرار دے دیں کہ نصف ان دونوں کا نفع ہوا اور نصف بیت المال کا تو اس پر

---

[1]......مجمع الزوائد ۴/ ۱۶۱۔ [2] سبل السلام ۳/ ۷۶۔ [3] نصب الرایۃ ۴/ ۱۱۳

حضرت عمر راضی ہوئے آپ نے رأس المال اور آدھا نفع لے لیا اور حضرت عبد اللہ اور عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آدھا نفع لے لیا۔ ❶ ابن تیمیہ نے بھی مضاربت کی مشروعیت کو اجماع سے ثابت کیا ہے جو کہ نص پر قائم ہے، اس لئے کہ مضاربت زمانہ جاہلیت میں بھی مشہور تھی خاص کر قریش میں، ان کی اکثر تجارت اسی طرح ہوتی تھی، مال والے عاملوں کو مال دیتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے غیروں کا مال لے کر سفر کرتے تھے جیسا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال لے کر سفر کیا، اور وہ قافلہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس میں بھی اکثر مضاربت کا مال تھا، جب اسلام آیا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دوسروں کے مال مضاربت پر لے کر تجارت کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، پس جب آپ کا قول فعل اور اقرار اس کو حاصل ہے تو یہ سنت سے ثابت ہے۔

قیاس..... مضاربت کو مساقات پر قیاس کیا جائے گا لوگوں کی حاجت کی وجہ سے کیونکہ لوگوں میں امیر وغریب دونوں طرح کے لوگ ہیں، اور ایک انسان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن وہ تجارت کو نہیں سمجھتا اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس مال نہیں ہوتا لیکن وہ تجارت کے ماہر ہیں، یہی اس عقد کی مشروعیت میں لوگوں کی ضرورت کا اثبات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمام عقود لوگوں کی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیئے ہیں۔

مضاربت کی مشروعیت کی حکمت..... لوگوں کو مالوں میں بڑھوتری اور آپس میں تعاون کی قدرت دینا ہے اور مہارت کو رأس المال سے ملانا تا کہ عمدہ ثمرات ظاہر ہوں۔

مضاربت کا رکن، الفاظ اور قسمیں..... حنفیہ کے ہاں مضاربت کا رکن ایسے الفاظ سے ایجاب قبول کرنا جو مضاربت پر دلالت کریں ایجاب کے الفاظ، لفظ مضاربت، مقارضہ، معاملہ اور وہ جو اس کے قائم مقام ہوں بایں طور کہ رب المال کہے: اس مال کو مضاربت کے طور پر لے لو جو اللہ تعالیٰ اس میں سے نفع ہمیں دیں گے وہ ہمارے درمیان نصف، ربع یا ثلث وغیرہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اسی طرح جب کہا مضاربت یا معاملہ کے طور پر لے لو، یا کہا: اس مال کو لے لو اور اس میں کام کرو جو نفع اللہ تعالیٰ دیں گے وہ ہمارے درمیان ہوگا، اگر اس پر کچھ زیادتی نہ بھی کی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو مضاربت کے معنی میں ہیں اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا اور قبول کے الفاظ یہ ہیں، مضارب کہے، میں نے لے لیا یا میں راضی ہو گیا، یا میں نے قبول کیا وغیرہ، جب ایجاب قبول ہو گئے تو عقد منعقد ہو گیا جمہور کے ہاں مضاربت کے ارکان تین ہیں: عاقدان (مالک اور عامل) معقود علیہ (رأس المال، عمل اور نفع) اور الفاظ (ایجاب وقبول) اور شوافع کے ہاں پانچ ہیں، مال، عمل، منافع، الفاظ اور عاقدین۔

مضاربت کی قسمیں..... دو ہیں مطلق، اور مقید ❷ مضاربت مطلق: یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے بغیر کسی عقد کے اور کہے: یہ مال میں تمہیں مضاربت کے طور پر دیتا ہوں اس شرط پر کہ منافع میرے اور تمہارے درمیان نصف نصف یا ثلث ثلث وغیرہ ہوگا یا بغیر عمل، مکان، زمانہ وغیرہ کی تعین کے مضاربت پر مال دے دے۔

مضاربت مقید..... کہ ان اشیاء میں سے کوئی چیز متعین کر دے یا دوسرے کو ایک ہزار دینار دے مضاربت کے طور پر کہ فلاں شہر میں کام کرنا ہے یا فلاں سامان میں کام کرنا، یا فلاں وقت میں کرنا، یا فلاں شخص کے علاوہ کسی سے خرید وفروخت نہ کرنا، یہ آخری دونوں قسمیں وقت کی قید اور شخص کی قید والی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ہاں جائز ہیں۔ امام مالک اور شافعی کے ہاں جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی اضافت مستقبل

---

❶ .....نصب الرایۃ: ۴/۱۱۳۔ ❷ البدائع: ۶/۸۷۔۹۸۔

کی طرف کرنا پہلے دونوں کے ہاں جائز ہے آخری دونوں کے ہاں جائز نہیں بایں طور رب المال کہے: اس مال میں مضاربت کرو آئندہ مہینے سے، رہ گیا مضاربت کو کسی شرط پر معلق کرنا جیسا کہ مال والا کہے: جب فلاں شخص جس کے ذمہ میرا قرض ہے آ جائے وہ میں تمہارے سپرد کروں گا اس میں مضاربت کرنا، اس کو حنابلہ نے جائز قرار دیا ہے مالکیہ شوافع اور حنفیہ کے ہاں یہ جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں نفع کے ایک حصہ کی تملیک ہوتی ہے اور تملیک تعلیق کو قبول نہیں کرتی۔

شوافع اور مالکیہ کے ہاں مضاربت میں یہ شرط ہے کہ مطلق ہو کسی متعین تجارت کی قسم سے مقید درست نہیں اور نہ متعین شخص سے نہ متعین شہر سے اور اس میں مدت متعین کرنا شرط نہیں۔ اگر ایسی مدت متعین کی کہ عامل اس میں تجارت نہیں کرسکتا تو شرکت فاسد ہوگی، اگر اتنی مدت مقرر کی جس میں تجارت کرسکتا تھا پھر عامل کو خریدنے سے روک دیا فروخت کرنے سے نہ روکا تو یہ درست ہے کیونکہ بیع سے منافع حاصل ہوگا۔

عقد مضاربت کی نوعیت..... علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد مضاربت عامل کے عمل شروع کرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتا، دونوں کو فسخ کا اختیار ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ جب عامل مضاربت شروع کردے تو لازم ہے یا نہ تو امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں شروع کرنے سے عقد لازم ہے۔

یہ ایسا عقد ہے اس میں وراثت جاری ہوگی اس لئے کہ اگر مضارب کے بیٹے امین ہوں تو وہ مضاربت میں باپ کی طرح ہیں، اگر وہ امین نہیں تو وہ کسی امانت دار کو لائیں اگر مضارب نے کام شروع کردیا تو پھر فسخ نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ مال نقدی کی شکل میں نہ آ جائے۔

امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد کے ہاں یہ عقد غیر لازم ہے عاقدین کو اختیار ہے جب چاہیں فسخ کردیں اور اس میں وراثت جاری نہ ہوگی دونوں فریقوں کا مرجع اختلاف کہ امام مالک اس کو عقد لازم قرار دیتے ہیں کام شروع کرنے کے بعد کیونکہ فسخ سے نقصان ہوتا ہے لہٰذا یہ عقد موروثی میں سے ہوا جبکہ فریق ثانی کام شروع کرنے کے بعد کو کام شروع کرنے سے پہلے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، کیونکہ مضاربت دوسرے کے مال میں اس کی اجازت سے تصرف کرنے کا نام ہے، لہٰذا دونوں عقد فسخ کرنے کے مالک ہیں جیسا کہ ودیعت اور وکالت میں۔ البتہ حنفیہ اور ان کی موافقت کرنے والے صحت فسخ اور انتہاء مضاربت کے لئے دوسرے عاقد کے علم کو شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ تمام شرکتوں میں ہے، اور یہ کہ حنفیہ کے ہاں راس المال نقدی ہونا چاہئے بوقت فسخ اگر سامان یعنی زمین اور منقولی اشیاء ہوں تو فسخ درست نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر فسخ مضاربت کے وقت رأس المال سامان ہو، متعاقدین اس کے فروخت کرنے یا تقسیم کرنے پر متفق ہوں گے تو جائز ہے کیونکہ دونوں کا حق ہے۔ اگر عامل بیع طلب کرے اور رب المال انکار کرے تو رب المال پر فروخت کرنے کے لئے زبردستی کی جائے گی، کیونکہ عامل کا حق منافع میں ہے وہ بیع ہی سے حاصل ہوگا۔

زیادہ مضارب ہونا..... مالکیہ کے ہاں جب مضارب زیادہ ہوں تو ان پر منافع بقدر عمل تقسیم کیا جائے گا جیسے شرکاء ابدان میں ہوتا ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے کام کی بقدر نفع لے گا یہ جائز نہیں کہ کام برابر کریں اور نفع کم زیادہ لیں یا اس کے برعکس بلکہ منافع بقدر عمل ہوگا۔

جدید قانونی شرکتوں کا حکم..... جدید قانونی اشخاص کا شرکت کرنا شرکت تضامن، شرکت توصیہ بسیطہ اور شرکت محاصہ ان سب کو اسلامی فقہ میں شرکت مضاربت کی قبیل سے شمار کیا جاتا ہے باوجود اس کے کہ بعض احکام میں قانون اور شریعت میں اختلاف ہے لیکن لوگوں کی مصلحت کی خاطر شرکت تضامن میں تمام شرکاء کا مال ہوتا ہے اور عمل بعض کا، عامل غیر کے مال میں مضارب ہوتا ہے اور شرکت توصیہ بسیطہ

شرکاء تضامن سے وجود میں آتی ہے جو کہ شرکت کے التزامات کے مسئول ہوتے ہیں اور اس کے شرکاء میں سے ہر ایک سے مسئولیت ہو مال کے حصہ میں لہٰذا مومنین کے مال میں شرکت مضاربت ہوتی ہے۔ اور شرکت محاصہ: جب کسی ایک شریک کو حصص سرمایہ کاری کے لئے دے دیئے جاتے ہیں تو یہ شریک اس مال میں سرمایہ کاری کے لئے ان کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اور دوسروں کے مال میں اس کا عمل مضاربت ہے۔ اسی طرح کمپنی کی شرکت میں ہوتا ہے کہ عادۃً غیر کے مال میں عمل ہوتا ہے اس حالت میں یہ بھی مضاربت میں سے شمار ہوتی ہے اور اسی طرح وہ شرکتیں ہیں جو لمیٹڈ کمپنی کی ہوتی ہیں۔

اس میں پچاس شریکوں سے زیادہ تعداد نہیں رکھی جاتی مدیر کا کام اس میں مضاربت ہوتا ہے، ہمارے استاد علی الخفیف کی یہی رائے ہے زیادہ دقیق بات یہ ہے کہ ان کے کام کو ملازمت میں سے شمار کیا جائے، وہ ملازم کی طرح اجرت پر عمل کرے گا نہ کہ شرکت کے طور پر اور کمپنی کی شرکت اور شرکت تضامن میں اگر منیجر کو کام کا ملازم مان لیا جائے تو پھر اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں اور اس چیز سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ایک ہی چیز میں شرکت اور اجارہ ہوں، کیونکہ منع دو عقدوں اور شرطوں سے عقد میں اس وقت ہے جب علت کے زائل ہونے سے عقد زائل ہو جائے یا اس کی حکمت فوت ہو جائے، یعنی نزاع اور خلاف کا ہونا، اور اس نزاع کا نہ ہونا جس پر عرف اور عادت جاری ہیں لہٰذا یہ شرط مفسد نہیں میں عنقریب اس کو واضح کروں گا۔

دوسرا مقصد: مضاربت کی شرطیں...... مضاربت کے صحیح ہونے کے لئے عاقدین، رأس المال اور منافع کے لئے شرطیں ہیں: عاقدین یعنی مضارب اور رب المال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ وکالت کے اہل ہوں کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے یہی توکل (وکیل بنانے) کا معنی ہے دونوں کا مسلمان ہونا شرط نہیں، پس مسلمان اور ذمی، اور مستامن سے دارالاسلام میں مضاربت صحیح ہے، جبکہ مالکیہ کے ہاں مسلمان اور ذمی کے درمیان مضاربت مکروہ ہے جبکہ سود کا عمل نہ ہو ورنہ حرام۔

رأس المال کی شرطیں: پہلی شرط...... یہ کہ رأس المال مروجہ سکے یعنی دراہم و دنانیر وغیرہ ہونا چاہئے جیسا کہ شرکت عنان میں یہی شرط ہے، لہٰذا عروض میں مضاربت جائز نہیں یعنی زمین اور منقولی اشیاء میں جمہور کے ہاں اگرچہ منقول مثل ہی کیوں نہ ہو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں۔ ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی اس کی اجازت دیتے ہیں، اس وقت یہ قیمت کے اعتبار عقد مضاربت منعقد ہوگا۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ رأس المال جب عروض ہو تو اس میں غرر ہے، کیونکہ مضاربت اس وقت منافع کی جہالت کی طرف لے جانے والی ہے تقسیم کے وقت، اس لئے کہ عروض کی قیمت ظن و تخمین سے لگائی جائے گی لہٰذا قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے مختلف ہوئی اور جہالت منازعت کی طرف لے جانے والی ہے اور منازعت فساد کی طرف لہٰذا اس صورت میں عامل کو اجرت مثل ملے گی۔

مالکیہ کے ہاں عروض کی مضاربت جائز نہیں باوجودیکہ شرکت عنان میں یہ جائز ہے، کیونکہ مضاربت رخصت ہے اپنے مورد پر بند رہے گی۔

البتہ اگر رأس المال ایسی چیز ہو جس سے عروض کو بیچا جائے، بایں طور کہ کسی شخص کو عروض دے اور کہے اسے فروخت کر کے اس کے ثمن میں مضاربت کرو اس نے اس کو نقدی سے فروخت کیا اور اس میں تصرف کیا تو یہ جائز امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد کے ہاں کیونکہ اس نے مضاربت کی نسبت عروض کی طرف نہیں کی، بلکہ ثمن کی طرف نسبت کی ہے اور ثمن میں مضاربت صحیح ہے۔

امام شافعی کے ہاں یہ عقد درست نہیں، کیونکہ اس نے مضاربت اس چیز سے کی ہے جس سے سامان کو فروخت کرے گا اور یہ مجہول ہے تو گویا اس نے مجہول رأس المال پر مضاربت کی۔ جیسے عروض سے مضاربت درست نہیں، ایسے ہی سونے، چاندی کے بے ڈھلے ڈلے اور خالص سونے چاندی کی ڈلی سے بھی مضاربت درست نہیں اور امام ابوحنیفہ، ابو یوسف ؒ اور مالک ؒ کے ہاں فلوس سے بھی مضاربت صحیح نہیں

کیونکہ یہ ثمن مطلق نہیں امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے کیونکہ یہ ثمن ہے جیسا کہ شرکت اموال کی بیع میں معلوم ہوا۔

خلاصہ...... یہ کہ ہر وہ چیز جو شرکت میں راس المال بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس سے عقد شرکت درست ہے تو اس سے مضاربت بھی درست ہے ورنہ نہیں۔

دوسری شرط...... راس المال کی مقدار معلوم ہونی چاہئے اگر مجہول ہو تو مضاربت درست نہیں، کیونکہ راس المال کی جہالت منافع کی جہالت کی طرف لے جانے والی ہے، جبکہ منافع کا معلوم ہونا صحت مضاربت کے لئے شرط ہے۔

تیسری شرط...... راس المال متعین اور موجود ہو نہ کہ دین، پس مضاربت دین اور غائب مال پر درست نہیں ہوگی اسی وجہ سے جس پر دین ہو اس کا یہ کہنا جائز نہیں کہ ''اس دین سے مضاربت کرو جو تم پر ہے'' یہ شرط اور اس سے پہلی شرط بالاتفاق ہے اور مضاربت دین کے ذریعہ فاسد ہے، کیونکہ مدیون کے قبضہ میں جو مال ہے وہ تو قرض خواہ کا ہے قبضہ کے ساتھ اور یہاں قبضہ نہیں۔ [1] جبکہ شرط یہ ہے کہ تصرف کے وقت مال حاضر ہو، مجلس عقد میں مال کا حاضر ہونا شرط نہیں، اگر اس نے دین ادا کر دیا اور مضارب کے سپرد کر دیا یا غائب مال حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا تو مضاربت درست ہے۔

اسی بناء پر اگر رب المال کا دین ہو کسی پر اور وہ اس سے کہے: میرے دین میں جو آپ کے ذمہ ہے نصف پر مضاربت کرو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: جب مدیون اس سے کچھ خرید وفروخت کرے گا تو جو کچھ بھی اس خرید وفروخت کی وہ اس کا مالک ہوگا اور اس میں سے اسے منافع ملے گا اور خسارہ اسی پر ہوگا اور دین اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور یہ اس اصل پر مبنی ہے جو امام صاحب کے ہاں ہے کہ اگر کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ اس کا جو قرض ہے اس کے ذمہ اس سے کچھ خرید کر دے تو یہ جائز نہیں۔ یہ بات شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی ایسی ہی متفق علیہ ہے کہ دین کے بدلے میں مضاربت جائز نہیں، بلکہ قرض خواہ کو سپرد کرنا ضروری ہے پھر دوبارہ قرض خواہ مضارب کو دے۔

صاحبینؒ کے ہاں...... اس نے جو کچھ بھی خریدا اور فروخت کیا وہ رب المال کا ہوگا، منافع بھی اس کے لئے ہوگا اور اس کا فساد بھی اسی پر ہوگا، اور یہ ان کے ہاں اس اصل پر ہے جو وکالت میں ان کے ہاں ہے کہ وکیل بنانا جائز ہے اور مدیون کو دین سے بری کرنا بھی لیکن مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ خریداری مؤکل کے لئے ہوتی ہے، تو یہ مضاربت اس کے بعد مضاربت عروض ہو جائے گی گویا کہ اس نے عروض خریدنے کے لیے اسے وکیل بنایا پھر اسے مضاربت کے طور پر دیا، اور عروض سے مضاربت درست نہیں۔

دین پر قبضہ...... جب کوئی آدمی کسی دوسرے سے کہے: ''فلاں سے میرے دین کو وصول کر کے اس میں مضاربت کرو'' تو یہ بالاتفاق جائز ہے کیونکہ مضاربت کی نسبت یہاں اس مال کی طرف ہے جو اس کے ہاتھ میں امانت ہے تو راس المال متعین ہوا دین نہ ہوا یعنی مضارب اس کی وصولیابی کے لئے وکیل اور مؤتمن ہے، کیونکہ اس کا قبضہ مالک کی اجازت سے ہے لہٰذا اسے مضاربت کے طور پر دینا جائز ہے جیسے وہ کہے میرے غلام سے مال لو اور مضاربت کرو۔

ودیعت...... اگر کسی شخص کے پاس ودیعت ہو تو اس میں حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں مضاربت جائز ہے، مودع اس سے کہے کہ اس سے مضاربت کرو، کیونکہ ودیعت رب المال کی ملکیت میں ہے، پس اس کے لئے جائز ہے کہ اسے مضارب بنائے، جیسے حاضر کی صورت میں کہے میں اس ہزار پر تمہیں مضارب بناتا ہوں، اور ایسے گھر کے کونے کی طرف اشارہ کرے، اس حالت اور دین میں فرق یہ ہے کہ عین مال دین

[1] ... البدائع: ۸۳/۶۔

کی صورت میں قبضہ سے پہلے اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔ مالکیہ کے ہاں شئی مرہون اور ودیعت میں سے کسی کو بھی مال مضاربت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین کے مشابہ ہیں۔

غصب شدہ چیز.....اگر مال غصب شدہ ہو تو اس میں بھی مضاربت جائز ہے غاصب مضاربت بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ رب المال کا مال ہے اس نے غاصب کے لئے فروخت کرنا مباح کر دیا ہے، اور اس کے لئے بھی جو اس سے وصول کرسکتا ہو لہٰذا ودیعت کے مشابہ ہو گیا۔

چوتھی شرط.....رأس المال، عامل کے سپرد ہونا چاہئے، تاکہ وہ کام کرسکے نیز رأس المال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، سپرد کرنے کے بغیر درست نہیں اور وہ تخلیہ ہے جیسے ودیعت، اور رب المال کے مال پر قبضہ باقی رہنے کی صورت میں مضاربت درست نہیں، کیونکہ قبضہ کے ساتھ سپرد کرنا نہیں پایا گیا، اور اسی پر مرتب ہے کہ اگر مالک کا قبضہ باقی رکھنے کی شرط لگائی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ عامل کا تصرف اور عمل میں مستقل ہونا ضروری ہے تجارت کے طبعی تقاضے اور ان آلات جن میں شرکت متعذر ہے جو سرعت اور جلدی سے ضرورت ہوتے ہیں۔ اگر عامل نے مالک سے کام میں مدد لی بغیر شرط تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کی مدد سے مال عامل کے قبضہ سے نہیں نکلتا۔ یہ شرط بھی جمہور (ابوحنیفہ اور صاحبین، مالک، شافعی، اوزاعی، ابوثور اور ابن المنذرؒ) کے ہاں متفق علیہ ہے، البتہ حنابلہ مالک کے قبضہ کو شرط قرار دینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اور مالکیہ عامل کی اس شرط کو کہ رب المال مفت میں مال مضاربت میں کام کرے، جائز قرار دیتے ہیں، اور رب المال کی سواری کو اگر مال زیادہ ہو آنے کرنے کی شرط، جیسا کہ یہ اس بات کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ ایک عامل دو دفعہ دیکھے بعد دیگر مضاربت کے لئے مال دینا جائز ہے جبکہ دوسرا مال دینے کے ساتھ خلط کی شرط ہو، کیونکہ اس صورت میں ایک معلوم اجرت متعین ہوگی۔

اس شرط کی وجہ سے مضاربت شرکت اموال سے مختلف ہو جاتی ہے، کیونکہ شرکت اموال میں راس المال کے مال پر قبضہ کے باوجود صحیح ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مضاربت کا انعقاد ایک کی طرف سے راس المال اور دوسرے کی طرف سے عمل پر ہوتا ہے، اور عمل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مال مالک کے قبضہ سے نکل کر عامل کے قبضہ میں نہ آ جائے تاکہ وہ تصرف کرسکے، رہ گئی شرکت تو وہ تو دونوں جانب سے عمل پر منعقد ہوئی ہے، پس اگر شرکت میں رأس المال کے کام سے الگ ہونے کی شرط لگائی، تو یہ شرط مقتضیٰ عقد کے خلاف ہوگی، جیسے مضاربت میں رب المال کے عمل کی شرط لگانا، اس سے مضاربت فاسد ہو جائے گی چاہے رب المال، مضارب کے ساتھ کام کرے یا نہ کرے، کیونکہ عمل کی شرط لگانا ہی مال پر قبضہ باقی رکھنے کے مترادف ہے اور یہ شرط فاسد ہے۔

کیونکہ اس کی وجہ سے مضارب عمل و تصرف کرنے سے رکا رہے گا تو عقد کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ یہ شرط مطلوب ہے چاہے مالک عاقد ہو یا کوئی اور اس کے قبضہ کا نہ ہونا ضروری ہے صحت مضاربت کے لئے۔ اسی پر مرتب ہے کہ اگر والد یا وصی نے بچے کے مال میں مضاربت کی اور بچے کا کام بھی شرط رکھا تو مضاربت صحیح نہیں، کیونکہ بچے کا قبضہ ثابت ہے، اور اس کے قبضہ کا باقی رہنا مضارب کے سپرد کرنے سے مانع ہے۔ یہی حکم ہے جب شریک مفاوضہ اور عنان میں جب کوئی ایک شریک مال مضاربت پر دے اور شریک کے کام کو مضارب کے ساتھ شرط قرار دے تو مضاربت فاسد ہے، کیونکہ شریک کی ملکیت باقی ہے اگرچہ وہ عاقد نہ ہو لیکن سپردگی سے مانع ہے۔ اسی شرط کے مطابق اگر مضارب رب المال کو ثلث پر مضاربت کے لئے مال دے تو دوسری مضاربت فاسد ہے اور پہلی اپنی حالت پر جائز ہے۔

منافع کی شرطیں..... یہ ہیں:

پہلی شرط.....منافع کی مقدار معلوم ہونی چاہئے، کیونکہ معقود علیہ یا معقود عقد سے منافع ہے اور معقود علیہ کی جہالت عقد کو فاسد

کردیتی۔ جب کسی شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے کہ منافع میں دونوں شریک ہوں گے منافع کی مقدار بیان نہ کی تو یہ عقد جائز ہے اور منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، کیونکہ شرکت مساوات اور برابری کا تقاضا کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ...... النساء: ۴/ ۱۲

مضاربت کے فساد کی حالت اور شرط کے فساد کی حالت حنفیہ کے ہاں...... اگرچہ یہاں شرط ایسی ہو جس کی وجہ سے منافع مجہول ہو تو مضاربت فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ عقد کا جو مقصد ہے منافع اس میں خلل کی وجہ سے، اور اگر شرط ایسی ہو کہ منافع مجہول نہ رہے تو شرط باطل ہو جائے گی عقد صحیح ہوگا مثلاً مالک یہ شرط لگائے کہ خسارہ مضارب پر ہوگا یا دونوں پر ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح رہے گا اور خسارہ مالک پر ہوگا مال مضاربت میں، اس کی وجہ کہ خسارہ کی شرط دونوں پر شرط فاسد ہے یہ ہے کہ خسارہ مال میں سے ہلاک شدہ ایک حصہ ہے تو یہ صرف رب المال پر ہی ہوگا، اس لئے نہیں کہ اس سے منافع مجہول ہوتا ہے، کہ عقد کو فاسد کردے۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیئے مضاربت کے طور پر کہ منافع دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، اس شرط پر کہ رب المال مضارب کو اپنی زمین دے گا کہ ایک سال اس میں زراعت کرے یا گھر دے کہ اس میں ایک سال رہائش اختیار کرے تو یہ شرط باطل ہے اور مضاربت جائز ہے، کیونکہ رب المال نے ایک فاسد شرط رکھی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، اور اگر مضارب پر یہ شرط ہو کہ وہ اپنی زمین ایک سال کے لئے رب المال کو زراعت کے لئے دے گا یا اپنا گھر رب المال کو رہائش کے لیے دے گا تو اس صورت میں مضاربت فاسد ہے، کیونکہ اس نے اپنے عمل کا نصف منافع اجرت رکھا ہے گھر یا زمین کے لئے تو عمل کا حصہ مجہول ہو گیا لہٰذا عقد صحیح نہیں۔

خلاصہ..... حنفیہ کے فساد کے ضابطے کا خلاصہ مضاربت میں شرط لگانا ہے بایں طور کہ وہ شرط مضاربت کی صحت کی شرائط کے خلاف ہو تو وہ مضاربت کو فاسد کردے گی، جیسے منافع معلوم نہ ہونا، یا مال سارا مضارب کو سپرد نہ کرنا، ہاں اگر شرط ایسی ہو کہ مضاربت کی صحت کی شرائط کے خلاف نہ ہو، کیونکہ شرط فاسد مضاربت کو فاسد نہیں کرتی، بلکہ شرط خود فاسد اور لغو ہوتی ہے اور مضاربت صحیح، جیسے نقصان مضارب کے ذمہ لگا دینا، یہ شرط باطل ہے اور مضاربت صحیح ہے۔ اگر منافع سارا رب المال کے لئے قرار دیا اور مضارب نے اس کو قبول کیا کہ وہ مفت میں کام کرے گا تو یہ عقد مضاربت نہ ہوگا، بلکہ یہ ابضاع اور مباضعہ ہوگا اور عامل اس میں مستبضع کہلائے گا۔ اور سارا منافع مضارب کے لئے مشروط رکھا تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ عقد قرض کا ہوگا، اور شوافع کے ہاں مضاربت فاسدہ، اس صورت میں عامل کو اجرت مثل ملے گی، کیونکہ مضاربت کا تقاضا یہ ہے کہ منافع میں اشتراک ہو، جب منافع عامل کے لئے رکھا تو یہ شرط فاسد ہے۔

حنفیہ کے ہاں یہ جائز ہے کہ عاقدین میں سے کسی ایک کے لئے معلوم درہم شرط قرار دیئے جائیں کہ اگر اتنے درہم سے زیادہ منافع ہوا تو تمہیں اتنے ملیں گے یہ شرط صحیح ہے مضاربت کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ منافع مجہول نہیں۔ مالکیہ کے ہاں عامل کے لئے سارے منافع کی شرط لگانا صحیح ہے، اور ان کی عبارت یہ ہے: کہ مضاربت میں سارا نفع رب المال یا مضارب یا کسی تیسرے آدمی کے لئے شرط قرار دینا جائز ہے، کیونکہ یہ تبرع اور احسان ہے، اور اس صورت میں اُسے مضاربت کہنا مجازاً ہے، حقیقۃً یہ مضاربت نہیں، یعنی عامل جب سارا منافع لے گا تو مال کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ قرض کے مشابہ ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب عقد کو مضاربت بنانا صحیح نہیں تو اسے قرض قرار دیں گے، کیونکہ یہ قرض کے مفہوم میں ہے اور عقد میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے، اسی پر متفرع ہے جب سارا منافع رب المال کے لئے شرط قرار دیا تو یہ ان کے ہاں مباضعہ ہے کیونکہ اس میں ابضاع کے معنی پائے جاتے ہیں کما تقدم۔

دوسری شرط..... کہ منافع ایک مشاع جزو ہونا چاہئے، یعنی دسواں یا ایک حصہ منافع بایں طور کہ دونوں ثلث ربع نصف وغیرہ پر متفق

ہو جائیں، یہ اجارہ مجہولہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ مضاربت کا جواز لوگوں پر نرمی کے لئے ہے، پس جب عاقدین ایک متعین مقدار متعین کریں بایں طور کہ دونوں شرط رکھیں کہ ایک کے لئے سو دینار ہیں یا کم زیادہ اور باقی دوسرے کے لئے تو یہ شرط صحیح نہیں اور مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ مضاربت تو منافع میں اشتراک چاہتی ہے اور یہ شرط منافع مین اشتراک کو روکتی ہے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس مقدار سے زیادہ مضارب کو نفع ہی نہ ہو، تو منافع ایک کو ملے گا دوسرے کو نہیں، شرکت متحقق نہیں ہوگی، لہٰذا یہ تصرف مضاربت نہیں ہوگا۔

اسی طرح جب عامل کے لئے منافع سے ہٹ کر کسی مال کو منافع کا حصہ قرار دیا تو یہ جائز نہیں۔ جبکہ مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ جائز ہے متعاقدین کی رضامندی سے۔ اسی طرح مضاربت فاسد ہوگی، جب کسی ایک کے لئے زیادہ منافع شرط قرار دیا گیا، جیسے دس درہم کسی ایک شریک کے لئے، کیونکہ ہوسکتا ہے صرف اتنا ہی منافع ہو، لہٰذا منافع میں شرکت متحقق نہ ہوگی اس صورت میں عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی جیسا کہ مضاربت کی تمام فاسد قسموں کا یہی حکم ہے۔

ابن منذر فرماتے ہیں تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب مضاربت میں کسی ایک یا دونوں کے لئے معلوم درہم شرط لگائے جائیں تو مضاربت باطل ہے۔ اس بناء پر کسی متعین محدود نفع پر مضاربت درست نہیں جیسا کہ وہ مصارف جو ودیعتوں میں پہلے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مضاربت نفع میں شرکت چاہتی ہے خاص رقم مختص کئے بغیر جیسے سو میں سے سات، اور اس طرح بھی مضاربت درست نہیں کہ عامل ماہانہ تنخواہ لیتا رہے اور اس کا حساب شرکت کے تصفیہ کے یا سال کے بعد کیا جائے۔

تیسرا مقصد: مضاربت کے احکام.....مضاربت یا تو صحیح ہوگی یا فاسد ان میں سے ہر ایک کے لئے احکام ہیں میں پہلے مضاربت فاسدہ کے احکام بیان کرنا چاہتا ہوں جس میں صحت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے کیونکہ اس بارے میں کلام آسان ہے۔

مضاربت فاسدہ کا حکم.....مضاربت جب فاسد ہو مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے، میرے جال سے شکار کرو اور شکار دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، پس مضارب کے لئے حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کوئی کام کرنا صحیح نہیں جس کا مضاربت صحیحہ تقاضا کرتی ہے، اور اس کے ذریعے مضاربت صحیحہ کے احکام میں سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا، جسے ہم عنقریب معلوم کریں گے، نہ ہی یہ نفقہ کا مستحق ہے اور نہ ہی مقررنفع کا، بلکہ اس کو اپنے کام کی اجرت ملے گی چاہے اس مضاربت میں نفع ہو یا نہ ہو، کیونکہ مضاربت فاسدہ، اجارہ فاسدہ کے حکم میں ہے، اور اجارہ فاسدہ میں اجیر نفقہ اور مقررہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے، اسی بناء پر اگر مضارب کو نفع نہ بھی ہو تو اس کو اپنے عمل کا بدلہ اجرت مثل ملے گی، کیونکہ رب المال نے اسے کام میں ایک مدت تک استعمال کیا ہے، پس اس کے ذمہ مثل کی اجرت ہے، عامل کا تصرف نافذ ہوگا اور نفع مالک کا ہوگا۔ جو نفع اسے اس وقت حاصل ہوگا یا شکار وغیرہ تو یہ سارے کا سارا رب المال کا ہوگا، کیونکہ نفع اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے، اور فساد عقد کی وجہ سے مضارب اس میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، اور نقصان بھی رب المال پر ہوگا۔ جب عقد فاسد ہوگا تو اس میں مضارب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور یہ بلاکت یا ضائع ہونے کے دعویٰ میں ہے مال اس کے ہاتھ میں امانت ہے، جیسا کہ مضاربت صحیحہ میں۔ مضاربت فاسدہ میں شوافع اور حنابلہ کا مذہب بھی حنفیہ کی طرح ہے البتہ اتنی بات ہے کہ ان کے ہاں جب مضارب تصرف کرے گا تو اس کا تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ اس کی اس کو اجازت ہے جب عقد باطل ہوا تو اجازت باقی ہے تو یہ تصرف کا مالک ہوگا جیسے کہ وکالت فاسدہ میں ہوتا ہے اور یہ بیع کے برخلاف ہے، اگر بیع فاسد ہو جائے تو مشتری کا تصرف نافذ نہیں ہوتا، باوجودیکہ بائع نے اسے تصرف کی اجازت دی ہوئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مشتری ملکیت کی وجہ سے تصرف کرتا ہے نہ کہ اجازت کی وجہ سے اور بیع فاسد میں ملکیت نہیں ہوتی، ان دونوں مذہبوں کے مطابق فساد

کی صورت میں نفع سارے کا سارا رب المال کا ہوگا، کیونکہ یہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے، اور نقصان بھی اسی پر ہوگا اور مضارب کو اجرت مثل ملے گی اگرچہ منافع نہ بھی ہوا ہو، کیونکہ اس نے مقرر شدہ منافع کے لالچ میں کام کیا جب مقررہ شدہ اس کو حاصل نہیں تو اس کا عمل واپس کرنا واجب جبکہ یہ متعذر رہے، تو اس کی قیمت واجب ہوگی جو کہ اجرت مثل ہے، جیسا کہ دونوں بیع فاسد کریں اور قبضہ کرلیں اور کوئی ایک عوض قابض ہاتھ میں ضائع ہوجائے تو قیمت لوٹانا واجب ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں.....مضاربت فاسدہ کے تمام احکام میں عامل کو اس کے مثل مضاربت میں نفع نقصان وغیرہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور ان حالات کے علاوہ میں اسے اجرت مثل ملے گی اور اس پر اگر پہلی حالت میں نفع ہوا تو نفع جب اس کا حق ثابت ہوجائے گا نہ کہ رب المال کے ذمہ یہاں تک کہ اگر مال ہلاک ہوگیا تو مضارب کو کوئی چیز نہ ملے گی اگر منافع نہ ہو تو بھی اسے کچھ نہیں ملے گا۔ مضاربت مثل اور اجرت مثل میں فرق یہ ہے کہ اجرت مثل کی صورت میں اجرت رب المال کے ذمہ ہوتی ہے چاہے مال میں نفع ہو یا نہ ہو، اور مضاربت مثل میں ایسا نہیں اگر نفع ہوا تو مضارب کو ملے گا ورنہ نہیں۔

مضاربت فاسدہ کو مضاربت مثل کی طرف پھیرنے والی اہم صورتیں یہ ہیں، جب مضاربت ہو عروض کے ساتھ، منافع مجہول ہو اور عادت بھی نہ ہو۔ مضاربت کے لئے وقت متعین کردینا مثلاً سال کہ ایک سال اس میں مضاربت کرو، یا مضاربت کی مستقبل کی طرف نسبت کردی، مثلاً جب فلاں وقت آئے تو اس میں کام کرنا اگر راس المال کا ضمان عامل کے ذمہ شرط ہوا گرچہ اس کی تعدی وہ ضائع ہوا ہو، یا اس سے کہا: ادھار خریدو اس نے نقد خریدلیا، منافع اور خسارہ دونوں کے ذمہ ہوں گے۔ کیونکہ ثمن اسی کے ذمہ قرض ہوں گے، یا نادر الوجود چیز اس کے ذمہ شرط لگائی، یا عاقدین کا منافع میں کام کے بعد اختلاف ہوگیا، رب المال اور مضارب ایسے مال کا دعویٰ کررہے ہیں جس میں ہر ایک کے ہونے کا شبہ ہو مثلاً عامل کہے: دو ثلث اور رب المال ایک ثلث کہے۔

اجرت مثل ملنے والی اہم صورتیں یہ ہیں چاہے منافع ہو یا نہ ہو رب المال کے ذمہ اجرت ہوگی: مضاربت اس دین پر ہو جو عامل کی ذمہ ہے قبضہ سے پہلے یا اس کے پاس ودیعت ہے، قبضہ سے پہلے۔ رب المال کا قبضہ بھی عامل کے ساتھ بیع وشراء لینے دینے میں شرط ہو، یا رب المال کی مشاورت عامل کے لئے بیع وشراء وغیرہ میں شرط ہو بایں طور کہ اس کی اجازت کے بغیر کام نہ کرسکے، یا مالک، عامل پہ ایک امین مقرر کردے جو اس کی نگرانی کرے، یا عامل پر تجارت کے کپڑے سینے کی شرط ہو یا ان کھالوں کی حفاظت کرے جو اس کے لئے خریدی گئی ہیں، یا اس پر یہ شرط ہو کہ وہ مال مضاربت میں دوسرے کو بھی شریک کرے، یا عامل اپنا مال اس کے مال کے ساتھ یا مال مضاربت کے ساتھ ملائے، یا وہ مال مضاربت میں بضاعت کرے یعنی عامل مفت میں اس میں اس طرح تجارت کرے کہ کسی دوسرے کے ذریعہ اس کو فروخت کرے، ان تمام صورتوں میں عامل کے لئے اجرت مثل واجب ہوگی۔

مضاربتِ صحیحہ کے احکام.....اس کے بہت سے احکام ہیں بعض کا تعلق مضارب کے قبضہ کے ساتھ ہے بعض کا تعلق مضارب کے کام کے ساتھ، بعض کا تعلق مضارب کے نفع کے ساتھ اور بعض کا تعلق رب المال کے نفع کے ساتھ ہے۔

۱۔ مضارب کے قبضہ کی نوعیت.....آئمہ مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عامل مضارب کے پاس جو راس المال ہے وہ ودیعت کی طرح امانت ہے، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے اس پر قبضہ کیا ہے نہ کہ کسی عوض کے بدلہ جیسے خریدنے کی نیت پر قبضہ اور نہ بطور وثیقہ جیسے رہن۔

جب مضارب کوئی چیز خریدے تو وہ بمنزلہ خرید وفروخت کہ وکیل کے ہوگا، کیونکہ اس کا تصرف غیر کے مال میں اس کی اجازت سے

ہے جس کا مفہوم وکالت کا ہے، اس پر وکالت بالشراء کے احکام جاری ہوں گے بایں طور کہ وہ چیز قیمت کے اعتبار سے یا اس میں اتنا دھوکا ہو ہی جاتا ہو وکیل بالشراء کی طرح ہے، اور خریدنے میں وکیل بالبیع کی طرح ہے۔ جب مضارب کو نفع ہوگا تو اپنے منافع کی بقدر شریک ہوگا کیونکہ اب اس کی ملکیت مال کا ایک جزو ہے، اور باقی رب المال کا ہوگا، کیونکہ یہ اسی کے مال کی بڑھوتری ہے، اسی کے لئے ہوگی۔ اور اگر کسی فاسد سبب کی وجہ سے مضاربت فاسد ہو جائے تو اجارہ بن جائے گی اور مضارب، رب المال کا اجیر ہوگا اور اس صورت میں اجرت مثل کا مستحق ہوگا۔

اگر مضارب، رب االمال کی شرائط کی خلاف ورزی کرے اس طرح ایسا کام کرے جس کا کرنا نہ تھا، یا ایسی چیز خریدے جس کے خریدنے سے منع کیا گیا ہو، تو بمنزلہ غاصب ہوگا، اور مال ضمان والا ہوگا کیونکہ اس نے غیر کی ملکیت میں تعدی وظلم کیا ہے۔

اگر مال اس کی کوتاہی کے بغیر اس کے ہاتھ سے ضائع ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ رب المال کا نائب ہے تصرف کرنے میں، تو ودیعت کی طرح بغیر کوتاہی ضامن نہ ہوگا۔ اگر خسارہ ہوا تو وہ صرف رب المال کا ہوگا پہلے اسے منافع سے پورا کیا جائے گا جبکہ منافع ہو تو۔

اگر رأس المال کے ضائع ہونے کی صورت میں ضمان مضارب پر لگایا تو یہ شرط باطل ہے، اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں عقد صحیح ہے۔ اسی بناء پر منافع کے اعتبار سے مال کو مشغول کرنا رأس المال کے ضمان کے ساتھ درست ہے اور عقد باطل ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس صورت میں مضاربت فاسد ہوگی کیونکہ اس میں غرر کی زیادتی کی شرط ہے جو طبیعت عقد کے منافی ہے، لیکن ابن قدامہ نے المغنی ۵ / ۱۴۴ اباب المضاربت میں فرمایا ہے: کہ اگر رب المال نے کہا یہ مال لو اور اس میں تجارت کرو، منافع سارے کا سارا آپ کا، تو یہ قرض ہوگا مضاربت نہیں در یہ مالکی نے فرمایا، اگر سارا منافع مضارب کے لئے ہو تو پھر رأس المال کے بلاتعدی ضائع ہونے کی صورت میں ضمان مضارب پر شرط کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ قرض ہے اور امانت ضمانت میں تبدیل ہو گئی ہے۔

۲۔ مضارب کے تصرفات...... مضارب کے تصرفات مضاربت مطلقہ اور مقیدہ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اور مضاربت مطلقہ یہ کہ مالک مال دے دے عمل، جگہ، وقت، کام کی نوعیت اور لوگوں سے معاملہ کیا جائے کوئی بھی متعین نہ کرے اور مقیدہ یہ کہ ان میں سے کچھ متعین کرے جب مضاربت مطلقہ ہو تو مضارب کو اختیار ہے کہ وہ مال مضاربت میں تصرف کرے جس طرح کی تجارت کے ذریعہ بھی تمام جگہوں پر تمام لوگوں کے ساتھ کیونکہ عقد مطلق ہے، اور وہ اس سے خرید وفروخت کرے، کیونکہ مضارب کا مقصد نفع کمانا ہے اور نفع خرید و فروخت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، البتہ خریدنے میں مثلی اشیاء خریدنے کا ساتھ مقید ہوگا، اور لوگ جس غبن میں نہیں بچ سکتے اسی کے ساتھ، کیونکہ یہ وکیل ہے اور وکیل کی خریداری متعارف پر واقع ہوئی ہے، رہ گیا فروخت کرنا تو اس میں صاحبینؒ اور امام صاحبؒ کا اختلاف ہے کہ اس میں وکالت ہے یا نہ، امام صاحب کے ہاں نقد اور غبن کے ساتھ فروخت کرنے کا مالک ہے، اور صاحبین کے ہاں ادھار فروخت کرنے کا مالک نہیں نہ غبن فاحش کے ساتھ، بلکہ متعارف طریقہ کے ساتھ مقید ہے، اور یہی راجح رائے ہے، اسی کی طرف مالکیہ شوافع اور حنابلہ بھی مائل ہیں البتہ حنابلہ مضارب کو نقد اور ادھار فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

مضارب بضاعۃً بھی مال دے سکتا ہے کیونکہ تجارت کی یہ عادات میں سے ہے نیز اس عقد کا مقصد بھی نفع کمانا ہے، اور ابضاع اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، نیز اجارہ کا مالک ہے ابضاع کا تو بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا، کیونکہ استیجار کسی شخص کو بعوض مال میں استعمال کرنا، اور ابضاع بغیر عوض تو یہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ مالکیہ کے ہاں رب المال کی اجازت کے بغیر ابضاع درست نہیں ورنہ ضامن ہوگا، حنفیہ کے ہاں مضارب ودیعت رکھ سکتا ہے، اس لئے کہ ودیعت تاجروں کی عادت میں سے ہے، اور تجارت کی ضرورت بھی اور مالکیہ کے ہاں مضارب کسی شخص کو مال کا نگران نہیں بنا سکتا، نہ ودیعت پر رکھ سکتا ہے، اگر مخالفت کی تو ضامن ہوگا، مضارب کو اختیار ہے کہ وہ مزدور لے لے مال میں کام

کے لئے کیونکہ یہ تاجروں کی عادت اور تجارت کی ضرورت ہے۔ جیسے اسے یہ اختیار ہے کہ وہ گھر کرائے پر لے تا کہ ان میں مال رکھے، کیونکہ مال کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے، نیز وہ کشتی اور جانور وغیرہ بھی کام کے لئے کرائے پر لے سکتا ہے، کیونکہ بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا منافع کے حصول کے ذریعہ ہے جو منتقلی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ بیع وشراء کا وکیل بنالے، اس لئے کہ وکیل بنانا تاجروں کی عادت ہے۔

نیز منافع کے حاصل کرنے کا ذریعہ، اور مضاربت کے دین کے بدلے مال مضاربت کو رہن رکھ سکتا ہے، کسی پر قرض ہو اس سے گروی رکھ سکتا، کیونکہ رہن اور رتھان قرض وصول کرنے کے ذریعے ہیں، اور ان کا یہ مالک ہے البتہ اگر رب المال منع کر دے یا مر جائے تو پھر گروی نہیں رکھ سکتا، کیونکہ منع کرنے اور مرنے سے مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔ حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق اسی طرح مالکیہ کے ہاں اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے ہاں بھی مضارب مال مضاربت کے ساتھ سفر کر سکتا ہے، کیونکہ مضاربت کا مقصد مال کی بڑھوتری ہے نیز اس لئے بھی کہ عقد مطلق ہے جیسے کہ مضاربت کا نام ہی جواز سفر کی دلیل ہے کیونکہ مضاربت ''زمین میں چلنے اور سیر کرنے'' سے مشتق ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے ہاں مالک کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتا۔

جو کام مضارب کے لئے جائز نہیں..... بعض افعال ایسے ہیں کہ مضاربت مطلقہ میں بھی تصریح کے بغیر مضارب کو انجام دینا جائز نہیں، پس بغیر اجازت کے قرض نہیں لے سکتا مال مضارب پر اگر اس نے لے لیا تو یہ رب المال پر نہیں ہوگا بلکہ مضارب پر اس کے مال میں ہوگا، کیونکہ قرض لینا رأس المال میں رب المال کی اجازت کے بغیر زیادتی ہے، بلکہ اس میں رب المال کی اجازت ورضامندی کے بغیر اس پر تاوان کی زیادتی ثابت کی جارہی ہے، کیونکہ خریدی ہوئی چیز کے ثمن رب المال پر مضمون ہیں، اگر ہم مضاربت میں قرض جائز قرار دے دیں تو ہم لازم کرنے والے ہوں گے ایسے ضمان تاوان کے جس سے رب المال راضی نہیں اور ایسا کرنا جائز نہیں، پس جب قرض لینا جائز نہیں تو پھر رأس المال سے قرض دینا بھی بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا، اور یہ حنابلہ شوافع کا مذہب بھی ہے (جیسے کہ حنفیہ کا ہے)۔

مالکیہ کے ہاں، مضاربت سامان وغیرہ قرض نہیں خرید سکتا اگرچہ رب المال نے اجازت بھی دی ہو اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا ضامن ہوگا اور منافع اس کا ہوگا اکیلے۔ رب المال کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منافع سے منع فرمایا ہے جس کا ضامن نہ ہو، پس رب المال کے لئے اس منافع کو لے سکتا ہے جو عامل کے ذمہ ہے۔ مضارب کے لئے ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں کہ وہ سامان خریدے مال مضاربت سے زیادہ رقم کا نقد یا ادھار اسی نہی کی وجہ سے ''ربح مالم یضمن'' اور یہ اس لئے کہ عامل زیادہ کا ضامن ہے۔ پس اگر اس نے ایسے کر دیا تو جو کچھ اس نے خریدا ہے اس میں وہ اور رب المال شریک ہوں گے جو مال مضاربت سے زیادہ ہے، اور یہ اس وقت ہے جب رب المال راضی نہ ہوں لیکن اگر وہ تصرف پر راضی ہو گیا تو یہ بھی مضاربت ہی میں سے ہوگا۔ اور مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ مال مضاربت سے بہت کچھ بغیر ثواب کے ہبہ کرے۔ اور مضارب کے لئے یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ بطور قرض مال لے تا کہ اپنے قرض خواہ کو دوسرے شہر میں دے، کیونکہ یہ خطر طریق کا احتمال رکھتا ہے، اور اس لئے بھی کہ مقرض اس کام سے استفادہ حاصل کر رہا ہے، جبکہ ایسا قرض جس پر نفع لیا جائے وہ منع ہے اور فقہ میں یہ مسئلہ، مسئلہ سفتجہ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کو مال دے دے مضاربت کے طور پر یا کسی کو اس میں شریک کرے یا اپنے مال یا کسی دوسرے کے مال کے ساتھ اس کو مخلوط کرے ہاں اگر رب المال نے اسے کہا کہ اپنی رائے پر عمل کر دیا اس نے تصرف کی اجازت دی تو پھر کر سکتا ہے۔ البتہ مضاربت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ پہلی مضاربت کی طرح ہے، اور ایک چیز اپنے مثل کے تابع نہیں بن سکتی، پس مطلق عقد مضاربت سے اس طرح استفادہ نہیں کیا جائے گا جیسے وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا مطلق عقد کی وجہ سے رہ گئی شرکت تو وہ بدرجہ اولیٰ

نہیں کرسکتا کیونکہ وہ مطلق عقد سے اس کا مالک نہیں کیونکہ وہ مضاربت سے اعم ہے، کوئی اور چیز اپنے مثل کے تابع نہیں بن سکتی تو اس سے اوپر والی چیز کے تابع بھی نہیں بن سکتی، اور مال مخلوط کرنا تو کیونکہ اس کے ذریعہ رب المال کے مال میں غیرہ کا حق واجب ہوتا ہے بغیر اجازت ایسا کرنا جائز نہیں۔

مضارب پر کون سے کام کرنے واجب ہیں...... عادۃً جو کام کرنا ممکن ہیں مضاربت میں سے ان کاموں کا کرنا مضارب پر واجب ہے اسی طرح تجار کی عادت کے موافق جو معاملات وہ کرتے ہیں۔ جب اس نے اجرت کیا تو اس کے ذمہ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، اور اس کے مال میں سے اجرت واجب ہوگی نہ کے مال مضاربت سے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ مال مضاربت سے ان کاموں کے لئے اجیر لے جن کی ضرورت دوران تجارت ہوتی ہے۔

مضارب کا آگے مضاربت پر مال مضاربت کو دینا:

پہلی بات: حنفیہ کا مذہب...... مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ مضاربت کرے مال مضاربت سے ہاں اگر رب المال نے اس کی ذمہ داری اٹھائی تو یہ الگ بات ہے، جب مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مضاربت کے لئے مال دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مضارب اول صرف دوسرے کو مال دینے کی وجہ سے یا اس کے تصرف کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ حاصل نہ ہوجائے جب مضارب ثانی نے نفع حاصل کیا تو پھر مضارب اول، رب المال کا ضامن ہوگا اور اگر مال مضارب ثانی کے قبضہ میں نفع ہونے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو یہ امانت کی طرح ہوگا۔

تصرف سے پہلے کی دلیل...... یہ ہے کہ صرف مال دینا مضارب کا یہ اس کی طرف سے ودیعت ہے، اور مضارب ودیعت رکھنے کا مالک ہے لہٰذا صرف دینے سے ضامن نہ ہوگا اور تصرف کے بعد کی دلیل یہ ہے کہ مضارب اول کا مضارب ثانی کو دینا ابضاع تصور کیا جائے گا اور یہ ابضاع کا مالک ہے۔ بس جب دوسرے کو نفع ہوا تو پہلے کی مال میں شرکت ثابت ہوجائے گی تو اب یہ رب المال کا ضامن ہوگا جیسے مال غیر سے مخلوط کرنے سے ہوتا ہے اور یہ جو اس صورت میں ہے جب مضاربت صحیحہ ہو اور اگر مضاربت فاسد ہوئی تو مضارب اول نفع کے بعد بھی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مضارب ثانی اجیر اور اس کو اجرت ملے گی پس وہ شرکت ثابت نہ ہوئی جو ضمان کی موجب ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں...... مضارب اول صرف دینے ہی سے ضامن ہوگا چاہے دوسرا عمل کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ مضارب بطور ودیعت دینے کا مالک ہے اور یہ بطور مضاربت دے رہا ہے پس جب دے گا تو اس کی وجہ سے مخالفت کرنے والا ہوگا، تو ودیعت کی طرح اس کا ضامن ہوگا صاحبینؒ کے ہاں اور یہی ظاہر روایت بھی ہے جب مضارب ثانی عمل کرے گا تو مضارب اول ضامن ہوگا چاہے نفع ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ مضارب ثانی نے جب کام کیا تو اول نے مالک کی اجازت کے بغیر مال میں تصرف کیا ہے تو ضمان متعین ہوگا چاہے نفع ہو یا نہ ہو اس وقت جب مضارب ثانی عمل کرے تو رب المال کو اختیار ہوگا چاہے تو مضارب اول کو رأس المال کا ضامن ٹھہرائے اور چاہے تو ثانی کو ٹھہرائے۔

حنفیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ مضارب اول مضاربت صحیحہ میں صرف ثانی کے سپرد کرنے سے ضامن نہ ہوگا، بلکہ اس وقت ضامن ہوگا جب مضارب ثانی عمل کرے نفع ہو یا نہ ہو۔ اور منافع جو مضاربت سے حاصل ہوگا وہ طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا، پس رب المال و مضاربت اولیٰ میں طے شدہ تناسب سے نفع دیا جائے گا، اور جو باقی بچ جائے گا وہ مضارب اور ثانی میں طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ میں سے قاضی ابویعلی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ یہ رائے اصل مذہب حنابلہ کے موافق نہیں اور نہ ہی احمد نے اس کی تصریح کی ہے، بلکہ امام احمد نے فرمایا کہ مضارب کے لئے نفع لینا طیب نہیں۔

دوسری بات...... حنفیہ کے علاوہ باقی مذاہب: مالکیہ کے ہاں: جب مضارب اول رب المال کی اجازت کے بغیر مضاربت پر مال دے تو ضامن ہوگا کوتاہی کی وجہ سے، اور اس صورت میں منافع مضارب ثانی اور رب المال کے لئے ہوگا اور مضارب اول کے لئے نفع نہیں ہوگا، کیونکہ مضاربت کا نفع جعل (انعام) ہے کام مکمل کرنے سے قبل اس کا مستحق نہیں۔ جبکہ مضارب اول نے کام نہیں کیا لہٰذا اس کے لئے نفع بھی نہیں ہوگا اور مضارب اول ثانی کے لئے مشروط زیادہ نفع کا بھی ضامن ہوگا جو رب المال سے زیادہ ہے۔ شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو مضاربت پر مال دے کہ وہ اس کے منافع اور کام میں شریک ہو۔ اگرچہ یہ مالک کی اجازت سے بھی ہو۔ اس صورت میں مضارب اول کے ساتھ مضاربت صحیح ہوگی، اور مضارب ثانی، مضارب اول سے اجرت مثل لے گا اگر اس نے کچھ کام کیا ہو، کیونکہ مضاربت خلاف قیاس ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے کہ عاقدین میں سے ایک مالک ہو اور وہ عمل نہ کرے اور دوسرا عامل ہو اگر وہ متعدد ہوں اور اس کے مطابق وہ دو عاملوں سے عقد نہیں کرسکتا پس دو مضاربوں کے ساتھ مضاربت صحیح نہیں۔

خلاصہ...... یہ کہ مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ مضاربت کا ضمان اول پر ہوگا۔

تصرفاتِ مضارب کے احکام...... مضارب کے تصرفات کے احکام کا خلاصہ مضاربت مطلقہ میں حنفیہ کے ہاں تین قسم پر ہے۔

۱..... ایک قسم جس کا عرفاً مضارب مالک ہوتا ہے اور وہ تمام اعمال تجارت میں جیسے بیع وشراء ان کی وکالت اگرچہ صراحتاً اجازت نہ بھی ہو، اور اس کی خریداری معروف طریقہ پر ہو اس سے تجاوز نہ ہو جس میں لوگ عادۃً دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ وکیل ہے اور وکیل کی خریداری عادت کے موافق ہوتی ہے رہ گئی بیع تو اس میں حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے راجح یہی ہے کہ یہ بھی معتاد کے ساتھ مقید ہے۔

۲..... دوسری قسم کہ مضارب اس کا مالک نہیں ہوتا ہاں اگر مالک اس کو تفویض کردے کہ اپنی رائے سے کام کرو یا جیسے سمجھو کرو اور یہ وہ قسم ہے جو اعمال تجارت سے ملحق ہوتی ہے۔ جیسے دوسرے شخص کو مضاربت کے طور پر مال دینا یا راس المال کو شرکت عنان میں تبدیل کرنا جب اس کو اس کی تفویض ہو تو یہ صحیح ہیں۔

۳..... اور ایک قسم وہ ہے جس کا مضارب تصریح کے بغیر مالک نہیں ہوتا جیسے تبرع اور احسان، ھبہ، بیع وشراء میں چشم پوشی قرض، مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ادھار خریدنا، راس المال سے زیادہ کا خریدنا اکثر فقہاء کے ہاں۔

مضاربتِ مقیدہ...... جتنے احکام ذکر کئے ہیں مضاربت مطلقہ کے وہی احکام مضاربت مقیدہ کے بھی ہیں اور فرق صرف اس قید سے آتا ہے جس کے ساتھ اس نے اسے مقید کیا ہے۔ اگر رب المال نے مضاربت کے تصرف کسی خاص شہر کسی خاص سامان وغیرہ کے ساتھ خاص کردیئے تو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ وکالت ہے اور تخصیص میں فائدہ ہے اسی کے ساتھ خاص رہے گی۔

الف: جگہ متعین کرنا...... اسی بناء پر جب قید جگہ اور مکان کی ہو مثلاً کسی شخص کو مضاربت کے طور پر مال دے اس شرط پر کہ متعین شہر مثلاً دمشق میں کام کرنا ہے تو مضارب کے لئے دمشق کے علاوہ کسی شہر میں کام کرنا جائز نہیں کیونکہ مالک کا یہ قول ''اس شرط پر'' یہ الفاظ شرط میں سے ہے اور یہ شرط مقید ہے کیونکہ مہنگائی وغیرہ میں شہروں میں فرق ہوتا ہے۔ اور سفر میں خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح بضاعت کے طور پر بھی نہیں دے سکتا اس شخص کو جو دمشق سے باہر کام کرے، کیونکہ جب وہ بنفسہ اس شہر سے باہر نکلنے کا مالک نہیں تو اجازت دینے کا بھی مالک نہیں۔

اگر وہ دمشق سے نکل گیا، اور اس نے خرید وفروخت کی تو ضامن ہوگا، کیونکہ اس کا تصرف بغیر اجازت کے ہوا پس مخالفت کرنے والا ہوا

تو ضامن ہوگا اور جو کچھ خریدا ہے وہ اسی کا ہوگا، نفع بھی اس کا نقصان بھی اس کا لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں اس کے لئے یہ منافع ظاہر نہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں ظاہر ہے، اور اگر اس نے مال مضاربت سے کچھ بھی نہ خریدا، یہاں تک کہ متعین شہر میں واپس آ گیا تو ضمان سے بری ہوگا، اور مال مضاربت اپنے حال پر ہوگا، جیسا کہ ودیعت میں مودع کی مخالفت کرے پھر اس سے رجوع کرے۔ اگر کسی شخص کو مال دیا تا کہ وہ دمشق کے بازاروں میں کام کرے اور خود وہ دمشق کے کسی دوسرے بازار میں کام کرے تو یہ حنفیہ کے ہاں استحساناً جائز ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، وجہ قیاس یہ ہے کہ اس نے اس پر ایک متعین جگہ کی شرط رکھی ہے اس کے علاوہ جائز نہیں جیسا کہ ایک متعین شہر کی شرط ہو۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دمشق کے بازار کی قید لگانا، مفید نہیں اس لئے کہ ایک شہر ایک ٹکڑے کی طرح ہے اس شرط کا کوئی فائدہ نہیں یہ لغو ہوگی اور طے شدہ بات یہ ہے کہ شرط وہ معتبر ہے جو مفید ہو۔ اگر اس نے اس سے کہا کہ کام صرف دمشق کے بازار میں کرنا ہے، اور اس نے اس کے بازار سے ہٹ کر کام کیا تو یہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کی پہلی بات اس پر پابندی لگانا ہے، پابندی کے بعد تصرف جائز نہیں۔

اور پہلی صورت میں یہ پابندی نہیں تھی بلکہ یہ شرط تھی کہ بازار میں کام کرنا اور شرط مفید نہ تھی لہٰذا لغو ہوگئی۔

اسی طرح اگر اس نے کہا کہ یہ مال لے لو اس کے ذریعہ دمشق میں کام کرنا، تو اس کے لئے دمشق کے سوا کسی اور جگہ کام کرنا جائز نہیں کیونکہ لفظ ''فی'' ظرف کے لئے ہے پس دمشق اس تصرف کے لیے جس کی اُسے اجازت ہے ظرف ہوگا، اگر دمشق کے علاوہ اجازت دے دی جائے تو پھر دمشق ظرف نہیں رہے گا، اور اس کا قول (فاعمل بہ) فاء وصل اور تعقیب کے لئے ہے اور اس سے متصل مبہم اس کی تفسیر ہے، اور اسی طرح اس کا قول ''خذ بالنصف دامش'' کیونکہ باء الصاق کا فائدہ دیتی ہے، اور یہ صفت کا موصوف کے ساتھ التصاق چاہتی ہے، یعنی اس پر واجب ہے کہ وہ مال میں کام کرے دمشق میں۔ اگر اس نے کہا ''یہ مال لے لو اور اس کے ساتھ دمشق میں کام کرو'' تو اسے دمشق اور غیر دمشق میں کام کرنے کی اجازت ہے کیونکہ واؤ عطف کے لئے ہے، اور اس کے ذریعہ ابتداء جائز ہے، پس یہ مشورہ ہوگا گویا کہ اس نے کہا کہ اگر اس طرح کرو گے تو زیادہ نفع بخش ہوگا۔

ب: شخص کی تعیین...... اگر رب المال نے کہا اس شرط پر کہ فلاں سے ''خرید و فروخت کرو'' تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ قید صحیح ہے، کیونکہ معاملہ میں زیادہ توثیق کے لئے یہ صحیح ہے، اس میں مالکیہ اور شوافع کا اختلاف ہے کیونکہ یہ قید مضاربت کے مقصود سے روکتی ہے اور وہ بازاروں وغیرہ میں نفع کی غرض سے جانا ہے۔

ج: وقت مقرر کرنا...... اگر مضاربت کے لئے وقت متعین کیا کہ اس شرط پر اگر یہ وقت گذر گیا ''تو مضاربت باطل ہوئی'' تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ عقد صحیح ہے کیونکہ یہ وکالت ہے لہٰذا وقت کے ساتھ مؤقت ہوئی۔ اور وقت مقرر کرنا مفید ہے اور اس لئے بھی کہ اس نے اسے زمانہ کے ساتھ مقید کیا تو یہ مکان کے ساتھ مقید کرنے کی طرح ہوگیا۔ شوافع اور مالکیہ کے ہاں یہ عقد صحیح نہیں جیسا کہ ہم جان چکے کہ وقت مقصود مضاربت میں خلل کا باعث ہے۔ اس لئے کہ اس مدت میں کبھی کبھی نفع نہیں بھی ہوسکتا، اور کبھی نفع ہو جاتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ مدت معینہ کے بعد تک اس کو باقی رکھا جائے۔

حنفیہ کے ہاں مضاربت کو مقید کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ مقید قید مضاربت میں قبول ہے اگر چہ وہ عقد کے بعد ہی ہو جب تک مال سامان میں تبدیل نہ ہوا ہو، کیونکہ جب مال سامان تجارت بن گیا تو پھر مالک مضارب کو معزول کرنے کا مالک نہیں۔ پس اس کو خاص کرنے کا بھی مالک نہیں اور رہ گئی وہ قید جو مفید نہیں تو اس کا اعتبار نہیں۔

شوافع اور مالکیہ کے ہاں: مضارب کا کام مال میں نفع اور بڑھوتری کے لئے تجارت کرنا ہے یعنی بیع شراء جو تجارت میں ہوتی ہے لہٰذا

ایسی شرط جو اس کے معتاد عمل کے درمیان رکاوٹ ہو وہ مفسد عقد ہے۔

مضاربت مطلقہ پر عارضی تقید..... حنفیہ کے ہاں: جب مضاربت مطلقہ ہو اور عقد کے بعد رب المال اس کی تخصیص کرے اب اگر رأس المال نقد موجود ہو یا اس سے مضارب نے اس سے سامان خریدا پھر اسے فروخت کرے اس کی ثمن نقد کی شکل میں وصول کر لئے تو اس صورت میں تخصیص جائز ہے جیسے کہ ابتداءً جائز ہے لیکن اگر مال مضاربت عروض وسامان کی شکل میں ہو تو پھر رب المال کی تخصیص صحیح نہیں یا کسی کام سے منع کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک رأس المال نقد نہ ہو جائے مثلاً یہ کہا ادھار فروخت نہ کرنا۔ کیونکہ مضاربت خرید نے سے مکمل ہوگئی۔

۳۔ مضارب کے حقوق..... مال مضاربت میں کام کی وجہ سے جن حقوق کا وہ مستحق ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں نفقہ اور عقد میں مقرر شدہ نفع۔

پہلی بات..... مال مضاربت سے نفقہ کا ہونا: فقہاء کا اس کی وجوب میں اختلاف ہے۔ اور اس میں تین قول ہیں۔ امام شافعی کے ہاں: مضارب کے لئے مال مضاربت میں سے نفقہ نہیں نہ سفر کے لئے نہ حضر کے لئے سوائے اس کے کہ رب المال اسے اجازت دے دے، کیونکہ مضارب کے لئے بھی نفع کا ایک حصہ ہے کسی اور چیز کا مستحق نہ ہوگا اور لی گئی چیز مضاربت میں نفع شمار ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ نفقہ کبھی کبھی بقدر نفع ہوتا ہے پس یہ انفراداً اتنا مال لینے والا ہوگا، اور کبھی نفقہ زیادہ ہوتا ہے تو راس المال سے اسے لینا پڑے گا، اور یہ مقتضی عقد کے منافی ہے پس اگر عقد میں نفقہ کی شرط لگائی گئی تو عقد فاسد ہوگا۔ انہی میں سے ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہما اللہ کے ہاں سفر وحضر میں اس کے لئے نفقہ ہوگا۔ جمہور فقہاء ان میں سے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سفر میں مضارب کے لئے نفقہ ہے حضر میں نہیں اگر منافع ہو تو اس میں سے ورنہ رأس المال سے یہ اپنا نفقہ لے لے گا کھانے اور کپڑے کے لئے البتہ امام مالک کے ہاں جب مال اس کو متحمل ہو اور حال اقامت میں مال مضاربت سے نفقہ نہیں، اپنے مال سے خرچ کرے گا، البتہ اگر مضاربت کی وجہ سے وہ ایسے کام میں مشغول ہو تو پھر اس کے لئے گنجائش ہے، اس صورت میں اسے مال مضاربت سے نفقہ لینا جائز ہے۔

اور حنابلہ کے ہاں مضارب اگر نفقہ کی شرط لگا لے سفر یا حضر میں تو اسے نفقہ ملے گا، ورنہ نہیں یہ بھی شوافع کی طرح مضارب کے لئے نفقہ واجب نہیں قرار دیتے نہ سفر میں نہ حضر میں سوائے شرط کے۔ ان کی دلیل جو جواز کے قائل ہیں یہ ہے کہ اگر مضارب کا نفقہ مال مضاربت سے نہ ہو تو لوگ اپنی حاجت کی بناء مضاربت کرنے سے رک جائیں گے، اور نفقہ سفر میں لازم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمائی سے روکا ہوا ہے اور مضاربت کی وجہ سے سفر کر رہا ہے، تو یہ اس زوجہ کے مشابہ ہو گیا جو احتباس کی وجہ سے نفقہ کی مستحق ہے برخلاف حضر کے کیونکہ اگر مضارب اپنے خاص مال سے سفر میں خرچ کرے گا تو اس سے اس کا نقصان ہوگا۔ مال مضاربت سے واجب نفقہ حنفیہ کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ کھانا کپڑا، سالن، پانی، مزدور کی مزدوری، حمام کی اجرت، چراغ کا تیل، لکڑیاں، بستر، جانور کا چارہ کپڑے دھونے وغیرہ کا صابن اور وہ چیزیں جو سفر میں ضروری ہوتی ہیں عادۃً، اور دوائی کی قیمت مال مضاربت سے ظاہر روایت کے مطابق، ہو کیونکہ نفقہ کی ضرورت تو معلوم ہے اور دوائی کسی عارض کی وجہ سے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر ہے لیکن دوا علاج اس کے اپنے مال سے ہے جیسا کہ متقدمین حنفیہ کا مذہب ہے اور یہ محل نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں دوائی کی قیمت بھی مضارب کے نفقہ میں داخل ہے کیونکہ یہ بدن کی درستگی کے لئے ہے، اور اس کے علاوہ وہ تجارت پر قادر نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ دوا بھی نفقہ کی طرح ہوگئی۔ نفقہ کی مقدار فضول خرچی کی بغیر جو تجار کے ہاں معروف ومشہور ہو اگر معروف سے تجاوز کی تو زیادہ کا ضامن ہوگا، کیونکہ اجازت عادۃً ثابت کے لئے ہے لہٰذا معتاد مقدار کا اعتبار ہوگا۔

اگر اس نے سفر کیا اور کوئی سامان نہ خریدا جس کے ارادہ سے گیا تھا، اور مال واپس لے کر آ گیا تو جب تک وہ سفر میں ہے اس کا نفقہ مال مضاربت سے ہوگا، کیونکہ تجار کا عمل اسی پر ہے کہ کبھی خریدار ہوتے ہیں کبھی نہیں۔ نیز مضارب کے لئے نفقہ ہوگا چاہے وہ صرف مال مضاربت کے ساتھ سفر کرے یا اپنا مال بھی اس کے ساتھ ہو یا ایک کے مال مضاربت کے ساتھ سفر کرے یا دو کے مال مضاربت کے ساتھ البتہ اتنی بات کے لئے مال کی مقدار کے اعتبار سے دونوں مالوں سے نفقہ بقدر حصہ لینے کا حقدار ہوگا، کیونکہ سفر دونوں مالوں کی وجہ سے کیا ہے تو نفقہ بھی دونوں مالوں سے ہوگا۔

کس سے نفقہ لیا جائے گا، تو اگر نفع ہوا اس میں سے نفقہ وصول کرے گا، اگر نفع نہ ہوا تو رأس المال سے نفقہ وصول کرے، کیونکہ نفقہ مال کا ایک جزو ہوتا ہے، اور اصل یہ ہے کہ نفقہ نفع سے ہو۔ اگر مضارب شہروں میں سے کسی شہر میں ٹھہرا خرید وفروخت کے لئے اس نے پندرہ دن اقامت کی نیت کر لی، تو اس کا نفقہ مال مضاربت سے ہوگا جب تک وہ کسی شہر کو اپنا وطن نہ بنالے اور مالکیہ کہتے ہیں جب تک وہاں شادی نہ کر لے، جب مضارب اپنے شہر کی طرف لوٹا، جو کچھ کپڑے اور نفقہ وغیرہ اس کے پاس بچ جائے وہ مال مضاربت میں لوٹائے، کیونکہ اس کو اجازت خرچ کی تھی سفر کی وجہ سے جب سفر ختم ہو گیا تو اجازت ہی ختم ہوگئی تو باقی مال مضاربت میں شامل کرنا واجب ہے۔

اگر مضارب نے اپنے مال میں سے کچھ خرچ کیا ایسے موقع پر جہاں اسے مال مضاربت سے خرچ کرنا تھا، تو جو کچھ اس نے خرچ کیا وہ دین ہوگا مال مضاربت پر جیسے وصی بچے پر اپنے مال میں سے خرچ کرے کیونکہ اس کی تدبیر اس کے ذمہ ہے۔

دوسری بات...... دوسرا حق مضارب کا مقرر طے شدہ منافع ہے: مضاربت صحیحہ میں عمل کی وجہ سے مضارب طے شدہ نفع کا مستحق ہوگا، اگر مضاربت میں نفع ہو، اگر نفع نہ ہوا تو مضارب کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے لئے کام کرنے والا ہے اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ اور منافع تقسیم سے ظاہر ہوگا۔ اور تقسیم کے جواز کی شرط رأس المال پر قبضہ ہے، مضارب کے ہاتھ سے مال مضاربت قبضہ کرنے سے پہلے منافع کی تقسیم درست نہیں۔ اگر اس نے دوسرے کو ایک ہزار دینار نصف پر مضاربت کے لئے دیئے اس میں ایک ہزار نفع ہوا دونوں نے نفع کو تقسیم کر لیا، اور رأس المال مضارب کے ہاتھ میں تھا اس پر رب المال نے قبضہ نہیں کیا تھا، منافع تقسیم کرنے کے بعد وہ مال مضارب کے پاس ہلاک ہو گیا تو یہ تقسیم درست نہیں ہوگی۔ اور رب المال نے جو وصول کیا اسے رأس المال میں سے شمار کیا جائے گا، اور جو مضارب کے پاس ہے وہ اس پر قرض ہوگا وہ رب المال کو لوٹائے گا تاکہ وہ رأس المال وصول کرنے والا ہو اور اس میں کچھ بچ گیا تو وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اس بات کی دلیل کہ رب المال رأس المال پر منافع تقسیم ہونے سے پہلے قبضہ کرے وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ”مومن کی مثال“ تاجر کی سی ہے کہ اسے منافع اس وقت تک سپرد نہیں کرتا جب تک رأس المال پر قبضہ نہ کر لے مومن بھی اسی طرح ہے اس کے نوافل اس وقت قبول نہیں جب تک وہ فرائض ادا نہ کرے۔ [1] یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رأس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے منافع کی تقسیم درست نہیں، کیونکہ منافع زیادتی ہے اور کسی چیز پر زیادتی اصل کے صحیح سالم رہنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

اگر مضارب کا رب المال کے ساتھ مال مضاربت لوٹانے میں اختلاف ہو جائے، مضارب کہے میں نے رأس المال تجھے دے دیا تھا نفع کی تقسیم سے پہلے، اور رب المال کہے: کہ یں نے تقسیم سے پہلے راس المال پر قبضہ نہیں کیا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں رب المال کی بات کا اعتبار ہوگا اور مضارب نے جو کچھ لیا ہے وہ رأس المال پورا کرنے کے لئے واپس کرے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز بچ گئی تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی۔ باقی حکم یہ ہے کہ رب المال کی بات قبول ہوگی، یہ اس لئے کہ مضارب اس حالت میں مدعی ہے، اور رب المال منکر ہے۔

---

[1] البدائع: ۶/ ۱۰۷۔

مضارب اگر چہ امین ہے لیکن امین کا قول ضمان ساقط کرنے کے لئے معتبر ہوتا ہے نہ کہ غیر کے سپرد کرنے میں حنفیہ مالکیہ اور شوافع اس بات پر متفق ہیں کہ عامل اپنے عمل سے حاصل شدہ نفع کا مالک اس وقت تک نہیں جب تک مال تقسیم نہ ہو جائے، حنابلہ وغیرہ کے ہاں عامل نفع حاصل ہونے پر ہی اپنے حصہ کا مالک ہوگا اگر چہ مال تقسیم نہ بھی کیا گیا ہو۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مضارب پر واجب ہے کہ پہلے وہ رب المال کو رأس المال سپرد کرے جب تک رأس المال سپرد نہ کرے وہ کسی قسم کے منافع کا مستحق نہ ہوگا جو کچھ رأس المال سے زیادہ ہوگا وہ نفع ہوگا۔ وہ طے شدہ تناسب سے رب المال اور مضارب کے درمیان تقسیم ہوگا۔

۴۔ رب المال کا حق...... اگر مال میں منافع ہو تو وہ اپنے طے شدہ منافع کو لے سکتا ہے، اگر نفع نہ ہو تو مضارب پر اس کے لئے کچھ بھی واجب نہ ہوگا، اور عامل کے لئے مال میں کوئی منافع نہیں جب تک وہ رأس المال نقدی کی شکل میں رب المال کو نہ دے دے، ابن رشد نے فرمایا: تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ رب المال کی عدم موجودگی میں اپنا نفع لے، مال کی تقسیم میں رب المال کی موجودگی شرط ہے، یہ کافی نہیں کہ وہ گواہوں کے سامنے تقسیم کر دے اور مال میں جو نقصان اور خسارہ ہوگا اس کا ذمہ دار رب المال ہے جب تک مضارب کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ پائی جائے۔

رأس المال میں کمی...... اگر رأس المال میں تصرف کے بعد یا عمل کے سبب نرخ کم ہو جانے کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے یا کسی آفت سماویہ کی وجہ سے مثلاً جل جانے، غرق ہو جانے، یا غصب اور چوری ہو جانے کی وجہ سے کمی آ جائے، تو پہلے اسے نفع سے پورا کیا جائے گا، کیونکہ عامل امین ہے اس سے نقص کی کمی اور تلف کا سوال نہ ہوگا۔

چوتھا مقصد: رب المال اور عامل مضارب کے درمیان اختلاف کا حکم...... مقتضائے مضاربت سے متعلق امور میں مضارب اور رب المال میں اختلاف ہو سکتا ہے جیسے عام تصرفات میں اختلاف یا خاص تصرفات میں یا تلف مال، مال واپس لوٹانے، مشروط نفع کی مقدار اور رأس المال میں اختلاف۔

الف...... اگر اختلاف تصرفات کے عام یا خاص ہونے میں اختلاف ہو تو جو عموم کا دعویٰ کرے اس کی بات معتبر ہوگی مثلاً ایک تمام تجارتوں میں مضاربت کا دعویٰ کرے یا تمام جگہوں یا تمام لوگوں کے ساتھ مضاربت کا دعویٰ کرے، اور دوسرا کسی خاص قسم کا دعویٰ کرے یا کسی خاص جگہ کا یا کسی خاص شخص کا دعویٰ کرے، تو عموم کا دعویٰ کرنے والے کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہ عقد مضاربت کے مقصود سے متفق ہے، کیونکہ اس عقد کا مقصد نفع ہے اور یہ نفع زیادہ عموم سے متحقق ہوتا ہے۔ اور جب اختلاف اطلاق وتقیید میں ہو تو مدعی اطلاق کی بات معتبر ہوگی مثلاً رب المال کہے: میں نے تمہیں صرف گندم میں مضاربت کی اجازت دی ہے، اور مضارب کہے: کوئی خاص تجارت مقرر نہیں کی گئی تو مضارب کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، کیونکہ اطلاق مقصود کے تحقق کے زیادہ قریب ہے۔ اگر اختلاف کسی خاص قسم میں ہو مثلاً رب المال کہے میں نے تمہیں کپڑے میں مضاربت کے لئے مال دیا ہے اور مضارب کہے غلہ میں مضاربت کے لئے دیا ہے تو اس صورت میں رب المال کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ یہاں مقصود عقد کے لئے ترجیح ممکن نہیں، کیونکہ مضاربت دونوں قسموں میں ہو سکتی ہے لہٰذا رب المال کی اجازت سے ایک کو ترجیح ہوگی۔

ب...... اگر رب المال اور مضارب کا مال ضائع ہونے میں اختلاف ہو جائے، مضارب ضائع ہونے کا دعویٰ کرے اور رب المال اس کا انکار کرے یا دونوں کا اختلاف خیانت اور تعدی میں ہو مثلاً رب المال خیانت کا دعویٰ کرے اور مضارب اس کا انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں مضارب کی بات بالاتفاق معتبر ہوگی، کیونکہ مضارب امین ہے اور اصل خیانت کا نہ ہونا ہے لہٰذا اسی کی بات معتبر ہوگی

ودیعت کی طرح۔

ج.....اگر دونوں کا اختلاف مال واپس کرنے میں ہوجائے، مضارب واپسی کا دعویٰ کرے اور رب المال اس سے انکار کرے تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں رب المال کی بات معتبر ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ مضارب نے مال پر قبضہ اپنے نفع کے لئے کیا ہے تو اپنی نسبت اس کا قول معتبر نہ ہوگا جیسے عاریۃً لی ہوئی چیز میں ہوتا ہے۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اُصح قول کے مطابق مضارب ہی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ یہ امین ہے۔

د.....اگر دونوں کا اختلاف رأس المال کی مقدار میں ہوجائے، تو بالاتفاق فقہاء مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ مثلاً رب المال کہے میں نے تمہیں دو ہزار دیئے ہیں اور مضارب کہے آپ نے ایک ہزار دیئے ہیں، تو مضارب کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ عاقدین اس مقدار میں اختلاف کر رہے ہیں جس پر قبضہ ہوا ہے، تو بات قابض کی معتبر ہوگی اس دلیل سے کہ اگر وہ بالکل قبضہ کا انکار کردے اور کہے کہ میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں لیا، تو اسی کی بات معتبر ہوگی پس اسی طرح اگر بعض کا انکار کرے۔

اور اگر عاقدین کا اختلاف رأس المال اور منافع دونوں کی مقدار میں ہو، بایں طور کہ رب المال کہے: رأس المال دو ہزار تھا اور طے شدہ نفع ثلث تھا، اور مضارب کہے رأس المال ایک ہزار تھا اور نفع نصف تھا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں بھی راس المال کی بابت مضارب کی بات معتبر ہوگی اور نفع کی بابت رب المال کی بات معتبر ہوگی، جبکہ شوافع کے ہاں دونوں حالتوں میں عامل مضارب کی تصدیق قسم سے ہوگی، اس لئے کہ اصل زیادہ راس المال نہ دینا اور نفع نہ ہونا ہے۔

ہ.....اگر رب المال اور مضارب کا اختلاف طے شدہ نفع کی مقدار میں ہوجائے تو حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں امام احمد سے راجح روایت یہ ہے کہ رب المال کی بات معتبر ہوگی، مثلاً مضارب کہے میرے لئے نصف نفع مشروع تھا، رب المال کہے ثلث تھا تو رب المال کی بات معتبر ہوگی کیونکہ صاحب مال انکار کررہا ہے نصف سے زیادتی کا اور بات منکر کی معتبر ہوتی ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”قسم مدعی علیہ پر ہوتی ہے۔“ مالکیہ کے ہاں: منافع کی مقدار میں مضارب کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، کیونکہ وہ امین ہے، اور اس میں دو شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے اعمال کرے جو مضاربت میں لوگ کرتے ہیں، دوسری شرط یہ کہ جو مال خرچ ہو چکا وہ مضارب کے قبضہ میں ہو حسی یا معنوی طور پر جیسے کسی اجنبی شخص کے پاس ودیعت ہو شوافع کے ہاں جب مضارب کے لئے مشروط نفع کی مقدار میں اختلاف ہو، مثلاً وہ کہے: نصف طے تھا، اور مالک کہے: بلکہ ثلث تھا، تو دونوں حلف اٹھائیں گے، جیسے مقدار ثمن میں بیع وشراء کرنے والے حلف اٹھاتے ہیں۔ تحالف سے عقد فسخ نہیں ہوگا بلکہ دونوں اس کو فسخ کریں یا ایک یا حاکم اور اس صورت میں مضارب کے لئے اجرت مثل ہوگی اپنے کام کی جتنی بھی ہو۔ کیونکہ اس کے عمل کو اس کی طرف لوٹانا محال ہے، پس اس کی قیمت واجب ہوگی جو کہ اجرت ہے، اگر اختلاف نفع میں ہو عامل مضارب کہے، نفع نہیں ہوا، یا صرف اتنا ہوا ہے تو مضارب کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ کیونکہ اصل نفع نہ ہونا ہے۔

و.....اگر دونوں رأس المال کی صفت میں اختلاف کریں مالک کہے میں نے تمہیں مضاربت، یا ودیعت یا بضاعت کے طور پر مال دیا تھا تاکہ تو خرید وفروخت کرے اور عامل کہے نہیں آپ نے تو مجھے بطور قرض مال دیا تھا نفع میرا ہے۔

حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں مالک کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ دی گئی چیز اس کی ملکیت ہے۔ تو اس کے ہاتھ سے کس صفت سے نکلی اسی کی بات اس میں معتبر ہوگی، نیز اس لئے بھی کہ مضارب رب المال کی تملیک کا دعویدار ہے اور وہ منکر ہے۔ اور یہ نوعیت میں اختلاف کی طرح ہے۔ مالکیہ کے ہاں عامل کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ جیسے نفع کی مقدار میں ہوتا ہے، عامل کی جانب عمل کی وجہ سے راجح ہے نیز یہ کہ وہ

امین بھی ہے۔

اگر رب المال کہے میں نے بطور قرض تجھے مال دیا تھا، اور مضارب کہے مضاربت کے لئے دیا تھا تو اس صورت میں جمہور علماء کے ہاں مضارب کی بات کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ مال رب المال کی اجازت سے لیا گیا ہے، رب المال، مضارب پر ضمان کا دعویٰ کررہا ہے، اور مضارب منکر ہے تو بات اس کی معتبر ہوگی، مالکیہ کے ہاں رب المال کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ، اس وجہ سے کہ اصل یہ ہے کہ مال پر قبضہ ضمان کا ہونا چاہئے جیسا کہ رب المال کے دعویٰ کا تقاضا ہے۔

پانچواں مطلب: مضاربت کو باطل کرنے والی چیزیں...... درج ذیل حالات میں مضاربت باطل ہوگی۔

ا۔ فسخ، تصرف سے روکنا اور معزول کرنا...... مضاربت فسخ کی وجہ سے اور تصرف سے روکنے کی وجہ سے اور معزولی کرنے کی وجہ سے باطل ہوجائے گی، جب فسخ اور نہی کی شرط پائی جائے، یعنی عامل کو فسخ اور روکنے کا علم ہو۔

اور یہ کہ رأس المال نقدی کی شکل میں ہو، فسخ اور تصرف سے روکنے کے وقت، تاکہ معلوم ہوسکے اس وقت مضارب اور مالک کے درمیان مشترک نفع کتنا ہوا ہے، اگر سامان ہے تو معزول کرنا صحیح نہیں۔ اس پر یہ مسائل متفرع ہیں جب عامل کو فسخ اور تصرف سے روکنے کا علم نہ ہو اور وہ تصرف کردے تو اس کا تصرف جائز ہے۔ اور جب اس کو معزولی کا علم ہو اور مال سامان کی شکل میں ہو تو وہ اس کو فروخت کرکے نقدی کی شکل میں لاسکتا ہے تاکہ نفع معلوم ہوسکے، اور اس وقت رب المال منع نہیں کرسکتا فروخت سے کیونکہ اس میں اس کے حق کا ابطال ہے۔ اور یہ آئمہ اربعہ کے ہاں متفق مسئلہ ہے۔ البتہ مالکیہ کے ہاں کام شروع کرنے کی وجہ سے دونوں پر یہ عقد لازم ہوگیا لہٰذا دونوں کے اتفاق سے ہی فسخ کیا جاسکتا ہے، اور مالکیہ کے علاوہ باقی حضرات اسے عقد لازم قرار نہیں دیتے۔

۲۔ عاقدین میں سے کسی ایک کا مرجانا...... اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو جمہور کے ہاں مضاربت باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ مضاربت میں وکالت بھی ہوتی ہے اور وکالت مؤکل یا وکیل کی موت سے باطل ہوجاتی ہے۔ اور مضاربت مکمل طور پر باطل ہوجائے گی چاہے مضارب کو رب المال کی موت کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ موت حکماً معزولی ہے علم پر موقوف نہیں ہوگی جیسے وکالت میں ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... عاقدین میں سے کسی کے مرنے کی وجہ سے مضاربت فسخ نہیں ہوگی، بلکہ مضارب کے ورثاء اگر امین ہوں تو وہ مضاربت جاری رکھ سکتے ہیں یا کسی امین کے حوالے کردیں۔

۳۔ عاقدین میں سے کسی ایک کا مجنون ہونا...... عاقدین میں سے کسی ایک کے مجنون ہونے کی وجہ سے مضاربت باطل ہوجائے گی جبکہ جنون مطبق ہو کیونکہ جنون اہلیت کو باطل کردیتا ہے، اور ہر وہ چیز جس سے وکالت باطل ہوجائے اس سے مضاربت بھی باطل ہوجاتی ہے، مثلاً بے ہوشی، یا رب المال پر پابندی وغیرہ، رہ گئی مضارب پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی تو حنفیہ کے ہاں اس سے معزول نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تمیز کرنے والے بچے کی طرح شمار ہوگا اور ان کے ہاں ممیز اہل ہوتا ہے، کیونکہ یہ غیر کو وکیل بنا سکتا ہے لہٰذا بے وقوف بھی اسی طرح ہوگا۔

۴۔ (العیاذ باللہ) رب المال کا مرتد ہوجانا...... جب رب المال مرتد ہوجائے، مرجائے یا ارتداد پر اسے قتل کیا جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے، اور قاضی اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ بھی کردے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ارتداد کے دن سے مضاربت باطل ہوجائے گی، کیونکہ دارالحرب چلا جانا بمنزلہ موت ہے، یہ رب المال کی اہلیت کو زائل کردیتا ہے، اس دلیل سے کہ مرتد کا مال اس کے ورثاء کے

درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اور اگر مضارب مرتد ہوجائے، تو مضاربت اپنے حال پر باقی رہے گی کیونکہ اہلیت موجود ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے خرید وفروخت کی نفع حاصل کیا اور پھر ارتداد کی وجہ سے قتل کردیا گیا یا مرگیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو اس کے یہ تمام افعال جو کیے ہیں جائز ہیں۔ اور نفع دونوں کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوگا، کیونکہ مرتد کے کام تمیز اور آدمیت کی وجہ سے صحیح ہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ جب راس المال سامان کی شکل میں ہو تو مضارب کا اسے بیع وشراء کے ذریعہ نقدی کی شکل میں تبدیل کرنا جائز ہے اور اس وقت مضارب معزول کرنے سے یا روکنے سے اور رب المال کے مرنے اور مرتد ہونے سے معزول نہ ہوگا۔

۵۔ **مضارب کے ہاتھ میں مال مضاربت کا ضائع ہونا**...... جب راس المال مضارب کے ہاتھ سے کچھ خریدنے سے پہلے ضائع ہوجائے تو مضاربت باطل ہوجائیگی، کیونکہ قبضہ کی وجہ سے مال مضاربت کے لئے متعین ہوگیا۔ لہٰذا اس کے ضائع ہونے کی وجہ سے ودیعت کی طرح مضاربت باطل ہوجائے گی۔

اسی طرح مضاربت باطل ہوجائے گی مضارب کے مال مضاربت کو ضائع کرنے، یا خرچ کرنے یا کسی دوسرے کو دینے کی وجہ سے بھی یہاں تک کہ مضارب اس کے ذریعہ کسی چیز کے خریدنے کا مالک نہیں ہوگا اگر مضارب نے اتنا مال لیا جتنا ہلاک ہوا ہے تو پھر وہ بطور مضاربت اس سے خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ یہ حالتیں ہیں جن کی وجہ سے مضاربت باطل ہوجاتی ہے، جیسا کہ حنفیہ نے ذکر کیا۔ اور جب مضاربت فسخ ہوجائے اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب قرض کی ادائیگی اور اس کے قبضہ سے رک گیا اب اگر مضارب کو نفع ہوا ہے تو حاکم قرض کی وصولی کے لئے زبردستی کرے گا۔

کیونکہ یہ بمنزلہ اجیر ومزدور ہے، اور نفع اس کی اجرت کی طرح ہے، اور اجیر جس کام کا التزام کرے اس میں وہ مجبور ہوتا ہے، لیکن اگر نفع نہ ہوا ہو تو اس کے ذمہ قرض کی وصولی لازم نہیں، کیونکہ یہ وکیل تصور کیا جائے گا، اور وکیل احسان کرنے والا ہوتا ہے، اور احسان کرنے والے کو ایفاء احسن پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، صرف اتنی بات ہے کہ مضارب یا وکیل کو حکم دیا جائے گا کہ رب المال کو دیون کا حوالہ کریں تاکہ اسے قبضہ کرنا ممکن ہو، اس لئے کہ یہ عقد کے حقوق ہیں عاقد کی طرف لوٹتے ہیں، پس رب المال کے لئے ولایت قبضہ حوالے کے بغیر ثابت نہیں ہوگا تو عاقد کے ذمہ لازم ہے کہ وہ حوالہ کرے تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔ اور جو چیز مضاربت سے ہلاک ہوگی۔

اس کا حساب نفع سے کیا جائے گا نہ کہ رأس المال سے، اس لئے کہ نفع مال کے تابع ہے اور رأس المال اصل ہے اور تابع کا اصل کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار نہیں۔ تو ضائع شدہ مال کو تابع کی طرف پھیرنا اولیٰ ہے، اگر ہلاک شدہ مال زیادہ ہو تو مضارب پر کوئی ضمان نہ ہوگا، کیونکہ وہ امین ہے۔

اسلامی فقہ میں جدید اور قدیم شرکتیں...... اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جیسا کہ مشہور ومعروف ہے تو کوئی بھی ایسا پیشہ اور کمائی جو حلال ہے اسے شریعت نے برقرار رکھا ہے، اور جو بھی مشتبہ کمائی ہے جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے اور اس سے لوگوں میں محبت بھائی چارہ اور تعاون ختم ہوتا ہو شریعت نے اسے منع کردیا ہے، اور اس کا دروازہ بند کردیا ہے۔ شریعت لوگوں میں آسانی اور شفقت کا معاملہ کرتی ہے جبکہ ان کی مصلحتیں ثابت ہوں نہ کہ ان کے درمیان تصادم ہو، شریعت انہیں جہالت، لڑائی جھگڑا، ظلم اور گراں فروشی پر برقرار نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے اسلام میں شرکتوں کو رضامندی، عدل وانصاف، مصلحتوں کی رعایت اور صحیح مشروع عرف کی لڑی میں منظم کیا ہے، نیز اس لئے بھی کہ عقود میں اصل اباحت اور حلت ہے، اس بارے میں کتنا عمدہ اور پیارا فقہاء کا قاعدہ ہے کہ "شرکت تجار کی عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے۔"

کمائی کے جائز اور مشروع اہم تین طریقے ہیں...... تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت۔

بسا اوقات ایک آدمی ان کو بسہولت اختیار کر سکتا ہے لیکن غالب یہ ہے کہ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے، مالی اور بشری تمام طاقتیں نہ ہونے کی وجہ سے، چاہے فنی اعتبار سے یا کوشش ومحنت کے اعتبار سے، یا زندگی میں پیش آنے والے خطرات کی تخفیف کے لئے، اسی وجہ سے شریعت ساجی میں شرکت کو مشروع اور جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ لوگوں کا آپس میں تعاون ضروری چیز ہے، جبکہ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی ہمارے سامنے شرکت کی خبر بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ص:۳۸/ ۲۴

''نیز اللہ تعالیٰ نے بعض ورثاء کو بعض کے حصوں میں شریک فرمایا ہے۔''

اور خیفی بھائیوں کے بارے میں فرمایا:

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ النساء:۴/ ۱۲

''اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو پھر ثلث میں برابر کے شریک ہیں۔''

سنت نبویہ نے بھی شرکت کی تائید کی ہے حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں دو شریکوں میں تیسرا شریک ہوں جب تک وہ خیانت نہ کریں ایک دوسرے کے ساتھ، جب وہ خیانت کریں تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں، مطلب یہ کہ میں حفاظت اور مدد کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہوں ان کے مالوں میں ان کی مدد کرتا ہوں اور تجارت میں برکت نازل کرتا ہوں، جب ان کے درمیان خیانت ہوتی ہے تو برکت اور مدد اٹھا لیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے تعاون کو شرکت میں برقرار رکھا ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث میں ہے، اور آپ نے فرمایا: ''شریکوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جب تک وہ خیانت نہ کریں۔'' اور صحیح روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت کے بعد عرض کی کہ میں جاہلیت میں شرکت کرتا تھا اور میں بہترین شریک تھا نہ منع کرتا تھا اور نہ جھگڑا، رواہ ابوداؤد، اور ابن ماجہ کے لفظ یہ ہیں: میں شریک تھا اور بہترین شریک نہ منع کرتا تھا نہ شک حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے دن آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مرحبا میرے بھائی اور شریک کو جو نہ منع کرتا ہے اور نہ شک کرتا ہے۔''

اور شرکت جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت سے بیان کیا: ایسا عقد ہے جو دو شریکوں کے درمیان رأس المال اور منافع میں ہوتا ہے، شرکت کی قدیم اور جدید بہت ساری قسمیں ہیں یعنی شرکت فی الاموال، شرکت فی الاعمال والتصرفات، اور شرکت فی الضمان والتزام، شرکت اموال رأس المال میں شرکت کے عنصر سے منعقد ہوتی ہے، اور شرکت اعمال صنعت وحرفت اور ضمان عمل کے عنصر سے مکمل ہوتی ہے، اور شرکت وجوہ بغیر رأس المال کے دو شریکوں کے اعتماد اور ثقاہت کے عنصر سے وجود میں آتی ہے۔

حنفیہ وغیرہ نے شرکت کی تمام قسموں کی اجازت دی ہے، یعنی اجباری شرکتیں شرکت املاک اور اختیاری شرکتیں شرکت عقد، وغیرہ کی، سابقہ زمانے اور عصر حاضر میں شرکتوں میں سے اہم شرکتیں شرکت مضاربت ہے جس میں ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل ہوتا ہے، لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، اس لئے کہ کبھی ایک شخص صاحب مال تو ہوتا ہے لیکن اسے استعمال کا طریقہ نہیں جانتا اور ایک شخص اسے خرچ کا طریقہ تو جانتا ہے لیکن اس کے پاس مال نہیں ہوتا، اور نفع ان کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، اور خسارہ صرف رب المال کے ذمہ ہوگا، اور عامل کے ذمہ صرف کوشش اور کام صرف کرنا ہوتا ہے۔

ہمارے اس زمانے میں کئی نئی شرکتیں لوگوں کے درمیان متعارف ہوتی ہیں شہری زندگی کے منظم کرنے کی وجہ سے جیسے شرکت تضامن، توصیۃ البسیطۃ اور مساھمۃ وغیرہ، اور بعض سے تنظیم نے غفلت کی ہے جیسے شرکت محاصہ اور شرکت بہائم اور شرکت سیارہ چاہے اجارہ کے ذریعہ ہو یا بغیر اجارہ کے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان شرکتوں کا شرعی حکم بیان کریں۔ چونکہ لوگ زیادہ پوچھتے ہیں ان کے بارے میں اور کئی قسم

کی شرکتوں کے تعارف کی وجہ سے حالانکہ بعض شرکتیں جائز نہیں ہوتیں۔

اردن کے شہری قوانین میں بعض احکام بعض قسموں کے شریعت کی روشنی میں بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے مثلاً شرکت اعمال، شرکت وجوہ، شرکت مضاربہ وغیرہ دفعہ نمبر ۶۱۱۔۶۳۵ میں، عام شرکتوں کے احکام دفعہ نمبر ۵۸۲۔۶۱۰ میں بیان کے بعد، اوراس قانون میں شرکت اعمال اور وجوہ میں حنفی اور حنبلی مذہب کے مطابق قانون بنایا گیا ہے جبکہ مضاربت میں صرف حنفی مذہب پر قانون بنایا ہے۔

شام اور مصر میں شہری قانون شرکتوں کے بارے میں دوقسموں پر تقسیم کیا گیا ہے شرکت اشخاص اور شرکت اموال۔ شرکت اشخاص: وہ ہے جس میں شخصی عنصر ظاہر ہو، جوشرکاء کی شخصیت اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر قائم ہو مال کی طرف نظر نہیں۔ اور یہ شرکت تضامن، شرکت توصیہ بسیطہ اور شرکت محاصة کو شامل ہے۔ اور شرکت اموال جس میں مال پر نظر رکھ کر اعتماد کیا گیا ہو قطع نظر اشخاص کے، اور یہ شرکت ماھمۃ، شرکت توصیہ بالأسہم اور محدود مسئولیت والی شرکتوں پر مشتمل ہے۔

ان تمام قسموں کا شریعت اسلامی میں کیا حکم ہے؟

۱۔ شرکت تضامن (برابر کی شرکت، ہر چیز میں شرکت)...... یہ وہ شرکت ہے جسے دو یا دو سے زیادہ افراد تجارت کی غرض سے منعقد کریں، تمام تجارتوں یا بعض تجارتوں میں، اس میں تمام شرکاء تمام شرکت کے التزامات کے بارے میں برابر کے مسئول ہیں، صرف رأس المال میں برابری کافی نہیں، بلکہ کبھی کبھی یہ ہر شریک کے ذاتی مال میں بھی ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ اس شرکت کے ضمان (کفالت یا التزام) میں شبہ ہے جس کے ذریعہ یہ شرکت مفاوضہ سے جدا ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اسے حنفیہ وغیرہ کے علاوہ کوئی جائز قرار نہیں دیتا، اس میں عموم تجارت میں اشتراک ہوتا ہے، کہ دونوں شرکاء کا راس المال بھی برابر تصرف اور دین و مذہب، اور شرکت سے متعلقہ تمام التزامات میں ہر شریک دوسرے کا کفیل ہوتا ہے، اور یہ بات محقق ہے کہ شرکاء میں برابری مشکل چیز ہے، کیونکہ دونوں کے مالوں میں زیادتی کا امکان ہے، پس یہ شرکت نادر ہے یہ کم مدت اور ہمیشگی اس میں نہیں ہے جس کی وجہ سے جلدی تبدیلی اور انقلاب شرکت عنان کی طرف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شرکت عنان میں نہ مال میں برابری شرط ہے نہ تصرف اور دین و مذہب میں وہ یہی ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں دونوں کا مال ہو اس میں تجارت کریں اور نفع ان کے درمیان تقسیم ہو، اس میں ایک کا مال دوسرے سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ ان میں سے شرکت کا مسئول ایک ہی ہوتا ہے، اس میں کفالت بھی نہیں لہٰذا جو عقد کرے گا اسی سے مطالبہ ہوگا، شریک کے تصرفات کا مطالبہ نہیں ہوگا، جمہور فقہاء کے ہاں (شوافع کے علاوہ) نفع طے شدہ تناسب سے ان کے درمیان تقسیم ہوگا، پس کسی ایک کا نفع دوسرے سے تجارت میں مہارت کی وجہ سے زیادہ رکھنا جائز ہے، چاہے رأس المال برابر ہو یا کم زیادہ اور خسارہ راس المال کی مقدار کے اعتبار سے دونوں پر ہو باتفاق علماء اس حدیث کی وجہ سے کہ "نفع طے شدہ شرط کے مطابق اور نقصان رأس المال کی مقدار کے مطابق تقسیم ہوگا" اس طرح مقرر کرنے میں کوئی مانع نہیں اس میں کمال بن ہمام حنفی (صاحب فتح القدیر) کا اختلاف ہے کہ وہ شرکت عنان میں کفالت کی شرط لگاتے ہیں ہر شریک دوسرے کا کفیل اور ضامن ہوگا کیونکہ کفالت عقد تبرع ہے اور دونوں شریکوں نے اسے شرط رکھا ہے، یہ شرکت کے علاوہ میں جائز ہے جب ایسے دوشخصوں میں کفالت جائز ہے جن میں مالی تعلق نہ ہو تو پھر ایسے دوشخصوں میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے جن میں مالی تعلق اور شرکت ہو، اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عقود میں اصل رضامندی ہے اور شرکت رضامندی پر مبنی عقد ہے، پس ایسی ہر شرط پورا کرنا لازم ہے جو نصوص شرعیہ کے متصادم نہ ہو۔

۲۔ شرکت توصیہ بسیطہ...... یہ وہ شرکت ہے جس میں بعض شرکاء برابر کے شریک ہوتے ہیں اور بعض موصون ہوتے ہیں جو متضامن ہیں، ان کا مال بھی ہوتا ہے اور یہ شرکت کی ادارت کے اعمال میں بھی سرانجام دیتے ہیں اور اس کے مسئول ہوتے ہیں، اور تمام

التزامات کا پورا کرنا ان کے ذمہ ہے اور شرکت کے قرض (دیون) ان کے ذمہ ہوتی ہیں، اور موصون جو صرف مال پیش کرتے ہیں نہ ان سے ادارت کی مسئولیت ہے اور نہ ہی اس کے التزامات کی، یہ شرکت بھی جائز ہے، اس لئے کہ ہمارے فقہاء شرکت عنان کا م (عمل) کسی ایک کے ذمہ شرط قرار دینے کو جائز قرار دیتے ہیں اور سوال بھی صرف تصرف کرنے والے سے ہوتا نہ کہ دوسرے سے، پس اس بناء پر عامل کے لئے زیادہ نفع مقرر کرنا یا اس کے لئے خاص مقرر کرنا جائز ہے اور یہ اجیر شمار ہوگا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شرکت کی ادارت کے بارے میں ایک شریک مسئول ہو یا زیادہ اور غیر مسئول ایک ہو یا زیادہ، پس کفالت اور مسئولیت کی شرط ایک فریق کے لئے ہونا اور دوسرے فریق کے لئے نہ ہونا جائز ہے، کما تبین فی شرکت التصامن۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس شرکت کو شرکت مضاربت کی ایک قسم قرار دیا جائے، شرکت متصامن، مضارب ہو جو شرکت میں تصرف کرے، اور اس سے متعلقہ حقوق کا غیر کے سامنے مسئول ہو اور شریک موصی رب المال قرار دیا جائے شرکت شرکت مضاربت کی طرح، اور یہ شرکت کی ادارت کا مسئول نہ ہو اور اصحاب حقوق کا ضامن نہ ہو، اور راس المال کے خسارہ کی صورت میں خسارے کے علاوہ باقی التزامات کا ضامن نہ ہو، اور عامل سے تصرفات میں خسارہ کے بارے میں سوال نہ ہو، اور مضارب تجار کی عادۃً کے موافق تمام تصرفات کرنے میں آزاد ہیں اور نفع شریکوں کے اتفاق سے طے شدہ تناست سے تقسیم کیا جائے۔

خلاصہ...... یہ کہ شرکت، شرکت مضاربت قرار دی جا سکتی ہے بعض احکام فقہیہ میں باریک فرقوں کے ساتھ اور یہ بھی یاد رہے کہ کمپنی کی شرکت میں زیادہ انتشار ہے شرکت توصیہ کی بنسبت، اس لئے کہ کمپنی کی شرکت میں سرمایہ کاری میں عادۃً وسعت رکھی جاتی ہے، اور بہت زیادہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں عاقدوں میں راس المال کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے اور شرکت توصیہ کا امتیاز کمپنی کی شرکت میں متحقق ہوتا ہے اور یہ امتیاز اور فرق کہ کمپنی تاجر کی صفت کا اکتساب نہیں کرتی، اور صرف ان حصوں کے بارے میں مسئول ہوتی ہے جن کی قیمت رکھی گئی ہے۔

۳۔ شرکتہ المحاصہ...... یہ بھی باقی عقود کی طرح ہے اس میں دو شخص یا زیادہ التزام کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے ہر ایک خاص مال میں شریک ہوتے ہیں اپنے مال کے حصہ اور عمل کے ساتھ تا کہ وہ اس سے حاصل ہونے والے نفع اور نقصان کو تقسیم کر سکیں البتہ یہ اپنے خفا کی وجہ سے جمہور کے ہاں ممتاز کیا جانا چاہئے اس میں نہ تو رأس المال شرکت کا ہوتا ہے اور نہ اس کا نام شرکت کا ہے اور یہ لوگوں میں مشہور نہیں اور نہ اس کا ظاہری وجود ہے اور نہ باقی شرکتوں کی طرح اس کا کوئی شخص معنوی مستقل ہے، یہ وقتی شرکت ہے۔

جو کسی وجہ سے ہو جاتی ہے اور کسی صفت کی وجہ سے پیدا ہوتی اس کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، اس سے فراغت کے بعد نفع کا تصفیہ ہو جاتا ہے اس میں ایک ہی شریک ظاہر طور پر کام کرتا ہے اور شرکت پوشیدہ رہتی ہے اور نہ ہی اس کا شخص اعتباری ہے، اور یہ شرکت اجمالی طور پر شرعا جائز ہے کیونکہ شرکت عنان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے نہ اس میں برابری ہے، نہ تضامن، نہ تکافل، یہ تجارت کی انواع میں سے ایک خاص قسم کی تجارت ہے، اس میں طے شدہ اتفاقی تناسب سے نفع تقسیم ہوگا، اور خسارہ رأس المال کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے، ایک صفت کی وجہ سے شرکت محاصہ کو شرکت عنان میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ سب شرکاء کے حصے عام ہوں اور ان پر شرکاء کی ملکیت ہو، اور اسے شرکت عنان اور مضاربت شمار کیا جاتا ہے جب ہر شریک اپنے حصے کی حفاظت کرے، لیکن اسے کسی ایک کے سپرد کر دے سرمایہ کاری کے لئے بقیہ حصص کے ساتھ ہر ایک کی مصلحت کی وجہ سے اس شرط پر کہ نفع اور نقصان ان سب کے درمیان بحسب اتفاق یا حصص کے اعتبار سے تقسیم ہو۔

اس کے شرکاء کا مال کسی ایک کو پیش کرنا مضاربت شمار ہوتا ہے، اور تصرف کرنے والا شریک مضارب ہے لیکن جب وہ اپنے مال کا ایک حصہ پیش کرتا ہے تو ہر شریک عنان بھی ہے، جیسا کہ جب وہ بعض شرکاء کے ساتھ شرکت کی ادارت میں کام کرے تو یہ شرکت ان کے درمیان شرکت عنان ہوگی، اور جو شریک ادارۃ میں حصہ نہیں ڈالتے تو وہ مضارب ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ شرکت مفاوضہ شرکت عنان

وجوہ اورابدان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، کیونکہ جو تنہا صحیح ہے، تو وہ غیر کے ساتھ بھی صحیح ہے، تو اس بناء پر ایک شرکت میں کئی شرکتیں کرنا درست ہے۔

۴۔ شرکت مساہمہ...... یہ شرکت اموال میں سے اہم شرکت ہے، اور اس میں رأس المال چھوٹے چھوٹے مساوی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ان پر اطلاق ہوتا ہے ایسے حصے جو تجزی قبول نہیں کرتے، اور یہ تداول کے قابل ہوتے ہیں، اور حصہ دار اپنے حصے کی قیمت کے اعتبار سے مسئول ہوتے ہیں اور مدیر شرکت اور کام کرنے والے حصہ داروں کے اجیر گردانے جاتے ہیں ان کے خاص مرتبے ہیں چاہے وہ کمپنی کے حصہ دار ہوں یا نہ ہوں، اور مدیر شرکت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ان کے راس المال سے زیادہ قرض لے، اگر وہ ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا، اور حصہ داروں پر اپنے حصص کے علاوہ کوئی ضمان نہیں، اور نفع راس المال کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، اور اس کو ''شرکت مغفلہ'' کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اعتبار شخصی کے اعقال کی وجہ سے، اور اس میں پہلا اعتبار اس کے بننے کے اعتبار سے مال کا ہے، نہ کہ شرکاء کی شخصیت کا، بلکہ شرکاء ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں اور نہ ہی وہ شرکت کی اوارۃ کو جانتے ہیں سوائے اس کے جو اس کی مجلس ادارۃ ہر سال اجتماع کے موقع پر پیش کرتی ہے، اس اسکیم بنانے والوں کا خیال ہے کہ کمپنی کی شرکت کو فعال اور سرگرم بنایا جائے بڑے بڑے منصوبوں کے لئے جو بہت زیادہ مال کے محتاج ہیں اور عام طور پر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہوتا نہیں جیسے: ٹیکسٹائل انڈسٹری، پارچہ بانی کی صنعت، سوتی کپڑے کی صنعت لوہے کی صنعت اور مٹی کے برتنوں کی صنعت وغیرہ۔ یہ شرکت بھی شرعاً جائز ہے اس لئے کہ یہ شرکت عنان ہے کیونکہ رضامندی کی بنیاد پر قائم ہے، اور انتظامی مجلس اور شرکت میں حصہ داروں کی طرف سے بطور وکیل کام وتصرف کرتی ہے اور شرکاء کے زیادہ ہونے میں کوئی منافع بھی نہیں، اور شریک کا اپنے مالی حصہ میں مسئول ہونا شرکت مضاربت میں رب المال کی مسئولیت کی طرح ہے اور شرکت کا تسلسل شرکاء کے اتفاق سے ہی ہے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہوتے ہیں، حلال شرائط ہیں، اور حصص کا نظام ایک جائز شرعی معاملہ ہے، البتہ قرض کی سندیں اور اس پر نفع لینا حرام ہے۔

۵۔ شرکت توصیہ بالاسہم...... یہ شرکاء کی دو قسموں کو متضمن ہے ایک متضامنین دوسرے حصہ دار اور حصہ دار توصیۂ بسیطہ میں شریک موصین کی طرح ہیں۔ ان میں سے کسی سے بھی اپنے حصہ کے علاوہ مسئولیت نہیں۔ البتہ حصہ داروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور موصی سے حصہ دار مختلف ہوتے ہیں، پہلا ایسے حصہ کا مالک ہوتا ہے جس میں مداوات ہو سکے، اور دوسرا اس کے برعکس، اور شرکاء کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اس شرکت میں ان کے اموال کا اعتبار ہے۔

یہ شرکت بھی شرعاً جائز ہے، یہ بھی شرکت عنان کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، جس میں بعض شرکاء کے درمیان برابری شرط ہے، اور یہ کفالت جائز ہے اور متضامن شریک کی آزادی دوسرے شرکاء کی اجازت پر موقوف ہے، اور حصہ داروں کے مال میں متضامنین کا عمل شرکت مضاربت کے احکام کی طرح ہے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ بعض شرکاء حصہ دار ہوں جیسا کہ شرکت مساہمہ میں وضاحت کی گئی کیونکہ سہم سے حصہ کو مقدم کرنا شرعاً جائز ہے خاص کر جب مساھمین کی تعداد محدود ہو اور بعض بعض کو جانتے ہوں۔

۶۔ لمیٹڈ کمپنی کی شرکت...... باقی شرکت اموال کی طرح یہ بھی تجارتی شرکت ہے، اس میں شرکاء کی شخصیت کا کوئی اعتبار نہیں اور قانونی طور پر یہ شرط ہے کہ شرکاء کی تعداد پچاس سے زیادہ نہ ہو، اور ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کی بقدر مسئول ہوگا اس میں شرکت اموال اور شرکت اشخاص دونوں کی خصوصیات جمع ہیں، اس میں شرکت اموال میں سے یہ ہے کہ اپنے حصہ کی بقدر شریک سے مسئولیت ہے، اور اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی انتظامی مجلس کی رکنیت ہی جیسے شرکت مساہمہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس میں انتظامی مجلس کا مدیر یا کوئی اور محدود مرتبہ سے اس کی مدد کرے، اور وہ اجیر شدہ اور کسی ایک شریک کا ادارۃ سنبھالنا نفع کے اجزاء کی

طرح ہے، اور اس میں شرکت اشخاص میں سے یہ ہے کہ شریک شرکت میں حصہ دار ہوتا ہے مساہم نہیں ہوتا، اور شرکاء کے حصص تداول قبول نہیں کرتے، جیسے تجارتی حصہ کرتے ہیں، اور سب سے اہم چیز جو اس کو مکمل کرتی ہے وہ اشتراک شخصی ہے نہ کہ عام۔ یہ سب کچھ جائز ہے شخصی طور پر اور اس شرکت کو بھی شرکت عنان میں سے شمار کیا جاتا ہے، اور اس میں بعض مضاربت کی خصوصیات بھی ہیں، جیسے حصہ کی بقدر شریک سے مسئولیت، وغیرہ۔

خلاصہ...... یہ کہ یہ جو شرکتیں ہیں جنہیں شہری قوانین نے برقرار رکھا ہے یہ فقہ اسلامی میں اجنبی نہیں بلکہ فقہاء نے جن شرکتوں کا تذکرہ کیا ہے یہ ان میں شامل ہیں۔ لیکن یہ زمانے کی ضرورت اور عرف کی وجہ سے مختلف ہیں، شرکت اشخاص کی تمام صورتیں فقہ اسلامی میں مضاربت کے قبیل سے ہیں، البتہ کچھ احکام میں شریعت اور قانون میں لوگوں کی مصلحت اور طبعی رجحان کے اعتبار سے اختلاف ہے، اور شرکت اموال اکثر شرکت عنان کے قبیل سے ہیں اور بعض خصوصیات میں مفاوضہ کی طرح ہیں شرکت تضامن میں۔ اور مضاربت کے اوصاف میں سے صرف شریک کی بمقدار حصہ مسئولیت ہی ہے، اور ادارۃ اعمال کے قیام کے لئے وکالت ہے، جبکہ مدیر شریک ہو، اور وکالت اجرت کے ساتھ اور بغیر اجرت دونوں طرح صحیح ہے، اور مدیر اگر مساہم حصہ دار نہیں تو وہ عقد اجارہ کے ذریعہ اجر ہوتا یا ملازم اور وہ ملازمت کے طور پر اجرت پر کام کرے گا، نہ مشارکت کے طور پر۔

گاڑیوں میں شرکت...... بہت زیادہ شرکت منعقد ہوتی ہے ٹرک کی ملکیت میں یا سیاقی گڑی، یا بس میں شرکت ہوتی ہے، اس میں بعض شرکاء متعین حصوں کے مالک ہوتے ہیں ان میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے اور بعض حصوں میں شریک بھی ہوتا ہے، اور ڈرائیور ماہانہ یا روزانہ کی اجرت وصول کرتا رہتا ہے، اور کبھی گاڑی کا مالک اسے ۴/۱ معاف کر دیتا ہے تا کہ وہ چوتھائی قیمت سے مستقبل میں نفع سے دستبردار ہو، اور یہ لوگوں کے عرف کی وجہ سے سب جائز ہے، کیونکہ شرکت عادت کے موافق منعقد ہوتی ہے، اور یہ توسع اور چشم پوشی پر مبنی ہے، نیز یہ ضمان یا شرکاء کی ذمہ داری اور عمل پر منعقد ہوتی ہے، نیز شرکت صرف وکالت یا وکالت اور کفالت پر مبنی ہوتی ہے، اور ڈرائیور نفع میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے، جیسا کہ وہ متفق علیہ اجرت کا تقاضا کر سکتا ہے، اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ اجرت ایک مخصوص مقدار میں متعین ہو، یا نفع کا ایک حصہ ہو، اور یہ بات شرکت مساھمہ اور تضامن میں بیان کی جا چکی ہے کہ مدیر کے ملازم پر ہیں، شرعاً کوئی چیز مانع نہیں، اور شرکت اور اجارہ کی صفات کے لئے ایک چیز میں پائے جانے میں بھی کوئی مانع نہیں۔

یہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہے اور وہ اسے مزارعت اور مساقات پر قیاس کرتے ہیں، نیز ایک عقد میں دو عقدوں کا پایا جانا اور دو شرطوں کا پایا جانا اس وقت منع ہے جب عقد زائل ہو جاتے، لیکن جب اس کی علت ختم ہوگئی یا حکمت فوت ہوگئی یعنی لڑائی جھگڑے کا ہونا اور ان لڑائیوں کا نہ ہونا جو عادۃً ہوتی ہیں تو پھر یہ شرط مفسد نہیں اور اس میں لوگوں کی حاجت بھی ہے۔

جانوروں میں شرکت...... ہمارے اس دور میں بہت سی شرکتیں لوگوں میں جانوروں کے چرانے، گائیوں، بکریوں کی تربیت کے حوالے سے ہو رہی ہیں، ایک شریک مال پیش کرتا ہے اور دوسرا شریک کام کرتا ہے، اور کبھی دونوں شریک جانوروں کی قیمت ادا کرتے ہیں پھر ان میں سے ایک تنہا کام کرتا ہے مثلاً چرانا، یا کھانا پینا، چوکیداری اور صفائی وغیرہ کرتا ہے تو یہ سب کچھ جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ ایسی جہالت نہیں ہونی چاہئے جو لڑائی جھگڑے تک پہنچا دے، البتہ جو جہالت لڑائی جھگڑے تک نہ پہنچائے وہ مضر نہیں، اور اس میں لوگ عادۃً چشم پوشی برتتے ہیں، اس بناء پر درج صورتوں کا حکم معلوم ہو سکتا ہے:۔

۱...... جب ایک شخص کچھ جانور خریدے، اور ان کی ساری قیمت اپنے مال سے ادا رے اور دوسرا شخص ان کی تربیت و پرورش اور ان کے

لئے گھاس دانے کا بندوبست کرے، تو یہ شرکت جائز نہیں، اس لئے کہ عامل جو کچھ گھاس دانہ خریدے گا وہ مجہول ہے جو لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچادے گی لہٰذا عقد فاسد اور باطل ہوگا۔

۲..... اگر چارے کی قیمت دودھ وغیرہ کے برابر ہو تو باقی دودھ دونوں شریکوں میں تقسیم ہوگا، لہٰذا یہ شرکت درست نہیں، اس لئے کہ کبھی دودھ چارے کے لئے کافی ہوگا اور کبھی نہیں، ہاں اگر رأس المال والا اس کے بارے کا بندوبست کرے تو پھر عقد صحیح ہے۔

۳..... جب عامل کا کام صرف تربیت، چرانا اور گھاس دانہ ہو اور رب المال اخراجات کی قیمت کا کفیل ہو تو یہ شرکت درست ہے، اور یہ شرکت مضاربہ ہوگی، یہ نہ کہا جائے کہ چارہ وغیرہ کھانا جانور کا طبعی معاملہ ہے حیوان کی زیادتی میں اس کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے کیونکہ عامل کا کام چارہ پیش کرنا متعین ہے اور خدمت، نرانی، صفائی اور چرانا وغیرہ کا جانور کے موٹا اور خرید ہونے اور قیمت کے بڑھنے اور عمدہ ہونے میں اثر ہے۔

۴..... جب دو آدمی جانور اور اس کی چارے وغیرہ کا اخراجات اکٹھے برداشت کریں اور ان میں سے ایک خدمت تبرعاً کرے تو یہ شرکت درست ہے کیونکہ اس میں راس المال میں شرکت ہے عمل میں نہیں۔

۵..... آج کل موجودہ صورت جانوروں کی قیمت میں شرکت کی ہے، چرواہ اور عامل جانور کا دودھ لے لیتا ہے، اور اس کا فربہ ہونا یہ اس کی خدمت وغیرہ کی وجہ سے ہے اور رہ گئی ان کی اولاد اور اون وغیرہ تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے یہ شرکت شرعاً جائز ہے جیسا کہ مفتیان نے جامعہ ازھر میں ۱۹۴۸ء میں اس کو برقرار رکھا، کیونکہ لوگوں کا تعامل ہے۔

عرف اور حاجت بھی ہے اور کوئی نص کو یہ سنت اور اجماع میں اس کے عدم جواز کی نہیں، اور نہ ہی اس سے جھگڑا اور عداوت ہوتی ہے، پس لوگوں پر آسانی کے لئے جائز ہے رہ گئی جہالت تو وہ کم ہے جو نزاع کی طرف نہیں لے جانے والی۔

خلاصہ..... اللہ کے دین میں آسانی ہے تنگی نہیں، ایسا عرف جو شریعت کے متصادم نہ ہو معتبر ہے، اس میں اجتہاد متعین ہے ترقی اور تبدیلی ضروری چیزیں ہیں۔

چھٹی فصل..... ہبہ کے بیان میں

موضوع کا خاکہ..... ہبہ کا بیان درج ذیل چھ مباحث میں ہوگا۔

۱۔ **پہلی بحث**..... ہبہ کی تعریف اور مشروعیت۔

۲۔ **دوسری بحث**..... ہبہ کا رکن۔

۳۔ **تیسری بحث**..... ہبہ کی شرائط۔

۴۔ **چوتھی بحث**..... ہبہ کا حکم۔

۵۔ **پانچویں بحث**..... رجوع سے مانع اشیاء۔

۶۔ **چھٹی بحث**..... اولاد کو عطیہ دینا۔

پہلی بحث: ہبہ کی تعریف اور اس کی مشروعیت..... ہبہ ھدیہ اور صدقہ دونوں کو شامل ہے، کیونکہ، ہبہ، صدقہ، ہدیہ اور عطیہ ہم معنی الفاظ ہیں، جب اس سے کسی محتاج کو دے کر اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے تو یہ صدقہ ہے، اور اگر کسی کو اس کے بڑا ہونے اور محبت

بڑھانے کی خاطر دیا تو یہ ہدیہ ہے، ورنہ ہبہ اور عطیہ: مرض موت میں ہبہ۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ہبہ ایسا عقد ہے جو تملیک کا فائدہ دیتا ہے بلاعوض زندگی میں، حنابلہ نے اس کی تعریف کی ہے ایسی تملیک جس میں تصرف کرنا جائز ہے معلوم یا مجہول مال جو موجود ہو سپردگی پر قدرت ہو زندگی میں بلاعوض ہو واجب نہ ہو اور ایسے الفاظ سے ہو عرف میں جنہیں ہبہ شمار کیا جاتا ہے جیسے لفظ ھبہ، تملیک وغیرہ۔ اور یہ جو قیود ہیں ان کے ذریعہ عاریت، کتے، سامان، بیوی کا نفقہ وصیت، بیع سے احتراز ہے، تملیک کے لفظ سے عاریت نکل گئی، اور مال کا لفظ ہے ایسی چیز نکل گئی جو مال نہیں جیسے کتے وغیرہ، سپردگی پر قدرت کی شرط سے بوجھ وغیرہ نکل گیا اور غیر واجب سے قرض اور نفقہ نکل گیا، اور حیات کی قید وصیت نکالنے کے لئے اور بلاعوض کی قید معاوضے والے عقود نکالنے کے لئے ہے۔

ہبہ مشروع اور مندوب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ النساء: ۴/۴

”ہاں اور وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ...... البقرۃ: ۲/۱۷۷

”اور مال باوجود عزیز کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کو دیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ھدیہ دیا کرو اس میں محبت بڑھتی ہے۔“

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کوئی پڑوس اپنی پڑوسن کے ھدیہ کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ وہ بکری کا کھر ہی ہو۔“

”فرس“ اصل میں اونٹ کے کھر کے لئے استعمال ہوتا ہے اسے بکری کے لئے استعارتہ استعمال کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قئی کرنے کے بعد اس کو دوبارہ چاٹ لیتا ہے: پس یہ مسنون ہے ہبہ میں جو کچھ ہو وہ موہوب لہ کو دے دیا جائے بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل عطا فرماتے۔

ہبہ کی تمام اقسام کے استحباب پر اجماع منعقد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔“

قریبی رشتہ داروں میں یہ افضل ہے، کیونکہ اس میں صلہ رحمی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ...... النساء: ۴/۱

”اور اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برابری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرا و اور (قطع قوت) ارحام سے بچو۔“

نیز بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو اپنے رزق میں وسعت چاہتا ہے اور عمر لمبی چاہتا ہے۔ تو اسے چاہئے صلہ رحمی کرے۔

تمام آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ہبہ ایجاب اور قبول سے صحیح ہوتا اور قبضہ سے نیز اس بات پر ان کا اجماع ہے کہ خیر کے وعدہ کو پورا کرنا مطلوب ہے، نیز اولاد میں سے بعض کو ہبہ میں خاص کرنا مکروہ ہے، اسی طرح بعض کو بعض پر فوقیت دینا بھی مکروہ ہے۔

دوسری بحث...... ہبہ کا رکن حنفیہ کے ہاں ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہیں کیونکہ بیع کی طرح یہ بھی ایک عقد ہے، اسی طرح قبضہ کرنا

بھی رکن ہے جیسا کہ مبسوط میں ہے، کیونکہ ثبوت ملک کے لئے یہ ضروری ہے، یہ خلاف بیع کے، اور علامہ کاسانی کے ہاں استحساناً اور بعض حنفیہ کے ہاں موہوب لہ کی جانب سے قبول کرنا رکن نہیں، بلکہ صرف ہبہ کرنے والے کی ایجاب کافی ہے۔ کیونکہ ہبہ لغوی اعتبار سے ملک کی جانب سے صرف ایجاب کا نام ہے قبولیت کی شرط کے بغیر، قبول تو اس کے حکم اور اثر مرتب کے ثبوت کے لئے ہے، یہی مالکیہ سے بھی منقول ہے، ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ کسی نے قسم اٹھائی میں وہ یہ چیز فلاں کو ہبہ نہیں کرے گا پس اس نے وہ چیز ہبہ کردی اور فلاں نے قبول نہ کی تو استحساناً یہ حانث ہوگا، لیکن قیاساً نہیں اور اکثر حنفیہ مذہب کے ترجمان اس بات متفق ہیں کہ ہبہ صرف ایجاب سے پورا ہوجاتا ہے واجب کے حق میں اور موہوب لہ کے حق میں ایجاب وقبول دونوں سے مکمل ہوتا ہے کیونکہ ہبہ عقد تبرع واحسان ہے پس متبرع کے ساتھ مکمل ہوجائے گا جیسے اصرار اور وصیت لیکن موہوب راس کا مالک قبول اور قبضہ سے ہوگا، اور مجلّہ میں دفعہ نمبر ۸۳۷ میں اس بات کی تصریح ہے کہ ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں ہبہ کے چار ارکان ہیں یعنی واہب، موہوب لہ موہوب اور صیغہ، رہ گیا واہب تو وہ مالک ہے جبکہ وہ صحیح مالک ہو لیکن اگر مریض نے ہبہ کیا پھر فوت ہوا تو اس کا ہبہ ثلث مال سے جمہور کے ہاں شمار ہوگا، اور موہوب لہ، ہر انسان ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی آدمی اپنا سارا مال کسی اجنبی کو ہبہ کردے، رہ گیا اپنی اولاد میں سے بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یا بعض کو زیادہ، دینا ہبہ میں یہ جمہور کے ہاں مکروہ ہے، لیکن اگر اس نے دے دیا تو یہ جائز ہے۔ اور موہوب ہر مملوکہ چیز ہے۔ اور صیغہ والفاظ، پر وہ جو ایجاب وقبول کا تقاضا کریں چاہے قول ہو یا فعل جیسے لفظ ھد یہ ھبہ، عطیہ، نحلہ اور اس کے مشابہ۔

ایجاب یا تو صریح ہو جیسے واہب کہے یہ چیز میں نے آپ کو ہبہ کردی، یا جو صریح کے قائم مقام ہو جیسے میں تمہیں اس کا مالک بنا رہا ہوں یا یہ تمہاری ہے، وغیرہ یا تمہیں عطیہ کردیا، یا آپ کو ھدیہ ہے یا یہ کھانا تمہیں کھلاتا ہوں یا اس سواری پر آپ کو سوار کرتا ہوں اور اس سے ہبہ کی نیت کرے، کیونکہ کسی عین کا فی الحال مالک بنانا یا بغیر عوض کسی کو دنیا ہبہ کے معنی میں ہے، نیز اس لئے بھی کہ باقی الفاظ لوگوں کے عرف واستعمال میں فی الحال مالک بنانے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور یہ مطلق ایجاب میں ہے، اگر اس میں کوئی قرینہ ہو پھر وہ قرینہ یا تو وقت ہوگا یا شروط یا منفعت۔

وہ ایجاب جو وقت کے قرینہ کے ساتھ مقرون ہو اس کی مثال، مثلاً کہے یہ گھر تمہیں بطور عمر دیتا ہوں یا یہ گھر عمر بھر تمہارے لئے ہے یا جتنی تمہاری عمر ہے یا تمہاری زندگی یا میری زندگی پس جب میں مرگیا تو یہ میرے ورثاء کا ہوگا، تو یہ ہبہ ہے اور موہوب لہ کے لئے اس کی زندگی میں ہوگا اور مرنے کے بعد اس کے ورثاء کا ہوگا کیونکہ تملیک صحیح ہے اور وقت کی قید لگانا باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اپنے مالوں کو اپنے پاس روکے رکھو ان کو عمر بھر کے لئے نہ دو پس اگر کسی نے عمر بھر کے لئے کوئی چیز دی تو وہ اسی کی ہے جس کو دی گئی، یعنی موہوب لہ کی ہے، نیز اس لئے بھی کہ شرط فاسد ہے ہبہ بالکل نہیں ہوتا برخلاف مالی عقود کے ان میں سے بیع ہی ہے کیونکہ معاوضات مالی شرط فاسد سے فاسد ہوجاتے ہیں کیونکہ بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے۔ رقبیٰ کی شرط سے مقرون ایجاب کی مثال مثلاً کہے یہ گھر آپ کے لئے بطور رقبیٰ ہے تو یہ اس کے قبضہ میں عاریت ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد کے ہاں جب بھی چاہے لے سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کی اجازت دی اور رقبیٰ کو باطل قرار دیا نیز اس لئے بھی کہ یہ تملیک کو خطر وجور اور دم پر معلق کرنا ہے اور تملیکات تو وجود اور عدم کے خطر سے معلق نہیں ہوسکتی پس ہبہ صحیح نہ ہوا اور عاریت صحیح ہوگئی کیونکہ اس نے گھر اس کے حوالہ کردیا اور نفع اٹھانا مطلق رکھا اور یہی عاریت کا معنی ہے۔

امام ابویوسفؒ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جب اس نے اس پر قبضہ کرلیا تو یہ ہبہ ہے اور اس کے الفاظ رقبیٰ کے باطل ہیں اور ان کی دلیل بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے کہ آپ نے عمریٰ اور رقبیٰ کی اجازت دی، اور اس کا قول میرا گھر تیرا ہے تو یہ تملیک ہے عین کی نہ کہ منفعت کی، نیز یہ عمریٰ پہ بھی قیاس کرتے ہیں۔ اور مالکیہ، حنفیہ کی طرح عمریٰ کی اجازت دیتے ہیں اور رقبیٰ باطل قرار دیتے ہیں اور یہ عمریٰ

کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ منفعت کی تملیک چاہے وزمین ہو کوئی اور چیز کسی کو اس کی زندگی تک بغیر عوض دینا، پس جب وہ مر گیا تو وہ چیز عمریٰ کرنے والے کی طرف واپس آجائے گی اگر وہ زندہ ہو ورنہ اس کے ورثاء کو ملے گی۔

خلاصہ...... یہ کہ اکثر علماء عمریٰ اور رقبیٰ دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ دونوں ہبہ کی قسمیں ہیں اور ایجاب وقبول، قبضہ وغیرہ کی محتاج ہیں اور حنفیہ اور مالکیہ رقبیٰ سے منع کرتے ہیں، عمریٰ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

منفعت سے مقترن ایجاب کی مثال...... مثلاً یہ کہے یہ گھر آپ کے لئے بطور رہائش ہے یا یہ بکری اور زمین وغیرہ آپ کو عطیہ ہے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق یہ عاریت ہے کیونکہ جب اس نے رہائش کا ذکر کیا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس نے منافع کی تملیک کا ارادہ کیا ہے اور منحہ نام ہی منافع کے خرچ کا ہے پس واجب اس نے اس کی اضافت کی جسے ہلاک کے لئے بغیر نفع نہیں اٹھایا جاسکتا جیسا کہ کھانا یا دودھ وغیرہ منحہ کرے تو یہ ہبہ ہوگا کیونکہ عین باقی رہتے ہوئے ان کی منفعت نہیں۔ اس فرق کی بنیاد پر حنفیہ کہتے ہیں کہ عین کی عاریت، منافع کی تملیک ہے، کیلی اور وزنی چیز کی عاریت قرض ہے جیسے درہم دینار وغیرہ اور یہ عین کی تملیک ہوئی، اور عاریت استعمال کے لئے ہوتی ہے اور قرض ہلاک کرنے کی عاریت ہے۔

اسی طرح اگر کہا یہ گھر آپ کے لئے رہائش اور عمریٰ ہے یا عمریٰ اور رہائش ہے تو یہ عاریت ہوگی کیونکہ جب اس نے سکنیٰ کا ذکر کیا تو یہ منافع کی تملیک پر دلالت ہے اور اس کا کہنا سکنیٰ یہ منفعت کے لئے وضع ہے صرف اسی لئے استعمال ہوتا ہے اور عمریٰ کا لفظ صفت ہے اور یہ موصوف کے لئے قید ہے تو یہ عاریت پر دال ہے، اسی طرح جب کہا ہبہ سکنیٰ ہے یا سکنیٰ ہبہ ہے تو یہ بھی عاریت ہے، کیونکہ ہبہ کے ذکر کے جب سکنیٰ ذکر کیا تو یہ ہبہ کی تفسیر ہے کیونکہ ھبہ، ھبۃ العین اور ہبہ المنافع دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

پس جب سکنیٰ کیا تو اس نے ھبۃ المنافع کو متعین کردیا، کیونکہ یہ لفظ صنعت ہے اور صفت موصوف کے لئے قید ہوتی ہے۔

اگر کہا یہ گھر تمہارے لئے بطور عمریٰ ہے اس میں رہائش اختیار کرو یا صدقہ ہے رہائش اختیار کرو تو یہ ہبہ اور صدقہ ہوگا کیونکہ اس مثال میں ہبہ کی تفسیر صفت سے نہیں کی گئی، بلکہ گھر اس کو ہبہ کیا ہے پھر اس رات کی طرف اشارہ کیا اپنی ملکیت میں جس پر عمل کرے گا، اور غیر کی ملکیت میں مشورہ باطل ہے، پس یہ شرط فاسد ہوگی اور ہبہ شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہبہ عین سے متعلق ہوگیا اور رہ گئی اس کی یہ بات کہ ”تسکنھا“ تو یہ بمنزلہ تاکہ رہائش اختیار کرے، ہے جیسا کہ کہے تمہیں ہبہ کیا تاکہ اس کو اجرت پر دے۔ اور اگر کہا یہ تمہارے لئے ہبہ ہے اس میں رہائش اختیار کرو تو یہ بھی ہبہ ہوگا مثال سابق کی طرح۔

تیسری بحث: ہبہ کی شرطیں...... یہاں واھب کے لئے اور موھوب کے لئے شرائط میں حنابلہ نے گیارہ شرطیں ہبہ میں ذکر کی ہیں وہ یہ ہیں: جائز تصرف ہو، در مختار ہو ایسا مال ہو جیسے فروخت کرنا جائز ہو، بلاعوض ہو، ایسے شخص کو ہبہ کرے جو مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، قبول کرے، یا اس کا ولی قبول کرے اس میں وقت کی قید نہ ہو اور جائز التصرف کا مطلب ہے آزاد مکلّف اور سمجھدار ہو اور موھوب کا مال ہونا اختصاص کو نکالنے کے لئے ہے۔

اور صیغے کی شرطیں شوافع کے ہاں قبول ایجاب سے ملا ہوا ہو بغیر کسی فاصل کے اور کس شرط سے مقید نہ ہو کیونکہ ہبہ تملیک ہے اور تملیکات ایسی چیز جو معرض خطر میں ہو اس سے معلق نہیں ہوئیں اور وقت سے مقید نہ ہو جیسے شہر، سال، نیز ھبہ، بیع کی طرح مطلق اور ہمیشہ تملیک کا فائدہ دیتا ہے۔

واھب کی شرطیں...... واھب کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو عقل اور بلوغت سمجھداری کے ساتھ اور یہ شرط انعقاد ہے اس

لئے کہ ہبہ تبرع ہے پس بچے اور مجنون کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں تبرع کے مالک نہیں، اس لئے کہ یہ ان کے لئے ضرر محض ہے اسی طرح باپ بھی بچے کے مال کو بلاعوض ہبہ کرنے کا مالک نہیں، کیونکہ اس کی ولایت نفع میں ولایت قاصرہ ہے اور ہبہ تبرع ہے اس میں ضرر محض ہے لہٰذا اس کی جانب سے جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے ہاں والا عوض کے ساتھ بھی بچے کے مال کو ہبہ نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ بشرط عوض قبضہ سے پہلے تبرع ہے اور پھر انتہاء بیع ہے یعنی قبضہ کے بعد اور والد تبرع کا مالک نہیں اور امام محمد کے ہاں بشرط عوض والد کا ہبہ جائز ہے، کیونکہ یہ بیع کے معنی میں ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔

موھوب کی شرطیں...... موھوب میں چند شرطیں ہیں۔

۱...... کہ موھوب بوقت ہبہ موجود ہو، لہٰذا جو چیز موجود نہ ہوگی بوقت عقد تو اس کا ہبہ درست نہیں مثلاً اس سال جو پھل کھجور پر لگیں گے وہ ہبہ کرنا یا اس سال بکریاں جو جنیں گی وہ ہبہ کرنا، کیونکہ یہ معدوم کی تملیک ہے پس عقد باطل ہوگا۔ یا بکری کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے ہبہ کرنا، اور ولایت کے وقت اسے مسلط کرنا، پس یہ ہبہ منعقد نہ ہوگا کیونکہ ہونے نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، کیونکہ بسا اوقات پیٹ بچے کی وجہ سے پھولا ہوا ہوتا اور کبھی کسی بیماری کی وجہ سے پھولا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر گندم آٹا یا تل میں تیل یا دودھ میں مکھن، یا زیتون میں تیل ہبہ کیا تو درست نہیں۔ اگر چہ ان چیزوں کے وجود میں آنے کے وقت وہ اسے قدرت کا دے دے تب بھی جائز نہیں کیونکہ فی الحال یہ معدوم ہے۔ اور معدوم ملک کا محل نہیں ہوتا پس عقد باطل ہوا نئے سرے کے علاوہ اس کا انعقاد نہیں ہوگا، رہ گیا تھنوں میں دودھ ہبہ کرنا یا بکری کی پیٹھ پر اون ہبہ کرنا، کھیتی اور کھجور زمین میں ہبہ کرنا، درخت کی کھجور ہبہ کرنا تو یہ ہبہ مشاع کی طرح ہے، فاسد ہوگا، اگر ان چیزوں کو جدا کر کے موھوب لہ کے سپرد کر دیا تو جائز ہے، کیونکہ موھوب موجود ہے اور فی الحال مملوک ہے، ہاں مانع کی وجہ سے نافذ نہیں ہوگا وہ مانع یہ ہے کہ غیر کے ساتھ مشغول ہے، پس جب اسے جدا کر دیا تو مانع زائل ہو گیا تو ہبہ جائز اور صحیح ہوگا، اس شرط میں حنابلہ اور شوافع، حنفیہ کے موافق ہیں ان نے کہا ہر وہ چیز جس کی بیع صحیح ہے اس کا ہبہ بھی صحیح ہے اور مالکیہ کے ہاں جس کی بیع صحیح نہیں اس کا ہبہ صحیح ہے، جیسے بھگوڑا غلام، بدکا ہوا اونٹ اور شیء مجہول اور پھل پکنے سے پہلے، اور غصب شدہ چیز۔

۲...... مال متقوم ہو، پس جو چیز بالکل مال نہ ہو اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوگا۔ جیسے آزاد آدمی، مردار، خون، حرم کا شکار، اور احرام وغیرہ اور جو چیز متقوم نہیں جیسے شراب۔

۳...... فی نفسہ مملوک بھی ہو، لہٰذا مباح چیزوں کا ہبہ منعقد نہیں ہوگا یہ سابقہ ساری شرطیں انعقاد کی تھیں۔

۴...... واھب کی ملکیت میں ہو۔ غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر منعقد نہ ہوگا کیونکہ جو چیز مملوک نہیں اس کی تملیک محال ہے حنفیہ کے ہاں یہ شرط نفاذ ہے، اس شرط کی بناپر حنفیہ کے ہاں مملوک کا ہبہ جائز ہے چاہے عین ہو یا دین پس جس پر دین ہے اسے اس کا ہبہ کرنا جائز ہے کیونکہ جو چیز ذمہ میں ہوتی ہے وہ سپرد کرنے اور قید کرنے کی قدرت میں ہے کیونکہ عین کا قبضہ جو چیز بذمہ ہے اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے، جیسے جس پر دین ہے اس کے علاوہ کسی کو وہ چیز ہبہ کرنا جائز ہے اگر صراحۃً اسے قبضہ کی اجازت دی ہو۔

۵...... جدا اور الگ ہو مشاع نہ ہو: پس حنفیہ کے ہاں مشاع اور مشترک چیز کا ہبہ درست نہیں جبکہ وہ تقسیم کا احتمال رکھتا ہو جیسے گھر اور منزلیں لیکن ہبہ فاسد ہوگا اور تقسیم کر کے سپرد کر دیا تو ہبہ جائز ہے اور یہ ہبہ کے صحت کی شرط ہے۔

اور جائز ہے ہبہ اس چیز کا جو مشترک ہو اور تقسیم اس کی نہ ہو سکتی ہو جیسے گاڑی، حمام چھوٹا گھر اور جواہرات اور اس کے ہبہ کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ کبھی ان اشیاء میں سے بعض کے ہبہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور قبضہ کی جگہ تخلیہ ہی کافی ہے پہلی حالت کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ رہن کی طرح شرط ہے کما سائبین اور اشتراک قبضہ سے مانع ہے۔ اس لئے کہ مشترک نصف میں تصرف کرنا متصور نہیں، اس لئے

کہ مشاع گھر کے نصف میں رہائش محال ہے اور اس میں تصرف، کل میں تصرف کے بغیر ممکن نہیں اور عقد سارے گھر کو شامل نہیں پس موہوب کی تقسیم نہ ہونا قبض کی صحت سے مانع ہے اور مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع کا ہبہ جائز ہے جیسے بیع اس لئے کہ ہبہ مشاع میں قبضہ، بیع مشاع میں قبضہ کی طرح درست ہے اور اس کے قبضہ کی صفت پر ہے کہ واھب تمام چیزیں موہوب لہ کو سپرد کردے اور وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے اور اس کے شریک کا حصہ اس کے قبضہ میں ودیعت کی طرح ہوگا۔ اور اس پر دلیل سنن میں سے یہ ہے کہ ھوازن کا وفد جب آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے مال غنیمت کی واپسی کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میرے پاس ہے اور جو کچھ بنی عبدالمطلب کے پاس ہے وہ تمہارا ہے، یہ مشاع کا ہبہ ہے اور ایک شخص کا اپنے مال کے حصہ کو غیر متعین طور پر ہبہ کرنا ہے یا جس چیز کے دو تین مالک ہوں اسے ہبہ کرنا۔ یہی اختلاف غنی پر مشاع چیز کے صدقہ میں بھی ہے کیونکہ اسے صدقہ کرنا ہبہ ہے رہا دس کو دو مسکینوں پر صدقہ کرنا تو یہ جائز ہے کیونکہ صدقہ متصدق سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ فقیر کے لئے پس اس میں شیوع مستحق نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے قاعدے کے موافق کہ ”ایسی مشاع چیز جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اس کا ہبہ جائز نہیں“ اس پر درج ذیل امور مرتب ہوتے ہیں: دو بندوں کو ہبہ کرنا: اگر ایک شخص ایک گھر دو آدمیوں کو ہبہ کرے یا ایک مد گندم یا ایک ہزار درہم وغیرہ جو کہ تقسیم ہو سکتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ درست نہیں جبکہ صاحبین کے ہاں درست ہے، یہی اختلاف جاری ہوتا ہے اس صورت میں کہ جب ایک شخص ایک تو دو آدمیوں کو ہبہ کردے اور کہے کہ تم دونوں کو میں نے یہ گھر ہبہ کیا اس کے لئے نصف اور اس کے لئے نصف۔ اس میں اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں کہ یہ صحت ہبہ سے مانع ہے۔ اور صاحبینؒ شیوع عقد اور قبضہ دونوں کے وقت مانع صحت ہبہ ہے، اسی بناء پر دو آدمیوں کا ایک کو ہبہ کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ قبضہ کے وقت شیوع نہیں امام صاحبؒ کے ہاں اور دونوں حالتوں میں شیوع نہیں صاحبین کے ہاں کیونکہ شیوع صرف عقد کے وقت پایا گیا قبضہ کے وقت نہیں پایا گیا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ایک جب دو کو ہبہ کرے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ قبضہ کے وقت شیوع پایا جا رہا ہے، اور صاحبین کے ہاں یہ جائز ہے، اس لئے کہ عقد اور قبضہ دونوں حالتوں میں شیوع نہیں اور جب گھر کے ہبہ میں کہے کہ میں تجھے یہ گھر آدھا ہبہ کرتا ہوں اور آدھا دوسرے کو تو یہ بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ شیوع عقد میں داخل ہے جواز کے لئے مانع ہے، بہر خلاف مثال سابق کے ”تم دونوں کو یہ گھر ہبہ کرتا ہوں آدھا اس کا آدھا تمہارا، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جائز نہیں صاحبینؒ کے ہاں جائز ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا نصف اس کا نصف اس کا یہ عقد کی تفسیر نہیں بن سکتا، کیونکہ عقد تو ان دونوں کی تملیک کا ہوا ہے بلکہ یہ عقد سے ثابت حکم کی تفسیر ہے پس یہ عقد میں شیوع ثابت نہیں کرتا۔

اگر اس نے کہا ”میں یہ دونوں کو یہ گھر ہبہ کرتا ہوں اس کا ثلث اور اس کا دو ثلث تو شیخین کے ہاں یہ عقد جائز نہیں، امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے، امام ابوحنیفہؒ تو مثال سابق کی طرح کہتے ہیں اور امام محمد بھی مثال سابق کی طرح کہ عقد جب دو کے لئے جائز ہے اس میں تساوی اور تفاضل دونوں حالتیں برابر ہیں حصہ داروں کے اعتبار سے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، رہ گئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس قاعدے کی مخالفت کی ہے تفاضل کی صورت میں کیونکہ مطلق عقد تفاضل کا احتمال نہیں رکھتا، پس دو حصہ داروں میں سے ایک کو فضیلت عقد کو مفرد کے دینے کے مترادف ہے۔ تو یہ مشاع کا ہبہ ہوا پس اس کے قول ثلث اس کا اور دو ثلث اس کا کو حکم ثابت کی تفسیر قرار دینا متعذر رہے برخلاف تساوی کی حالت کے۔ خلاصہ یہ کہ قبضہ کے وقت شیوع مانع ہبہ ہے البتہ عقد کے وقت مانع نہیں، اسی طرح شیوع طاری ہبہ کو فاسد نہیں کرتا۔

۶..... موہوب غیر ممتاز ہو اس سے متصل بھی نہ ہو اور موہوب کے علاوہ سے مشغول نہ ہو، کیونکہ قبضہ کا مطلب ومقصد شی مقبوض میں تصرف کی قدرت کا ہونا، موہوب کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے متحقق نہیں ہوتا یہ شرط بھی ہبہ کی صحت کے لئے ہے۔ اسی بناء پر اگر کسی شخص نے زمین ہبہ کی اس میں واھب کی کھیتی ہے اور کھیتی ہبہ نہ کی یا کھیتی ہبہ کی زمین نہ کی یا کھجور ہبہ کی پھل ہبہ نہ کیے یا پھل ہبہ کیے درخت ہبہ نہ کیا تو یہ جائز نہیں اگر چہ موہوب پر قبضہ بھی ہو اور یہ ہبہ فاسد ہوگا، اگر اس نے پھل اتار لئے اور کھیتی کاٹ لی پھر فارغ زمین وغیرہ سپرد کی تو

یہ جائز ہے کیونکہ نفاذ حکم سے مانع ثبوت مالک ہے جو کہ زائل ہے اسی طرح اگر گھر ہبہ کیا اور اس میں واہب کا سامان ہے یا کوئی برتن ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان ہے۔ یا سواری ہبہ کی اور اس پر بوجھ ہے واہب کا اور موہوب پر قبضہ بھی ہو گیا پھر بھی جائز نہیں واہب کی ملکیت موہوب لہ کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ کیونکہ موہوب مشغول ہے غیر کے کام میں یہ بمنزلہ مشاع کے ہبہ کے ہے اس صورت میں ہبہ فاسد ہوگا، اگر موہوب کو غیر سے جدا یا پھر اس کے سپرد کیا تو یہ جائز ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ مشغول چیز کا ہبہ صحیح نہیں برخلاف شاغل کے اسی طرح متصل چیز کا ہبہ اتصال کے ساتھ فصل کے امکان کے باوجود جائز نہیں۔

مسئلہ: پیٹ میں موجود چیز کا استثناء......اس شرط سابق پر متفرع ہے وہ چیز جو قیاس کا مقتضی ہے، کہ اگر کسی نے جانور ہبہ کیا اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے اسے ہبہ نہ کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ غیر سے مشغول چیز کا ہبہ ہے۔ البتہ استحساناً کہتے ہیں جانور اور بوجھ کا ہبہ درست ہے اور استثناء باطل ہوگا اس مسئلہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱......ایک قسم وہ ہے جس میں عقد فاسد ہو جاتا ہے، یعنی اس میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔

وہ بیع اجارہ اور رہن ہے پس جب مال پر عقد کیا، حمل کا نہ کیا ان عقد میں سے کسی عقد کے ساتھ تو عقد فاسد ہوگا استثناء باطل ہو جائے گا، کیونکہ حمل، ماں کے تابع ہے۔ تو اسکا استثناء بعض کا اخراج ہے جس کا عقد تقاضا کرتا ہے، کیونکہ عقد ام اور اس کے بچے دونوں میں ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ مالی معاوضات میں شرط فاسد عقد فاسد کر دیتی ہے۔

۲......ایک قسم وہ ہے جس میں عقد صحیح ہوتا ہے اور شرط واستثناء باطل ہوتے ہیں اور وہ نکاح خلع، صلح دم عمد اور ھبہ، کیونکہ عقد کا موجب یہ ہے کہ حکم کل عقد میں ثابت ہو جب اس نے بعض کو مستثنیٰ کر دیا ہے، پس یہ شرط فاسد ہوئی اور قاعدہ ہے کہ شرط فاسد تبرعات، توثیقات اور نکاح کو باطل نہیں کرتی بلکہ عقد صحیح ہوتا ہے اور شرط لغو اور باطل، پس اس صورت میں ہبہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوگا۔ اور اس میں اصل اور دلیل ہبہ کی نسبت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کی اجازت مرحمت فرمائی اور معمر کی شرط باطل قرار دی اور یہ بھی کے برخلاف ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

۳......ایک قسم وہ ہے جس میں شرط واستثناء اور عقد دونوں صحیح ہیں جیسے وہ گھوڑی کی وصیت کرے اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کرے تو گھوڑی میں وصیت درست ہوگی اور حمل موصی کے ورثاء کے لئے ہوا، اس لئے کہ حمل وصیت میں علیحدہ ہے یہاں تک کہ اسے وصیت میں الگ کرنا درست ہے پس اس کا استثناء بھی جائز ہے، کیونکہ وصیت اور ایصاء کا عقد صرف مستقبل کی طرف مضاف ہوتا ہے اور شئی موصیٰ بہ میں ملکیت وفات موصی کے بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

۴......ساتویں شرط موہوب پر قبضہ ہے۔ یہ شروط میں سے اہم شرط ہے یہ شرط لزوم اور تمام ہبہ ہے، اور نہ شرط صحت اور بعض حنابلہ کے ہاں یہ رکن ہے اور ابن عقیل کے ہاں جیسا کہ پہلے گذرا۔ ہبہ میں قبضہ یہ کہ شئی موہوب مقبوض ہو موہوب کی ملکیت قبضہ سے پہلے ثابت نہیں ہوتی بلکہ ہبہ قبضہ کے بغیر متحقق ہی نہیں ہوتا قبضہ سے ہبہ پایا جاتا ہے اور قبضہ حنفیہ کے ہاں ہبہ کے آثار کے مولد ہے۔ میں یہاں قبضہ کے متعلق بات کروں گا کہ آیا فقہاء کے ہاں شرط ہے یا نہ۔

قبضہ کی شرط کی نوعیت......فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ اور شوافع کے ہاں قبضہ لزوم ہبہ کے لئے شرط ہے، موہوب لہ کی ملکیت قبضہ سے پہلے ثابت نہیں ہوگی، دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے بیس وسق مال عطیہ کیا پس جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی میرے بعد لوگوں میں

سب سے زیادہ محبوب مجھے تو ہے۔ اور فقر کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے عزت والی تو ہے اور میں نے اپنے مال سے تمہیں بیس وسق مال عطیہ اور ہبہ کیا ہے اگر آج آپ اس پر قبضہ کر لیں اور اسے سنبھال لیں تو وہ تمہارا ہے ورنہ پھر وفات کے بعد وہ وارثوں کا ہوگا اور وہ دونوں تمہارے بھائی اور تمہاری بہن ہے اسے اللہ کی کتاب کے مطابق تقسیم کر لینا وہ فرماتی ہیں یہ دونوں میرے بھائی میں اور بہن اسماء دوسری کون تو وہ بنت خارجہ ہو سکتی ہیں، میرا خیال ہے وہ لڑکی ہوں گی۔

یہ نص ہے لزوم ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہونے میں، اور یہ کہ ہبہ میں قبضہ سے بندہ مالک ہوتا ہے ان کے اس ارشاد کی وجہ سے "لو كنت جددتيه واحر ذتيه لكان لك" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے" کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اپنی اولاد وں کو ہبہ کرتے ہیں پھر اسے اپنے پاس دو کے رکھتے ہیں اگر ان میں سے کسی لڑکا فوت ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں میرا مال میرے قبضہ میں ہے وہ کسی اور کو نہیں دیتے اور اگر وہ خود مر جائے تو وہ اس کے بیٹے کا ہوتا ہے کہ میں نے اسے ہبہ کر دیا تھا، پس جو شخص بھی ہبہ کرے موہوب لہ نے اگر اس پر قبضہ نہ کیا اور وہ شخص مر گیا تو یہ ورثاء کا ہوگا اور ہبہ باطل ہوگا۔" یہی حضرت عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے خلاصہ یہ کہ خلفائے راشدین اس بات پر متفق ہیں کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں امام احمد سے راجح روایت کے مطابق کہ قبضہ شرط ہے صحت ہبہ کے لئے کیلی اور وزنی چیزوں میں کیونکہ صحابہ کا اجماع ہے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ قبضہ شرط ہونے سے مراد شرط لزوم ہے، دلیل ابن قدامہ کا قول ہے: کیلی اور وزنی چیز میں صدقہ اور ہبہ لازم نہیں ہوتا قبضہ کے بغیر یہی اکثر فقہاء کا قول ہے۔ رہ گئی غیر کیلی اور غیر وزنی اشیاء تو ان میں صرف عقد کرنے ہی سے ہبہ لازم ہو جاتا ہے اور شئی موہوب لہ میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے قبضہ سی پہلے بھی، حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، ہبہ جائز ہے جبکہ معلوم ہو چا ہے قبضہ ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ کی ہاں صحت ہبہ کے لئے قبضہ شرط نہیں اور نہ لزوم ہبہ کے لئے بلکہ یہ اس کے اتمام کے لیے شرط ہے، یعنی اکمال فائدہ کے لئے مطلب یہ کہ موہوب صرف عقد ہی کی وجہ سے مالک ہو جائے گا مشہور قول کے مطابق، قبضہ اور حفاظت ہبہ کی تقسیم کے لئے ہے۔

اور واھب پر جبر کیا جائے گا موہوب لہ کو موہوب پر قدرت کے لئے، ان کی دلیل ہبہ کو بیع اور باقی دوسری تملیکات کے ساتھ قیاس کرنا ہے اور اصحاب کے قول" ہبہ جائز ہے جب معلوم ہو چا ہے قبضہ ہو یا نہ ہو۔"

خلاصہ یہ کہ مالکیہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں قبضہ کے بعد ہبہ میں تملیک ہو اور ملکیت آتی ہی عقد سے نہیں اور مالکیہ کے ہاں عقد سے مالک ہو جاتا ہے۔

۸.....جمہور علماء کے ہاں صحت قبضہ کے لئے واھب کی اجازت شرط ہے پس اگر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو مالک نہیں ہوگا، اور وہ اس کے ضمان میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ سپرد کرنا واھب کی طرف سے نہیں لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر سپردگی صحیح نہیں نیز قبضہ کی اجازت صحت قبضہ کے لئے شرط ہے بیع میں تو ہبہ میں بدرجہ اولیٰ شرط ہے۔ کیونکہ اس میں قبضہ شرط صحت ہے، بیع کے برعکس البتہ حنفیہ کے ہاں قیاس یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ واھب کی اجازت کے بغیر نہ ہونا چاہیے، چاہے مجلس عقد میں قبضہ تمام ہو یا افتراق کے بعد اور استحسان یہ ہے کہ موہوب لہ جب قبضہ کرے مجلس عقد میں واھب کے حکم کے بغیر تو یہ جائز ہے اور اگر قبضہ کرے جدائی کے بعد تو واھب کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

قیاس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ واھب کی ملکیت میں تصرف ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے اس کی ملکیت باقی ہے، اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہ ہو اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ میں قبضہ بمنزلہ قبول ہے کیونکہ اسی پر ثبوت ملک موقوف ہے اور ہبہ سے مقصود بھی اثبات ملک ہے پس واھب کی جانب سے ایجاب موہوب لہ کو قبضہ کا تسلط دینا ہے پس یہ دلالۃً اجازت ہے باقی اس کو مجلس کے ساتھ مقید کیا کیونکہ تسلط اسی میں ثابت ہوا ہے قبول سے الحاق کرتے ہوئے اور قبول مجلس سے مقید ہے پس اس کے ملحقات کا حکم بھی یہی ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... واہب کی اجازت کے بغیر بھی قبضہ درست ہے اور واہب پر موہوب لہ کو سپرد کرنے کے لئے زبردستی کی جائے گی جہاں بھی وہ طلب کرے کیونکہ ہبہ ایجاب ہو گیا۔

حنفیہ کے مذہب کے مطابق اگر کسی نے کسی کو کپڑا ہبہ کیا یا کوئی عین چیز الگ اور تقسیم شدہ اور اس کو قبضہ کی اجازت نہ دی موہوب لہ نے اس پر قبضہ کرلیا اگر واہب کی موجودگی میں ایسا ہوا تو یہ استحساناً جائز ہے جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو جدائی کے بعد یہی امام زفر کا قول ہے، کیونکہ قبضہ ان کے ہاں رکن ہے اور بمنزلہ قبول ہے اثبات حکم کے حق میں پس مجلس سے جدائی کے بعد قبضہ جائز نہیں جیسے قبول جائز نہیں، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کی اجازت بطریق دلالت پائی گئی کیونکہ ایجاب قبضہ کی اجازت ہی ہے۔ رہ گیا جس پر دین ہوا سے دین کے علاوہ کسی دوسرے کو ہبہ کرنا تو اس میں قبضہ کی صراحت اجازت ضروری ہے صرف دلالۃً اذن کافی نہیں ہبہ عین اور ہبہ دین میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ ہبۃ العین میں ایجاب دلالۃ قبضہ کی اجازت پہ دلالت کررہا ہے کیونکہ اس کا مقصد اس چیز کی تملیک ہے جو موہوب لہ کی ملک ہے۔

اور ہبۃ الدین میں ایجاب سے یہ دلالت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ دلالت موقوف ہے مالک بنانے کے مقصد پر اور دین کا مالک سے بنانا جس پر دین نہیں صریح اذن کے بغیر اس میں قبضہ متحقق نہیں ہونا، کیونکہ صراحت کی وجہ سے اس کا قبضہ واجب کے قبضے کے قائم مقام ہو جائے گا تو شئ مقبوض پہلے اس کی ملک ہوگی پھر موہوب لہ کی۔ اس صورت پر واجب اپنی ملکیت کو ہبہ کرنے والا ہوگا اور موہوب لہ اس کی ملکیت پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔ اور ھبۃ الدین کو اسے دینا جب یہ دین نہیں استحسانا ثابت ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو دینار ہبہ کیا جو کسی تیسرے شخص پر تھا اور اسے قبضہ کا حکم دیا اس نے فعلاً اس پر قبضہ کرلیا، تو استحساناً یہ جائز ہے کیونکہ اس نے اسے قبضہ میں اپنا نائب بنایا ہے، پس موہوب لہ کا قبضہ واجب کے قبضہ کی طرح ہوا، البتہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، یہی امام زفر کا قول ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں دین مال نہیں اگر کسی نے قسم اٹھائی کے اس کے پاس مال نہیں اور اس کا کسی پر قرض (دین) تھا تو یہ اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا اور ہبہ مال کے مالک بنانے کے لئے عقد مشروع ہے جب اس اضافت ایسی چیز کی طرف کی جو مال نہیں تو درست نہیں۔

حنفیہ اور شوافع کے ہاں دو شرطیں اور بھی ہیں قبضہ کی صحت کے لئے اور وہ اہلیت قبضہ عقل کے ساتھ حنفیہ کے ہاں اور عقل اور بلوغ شوافع کے ہاں ان کے ہاں بچے اور مجنون کا قبضہ درست نہیں، کیونکہ قبضہ ولایت باب میں سے ہے جبکہ نابالغ اور غیر عاقل کی اپنے نفس اور مال پر ولایت نہیں ہوتی اور دوسری شرط کہ موہوب غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو جو موہوب نہیں، کیونکہ قبضہ کا مطلب شیٔ مقبوض میں تصرف کی قدرت ہونے اور یہ چیز کے غیر کے ساتھ مشغول ہونے میں نہیں پائی جاتی اور حنفیہ نے ایک تیسری شرط کا جو اضافہ کیا ہے کہ موہوب غیر سے جدا اور ممتاز ہوتا کہ موہوب لہ کو قبضہ کی قدرت ہوان کے ہاں مشاع کا ہبہ درست نہیں کی نقد۔

قبضہ کی قسمیں...... ہبہ کے قبضہ کی حنفیہ کے ہاں دو قسمیں ہیں:

۱...... بطریق اصالت ۲...... بطریق نیابت۔

قبضہ بطریق اصالت یہ ہے کہ وہ خود اپنے لئے قبضہ کرے اس کے جواز کے لئے صرف عقل شرط ہے پس غیر ممیز بچہ اور مجنون کا قبضہ درست نہیں۔ رہ گیا بلوغ تو استحساناً یہ صحت قبضہ کے لئے شرط نہیں پس عاقل بچے کا قبضہ صحیح ہے۔ قیاس کا تقاضا اور حنفیہ کے علاوہ باقی فقہاء کی رائے بھی یہی ہے کہ بلوغ شرط ہونا چاہئے کیونکہ قبضہ ولایت کی اقسام میں سے ہے اور بچے کی اپنے نفس پر دلالت نہیں پس ہبہ میں اس کا قبضہ جائز نہیں جیسے کہ بیع میں جائز نہیں، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کا قبضہ نفع محض والے تصرفات میں سے ہے، جس کا بچہ بھی مالک ہے۔ رہ گیا بطور نیابت قبضہ تو اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم قابض کی طرف لوٹتی ہے اور ایک قسم قبضہ کی طرف۔

نیابت کی پہلی قسم...... بچے کے لئے قبضہ کرنا، اس کے جواز کی شرط ولایت کا ہونا، یا عیال کا ہونا یعنی بچہ کسی کے عیال میں ہو اور اس

کی نگرانی اور آیت میں ہو جب ولی نہ ہو، اگر کسی اجنبی نے کسی بچے کو کوئی چیز ہبہ کی اس کی ولی نے حنفیہ کے ہاں اس ترتیب سے قبضہ کیا والد، پھر اس کا وصی، دادا پھر اس کا وصی ان میں سے اگر کوئی غائب ہو غیبت منقطع کے طور پر تو ولایت ابعد کی طرف چلی جائے گی جیسے کہ ولایت نکاح میں کیونکہ غائب کے آنے تک تاخیر بچے کی منفعت کے فوت ہونے تک لے جائے گی لہٰذا ولایت قریب کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اسی بناء پر اگر ان اولیاء میں سے کسی نے بچے کو کوئی چیز ہبہ کی اور مال ان کے ہاتھ میں ہو تو ہبہ صحیح ہے۔

اور بچے کے لئے قبضہ کرنے والے ہوں گے، اسی طرح جب والد نے فروخت کیا اپنا مال بچے کو پھر مبیع ہلاک ہو گیا۔ بیع کے بعد تو ہلاک بچے کا مال ہوگا کیونکہ والد کے قبضہ کی وجہ سے وہ قبضہ کرنے والا ہو گیا۔

اگر چھوٹے بچے عاقل نے قبضہ کیا جو ان اولیاء میں سے کسی ایک نے اس کو ہبہ کیا استحساناً اس کا قبضہ جائز ہے جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو کما تبلین چار مذکورہ اولیاء کے علاوہ ان کی موجودگی میں کسی غیر کا قبضہ کرنا چاہئے وہ اجنبی ہو یا ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی چچا اور ماں، کیونکہ انہیں بچے کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں۔ اگر ان چار سرپرستوں کے میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا ہبہ پر قبضہ جائز ہے جس کی پرورش میں بچہ ہو استحساناً اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو چاہئے ولایت نہ ہونے کی وجہ سے استحساناً اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ ان کی پرورش اور دیکھ بھال میں ہے، لہٰذا اس پر انہیں ایک قسم کی ولایت حاصل ہے اس لئے کہ وہ اسے تالیف سکھاتے ہیں اور اس کے لئے وہ کام کرتے ہیں جس میں منفعت ہو اور ہبہ میں بچے کے لئے صرف نفع ہی نفع ہے تو یہ حفاظت کے قبیل سے ہے۔

نیابت کی دوسری قسم...... وہ ہے جو قبضہ کی طرف لوٹتی ہے کہ اسباب میں سے کسی سبب قبضہ کا موجود ہونا یہ ہبہ کے قبضہ کا قائم مقام ہے چاہے ہبہ کے قبضہ کے مثل ہو یا اس سے قوی ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

الف...... جب موھوب، موھوب لہ کے پاس ودیعت یا عاریت کی طور پر ہو اور اس نے اسے ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ جائز ہے، عقد کے بعد استحساناً دوبارہ قبضہ کی تجدید کی ضرورت نہیں، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک قبضہ کی تجدید ہو جائے اسے قابض شمار نہ کیا جائے وہ یہ کہ موھوب لہ اور موھوب کے درمیان عقد کے بعد تخلیہ ہو، کیونکہ ودیعت کا قبضہ صورۃً ہوتا اور حقیقۃً وہاں مودع کا قبضہ ہی ہے تو گویا مال اس کے قبضہ میں ہے لہٰذا قبضہ کی تجدید کی ضرورت ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ ھبہ، ودیعت اور عاریت کا قبضہ قوت میں متماثل ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا قبضہ امانت ہے مضمون نہیں، اس لئے کہ ہبہ عقد تبرع ہے، عاریت اور ودیعت اسی طرح ہیں پس دونوں قبضے متماثل ہیں، پس ان میں سے ایک دوسرے کا قائم مقام ہے۔

ب...... اور اگر موھوب، موھوب لہ کے قبضہ میں ہو اور مضمون ہو، جیسے مغصوب اور مقبوض علی سوم الشراء اور بیع فاسد کا قبضہ اب اس نے اسے ہبہ کر دیا تو ہبہ صحیح ہے اور ضمان سی بری ہوگا، کیونکہ ضمان کا قبضہ امانت کے قبضہ سے قوی ہوتا ہے، یہ اس کا نائب ہے اس لئے کہ قبضہ کا عقد کی وجہ سے استحقاق ہے اور ضمن کی زیادتی۔

ج...... اگر موھوب، موھوب لہ کے قبضہ میں غیر مضمون ہو جیسے مرہون، دن سے مضمون اور بیع ثمن سے مضمون اب اس کے مالک نے صاحب قبضہ کو ہبہ کر دیا تو امام کرخی رحمہ اللہ کے ہاں جب تک تجدید قبضہ نہ ہو وہ قابض شمار ہوگا کیونکہ یہ قبضہ رہن یا بیع کا ہے اور اگر چہ یہ قبضہ ضمان کا ہے، لیکن یہ ضمان ہے اس سے برأت صحیح نہیں پس ہبہ سے ابراء کا احتمال نہیں، تا کہ امانت کا قبضہ ہو جائے پس دونوں قبضے متماثل ہوگے، اس وقت سوم شراء ہے اس لئے کہ یہ ضمان ایسا ہے جس سے برأت صحیح ہے پس ہبہ سے بری ہو جائے گا اور قبضہ بغیر ضمان باقی رہے گا پس دونوں قبضے متماثل اور ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے جامع الصغیر اور بدائع میں ہے کہ یہی ارجح ہے کہ موھوب لہ مضمون لغیرہ اور قابض ہوگا، اس لئے کہ ضمان کا قبضہ، امانت کے قبضے سے قوی ہے، اقویٰ، ادنیٰ کا نائب ہو سکتا ہے۔

چوتھی بحث: ہبہ کا حکم:

حکم ہبہ کی اصل...... یہ کہ موہوب میں موہوب لہ کی ملکیت بغیر کسی عوض کے ثابت ہونا اور حکم ہبہ کی صفت حنفیہ کے ہاں موہوب لہ کی ملکیت کا ثبوت غیر لازم ہوتا ہے لہٰذا اس سے رجوع اور اس کا فسخ درست ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

واھب اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لے لے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واھب کو اپنے ہبہ کا عوض نہ ملنے تک حق دار ٹھہرایا ہے اور یہ نہیں ہے اس حکم کے لئے، جب تک عوض نہ لے لے اس وقت تک رجوع کرنا صحیح ہے اگر چہ قبضہ مکمل بھی ہو گیا ہو، یہاں رجوع سے چند موانع بھی ہیں جسے عنقریب ذکر کیا جائے گا، البتہ رجوع ہے مکروہ، اس لئے کہ یہ گھٹیا حرکت ہے اور موہوب لہ کو یہ اختیار بھی ہے کہ وہ واپس کرنے سے روکے، نیز باہمی رضا مندی یا قضاء قاضی کے بغیر رجوع صحیح نہیں، کیونکہ عقد کے بعد رجوع فسخ ہے تو یہ قبضہ کے بعد عیب کی وجہ سے فسخ کی طرح ہو گیا اور رضا مندی سے ہبہ میں رجوع اقالہ شمار ہوتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں......صرف عقد ہی کی وجہ سے ہبہ میں ملکیت ثابت ہو جائے گی اور قبضہ سے لازم ہو جائے گا اس کے بعد رجوع جائز نہیں البتہ قبضہ سے پہلے یا بعد میں صرف ہبہ کرنے والا اگر باپ ہے تو اس کے لئے صحیح ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کر لے جب تک کہ اس پر کسی غیر کا حق نہ ہو مثلاً وہ شادی کروادے، یا دین دے دے اور مالکیہ کے ہاں ہبہ میں رجوع اعتصار فی الھبۃ کہلاتا ہے۔

اعتصار یا رجوع ہبہ میں مالکیہ کے ہاں اگر والد اپنے بیٹے سے کرے تو اس میں پانچ شرطیں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ہبہ کے بعد بیٹا اس کی شادی نہ کروادے، قرض مدت مقررہ کے لئے نہ دے دے، موہوب اپنی حالت سے تبدیل نہ ہو موہوب لہ وموہوب میں کوئی جدت پیدا نہ کرے واجب یا موہوب لہ بیمار نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی پائی گئی تو اس میں رجوع نہیں ہو سکتا، اور یہ محبت والے ہبہ میں ہے۔ لیکن وہ ہبہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر ہو جسے صدقہ کہتے ہیں، تو اس میں کسی صورت میں بھی رجوع اور اعتصار نہیں ہو سکتا، اور واھب کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس میں خرید کر یا کسی دوسرے طریقہ سے رجوع کرے، اگر درخت ہے تو اس کے پھل نہ کھائے اور اگر کوئی سواری ہے تو اس پر سوار نہ ہو سوائے اس کے اسے وہ میراث میں ملے، اور رہ گیا تو اب والا ہبہ کو موہوب لہ اسے بدلہ دے گا تو مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے اور موہوب لہ کی قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے اگر اس نے قبول کر لیا تو اس پر موہوب کی قیمت بدلہ کے طور پر دینا واجب ہے اس پر زیادتی لازم نہیں اور واھب پر اس سے کم قبول کرنا لازم نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں واھب کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا حلال نہیں ہاں اگر والد نے بیٹے کو کچھ دے دیا تو وہ اس میں رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہبہ میں رجوع کرنے والا اپنی قئی چاٹنے والے کی طرح ہے" ہمارے لئے اس سے بری مثال نہیں" ہبہ میں رجوع کرنے والا کتے کی طرح ہے جو اپنی قئی چاٹے، نیز آپ نے فرمایا: کسی کو یہ اختیار نہیں وہ ہبہ کرے پھر اس کو واپس لے لے سوائے والد کے کہ جو کچھ وہ اپنے بیٹے کو دے دے۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے ہاں ہبہ کا حکم غیر لازم ہے، اور جمہور علماء کے ہاں لازم ہے سوائے والد کے اور مالکیہ کے ہاں قبضہ سے پہلے رجوع صحیح ہے اور شوافع اور حنابلہ کے بعد قبضہ کے بعد بھی اور یہ حق شوافع کے ہاں والد دادا اور فروع کے لئے مطلق ہے۔

پانچویں بحث: حنفیہ کے ہاں موانع رجوع ہبہ......بعض حضرات نے ان موانع کو شعر کی شکل میں پیش کیا ہے اور وہ سات ہیں: ہبہ میں رجوع سے مانع اے دوست "دمع خزقہ" کے حروف ہیں۔

دال اشارہ اس زیادتی کی طرف جو عین میں ہو گئی ہو، اشارہ ہے موت کی طرف، عین اشارہ ہے عوض کی طرف خاء اشارہ ہے موہوب کا

موھوب لہ کی ملکیت سے نکلنے کی طرف، زاء اشارہ ہے زوجیت کی طرف، قاف اشارہ ہے قرابت کی طرف اور ھاء اشارہ ہے ہلاک اور ضائع ہونے کی طرف، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی چیز: مالی عوض...... جب موھوب لہ، واھب کو ہبہ کا عوض دے دے واھب اس پر قبضہ کر لے تو واھب رجوع نہیں کر سکتا اپنے ہبہ میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ لے لے" یہ ہبہ عوض کہلاتا ہے، نیز عوض لینا اس بات کی دلیل ہے کہ واھب کا مقصد عوض لینا ہی ہے بعوض لے لیا تو رجوع سے روک دیا جائے گا، لیکن ہبہ بالعوض میں شرط یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرے جو عوض کی طرف مشیر ہو، اگر خاموش رہا اور کچھ نہ کہا تو رجوع جائز ہے، عوض کی پھر دو قسمیں ہیں ا۔عقد میں مشروط ۲۔عقد سے متاخر۔

ا۔عوض عقد میں مشروط...... یا ہبہ بالعوض اور ہبہ ثواب: جب واھب نے کہا یہ قلم میں آپ کو اس شرط پر ہبہ کیا کہ آپ مجھے اس کے عوض یہ کپڑا دیں تو ائمہ اربعہ اس میں شرط پر متفق ہیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ عقد بھی صحیح ہے، لیکن اس عقد کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... یہ عقد ابتداءً ہبہ ہے اور انتہاءً بیع ہے، تو اس پر قبضہ سے پہلے ہبہ کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں اور قبضہ کی شرط ہے اور دونوں سامانوں پر قبضہ سے پہلے رجوع جائز ہے، اور قبضہ کے بعد یہ عقد بیع ہوگا، کہ دونوں بدل عیب یا خیار رؤیت کی بناء پر رد کر دیئے جائیں گے اور استحقاق کی صورت میں رجوع ہوگا اور زمین میں شفعہ واجب ہوگا۔

امام زفر کے ہاں...... یہ ابتداءً وانتہاءً عقد بیع ہے اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے، شیوع کی وجہ سے فاسد نہیں ہوگا، اور بنفسہ ملک کا فائدہ دے گا، قبضہ شرط نہیں کیونکہ بیع کا مفہوم اس میں پایا جا رہا ہے کیونکہ بیع نام ہے کسی عین کا عوض کے بدلے مالک بنانا۔

تمام حنفیہ نے اس بات پر اعتماد کیا ہے کہ اس عقد میں ہبہ کے الفاظ ہیں اور مفہوم بیع کا ہے لہٰذا دونوں عقدوں کا حکم لگایا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں...... غالب حالات میں یہ عقد بیع شمار ہوگا اور کم تعداد میں اس کے خلاف، کیونکہ ہبہ بالعوص، عوض مجہول ہونے کے باوجود جائز ہے، مدت مجہول کے ساتھ بھی اور واھب کے لئے عیب کی وجہ سے رد کا اختیار نہیں بلکہ قبول کی وجہ سے یہ لازم ہوگا جب تک کہ عیب بڑا نہ ہو جیسے کوڑھ، چیچک وغیرہ ورنہ واھب کے لئے قبول ضروری نہیں اگر چہ قیمت مکمل ہی کیوں نہ ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... صحیح قول کے مطابق یہ عقد بیع شمار ہوگا موھوب لہ یہ مشروط عوض ادا کرنا لازم ہے اور اس میں بیع کے احکام شفعہ، خیار، ضمان درک وغیرہ جاری ہوں گے، اور عوض کا صراحۃً تذکرہ ہبہ کو باطل کر دیتا ہے، کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

ب۔عقد سے متاخر عوض...... عقد سے متاخر عوض یا تو ہبہ کی طرف منسوب ہوگا مثلاً یہ تمہارے ہبہ کا عوض ہے یا اس کا متبادل ہے یا اس کی جگہ یہ ہے یا اس کی طرف نسبت نہ کرے پس جب اس عوص کو ہبہ اولیٰ کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ دوسرا ہبہ ہوگا اور ان دونوں میں رجوع کا حق ہوگا۔اور جب پہلے ہبہ کی طرف عوض کو منسوب کیا تو یہ عوض متاخر بلا اختلاف نیا ہبہ ہوگا، اور جن چیزوں سے ہبہ صحیح ہوگا یہ بھی صحیح ہوگا اور جن سے ہبہ باطل ہوتا ہے یہ بھی باطل ہوگا۔ہاں اتنی بات ہے کہ ہبہ اولی میں رجوع کے حق کو یہ ساقط کر دے گا، اس عوص کا مفہوم ہے، کیا ہبہ مطلقہ جس میں عوض کی شرط نہ ہو عوض چاہتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں ہبہ مطلقہ، عوض کا تقاضا نہیں کرتا، چاہے اس کے مثل آدمی یا اس سے کم یا اس سے اعلیٰ ہبہ کرے موھوب لہ یہ عوض، واھب کے لئے لازم نہیں مالکیہ کی ہاں ہبہ عوض کا تقاضا کرتا ہے اور جب واھب اور موھوب لہ کے درمیان اختلاف ہو جائے تو عوض کا متحمل ہے۔اور خاص کر جب قرینہ حالیہ اس بات پر دلالت کرے

کہ ثواب کے لئے ہبہ کیا مثلاً فقیر، غنی کو ہبہ کرے یا اس شخص کو ہبہ کرے اور اس سے مقصد بدلہ ہو ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی کو ہبہ کیا اور اس سے بدلہ مراد لیا تو وہ اپنے ہبہ میں رجوع کر سکتا ہے جب تک اس سے راضی نہ ہو۔

دوسری بات......عوض معنوی پر عوض مالی نہیں ہوتا اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم......اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب فقیر کو ہبہ کرنے کے بعد اس کے قبضہ کے بعد اس میں رجوع جائز نہیں، اس لئے کہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہے اور اس سے ثواب مطلوب ہوتا ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔

دوسری قسم......صلہ رحمی ذی رحم محرم رشتہ داروں کو جو ہبہ کیا جاتا ہے اس میں رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ صلہ عوض معنوی ہے، کیونکہ صلہ رحمی دنیا میں مدد اور تعاون کا ذریعہ ہے، پس یہ مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہوئی اور آخرت میں ثواب کا سبب ہے یہ مال سے قوی ہے۔

تیسری قسم......زوجین کے درمیان صلہ رحمی: زوجین کے درمیان ہبہ میں رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ صلہ رحمی قرابت کاملہ کی جگہ ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ تمام حالات میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

تیسری بات......شئی موہوب میں اضافہ موہوب لہ اس میں عمارت بنادے یا زمین ہو اس میں درخت لگادے یا پانی کا کنواں بنا دے اور اس پر عمارت تعمیر کردے یا موہوب کپڑا ہو اس کو رنگ کردے جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے، یا قمیص کاٹ کر سی لے یا اس میں خوبصورتی آ جائے تو رجوع صحیح نہیں، اس لئے کہ موہوب دوسری چیز کے ساتھ مل گیا ہے اور نیز موہوب میں رجوع ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ موہوب نہیں اور اس لئے بھی کہ اصل میں اضافہ کے بغیر رجوع ممکن نہیں تو رجوع مکمل طور پر ممتنع ہے، رہ گیا وہ اضافہ جو علیحدہ ہو تو وہ رجوع سے مانع نہیں چاہے اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ، دودھ، پھل وغیرہ، یا اس سے پیدا شدہ نہ ہو جیسے دیت، کمائی، غلہ وغیرہ، اس لئے کہ یہ اضافی چیزیں ہیں ان پر عقد نہیں ہوا لہٰذا ان پر فسخ بھی جاری نہ ہوگا، بلکہ اصل پر ہوگا، اور اصل میں فسخ کرنا ممکن بھی ہے اضافہ کے علاوہ خلاف متصل ہے۔

اور مبیع کے زوائد کے، کیونکہ عیب کی وجہ سے وہ رد سے مانع ہے یہاں تک کہ یہاں پر ربا نہ ہوگا، کیونکہ یہ فسخ بیع اور اصل کے رد پر مرتب ہے، مثلاً بچہ مشتری کے باقی ہو مقابل کے بغیر یہی معنیٰ سود کا ہے اور ہبہ میں سود کا تصور نہیں اس لئے کہ سود معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔ موہوب میں کمی رجوع سے مانع نہیں، اس لئے کہ جب تک اسے کل موہوب میں رجوع کا حق ہے اس وقت تک اسے بعض موہوب میں بھی رجوع کا حق ہے۔ پس نقصان کے وقت بھی اسی طرح ہوگا، اور موہوب لہ نقصان کا ضامن نہ ہوگا، کیونکہ ہبہ پر قبضہ، ضمان کا قبضہ نہیں۔

چوتھی بات: موہوب کا موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جانا......جس سبب سے بھی ہو جیسے بیع اور ہبہ وغیرہ، اس لئے کہ ملک ان تصرفات سے مختلف ہوتی اور ملکیت کا اختلاف دو چیزوں کا اختلاف ہے اگر کسی نے کوئی چیز ہبہ کی تو اسے دوسری چیز میں رجوع کی اجازت نہیں تو اسی طرح جب ایک ثابت ہو جائے تو دوسری فسخ نہیں کی جا سکتی۔

پانچویں بات......عاقدین میں سے کسی ایک کا مرنا، جب موہوب لہ فوت ہو جائے تو رجوع ممتنع ہے۔ اس لئے کہ ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور وہ اجنبی ہے اس سے ہبہ نہیں ہوا۔

موہوب کا ہلاک ہونا یا اس کو ہلاک کرنا......اس لئے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں کوئی رجوع نہیں اور نہ ہی قیمت میں رجوع ہے اس لئے کہ وہ موہوبہ نہیں اس لئے کہ اس پر عقد نہیں ہوا اور ہبہ کا قبضہ غیر مضمون ہوتا ہے۔

رجوع کی ماہیت...... اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہبہ میں قاضی کے فیصلہ سے رجوع فسخ ہے اور رضا مندی سے رجوع میں علماء کا اختلاف ہے جمہور حنفیہ کے ہاں یہ بھی فسخ ہے جیسا کہ قاضی کے فیصلہ سے مشاع میں جائز ہے اور اس کی صحت کے لئے قبضہ شرط نہیں۔

امام زفر رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ابتدائی ہبہ ہے اس لئے کہ موہوب کی ملکیت واہب کی طرف دونوں کی رضا مندی سے لوٹی ہے یہ عیب کی وجہ سے رد کی طرح ہے یہ نیا عقد شمار ہوگا تیسرے شخص کے لئے۔ جمہور حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ واہب فسخ کی وجہ سے اپنے حق میں برابر ہے اور حق کا استیفاء قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہے برخلاف کسی عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس کرنا وہ تو تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے، اس لئے کہ مشتری کو فسخ کا حق نہیں، اس کا حق تو صرف اتنا ہے کہ مبیع عیب سے پاک ہو جب اس نے سپرد نہ کی تو گویا اس کی رضا میں گڑبڑ ہے۔

چھٹی بحث: اولاد کو ہبہ کرنا...... جمہور علماء کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اولاد کو ہبہ وعطیہ کرنے میں برابری مستحب ہے اور صحت کی حالت میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مکروہ ہے، البتہ مستحب برابری کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ، مالکیہ اور شوافع اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ والد کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ مذکر ومؤنث ہر قسم کی اولاد کو برابر عطیہ دے، مونث کو مذکر کی طرح دے، دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں برابری کرو اور اگر تم دولت مند ہوتو عورتوں کو مردوں پر ترجیح دو" اس حدیث کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، اور بیہقی نے بسند حسن روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو" نیز تقسیم ومعاملہ میں برابری شرعاً مطلوب ہے اور ان حضرات نے ان احادیث میں موجود امر کو استحباب وندب پر محمول کیا ہے۔

حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں والد اپنی اولاد میں میراث کے طریقہ پر تقسیم کرے مذکر کو مؤنث کا دگنا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح تقسیم کی ہے اور سب سے بہتر وہ تقسیم ہے جو اللہ کی ہے اسی کی اقتداء کی جائے، نیز زندگی میں عطیہ موت کے بعد کی تقسیم کی طرح ہے اور میراث بھی اسی طرح تقسیم ہوتی ہے، پس یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ زندگی میں عطیہ، مابعد الموت کی طرح ہے لہٰذا اسی طرح ہونا چاہئے۔

عطیہ میں برابری کا حکم تو جمہور علماء کے ہاں برابری واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے، اگر بعض ورثاء کو ترجیح دی تو یہ بھی صحیح ہے لیکن مکروہ ہے اور برابری کے حکم کو استحباب پر محمول کرتے ہیں اس لئے کہ انسان اپنے مال میں تصرف کرنے میں آزاد ہے وارث کے لئے یا غیر کے لئے اور وہ نہی جو مسلم شریف میں ہے کہ تمہارے لئے آسان پر ہے کہ نیکی میں سب برابر ہوں، تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں تو فرمایا پھر اس طرح نہیں۔ تو یہ نہی تنزیہی ہے برابری اور اولاد میں عدل ہے۔

اور ایک جماعت جن میں امام احمد، ثوری، طاؤس، اسحاق اور دوسرے حضرات ہیں کہ ہاں اولاد کے ہبہ اور عطیہ میں برابری واجب ہے اور یہ حضرات برابری نہ ہونے کی صورت میں ہبہ کو باطل قرار دیتے ہیں ظاہر احادیث پر عمل کرتے ہوئے، جو وجوب کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً "اتقوا اللہ اعدلوا بین اولادکم" اور "فلاں اذن" وغیرہ اور بعض کو اپنے اور بعض کو نہ دینے کی صورت میں "لا اشھد علی جور" ہے۔

پھر یہ حضرات برابری کی کیفیت میں اختلاف کرتے ہیں کہ عطیہ مذکر ومونث دونوں قسم کی اولاد کے لئے برابر ہونا چاہئے اور نسائی میں یہی ظاہر روایت ہے "ألا سویت بینھم" اور ابن حبان میں "سووا بینھم" اور ابن عباس کی روایت میں "سووا بین

اولادکم فی العطیة، فلو کنت مفضلاً احداً لفضلت النساء" جبکہ حنابلہ کہتے ہیں برابر یہ ہے کہ مذکر کو مؤنث کا دگنا دیا جائے بطریق میراث، اور احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی سبب وعذر ہو تو پھر ترجیح بھی جائز ہے۔ مثلاً لڑکا کسی بیماری یا اندھے پن یا دین یا زیادہ اولاد کی وجہ سے محتاج ہو یا تعلیم دین حاصل کر رہا ہو تو اس کو زیادہ دینا جائز ہے۔

والدین کو ہبہ کرنا...... اگر اولاد والدین کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس میں بھی برابری مستحب ہے اور والدہ کو زیادہ دینا بھی جائز ہے اکرام کی وجہ سے بخاری اور مسلم میں ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے سب سے زیادہ عمدہ اخلاق کا کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ، پھر اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ، پھر اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ پھر اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا تمہارا باپ۔

بہن، بھائیوں کو عطیہ دینا...... بہن، بھائیوں کو بھی عطیہ، ہبہ اور ھدیہ میں برابر دینا مستحب ہے جب وہ ضرورت میں ایک درجہ کے ہوں اور بڑے بھائی کو زیادہ دینا بھی جائز ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" بڑے بھائی کا حق چھوٹوں پر ایسے ہے جیسے والد کا اپنی اولاد پر ایک روایت میں ہے بھائیوں میں سے بڑا باپ کی طرح ہے۔

ساتویں فصل......ودیعت

موضوع کا خاکہ...... ودیعت کے متعلق درج ذیل چھ بحثوں میں بات ہوگی۔

پہلی بحث...... ودیعت کی تعریف اور اس کی مشروعیت۔

دوسری بحث...... ودیعت کے ارکان وشرائط۔

تیسری بحث...... ودیعت کے عقد کا حکم، اور ودیعت کی حفاظت کا طریقہ۔

چوتھی بحث...... ودیعت کی حالت: یعنی کیا اس کا قبضہ امانت کا ہے یا ضمان کا؟

پانچویں بحث...... ودیعت کی ضمانت کی حالت۔

چھٹی بحث...... ودیعت کی انتہاء۔

پہلی بحث: ودیعت کی تعریف اور مشروعیت...... "الودع" لغت میں ترک کرنے اور چھوڑنے کو کہتے ہیں: اور ودیعت لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کے پاس حفاظت کے لئے چھوڑی جائے، اور شرعاً اس کا اطلاق ایداع اور شئی ودیعت پر ہوتا ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ یہ عقد ہے بلکہ اصح یہ ہے کہ کیا جائے ایداع عقد ہے نہ کہ ودیعت عقد ہے، اس لئے ارجح یہ ہے کہ یہ عقد ہے۔

حنفی شراح کے ہاں ایداع کی تعریف...... یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے مال کی حفاظت کے لئے مقرر و مسلط کرنا چاہے صریحاً ہو یا دلالۃً" جیسے مودع (ودیعت رکھنے والے) کا قول دوسرے کو" میں نے تمہارے یا یہ امانت رکھی" دوسرا قبول کرلے تو ودیعت مکمل ہوگی صراحتاً اس وقت، یا دلالۃً ہو جیسے ایک شخص آئے کپڑے لے کر دوسرے شخص کے پاس اور وہ اس کے سامنے رکھ دے اور کپڑے دے یہ تمہارے پاس امانت ہیں اور دوسرا خاموش رہے تو یہ ودیعت ہے دلالۃً۔

شوافع اور مالکیہ نے یہ تعریف کی ہے...... اپنی مملوکہ چیز یا محترم اور مختص چیز کی حفاظت کا وکیل بنانا مخصوص طریقہ سے پس محرم شراب کی ودیعت اور دباغت دی ہوئی مردار کی کھال، اور شکاری کتے کو ودیعت رکھنا صحیح ہے۔

رہ گئی غیر مختص اشیاء جیسے غیر شکاری کتا، یا وہ کپڑے جو ہوا اڑا کر لے آئی ہو وغیرہ تو ان میں کوئی خصوصیت نہیں، کیونکہ یہ ضائع شدہ مال ہے ودیعت کے حکم کے مخالف ہے۔ ودیعت رکھنے والے کو ''مودع'' کہتے ہیں اور جس کے پاس رکھی جائے اسے ''مودع'' اور ''ودیع'' کہتے ہیں۔

ایداع مشروع اور مندوب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ...... النساء: ۴/ ۵۸

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ...... البقرۃ: ۲/ ۲۸۳

جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ اسے ادا کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس سے خیانت مت کرو' تمام زمانوں کے علماء کا ودیعت کے جواز پر اجماع ہے، اس لئے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

دوسری بحث: ایداع کے ارکان وشرائط...... حنفیہ کے ہاں ایداع کا رکن ایجاب وقبول ہے وہ یہ کہ مودع دوسرے کو کہے ''**اودعتک ھذا**'' یہ تمہارے پاس ودیعت رکھتا ہوں یا ''**احفظ ھذا الشئی لی**'' اس چیز کی میرے لیے حفاظت کرو یا ''**خذ ھذا الشئی ودیعة عنك**'' یہ چیز بطور ودیعت رکھو وغیرہ اور دوسرا قبول کرے۔ جمہور کے ہاں اس کے ارکان چار ہیں:

عاقدین (مودع اور مودع) ودیعت اور صیغہ (ایجاب وقبول) اور قبول یا تو لفظاً ہوگا مثلاً ''**قبلت**'' یا دلالۃ ہوگا جیسے وہ اپنا کسی شخص کے پاس رکھے وہ خاموش رہے تو یہ سکوت قبول کے قائم مقام ہے جیسے بیع میں تعاطی۔

رکن شرائط...... حنفیہ کے ہاں عاقدین کے لئے عقل شرط ہے ناسمجھ بچے کی ودیعت صحیح نہیں اور مجنون کی جیسا کہ بچے اور مجنون کا قبول درست نہیں اور بلوغ شرط نہیں پس جس بچے کو تجارت کی اجازت ہو اس کا ایداع ودیعت صحیح ہے کیونکہ یہ ان مہینوں میں سے ہے تاجر جن کے محتاج ہوتے ہیں جیسا کہ ماذون تجارت بچے کا قبول ودیعت درست ہے کیونکہ وہ حفاظت کے اہل میں سے ہے اور رہ گیا وہ بچہ جو محجور ہے اس کی طرف سے ودیعت کا قبول درست نہیں کیونکہ عادۃً وہ مال کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ اور جمہور کے ہاں ودیعت میں وہ شرائط ہیں جو وکالت میں ہیں یعنی بلوغ، عقل اور رشد، نیز ودیعت میں شرط یہ ہے کہ وہ مال قبضہ کے قابل ہو، پس اگر کسی نے بھگوڑا غلام یا ہوا میں پرندہ یا سمندر میں گرا ہوا مال ودیعت کیا تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔

تیسری بحث: عقد ودیعت کا حکم اور ودیعت کی حفاظت کا طریقہ...... مالک پر اس کی حفاظت لازم ہے اس لئے کہ مالک کی جانب سے ایداع حفظ اور امانت ہے اور ودیع حفاظت کا التزام ہے بس اس کی حفاظت لازم ہے نبی علیہ السلام کے اس ارشاد ''مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق ہیں'' کی وجہ سے۔

دو آدمیوں کا ایک کو ودیعت کرنا:...... اگر دو آدمیوں نے کسی ایک شخص کے پاس ودیعت رکھی پھر دونوں غائب ہو گئے ہوان

دونوں میں سے ایک حاضر ہوا اور اپنے حصہ کا مطالبہ کیا تو مودع کو اس کی اجازت نہیں کہ وہ اس کا حصہ اسے دے یہاں تک کہ دوسرا حاضر ہو جائے اور صاحبین کے ہاں "ودیع" کو اختیار ہے کہ وہ ودیعت کو تقسیم کر کے ان دونوں میں سے ایک کا حصہ اسے دے دے اور یہ غائب یہ تقسیم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اگر دوسرا نصف ودیع کے پاس ضائع اور ھلاک ہو گیا تو غائب کو اجازت ہے کہ دوسرے نے جس حصہ پر قبضہ کیا اس میں شریک ہو جائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دو ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک اپنے حصہ کو ودیع سے طلب کر رہا ہے تو اس کو دینے کا حکم کیا جائیگا جیسے مشترک دین میں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک اپنے حصہ کا طالب ہے، بلکہ وہ غائب کے حصہ کا طالب ہے اس لئے کہ وہ اپنے جدا حصہ کا طالب ہے حالانکہ جدا حصہ میں اس کا حق نہیں، بلکہ مشترک ومشاع میں اس کا حق ہے جو کل ودیعت ہے اور جدا اور الگ اس میں سے متعین میں دونوں کا حق ہے اور ان کا حق سوائے تقسیم کے جدا نہیں ہوسکتا، اور ودیع کو تقسیم کی ولایت اور اختیار حاصل نہیں، اس لئے کہ وہ اس میں وکیل نہیں برخلاف مشترک قرض (دین) کے اس لئے کہ شریک مدیون سے اپنے حق کی وصولی کا مطالبہ کر رہا ہے اور اس کا حق قضاءً دو قرض خواہوں کے درمیان مشترک نہیں اس لئے کہ دیون اپنے امثال سے ادا کئے جاتے ہیں اور مال مدیون کے مثل مال میں دونوں قرض خواہ مشترک نہیں پس یہ غیر کے حق میں تصرف نہیں بلکہ دائن اپنے مال میں تصرف کر رہا ہے پس یہ جائز ہے۔

ایک شخص کا دو آدمیوں کے پاس ودیعت رکھنا...... اگر ایک شخص دو آدمیوں کے پاس ودیعت رکھے جو تقسیم ہوسکتی ہے تو ان دونوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو تقسیم کر کے آدھا آدھا حصہ حفاظت سے رکھیں، کیونکہ مالک ان دونوں کی حفاظت پر راضی ہے اور ساری ودیعت کی ایک حفاظت کرے اس پر راضی نہیں۔

اگر ان میں سے ایک نے ودیعت ساری اس کے مالک کو دے دی تو امام صاحب کے ہاں وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ اس لئے وہ راضی ہے ان دونوں کی حفاظت پر نہ کہ ایک کی حفاظت پر، اس لئے اصل یہ ہے کہ دو آدمیوں کا فعل جب ایسی چیز کی طرف منسوب ہو جو تقسیم کو قبول کرتی ہے تو وہ بعض کو شامل ہوتا ہے جب ایک نے دوسرے کو سارا سپرد کر دیا اور مالک اس پر راضی نہیں تو یہ ضامن ہوگا۔

صاحبینؒ کے ہاں وہ ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ ان دونوں کی امانت پر راضی ہے تو ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوسرے کو سپرد کرے اور وہ ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ تقسیم نہ ہونے والی چیز کی شان ہے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ودیعت جب تقسیم نہ ہو تو اس میں ضمان نہیں اس لئے کہ صرف ایک مکان ہی میں اس کی حفاظت کی جاسکتی ہے، پس مالک ان میں سے ایک کی حفاظت پر راضی ہے یہ بات اسے معلوم ہے کہ وہ دونوں اس پر ہمیشہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

ودیعت کی حفاظت کا طریقہ...... ودیعت کی حفاظت کے طریقہ میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ودیع، ودیعت کی اس طرح حفاظت کرے جیسے اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے، اور یہ اپنے قبضہ میں یا اپنے عیال کے قبضہ میں جن کا نفقہ اس کے ذمہ لازم ہے جیسے بیوی، بچے، غلام اور خادم ہیں پس ان کے ذریعہ حفاظت کروانا ایسے ہی ہے جیسے وہ اپنے مال کی ان سے حفاظت کرواتا ہے پس اپنی حفاظت کے مشابہ یہ حفاظت ہوگئی۔

اور حنفیہ کے نزدیک وہ اس شخص سے بھی اس کی حفاظت کرواسکتا ہے جو اس کے عیال میں نہیں لیکن عادۃً وہ اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، جیسے شرکت مفاوضہ اور عنان کے شریک نہ کہ یومیہ اجرت کا مزدور۔ اگر ودیع نے ودیعت ان کے علاوہ کسی کے پاس رکھی اور وہ ضائع ہوگئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ مالک اس کے قبضہ پر راضی حنابلہ کے غیر کے قبضہ پر اور امانت میں قبضہ مختلف ہوتا ہے ہاں اگر اس کے گھر میں آگ لگ جائے وہ اپنے پڑوسی کے پاس رکھ دے یا ودیع کشتی میں سوار ہو اور تیز ہوائیں چلیں اور غرق

ہونے کا خوف ہو وہ اسے دوسری کشتی میں ڈال دے تو اس کو اس کا اختیار ہے کیونکہ اس حالت میں یہ طریقہ حفاظت کا متعین ہو گیا اس سے مالک راضی ہے اور ان باتوں میں ودیع کی تصدیق گواہوں کے بغیر نہ ہوگی، اس لئے کہ ضمان کے متحقق ہونے کے لئے بعد وہ ضمان کے سقوط کا دعویٰ کر رہا ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... ودیع اپنے ان اہل وعیال سے حفاظت کرو اسکتا ہے جن سے وہ مطمئن ہو جیسے بیوی، بیٹا وہ مزدور اور نوکر جو اس کے مال کی حفاظت کرتے ہیں اور تجربہ سے ان کا اعتماد اسے حاصل ہے برخلاف ان کے جن کا اعتماد حاصل نہیں جیسے نئی بیوی یا وہ مزدور جو اجارہ پر رکھا ہوا ہے۔

شوافع کے ہاں...... ودیع صرف خود اپنے پاس اس کی حفاظت کرے اور بیوی بچے وغیرہ سے اس کی حفاظت مودع کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، یا جب تک کوئی عذر نہ ہو اس لئے کہ مودع اس کے علاوہ کسی کی امانت اور قبضہ پر راضی نہیں، پس اگر ودیع نے اس طریق حفظ کی مخالفت کی تو ضامن ہوگا ہاں اگر کسی عذر مثلاً مرض، سفر وغیرہ کی وجہ سے کسی دوسرے کو دیں تو ضامن نہ ہوگا۔

چوتھی بحث: ودیعت کی حالت کہ آیا امانت ہے یا ضمانت؟...... تمام مذاہب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ودیعت قربت مندرجہ ہے اور اس کی حفاظت میں ثواب ہے اور یہ کہ یہ صرف امانت ہے اس میں ضمان نہیں۔ اور ودیع پر سوائے تعدی اور ظلم کے ضمان واجب نہیں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے ''جو ودیع خیانت کرنے والا نہ ہو اس پر ضمان نہیں'' اور آپ کا ارشاد ہے ''امین پر ضمان نہیں'' امین پر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے حنفیہ کے ہاں یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

اور اسی پر دارومدار ہے اس بات کا کہ ودیعت کا مالک کے مطالبہ پر اسے واپس کرنا ممکن حد تک واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا...... النساء: ۴/۵۸

نیز عاقدین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہیں عقد ایداع کو فسخ کر لیں دوسرے عاقد کی اطلاع کے بغیر، کیونکہ عقد ایداع جائز غیر لازم ہے مودع جب چاہے ودیعت واپس کر دے اور ودیع جب چاہے مودع سے واپس لے لے۔ اگر مالک نے ودیع سے ودیعت کا مطالبہ کیا، ودیع نے کہا کہ تم نے کوئی چیز ودیعت نہیں رکھی پھر اس کے بعد کہا کہ ضائع ہو گئی ہے تو ضامن ہوگا کیونکہ امانت کی حد سے نکل گئی ہے اور جب کہا تم مجھ سے کسی چیز کے مستحق نہیں پھر کہا ضائع ہو گئی تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اور اس پر دارومدار ہے اس بات کا کہ مالک کو خود ودیعت سپرد کرنا واجب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچانے کا حکم فرمایا ہے، پس اگر اس نے مالک کے گھر بھیج دی، اس کی عدم موجودگی میں یا ایسے شخص کو دے دی جو مالک کے عیال میں سے ہے تو وہ اس کا ضامن ہوگا اس لئے کہ وہ غیر کے قبضہ پر راضی نہیں جو کہ اس کے عیال ہیں یہی وجہ ہے کہ ان علاوہ شخص کے پاس امانت رکھی، برخلاف عاریت اور اجارہ کے کہ اگر شئی مستعار یا اجارہ پر لی ہوئی چیز مالک کے گھر واپس بھیج دی یا اس کے عیال میں سے کسی کو دے دی تو وہ ضامن نہیں ہوگا اس لئے کہ لوگوں کی اس میں عادت جاری ہے اس طرح واپس کرنے کی، حتیٰ کہ اگر شئی مستعار عمدہ چیز ہے جیسے جواہر وغیرہ کا ہار تو پھر ضائع ہونے پر ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں لوگوں کی عادت نہیں۔

اور اسی پر قائم وثابت ہے یہ مسئولہ تلف اور لوٹانے کی صورت میں ودیع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے درج ذیل تفصیل کے مطابق۔

دعوے اور گواہوں میں تعارض...... جب مودع کا ودیع سے اختلاف ہو جائے ''ودیع'' کہے ودیعت وامانت میرے پاس ضائع ہو گئی یا میں نے وہ تمہیں واپس کر دی ہے'' مودع اس کا انکار کرے اور کہے تم نے خود تلف کی ہے، تو اس صورت میں ودیع کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی کیونکہ وہ امین ہے۔

اگر مودع نے گواہ پیش کر دیئے خود تلف کرنے پر تو ودیع ضامن ہوگا، اسی طرح اگر ودیع نے خود تلف کرنے پر حلف اٹھالیا اور اس نے انکار کر دیا، پھر اگر مودع نے گواہ قائم کئے کہ ودیع نے خود تلف کیا ہے اور ودیع نے گواہ پیش کئے کہ خود تلف ہوئی ہے تو مودع کے گواہوں کے مطابق فیصلہ ہوگا کیونکہ وہ زیادہ ثابت کر رہے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہلاک کا اثبات اور تعدی کی زیادتی ثابت کر رہے ہیں اور جب ودیع نے مودع کے اقرار پر گواہ قائم کیے کہ خود ہلاک ہوئی ہے، تو اس کے گواہوں کی گواہی قبول ہوگی اور یہ اثبات مودع کے گواہوں کی تکذیب ہوگی۔

پانچویں بحث: ودیعت کی ضمانت کی صورتیں...... ودیعت امانت سے ضمان کی طرف درج ذیل حالات میں مستقل ہوتی ہے۔

ا۔ ودیع کا حفاظت چھوڑ دینا...... اس لئے کہ عقد کی وجہ سے اس نے اپنے ذمہ حفاظت لازم کر لی تھی اس طور پر کہ اگر اس کی حفاظت چھوڑ دی وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا اس کے مقابل کا بطریق کفالت، اگر اس نے کسی کو دیکھا کہ وہ اس کی ودیعت کو چوری کر رہا ہے اور یہ اسے روکنے پر قادر بھی تھا تو ضامن ہوگا، حفاظت چھوڑنے کی وجہ سے۔

۲۔ اپنے عیال کے علاوہ کسی دوسرے کی حفاظت میں دینا...... جب ودیع نے ودیعت اپنے قبضہ سے نکالی اور بغیر کسی عذر کے کسی دوسرے کو دی تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ مودع پہلے ودیع کی حفاظت پر راضی ہے نہ کے اس کے علاوہ پر ہاں اگر عناں کوئی عذر ہو تو ضامن نہیں ہوگا، مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ جائے یا کشتی میں ہو اور غرق ہونے کا خوف ہو کسی دوسرے کو دے دے، اس لئے کہ ان حالات میں دوسرے کے سپرد کرنا ہی حفاظت کا طریقہ ہے گویا دلالۃً مالک کی اجازت سے ایسا ہوا اور جب بغیر کسی عذر کے کسی دوسرے شخص کے پاس ودیعت رکھے وہ ہلاک یا ضائع ہو جائے دوسرے کے ہاتھ میں تو ضمان پہلے پر ہوگا، نہ کہ دوسرے مودع پر یہ امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کے ہاں ہے، کیونکہ دوسرا مالک کے ساتھ احسان کرنے والا ہے اس طرح کہ اسباب ہلاکت سے ودیعت کی حفاظت کر کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ...... التوبۃ ۹/۹۱

''احسان کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں۔''

اور مودع اول نص سے مخصوص ہے۔ صاحبینؒ کے ہاں مالک کو اختیار ہے چاہے اول سے ضمان لے چاہے ثانی سے ضمان لے اگر اس نے اول سے ضمان لیا تو دوسرے سے ضمان میں رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وہ ضمان ادا کرنے کی وجہ سے ودیعت کا مالک بن گیا ہے اور اگر ثانی سے اس نے ضمان لیا تو وہ اول سے رجوع کرے گا، اس لئے کہ اول نے ایداع کے ذریعہ اسے دھوکا دیا ہے تو اس پر دھوکہ کے کا ضمان لازم ہوگا۔ اس اختیار کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں وجوب ضمان کا سبب پایا گیا تو ہے لہٰذا مالک کو اختیار ہے، پہلے میں اس طرح کے اس نے دوسرے کو مالک کی اجازت کے بغیر مال دیا اور دوسرے میں اس طرح کے اس نے غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا ہے۔

اور جب دوسرا مودع ودیعت کو ہلاک کر دے تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو اول سے ضمان لے لے ثانی سے لے لے، یہ بالاتفاق ہے ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اس نے اول سے ضمان لیا تو یہ دوسرے پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر ثانی سے ضمان لیا تو پھر وہ اول سے ضمان کے سلسلہ میں رجوع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ ضمان کے وجوب کا سبب ثانی نے میں حقیقۃً پایا گیا ہے یعنی ہلاک کرنا، اور اول کی طرف سے صرف یہ ثانی کو بطور حفاظت دینا پایا گیا ہے۔

جمہور حنفیہ کے ہاں قاعدہ...... یہ ہے کہ جب ودیعت مضمون ہو اور پھر سبب ضمان زائل ہو جائے مثلاً ودیع اول، ودیع ثانی سے

ودیعت واپس لے لے اور پھر خود حفاظت کرے تو ضمان سے بری ہو جائے گا۔ اس لئے کہ پہلی حالت کی طرف لوٹنے کی وجہ سے اس کو ودیع شمار کیا جائے گا، اور ودیع سے جب ودیعت بغیر کسی سبب کے ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں، یہ مستاجر اور مستعیر کے برخلاف ہے جب وہ مخالفت کریں پھر مخالفت چھوڑ دیں تب بھی ضمان ہوتا ہے۔

امام زفرؒ، شافعیؒ اور باقی آئمہ کا قاعدہ..... کہ ودیعت جب مضمون ہوا نتفاع وغیرہ کی وجہ سے پھر ودیع خیانت چھوڑ دے تو بھی ضمان سے بری نہیں ہوتا، اس لئے کہ جب ودیعت مضمون ہو تو عقد ختم ہو جاتا ہے، اس کی طبیعت تبدیل ہونے کی وجہ سے لہٰذا تجدید کے بغیر درست نہیں ہوگا اور تجدید باقی نہیں گئی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے ودیعت کا انکار کرے پھر اقرار۔

۳۔ ودیعت کو استعمال کرنا..... ودیع جب ودیعت سے نفع اٹھائے مثلاً سواری پر سوار ہو یا کپڑے پہن لے تو ضامن ہوگا، اگرچہ استعمال چھوڑ بھی دے تب بھی۔ تمام حنفیہ کے ہاں اس پر ضمان نہیں اس لئے کہ وہ مالک کی اجازت سے اسے روکنے والا ہے، لہٰذا استعمال سے پہلے کے مشابہ ہو گیا۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں جب استعمال کے بعد ودیعت ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ تلف کسی آسمانی آفت ہی سے کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس کی نفقدی کی وجہ سے ودیعت کا حکم ختم ہو گیا تھا اور امانت باطل ہو گئی تھی، یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ودیعت کا انکار کرے پھر اس کا اقرار کرے، ضمان سے بری نہ ہوگا ہاں اگر مالک کو واپس کر دے تو یہ الگ بات ہے۔

۴۔ ودیعت کے ساتھ سفر..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ودیع کو اختیار ہے کہ وہ ودیعت کے ساتھ سفر کرے جبکہ راستہ مامون ہو اور مالک نے منع نہ کیا ہوا ہو بایں طور کہ عقد مطلق ہو، اس لئے کہ ودیعت کی حفاظت کا حکم مکان کی تعیین کے بغیر ہوا ہے دلیل کے بغیر تعیین جائز نہیں اس بناء پر اگر اس نے سفر کیا ودیعت کے ساتھ اور وہ ہلاک ہوئی تو ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے ہاں اگر ودیعت ایسی چیز ہے کہ اس کا بوجھ ہے اور خرچہ ہے تو اس کے ساتھ سفر کی اجازت نہیں، اس لئے کہ ایسی چیز کے ساتھ سفر جس میں بوجھ ہو اور خرچہ اس سے مالک کا نقصان ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے ودیع سفر میں مر جائے اور مالک محتاج ہو اس چیز کا کہ وہ ایسی جگہ سے اسے واپس لے جس میں بوجھ اور خرچہ ہو یہ مشکل ہے اس سے اس کا نقصان ہوگا، برخلاف اس صورت کے کہ اس میں بوجھ وغیرہ نہ ہو۔

مالکیہ کے ہاں..... ودیع، ودیعت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا ہاں اگر سفر میں دی ہو تو پھر گنجائش ہے۔ جب سفر کا ارادہ کرے تو اہل شہر میں سے کسی معتمد شخص کے پاس اسے امانت رکھ کر جائے اور اس پر ضمان بھی نہیں چاہے حاکم تک پہنچانے کی اسے قدرت بھی ہو یا نہ ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... ودیع، ودیعت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا جب سفر کا ارادہ ہو۔

مالک کو واپس کر دے یا وکیل مقرر کرے جبکہ واپس کرنے پر قدرت بھی ہو لیکن اگر واپس کرنے کی قدرت نہیں تو حاکم کے سپرد کر کے جائے اس لئے کہ رکھتے ہیں وہ تبرع کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہمیشہ رکھنا لازم نہیں اور مالک کی عدم موجودگی میں حاکم اس کا قائم مقام ہے، اگر اس کے ساتھ سفر کیا تو ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے ضائع کرنے کے لئے اسے پیش کیا ہے اور سفر میں حفاظت حضر سے کم ہوئی ہے، چاہے راستہ مامون ہو یا خوف ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسافر اور اس کا مال ہلاک میں ہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ بچا لیں۔

۵۔ ودیعت کا انکار..... جب مودع ودیعت طلب کرے اور ودیع اس کا انکار کرے یا اس کو روکے رکھے حالانکہ وہ واپس کرنے پر قادر بھی ہو تو ضامن ہوگا، کیونکہ جب اس نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے اسے حفاظت سے معزول کر دیا پس اس کے بعد وہ روکنے کی وجہ سے غاصب ہے تو ضامن ہوگا اگر مودع نے ودیع پر گواہ قائم کر لئے یا ودیع نے قسم سے انکار کر دیا یا اقرار کیا، اگر انکار کے بعد اعتراف کیا تو

ضمان سے بری نہ ہوگا عقد ختم ہونے کی وجہ سے اگر ودیعت کا انکار کرنے کے بعد ودیع نے اس کی ہلاکت پر گواہ قائم کر دیئے تو اس کی تین صورتیں ہیں اگر انکار کے بعد ہلاک پر یا مطلقاً ہلاکت پر گواہ قائم کئے تو ان گواہوں کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ انکار کی وجہ سے عقد ختم ہوگیا تو ضامن ہوگا، اگر اس بات پر گواہ قائم کئے کہ انکار سے پہلے وہ ہلاک ہوگئی تھی تو اس کے گواہوں کا اعتبار ہوگا اور اس پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ ہلاکت انکار سے پہلے ہے انتہاء عقد کی طرف سے جاتی ہے۔

اگر اس نے انکار سے پہلے ہلاکت کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہیں تو قاضی مودع سے قسم لے گا کہ اللہ کی قسم کہ وہ نہیں جانتا کہ انکار سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اگر اس نے حلف اٹھایا تو ضمان کا فیصلہ ہوگا اگر انکار کر دیا تو برأت ہوگی۔

۶۔ودیعت کو دوسری چیز میں مخلوط کرنا...... جب ودیع نے ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیا اگر ان دونوں میں امتیاز ممکن ہو تو اس پر کوئی چیز نہیں اور ان کو جدا کر دیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اس کے مثل کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ معنوی اعتبار سے مخلوط کرنا اتلاف ہے، اسی طرح اگر دو قسم کی ودیعتیں ہوں اور اس نے ایک کو دوسری کے ساتھ مخلوط کر دیا تو بھی ان کے مثل کا ضامن ہوگا۔

اسی طرح تمام کیلی اور وزنی چیزوں میں بھی جب ایک جنس اپنی جنس میں مخلوط کر دے اس طور پر کہ تمیز نہ ہو سکتی ہو، جیسے گندم، گندم سے، جو جو سے یا دوسری جنس سے مخلوط کر دے جیسے جو گندم سے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ہر ایک کے مثل حق کا ضامن ہوگا، دلیل یہ ہے کہ جب اس نے ان دونوں کو اس طرح مخلوط کر دیا کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی تو وہ دونوں اس سے نفع اٹھانے سے عاجز ہوگے پس اس کی جانب سے مخلوط کرنا ودیعت کو ضائع کرنا ہے لہٰذا ضامن ہوگا۔ صاحبین جو کچھ مذکور ہوا اس بارے میں فرماتے ہیں کہ مالک کو اختیار ہے چاہے تو ودیع کو ایسے حق کے مثل میں ضامن قرار دے چاہے تو نصف مخلوط لے لے یا وہ دونوں اسے فروخت کر دیں اور ثمن پر قبضہ کر لیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ودیعت اپنی جگہ پر بعینہ موجود ہے البتہ مالک وصل کرنے سے عاجز ہے مخلوط ہونے کی وجہ سے۔ اگر ودیع فوت ہوگیا اور اس نے ودیعت کی وضاحت نہ کی تھی، اگر وہ معلوم تھی اور موجود تھی، تو اس کے مالک کو واپس کر دی جائے گی اس لئے کہ یہ اس کا عین مال ہے اور جو شخص اپنا عین مال پا لے تو وہ اس کی وصولی کا زیادہ حق دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق۔ اگر وہ معلوم نہ ہو تو ضامن ہوگا اور یہ اس کے ترکہ میں دین شمار ہوگی اس لئے کہ جب وہ فوت ہوا ودیعت کی وضاحت کے لئے بغیر تو گویا اس نے معنی ودیعت ضائع کر دی، اسی بنا پر امانتیں موت کی وجہ سے مضمون ہو جاتی ہیں جہالت کی وجہ سے صرف تین حالتوں کے علاوہ۔

۱...... جب وقف کا متولی فوت ہو جائے اور وقف کی اشیاء کی وضاحت نہ کی ہو۔

۲...... جب قاضی فوت ہو جائے اور یتیموں کے مال اس نے کس کے پاس امانت رکھے ہیں یہ معلوم نہ ہو۔

۳...... جب حاکم وقت فوت ہو جائے اور یہ وضاحت نہ کرے کہ اس نے مال غنیمت وغیرہ کس کے پاس رکھا ہوا ہے۔

باقی ائمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق ہی فرماتے ہیں کہ جب ودیعت میں تمیز مشکل ہو جیسے درہم یا تیل، یا گھی وغیرہ مخلوط ہو جائیں چاہے خلط اس کے مثل کے ساتھ ہو یا کم یا اعلیٰ کے ساتھ اسی کی جنس کے ساتھ یا بغیر جنس کے تو ودیع ضامن ہوگا، اس لئے کہ مودع اس پر راضی نہیں، ہاں مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خلط مثل کے ساتھ ہو جیسے گندم، گندم سے دینار دینار سے تو ودیع ضامن نہ ہوگا جبکہ مخلوط کرنا حفاظت کی غرض سے ہو ورنہ ضامن ہوگا۔

اور جب ودیعت اور دوسری چیز میں تمیز مشکل نہ ہو جیسے درہم دینار کے ساتھ، یا عمدہ، ردی کے ساتھ تو پھر ودیع کسی بھی چیز کا ضامن نہ ہوگا الا یہ کہ خلط کی وجہ سے قیمت میں کمی آ جائے تو ہر شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضامن ہوگا۔

۷۔ودیعت کی حفاظت میں مودع کی شرط کی مخالفت...... جب مودع، ودیعت کی حفاظت کے لئے ودیع پر کوئی شرط لگائے

کہ متعین مکان، گھر، جگہ یا صندوق میں رکھتی ہے اور وہ بلا عذر اسے دوسری جگہ منتقل کر دے تو حنفیہ اور دوسرے آئمہ کے ہاں جب وہ اسے منتقل کرے حفاظت کے لئے تو ضامن ہوگا اور اگر اس کے مثل حفاظت کی جگہ پر رکھے یا اس سے عمدہ جگہ پر تو ضامن نہ ہوگا۔ اور جب وہ ودیعت کو ایک جگہ رکھنے کا حکم کرے اور دوسری جگہ رکھنے سے روکے مثلاً کہے اس کی اس گھر میں حفاظت کرنا دوسرے گھر میں نہ، تو حنفیہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر وہ دوسری جگہ منتقل کرے جو پہلی جگہ کے برابر ہو یا اس سے عمدہ ہو حفاظت کے لئے تو ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ قید مفید نہیں اور اگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کر دے تو مالکیہ کے ہاں ضامن ہوگا۔ اور حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق: ضامن ہوگا چاہے اس سے کم حفاظت والی جگہ پر رکھے یا عمدہ پر، اس لئے کہ اس نے مالک کی مخالفت کی ہے بغیر کسی فائدہ اور مصلحت کے، اور مالک کی مخالفت تعیین مکان میں بغیر ضرورت جائز نہیں، لیکن اگر وہ اس جگہ پر خوف زدہ ہو تو دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے، اگر اس نے چھوڑ دیا وہ ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا، اس لئے کہ مالک کا منع کرنا حفاظت کی غرض سے تھا اور یہاں منتقل کرنے ہی میں حفاظت ہے لہٰذا یہ منع نہ کرنے کی صورت کے مشابہ ہوگیا۔

جب مالک نے ودیع سے کہا اسے اپنی بیوی کے سپرد نہیں کرنا، اس نے اس کے سپرد کر دیا وہ ودیعت ضائع ہوگئی تو حنفیہ کے ہاں ضامن نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے سپرد کرنے کے بغیر چارہ ہی نہیں اس لئے کہ جب وہ نکلے گا گھر سے تو گھر اور جو کچھ اس میں سے وہ بیوی ہی کے سپرد ہوگا، پس اس شرط کی رعایت کے ساتھ حفاظت ممکن نہیں اگرچہ مفید ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ کے ہاں ضمان ودیعت کے چھ اسباب ہیں۔

۱.....ودیع کا ودیعت کو بغیر عذر دوسرے کے پاس رکھنا حتیٰ کہ اگر وہ بعد میں واپس لے لے اور وہ ضائع ہو جائے۔

۲.....ودیعت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا برخلاف ایک گھر سے دوسرے گھر کے۔

۳.....ودیعت کو ایسی چیز کے ساتھ مخلوط کر دینا جو اس کی مماثل نہ ہو جیسے گندم کو جو کے ساتھ۔

۴.....ودیعت سے نفع اٹھانا اگر کپڑا پہن لیا، یا سواری پر سوار ہوگیا اور نفع اٹھانے کے دوران وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا، اسی طرح اگر دینار یا درہم یا کیلی اور وزنی چیز کسی کو ادھار دے دی اور وہ ہلاک ہوگئی۔

۵.....ضائع کرنا یا تلف کرنا بایں طور کہ اسے کسی جگہ ڈال دے یا چور کو بتا دے۔

۶.....حفاظت کی کیفیت میں مخالفت مثلاً اس نے کہا تھا اس پر تالا نہ لگانا اس نے لگا دیا تو ضامن ہوگا۔

شوافع کے ہاں بھی مالکیہ کے مذہب کے مطابق اسباب ضمان چھ ہیں:

۱.....بلا عذر و بلا اجازت ودیعت کو کسی دوسرے کے پاس رکھنا۔

۲.....اسے غیر محفوظ جگہ پر رکھنا۔

۳.....اسے منتقل کرنا کم حفاظت کی جگہ پر۔

۴.....جو حفاظت اپنے اوپر لازم کی تھی اسے چھوڑ دیا جیسے جانور کو چارہ دینا چھوڑ دیا اور وہ مر گیا۔

۵.....جس حفاظت کا حکم تھا اس سے اعراض اور تلف کرنا۔

۶.....اس سے نفع اٹھانا جیسے کپڑا پہن لینا، مالک کی غرض کے بغیر سواری پر سوار ہونا وغیرہ اسباب نقدی کی وجہ سے ضامن ہوگا پھر اگر خیانت چھوڑ بھی دی تو ضمان سے بری نہ ہوگا، جب تک کہ مالک اجازت نہ دے۔

حنابلہ کے ہاں ضمان کی یہ صورتیں ہیں:

۱.....بلا عذر کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھنا۔

۲.....حفاظت چھوڑ دینا یا چور کو اطلاع دینا۔

۳.....حفاظت کی کیفیت میں مخالفت کرنا۔

۴.....دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا۔

۵.....اس سے نفع اٹھانا۔ جب خیانت کرے گا تو ودیعت نئے عقد کے بغیر نہیں ہوگی۔

ودیعت کے لئے فرعی احکام.....ابن جزی المالکی رحمہ اللہ نے ودیعت کے متعلق فروعی احکام ذکر کئے ہیں جو یہ ہیں۔

پہلا حکم: ودیعت سے تجارت کرنا.....جس نے ودیعت کے مال سے تجارت کی تو منافع اس کے لئے حلال ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں منافع صدقہ کرے اور بعض کے ہاں منافع ایک کا ہے۔

دوسرا حکم: ودیعت قرض دینا.....جس نے ودیعت کو قرض دیا اگر وہ عین ہے تو مکروہ ہے اشہب نے اجازت دی ہے جبکہ وفا کر سکے اور اگر عروض وسامان ہے تو بالکل جائز نہیں اگر کیلی اور وزنی چیز ہے جیسے طعام تو اس میں دو قول ہیں یا اس کو نقود کے ساتھ ملایا جائے گا یا سامان کے ساتھ۔

تیسرا حکم: ودیعت میں اختلاف.....جب ودیع سے ودیعت طلب کی گئی اس نے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ، اسی طرح اگر واپس کرنے کا دعویٰ کیا الا یہ کہ گواہوں کی موجودگی میں قبضہ کیا تو واپسی میں گواہوں کے بغیر اس کی بات معتبر نہیں، ابن قاسم، امام ابوحنیفہ، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کی بات معتبر ہوگی اگرچہ گواہوں کے ساتھ ہی قبضہ کیا ہو۔

چوتھا حکم: ودیعت کی حفاظت پر اجرت طلب کرنا.....جب ودیع، ودیعت کی حفاظت کی اجرت طلب کرے تو اسے نہیں دی جائے گی سوائے اس کے کہ اس کی وجہ سے اس کا گھر مشغول ہو پھر اسے کرایئے لینے کا اختیار ہے اور اگر اسے بند کرے یا تالا چاہے تو وہ مالک کے ذمہ ہوگا۔

پانچواں حکم: دوسری ودیعت کے مثل کا انکار کرے.....جب کوئی آدمی دوسرے شخص کے پاس ودیعت رکھے وہ اس میں خیانت اور انکار کرے پھر ودیع اول مودع کو اس کے مثل دے دے، کیا اسے انکار کا اختیار ہے تو مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اسے اجازت نہیں اور ایک قول کراہت کا ہے اور ایک قول اباحت کا ہے۔

چھٹی بحث: ودیعت کی انتہاء.....عقد ایداع درج ذیل صورتوں میں ختم ہو جاتا ہے۔

۱.....ودیعت واپس طلب کرنے یا واپس کرنے کی وجہ سے: جب مودع ودیعت واپس طلب کرے یا ودیع خود واپس کر دے تو عقد ایداع ختم ہو گیا، کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے واپس مانگنے یا واپس کرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔

۲.....ودیع یا مودع کے مرنے کی وجہ سے: موت کی وجہ سے عقد ایداع ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عاقدین کے درمیان ہوتا ہے۔

۳.....عاقدین میں سے کسی ایک کے مجنون یا بے ہوش ہو جانے کی وجہ سے بھی کیونکہ اہلیت ختم ہو گئی ہے۔

۴.....مودع پر پابندی بے وقوفی کی وجہ سے یا ودیع مفلس ہو تو مصلحت کی وجہ سے۔

۵.....ودیعت کی ملکیت مالک کے علاوہ کسی کی طرف منتقل ہونا، مالک کا بیع، ہبہ یا کسی اور طریقہ سے اپنی ملکیت کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دینا۔

آٹھویں فصل......عاریت

موضوع کا خاکہ......عاریت کے متعلق چھ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث......عاریت کی تعریف ومشروعیت۔

دوسری بحث......عاریت کا رکن اور شرائط۔

تیسری بحث......عقد عاریت کا حکم۔

چوتھی بحث......عاریت کی حالت آیا اس میں ضمان ہے یا امانت۔

پانچویں بحث......معیر اور مستعیر کے درمیان اختلاف۔

چھٹی بحث......عاریت کی انتہاء۔

پہلی بحث: عاریت کی تعریف اور مشروعیت......عاریت نام ہے اس چیز کا جس سے عار ملایا جاتا ہے یا عقد عاریت کا نام ہے یہ "عار" سے ماخوذ ہے اس کا معنی آنا جانا اور کہا گیا ہے تعادر سے ہے باری باری آنا، جوھری نے کہا گویا کہ عار کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ اس کا طلب کرنا عار اور عیب ہے، اس پر اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عاریت والا معاملہ کیا ہے اگر یہ عار اور عیب ہوتو آپ ایسا نہ کرتے۔

علامہ سرخسی اور مالکیہ نے عاریت کی تعریف بایں الفاظ کی ہے: منفعت کا مالک بنانا بلاعوض، اس کو عاریت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عوض سے خالی ہے۔ شوافع اور حنابلہ نے تعریف اس طرح کی ہے کہ منفعت کو مباح کرنے عوض کے بغیر، یہ ہبہ سے مختلف ہے کیونکہ یہ منافع پر ہوتا ہے، جبکہ ہبہ عین مال پر ہوتا ہے، دونوں تعریفوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی تملیک کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا مستعیر غیرہ کو اعارہ کرسکتا ہے۔ اور دوسری تعریف اباحت کا فائدہ دیتی ہے مستعیر کسی دوسرے کو عاریت یا اجارہ کے طور پر نہیں دے سکتا ہے۔

عاریت ثواب کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى......المائدۃ: ۵/ ۲

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، جمہور مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تشریح "وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ" (الماعون ۱۰۷/ ۷) کی ان چیزون سے کی ہے جو پڑوسی بعض بعض سے مانگ کر لیتے ہیں جیسے ڈول، گلاس، سوئی وغیرہ۔ اور صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھوڑا عاریت پر لیا اور اس پر سوار ہو، اور ابوداؤد کی سند جیر کے ساتھ روایت ہے کہ "حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ذرہ لی اس نے کہا کہ غصب کے طور پر اے محمد، آپ نے فرمایا نہیں عاریت مضمون۔

دوسری بحث: عاریت کا رکن اور شرائط......حنفیہ کے ہاں عاریت کا رکن معیر کی جانب سے ایجاب ہے صرف باقی مستعیر کی جانب سے قبول، جمہور حنفیہ کے ہاں رکن نہیں استحساناً اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رکن ہو یہی امام زفر کا قول ہے جیسے ہبہ میں یہاں تک کہ جس نے حلف اٹھایا کہ فلاں کو عاریت کے طور پر نہیں دے گا، پھر عاریت کے طور پر دے دیا اور اس نے قبول نہ کیا تو جمہور حنفیہ کے ہاں حانث ہوگا اور امام زفر کے ہاں حانث نہ ہوگا جیسا کہ ہبہ میں گذرا۔ اور ایجاب یہ کہ کہے یہ چیز میں تمہیں عاریت کے طور پر دیتا ہوں یا یہ کپڑا تمہیں عطیہ

دیتا ہوں یا یہ گھر یا اس زمین کو تمہیں بطور انعام دیتا ہوں، بس اس میں لفظ اعارہ صریح ہے اور منحہ کا معنی عطیہ جس سے انسان ایک مدت تک فائدہ اٹھائے پھر اس کی مالک کو واپس کر دے یہی عاریت کا معنی ہے اور اطعام کا لفظ جو ''ارض'' کی طرف مضاف ہے وہ اس کے منافع جو زراعت سے حاصل ہوں دینا ہے بغیر عوض کے عرفاً وعادۃً۔

شوافع کے ہاں معیر یا مستعیر کی جانب سے صیغ عقد کا پایا جانا ضروری ہے مثلاً أعرتك أو أعلى لئے کیونکہ غیر کے مال سے نفع اٹھانا اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ جمہور کے ہاں اعارہ کے ارکان چار ہیں، معیر، مستعیر، عاریت دی جانے والی چیز اور صیغہ ہر وہ لفظ جو منفعت کے ہبہ پر دلالت کرے چاہے بات ہو یا عمل۔

عاریت کی شرطیں......فقہاء کے ہاں عاریت کی شرطیں یہ ہیں:

۱......معیر عاقل ہو پس مجنون، ناسمجھ بچے کی عاریت درست نہیں اور حنفیہ کے ہاں بلوغ شرط نہیں اور ان کے علاوہ باقیوں کے ہاں شرط ہے کہ معیر تبرع کا اہل ہو مختار ہو، اس لئے کہ عاریت، منفعت کی اباحت کا تبرع ہے پس اس سے صحیح نہیں جو تبرع کا اہل نہ ہو جیسے بچہ، بے وقوف، نادار اور زبردستی کیا ہوا۔

۲......مستعیر کی جانب سے قبضہ، اس لئے کہ عاریت عقد تبرع ہے، تو قبضہ کے بغیر عاریت کا حکم ثابت نہ ہوگا جیسے ہبہ میں۔

۳......شئی مستعار ایسی ہو کہ اس سے نفع اٹھانا ہلاک کئے بغیر ممکن ہو ورنہ عاریت درست نہ ہوگی۔

علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ ہر وہ عین جسے باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے اس کی عاریت درست ہے جیسے مکانات وزمین، کپڑے، سواریاں اور سارے جانور اور ہر وہ چیز جو متعین مصروف ہو جبکہ اس کا نفع مباح الاستعمال ہو، پس لونڈیوں کی اباحت جائز نہیں، اور خدمت کے لئے مکروہ ہے ہاں اگر ذی رحم محرم ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ خلوت میں مامون نہیں اور اسلحہ، گھوڑے حربی کافر کو عاریت کے طور پر دینے حرام ہیں اور مصحف اور جو اس کے متعلق ہیں کافر کو دینا اور شکار کا محرم کو دینا۔

تیسری بحث: عقد عاریت کا حکم......یہاں پر اصل حکم عاریت اور اس کی صفحات میں بحث ہوئی۔

اصل حکم عاریت......عرف میں عاریت کا نام دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے ایک بطور حقیقت اور ایک بطور مجاز، یہاں بطور حقیقت استعمال سے بحث ہوگی اور وہ عین چیزوں کا اعادہ ہے جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے اصل کو باقی رکھتے ہوئے، اس کا حکم مالکیہ اور جمہور حنفیہ کے ہاں مستعیر کو منفعت کا مالک بنانا ہے بغیر کسی عوض کے اور ان چیزوں کا جو عرف وعادت کے اعتبار سے منفعت سے منسلک ہیں۔ امام کرخی، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: اعارہ کا موجب عین سے نفع اٹھانا مباح ہونا ہے پس یہ عقد اباحت ہے اعادہ ان کے ہاں عین سے نفع اٹھانا مباح ہونا ہے اعیان مال میں سے۔ دونوں فریضوں کے اس اخلاق پر دارومدار ہے اس بات کا کہ مستعیر کے لئے فریق اول کے ہاں شئی مستعار کو دوسرے کو عاریت کے طور پر دینا جائز ہے، اگرچہ مالک اجازت نہ بھی دے جبکہ استعمال کرنے سے وہ تبدیل نہ ہو۔ ہاں مالکیہ کے ہاں اگر معیر، مستعیر کو عاریت کے طور پر دینے سے منع کر دے تو اسے آگے دینا جائز نہیں۔

حنفیہ کی دلیل......معیر نے مستعیر کو منافع حاصل کرنے پر مسلط کیا ہے اور اس طور پر مسلط کرنا تملیک ہے نہ کہ اباحت جیسا کہ عین میں ہوتا ہے، اور تملیک کا تقاضا ہے کہ مستعیر نفع اٹھانے میں آزاد ہو۔

جبکہ فریق ثانی کے ہاں مستعیر کے لیے عاریت کو آگے عاریت پر دینا جائز نہیں کیونکہ عاریت منفعت کی اباحت کا نام ہے وہ اسے دوسرے کسی کے لئے مباح کرنے کا مالک نہیں جیسے کھانے کی اباحت، پس مہمان کے لئے دوسری کو اپنے سامنے سے چیز دینا مباح نہیں۔

اور ان کی دلیل عقد اجارہ بغیر مدت کے درست ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، پس اعادہ کا مقتضی اگر تملیک منفعت ہوتا تو مدت کے بغیر جائز نہ

ہو جیسے اجارہ۔

فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مستعیر عین عاریت کے اجارہ کا مالک نہیں فریق ثانی کے ہاں سبب یہ ہے کہ عاریت صرف منافع کو مباح کرنے کا نام لیکن وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، اور فریق اول کے ہاں سبب یہ ہے کہ مستعیر اجارہ کا مالک نہیں کیونکہ وہ عقد لازم ہے اور عاریت عقد تبرع ہے جائز غیر لازم پس اس کے ذریعہ اس کا مالک نہیں بن سکتا جو لازم ہے پس یہ عاریت کی طبیعت کو تبدیل کر دے گا، اسی طرح مستعیر کو یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ رہن رکھے اس لئے کہ چیز اپنے سے اوپر والی چیز کو متضمن نہیں۔ رہ گیا اجارہ کا اطلاق بطور مجاز تو وہ کیلی وزنی، عددی متقارب چیزوں کے علاوہ پر ہوتا ہے مثلاً اخروٹ، انڈے اور ہر وہ چیز جس سے نفع ہلاک کئے بغیر نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے درہم دینار پر حقیقیۃً قرض ہے پس اس پر اس کا مثل یا قیمت ہوگی لیکن مجازاً عاریت ہے، اس لئے کہ اس سے نفع ہلاک کیے بغیر نہیں اٹھایا جا سکتا اور عین میں تصرف کے بغیر کوئی راستہ نہیں برخلاف حقیقی عاریت کے اس لئے کہ محل عقد اس میں منفعت ہے نہ کہ عین چاہے ہم اسے تملیک منفعت کہیں یا اباحت منفعت۔

عاریت سے نفع اٹھانے کے حقوق...... حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں: مستعیر عاریت سے اجازت کے مطابق نفع اٹھا سکتا ہے، اور حنفیہ کے ہاں عاریت مطلقہ اور مقید کے مختلف ہونے سے عاریت کے حقوق عمل مختلف ہوتے ہیں۔

عاریت مطلقہ...... یہ کہ ایک شخص کوئی چیز عاریت دے اور عقد میں یہ بیان نہ کرے کہ خود استعمال کرے یا کوئی دوسرا اور نہ ہی کیفیت استعمال بیان کرے مثلاً ایک شخص دوسرے کو گھوڑا عاریت کے طور پر دے اور کوئی جگہ یا وقت مقرر نہ کرے اور نہ ہی سواری کرنا یا بوجھ لانا مقرر کرے تو اس کا حکم یہ ہے۔

مستعیر مالک کے بمنزلہ ہے ہر وہ طریقہ جس سے مالک نفع اٹھاتا ہے اس سے مستعیر بھی نفع اٹھائے گا اس کو اختیار ہے کہ وہ سواری کو جہاں چاہے اور جب چاہے استعمال کرے اور سوار ہو یا بوجھ لادے یا کسی دوسرے کو سوار کرے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا، اور یہ عاریت کے منافع کا مطلق مالک ہوا ہے الا یہ کہ عادتاً جو بوجھ لادا جاتا ہے اس سے زیادہ نہیں لادے گا اور دن رات مکمل استعمال نہیں کرے گا، اگر سواریوں میں ایسا نہ کیا جاتا ہو پس اگر ایسا کیا اور وہ مر گیا تو ضامن ہوگا، کیونکہ عقد مطلق عرف و عادت سے مقید ہوتا ہے ضمناً جیسا کہ نصاً ہوتا ہے۔

عاریت مقیدہ...... وہ ہے جو وقت اور نفع دونوں کے ساتھ مقید ہو یا ایک کے ساتھ، اور وہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں قید کی رعایت رکھی جائے گی جہاں تک ممکن ہو کیونکہ اصل ہے کہ مقید میں قید کا اعتبار ہوتا ہے مگر یہ کہ جب قید کا اعتبار کرنا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے متعذر ہو تو پھر قید لغو ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ قید فضول ہوگی وضاحت یہ ہے کہ۔

جب صرف خود استعمال کرنے سے مقید کرے...... اگر استعمال اس طرح ہو کہ لوگ اس میں مختلف ہوں جیسے سواری یا کپڑا پہننا تو پھر وہ اس کے ساتھ مختص ہوگا اور اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو سوار کرے یا کپڑا پہنائے۔ اور اگر استعمال ایسا ہے کہ لوگوں کے تفاوت سے اس میں تفاوت نہیں آتا مثلاً رہائش اختیار کرنا گھر میں تو اس کو اجازت ہے کہ وہ دوست کو رہائش دے اس لئے کہ عقد سے وہ رہائش کا مالک ہوا ہے اور لوگ عادۃً اس میں تفاوت نہیں ہوتے۔

پس اس کی رہائش کی قید مقید نہیں لغو ہوگی الا یہ کہ وہ جیسے رہائش رہے وہ لوہار ہو یا دھوبی ہو، اور ان کی طرح کے دوسرے آدمی جن کی وجہ سے عمارت کمزور ہوتی ہو پس وہ ان کو رہائش نہیں دے سکتا اور نہ ان کاموں کے لئے خود استعمال کر سکتا ہے جب تک کہ معیر راضی نہ ہو جائے۔

وقت یا جگہ متعین کرے......اور وہ اس جگہ سے تجاوز کرے یا وقت میں اضافہ کرے تو پھر وہ ضامن ہوگا۔

بوجھ اور جنس کی تعیین......اگر اس نے اس پر بوجھ لادا اور اضافہ بھی کیا تو ضامن ہوگا، بقدر زیادتی کے اگر خود سوار ہوا اور پیچھے بھی کسی کو بٹھا دیا اور وہ جانور مر گیا اگر جانور ایسا تھا کہ اس بوجھ کی طاقت رکھتا تھا، تو پھر نصف قیمت کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے صرف نصف قیمت ہی میں مخالفت کی ہے، اور اگر جانور ایسا ہے کہ اتنے بوجھ کی طاقت نہیں رکھتا تھا، تو ساری قیمت کا ضامن ہوگا اس لئے کہ اس نے اسے ہلاک کیا ہے۔

اور اگر جانور پر بہ خلاف جنس لادا اگر وہ اس سے ہلکا یا اس کے برابر تھا تو ضامن نہیں ہوگا ورنہ ہوگا، اور اگر عقد میں متعین وزن اور بوجھ کے برابر بوجھ ہو، بایں طور کہ جانور عاریت پر لے کر اس پر سو رطل روئی لادے گا اور اس نے سو رطل لوہا لادلیا تو ضامن ہوگا کیونکہ لوہے کا بوجھ پیٹھ پر ایک ہی جگہ مرتکز ہوتا ہے اور روئی کا بوجھ پوری پیٹھ اور بدن پر ہوتا ہے پس جانور کا نقصان زیادہ ہے دو ضرروں میں سے کم پر رضامندی، زیادہ پر رضامندی کی دلیل نہیں اور اگر بوجھ عقد میں متعین بوجھ سے زیادہ ہوا اگر وہ جنس مذکور فی العقد میں سے ہو تو بقدر زیادت کا ضمان ہوگا اور اگر خلاف جنس میں سے ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا اگر معیر اور مستعیر مدت عاریت میں یا بوجھ کی مقدار میں یا جگہ کے بارے میں اختلاف کریں تو بات معیر کی معتبر ہوگی اس لئے کہ معیر ہی نے عاریت سے نفع کی اجازت دی ہے تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا نفع کی صورت میں اور مستعیر دعوی کر رہا ہے کہ نفع اس طرح ہے جس طرح وہ چاہ رہا ہے، اور معیر منکر ہے اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

عاریت کی صفت کا حکم......حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں: جو ملکیت مستعیر کے لئے ثابت ہے وہ غیر لازم ہے اس لئے کہ یہ ایسی ملک ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں پس لازم نہیں جیسے ہبہ سے ثابت شدہ ملکیت، معیر کے لئے جائز ہے کہ وہ عاریت میں رجوع کر لے، جیسے مستعیر کو اجازت ہے کہ وہ جب چاہے واپس کر دے چاہے عاریت مطلقہ ہو یا مؤقت بوقت ہو، جب تک کہ معیر ایسے کام کی اجازت نہ دے جس میں رجوع سے نقصان ہوتا ہو، یا عاریت لازم ہو جیسے کوئی میت کے دفنانے کے لئے زمین دے تو جس جگہ میت دفن ہوئی ہے اس جگہ معیر کے لئے رجوع کرنا جائز نہیں اور مستعیر کے لئے واپس کرنا ممتنع ہے یہ دونوں جانب سے لازم عاریت ہے یہاں تک کہ مدفون کا اثر ختم ہو جائے اور وہ مٹی بن جائے، اسی کی طرح کسی نے معتدہ کو عدت کے لئے رہائش دی تو معیر کے لئے واپس کرنا جائز نہیں۔ اس بات پر دلیل کہ عاریت عقد جائز غیر لازم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”عطیہ واپس کیا جائے گا اور عاریت محبت کا ذریعہ ہے۔“

مالکیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق معیر کو عاریت واپس لینے کا حق نہیں نفع اٹھانے سے پہلے اور جب عاریت وقت مقرر تک ہو تو معیر کے لئے وقت گذرنے سے پہلے رجوع جائز نہیں اور اگر مدت مقرر نہ ہو تو معیر پر اتنی مدت لازم ہے جتنی مدت اس عارت کی لوگوں میں ہوتی ہے اور علامہ دردیر مالکی رحمہ اللہ علیہ نے شرح الکبیر میں فرمایا: راجح یہ ہے کہ معیر عاریت مطلقہ میں جب چاہے رجوع کر سکتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مالکیہ عاریت مطلقہ میں رجوع کی گنجائش دیتے ہیں اور مقیدہ میں اجازت نہیں دیتے چاہے شرط عمل، زمانہ عرف یا عاریت سے مقید۔ دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف کا سبب یہ کہ عاریت میں لازم عقود کی نظر بھی ہے اور غیر لازم کو بھی۔

عمارت، درخت یا زراعت کے لئے عاریت پر دی گئی زمین میں رجوع......حنفیہ کے ہاں اگر عاریت مطلقہ ہو تو معیر مالک زمین کو اختیار ہے جب چاہے واپس لے لے اس لئے کہ عاریت غیر لازم ہے اور مستعیر پر زبردستی کی جائے گی کہ وہ درخت اکھاڑے اور عمارت توڑے، اس لئے کہ ان کو باقی چھوڑنے میں معیر کا نقصان ہے، اور معیر درخت اور عمارت میں سے کسی کی بھی قیمت کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے مستعیر کو کسی قسم کا بھی دھوکا نہیں دیا عقد مطلق رکھا ہے بلکہ مستعیر نے خود دھوکا کھایا ہے، بایں طور کہ مطلق کو ہمیشہ پر محمول کیا

دھوکا کھا گیا دھوکا اسے دیا نہیں گیا۔اور اگر عاریت وقت سے مقید ہوتو پھر معیر کو حدیث کا حق کی وجہ سے واپس لینے کا حق ہے۔لیکن وقت مکمل ہونے سے پہلے رجوع مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں وعدہ کی خلاف ورزی ہے اور اسے مستعیر پر عمارت اور درخت کا اکھاڑنے کے لئے زبردستی کی اجازت نہیں اس صورت میں مستعیر کو اختیار ہے چاہے تو معیر سے عمارت اور درختوں کی قیمت لے لے اس لئے کہ اس نے دھوکا دیا ہے اسے وقت مقرر کرے پھر وقت سے پہلے نکال رہا ہے، اور چاہے تو درختوں اور عمارت کو ضمان دے کر لے لے اور چاہے تو کاٹنے پر راضی ہو جائے، یہ سب کچھ حاکم شہید نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے اور قدوری میں ہے کہ معیر عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن ہوگا اس لئے کہ مستعیر کو دھوکا دیا گیا ہے اس طور پر کہ معیر نے اس کے لئے وقت مقرر کیا ہے ظاہر تو یہ ہے کہ وعدہ وفا کرنا چاہیے اور مغرور، دھوکا دینے والے پر رجوع کرے گا اپنے نفس سے نقصان دور کرنے کے لئے اور جب کوئی شخص زراعت کے لئے زمین عاریت پر لے، تو وہ اس سے کھیتی کاٹنے تک نہیں لی جاسکتی، چاہے عاریت کے لئے وقت مقرر کرے یا نہ کرے، اس لئے کہ زراعت کی ایک معلوم مدت ہے اور کھیتی چھوڑنے میں کٹائی تک بطریق اجارہ اجرت سے مثل کے ساتھ دونوں کے حق کی رعایت ہے یہ خلاف درخت لگانے کے اس لئے کہ ان کے لئے کوئی انتہائی وقت مقرر نہیں پس مالک سے نقصان ختم کرنے کے لئے اکھیڑے جائیں گے۔

مالکیہ کے ہاں......راجح یہ ہے کہ معیر اعارہ مطلقہ میں جب چاہے رجوع کرے لیکن جب عاریت مقید ہو شرط کے ساتھ یہ عرف وعادت کے ساتھ، تو مدت گذرنے سے پہلے رجوع جائز نہیں۔

اسی بناء پر جب زمین عمارت یا درخت لگانے کے لئے عاریت کے طور پر دی اور اس نے عمارت بنالی درخت لگا لیے اگر مدت مقرر نہیں کی تو معیر، مستعیر کو نکال سکتا ہے اور معیر مستعیر کی عمارت اور درختوں کا مالک ہوگا اگر اسے خرچ دیا تو اور اس طور پر مقید عاریت میں معیر کو زمین میں رجوع کی اجازت نہیں جبکہ عمارت اور درخت مدت ختم ہونے سے پہلے ہوں جب تک کہ مستعیر کو اخراجات نہ دے دے اور اگر عمارت اور درختوں کی مشروط معتاد مدت گزر گئی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو مستعیر کو عمارت گرانے کا حکم اور درخت اکھاڑنے کا حکم دے دے اور زمین پر یہ کرنے کا جیسے پہلے تھی اور اگر چاہے تو اس کی ٹوٹی ہوئی اور اکھیڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے دے جبکہ ان کی قیمت بنتی ہو، گرانے والے اور زمین برابر کرنے والے کی اجرت ساقط کرنے کے بعد جبکہ مستعیر بذات خود یا اس کا خادم یہ کام نہ کرتا ہو۔ **شوافع اور حنابلہ کے ہاں:** اگر عاریت عمارت اور درختوں کے لئے ہو اور مدت بیان نہ ہو تو مستعیر اس وقت تک زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک معیر رجوع نہ کرے، لیکن اگر معیر نے رجوع کر لیا عمارت بنانے کے بعد اگر معیر نے اکھیڑنے کی شرط رکھی تھی تو پھر اکھیڑنا لازم ہے شرط پر عمل کرتے ہوئے، اور مستعیر کے ذمہ لازم ہوگا کہ وہ زمین برابر کر دے اگر شرط لگائی ہو ورنہ برابر کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ جب وہ اکھیڑنے پر راضی ہے تو اکھیڑنے کی وجہ سے جو گڑھے پڑھے ہیں ان پر راضی ہے اس پر ضمان نہ ہوگا۔ نیز اس لئے بھی کہ اس کو اس کی اجازت ہے ضمان لازم نہ ہوگا۔

لیکن اگر اکھیڑنا شرط نہ ہو تو اگر مستعیر نے اکھیڑنا اختیار کیا تو اکھیڑ لے بغیر اس کے کہ معیر کو نقصان کی قیمت دے اور شوافع کے ہاں مستعیر کے ذمہ زمین برابر کر کے دینا لازم ہے اور حنابلہ کے ہاں بھی برابر کر کے دینا لازم ہو، اس لئے کہ اکھیڑنا اس کے اختیار سے ہوا ہے کیونکہ اگر وہ اس سے رک جائے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا پس گڑھوں کو برابر کرنا لازم ہے جیسا کہ وہ زمین خراب ہو جائے جو عاریت کے طور پر نہیں لی گئی البتہ حنابلہ میں سے قاضی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ گڑھوں کو برابر کرنا لازم نہیں اس لئے کہ معیر اس سے راضی ہے بایں طور کہ اسے اکھیڑنے کا علم تھا یہی ان کے ہاں اصح ہے لیکن اگر معیر اکھیڑنا پسند نہ کرے تو معیر کو اختیار ہے چاہے تو اجرت مثل پر باقی رکھے اور چاہے تو اکھیڑ دے اور اکھیڑی ہوئی حالت اور صحیح حالت کے درمیانی قیمت دے دے۔ اور اگر عاریت کسی عمارت یا درخت لگانے وغیرہ کے لئے ہو یا غیر مؤقت ہو تو

معیر کو پھر بھی رجوع کا حق ہے جب وہ رجوع کرے یا مدت ختم ہوجائے تو سابقہ احکام عاریت مطلقہ کے مطابق جاری ہوں گے، چاہے اکھیڑنے کی شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو اور اس سے انکار۔

جب کسی آدمی نے زراعت کے لئے زمین عاریت پر دی تو اس کو رجوع کا اختیار ہے جب تک زراعت نہ ہوئی ہو لیکن جب زراعت ہوگئی تو کٹائی تک اسے رجوع کا اختیار نہیں اور اس پر اس وقت تک کھیتی باقی رکھنا لازم ہے۔

اگر معیر نے کٹائی سے پہلے رجوع کرلیا تو مستعیر پر رجوع کے وقت سے کٹائی تک کی مدت کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

خلاصہ...... شوافع، حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں معیر کو عمارت یا درختوں کے لئے عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز میں رجوع کا حق حاصل ہے چاہے عاریت مطلق ہو یا مقید۔ اور زراعت والی صورت میں رجوع کا اثر اجرت مثل کے مطالبہ کے حق تک معیر کا حق رہے گا جو رجوع اور کٹائی کے درمیان مدت ہے اور مالکیہ کے ہاں معیر کو عاریت مطلقہ میں رجوع کا حق ہے اور مدت ختم ہونے سے پہلے مقید میں حق نہیں یہ مدت مقرر ختم ہونے تک لازم ہے۔

چوتھی بحث: عاریت کی حالت آیا مضمون ہے یا امانت؟...... حنفیہ کے ہاں شئی مستعار، مستعیر کے ہاتھ میں امانت ہے چاہے استعمال کرے یا نہ ہر حال میں ضامن نہ ہوا سوائے کوتاہی اور تعدی کے، اس لئے کہ مستعیر کی جانب سے وجوب ضمان کا سبب نہیں پایا گیا پس اس پر ضمان نہ ہوگا جیسے ودیعت اور اجارہ، اس لئے کہ آدمی پر کسی عمل کے بغیر ضمان ضمان نہیں ہوتا اور اس نے ایسا کام نہیں کیا جو موجب ضمان ہو، اس لئے کہ وہ غیر کے مال کی حفاظت کر رہا ہے اور یہ مالک کے حق میں احسان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ الرحمٰن ۵۵/۶۰

احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہے۔ مالکیہ کے ہاں مستعیر ان چیزوں کا ضامن ہوگا جو پوشیدہ رکھی جاسکتی تھیں مثلاً کپڑے، زیور، سمندر میں چلنے والی کشتی اور یہ بھی اس وقت جبکہ ان کے تلف اور ضائع ہونے پر بلاسبب گواہ نہ ہوں اور وہ چیزیں جو پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی ان میں ضامن نہ ہوگا جیسے جانور اور زمین اور نہ ہی ان چیزوں کا جن کے تلف پر گواہ قائم ہوں ان کی دلیل دو حدیثوں میں تطبیق جمع ہے۔

پہلی حدیث:...... حضور علیہ السلام نے صفوان بن امیہ سے کہا بلکہ عاریت مضمون ہے ایک روایت میں ہے ”بلکہ عاریت فوادۃ ہے“۔

دوسری حدیث...... ”جو مستعیر خائن نہ ہو اس پر کوئی ضمان نہیں اور نہ ہی مستودع غیر خائن پر ضمان ہے“ پس ضمان ”مایغاب علیہ“ پر محمول ہوگا اور دوسری حدیث ”مالا یغاب علیہ“ پر محمول ہوئی اور یہ مذہب حنفیہ کے مذہب کے قریب ہے اس بات میں کہ عاریت امانت ہے۔

شوافع کے ہاں...... اصح یہ ہے کہ عاریت تلف کے دن کی قیمت کے ساتھ مضمون ہے جب وہ اجازت شدہ استعمال سے ہٹ کر استعمال کرے اگرچہ تفریط نہ بھی کی ہو حضرت صفوان کی روایت ہے، بلکہ عاریت مضمون ہے، نیز اس لئے بھی کہ یہ مال ہے اس کو مالک تک پہنچانا واجب ہے پس تلف کی وجہ سے ضمان ہوگا۔ جیسے خریداری کی نیت سے قبضہ کی ہوئی چیز، ہاں اگر اجازت شدہ استعمال سے تلف ہو تو کوئی ضمان نہیں اس لئے کہ تلف اجازت شدہ استعمال کی وجہ سے ہوا ہے اگر اجازت شدہ بوجھ جانور کے لئے اٹھانا مشکل ہو یا اس سے جانور مرجائے یا کپڑے بالکلیہ ختم ہوجائیں یا بیل کنویں میں گرجائے جو پانی نکالنے کے لئے لیا گیا تھا تو ان تمام حالات میں اس پر کوئی ضمان نہیں، یہی حکم ہے جب مستعیر رہن رکھنے کے لئے کوئی چیز عاریت کے طور پر لے رہن رکھے اور مرتہن کے پاس وہ ضائع ہوجائے لیکن اس میں دین کی جنس ذکر کرنا، مقدار، صفت اور جس کے پاس رکھ دیا اس کا مذکورہ ضروری ہے اور مستعیر کا قبضہ عاریت یہ شوافع کے ہاں غیر ماذون الاستعمال

میں ضمان کا قبضہ ہے تلف کی وجہ سے ضامن ہوگا چاہے تعدی وکوتاہی ہو یا نہ ہو چاہے حفاظت میں کوتاہی ہو یا نہ ہو، امام نووی رحمہ اللہ نے المنہاج میں فرمایا: اگر تلف ہو جائے شئی مستعار مستعیر کے پاس غیر ماذون استعمال کی وجہ سے تو ضامن ہوگا اگر چہ اس کی جانب سے تفریط نہ بھی ہوئی ہو، حدیث سابق کی وجہ سے الخ۔ اور اصح یہ ہے کہ عاریت میں تلف کے دن کی قیمت کا ضمان ہوگا نہ قبضہ کے دن کی قیمت اور نہ آخری قیمت۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب میں عاریت مطلقاً مضمون ہے چاہے مستعیر سے تعدی ہو یا نہ اور تلف کے دن کی قیمت لازم ہے دلیل ہے صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت ہے اس میں ''بل عاریة مضمونة'' کے الفاظ اس کا حکم میں اور یہی ابن عباس ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ہاتھ پر لے لیا گیا یہاں تک کہ واپس کر دے، نیز یہ غیر کا مال ہے اس نے اپنے نفع کے لئے لیا ہے رہن کی طرح بطور وثیقہ نہیں لیا اور بغیر استحقاق کے لیا ہے اور تلف کی اجازت بھی نہیں غصب کی طرح مضمون ہوگا۔

حنابلہ نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر مستعیر وقف کو عاریت کے طور پر لے یا مجاہدین کے لئے وقف شدہ چیز لے پھر اس کی کوتاہی کے بغیر یہ چیزیں ہلاک ہو جائیں تو اس پر ضمان نہیں، اس لئے کہ علم سیکھنا سکھانا اور جہاد یہ عام لوگوں کے مصالح میں سے ہیں۔

خلاصہ..... یہ کہ مستعیر کا قبضہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضمان کا ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں امانت ہے۔ اور مستعیر عاریت کو جنہیں سپرد کرنے کی عادت ہے انہیں سپرد کرنے کی وجہ سے بری الذمہ ہو جائے گا جیسے بیوی، خزانچی وکیل وغیرہ۔

معیر کا ضمان کی شرائط..... حنفیہ کے ہاں: جب معیر، مستعیر پر ضمان کی شرط لگائے تو یہ شرط باطل ہے اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ودیعت میں، اور جیسے رہن میں ضمان کی شرط نہ لگانا، اس لئے اس سے عقد تبدیل ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں..... جب معیر ایسی جگہ پر ضمان کی شرط لگائے جہاں ضمان واجب نہیں تو مستعیر عاریت کے استعمال کی وجہ سے ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ شرط عاریت کو اپنے حکم سے نکال کر اجارہ فاسد کے باب میں لے جاتی ہے، جب اس کا مالک عاریت پر راضی نہ ہو بغیر ضمان، اور یہ عوض مجہول ہے بس معلوم کی طرف لوٹانا واجب ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں..... جب مستعیر یہ شرط لگانے کہ عاریت امانت ہے یا ضمان کی نفی کر دے تو ضمان ساقط نہیں ہوگا بلکہ شرط لغو ہوگی، اس لئے کہ ہر وہ عقد جو ضمان کا تقاضا کرتا ہے شرط اسے تبدیل نہیں کر سکتی جیسے بیع صحیح یا فاسد کا قبضہ۔

عاریت کا امانت سے ضمان میں تبدیل ہونا..... حنفیہ کے ہاں عاریت، امانت سے ضمان میں درج ذیل اسباب کی وجہ سے تبدیل ہوتی ہے۔

۱..... ضائع کرنا اور حقیقۃً تلف کرنا کسی ویران جگہ ڈال کر یا چور کو بتانا، یا معنوی طور پر ضائع کرنا مثلاً عاریت طلب کرے یا مدت ختم ہو جائے واپس نہ کرنا۔

۲..... استعمال عاریت میں حفاظت چھوڑ دینا۔

۳..... شئی مستعار کو غیر مشروط طور پر یا غیر مانوس طریقہ سے استعمال کرنا۔

۴..... کیفیت حفاظت میں مخالفت کرنا مثلاً حکم تھا کہ اس سے غافل نہ رہنا، اس نے غفلت کی تو ضامن ہوگا، پس اگر معیر کی

موافقت کرلی تو بھی ضمان سے بری نہ ہوگا برخلاف ودیعت کے، وہاں بری ہوجاتا ہے اس لئے کہ وہاں مالک کے لئے حفاظت مقصود ہے اور حفاظت مخالفت کے بعد بھی ایسے ہی ہے جیسے مخالفت سے پہلے۔ یہاں ایک اور فرق بھی ہے وہ یہ کہ اگر مستعیر عاریت کو مالک کے گھر واپس پہنچادے جیسے گھوڑا مالک کے اصطبل میں پہنچادے تو ضمان سے بری ہوجائے گا برخلاف ودیعت کے۔ اس لئے کہ عاریت میں یہ عادت جاری ہے کہ مالک کے گھر پہنچادی جائے یا اس کے عیال کو دے دی جائے، جبکہ ودیعت میں یہ عادت نہیں لہٰذا اس آیت ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' (النساء: ۴/۵۸) کے عموم سے عاریت خاص ہے اور ودیعت ظاہر نص کی وجہ سے باقی ہے ''کما سبق ذکرہ'' اور شئی مغصوب ودیعت کی طرح ہے کہ اسے مالک کے پاس پہنچایا جائیگا۔ ہاں ایک بات ہے کہ اگر عاریت کوئی عمدہ چیز ہو اور مستعیر نے اسی مالک کے گھر تک پہنچادیا اور مالک کے سپرد نہ کیا تو ضامن ہوگا اس لئے کہ عمدہ چیزیں عادۃً صرف مالک ہی کے سپرد کی جاتی ہیں، اسی طرح اگر معیر اور مستعیر میں اختلاف ہوجائے تو مالک کی بات معتبر ہوگی ودیعت کی طرح۔

عاریت واپس کرنے کی اجرت...... عاریت واپس کرنے کی اجرت مستعیر پر ہے اس لئے کہ واپس کرنا اس پر واجب ہے اس لئے کہ اس نے اپنے ذاتی نفع کے لئے اس پر قبضہ کیا ہے اور اجرت واپسی کی ہے پس اسی پر ہوگی اسی طرح عین مغصوب کے واپس کرنے کی اجرت غاصب پر ہے، کیونکہ واپس کرنا اس پر واجب ہے مالک سے نقصان دور کرنے کی وجہ سے لہٰذا خرچہ اس پر ہے۔

اور شئی مستاجرہ کی واپسی کی اجرت موجر (مالک) کے ذمہ ہے کیونکہ مستاجر پر واپسی کی قدرت دینا اور اس شئی اور اس کے مالک کے درمیان تخلیہ واجب ہے نہ کہ واپس کرنا، فرق یہ ہے کہ موجر اور غاصب کی غرض اور ان دونوں کی طرح مرتہن ان سب نے نفع اٹھانا ہے برخلاف مستعیر کے وہ خاص منفعت کے لئے شئی پر قبضہ کرتا ہے۔

اسی طرح ودیعت واپس کرنے کی اجرت مالک پر ہے اس لئے کہ ودیع پر صرف حفاظت واجب ہے اور واپس کرنا مالک کی طلب پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا...... النساء ۴/۵۸

پانچویں بحث...... معیر اور مستعیر کا اختلاف

بسا اوقات معیر اور مستعیر کے درمیان اختلاف ہوجاتا ہے بعض چیزوں میں تو کس کی بات معتبر ہوگی؟

۱۔ اصل عقد یا اس کی صفت میں اختلاف...... نفع اٹھانے ولا عاریت کا دعویٰ کرے اور مالک اجارہ کا، یا نفع اٹھانے والا عاریت کا دعویٰ کرے اور مالک غصب کا تو شوافع کے مذہب کے مطابق مالک کی تصدیق ہوگی قسم کے ساتھ، اس لئے کہ اصل ہے نفع اٹھانے کی اجازت نہ دینا پس قسم اٹھانے کے اجرت کا مستحق ہے۔

۲۔ تلف میں اختلاف...... جب شئی مستعارہ تلف ہوجائے اور مستعیر دعویٰ کرے کہ اجازت شدہ استعمال کی وجہ سے ضائع ہوئی ہے اور معیر انکار کرے اور کہے کہ بغیر استعمال یا غیر ماذون استعمال کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے تو بالاتفاق مستعیر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس لئے کہ جو لوگ اس کے قبضہ کو ضمان کا قبضہ کہتے ہیں ان کے ہاں گواہوں سے ثابت کرنا اس پر مشکل ہے، اور امین، امانت کے قائلین کے ہاں اس کا قول معتبر ہے۔

۳۔ واپسی میں اختلاف...... اگر مستعیر کہے کہ معیر نے تو یہ چیز واپس کردی ہے اور معیر انکار کرے تو معیر حلف اٹھائے اور قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی، کیونکہ اصل واپس نہ کرنا ہے، مستعیر دفاع کرنے والا ہے لہٰذا اس پر گواہ ہوں گے اور معیر منکر ہے اس کے ذمہ قسم ہے۔

چھٹی بحث......عاریت ختم ہونا

عاریت ان چیزوں کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

۱.....معیر عاریت کی واپسی چاہے تو اس لئے کہ عقد عاریت عقد غیر لازم ہے لہٰذا فسخ سے ختم ہو جائے گا۔

۲.....عاریت واپس کرنا، جب مستعیر شئی مستعار کو معیر پر واپس کر دے تو عاریت ختم ہو جاتی ہے چاہے مدت سے پہلے یا بعد۔

۳.....عاقدین میں سے کسی ایک کا مجنون یا بے ہوش ہو جانا، کیونکہ اہلیت تبرع زائل ہو جاتی ہے۔

۴.....عاقدین میں سے کسی ایک کا مرجانا اس لئے کہ عاریت اجازت سے نفع اٹھانا ہے اور موت کی وجہ سے اجازت باقی نہیں اور نہ اجازت دینے والا۔

۵.....عاقدین میں سے کسی ایک پر بے وقوفی کی وجہ سے پابندی لگانا اس لئے کہ پابندی کی وجہ سے اہلیت تبرع نہیں رہتی۔ لہٰذا عاریت فسخ ہو جائے گی۔

۶.....مالک پر مفلسی اور دیوالیہ پن کی وجہ سے پابندی، اس لئے کہ اس پر اموال کا نفع فوت ہونے کی وجہ سے عاریت ممنوع ہے کیونکہ قرض خواہوں کی اسی میں مصلحت ہے۔

ساتویں فصل......وکالت

موضوع کا نقشہ......وکالت کے متعلق درج ذیل پانچ مباحث میں بات ہوگی۔

پہلی بحث......وکالت کی تعریف رکن اور مشروعیت۔

دوسری بحث......شرائط وکالت۔

تیسری بحث......احکام وکالت۔

چوتھی بحث......وکلاء کا زیادہ ہونا۔

پانچویں بحث......وکالت ختم ہونے کے طریقے۔

پہلی بحث: وکالت کی تعریف، رکن اور مشروعیت......وکالت واؤ کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے لغت میں اس سے مراد حفاظت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" (آل عمران: ۳/ ۱۷۳) وکیل کا مطلب حافظ نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا" (المزمل: ۷۳/ ۹) میں "وکیلاً" بمعنی حفیظاً فراء نے یہی فرمایا ہے۔ اور کبھی اس سے سپرد کرنا بھی مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "وکل امرہ الی فلان" یعنی اس نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے اسی سے ہے "توکلت علی اللّٰہ" نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ" (ابراہیم ۱۴/ ۱۲) نیز "اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ" (هود: ۱۱/ ۵۶) یعنی میں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کیا اور اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیا۔

اور شرعاً حنفیہ کے ہاں وکالت کی تعریف یہ ہے کہ ایک انسان کا اپنی جگہ پر کسی دوسر کو جائز اور معلوم تصرف میں قائم مقام بنانا یا تصرف سپرد کرنا اور وکیل کی حفاظت میں دینا، اور تعریف میں موجود لفظ تصرف یہ تصرفات مالیہ بیع وشراء اور ان کے علاوہ ہر اس چیز کو جو نیابت قبول کرتی

ہے شرعاً، جیسے داخلہ کی اجازت وغیرہ کو شامل ہے، شوافع کی ہاں وکالت ایک شخص کا اپنے اختیارات جو نیابت قبول کرتے ہیں کسی دوسرے کے سپرد کر دینا تا کہ وہ اس کی زندگی میں انجام دہی کرے اور زندگی کی قید، وصیت اور وکالت کے درمیان فرق کے لئے ہے۔

وکالت کا رکن..... حنفیہ کے ہاں وکالت کا رکن ایجاب وقبول ہیں، ایجاب موکل کی جانب سے ہوگا اور اسے اصیل کہتے ہیں وہ کہے:

وکلتك بکذا یاافعل کذا یا اذنت لك ان فعل کذا وغیرہ اور وکیل کی جانب سے قبول لفظ قبلت یا اس کے قائم مقام الفاظ کے ذریعہ ہو، پھر قبول ہر اس فعل سے مکمل ہوگا جو قبول پر دلالت کرتا ہو، اور الفاظ کا ہونا شرط ہیں، اس لئے کہ وکیل بنانا، اباحت ہے اور پابندی اٹھانا ہے یہ طعام کی اباحت کے مشابہ ہوگیا۔ نیز بالاتفاق وکالت کی قبولت فی الفور اور تراخی سے جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکلاء کا قبول آپ کے فعل سے تھا اور توکیل کے بعد تھا تراخی سے۔

اگر ایجاب قبول سے پائے گئے تو عقد مکمل نہ ہوگا، اگر کسی نے دوسرے کو قرض کی وصولی کے لئے وکیل بنایا اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر جا کر قبضہ کر لیا تو مدین بری نہیں ہوگا اس لئے کہ عقد ایجاب وقبول سے تمام ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پائے جانے سے پہلے لوٹ گیا جیسے بیع وغیرہ میں۔

اور جمہور کے ہاں وکالت کے ارکان چار ہیں۔ مؤکل، وکیل، مؤکل فیہ اور صیغہ، حنابلہ کے ہاں وکالت دوریہ بھی صحیح ہے۔ اور وہ یہ ہے:

وکلتك، وکلما عذلتك لو اعة لن فقدو کلتك، لو امانت وکیلی

یعنی میں نے تمہیں وکیل بنالیا اور جب معزول کروں تو میں تمہیں وکیل بنانے والا ہوں گا یا آپ میرے وکیل ہوں گے۔

وکالت کو شرط یا زمانہ کے ساتھ معلق کرنا..... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وکالت کبھی مطلق ہوتی ہے اور کبھی معلق بالشرط، مثلاً اگر زید آ گیا تو تم یہ کتب فروخت کرنے میں میرے وکیل ہو، وکیل کا شرط پائے جانے سے پہلے تصرف کرنا صحیح نہیں اور کبھی مستقبل کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے مثلاً میں کل تمہیں اس کتاب کے فروخت کرنے کا وکیل بناتا ہوں یہ کل سے پہلے وکیل نہیں ہوگا، اور اس کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ وکالت ایسا عقد ہے جو مطلقاً تصرف کو مباح قرار دیتا ہے اور اطلاقات تعلیق بالشرط کو اور اضافت الی الوقت کو قبول کرتے ہیں جیسے طلاق، اور اس لئے بھی کہ وکالت تصرف میں اجازت کا نام ہے یہ وصیت کے مشابہ ہے۔

اور امام شافعی کے ہاں صحیح مذہب کے مطابق وکالت کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں مثلاً اگر زید آ گیا یا مہینہ شروع ہوا تو جب تمہیں وکیل بناتا ہوں ان کی دلیل یہ ہے کہ وکالت ایک ایسا عقد ہے جہالت اثر کرتی ہے اس کے ابطال میں تمام عقود کی طرح اسے بھی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں اور یہ وصیت کے مخالف ہے اس لئے کہ اس میں جہالت نہیں لہٰذا اس میں شرط نہیں یہ تعلیق کو قبول کرتی ہے اور وکالت میں جہالت ہے لہٰذا شرط اس میں اگر کرے گی لہٰذا یہ تعلیق قبول نہیں کرے گی۔ لیکن اگر وکیل نے اس حالت میں تصرف کیا تو اس کا تصرف صحیح ہے اجازت کی وجہ سے اگرچہ عقد فاسد ہوگا، اور اس وقت یہ اگر اجرت پر وکیل ہوا تو مقرر اجرت ختم ہو جائے گی اور اجرت مثل واجب ہوگی، اس لئے کہ اس نے عقد فاسد میں عمل کیا جس کی وجہ سے بدل کے بغیر راضی نہیں لہٰذا اجارہ فاسدہ کی طرح اجرت مثل واجب ہوگی اور جب وکالت شروع کی اور تصرف کے لئے کوئی شرط رکھی تو یہ اتفاقاً جائز ہے مثلاً میں تمہیں ایک چیز خریدنے کا وکیل بناتا ہوں لیکن اسے ایک ماہ کے بعد خریدو۔

وکالت کے لئے وقت مقرر کرنا..... علماء کا وکالت کیلئے وقت مقرر کرنے پر اتفاق ہے کہ ایک ماہ یا ایک سال وغیرہ مقرر کر لیں اس

لئے کہ وکالت ضرورت کے اعتبار سے ہے۔

اجرت پر وکالت......وکالت اجرت کے ساتھ بھی صحیح ہے اور بغیر اجرت کے بھی، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کارندے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجے اور ان کے لئے اجرت مقرر کی، بہت وجہ ہے کہ انہیں ان کے چچازاد بھائیوں نے کہا، اگر آپ ہمیں ان صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجتے تو ہم آپ کو وہی لا کر دیتے جو لوگ لا کر دے رہے ہیں اور ہمیں وہ ملتا جو لوگوں کو ملا۔ نیز وکالت عقد جائز ہے وکیل پر اسے پورا کرنا واجب نہیں لہٰذا اس پر اجرت لینا جائز ہے برخلاف گواہی کے کہ وہ فرض ہے گواہ پر اس کی ادائیگی۔

اگر وکالت بغیر اجرت ہو تو یہ وکیل کی طرف سے نیکی ہے اور اگر وکالت اجرت پر ہے تو اس کا حکم اجارہ کی طرح ہے وکیل اجرت کا مستحق ہوگا اس چیز کے سپرد کرنے کی وجہ سے جس کا وکیل بنایا گیا ہے اگر اس کا سپرد کرنا ممکن ہو، مثلاً کپڑے سینے کے لئے، جب اس نے سی کر سپرد کئے تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس نے بیع وشراء اور حج کے لئے وکیل بنایا تو اجرت کا مستحق ہوگا جب کام کرے گا اگرچہ بیع میں ثمن پر قبضہ نہ بھی کیا، اور وکالت اجرت میں مؤکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل پر شرط لگادے کہ مقرر، مدت سے پہلے نہیں نکلے گا ورنہ عوض نہیں ملے گا۔

عمومی وکالت یا خصوصی......حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں عمومی وکالت بھی درست ہے اس لئے کہ یہ ان تمام چیزوں میں صحیح ہے جس کا مؤکل مالک ہے اور جن میں نائب بنانا صحیح ہے تصرفات مالیہ ہوں یا کچھ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکالت عامہ درست نہیں اس لئے کہ اس میں بہت بڑا دھوکا ہے اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکالت خاصہ جائز ہے اور اصل اور غالب یہی ہے۔

وکالت کی مشروعیت......وکالت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کی رو سے جائز ہے۔

رہ گئی کتاب اللہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اہل کہف کے بارے میں:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ...... الکہف ۱۸/۱۹

یہ خریدنے پر وکالت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا...... النساء: ۴/۳۵

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا...... یوسف ۲۱/۹۳

اور اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں:

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ...... یوسف: ۱۲/۹۳

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا...... التوبۃ: ۹/۶۰

یعنی وہ لوگ جو کوشش کررہے ہیں جنہیں امام نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات پر عمل کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مستحقین کی نیابت کے حکم اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا...... النساء ۴/۳۵

دونوں حکم وکیل میں زوجین کی طرف سے۔

سنت سے بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے صحیین کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ لینے کے لئے عامل بھیجے" اور ایک حدیث ہے: آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے نکاح کا وکیل بنایا، اور ایک حدیث ہے" ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میمونہ بنت الحارث" کے نکاح کا وکیل بنایا اور ایک حدیث: میں ہے کہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام کو قربانی کے جانور خریدنے کے لئے وکیل بنایا" آپ نے عروۃ البارقی کو بکری خریدنے کے لئے وکل بنایا، اور ان میں سے بخاری کی حدیث ہے آپ نے ایک شخص کے قرض کی ادائیگی کے لئے وکیل بنایا نیز آپ کا ارشاد ہے تم میں سے عمدہ وہ ہے جو ادائیگی کے اعتبار سے اچھا ہو۔

اجماع، تو پوری امت کا جواز وکالت پر اجماع ہے اس لئے کہ ضرورت اس بات کی ہے اور کبھی ایک شخص اس کے مصالح ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور دوسرا اس کو ادا کرسکتا ہے پس یہ جائز ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ہے۔

وکالت کی مشروعیت کی حکمت واضحہ...... یہ مصلحت کی رعایت اور حاجت پوری کرنے اور لوگوں سے حرج ختم کرنے اور کبھی ایک انسان کے پاس کافی قدرت اور جہالت ہوتی ہے اور دوسرے کے پاس نہیں ہوتی اور کبھی ایک آدمی حق پر ہوتا ہے لیکن اپنی حجت اور دلیل پیش نہیں کرسکتا، اور اس کا مدمقابل دلائل کو جانتا ہے پس یہ وکیل بنانے کا محتاج ہے تاکہ وہ وکیل بنائے دفاع کے لئے اور اظہار حق کے لئے۔

وکالت کا حکم تکلیفی...... وکالت میں اصل اباحت ہے اور کبھی یہ مستحب ہوتی ہے جبکہ مستحب پر مدد ہو اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جب مکروہ پر مدد ہو اور کبھی حرام ہوتی ہے جب حرام پر مدد کرے اور کبھی واجب ہوتی ہے جب مؤکل سے ضرر دفع کرنا ہو۔

دوسری بحث: شرائط وکالت...... صحت وکالت کے لئے کئی شرطیں ہیں صیغہ، عاقدین اور محل عصہ کے حوالے سے۔ عاقدین تو مؤکل اور وکیل ہیں اور مؤکل غائب ہو، عورت ہو یا مریض ہو تو یہ جائز ہے بالاتفاق، اور چاہے حاضر ہو اور صحیح اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور وکیل ہر وہ شخص جس کے لئے اپنا تصرف جائز ہے تو وہ اس میں دوسرے کا نائب بن سکتا ہے البتہ دشمن پر دشمن کو وکیل بنانا درست نہیں اور مالکیہ کے ہاں کافر کو وکیل بنانا بیع وشراء اور عقد سلم میں وکیل بنانا درست نہیں تاکہ حرام فعل نہ کرے اور نہ ہی مسلمانوں پر اسے قبضہ کرنے کا وکیل بنانا درست ہے تاکہ وہ ان پر جری نہ ہو جائے۔

صیغہ میں شوافع کے ہاں دو شرطیں ہیں۔

۱..... کہ وکالت ایسے لفظ سے مکمل ہو جو وکالت کی رضامندی پر دلالت کرے چاہے صراحۃ یا کنایۃ مثلاً میں تمہیں اپنا گھر فروخت کرنے کا وکیل بناتا ہوں یا اپنی بیع میں تمہیں اپنا قائم مقام بناتا ہوں اور قبول میں الفاظ شرط نہیں بلکہ فعل ہی کافی ہے جیسے مہمان کے لئے کھانا مباح کرنا۔

۲..... شرط معلق نہ کرنا شوافع کے ہاں مثلاً اگر فلاں سفر سے آ گیا تو آپ میرے وکیل ہیں۔ لیکن تصرف کو ایسی تعلیق سے معلق کرنا جب وکالت فی الفور ہو صحیح ہے جیسے میں تمہیں اپنے گھر کی بیع کا وکیل بناتا ہوں اس شرط پر کہ فلاں کے آنے سے پہلے بیع مکمل ہونی چاہئے، اور وکالت کو وقت کے ساتھ مقید کرنا صحیح ہے، جیسے وکالت ایک مہینہ یا سال کے لئے ہو۔

مؤکل کی شرطیں...... یہ ہیں کہ وہ مالک ہو اس تصرف کا جس کے لئے اسے وکیل بنایا گیا ہے اور اس پر اس تصرف کے احکام لازم ہوں گے، مجنون اور بے ہوش اور ناسمجھ بچے کو وکیل بنانا درست نہیں اس لئے کہ ان میں عقل موجود نہیں جو اہلیت کی شرط ہے نیز ان پر تصرفات کے احکام لازم نہیں ہوتے جیسے سمجھدار بچے کو ایسی چیزوں کا وکیل بنانا درست نہیں جن کے کرنے کا وہ مالک نہیں جیسے طلاق، ہبہ، صدقہ وغیرہ جو ضرر محض ہیں، البتہ خالص نفع والے تصرفات جیسے تبرعات کا قبول کرنا وغیرہ تو ان میں سمجھدار بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔ اور رہ گئے وہ

تصرفات جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہیں جیسے بیع اجارہ وغیرہ اب اگر سمجھدار بچہ ماذون تجارت ہے تو اسے وکیل بنانا صحیح ہے اس لئے کہ وہ اپنے لئے ان تصرفات کا مالک ہے اور اگر تجارت کی اسے اجازت نہیں تو پھر اس میں وکیل تو بن جائے گا لیکن ولی کی اجازت پر اس کی وکالت موقوف ہوگی۔ اور اسی طرح ولی کی اجازت تجارت کے لئے۔ جبکہ امام شافعی کے ہاں بچے کی وکالت مطلقاً صحیح نہیں اس لئے کہ ان کے ہاں کسی قسم کا تصرف کرنا بچے کے لئے درست نہیں یہی مالکیہ اور حنابلہ کی رائے بھی ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وکالت میں صرف مالک تصرف ہونا شرط کافی قرار دیا ہے اور اسی بناء پر ان کے ہاں مسلم کو ذمی کا شراب وخنزیر خریدنے کا وکیل بنانا درست ہے۔ بے وقوفی کی وجہ سے پابند آدمی کو تصرف مالی کا وکیل بنانا درست نہیں، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں، اور عورت، حج کا احرام یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تو جمہور کے ہاں وکیل بنانا درست نہیں برخلاف حنفیہ کے کہ عورت عقد نکاح کی وکالت نہیں کرسکتی، جیسے فاسق والد کا وکیل بنانا بیٹی کی شادی میں درست نہیں، اس لئے کہ وہ اپنے بارے میں اس کا مالک نہیں اور ان میں سے اندھا مستثنیٰ ہے شوافع کے ہاں اس لئے کہ اس کا خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں البتہ ضرورت کے موقع پر وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

وکیل کی شرطیں...... یہ کہ وہ عاقل ہو یعنی عقد سمجھتا ہو اور بیع وشراء کے نفع ونقصان کو جانتا ہو اور غبن کو جانتا ہو کہ یسیر ہے یا فاحش مجنون اور ناسمجھ بچے کی وکالت درست نہیں البتہ سمجھدار بچہ حنفیہ کے ہاں اس کی وکالت درست ہے چاہے تجارت کی اسے اجازت ہو یا نہ ہو۔

یہ شرط یہ کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے عبادت میں ضروری ہے کہ وہ عبادت کا اہل ہو اور اہلیت معاملہ وعبادت عقل اور تمیز کے بغیر نہیں ہوسکتی اور ام سلمہ کے بچہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کروایا تھا حالانکہ وہ اس وقت بچے تھے، شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں بچے مجنون بے ہوش کی وکالت درست نہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک غیر مکلف ہے اپنے تصرفات کرنا ان کے لئے درست نہیں لہٰذا ان کا وکیل بنانا بھی درست نہیں اور شوافع نے صحیح قول کے مطابق سمجھدار بچے کو وکیل بنانا گھر میں داخل ہونے، ھدیہ پہنچانے، حج، نوافل، قربانی ذبح کرنے اور زکاۃ تقسیم کرنے کے لئے صحیح ہے۔

اور بے وقوف کو تصرف مالی کا وکیل بنانا درست نہیں اسی طرح حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے کو بھی اور عورت کو عقد نکاح کا وکیل بنانا جمہور کے ہاں کیونکہ عورت اور محرم حج وعمرہ کا یہ کام کرنا صحیح نہیں اور شوافع کے ہاں اندھے کو وکیل بنانا درست نہیں۔

۲......اور حنفیہ کے ہاں یہ شرط بھی ہے کہ وکیل عقد کا قصد کرنے والا ہو مذاق نہ کر رہا ہو اور وکالت کو جانتا بھی ہو، اگر کسی نے کسی شخص کو کتاب فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے فروخت کردی وکالت جاننے سے پہلے تو اس کی بیع جائز نہیں۔ حتیٰ کہ مؤکل یا وکیل جاننے کے بعد اس کی اجازت دے دے اور وکیل کو وکالت کا علم بالمشافہہ یا اس کی طرف خط لکھ کر ہوسکتا ہے یا اس کی طرف قاصد یا دو آدمیوں کی خبر یا ایک عادل یا غیر عادل کی خبر جس کی وکیل تصدیق کردے۔

۳......وکیل متعین ہونا چاہئے نسب یا اشارہ کے ذریعہ اگر دو آدمیوں میں سے ایک کو وکیل بنایا تو جہالت کی وجہ سے وکالت درست نہیں نیز وکیل اپنے مؤکل کو جانتا ہو شہرت یا کسی صفت سے۔

مالکیہ نے مؤکل اور وکیل میں تین شرطیں لگائی ہیں، آزاد ہوں سمجھدار ہوں، اور بالغ ہوں لہٰذا غلاموں اور آزادوں کے درمیان وکالت درست نہیں بے وقوفوں اور مجبوروں کے درمیان، بچوں اور بالغوں کے درمیان، نیز شوافع نے وکیل کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ عادل ہو جبکہ وہ قاضی یا ولی کے ماتحت ہو۔ مؤکل بہ کی شرطیں۔

۱......جس چیز کے لئے وکیل بنایا جارہا ہے وہ مباح چیز نہ ہو پس کسی دوسرے کو لکڑیاں جمع کرنے، گھاس کاٹنے، پانی بھرنے، خزانے

نکالنے مثلاً ہیرے جواہرات، سیسہ نکالنے کے لئے وکیل بنانا درست نہیں، لہٰذا مذکورہ چیزوں میں کسی کو وکیل بنایا تو یہ چیزیں وکیل کی ہوں گی اور مؤکل کے لئے ان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا، اور یہ شرط حنفیہ کے ہاں ہے۔ جبکہ جمہور اور شوافع نے ان کاموں میں وکالت کی اجازت دی ہے اور یہ تقسیم ہوں گے ان کے درمیان بقدر اجرت بغیر کسی ترجیح کے کیونکہ ان سے مختلف منافع حاصل ہوئے ہیں، اس لئے کہ مباح چیزوں کا مالک ہونا اسباب ملک میں سے ایک سبب ہے پس یہ بیع شراء کے مشابہ ہوگیا لہٰذا وکالت درست ہے۔

۲.....مؤکل بہ، موکل کا مملوک ہونا چاہئے اس لئے کہ جو جو ملک میں نہیں اس میں کسی دوسرے کو تصرف کا اختیار دینا متصور نہیں اور متفق علیہ بات ہے۔

۳..... کہ مؤکل بہ معلوم ہوتا کہ دھوکا نہ ہو یہ شرط شوافع کے ہاں ہے۔

۴..... موکل فیہ کسی سے قرض طلب کرنا نہ ہوں اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض لینے کا وکیل بنایا اور وکیل نے کسی سے کہا مجھے قرض دے دو اس نے قرض دے دیا تو یہ قرض وکیل کا ہوگا نہ کہ مؤکل کا، ہاں بطور قاصد پر درست ہے بایں طور کہے کہ مجھے فلاں نے بھیجا ہے کہ قرض دے دو۔

۵.....شرعاً وہ قابل نیابت ہو، اور وہ ہر وہ چیز ہے جس میں نیابت درست ہو امور مالیہ ہوں کچھ اور بس عبادات بدنیہ محضہ میں وکالت درست نہیں جیسے نماز، روزہ، پاکی حاصل کرنا اس لئے کہ ان کا مقصد تو امتحان وآزمائش ہے نفس کو مشقت میں ڈال کر اور یہ مقصد وکالت سے حاصل نہیں ہوتا۔

قسم کے لئے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لئے کہ اس کا مقصد حلف اٹھانے والے کی سچائی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور عبودیت پر اعتماد ہے اور یہ شرعی امر ہے اور وطی کے لئے وکیل بنانا بھی درست نہیں اس لئے کہ اس کا مقصد پاکدامنی نجابت وشرافت اولاد ہے۔

جمہور کے ہاں ایسی عبادات جن کا تعلق مال سے ہے ان میں قبضہ اور دینے اور شخص تک پہنچانے کے لئے وکیل بنانا درست ہے جیسے زکوٰۃ، کفارہ، نذر، صدقہ، حج، عمرہ عاجزی اور موت کے بعد، ہدی کا جانور ذبح کرنے اور حج اور عمرہ کے احرام کا نقصان پورا کرنے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے وکیل بنانا درست ہے۔ اس لئے کہ ان کا مقصد ان کے مستحقین تک پہنچانا ہے، مالکیہ حج کی وکالت جائز نہیں قرار دیتے اس لئے کہ اس کا مقصد نفس کی اصلاح اور شعائر اللہ کی عظمت ہے۔ اور مال تو عارضی چیز ہے۔

بعض امور جن میں وکالت ہوتی ہے ان میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض وہ چیزیں ہیں جن میں وکالت جائز نہیں اور بعض وہ ہیں جن میں وکالت جائز ہے کہ دو قسم میں ہیں اب وکالت یا تو اللہ تعالیٰ کے حقوق یعنی حدود میں ہوگی حنفیہ کے ہاں اور باقیوں کے ہاں حد قذف کے علاوہ میں اور یا حقوق العباد میں ہوگی۔

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کے حقوق میں وکالت

.....اللہ تعالیٰ کے حقوق میں وکالت کی دو قسمیں ہیں:

۱.....اثبات ۲.....استیفاء۔

۱۔ اثبات حدود میں وکالت.....حنفیہ کے ہاں اگر حد میں قاضی کے سامنے دعویٰ کی ضرورت نہ ہو جیسے حد زنا، شرب کی حد تو اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا درست نہیں اس لئے کہ یہ قاضی کے سامنے گواہوں یا اقرار کی وجہ سے ثابت ہوگی تو اس میں گواہ کافی ہیں بغیر دعویٰ کے بھی خلاصہ یہ نکلا کہ مؤکل بہ میں شرط ہے کہ وہ ایسی حد نہ ہو جس کے ثبوت کے لئے دعویٰ ضروری نہیں جیسے حد زنا، حد شرب خمر۔ اور اگر حد ایسی ہے کہ اس میں دعویٰ کی ضرورت ہے جیسے چوری کی حد اور حد قذف، تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں اس کے اثبات کے لئے وکالت

جائز ہے، کہ گواہ قائم کئے جائیں اس جرم پر جو موجب حد ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اس کے لئے وکالت جائز نہیں یہ صرف گواہوں یا مؤکل کے اقرار سے ثابت ہوگی اور یہی اختلاف قصاص میں بھی جاری ہوتا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح حدود اور قصاص نافذ کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں اسی طرح ان کے اثبات وثبوت کے لئے بھی وکیل بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ ثبوت ذریعہ ہے نفاذ کا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب بایں طور دیا ہے کہ یہاں اثبات اور استیفاء میں فرق ہے، استیفاء کے لئے وکالت کا ممنوع ہونا شبہ کی وجہ سے (سنعر ف) اور یہ شبہ اثبات کی وکالت کے لئے کافی نہیں۔

شوافع کے ہاں حدود اللہ کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ ان میں حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حدود کے ختم کرنے کا حکم دیا ہوا ہے اور وکیل بنانا تو حد واجب کرنے کے لئے ہے، لہٰذا جائز نہیں قصاص اور حد قذف کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اس لئے کہ یہ دونوں آدمی کے حق ہیں، لہٰذا اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز ہے جیسے مالی حقوق میں اور ان کے ہاں استیفاء حدود کے لئے وکیل بنانا جائز ہے ”سیاتی بیانہ“۔

حنابلہ کے ہاں......قصاص اور حد قذف کے اثبات کے لئے وکیل بنانا جائز ہے مؤکل کی موجودگی جب بھی اور عدم موجودگی میں بھی اس لئے کہ یہ دونوں آدمیوں کے حقوق میں سے ہیں ،ا ضرورت بھی اس کی داعی ہے، اسی طرح وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جیسے حد زنا اور حد سرقہ ان کے اثبات کے لئے بھی وکالت جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حد زنا کے اثبات واستیفاء کے لئے وکیل مقرر کیا اور فرمایا ”اگر اس نے اعتراف کیا تو اسے رجم کرنا“ یہ اس بات پر دلالت ہے ک وہ پہلے ثابت نہ تھا، آپ نے انہیں اثبات واستیقاء کے لئے مقرر کرنا وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے حدود کو شبہات کی وجہ سے دور کرنے میں۔

حدود نافذ کرنے کے لئے وکیل مقرر کرنا......ائمہ اربعہ کا اس بات میں اتفاق ہے کہ حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ حدود اللہ اور قصاص کے نفاذ کے لئے وکیل بنائے، البتہ اتنی بات ہے کہ صحت وکالت عدم موجودگی مؤکل مجلس استیفاء میں اختلاف ہے یہاں تمام مذہب کی تفصیل وذکر کروں گا۔

امام ابوحنیفہؒ اور محمد رحمہ اللہ کے ہاں......صاحب حق کی طرف سے ان حدود کے نفاذ کے لئے جو دعویٰ کی محتاج ہیں جیسے حد قذف اور حد سرقہ میں اگر مؤکل حاضر ہوا اور اس کا وکیل بھی حاضر ہو تو اس کے نفاذ کے لئے وکیل بنانا درست اور جائز ہے اس لئے کہ ہر ایک اسے نافذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ضعف قلب یا ماہر نہ ہونے کی وجہ سے اور امام ابو یوسف حد قذف اور حد سرقہ کی وصولی کے لئے وکیل بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسا کہ ان کے اثبات کے لئے اجازت نہیں دیتے، ظاہر یہی ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حدود جو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہیں چاہے ان میں دعویٰ کی ضرورت ہو یا نہ ہو اس میں وکیل بنانے کے کوئی معنی نہیں، اس لئے کہ والی امر اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والا ہے ان کا نافذ کرنا ضروری ہے اور جس پر جنایت کی گئی ہے اس کا اس مین کوئی کام نہیں۔

اور اگر مقذوف اور مسروق نفاذ کے وقت غائب ہوں تو اس میں مشائخ حنفیہ کے ہاں اختلاف ہے۔

بعض کے ہاں وکالت درست ہے اس لئے کہ عدم جواز تو معافی اور صلح کی وجہ سے ہے اور یہاں یہ احتمال نہیں اس لئے کہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچ گیا ہے اور حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہو گیا ہے اگر مسروق معاف بھی کر دے اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور بعض کے ہاں یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے ان کی عدم موجودگی میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے کہ حدود شبہات کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں اور مؤکل کا غائب ہونا شبہ ہے اگر

وہ نفاذ حد کے وقت حاضر ہوا گر چہ معاف کرنے اور صلح کا تو وہ مالک نہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ قاذف کی تصدیق کردے اور شاید چور کے بارے میں دعویٰ خارج کرلے لہٰذا شبہ کے ساتھ نفاذ جائز نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مؤکل کی عدم موجودگی میں حد نافذ کرنا جائز نہیں۔

تعزیر.....حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تعزیر کے اثبات اور نفاذ کے لئے بنانا جائز ہے اور باقی مذاہب کا بھی اتفاق ہے، وکیل نافذ کرے گا چاہے مؤکل حاضر ہو یا غائب اس لئے کہ تعزیر آدمی کا حق ہے شبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

قصاص کے لئے وکیل.....اگر مؤکل حاضر ہے تو جائز ہے اس لئے کہ کبھی وہ نافذ کرنے پر قادر نہیں ہوتا لہٰذا وکیل کی ضرورت ہے اور اگر غائب ہے تو وکیل بنانا جائز نہیں اس لئے کہ معافی ممکن ہے اگر حاضر ہو لہٰذا شبہ کے ساتھ نفاذ قصاص جائز نہیں۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے نفاذ کے متعلق اس کا خلاصہ یہ کہ نفاذ کے وقت مؤکل کی عدم موجودگی میں وکالت درست نہیں۔ الخ۔

مالکیہ کے ہاں.....حدود و قصاص میں مؤکل کی موجودگی و عدم موجودگی دونوں حالتوں میں وکیل بنانا جائز ہے۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر مذہب کے مطابق مؤکل کی موجودگی و عدم موجودگی میں حدود قصاص کا وکیل بنانا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر یہ اعتراف کرے تو رجم کرنا دوسرے دن انیس گئے اور اس نے اعتراف کیا، آپ نے رجم کیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کا حکم فرمایا صحابہ نے رجم کیا حضرت عثمان نے حضرت علی کو ولید بن عقبہ پر حد خمر قائم کرنے کا وکیل بنایا اور حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اس کا وکیل بنایا انہوں نے انکار کردیا پھر آپ نے عبداللہ بن جعفر کو وکیل بنایا انہوں نے حد قائم کی، نیز حاجت و ضرورت بھی اس کی داعی ہے۔

بعض حنابلہ کا مذہب حنفیہ کی طرح ہے کہ قصاص اور حد قذف مؤکل کی عدم موجودگی میں جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے وہ معاف کردے یہ احتمال شبہ ہے جو نفاذ سے روکتا ہے، نیز معاف کرنا پسندیدہ ہے جب حاضر ہو تو شاید رحم کرے ان پر ہاں ظاہر مذہب حنابلہ کا پہلی ہی رائے ہے اس لئے کہ جس کا نفاذ مؤکل کی حاضری میں جائز ہے وہ عدم موجودگی میں بھی جائز ہے جیسے حدود اور سارے حقوق اور معاف کرنا بعید ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ معاف کرے تو اس کا وکیل زیادہ جانتا ہے اور اصل معاف نہ کرنا ہے لہٰذا اس کا اثر نہیں ہوگا۔

شوافع کا ہاں.....مؤکل حاضر ہو یا غائب قصاص، حد قذف اور دوسرے مالی حقوق وغیرہ کے نفاذ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح حاکم کا حقوق اللہ کے نفاذ کے لئے بھی وکیل بنانا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت انیس، اور ماعز اور عثمان کا واقع گذرا۔

خلاصہ.....مالکیہ شوافع اور حنابلہ مؤکل کی عدم موجودگی میں بھی نفاذ کی اجازت دیتے ہیں حنفیہ نہیں دیتے۔

گناہ اور حرام چیزوں میں وکیل بنانا جائز نہیں جیسے ظہار کیونکہ یہ گناہ اور منکر ہے۔ کسی چیز کے غصب کے لئے چوری اور کفارہ کے ارتکاب کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں اس لئے کہ گناہوں اور حرام چیزوں کا حکم مرتکب کے ساتھ خاص ہے صرف اسی سے پوچھا جائے گا۔

دوسرا حکم.....حقوق العباد میں وکیل بنانا.....حقوق العباد کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس کا نفاذ شبہ کی وجہ سے جائز نہیں، جیسے قتل یا اعضاء کا قصاص، اور ایک قسم وہ ہے جس کا نفاذ شبہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ پہلی قسم کا حکم پہلے معلوم ہو چکا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس کے اثبات کے لئے وکیل بنانا درست ہے اور مؤکل کی عدم موجودگی میں نفاذ بذریعہ وکیل جائز نہیں کیونکہ معافی مؤکل کی موجودگی میں ممکن ہے لہٰذا شبہ ہے اور حدود شبہات ختم کی جاسکتی ہے۔

اور دوسری قسم جس کا نفاذ شبہ کے ساتھ بھی جائز ہے قصاص کے علاوہ، دیون اور دوسرے سارے حقوق ہیں اس میں وکیل کے لئے جائز ہے کہ معافی کے شبہ کے باوجود ادائیگی کرے اس قسم کا حکم یہ ہے کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے اثبات اور نفاذ کے لئے وکیل بنانا

درست ہے اور دلیل لوگوں کی ضرورت ہے اس لئے کہ ہر ایک مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا اور صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وکیل بنا کر بھیجا ان کے بوڑھا ہونے کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ خصومت دشوار اور بڑا کام ہے اور اس موقع پر شیطان حاضر ہوتا ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کے حاضر ہوں۔'' البتہ حنفیہ مدمقابل اور فریق ثانیہ کی رضامندی اور اثبات دیون اور تمام حقوق کے لئے شرائط میں اختلاف رکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں: جب تک مؤکل مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو تو خصومت کی وکالت لازم نہیں۔

ہاں اگر فریق ثانی راضی ہو یا مؤکل بیمار ہو یا مسافت سفر کی مقدار مسافر ہو یا اپنا دعویٰ صحیح طرح نہ پیش کر سکتا ہو یا عورت ہو یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو اور قاضی مسجد میں ہو یا عورت مردوں کی محفل میں نہ جاتی ہو یا خصومت کے بعد جواب نہ دیتی ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ مذکورہ صورتوں کے علاوہ فریق ثانی کو اختیار ہے کہ وہ وکیل کو محاکمہ سے روکے جبکہ مؤکل مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو، اس لئے کہ حکم کی مجلس میں حاضر ہونا اور مخاصمت کرنا یہ اس کے فریق کا حق ہے، لہٰذا فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر اس کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں جیسے کہ دین میں۔

خلاصہ...... یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خصم کی رضامندی کے بغیر وکالت کی اجازت نہیں دیتے اگر مؤکل کو مجلس قضاء میں حاضر ہونے سے عذر نہ ہو ہاں اگر مؤکل حاضر ہو پھر بلا اختلاف وکالت جائز ہے۔

صاحبین اور باقی آئمہ کے ہاں...... حقوق کے مطالبہ اثبات، اور ان کے اندر فیصلہ کے لئے وکیل بنانا جائز ہے چاہے مؤکل حاضر ہو یا غائب، صحیح ہو یا بیمار اگرچہ خصم راضی نہ بھی ہو بشرط یہ کہ وکیل خصم کا دشمن نہ ہو، اس لئے کہ مذکورہ حق ہے اور اس میں نیابت جائز ہے لہٰذا مؤکل کو اجازت ہے کہ وہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر بھی نائب بنا سکتا ہے جیسے اپنے بیمار یا غیر حاضر ہونے کی صورت میں، نیز صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس وکیل بنا کر بھیجنا۔ اور فرمایا خصومت کے لئے ہلاکت ہے اور شیطان اس وقت حاضر ہوتا ہے اور میں اس میں حاضری کو ناپسند کرتا ہوں، نیز ضرورت بھی خصومات میں وکالت کی داعی ہے۔ اس لئے کہ کبھی اس کا حق ہوتا ہے اور وہ دعویٰ دائر کرتا ہے لیکن بحث صحیح طرح نہیں کر سکتا یا اپنے آپ کو اس میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ مالکیہ نے اس حالت کو جب مؤکل اور اس کا فریق مخالف تین دفعہ یا اس سے زیادہ قاضی کے پاس بیٹھے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس وقت اسے وکیل بنانا جائز نہیں سوائے عذر کے جیسے مرض وغیرہ، حنابلہ نے دو شرطیں لگائی ہیں وکالت کے لئے۔

۱... کہ وکالت اس شخص کی نہ کی جائے جس کا ظالم ہونا معلوم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ النساء: ۴/ ۱۰۵

خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔

۲...... کہ وکیل اثبات حق یا نفی حق میں خصومت اس وقت تک نہ کرے جب تک مؤکل کی حقیقت کا پتا نہ چلے۔

حنفیہ کے ہاں فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ وکالت کا معاملہ حکم کے سپرد ہے اگر قاضی فریق مخالفت کی طرف سے تعنت وہٹ دھرمی پائے تو اس کی رضا کے بغیر وکالت قبول کرلے اور اگر مؤکل کی طرف سے فریق مخالف کا نقصان دیکھے تو قبول نہ کرے۔

گواہی کے لئے وکالت...... جائز نہیں اس لئے کہ گواہی کا تعلق عینی شاہد سے ہے، اس لئے کہ وہ دیکھی گئی یا سنی گئی چیز کی خبر ہے اور یہ مفہوم وکیل پر صادق نہیں آتا، اسی طرح نذر اور قسم میں وکیل بنانا صحیح نہیں، اس لئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہے یہ عبادت محضہ

کے مشابہ ہیں اور ان کا تعلق حلف اٹھانے والے اور نذر ماننے والے کے ساتھ ہے، اسی طرح ایلاء، لعان اور قیامت میں وکالت جائز نہیں کیونکہ یہ قسمیں ہیں۔

وکالت بالخصومت میں اقرار کا وکیل بنانا......حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں جائز ہے اس طرح کہے کہ میں تمہیں وکیل بناتا ہوں میری طرف سے فلاں کو کہے فلاں چیز کا اقرار کرو، اور وکیل کہے فلاں کی طرف سے میں فلاں چیز کا اقرار کرتا ہوں، اس لئے کہ یہ اقرار اثبات حق فی الذمہ ہے لہٰذا بیع کی طرح اس میں وکیل بنانا بھی جائز ہے۔

شوافع کے ہاں اُصح یہ ہے کہ اقرار کا وکیل بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک حق کی خبر دینا ہے، لہٰذا شہادت کی طرح یہ وکالت کو قبول نہیں کرتا۔ جمہور اقرار کو شہادت پر قیاس کرنے کو رد کیا ہے کہ یہاں فرق ہے اس لئے کہ شہادت حق ثابت نہیں کرتی بلکہ ثبوت حق کی خبر ہے اس کے علاوہ باقی چیزوں میں وکیل بنانا جائز ہے قرض وصول کرنے کا، اس لئے کہ مؤکل کبھی کبھار خود وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتا تو دوسرے کو وکیل بنانے کا محتاج ہوتا ہے، جیسے بیع وشراء اور باقی تصرفات کا وکیل ہاں بیع سلم کے رأس المال اور بیع صرف کا بدل وصول کرنے کی وکالت تب جائز ہے جب مجلس عقد میں ہو نہ خارج المجلس، اس لئے کہ مؤکل خود اس میں قبضہ کا مالک ہے اس کے غیر میں نہیں اور قبضہ سے مدیون بری ہو جائے گا۔ اور قرض ادا کرنے کا وکیل بنانا بھی جائز ہے، اس لئے کہ مؤکل خود ادا کرانے کا مالک ہے اور کبھی خود ادا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح دین سے بری کرنے کی وکالت بھی جائز ہے، اس لئے کہ جب قرض کے اثبات اور وصول کے لئے وکیل بنانا جائز ہے تو اس سے بری کرنے کا وکیل بنانے بھی جائز ہے۔ طلبِ شفعہ، عیب کی وجہ سے واپس کرنے اور تقسیم کا وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ ان حقوق کو آدمی خود بھی ادا کرسکتا ہے لہٰذا غیر کو سپرد کرنا بھی جائز ہے۔

اور نکاح، خلع، دم عمد سے صلح، انکار سے صلح وغیرہ کا وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ ان کا خود مالک ہے دوسرے کو مالک بنانا بھی جائز ہے اور اسی طرح ھبہ، صدقہ، عاریت، ودیعت، عاریت طلب کرنے، رہن کھڑانے، اور ہبہ طلب کرنے کا وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ اسی طرح شرکت ومضاربت کا وکیل بنانا، قرض لئے دینے کا ہاں قرض لینے کا وکیل تب درست ہوا جب وہ کہے کہ مجھے فلاں نے بھیجا ہے کہ قرض لو، اس صورت میں یہ قاصد ہوگا وکیل نہ ہوگا جیسے طلاق، اجارہ استجارہ کا وکیل بنانا درست ہے اسی طرح صلح اور بری کرنے کا بنانا بھی درست ہے سلم اور صرف کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اس لئے کہ وہ ان کا خود مالک ہے لہٰذا غیر کو سپرد کرنے کا بھی مالک ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں بدل پر قبضہ کرے۔

یہ جتنے بھی عقود ذکر ہوئے ان میں سے بعض وہ ہیں کہ وکیل ان کو اپنی طرف منسوب نہیں کرسکتا، بلکہ مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک نکاح ہے وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے میں اپنے مؤکل کے لئے قبول کرتا ہوں یا میں اپنی فلاں موکلہ کا نکاح کرواتا ہوں اگر اس نے کہا میں قبول کرتا ہوں یا اپنے لئے قبول کرتا ہوں تو اس کا اپنا نکاح ہوگا۔ مؤکل کا نہیں ہوگا، اور ان میں سے ایک ہبہ ہے وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے میرے مؤکل نے ہبہ کیا ہے، اگر اس نے کہا میں ہبہ کرتا ہوں تو ہبہ درست نہیں ہوگا ان میں سے ایک دم عمد سے صلح اور انکار سے صلح بھی ہے اگر کسی شخص نے دوسرے پر سو درہم کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے انکار کردیا پھر سو یہ صلح کا وکیل بنایا تو وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے ”کہ میں فلاں کے لئے سو پر صلح قبول کرتا ہوں، ورنہ صلح درست نہ ہوگی یہ صلح اقرار کے خلاف ہے کیونکہ اس میں وکیل اور موکل دونوں کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے، ان میں سے صدقہ ہے اگر وکیل بنایا کہ میرے مالی اتنا صدقہ کردو تو وکیل کے لئے مناسب ہے کہ وہ مؤکل کی طرف نسبت کرے ورنہ اس کے اپنے مال سے ہوگا، اور ان میں سے ودیعت، عاریت رہن، شرکت، اور مضاربت بھی ہیں ان میں بھی مؤکل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ..... ہر وہ عقد جسے انسان خود کرسکتا تو اس میں دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ان کو فسخ کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے جب عقد کے لئے جائز ہے تو فسخ لئے بطریق اولیٰ۔

مباح چیزوں کے مالک بننے اور حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا..... جیسے بے آباد زمینوں کو آباد کرنے، پانی بھرنے، شکار کرنے، گھاس کاٹنے اور خزانے نکالنے کے لئے وکیل بنانا حنفیہ کے ہاں جائز نہیں اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز وکیل کو حاصل ہوئی تو وہ وکیل کی ہوگی مؤکل کا کچھ بھی نہیں۔ ہاں مالکیہ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں اظہر یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ مال کا مالک بنانا ہے ایسے سبب سے جو متعین نہیں لہٰذا اس میں وکیل بنانا جائز ہے بیع وغیرہ کی۔

وکیل بالخصومت..... جیسے آج کل مقدمات کا وکیل بنانا جیسے لوگوں کے حقوق ہیں وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے حضرت عقیل کو وکیل بنایا اور عبداللہ بن جعفر کو وکیل بنایا، کیونکہ اس کی ضرورت ہے کہ آدمی اپنے حقوق کا دفاع نہیں کرسکتا یا خود مقابل بنانا ناپسند کرتا ہے۔

بیع وشراء کا وکیل بنانا..... بغیر کسی اختلاف کے فقہاء کے ہاں جائز ہے اس لئے کہ ان دونوں کا مؤکل خود مالک ہے لہٰذا دوسرے کو حوالے کرنے کا بھی مالک ہے، البتہ توکیل بالشراء کے لئے شرط یہ ہے کہ جہالت کثیرہ سے خالی ہو جبکہ وکالت خاص ہو۔اور حنفیہ کے ہاں وکالت بالشراء کی دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

وکالتِ عامّہ..... یہ ہے کہ مؤکل کہے میرے لئے خرید و جو چاہو یا جو بھی کپڑے تم چاہو یا جو بھی گھر تم چاہو تو یہ جہالت کثیرہ کے ساتھ بھی درست ہے اس میں نوع، صفت اور ثمن نہ بھی بیان کئے جائیں اس لئے کہ رائے اسے تفویض کی ہے لہٰذا جہالت کثیرہ کے ساتھ بھی درست ہے جیسے عقد مضاربت، مالکیہ بھی حنفیہ کے موافق ہیں، وکالت عامہ میں اور اس میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جن میں نائب بنانا درست ہے یعنی نکاح، طلاق، جس کی ضرورت بھی نہیں۔

وکالت خاصہ..... یہ کہ مؤکل کہے میرے کپڑا، گھر یا جواہرات یا بکری وغیرہ خرید واب قیاس اور استحسان جہالت کے بارے میں متنازع ہیں: قیاس: کا تقاضا ہے کہ صحیح نہیں ہونا چاہئے چاہے جہالت قلیل ہو یا کثیر، لہٰذا جنس نوع، صفت اور مقدار ثمن بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ بیع وشراء تھوڑی جہالت کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوتے لہٰذا ان کی وکالت بھی درست نہیں جہالت کے ساتھ۔

استحسان..... یہ کہ تھوڑی جہالت کا اثر نہیں ہوتا بلکہ جہالت کثیرہ اثر انداز ہوتی ہے وکالت میں، اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام کو دینار دیئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے'' اگر جہالت قلیلہ مانع ہوتی وکالت سے تو آپ علیہ السلام ایسا نہ کرتے اس لئے کہ صفت کی جہالت جانور اور ثمن کی مقدار ذکر کرنے سے ختم نہیں ہوئی نیز وکالت میں جہالت قلیل جھگڑے کا باعث نہیں بنتی اس لئے کہ وکالت مسامحہ پر مبنی ہے۔

جہالت قلیلہ کا ضابطہ..... یہ کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا اور وہ ایک ہی قسم ہے اور اس میں دو چیزوں میں سے ایک چیز ذکر کردی یعنی صفت یا مقدار ثمن تو یہ جہالت قلیلہ ہوگی۔ اگر وہ کئی قسم کی چیزیں ہیں یا مختلف انواع کے حکم میں ہو تو جہالت کثیرہ ہے تو اس میں وکیل بنانا جائز نہیں جب تک اس کی نوع ذکر نہ کرے صرف مقدار ثمن یا صفت سے کام نہیں چلے گا۔پس جہالت یسیرہ وہ ایک نوع کی جہالت ہے جس کے احاد میں تفاوت نہیں۔

جہالت کثیرہ..... دو جنس کی جہالت ہے اس بناء پر حنفیہ وکالت میں ایسے غرر کو معاف قرار دیتے ہیں جو بیع میں معاف نہیں ہوتا یہاں

جس جہالت کا اعتبار کرتے ہیں وہ وہ ہے جو زیادہ ہو اور صحت بیع کے مانع ہو۔

جہالتِ قلیلہ کی مثالیں یہ ہیں...... جب مؤکل وکیل کو کہے میرے لئے انگریزی، ھندی یا جاپانی روئی خریدو تو یہ وکالت درست ہے، کیونکہ صفت بیان کی ہے، یا کہے میرے لئے ایک ہزار ''لیرے'' کی روئی خریدو، تو وکالت صحیح ہے اس لئے کہ مقدار ثمن بیان کردی، اگر کہا میرے لئے گدھا یا خچر یا گھوڑا یا اونٹ خریدو، اس میں صفت اور ثمن نہ بیان کئے تو بھی وکالت درست ہے اس لئے کہ نوع معلوم ہے یہ افراد کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی اور صفت بھی معلوم ہے مؤکل کی حالت کے مطابق، اور اگر کہا، میرے لئے بکری یا گائے خریدو، نہ صفت ذکر کی، نہ ثمن تو وکالت صحیح نہیں اس لئے کہ بکری اور گائے مؤکل کی حالت کے مطابق معلوم نہیں لہٰذا بیان کرنا ضروری ہے۔

جہالت کثیرہ کی مثالیں...... جب مؤکل وکیل سے کہے: کہ میرے لئے جانور یا کپڑا یا سواری یا زمین یا جواہر یا گندم یا گھر وغیرہ خریدو تو وکالت درست نہیں کیونکہ جہالت کثیرہ ہے اس لئے کہ ان میں ہر ایک چیز کا نام مختلف انواع پر بولا جاتا ہے، ''ثوب'' مثلاً ریشمی کپڑے، روئی، سوتی، اونی سب یہ بولا جاتا ہے، لہٰذا متعین نوع کا ذکر کرنا ضروری ہے بایں طور کہ میری لئے دمشق کا بنا ہوا روئی کا کپڑا خریدو یا کہے اتنے ثمن کی گندم میرے لئے خریدو، یا اتنے وزن کی۔

تیسری بحث: وکالت کے احکام...... جب وکالت صحیح ہو تو اس کے لئے احکام ہیں بعض وکیل کے تصرفات سے متعلق میں اور بعض وکالت بالبیع والشراء سے اور قبضہ کی حالت سے کہ ضمان ہے یا امانت۔

پہلا حکم: وکیل کا تصرف...... وکالت پر وکیل کے تصرف کی ولایت کا ثبوت مرتب ہوتا ہے، میں یہاں ذکر کروں گا وکالت کی اقسام جن میں وکیل تصرف کرسکتا ہے اور جن میں نہیں کرسکتا۔

ا۔ وکیل بالخصومت (محامی)

الف: اقرار کی صلاحیت...... وکیل بالخصومت یعنی قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کرنے والا آج کل جسے محامی کہا جاتا ہے یہ قصاص اور حدود کے علاوہ باقی چیزوں کے اقرار کا مالک ہے مؤکل کی طرف سے جمہور حنفیہ کے ہاں، اس لئے کہ وکیل بالخصومت مدعی کے دعوی کے جواب کا وکیل ہے حق بیان کرنے اور اسے ثابت کرنے میں نہ کہ جھگڑنے میں، اور جواب کبھی انکار ہوتا ہے اور کبھی اقرار ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے یہ قید لگائی ہے کہ اقرار قاضی کی مجلس میں ہونا چاہئے، امام ابو یوسف نے یہ قید نہیں لگا وہ قاضی کی مجلس اور اس کے علاوہ بھی اقرار کی اجازت دیتے ہیں۔

امام زفرؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے ہاں...... اگر وکالت مطلقہ ہو تو یہ اقرار علی المؤکل کو متضمن نہیں اگر کسی کو خصومت میں وکیل بنایا تو مؤکل پر حق کے قبضہ وغیرہ کا اقرار قبول نہ ہوگا، اس لئے کہ وکالت بالخصومت کا مطلب ہے جھگڑنا اور اقرار نام ہے صلح کا کیونکہ اس کا مطلب ہے جھگڑا ختم کرنا یہ معنی وکالت کے منافی ہے لہٰذا وکیل اس کا مالک نہیں ابراء کی طرح اور اقرار انکار سے الگ ہے کہ وہ خصومت کو ختم نہیں کرتا اور وکیل انکار کا مالک نہیں اس طور پر کہ مؤکل کو اقرار سے روکے اگر اسے اقرار کا مالک قرار دیا گیا تو پھر مؤکل انکار کا مالک نہیں ہوگا اور یہ جائز نہیں کہ وکیل حق کی مصالحت کا مالک نہ ہو اور نہ ابراء کرسکتا ہو۔ مالکیہ نے اس سے اس حالت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ جب وکیل عام ہو اور مؤکل عقد وکالت میں اقرار اس کے لئے لازم کرے اور جب مؤکل کا مخالف شرط لگائے وکیل کے لئے اقرار کی بایں طور پر کہے کہ میں تیرے وکیل کے ساتھ فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتا جب تک تو اسے اقرار کی اجازت نہ دے

منشاء اختلاف درحقیقت ایک قاعدے کی وجہ سے ہے ''کیا مطلق کلی حکم اپنی جزئیات کا تقاضا کرتا ہے یا نہ؟ حنفیہ کے ہاں مذکورہ چیزوں کا تقاضا کرتا ہے اور حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں تقاضا نہیں کرتا اس جیسے کہ جنس کو اپنی انواع میں سے کسی نوع کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں اور کسی فرد کے ساتھ اپنے افراد میں سے لہٰذا وکیل بالخصومیت کا اقرار درست نہیں اس لئے کہ لفظ من حیث الاطلاق اسے شامل نہیں اور قرینہ عرضیہ ہے کہ اگر وہ اس کی نفی نہ کرے تو وہ اس کا تقاضا بھی نہیں کرتا، اسی بناء پر حنفیہ کے علاوہ جمہور فرماتے ہیں کہ وکیل مطلق کسی چیز کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں مثلاً مؤکل وکیل سے کہے کہ یہ عین چیز فروخت کرو تو وہ اسے غبن فاحش ثمن مثل، بغیر ثمن مثل نقد ادھار فروخت نہیں کرسکتا اس لئے کہ جنس کو انواع میں سے کسی نوع کے ساتھ افراد میں سے کسی فرد کے ساتھ اختصاص نہیں بلکہ وہ صرف ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنے کا مالک ہے کیونکہ رضا یہ قرینہ عرضیہ دال ہے۔ پھر حنفیہ جو اقرار وکیل کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں اس کے صحیح ہونے کی جگہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں: وکیل کا مجلس قاضی میں اقرار کرنا درست ہے اس کے علاوہ نہیں وہ بھی حدود و قصاص کے علاوہ چیزوں میں اس لئے کہ مؤکل نے معاملہ اس کے سپرد کیا ہے، لیکن یہ مجلس قضاء میں ہوگا، کیونکہ وکالت یا تو خصومت کی یا جواب خصومت کی اور یہ مجلس قاضی کے ساتھ خاص ہیں دلیل یہ ہے کہ جواب مجلس قاضی کے علاوہ جائز نہیں۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں: وکیل کا مجلس عقد اور اس کے علاوہ بھی اقرار درست ہے، اس لئے کہ توکیل نام ہے مؤکل جس کا مالک ہے اسے سپرد کرنے کا اور مؤکل کا اقرار مجلس قاضی پر موقوف نہیں، وکیل قاضی کی طرح ہے۔

حنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے جب خصومت کا وکیل بنائے اور اقرار کو مستثنیٰ قرار دیا اور تزکیہ شہود کو تو یہ عقد درست ہے اور یہ وکیل بالانکار ہوگا اور اگر استثناء عقد مکمل ہونے کے بعد کلام منفصل کے ذریعہ ہو تو امام ابویوسف کے ہاں درست ہے اور امام محمد کے ہاں درست نہیں اور اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ والد، وصی، اور قاضی کے امین کا بچے پر اقرار صحیح نہیں۔

ب۔ قبضہ کرنے کی صلاحیت..... وکیل خصومت مال کا جب قاضی فیصلہ کرے تو یہ قبضہ کرنے کا مالک ہے۔ جمہور حنفیہ کے ہاں اور امام زفرؒ کے ہاں قبضہ کا مالک نہیں ان کی دلیل: وکیل بالخصومت کا مقصد ہے حق کی طرف راہنمائی کرنا اور وکیل بالقبض سے مقصد امانت ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی طرف راہنمائی کرے اس کا امانت دار ہونا ضروری نہیں بس وکالت بالخصومت، وکالت بالقبض نہیں۔ جمہور حنفیہؒ نے امام زفرؒ کی دلیل رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جب مؤکل نے غیر کو وکیل بالخصومت بنایا تو اسے قبضہ کے لئے امین بنایا، اس لئے کہ خصومت قبضہ کے بغیر ختم نہیں ہوتی بس خصومت کا وکیل بنانا، قبضہ کا وکیل بنانا ہوا۔ صاحب ہدایۃ نے فرمایا: آج کل فتویٰ امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر ہے، وکلاء میں خیانت کی وجہ سے اور کبھی خصومت پر اطمینان ہوتا ہے لیکن مال پر نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں: وکیل بالخصومت، قبضہ کا مالک نہیں، اس لئے کہ اسے نہ صراحتاً اجازت ہے نہ عرفاً اس لئے کہ ہر وہ شخص جس پر اثبات حق میں رضامندی ہو اس کے قبضہ پر بھی رضامندی ہو ایسا نہیں۔

ج۔ صلح اور بری کرنے کی صلاحیت..... حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل بالخصومت صلح اور بری کرنے کا مالک نہیں۔

د۔ وکیل بالخصومت کا دوسرے کو وکیل بنانا..... وکیل بالخصومت، مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، اس لئے کہ لوگ خصومت میں مختلف ہیں اور کبھی مؤکل وکیل کی رائے پر راضی ہوتا ہے نہ کہ غیر کی رائے پر۔

۲۔ قرض وصول کرنے کا وکیل..... ائمہ حنفیہ سے منقول اصل یہ ہے کہ قرض وصول کرنے والا وکیل قرض پر قبضہ کرنے کا مالک ہے اس لئے کہ وصولی قرض، قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتی لہٰذا وصول کرنے کی وکالت قبضہ کی وکالت ہے نیز وصول کرنا لغوی اعتبار سے قبضہ

کے معنی میں ہے قاموس میں ہے تقاضا الدین: قبضہ منہ۔لیکن متاخرین حنفیہ کے ہاں: دین کا تقاضا کرنے والا وکیل قبضہ کا مالک نہیں عرفاً اس لئے کہ اس زمانے میں لوگوں کے حالات خراب ہیں، وہ وکیلوں کے قبضہ پر راضی نہیں خیانت کی وجہ سے اور یہی مفتی بہ ہے عمل طور پر لوگوں کے عرف کی وجہ اور عرف قاضی ہے اصل وضع مذہب میں۔وصول دین کا وکیل غیر کو وکیل بنانے کا مالک نہیں، اس لئے کہ لوگ وصولی میں مختلف ہیں۔

۳۔دین قبضہ کرنے کا وکیل......ائمہ حنفیہ میں اس بات پر اختلاف ہے کہ دین پر قبضہ کرنے والا وکیل جب مدین انکار کرے خصومت کا مالک ہے یا نہ؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: اثبات دین کے لئے خصومت کا مالک ہے، یہاں تک کہ اگر مدین نے اس بات پر گواہ پیش کردیئے کہ مؤکل نے دین وصول کرلیا ہے یا مؤکل نے مدین کو دین سے بری کردیا ہے تو اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے دلیل یہ کہ وکیل قبضہ، وکیل مبادلہ ہے اور مبادلہ مال بالمال میں حقوق عاقد سے متعلق ہوتے ہیں جیسے بیع اجارہ وغیرہ میں کہ وہاں وکیل عاقد ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے کہ دین پر قبضہ مبادلہ ہے کہا جاتا ہے کہ دیون اپنے امثال سے ادا کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ نفس دین کا قبضہ وصولی کے بغیر متصور نہیں، نیز یہ ایک وصف ہے جو ثابت ہے ذمہ میں پس دین وصول کرنا مبادلہ کی ایک قسم ہے، اور لینا ہے عین کا جو مدین کے ذمہ میں ہے اس کے بدلے پس یہ بیع کے مشابہ ہے اور عقد بیع کے حقوق عاقد کے ذمہ ہوتے ہیں، پس جب بیع وکیل کے واسطہ سے مکمل ہوجاتی ہے اور وکیل ہی مشتری کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے تمام التزامات عقد کا مثلاً مبیع سپرد کرنا اس کا عیوب سے خالی ہونا، جیسا کہ وہ دشمن کے مطالبہ کا حق دار ہے۔

صاحبینؒ کے ہاں وکیل قبضہ کرنے والا، وکیل بالخصومت نہیں، اس لئے کہ قبضہ عین حق کو وصول کرنا ہے جو خصومت کا غیر ہے اور ہر ایک جو مال پر امانت دار ہو وہ خصومت کی طرف ہی راہنمائی کرسکتا ہو ایسا نہیں پس قبضہ کی رضامندی، خصومت کی رضامندی نہیں۔

حنفیہ کا اس بات میں اتفاق ہے کہ شئی عین کے قبضہ کا وکیل مثلاً کتاب پر قبضہ کرنے والا خصومت کا مالک نہیں، اس لئے کہ وہ امین ہے صرف اور یہاں کو مبادلہ بھی نہیں، اس لئے کہ یہ مؤکل کے عین حق کو وصول کرنے کا وکیل ہے اور قبضہ کرنا مبادلہ نہیں، یہ قاصد کے مشابہ ہوگیا اسی بناء پر اگر کسی انسان نے دوسرے کو کتاب قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو دوسرے نے گواہ پیش کردیئے کہ مؤکل نے اسے فروخت کیا ہے تو مؤکل کی حاضری تک موقوف ہوا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مدین کو دین پر ابھارنے کا وکیل، دن پر قبضہ کرنے اور خصومت کا مالک نہیں۔اس طرح حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ اس بات پر بھی متفق ہیں وکیل بالخصومت وکیل قبضہ بھی ہے، اس لئے کہ جو کسی چیز کا مالک ہو تو اس کے مکمل کرنے کا بھی مالک ہوتا ہے اور خصومت، قبضہ سے مکمل ہوتی ہے، اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ وہ قبضہ کا وکیل نہیں، اس لئے کہ مؤکل اس کی خصومیت پر راضی ہے اور قبضہ الگ چیز ہے اس سے وہ راضی نہیں اور فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر ہے وکلاء خائن ہیں۔رہ گیا وکیل طلب شفعہ یا کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا یا تقسیم کا یہ بالاتفاق خصومت کا مالک ہے، اس لئے کہ شفعہ والا وکیل، وکیل مبادلہ ہے اس لئے کہ شفعہ کے طور پر لینا خریدنے کے مترادف ہے اسی طرح عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور تقسیم کرنا میں بھی مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا ان میں خصومت ان کے حقوق میں سے ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں: قبض دین کا وکیل بالعین کا وکیل خصومت کا بھی وکیل ہے اس کے ثابت کرنے میں دو میں سے ایک وجہ سے، اس لئے کہ قبضہ اثبات کے بغیر نہیں ہوسکتا لہٰذا عرفاً اس کی اجازت ہے، نیز قبضہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ وکیل بالخصومت نہیں، اس لئے کہ قبضہ کی اجازت اثبات کی اجازت نہیں نہ قولی طور پر نہ عرفی طور پر اس لئے کہ عرف میں ایسا نہیں کہ جس کے قبضہ پر رضامندی ہو اس کے اثبات پر بھی رضامندی ہو، اسی طرح ان کے ہاں طلب شفعہ اور تقسیم میں بھی دو صورتیں ہیں۔اور ظاہر یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے دوسری شوافع کے ہاں درست ہے اور پہلی حنابلہ کے ہاں۔

حنفیہ کے ہاں وکیل قبضہ کے لئے کچھ اور احکام بھی ہیں...... ان میں سے وکیل قبضہ کا کسی دوسرے کو وکیل بنانا عام مکروہ ہے کہ وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو وکیل بنائے، مؤکل کی اجازت کے بغیر یا اس کے یہ کہنے کے بغیر اپنی رائے پر عمل کرو، اس لئے کہ مؤکل اس کی رائے پر راضی ہے اور صرف اس کو امانت پر اور رائے اور امانت میں لوگ مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود ہم حنفیہ کے ہاں وکالت کو دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں اس قاعدہ کا انصاف وکالت عامہ، وکالت خاصہ: اگر وکالت عامہ ہو تو وکیل دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے اور اگر وکالت خاصہ ہو تو وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

وکالت عامہ اور خاصہ کی پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود اگر وکیل نے دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل ثانی نے قبضہ کر لیا تو مدیون دین سے بری نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کا قبضہ کا وکیل بنانا صحیح نہ تھا، تو اس کا قبضہ اور اجنبی کا قبضہ برابر ہے ہاں جو کچھ اس نے قبضہ کیا وہ وکیل اول کے پاس پہنچ جائے پھر مدیون دین سے بری ہوگا، اس لئے کہ مؤکل کے نائب کے قبضہ میں آ گیا۔ اگر قابض کے ہاتھ میں وہ چیز ہلاک ہوگئی وکیل اول کے پاس پہنچنے سے پہلے تو قابض مدیون کے لئے ضامن ہوگا، اور دائن پر لازم ہے کہ وہ مدیون سے دین وصول کرلے اس لئے کہ قبضہ کی وکالت درست نہ تھی، جب اس سے اس نے لے لیا تو جسے مدیون نے دیا تھا اس پر رجوع کرے گا، اور یہ رجوع کرے گا وکیل اول پر اس لئے کہ اس کی جانب سے دھوکے کی وجہ سے یہ ضامن ہوا لہٰذا اس پر رجوع کرے گا۔

مالکیہ کے ہاں...... وکیل کو دوسرا وکیل بنانے کی اجازت نہیں ہاں اگر وکیل کے لائق وکالت نہیں مثلاً وہ وجیہہ ہے اور مؤکل بہ چیز حقیر ہے تو پھر اس صورت میں وہ وکیل بنا سکتا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا مؤکل کی اجازت کے بغیر جب تک وہ اس پر قادر ہے ہاں اگر وہ قادر نہ ہو تو پھر وکیل بنا سکتا ہے۔

دین کے بدلہ عوض لینا...... قبض دین کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دین کی جگہ ہے عین وصول کر لے اس لئے کہ یہ معاوضہ شمار ہوتا ہے اور عقد معاوضہ کی وکیل بالقبض میں صلاحیت نہیں، اس لئے کہ وہ حق کے قبضہ کا وکیل ہے نہ کے غیر کا نہ تبدیل کرنے کا نہ عوض لینے کا۔

دو آدمیوں کو دین وصول کرنے کا وکیل بنانا...... اگر کسی نے دو آدمی دین وصول کرنے کے لئے وکیل بنائے تو ان میں سے ایک قبضہ نہیں کر سکتا دوسرے کے بغیر، اس لئے کہ مؤکل ان دونوں کی رائے پر راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے پر، اگر ایک نے قبضہ کر لیا تو مدین بری نہ ہوگا جب تک دوسرے کے قبضہ میں وہ نہ آ جائے اور شئی مقبوض دونوں کے قبضہ میں آ جائے، یا مؤکل تک پہنچ جائے اس لئے کہ قبضہ کا مقصود حاصل ہو گیا گویا شروع سے دونوں نے قبضہ کیا۔

عیب دار چیز پر قبضہ کرنا...... اگر قبض دین کے وکیل نے عیب دار چیز قبضہ کر لی تو جس طرح مؤکل کو واپس کرنے کا اختیار ہے اسی طرح وکیل کو بھی ہے۔

دین وصول کرنے میں غائب کی طرف سے دعویٰ وکالت...... اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب کی جانب سے دین قبضہ کرنے کا وکیل ہے مدین نے تصدیق کر دی تو اسے دین دینے کا حکم دیا جائے گا، اس لئے کہ مدین کا تصدیق کرنا اپنے اوپر دین کا اقرار کرنا ہے اور جو اپنے اوپر کسی چیز کا اقرار کرے تو اسے مقرلہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا، اس صورت میں جب قرض خواہ حاضر ہوا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو فبہا ونعمت، اگر تصدیق نہ کی تو پھر یہاں تین صورتیں ہیں۔

ایک صورت...... اگر مدین نے وکیل کی تصدیق کر کے دین اسے دے دیا تھا تو پھر وہ دوسری دفعہ اس کو دین ادا کرنے گا، اس لئے کہ

جب دائن نے انکار کر دیا وکالت کا تو اس کے لئے حق وصول کرنا ثابت نہ ہوا اور انکار وکالت میں دائن کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ دین ثابت شدہ ہے اور مدیون ایک عارضی چیز کا اقرار کر رہا ہے کہ اس نے وکیل کو ادا کر دیا اور دائن وکالت کا انکار کر رہا ہے اور قول منکر کا قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے جب وصولی ثابت نہ ہوئی تو وکیل کو دینا فاسد ہوگیا دوسری دفعہ دائن کو دینا واجب ہے پھر وہ رجوع کرے مدعی وکالت پر اگر مال اس کے پاس باقی ہو، اس لئے کہ دین کی غرض وکیل کو ادا کرنے سے ذمہ سے بری ہونا ہے اور یہ برأۃ حاصل نہ ہوئی، مدیون کو حق ہے کہ وہ وکیل کی وکالت توڑ دے اور اگر وہ چیز اس کے پاس سے ضائع ہوگئی ہو تو مدیون وکیل پر رجوع نہیں کرے گا، اس لئے کہ مدین نے وکیل کی تصدیق کر کے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وکیل قبضہ کرنے میں حق پر ہے اور قبضہ میں حق دار سے رجوع نہیں کیا جاتا، نیز مدیون نے دوسری مرتبہ دے کر یہ اعتراف کیا کہ وہ مظلوم ہے اور مظلوم غیر پر ظلم نہیں کرتا۔

لیکن اگر مدعی وکالت نے کہا کہ میں فلاں غائب کی جانب سے ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں جو تمہارے پاس ہے''ودیع'' نے اس کی تصدیق کر دی پھر اسے سپرد کرنے کا حکم ہوگا، اس لئے کہ اس نے غیر کے مال کا اقرار کیا ہے برخلاف دین کے اس لئے کہ دین حق شخصی ثابت فی الذمہ ہے۔

پس مدیون کو لازم ہوگا جب مدعی کی تصدیق کر دے کہ وہ سپرد کرے اقرار پر عمل کرتے ہوئے اور ودیعت کی صورت میں مدعی وکالت کے سپرد کرنا لازم نہیں اس لئے کہ مودع کا حق حق عینی ہے وہ ملکیت جو عین کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا اس کے اقرار پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غیر کا حق ہے۔

دوسری صورت......اگر مدین نے مدعی وکالت کی تصدیق کی اس سے ضامن قرار دیتے وقت بایں طور کہا کہ مجھے ضمانت دو کہ آپ اسے دائن کو دو گے اگر دائن نے مجھ سے مال لیا تو میں تم سے واپس لوں گا، تو اس صورت میں مدیون وکیل سے رجوع کرے گا اس لئے کہ دائن نے جو دوسری مرتبہ مدین سے لیا ہے تو وہ اس کا ضامن ہے وکیل اور مدیون کے زعم کے مطابق اس لئے کہ دائن دوسری مرتبہ لینے میں غاصب شمار ہوتا ہے ان کی نظر میں گویا یہ مدعی وکالت کی طرف سے کفالت ہے جیسے وہ کہے میں تمہاری طرف سے ضامن ہوں جو کچھ تم سے فلاں نے قبضہ کیا ہے، اور یہ کفالت صحیح ہے اس لئے کہ یہ اس کفالت کی طرح ہے جو مستقبل کی طرف مضاف ہو۔

تیسری صورت......جب مدعی، مدعی الوکالت کی تکذیب کرے یا نہ تصدیق کرے نہ تکذیب اس کے باوجود دین اسے دے دے تو اس صورت میں دائن مدیون پر اور مدین وکیل پر رجوع کرے گا اس لئے کہ اس کی تکذیب کی صورت میں وکیل غاصب ہوگا اور مغصوب منہ کو غاصب پر رجوع کا حق ہے اور جس صورت میں اس نے تکذیب کی نہ تصدیق تو اس امید پر مال دیا کہ شاید صاحب المال اس کی اجازت دے دے جب امید ختم ہوگئی تو مدین وکیل سے رجوع کرے گا۔

۴۔**وکیل بالبیع**......یا تو مطلق تصرف کا ہوگا یا مقید، اگر اس کا تصرف مقید ہو تو اس میں قید کی رعایت رکھی جائے گی بالاتفاق، جب وہ اس کی قید کی مخالفت کرے تو اس کا تصرف مؤکل پر نافذ نہیں ہوگا، ہاں اس کی اجازت پر موقوف ہوگا یا مخالفت خیر کی وجہ سے ہو اس لئے وہ حق پر ہے اس کی وضاحت مثال سے یہ ہے کہ مؤکل کہے میرا یہ باغ ایک ہزار لیرۃ کا فروخت کرو تو اس نے ایک ہزار سے کم پر فروخت کر دیا تو یہ نافذ نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ شر کی جانب ہے اور اگر ایک ہزار سے زیادہ کا فروخت کر دیا تو یہ بیع نافذ ہوگی کیونکہ یہ مخالفت خیر کے لئے ہے، اور جب نقد فروخت کرنے پر وکیل بنایا اس نے ادھار فروخت کیا تو نافذ نہ ہوگا، بلکہ مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اگر ادھار فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے نقد فروخت کیا تو نافذ ہے اور اگر کسی خاص جگہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا کیونکہ وہاں عمدہ اور زیادہ ثمن ملتے ہیں تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس جگہ کے علاوہ فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے اس کی غرض فوت ہو جائے گی، اور حنفیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہے

اگر نفی مؤکد کی اور کہا فلاں بازار کے علاوہ نہ فروخت کرنا اور اگر کسی خاص وقت میں فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس وقت میں فروخت کرنا لازم ہے اس لئے کہ اس وقت میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی اور اگر کسی خاص آدمی کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس کے علاوہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، اور اگر سو روپے کا فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو اس سے کم میں فروخت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ مقدار فوت ہو جائے گی اور اس کی اجازت کی بھی مخالفت ہے۔ اور اگر وکیل مطلق التصرف ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اطلاق پر عمل کرے گا لہٰذا جتنے کا بھی فروخت کرے جائز ہے اور اگرچہ غبن فاحش سے بھی اور ثمن عین ہوں یا دین، دلیل یہ کہ اصل یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا اس کو بغیر دلیل کے مقید کرنا جائز نہیں لہٰذا جس چیز پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے اس کو شامل ہوگی اور عرف پر اعتماد نہ ہوگا اس لئے کہ عرف متعارض ہے اور متعارض عرف کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں۔

صاحبین کے ہاں اور یہی امام طحاوی نے لیا ہے اور یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کہ بیع مطلق کے وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ فروخت کرے الا یہ کے شہر میں رائج نقود کے ذریعہ اور مثل قیمت پر اور اسی طرح جس میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں، عادۃً اس طرح فروخت کرنا اور مایتغابن الناس کی مقدار طحاوی رحمہ اللہ کے ہاں دسویں کا نصف اور اس سے کم امام محمد نے جامع صغیر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے، ان کی دلیل کہ وکالت بیع مطلق کی متعارف کی طرح راجح ہوگی اور غیر رائجہ نقود اور غبن فاحش کے ساتھ بیع متعارف نہیں، بلکہ متعارف نقود اور ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنا ہے، لہٰذا اطلاق عرف سے مقید ہوگا جیسا کہ وکالت بالشراء میں ہے۔ اور صحیح غبن فاحش، اور غبن یسیر کی مقدار وہ ہے جو امام محمدؒ نے نوادر میں ذکر کی ہے کہ جو غبن قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہو وہ یسیر ہے اور جو داخل نہ ہو وہ فاحش ہے۔ مجلّہ احکام عدلیہ (م ۱۶۵) نے فیصلہ شدہ مقدار مقرر کیا ہے غبن فاحش کے لئے کہ منقولات میں ۵ فیصد کے برابر حیوانات میں ۱۰ فیصد اور زمینوں میں ۲۰ فیصد یا ان سے زیادہ اور ان سے کم غبن یسیر ہے۔ جمہور علماء بھی صاحبینؒ کے موافق ہیں ثمن مثل سے کم میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے کہ وکیل مؤکل اضرار نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ اس کی اصلاح ونصح کے لئے ماخوذ ہے اور قرینہ عرفیہ کی وجہ سے نقد بلاد کے علاوہ فروخت کی اجازت نہیں دیتے، اگر شہر میں دو قسم کے نقود ہوں تو غالب کے ساتھ فروخت کرے اور اگر دونوں برابر ہوں تو مؤکل کے لئے نفع بخش ہو اس کے ساتھ فروخت کرے اور یہی اختلاف نقد اور ادھار فروخت کرنے میں جاری ہوگا۔

امام صاحبؒ کے ہاں نقد اور ادھار فروخت کرنے کا مالک ہے، صاحبینؒ اور جمہور علماء کے ہاں: صرف نقداً فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اصل نقد فروخت کرنا ہے۔ اور وکیل بالشراء کے لئے بالاتفاق ثمن مثل یا عادۃً لوگ جس میں دھوکہ کھا جاتے ہیں اس کے علاوہ فروخت کرنا جائز نہیں۔ امام صاحب وکالت بالشراء میں صاحبین اور دوسرے علماء کے ساتھ متفق ہیں وجہ یہ ہے کہ شراء میں تہمت ہوتی ہے اور بیع میں اس طرح کی تہمت نہیں اس لئے آپ بیع اور شراء میں فرق کرتے ہیں۔

وکیل کا مؤکل فیہ میں سے بعض حصہ فروخت کرنا...... جب وکیل آدھا حصہ فروخت کرے جس کا اسے وکیل بنایا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف)...... اگر چیز ایسی ہو کہ اسے ٹکڑے کرنے سے نقصان نہیں ہوتا تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں اس طرح فروخت کرنا جائز ہے اور یہ کیلی وزنی چیزوں میں یا دو چیزوں کی بیع میں جیسے دو گھر ہوں اور ایک فروخت کر دیا تو یہ جائز ہے بالاتفاق۔

(ب)...... اگر ٹکڑے کرنے میں نقصان ہو بایں طور کہ کتاب فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے نصف فروخت کر دی تو امام صاحبؒ کے ہاں یہ جائز ہے۔ صاحبین، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں ہاں اگر مؤکل اجازت دے دے یا باقی نصف بھی وہ فروخت کر دے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ وکالت متعارف کی طرف لوٹتی ہے اور نصف کا فروخت کرنا متعارف نہیں، اس لیے کہ اس میں

عین کی ملکیت میں اشتراک کی وجہ سے نقصان ہے اور ضرر دور کرنا واجب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل...... جب وکیل کے لئے کل کو اس مقدار ثمن میں فروخت کرنا جائز ہے تو بعض کو فروخت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اس لئے کہ اس میں مؤکل کا نفع ہے کہ بعض کو اس کی ملکیت میں روکے رکھا ہے۔ اور وکیل بالشراء حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس کے لئے بعض خریدنا جائز نہیں یا مؤکل کی اجازت سے یا باقی بعض بھی خریدے، وکیل بالشراء اور وکیل بالبیع میں فرق یہ ہے کہ شراء میں تہمت پائی جاتی ہے برخلاف بیع کے ''کما عرفنا'' پس وکیل بالشراء کے لئے جائز نہیں کہ وہ بعض کو کل ثمن کے بدلے خریدے۔ شوافع اور حنابلہ نے صاحبین کا مذہب اختیار کیا ہے بیع میں بھی اور مالکیہ کے ہاں: مؤکل کے لفظ عام ہیں عرف سے خاص ہو جاتے ہیں اور کتاب کی بیع میں عرف یہ ہے کہ پوری کی بیع ہو۔

مشتری کو ثمن سے بری قرار دینا...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وکیل بالبیع مشتری کو ثمن سے بری قرار دینے کا مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اسے مؤخر کرے یا اس سے عوض لے لے یا کسی چیز پر صلح کرلے یا کسی دوسرے شخص پر حوالہ کردے البتہ ان صورتوں میں مؤکل کے ثمن کا ضامن ہوگا ان کی دلیل کہ ثمن پر قبضہ کرنا وکیل کے حقوق میں سے ہے، پس یہ تصرفات بھی اس کا حق ہیں، لیکن ثمن کا ضامن ہوگا مؤکل کے لئے، اس لئے کہ تصرف اگرچہ اس کے حق میں ہے لیکن اس نے غیر کی ملکیت میں تعدی کی اتلاف کے ساتھ، پس اس پر ضمان واجب ہے۔ صاحبین کے ہاں وکیل ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں اس لئے کہ یہ مؤکل کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے۔

وکیل کا کسی دوسرے کو بیع کے لیے وکیل بنانا...... مؤکل کی اجازت کے بغیر بالاتفاق جائز نہیں اس لیے کہ وکالت میں یہ اصول ملحوظ ہے کہ ایک خاص شخص جس کی رائے مہارت اور امانت وغیرہ کا اعتبار ہے اس سے یہ چیزیں مستثنیٰ کی ہیں۔

الف..... جس چیز کی وکالت ہے وہ وکیل کی مروت کے خلاف ہو جیسے جانور بازار میں فروخت کرنا، جبکہ وکیل شریف النفس ہو یہ اس کے مناسب نہیں۔

ب..... مؤکل فیہ اتنا زیادہ ہو کہ وکیل اسے سنبھال نہ سکتا ہو دوسرے کی مدد کے بغیر۔

ج..... کہ مؤکل فیہ خاص مہارت کا محتاج ہو جیسے ہندسہ وغیرہ اور وکیل اس کا اہل نہ ہو یہ سب چیز حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں وکیل خاص کے بارے میں ہیں اور وکیل عام کو ہر طرح کا اختیار ہے۔

شبہ والے تصرفات متہم فیہ...... وکیل بالبیع کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے لیے اسے فروخت کرے، اس لئے کہ وہ اس تصرف میں متہم ہے، نیز اس لئے بھی کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں پس اپنے آپ کو فروخت کرنے کی وجہ سے ایک ہی شخص ایک زمانہ میں سپرد کرنے والا، وصول کرنے والا، مطالب اور مطالَب ہو اور یہ محال ہے اسی بناء پر فقہاء نے انعقاد بیع کے لئے تعدد عاقد شرط قرار دیئے ہیں۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وکیل کو اختیار نہیں کہ وہ فروخت کرے یا خریدے ثمن مثل یا کم کے ساتھ اپنے باپ دادا اولاد کو اور ان سارے لوگوں کو جن کی شہادت اس کے لئے قبول نہیں جیسے پوتا اور پوتی وغیرہ اس لئے کہ ان کو فروخت کرنا اپنے آپ کو فروخت کرنے کے معنیٰ میں ہے اس لئے کہ ان کے منافع ایک ہی ملکیت سے متصل ہیں پس ان کو فروخت کرنے میں تہمت ہے مبیع کے ایثار کی برخلاف اجنبی کے۔

صاحبینؒ کے ہاں...... وکیل کے لئے انہیں فروخت کرنا جائز ہے اپنے آپ کو مثل قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ وکالت مطلق ہے انہیں فروخت کرنا اور اجنبی کو فروخت کرنا برابر ہے اور کوئی تہمت نہیں، اس لئے کہ ان کی املاک متباین ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ جب املاک متباین ہیں تو منافع بھی ان کے درمیان الگ الگ ہیں۔

مالکیہ کے ہاں......وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ مؤکل فیہ کو اپنے لئے فروخت کرے یا جو اس کے عیال اور پرورش میں ہیں چھوٹا بچہ، بیوقوف، اور مجنون، اور اپنی بیوی اور سمجھدار بچے کو فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک سے روایت ہے کہ وکیل اپنے لئے خرید سکتا ہے۔ شوافع کے ہاں اصح اور حنابل کے ہاں دو روایتوں میں سے ایک روایت میں وکیل کے لئے اپنے اور چھوٹے بچے کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں باپ دادا اور بالغ اولاد تمام فروع کو فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اس ثمن کے ساتھ فروخت کیا ہے کہ اگر اجنبی کو ان ثمنوں کے ساتھ فروخت کرتا تو بیع صحیح ہوتی، لہٰذا کوئی تہمت نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے دوست کو فروخت کرے اور اس سے ظاہر ہوا کہ حنفیہ مطلقاً وکیل کو اپنے لئے فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور جمہور اس بیع کی اجازت نہیں دیتے الا یہ کہ مؤکل فروخت کی اجازت دے دے اور مالکیہ دو شرطیں اور لگاتے ہیں۔

۱......کہ بیع مؤکل کی موجودگی میں ہو اور وہ انکار نہ کرے۔

۲......کہ رغبت اشیاء کو ہو اور ثمن مقرر ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اصول فروع اور بیوی کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور جمہور اصول اور بیوی کو ثمن مثل کے ساتھ فروخت کرنے کی اجازت دیتے ہیں فروع کے لئے نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے راجح رائے رکھی ہے خاص کر اس زمانے میں تہمت سے بچنے کے لئے۔

خلاصہ......وکیل کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے واجبات کو پورا کرے اور نافذ کرے جو مؤکل کے حق میں لازم ہے اور مؤکل پر واجب ہے کہ عارضی خسارہ برداشت کرے جبکہ تعدی اور کوتاہی سے نہ ہوا ہو۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ اجرت جس کا وکیل مستحق ہے اسے ادا کرے جبکہ وکالت پر اجرت مقرر ہو اور وکیل اپنا کام پورا کرے۔

وکیل بالشراء کے تصرفات......وکالت کی دونوں قسموں عامہ اور خاصہ میں جہالت کا حکم بیان کیا ہے، اور اب وکیل بالشراء کے وکالت مطلقہ اور مقیدہ کے تصرفات بیان کردوں۔ اگر وکالت مقیدہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس قید کا لحاظ رکھا جائے گا چاہے وہ قید مشتری کی طرف لوٹے یا ثمن کی طرف۔ جب وکیل مخالفت کرے تو مؤکل پر لازم نہیں ہوگا ہاں اگر خیر ہو تو پھر لازم ہوگا۔

خریدی گئی چیز کی طرف راجح قید کی مثال......مؤکل کہے میرے لئے فلاں شہر کی فریج خریدو، وکیل نے کسی اور شہر کی بنی ہوئی خریدی تو مؤکل پر اس کا خریدنا لازم نہیں وکیل کے ذمہ لازم ہوگا، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ ہر مقید میں قید کا اعتبار کیا جائے گا سوائے اس قید کے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ مذکورہ قید مفید ہے۔ ثمن کی طرف راجح قید کی مثال: مؤکل کہے: میرے لئے فریج ایک ہزار روپے کی خریدو، وکیل نے ایک ہزار سے زیادہ کی خرید لی یہ وکیل کے ذمہ لازم ہے مؤکل کے ذمہ نہیں، کیونکہ مؤکل کی مخالفت کی ہے۔ لیکن اگر اس نے آٹھ سو کی خریدی اور اس کے مثل عادۃً ہزار کی خریدی جاتی ہے تو پھر یہ مؤکل کے ذمہ لازم ہے کیونکہ مخالفت خیر کی طرف ہے۔

اگر کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا اس نے کچھ خرید لی اب اگر اسے اس طرح خریدنے میں نقصان ہو جیسے گاڑی تو مؤکل کے ذمہ بعض کا خریدنا لازم نہیں اور اگر اسے ٹکڑے کرنے میں ضرر نہ ہو جیسے وسیع زمین کو حنفیہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مؤکل کے ذمہ لازم ہے۔ اگر وکیل بنایا کہ قسطوں یا ادھار پر خریدو اس نے فی الحال نقد ادا کر کے خرید لیا تو وکیل کے ذمہ لازم ہوگا اس لئے کہ مؤکل کی مخالفت کی ہے، اور اگر وکالت بالعکس ہو اور وہ قسطوار یا ادھار خریدے تو مؤکل پر خریدنا لازم ہے، اس لیے کہ اگرچہ اس نے یہاں صورۃً مؤکل کی مخالفت کی ہے لیکن معنوی طور پر مؤکل کی طلب کی موافقت ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ صورت کا۔ اور اگر خیار شرط کے ساتھ خریدنے کا وکیل بنایا اس نے خیار کے بغیر خرید لیا تو یہ وکیل کے ذمہ لازم ہے، اور اگر کوئی متعین چیز خریدنے کا وکیل بنایا وکیل نے اس کے علاوہ کوئی چیز خرید لی تو حنفیہ کے ہاں مؤکل کو

اختیار ہے چاہے کچھ لے چاہے واپس کردے۔ جمہور کے ہاں خریداری وکیل کے ذمہ لازم ہے۔

خلاصہ یہ کہ عام قاعدہ ہے کہ وکیل بالشراء جب مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے تو حنفیہ کے ہاں وکیل اپنے لئے خریدنے والا شمار ہوگا الا یہ کہ مخالفت خیر کی طرف ہو تو پھر بالاتفاق فقہاء کے ہاں مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا اور وکیل بالبیع اگر مؤکل کے حکم کی مخالفت کرے تو بیع مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گی، ان دونوں کے درمیان فرق عرفنا سابقاً۔

اسی بناء پر اگر ایک دینار کی بکری خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے ایک دینار کی دو بکریاں خریدلیں تو حنفیہ کے ہاں دونوں مؤکل کے ذمہ لازم ہوں گی اور مالکیہ کے ہاں بھی بغیر اختیار کے دونوں لازم ہوں گی اور شوافع وحنابلہ کے ہاں اگر ان میں سے ہر ایک یا ایک ایک دینار کی ہو تو وکیل کے ذمہ لازم ہوگی عروۃ البارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ سے استدلال کرتے ہوئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل تھے۔

اگر وکالت مطلقہ ہو تو ممکنہ حد تک اطلاق کی رعایت کی جائے گی اور اگر کوئی مطلق عرف جو اس کی تقیید پر دال ہو تو پھر اسے مقید کیا جائے گا، اور اسی پر جب کسی نے سواری خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور اس کی قیمت اور نوع بیان کردی مثلاً کہا گدھا لانا، اس نے اندھا جانور خریدلیا تو یہ شراء جائز ہے اور مؤکل کے ذمہ لازم ہے اسی طرح اگر کانا جانور یا ہاتھ اور ٹانگیں شل خریدلیا ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں موکل کے ذمہ لازم ہوگا، کیونکہ دابہ کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے ان سب پر بولا جاتا ہے جیسے سالم اعضاء والے پر لہٰذا مطلق کو دلیل کے بغیر مقید کرنا جائز نہیں۔

صاحبینؒ کے ہاں: مؤکل کے ذمہ پر خریداری لازم نہیں، وکیل کے ذمہ لازم ہے، اس لئے کہ عرفاً وعادۃً دابہ خدمت کے لئے خریدی جاتی ہے اور خدمت کی غرض منفعت فوت ہونے کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی، لہٰذا عرف کی وجہ سے سلامتی اعضاء والا جانور مراد ہوگا۔

اور جب کسی نے وکالت صحیح کے ساتھ کسی چیز کے خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور مؤکل نے ثمن بیان نہ کئے وکیل نے مثل قیمت کے ساتھ وہ چیز خریدلی یا اس سے کم قیمت پر یا زیادہ پر جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں، تو یہ شراء مؤکل کے لئے ہے اور اگر غبن فاحش کے ساتھ خریدا تو یہ وکیل کے ذمہ لازم ہوئی اس لئے کہ تھوڑی زیادتی سے بچنا ممکن نہیں تو مؤکل کے لئے خریدنا جائز ہے کہ وکلاء پر یہ معاملہ تنگ نہ ہو نیز لوگوں کو بھی حاجت ہے یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے۔ رہ گئی زیادہ اضافہ تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے بچا جاسکتا ہے۔ اور اس کے متعلق حنابلہ قلیل اور کثیر کے درمیان فرق کرتے ہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اختلاف سے نکلنے کے لئے مؤکل کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب کسی کو خریدنے کا وکیل بنائے تو اس کا نام، جنس، صفت یا جنس اور مقدار ثمن بیان کرے، الا یہ کہ وکالت عامہ کے طور پر وکیل بنائے تو اس صورت میں وہ جو کچھ بھی خریدے گا تو اس کی رائے کے موافق ہوگا اور صاحبین کے ہاں یہ عرف وعادۃً سے مقید ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... اگر مطلق شراء کی وکالت ہو تو مشتری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ثمن مثل کے ساتھ خریدے اور ثمن مثل سے زیادہ یا غبن فاحش کے ساتھ نہ خریدے، اس لئے کہ وکیل مؤکل کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور عمدگی کا مامور ہے زیادہ ثمن سے خریدنا نقصان ہے اور عیب معلوم ہو تو عیب دار چیز نہ خریدے، اس لئے کہ مؤکل نے معیب چیز خریدنے کا حکم نہیں دیا اور مؤکل واپس کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

جب کسی معین چیز کے خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکیل اسے اپنے لئے نہیں خرید سکتا اگر اپنے لئے خریدلی تو وہ مؤکل کے لئے ہوگی اس لئے کہ اپنے لئے خریدنا اپنے آپ کو وکالت سے معزول کرنا ہے اور وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا، مؤکل کی عدم موجودگی میں۔ ہاں اگر کسی غیر متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو پھر وہ اپنے لئے خرید سکتا ہے اگر مؤکل کی نیت کرے تو اس کی ہوئی۔ اور وکیل بالشراء اپنے لئے خریدنے کا مالک نہیں جیسے کہ وکیل بالبیع اور یہ حنفیہ، شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق ہے اس لئے کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹنے

میں اور ایک ہی زمانے میں ایک شخص مسلم بھی ہو متسلم بھی ہو متسلم بھی مطالب بھی نیز اپنے لئے خریدنے کی وجہ سے وہ متہم ہوگا ہاں امام مالکؒ سے روایت ہے کہ وکیل اپنے لئے ثمن مثل یا زیادہ سے خریدے اسی طرح اپنی بیوی اور سمجھدار بچے کو فروخت کرسکتا ہے جیسا کہ ان دونوں سے خرید سکتا ہے۔ مؤکل فیہ کو اپنے والد دادا بچے، بیوی کے بچے وغیرہ سے نہیں خرید سکتا اور ہر وہ جس کی شہادت اس کے لئے قبول نہیں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں صاحبین کے ہاں مثل قیمت اس سے کم اور عادۃً لوگ جس سے دھوکا کھاجاتے ہیں اس سے خرید سکتا ہے۔

اگر طعام خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے گندم کا آٹا مراد ہوگا اور جب گوشت خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مراد وہ ہوگا جو بازار میں فروخت ہوتا ہے اور لوگ عام طور پر اسے خریدتے ہوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، اور اونٹ وغیرہ کا اگر عادۃً یہ فروخت ہوتا ہو اور بھنا ہوا اور پکا ہوا مراد نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مسافر ہو۔ اور نہ ہی پرندے، مچھلی اور نہ ہی زندہ بکری کا اور ذبح شدہ مراد نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عادت خریدنے کی نہیں اسی طرح نہ پیٹ، جگر، سر اور پائے اس لئے کہ عرفاً یہ گوشت شمار نہیں ہوتے۔ اگر کسی نے مچھلی خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے تازہ اور بڑی مچھلی مراد ہوگی، چھوٹی مراد نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عادت نہیں اور اگر سری خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مراد تازی سری ہوگی پکی ہوئی یا بھنی ہوئی نہیں اور بکری کی سری مراد ہوگی اونٹ اور گائے کی نہیں۔ اگر پھل خریدنے کا وکیل بنایا تو جو پھل بازار میں بکتے ہیں وہ مراد ہوں گے اور اگر انڈے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس سے مرغی کے انڈے مراد ہوں گے اور اگر دودھ خریدنے کا وکیل بنایا تو بازار میں عادۃً جس کا دودھ فروخت ہوتا ہو وہ مراد ہوگا بکری گائے، اونٹنی وغیرہ کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ عرف وعادت کے اعتبار سے جو چیز جس علاقہ وزمانہ میں لوگ استعمال کرتے ہوں وہی خریدی جائے گی۔

وکیل کے مؤکل کے لئے خریدنے کا تعلق...... جب وکیل بالشراء نے اپنے مال سے مؤکل کی واضح اجازت کے بغیر رقم ادا کردی اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا، تو اسے اختیار ہے کہ وہ مؤکل پر رجوع کرے کیونکہ دلالۃً اجازت موجود ہے، اس لئے کہ عقد کے حقوق عاقد کی طرف لوٹتے ہیں، اور مؤکل کو ثمن کا معلوم ہے تو وہ دینے پر راضی ہے، اب اگر مبیع وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے موکل سے رقم لینے سے پہلے تو وہ مؤکل کے مال سے ہلاک شمار ہوگی اور ثمن ساقط نہیں ہوں گے اور وکیل بالشراء کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ رقم وصول کرنے تک مبیع کو روکے رکھے، اگرچہ بعد میں دے دے، اس لئے کہ مؤکل کے ساتھ وہ بمنزلہ بائع ہے اب اگر اس نے ثمن وصول کرنے کے لئے روک لی اور اس کے ہاتھ میں وہ ہلاک ہوگئی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں رہن کے ضمان میں مضمون ہوگی لہٰذا قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہو وہ دے گا مؤکل، اور امام زفرؒ کے ہاں غصب کا ضمان ہوگا لہٰذا اس کا مثل یا اس کی قیمت جتنی بھی ہو اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں مبیع کا ضمان ہوگا لہٰذا ثمن ساقط ہوجائیں گے چاہے تھوڑے ہوں یا زیادہ، رہ گیا وکیل کا تعلق جن سے معاملہ کرتا ہے تو یہ مؤکل کے حساب سے حقوق کا نفاذ ہے جیسے ثمن کی ادائیگی، عیب کی وجہ سے واپس کرنا جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہو۔

دوسرا حکم: عقد کے حقوق اور وکالت میں ان کا حکم

عقد کے حقوق...... وہ اعمال ہیں جن کے بغیر عقد کی غرض وغایت کے حصول میں چارہ ہی نہیں۔ مثلاً مبیع سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، عیب کی وجہ سے واپس کرنا یا خیار رؤیت اور خیار شرط کی وجہ سے واپس کرنا اور استحقاق کی صورت میں ثمن واپس کرنے کا ضمان۔ اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ عقود جو ایجاب وقبول سے مکمل ہوتے ہیں جیسے بیع وغیرہ اگر ان میں وکیل عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرے تو یہ حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں، اور اگر اپنی طرف نسبت کرے تو بیع شراء کی وکالت میں عام قاعدہ ہے کہ جمہور کے ہاں عقد کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اسی کے ذمہ مبیع سپرد کرنا ہے اور وہ بالفعل سپرد کرے گا اور قبضہ کرنا، اور یہی ثمن پر قبضہ کرے گا اسی

سے ثمن کا مطالبہ ہوگا اور عیب کی وجہ سے واپس کرے گا وغیرہ اور حنابلہ کے ہاں مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں۔ تفصیل آرہی ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... وکالت میں بعض وہ صورتیں ہیں جن میں کوئی حقوق نہیں الا یہ کہ جن کا وکیل کو حکم ہو جیسے دین وصول کرنے کی وکالت اور ساتھ لگے رہنے کی وکالت، اور بعض وہ ہیں جن کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں۔

الف...... حنفیہ کے ہاں اس بارے میں عام قاعدہ ہے کہ ہر وہ عقد جس میں مؤکل کی طرف نسبت کی احتیاج نہیں اور اپنی طرف نسبت کافی ہے تو اس کے حقوق عاقد کی طرف لوٹتے ہیں جیسے بیوع، وشرایات، اجارات صلح اقرار تو ان عقود کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی کے ذمہ ہے مبیع سپرد کرنا ثمن پر قبضہ کرنا، اور ثمن کا مطالبہ مبیع پر قبضہ اور عیب کی وجہ سے جھگڑا۔

پس اس پر مبیع مشتری کے حوالے کرنا واجب ہے اور ثمن پر قبضہ کرنا اور جب مشتری مبیع میں کوئی عیب دیکھے تو وہ جھگڑا وکیل سے کرے اور جب معلوم ہو کہ بائع کے علاوہ کسی کی مبیع ہے تو وکیل پر ضمان واجب ہوگا الا یہ کہ عاقد ایسا ہو جس پر ذمہ داری عقد نہ ہو جیسے بچہ جو تصرف سے روکا گیا ہے، قاضی، قاضی کا امین وغیرہ تو ان صورتوں میں عقد کے حقوق مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں، نہ کہ وکیل کی طرف اور جب وکیل عقد کی نسبت مؤکل کی طرف کرے جب بھی حقوق مؤکل کی طرف راجع ہوں گے۔ اور وکیل کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ حقوق عقد کے تحمل کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنائے اور جب تک وکیل ہو اس وقت تک مؤکل کو اختیار نہیں کہ وہ ان میں کسی چیز کو خود کرے، پس جب مؤکل مشتری سے بیع کے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری اسے قبضہ سے روک سکتا ہے۔ اسی لئے کہ موکل عقد اور حقوق عقد سے اجنبی ہے، اس لئے کہ حقوق اس کے عاقد کی طرف راجع ہوتے ہیں، اگر مشتری ثمن موکل کو دے دے تو یہ بھی جائز ہے اس لئے کہ صرف ثمن پر قبضہ میں اس کا حق معتبر ہے اور وکیل کو دوبارہ مطالبہ کا حق نہیں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے ورنہ واپس کرنا واجب ہوں گے۔

ب...... اور ہر وہ عقد جس میں مؤکل کی طرف نسبت ضروری ہو تو اس کے حقوق مؤکل کی طرف راجع ہیں جیسے نکاح طلاق، مالی، خلع، دم عمد سے صلح اور مدعی عالیہ کہ انکار پر صلح وغیرہ تو ان عقود کے حقوق مؤکل کے لئے ہیں اور ذمہ داری بھی اسی پر ان میں وکیل سفیر اور قاصد ہے حتیٰ کہ شوہر کا وکیل نکاح میں اس سے مہر کا مطالبہ نہ ہوگا بلکہ شوہر سے مطالبہ ہوگا الا یہ کہ مہر کا ضامن ہو اس صورت میں اس سے مطالبہ ہوگا ضمان کے حکم میں، اور نکاح میں عورت کا وکیل مہر کے قبضہ کا مالک نہیں اور نہ ہی عورت کے وکیل پر عورت سپرد کرنا لازم ہے اور اسی طرح وکیل خلع بدل خلع پر قبضہ کا مالک نہیں جبکہ وہ مرد کی طرف سے ہو اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو اس سے بدل خلع کا مطالبہ نہ ہوگا ہاں اگر ضامن ہے تو الگ بات ہے اسی طرح دم عمد کی صلح کا وکیل۔

ج...... اسی طرح وہ عقود جو قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتے، یعنی متعین عقود جیسے ہبہ، قرض، عاریت، رہن وغیرہ ان کی اضافت مؤکل کی طرف کرنا لازم ہے اور حقوق بھی اسی کی طرف راجع ہیں ورنہ عقد وکیل کی طرف سے ہوگا وجہ یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عقد جب اصیل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ان میں شخصی اعتبار ہے اور یہ حنفیہ کا مذہب ہے انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عام طور پر وہ کرتے ہیں کہ شوافع ان کے مخالف اور وہ حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع کرتے ہیں، لیکن صحیح اور مناسب بات یہ ہے کہ نقل مذہب سب معتمد کتب پر اعتماد ہونا چاہئے علامہ نووی کی ''المنہاج'' میں تصریح ہے کہ عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہیں مؤکل سے نہیں تو یہ جعفر کے مذہب پر ہیں اس میں اور مالکیہ بھی حنفیہ کے مذہب پر ہیں کہ عقد کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہیں نہ کہ عقد کی کسی طرح۔

حنابلہ کے ہاں...... عقد کے حقوق مؤکل کی طرف راجع ہیں نہ کے وکیل کی طرف اس لئے کہ ان کے ہاں وکیل اصیل کی طرف سے صرف سفیر و معتبر ہے اور ان کی اس رائے کی وجہ سے وکالت کی غرض فوت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مؤکل دوسرے کو ان کاموں میں وکیل بناتا

ہے تاکہ اس کی مباشرت کم ہو یا یہ کہ اس کے مناسب نہیں وہ کام کرے یا اسے کرنے کی طاقت ہی نہیں، بس جب حقوق اس کی طرف لوٹے تو وکالت کی غرض حاصل نہ ہوگی اور یہ مذاہب کا اختلاف اس صورت میں خاص ہے جب وکیل وضاحت نہ کرے کہ عقد اصیل کے حساب سے ہے اور اگر وضاحت کردے تو پھر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عقد کے حقوق وغیرہ اصیل کے ہوں گے نہ کہ نائب کے۔ اس بحث سے مؤکل کے اور وکیل کے حقوق اور وکیل کے بیع میں واجبات معلوم ہوتے۔

مؤکل کے واجبات...... وکالت بالبیع میں عارضی خسارہ برداشت کرنا، وکیل کو اجرت دینا عمل نافذ کرنا اور مؤکل کا حق ہے کہ وکیل نے جس کا التزام کیا ہے اس کو نافذ کرے۔

وکیل بالبیع کے واجبات...... قیود کی پابندی، اور شرائط کے رعایت وکالت عرف، عادت کی رعایت وکالت مطلق میں۔

وکالت شراء میں مؤکل کے واجبات سے..... خریدے ہوئے سامان کے ثمن کی ادائیگی، عارضی خسارہ برداشت کرنا، وکیل کی اجرت دینا۔

وکیل بالشراء کے واجبات...... ثمن مثل سے خریدنا، جمہور کے ہاں عیب سے پاک سامان خریدنا اور حنفیہ کے ہاں متعین چیز موکل کے لئے خریدنا، اور مالکیہ کے ہاں جس چیز میں مؤکل کی مصلحت ہو وہ کرنا اگر مخالفت کی تو درست نہیں۔

وکیل بالشراء کے حقوق...... جو مؤکل نے متعین کئے ہیں ان سے کم میں خریدنا اور اپنے مال سے جو ثمن دیئے ہیں وہ موکل سے لینا اور ثمن کی وصولی تک مبیع کو روکے رکھنا مؤکل سے اور عیب کی وجہ سے واپس کرنا۔

عقد کا حکم...... ہم نے حنفیہ اور شوافع کے ہاں عقد وکالت کے حقوق جو وکیل کی طرف راجح ہوتے ہیں کے متعلق وضاحت کی، اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عقد کا حکم ذکر کریں اور حکم عقد سے مراد غرض وغایت ہے:

الف..... عقد بیع اور وہ عقود جو ایجاب وقبول پر موقوف ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ مبیع میں مشتری کی اور ثمن میں بائع کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو عقد وکیل کے واسطے سے مکمل ہوتا ہے وہ موکل کا ہوتا ہے نہ کہ وکیل کا، اس لئے کہ وکیل مؤکل کے نام پر اور اس کی طرف سے عاقد بن کر کام کرتا ہے اور اس نے اس سے ولایت حاصل کی اور جمہور کے ہاں عقد کا حکم مطلقاً مؤکل کی طرف لوٹتا ہے چاہے وکیل اپنی طرف نسبت کرے یا مؤکل کی طرف اور مالکیہ کے ہاں جب وکیل مؤکل کا اظہار کرے تب مؤکل کی طرف حکم لوٹے گا۔ اور مؤکل کے لئے ملکیت ثابت ہو جائے گی عقد کی ابتداء ہی سے اس کے بغیر کہ پہلے وکیل کے لئے ثابت کریں پھر مؤکل کی طرف منتقل اور یہ مذاہب اربعہ میں ہے، اس لئے کہ درحقیقت وکیل مؤکل کے لئے اس کے حکم سے کام کرتا ہے۔ اور اسی پر دارومدار ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو شراب اور خنزیر کے خریدنے کا وکیل بنائے تو یہ خریدنا درست نہیں، اس لئے کہ مسلمان ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا، یہ حنفیہ کا مذہب ہے نہ کہ وہ جو مالکیہ اور حنابلہ کی کتب میں ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ملکیت پہلے وکیل کی پھر مؤکل کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

ب..... جو عقد قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتے جیسے ہبہ اور عاریت: عقد کا حکم مؤکل کے لئے ہوتا ہے اگر چہ وکیل اپنی طرف نسبت بھی کرے بایں طور کہے میں نے ہبہ کیا یا یہ چیز میں نے عاریت دی، اس لئے کہ وکیل محض سفیر اور معبر ہوتا ہے ان عقود میں۔

ج..... عقد نکاح: جب عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرے بایں طور کہے "تزوجك فلان"، تو حکم مؤکل کے لئے ثابت ہوگا، اور جب اپنی طرف نسبت کر کے کہے "تزوجتك" تو نکاح اس کا ہوگا نہ کہ مؤکل کا۔

د......طلاق: یہ نکاح کی طرح تفصیل سابق کے ساتھ اگر شوہر کا وکیل ہے اور اگر عورت کا وکیل ہے تو پھر طلاق کی نسبت اس کی طرف کرنا ضروری ہے اور کہے "طالق فلانة علی کذا"۔

تیسرا حکم: وکیل کے قبضہ میں موجود چیز کی حالت......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکیل کے قبضہ میں امانت بمنزلہ ودیعت ہے، اس لئے کہ اس کا قبضہ مؤکل کی نیابت میں ودیع کے بمنزلہ ہے، لہٰذا ودیعت میں جس کا ضمان ہوتا ہے یہاں بھی ہوگا اور بری ہوگا جس طرح یہاں ہوتا ہے۔

اور ضمان کے سلسلہ میں اسی کی بات معتبر ہوگی اور حکم کے سلسلہ میں مجمل بات یہ کہ وکیل امین ہے اس پر مؤکل کے لئے کوئی ضمان نہیں، ہاں اگر وہ تعدی و کوتاہی کرے تو پھر ہے، اور عارضی خسارہ بھی مؤکل برداشت کرے گا جب وکیل کی طرف سے تعدی و تقصیر نہ ہو۔ اور اسی قاعدے کی بنا پر ابن قدامہ نے "المغنی" میں چھ حالتوں کا حکم رکھا ہے جس میں وکیل اور مؤکل عادۃً مختلف ہیں میں اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔

پہلی حالت......دونوں کا اختلاف ہو جائے تلف یا مال ضائع ہونے میں، وکیل کہے، تیرا مال میرے ہاتھ سے تلف ہو گیا، اور مؤکل اس کی تکذیب کرے تو بالاتفاق وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ وہ امین ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر گواہ پیش کرنا متعذر ہے، لہٰذا ودیع کی طرح گواہ کا مکلف نہیں بنایا جائے گا، حنابلہ نے کسی ظاہری سبب سے تلف ہونے کی حالت کے دعویٰ کو مستثنیٰ کیا ہے مثلاً جل کر یا کسی نے اچک لیا وغیرہ تو ایسی صورت پر گواہ قائم کرے۔

دوسری حالت......وکیل کی طرف سے حفاظت اور مؤکل کے حکم کی مخالفت میں تعدی و کوتاہی میں اختلاف ہو مثلاً اس پر دعویٰ کرے کہ اس نے جانور پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا حفاظت میں تفریط کی یا اس نے مال واپس کرنے کا حکم دیا تھا اس نے نہیں کیا، تو یہاں بھی وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور مالکیہ کی ہاں مؤکل کا قول وکیل امین ہے چاہے وکالت پر اجرت ہو یا نہ ہو اس لئے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے قبضہ اور تصرف میں پس اس کے ہاتھ میں ہلاکت مالک کے ہاتھ میں ہلاکت تصور ہوگی لہٰذا ضامن نہ ہوگا۔

تیسری حالت......تصرف میں اختلاف ہو وکیل کہے: میں نے کپڑا فروخت کر کے ثمن لیے ضائع ہو گئے، مؤکل کہے نہ تو نے فروخت کیا نہ قبضہ کیا یا کہے تو نے فروخت کیا قبضہ نہیں کیا یعنی اختلاف یا تو بیع ہونے میں ہو یا ثمن کے قبضہ پر کہ حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں وکیل کا قول معتبر ہے اور شوافع کے دو قول ہیں اصح یہ کہ مؤکل کی تصدیق قسم کے ساتھ اس لئے کہ اصل تصرف نہ کرنا ہے۔

چوتھی حالت......مؤکل فیہ کو مؤکل کو لوٹانے میں اختلاف ہو وکیل دعویٰ کرے مؤکل انکار کرے تو ائمہ اربعہ کے ہاں وکیل کا قول معتبر ہے چاہے اجرت پر ہو یا نہ ہو اگر وکالت کی اجرت کے لیے یہ وکیل عین ہو تو عین سے نفع تھا۔

پانچویں حالت......اصل وکالت میں اختلاف ہو وکیل کہے تو نے مجھے وکیل بنایا ہے مؤکل انکار کرے تو ائمہ اربعہ کے ہاں مؤکل کا قول قسم کے ساتھ اصل عدم وکالت ہے امین ہونا ثابت نہیں۔

چھٹی حالت......صفت وکالت میں اختلاف: وکیل کہے تو نے مجھے ادھار فروخت کرنے اور خریدنے کا یا اس کتاب کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا مؤکل کہے نقد یا اس کپڑا پر یہ قلم فروخت کرنے کا بنایا تو ائمہ اربعہ کے ہاں مؤکل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لئے کہ اصل اجازت نہ ہونا ہے نیز مؤکل اجازت کی حالت کو زیادہ جانتا ہے۔

اگر دونوں اختلاف کریں وکالت میں خریدے گئے سامان کی قیمت میں تو حنفیہ کے ہاں اگر جس کا دعویٰ وکیل کر رہا ہے وہ اس کے

مساوی ہے تو وکیل کا قول معتبر اگر اس کے مساوی نہیں تو مؤکل کا قول شوافع اور حنابلہ کے ہاں وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا وہ امین ہے۔
اور اگر اختلاف خریدی گئی چیز کی نوع میں ہو مثلاً وکیل کھجور خریدے مؤکل کہے انگور کا کہا تھا تو وکیل کا قول قسم کے ساتھ، مالکیہ کے ہاں: ہر حالت میں وکیل کی بات معتبر ہوگی قسم کے ساتھ۔

چوتھی بحث: تعدد وکلاء......کبھی کبھی ایک شخص کی طرف سے بہت سے وکیل ہوتے ہیں تصرفات، خصومات یا قاضی کی عدالت میں پیش کرنے کے لئے جیسا کہ عام طور پر دو یا زیادہ وکیل ہوتے ہیں، اگر ایک شخص خاص عقد میں کئی وکیل بنا دے تو ان میں سے کوئی ایک بھی دوسروں کے مشورہ کے بغیر کام کرسکتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں اور اگر سب کی اکٹھی وکالت ہو ایک عقد میں تو ان میں سے کوئی ایک مؤکل کی اجازت کے بغیر کام نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ تصرف رائے کا محتاج نہ ہو جیسے ودیعت واپس کرنا، قرض ادا کرنا، یا ایسا ہو کہ سب کا جمع ہونا ممکن نہ ہو خصومت اور طلاق۔

مالکیہ خصومت میں بھی سب کو جائز قرار دیتے ہیں اور شوافع انفرادی طور پر خصومت عورتوں کی صورت میں جائز قرار نہیں دیتے اس لئے کہ مؤکل سب کے تصرف سے راضی ہے اور حنابلہ کے دو قول میں ایک شوافع کی طرح اور ایک انفرادی تصرف کے جواز کا عرف کی وجہ سے عام تعدد وکلا کے متعلق ان کی تطبیق اقسام وکالت میں ظاہر ہوگی۔

اگر تصرف ایسا ہو کہ اس میں رائے کی ضرورت ہے تو پھر کسی ایک وکیل کو تصرف کا اختیار نہیں دوسروں کے بغیر اس لئے کہ مؤکل سب کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں اگر دو آدمی بیع کے وکیل بنائے۔ تو ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر تصرف کا مالک نہیں اگر کسی ایک نے بیع کردی تو دوسرے کی اجازت یا مؤکل کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اس لئے کہ بیع میں رائے کی ضرورت ہے اور مؤکل دونوں کی رائے پر راضی ہے نہ کہ ایک کی۔ اگر دو آدمیوں کو خریدنے کا وکیل بنایا تو ان میں سے کوئی ایک اکیلا تصرف کا مالک نہیں البتہ اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں خرید لیا تو عقد مشتری پر نافذ ہوگا اجازت پر موقوف نہیں ہوگا برخلاف بیع کے اس لئے کہ وکیل بالشراء متہم ہوتا ہے مصلحت کی رعایت کی وجہ سے کماء عرفنا۔ اگر دو آدمیوں کو نکاح یا طلاق علی مال پر یا مالی عقود پر وکیل بنایا تو ایک دوسرے کے بغیر عقد کا مالک نہیں اس لئے کہ یہاں پر حکم دونوں کی رائے کا محتاج ہے، اور وصولی دین کے دو وکیلوں میں سے ایک قبضہ کا مالک نہیں دوسرے کے بغیر، اس لئے کہ دین پر قبضہ بھی رائے اور امانت کا محتاج ہے اور مؤکل نے دونوں کی رائے تفویض کی ہے نہ کہ ایک کی اور دونوں کی امانت پر راضی ہے نہ کہ ایک کی امانت پر۔

اور اگر تصرف ایسا ہو جس میں رائے لینے کی احتیاج نہ ہو تو دو وکیلوں میں سے ایک دوسرے کے بغیر تصرف کا مالک ہوگا مثلاً بغیر عوض طلاق کے وکیل یا ودیعت لوٹانے کے دین ادا کرنے کے وکیل، تصرف میں ایک منفرد ہے، اس لئے کہ یہ تصرفات ایسے ہے جن میں رائے کی ضرورت نہیں یہ صرف تعبیر ہے ایک اور زیادہ کی تعبیر برابر ہے۔ اور خصومت کے دو وکیل جو قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کریں تو جمہور حنفیہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اکیلا تصرف کا مالک ہے، اس لئے کہ اس میں وقت واحد دونوں کا اجتماع متعذر ہے، اس لئے کہ خصومت کا مقصد قاضی کو اطلاع دینی ہے ان وسائل دفاع کی جن کا خصم ایک ہے اور قاضی کی توجہ مبذول کررہی ہے اور دو وکیلوں کا دفاع میں جمع ہونا قاضی کی اطلاع و توجہ مبذول کرنے میں مخلص ہے، کما ہو واضح باقی دفاع کی یادداشت تیار کرنا تو اس میں طبعاً اجتماع ممکن ہے جیسا کہ دفاع کو تقسیم کرنا ممکن ہے دو وکیلوں کے درمیان۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خصومت کے دونوں وکیل منفرد نہیں، کیونکہ خصومت میں رائے کی ضرورت ہے۔

اور جمہور مالکؒ، شوافعؒ اور حنابلہؒ کے ہاں جب وکیل زیادہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کی مشاورت کے بغیر تصرف کا اختیار نہیں اس لئے کہ مؤکل دوسرے کے بغیر ایک کے تصرف پر راضی نہیں الا یہ کہ مؤکل دونوں کو انفرادی تصرف کی اجازت دے دے پھر ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ تصرف کرنا جائز ہے۔

پانچویں بحث: وکالت ختم ہونے کے طریقے:

عقد وکالت کی صفت: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر اجرت کے عقد وکالت جائز غیر لازم ہے عاقدین کی نسبت سے، مؤکل کی جانب سے تو اس طرح کے وہ کبھی مصلحت اس میں سمجھتا ہے کہ مؤکل فیہ کو چھوڑ دے یا کسی دوسرے شخص کو وکیل بنالے اور وکیل کی جانب سے اس طرح کہ کبھی وہ وکالت کے کاموں کے لئے فارغ نہیں ہوتا، پس عقد کو لازم قرار دینا طرفین کے لئے نقصان دہ ہے اسی بناء پر دونوں کو جب چاہیں رجوع کا حق حاصل ہے اور اس وقت وکالت ختم ہوجائے گی۔ اگر وکالت میں اجرت ہے تو اگر وہ انعام کی صورت میں ہے بایں طور کہ عقد میں وقت اور عمل متعین نہ ہو تو یہ بھی بالا تفاق لازم نہیں البتہ مالکیہ کے ہاں عمل شروع کرنے کے بعد جاہل کی ذمہ لازم ہے۔ اور اگر اجارہ کے طور پر ہو بایں طور کہ وقت اور کام متعین ہو جیسے بائع، سمسار (دلال) تو یہ حنفیہ کے ہاں اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق لازم ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں لازم نہیں وکالت بہت ساری چیزوں سے ختم ہوجاتی ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ مؤکل کا وکیل کو معزول کرنا..... بالا تفاق مؤکل کے معزول کرنے سے وکیل کی وکالت ختم ہوجاتی ہے، اس لئے کہ وکالت فیہ لازم ہے پس یہ اپنی طبیعت کے اعتبار سے فسخ کے قابل ہے لیکن معزولی کی صفت کے لئے حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وکیل کو معزولی کا علم ہو، اس لئے کہ عزل، عقد کو فسخ کرنا ہے لہٰذا اس کا حکم علم کے بعد لازم ہوگا، اور معزولی کا علم یا تو وکیل کی موجودگی سے مکمل ہوگا یا اسے خط لکھنے سے یا قاصد سے یا دو آدمیوں کی خبر یا ایک عادل کی خبر یا غیر عادل کی خبر سے جس کی وکیل تصدیق کردے اور معزولی کے علم سے پہلے کے تصرفات ایسے ہی ہیں جیسے معزولی سے پہلے کے تمام احکام ہیں۔ اور مالکیہ کے ہاں ارجح قول کے مطابق اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق یہ شرط بھی مشروط ہے اور اسی شرط میں شرط کا سبب یہ ہے کہ معزولی سے وکیل کو دو طرح کا نقصان ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کی ولایت باطل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ وہ عقد کے حقوق کا متحمل ہے اگر وکیل بالشراء ہے تو ثمن ادا کرے گا اور اگر وکیل بالبیع ہے تو مبیع سپرد کرے گا اور شوافع کے ہاں اصح اور امام احمدؒ سے دوسری روایت جو اس کے ہاں راجح کے مطابق یہ شرط نہیں اگر مؤکل نے وکیل اس کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں معزول کردیا تو وہ فی الحال معزول تصور ہوگا، اس لئے کہ عقد ختم کرنے میں دوسرے کی رضا کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا طلاق کی طرح اس کے علم کی ضرورت نہیں اور مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر وکیل اپنے آپ کو معزول کردے تو مؤکل کو اس کی اطلاع ضروری ہے یا اس کا حق محفوظ رہے اور اسے دھوکا نہ ہو۔

دوسری شرط..... وکالت کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو، اگر کسی دوسرے کا حق متعلق ہوا تو اس کی رضامندی کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں جیسے مدیون کا وکیل رہن فروخت کرنے کا تا کہ مدت پوری ہونے پر دین محفوظ رہ سکے اب مدیون مؤکل دائن کی رضامندی کے بغیر معزول کرنے کا مالک نہیں اس لئے کہ اس کا حق وکالت کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اس لئے کہ وہ دین عین فروخت کر کے وصول کرنا چاہتا ہے اور شوہر کا وکیل بیوی کی طلاق کے لئے جب چاہے دے اب شوہر، بیوی کی رضامندی کے بغیر وکیل معزول نہیں کرسکتا اور وکالت بالخصومت میں مدیون کی عدم موجودگی میں مثلاً ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو پھر مدیون دور کے سفر پر جانا چاہتا ہو دائن اس سے وکیل طلب کرے اور اس بنا پر وہ کسی کو وکیل بنادے تو یہ وکیل معزولی کے قابل نہیں اس لئے کہ مدیون کا قائم مقام ہے اور دائن کو اس سے اس دین کے علاوہ کے مطالبے کا حق نہیں اگر اسے معزول کردیا تو اس کا حق ضائع ہوجائے گا۔

۲۔ مؤکل کا مؤکل فیہ میں تصرف کرنا..... کہ مؤکل نے جس کام کے لئے وکل بنایا تھا وہ خود کرنے لگ جائے مثلاً دوسرے کو کسی چیز کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا پھر خود فروخت کردی تو بالا تفاق وکالت ختم ہوجائے گی اس لئے کہ اس وقت عقد موضوع نہیں رہے گا اور

وکیل کو معلوم نہ بھی ہوتب بھی معزول ہو جائے گا۔

۳۔ وکالت کی غرض ختم ہو جانا...... کہ تصرف کا نفاذ ختم ہو جائے جس کے لئے وکیل بنایا تھا اب عقد غیر موضوع ہو جائے گا۔

۴۔ مؤکل یا وکیل کا اہلیت سے نکل جانا...... موت کی وجہ سے بالا تفاق یا جنون مطبق جمہور کے ہاں برخلاف شوافع کے یا بے وقوفی کی وجہ سے پابندی لگنا ائمہ اربعہ کے ہاں بالا تفاق اور شوافع نے جنون کے ساتھ بے ہوشی کو بھی ملایا ہے اور ان کے علاوہ باقی آئمہ کے ہاں بے ہوشی کی وجہ سے اہلیت تصرف سے نہیں نکلتا، اور حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ان عوارض کی بناء پر اہلیت سے نکلنا دوسرے عاقد کو معلوم ہونا شرط نہیں اور مالکیہ کے ہاں لیکن مؤکل کی موت کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو جائے۔ جنون مطبق کی صاحب امام ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں وہ جنون ایک مہینہ تک ہو کیونکہ اس سے رمضان کے روزے ساقط ہو جاتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں ایک سال بھر روزے اس لئے سال کی وجہ سے تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں: صاحب تکملہ فتح القدیر قاضی زادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مختار وہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مہینہ، مہینہ یا اس سے زیادہ لمبی مدت ہے، صاحب در نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے۔

۵۔ مؤکل کا مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جانا...... یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے اس لئے کہ اس وقت یہ اہل حرب میں سے ہوگا اور صاحبین کے ہاں اس سے وکالت ختم نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کے ہاں مرتد کے تصرفات نافذ ہیں لہذا اس کے مرنے یا ارتداد کے سبب قتل کے بغیر وکالت باطل نہ ہوگی یا قاضی الحاق کا حکم کردے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتد کے تصرفات موقوف ہیں ان میں سے وکالت بھی ہے اگر مؤکل اسلام لے آیا تو نافذ ہوں گے اگر قتل کر دیا گیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

البتہ وکیل اگر مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا جائے تو بالا تفاق حنفیہ کے ہاں وہ وکالت سے نہیں نکلتا الا یہ کہ قاضی اس کے الحاق کا فیصلہ دے دے لیکن صرف الحاق سے اسے تصرف کرنا جائز نہیں اِلا یہ کہ مسلمان ہو جائے، اگر دار الحرب سے مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ جائے تو امام محمد کے ہاں وکالت لوٹ آئے گی مانع ختم ہونے کی وجہ سے اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں وکالت نہیں لوٹے گی اس لئے کہ دار الحرب میں چلے جانے کی وجہ سے وہ مُردوں میں شمار ہوتا ہے اس کی ولایت باطل ہوگئی تو وکالت بھی باطل ہوگئی مالکیہ کے ہاں وکیل ارتداد کی وجہ سے معزول ہو جائے گا اگر قتل کیا گیا تو بھی معزول اور اگر کسی مانع کی وجہ سے قتل مؤخر کیا گیا جیسے عورت حاملہ ہو تو اس میں علماء میں تردد ہے۔ اسی طرح مؤکل کے ارتداد کی وجہ سے بھی معزول ہوگا توبہ کے دن گذرنے کے بعد وغیرہ۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... وکیل کے ارتداد کی وجہ سے وکالت باطل نہیں ہونی چاہئے دار الحرب میں جائے یا نہ جائے، اس لئے کہ ارتداد ابتداء وکالت کے لئے مانع نہیں لہذا اس کے برقرار رہنے میں بھی مانع نہ ہوگی، اور مؤکل کا مرتد ہونا بھی حنابلہ کے ہاں وکالت کے تصرفات کو باطل نہیں کرتا اور شوافع کے ہاں بھی ظاہر یہی ہے ملک زائل نہ ہونے کی وجہ سے۔

۶۔ وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا...... یا وکیل اپنے آپ کو وکالت سے نکال لے جب وکیل نے کہا میں نے اپنے آپ کو معزول کر دیا یا میں وکالت کو رد کرتا ہوں یا میں اس سے نکلتا ہوں تو معزول ہو جائے گا اس میں شرط یہ ہے کہ مؤکل کو معلوم ہوتا کہ اسے نقصان نہ ہو۔

۷۔ جس چیز میں تصرف کرنا تھا اس کا ہلاک ہونا...... بالا تفاق عین کے ہلاک ہونے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس حالت میں عقد غیر موضوع ہوگا اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد تصرف غیر متصور ہے اور ایسی چیز میں وکالت کا تصرف جس میں تصرف

ہو ہی نہیں سکتا، محال ہے۔

۸۔ مؤکل فیہ کا مؤکل کی ملکیت سے نکلنا...... مثلاً منزل فروخت کرنے کا وکیل بنایا وہ منزل حکومت نے لے لی تو وکالت ختم۔

۹۔ افلاس...... مؤکل کے مفلس ہونے سے وکالت ختم ہو جائے گی جبکہ وہ اس کے مال میں ہو۔

۱۰۔ پابندی...... حنفیہ اور شوافع کے ہاں مؤکل کی طرف سے یا وکیل کی طرف سے پابندی لگا دینے کی وجہ سے بھی وکالت ختم ہو جائے گی اور حنابلہ کے ہاں ختم نہیں ہوگی۔

۱۱۔ تعدی و ظلم...... شوافع کے ہاں دو میں سے ایک وجہ سے وکالت ختم ہو جائے گی وکیل کا مؤکل غیر میں تعدی کرنا مثلاً کپڑا فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے خود پہن لیا، کیونکہ عقد وکالت امانت ہے وکیل کی خیانت سے باطل ہو جائے گا اور دوسری وجہ سے ختم نہیں ہوتا امانت باطل ہو کر ضمانت بن جائے گی اور تصرف باقی رہے گا میرے ہاں دوسری صورت اُصح ہے یہی حنابلہ کی رائے ہے۔

۱۲۔ فسق...... حنابلہ اور شوافع کے ہاں ایسا عقد جو فسق کے منافی ہے اس میں وکیل کے فاسق ہو جانے کی وجہ سے وکالت باطل ہو جاتی ہے جیسے نکاح میں ایجاب برخلاف قبول اور خریدنے کے۔

۱۳۔ طلاق...... مالکیہ کے ہاں شوہر بیوی کی طلاق کی وکالت سے طلاق کے بعد معزول ہو جائے گا اس لئے کہ طلاق اس کے ہاتھ میں تھی، اور بیوی معزول نہیں ہوگی اور حنابلہ کے ہاں وکالت باطل نہ ہوگی۔

۱۴۔ وقت کا گذر جانا...... مدت مقررہ کے بعد وکالت ختم ہو جائے گی مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں جبکہ حنفیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق ختم نہ ہوگی۔

یہ وکالت کے ختم ہونے کی اہم حالتیں تھیں فقہاء کے ہاں اور حنفیہ کی رائے کے مطابق یہ ان کے علاوہ ہیں چاہے وکیل کو معزولی کا علم ہو یا نہ ہو۔

انتهى الجزء الخامس ويتبعه الجزء السادس تتمة العقود وما يتعلق بها الملكية وتوابعها۔ الحمد لله ويفضل الله آج مؤرخہ ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۲۰۱۰ء بعد از نماز مغرب الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۵ کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور سرمایہ آخرت بنائے آمین۔